تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّۃ

فتاوٰی رضویہ

تصنیف لطیف:۔ اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمۃ

ALAHAZRAT NETWORK

www.alahazratnetwork.org

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین (حدیث)

العطایا النبویۃ
فی
الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد نہم

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن ۰ جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور (۸) پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون ۶۶۷۵۲

1/1

کتاب ——— فتاوی رضویہ جلد نہم

تصنیف ——— شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

فیضانِ کرامت ——— مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

سرپرستی ——— مولانا صاحبزادہ محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی ناظمِ اعلٰی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

اہتمام ——— مولانا صاحبزادہ قاری نصیر احمد ہزاروی ناظم شعبہ نشر و اشاعت " " " " "

ترجمہ عربی عبارات ——— حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی (بھارت)

پیش لفظ ——— حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ——— (۱) مولانا نذیر احمد سعیدی (۲) مولانا محمد رب نواز

ترتیبِ فہرست ——— حافظ محمد عبدالستار سعیدی

کتابت ——— محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالہ)

پروف ریڈنگ ——— (۱) مولانا نذیر احمد سعیدی (۲) مولانا محمد عارف سعید ہمدمی

پیسٹنگ ———

صفحات ——— ۹۴۸

اشاعت ——— اپریل ۱۹۹۶ء

مطبع ———

ناشر ——— رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ———

ملنے کے پتے:

- رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
  ۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲
- مکتبہ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
- ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
- شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

○

پیش لفظ

الحمدُ للہ اعلحضرت امام المسلمین مولٰنا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائنِ علمیہ و ذخائرِ فقہیہ کو جدید انداز میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق منظرِ عام پر لانے کے لیے دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں "رضا فاؤنڈیشن" کے نام سے جو ادارہ چند سال قبل قائم ہوا تھا وُہ انتہائی برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہُوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلٰوۃ چار چار خوبصورت مجلدات میں آپ تک پہنچ چکی ہیں اب بفضلہ تعالٰی جل مجدہٗ وبعنایۃ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نویں جلد پیش کی جارہی ہے۔

جلد نہم

یہ جلد فتاوٰی رضویہ (قدیم) کی جلد چہارم کے شروع باب الجنائز سے کتاب الزکوٰۃ تک ۲۷۳ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ فاضلِ جلیل محقق شہیر، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ، ماہرِ علوم قدیمہ وجدیدہ حضرت علامہ مولٰنا محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الادب جامعہ اشرفیہ مبارکپور (بھارت) نے فرمایا۔ باب التیمم (جو جلد سوم وچہارم میں شائع ہوچکا ہے) کا ترجمہ بھی انہی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ جلد چہارم قدیم میں باب الجنائز کی ترتیب چونکہ طبعی نہ تھی لہذا اس جلد کی کتابت سابق ترتیب سے ہٹ کر طبعی ترتیب کے مطابق کرائی گئی ہے۔

باب الجنائز کے مسائل کو سابقہ ترتیبِ غیر طبعی سے موجودہ ترتیبِ طبعی کی طرف منتقل کرنا بھی علامہ مصباحی صاحب کی محنتِ شاقہ کا ثمر ہے۔ علاوہ ازیں اس جلد میں شامل رسائل کی مفصل فہرست بھی افادہ قارئین کے لیے دے دی گئی ہے

جلد اوّل سے لے کر جلد ہشتم کے آخر تک مسئلوں کے نمبر مسلسل چلے آرہے تھے مگر حوالہ کی سہولت کے لیے اس جلد میں یہ سلسلہ پھر نئے سرے سے شروع کیا گیا ہے اور آئندہ بھی ہر جلد میں مسئلہ نمبر نئے سرے سے شروع ہوا کرے گا۔ احکامِ قبورِ مسلمین سے متعلق رسالہ جلیلہ "اھلاك الوھابیین" بھی پیشِ نظر جلد میں شامل کر دیا گیا ہے جو کہ فتاوٰی رضویہ (قدیم) میں شامل ہونے سے رہ گیا تھا۔ متعدد ضمنی مسائل و فوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل سترہ مستقل عنوانات زیرِ بحث ہیں:

(۱) احکام و احوالِ قربِ موت
(۲) احکام و احوالِ بعد موت
(۳) غسلِ میّت
(۴) کفنِ میّت
(۵) جنازہ لے کر جانا
(۶) نمازِ جنازہ
(۷) امامتِ نمازِ جنازہ
(۸) نمازِ جنازہ کی ادائیگی
(۹) موضعِ نمازِ جنازہ
(۱۰) تکرارِ نمازِ جنازہ
(۱۱) دفنِ میّت
(۱۲) جائے دفن
(۱۳) تعزیّت وغیرہ
(۱۴) احکامِ قبور و مقابر
(۱۵) زیارتِ قبور
(۱۶) فاتحہ و ایصالِ ثواب
(۱۷) دعوتِ میّت

مندرجہ بالا عنوانات کے علاوہ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات و تدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تیرہ۱۳ رسائل

بھی اس جلد میں شامل ہیں:

(۱) الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن (۱۳۰۸ھ)
قبروں میں شجرہ رکھنے اور کفن پر کلمہ طیبہ اور عہدنامہ وغیرہ لکھنے کا بیان

(۲) المنۃ الممتازۃ فی دعوات الجنازۃ (۱۳۱۸ھ)
جنازہ کی دُعائیں اور قبر پر تلقین کا طریقہ

(۳) بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلٰوۃ الجنائز (۱۳۱۱ھ)
نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنے کا ثبوت اور منکرین کا رَد

(۴) النھی الحاجز عن تکرار صلٰوۃ الجنائز (۱۳۱۵ھ)
نمازِ جنازہ کی تکرار ناجائز ہے

(۵) الهادی الحاجب عن جنازة الغائب (۱۳۲۶ھ)

غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں

(۶) اهلاك الوهابیین علیٰ توهین قبور المسلمین (۱۳۲۲ھ)

احکامِ قبورِ مومنین

(۷) بریق المنار بشموع المزار (۱۳۳۱ھ)

مزارات پر روشنی کرنے کا ثبوت

(۸) جمل النور فی نهی النساء عن زیارة القبور (۱۳۳۹ھ)

عورتوں کو قبر پر جانا جائز نہیں

(۹) الحجة الفائحة لطیب التعیین والفاتحة (۱۳۰۷ھ)

مروجہ فاتحہ، سوم، چہلم، برسی اور عرس وغیرہ کا ثبوت

(۱۰) اتیان الارواح لدیارهم بعد الرواح (۱۳۲۱ھ)

رُوحوں کا اپنے گھروں پر آنا

(۱۱) جلی الصوت لنهی الدعوة امام موت (۱۳۰۹ھ)

میّت کے گھر کے کھانے کا بیان

(۱۲) حیاة الموات فی بیان سماع الاموات (۱۳۰۵ھ)

مُردوں کے زائروں کو دیکھنے اور ان کے کلام کو سننے کا مدلل بیان

(۱۳) الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین (۱۳۱۶ھ)

مستدلین سے سماعِ موتٰی کے خلاف پر استدلال کا رد

۱۹ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

۱۰ مارچ ۱۹۹۶ء

حافظ محمد عبدالستار سعیدی

صدر تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

رموز

محقق : علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر
ح : علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیۃ المستملی
ش : علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی صاحب رد المحتار
ط : علامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدر المختار و حاشیہ مراقی الفلاح
الدر : الدر المختار ، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی
الدرر : الدرر شرح الغرر ، ملا خسرو علامہ محمد بن فراموز
بحر : البحر الرائق ، علامہ زین الدین ابن نجیم
ہندیہ : فتاوٰی عالمگیری ، جماعت علمائے احناف
نہر : النہر الفائق ، سراج الدین عمر بن نجیم
فتح : فتح القدیر ، علامہ کمال الدین ابن ہمام
غنیہ : غنیۃ المستملی ، علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی
حلیہ : حلیۃ المحلی ، ابن امیر الحاج

فہرست مضامین

باب الجنائز

کفنِ میت

جنازہ لے جانا

نمازِ جنازہ

امامتِ جنازہ

نمازِ جنازہ کی ادائیگی

موضع نمازِ جنازہ

تکرارِ نمازِ جنازہ

مقبول بندوں کی نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ ۲۷۱

مومن صالح کی نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کو عذاب دینے سے اللہ تعالیٰ حیا فرماتا ہے۔ ۲۷۱

جب سلامت وعدمِ سلامت میت مشکوک ہو تو قبر پر نمازِ جنازہ ناجائز ہوگی۔ ۲۷۱

بیشک اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے بدن کو کھانا زمین پر حرام فرمادیا۔ ۲۷۱

تکرارِ نمازِ جنازہ کے عدمِ جواز پر چالیس کتبِ معتبرہ کی اکاون ۵۱ عبارات۔ ۲۷۲

اگر بادشاہ اسلام یا امیر المومنین یا قاضی شرع یا اسلامی حاکمِ مصر یا امام الحی نمازِ جنازہ پڑھ چکا ہو تو اب ولی کو بھی اعادہ کا اختیار نہیں۔ ۲۷۳

ناواقفی مانع گناہ نہیں کہ مسائل سے ناواقف رہنا خود گناہ ہے۔ ۲۷۷

عالم کا گناہ ایک گناہ اور جاہل کا گناہ دو گناہ۔ ۲۷۷

فرقہ غیر مقلدین گمراہ و بدمذہب ہے۔ ۲۷۷

جو کسی ضلالت کی طرف بلائے سب ماننے والوں کے برابر گناہ اس پر ہے۔ ۲۷۷

نمازِ جنازہ جماعت سے خواہ تنہا پڑھ لی تو دوبارہ جماعت سے خواہ تنہا پڑھنی مکروہ ہے۔ ۲۷۸

قائلینِ تکرارِ نمازِ جنازہ کو مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف سے چیلنج کہ کوئی حدیث تقریری یا قولی یا فعلی پیش کرو۔ ۲۷۹

جو تم میں فتویٰ دینے پر زیادہ جری ہے آتشِ دوزخ پر زیادہ جرأت رکھتا ہے۔ ۲۸۰

نماز کا قبل فرضیت وقوع ہوا بعد کو فرضیت اتری ۲۸۰

اہلِ مدینہ نے قبل فرضیتِ جمعہ جمعہ پڑھا۔ ۲۸۰

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جماعتِ تراویح اس خیال سے ترک فرمادی کہ مداومت سے فرض نہ ہوجائے۔ ۲۸۱

نمازِ جنازہ بالاجماع فرض کفایہ ہے۔ ۲۸۱

صلوٰۃ علیٰ فلاں بمعنی دعا نصوص شرعیہ میں شائع و ذائع ہے۔ ۲۸۱

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے امام ہیں دُنیاوی زندگی میں بھی اور بعد از وصال بھی۔ ۲۸۳

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ عرض کرتے تھے اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ ۲۸۴

مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دُعا کرتے اور حاضرین آمین کہتے۔ ۲۸۵

تکفین کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سلام عرض کیا۔ ۲۸۵

صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کھڑے ہوکر دعا کرتے اور لوگ آمین کہتے رہے۔ ۲۸۵

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے صلوٰۃ کی۔ ۲۸۶

2/2

بدن سے جُدا نہ کیا جانا، سب صحابہ کے مشرف ہونے کے لیے جنازہ مبارک کا پونے دو دن رکھا رہنا اور جنازہ اقدس پر کسی کی امامت روا نہ ہونا خصائص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ ۳۰۲

مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ ۳۰۲

بندۂ مقبول کو پہلا تحفہ جو بارگاہِ عزت سے ملتا ہے یہ ہے کہ جتنے لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ ۳۰۳

جنازہ اقدس پر امامت نہ ہونے کی ایک حکمت نفیسہ

ممانعت تکرار نماز جنازہ کے بارے میں چند اہم نکات و تمسکات۔ ۳۰۳

کوئی نماز ایک دن میں دو بار نہ پڑھو۔ ۳۰۵

نمازوں کا سبب وقت ہے جب وقت دوبارہ آیا نماز دوبارہ آئے گی۔ ۳۰۶

نماز جنازہ کا سبب مسلم میت ہے جب میت متعدد متکرر ہو نماز متکرر ہوگی مگر ایک ہی میت پر مکرر نہیں ہوسکتی۔ ۳۰۶

ابوبکر بن ابی شیبہ امام بخاری و امام مسلم کے استاذ ہیں۔ ۳۰۶

صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عادت کریمہ تھی کہ اگر جنازگاہ میں نماز کی گنجائش نہ پاتے تو واپس تشریف لے جاتے اور مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔ ۳۰۶

عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوسکنے

کے بعد فرمایا دُعا میں تو کوئی بندش نہیں ہیں اُن کے لیے دُعا کروں گا۔ ۳۰۶

صدیق و فاروق و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تعزیت کے لیے آئے۔ ۳۰۷

حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصیت فرمائی کہ مجھے رات کو دفن کیا جائے تاکہ میرے جنازہ پر کسی غیر محرم کی نظر نہ پڑے۔ ۳۰۷

اصحاب کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم دوبارہ نمازِ جنازہ ناجائز جانتے تھے۔ ۳۰۷

جس شخص کے پاس ناگاہ جنازہ آجائے اور اس کا وضو نہ ہو تو تیمم کرکے نمازِ جنازہ پڑھ لے۔ ۳۰۷

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وضو نہ ہو تو تیمم کرکے نمازِ جنازہ میں شریک ہوتے۔ ۳۰۸

تین چیزوں میں دیر نہ کرو (۱) نماز جب اس کا وقت آجائے (۲) جنازہ جس وقت حاضر ہو (۳) زن بے شوہر جب اس کا کفو ملے۔ ۳۰۹

جلدی کرو کہ مسلمان کے مُردے کو روکنا نہ چاہیے۔

جب تم میں سے کوئی مرے اُسے نہ روکو اور جلدی دفن کو لے جاؤ۔ ۳۱۰

علماء فرماتے ہیں اگر روزِ جمعہ پیش از جمعہ جنازہ تیار ہو جائے تو جماعت کثیرہ کے انتظار میں دیر نہ کریں پہلے ہی دفن کردیں۔ ۳۱۰

جہّال کی یہ باتیں بے اصل ہیں کہ میت بھی نمازِ جمعہ

نوعِ پنجم: حاکمِ اسلام یا امامِ مسجدِ جامع یا امامِ مسجدِ محلہ کے بعد بھی دوسروں کو اجازت نہیں کہ یہ بھی صاحبِ حق ہیں۔ ۳۲۳

اس نوع میں سات حوالہ جات مذکور ہیں۔ ۳۲۳

نوعِ ششم: ولی وغیرہ ذی حق جس صورت میں اپنے حق کے لیے اعادہ کرسکتے ہیں اس صورت میں بھی جو پہلے پڑھ چکا ان کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا۔ ۳۲۴

اس نوع میں گیارہ[۱۱] عباراتِ فقہا سے تائید پیش کی گئی۔ ۳۲۴

نوعِ ہفتم: جب ولی نے دوسرے کو اذن دے دیا اگر آپ شریکِ نماز نہ ہُوا یا کوئی اجنبی بے اذن ولی خود ہی پڑھ گیا مگر ولی شریکِ نماز ہوگیا تو ان دونوں صورتوں میں ولی بھی اعادہ نہیں کرسکتا۔ ۳۲۵

اس نوع میں بیس[۲۰] عباراتِ فقہاء بطور حوالہ مذکور ہوئیں۔ ۳۲۵

نوعِ ہشتم: اگر سلطان وغیرہ ذی حق کہ ولی سے مقدم ہیں پڑھ لیں یا ان کے اذن سے کوئی اور پڑھ دے جب بھی ولی کو اختیارِ اعادہ نہیں۔ ۳۲۶

اس نوع میں چونتیس[۳۴] حوالہ جات ذکر کیے گئے۔ ۳۲۶

نوعِ نہم: ولی نے نمازِ جنازہ پڑھ لی اور سلطان وغیرہ کہ اس سے اولیٰ ہیں بعد کو آئے تو بالاتفاق اعادہ نہیں کرسکتے، اگر موجود تھے ولی نے ان کے اذن کے بغیر پڑھادی اور یہ شریک نہ ہوئے تو بعض علماء کے نزدیک اعادہ کرسکتے ہیں۔ ۳۲۷

یہ نوع دس حوالہ جات پر مشتمل ہے۔ ۳۲۷

نوعِ دہم: بے وضو یا جنب کو اندیشہ ہو کہ وضو وغسل کیا تو نمازِ جنازہ فوت ہوجائے گی تو تیمم کرکے شریک ہوجائیں۔ ۳۳۳

اس نوع میں ترپن عبارات سے حوالے پیش کیے گئے۔ ۳۳۳

بے وضو کو وضو کرنے یا جنب کو غسل کرنے میں نمازِ عید کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کرکے شریک ہوجائیں۔ ۳۳۳

سلطان وغیرہ جو ولی سے مقدم ہیں حاضر ہوں تو ولی کو نمازِ جنازہ کے لیے تیمم جائز ہے۔ ۳۳۳

ولی نے دوسرے کو اجازتِ امامت دے دی تو اب بھی ولی تیمم کرسکے گا۔ ۳۳۳

اگر وضو یا غسل کے تیمم سے ایک جنازہ پڑھا اب دوسرا آگیا اور وضو وغسل کی مہلت نہ پائی تو اسی تیمم سے دوسرا جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ ۳۳۳

ایسے واجب کا فوت ہونا جس کا بدل نہ ہو جوازِ تیمم کے عذروں میں سے ہے۔ ۳۳۳

جس کا انتظار ہوگا جیسے ولی واولیٰ اسے تیمم جائز نہیں۔ ۳۳۴

نمازِ جنازہ یا عید فوت ہونے کے خوف سے پانی ہوتے ہُوئے تیمم کی اجازت ہے۔ ۳۳۴

ہر واجب کہ فوت پر بدل نہ رکھتا ہو پانی ہوتے ہوئے اسے تیمم سے ادا کرسکتے ہیں۔ ۳۳۵

صرف کراہت کے سبب سے تیمم کی اجازت نہیں۔ ۳۳۶

نمازِ جمعہ یا نمازِ پنجگانہ فوت ہونے کے خوف سے

دفن

جائے دفن

تعزیت وغیرہ

قبر اور مقابر سے متعلق احکام

زائروں کے لیے جو مکان وغیرہ ہوتے ہیں اُن کا مالک کون ہوتا ہے۔ ۴۸۱

مزارات پر لوبان وغیرہ سُلگانا۔ ۴۸۲

○ رسالہ بریق المنار بشموع المزار (مزارات پر روشنی کرنے کا ثبوت) ۴۸۵

قبروں پر چراغ لے جانا اگر بالکل فائدہ سے خالی ہو تو بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے۔ ۴۹۰

موضع قبور میں مسجد ہے یا قبر سرِ راہ ہے یا وہاں کوئی شخص بیٹھا ہے یا کسی ولی و محقق عالم کا مزار ہے تو ان کی تعظیم کے لیے شمعیں روشن کرنا ممنوع نہیں ۴۹۰

روشنی دلیلِ اعتناء ہے اور اعتناء دلیل تعظیم اور تعظیم اہل اللہ دلیلِ ایمان ہے۔ ۴۹۱

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم دلی تقویٰ ہے۔ ۴۹۱

مصحف شریف کو مطلّا و مذہب کرنا جائز و دلیل تعظیم ہے۔

مسجد کی آرائش اور اس کی دیواروں پر سونے چاندی سے نقش و نگار جائز ہے جبکہ تعظیم کے لیے ہو۔ ۴۹۲

مساجد کے امتیاز کے لیے ان میں کنگرے بنانا جائز ہے۔ ۴۹۳

اگر کوئی شخص وصیت کرجائے کہ اس کے مال سے مسجد میں گچ کاری اور اس میں سرخ و زرد رنگ کریں تو وصیت نافذ ہوگی۔ ۴۹۳

اولیاء و علماء کے مزارات پر عمارتیں بنانا مباح ہے ۴۹۴

بہت سی نو پید چیزیں اچھی بدعت ہیں۔ ۴۹۴

بہت سے احکام زمانے یا مقام کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں۔ ۴۹۴

ائمۂ دین نے عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع فرمادیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی۔ ۴۹۵

ائمۂ دین نے نظر بحالِ زمانہ جو حکم فرمایا اسے مخالفِ حدیث کہنے والا احمق و کج فہم ہے۔ ۴۹۵

بہت سی تعظیمیں جو سلف صالحین کے وقت میں مکروہ تھیں اب حالاتِ زمانہ کے پیشِ نظر علماء نے ان کی اجازت دی ہے۔ ۴۹۵

مزاراتِ اولیاء اللہ پر شمعیں روشن کرنا ان کی روح کی تعظیم کے لیے کہ لوگ جان لیں یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کا مزار ہے اور وہ اس سے تبرک و توسل کریں۔ ۴۹۶

ہر تعظیم عبادت نہیں۔ ۴۹۶

تعظیم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نصوصِ قطعیہ قرآن عظیم سے فرض ہے۔ ۴۹۶

متعدد آیاتِ قرآنیہ سے تعظیم انبیاء کا ثبوت۔ ۴۹۶

قرآن عظیم نے ماں باپ کی تعظیم کو فرض قرار دیا۔ ۴۹۷

تقرب و تعبد کو ایک ہی چیز قرار دینا محض باطل ہے۔ ۴۹۸

تقرب تو تعبد کے اعم سے اعم ہے کیونکہ تعبد سے تعظیم اعم ہے اور تعظیم سے تقرب اعم ہے۔ ۴۹۸

مزارات پر شمعیں روشن کرنے کو تقرب بروجہ تعبد بتانا مسلمانوں پر بدگمانی ہے۔ ۴۹۸

کسی صالح و اہل اللہ کا غیر خدا کا عابد ہونا محال ہے ۴۹۸

زیارتِ قبور

3

فاتحہ و ایصالِ ثواب

3/3

دعوتِ میت

مجالسِ خیر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری حق ہے۔ ۸۳۰

فائدہ رابعہ: ارواحِ طیبہ کے لیے دیکھنے اور سُننے میں دُور و نزدیک سب یکساں ہے۔ ۸۳۱

فائدہ خامسہ: اولیاء کو ہر جگہ سے ندا جائز اور سب جگہ اُن کی امداد واصل۔ ۸۳۱

یا زروق کہہ کر پکارو میں فوراً مدد کو آؤں گا۔ ۸۳۲

گم شدہ چیز کا وہابی کُش عمل۔ (حاشیہ) ۸۳۲

تذییل: وہابیہ کے طور پر تمام خاندانِ دہلوی غوثِ اعظم و غوث الثقلین کہہ کر مشرک ہوا حتّٰی کہ خود میاں اسمٰعیل دہلوی و مولوی اسحاق صاحب۔ ۸۳۳

شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ غوثِ اعظم اور محبوبِ الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجودِ خلائق ہیں۔ ۸۳۴

تنبیہ مہم واجب الملاحظہ ہر مسلم۔ ۸۳۴

اگر وہابیت کا مذہب حق ہے تو قرونِ ثلٰثہ سے لے کر آج تک کے تمام اولیاء و علماء مشرک ہیں۔ ۸۳۶

⊙ رسالہ الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین (مسئلہ یمین سے سماعِ موتٰی کے خلاف پر استدلال کا جواب) ۸۳۷

فائدہ جزیلہ تحقیق مسئلہ یمین میں۔ ۸۳۷

اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ زید سے نہ بولوں گا تو یہ قسم زید کی حالتِ حیات پر مقصور رہتی ہے اگر بعد انتقال زید سے کلام کرے حانث نہ ہوگا۔ ۸۳۸

ہمارے نزدیک بنائے یمین عرف پر ہے۔ ۸۳۸

لفظ کے عرفی معنی پر قسم وارد ہوتی ہے نہ کہ لغوی و شرعی معنی پر۔ ۸۳۸

قسم کھائی بچھونے پر نہ بیٹھے گا یا چراغ سے روشنی نہ لے گا یا چھت کے نیچے نہ آئے گا تو زمین پر یا دُھوپ میں یا زیرِ آسمان بیٹھنے سے قسم نہ ٹوٹے گی۔ ۸۳۸

قسم کھائی کہ کسی گھر میں نہ جائے گا تو مسجد وغیرہ معابد میں جانے سے حانث نہ ہوگا۔ ۸۳۸

یہ سمجھنا کہ ہمارے ائمہ مذہب کے نزدیک میّت سے کلام حقیقتاً یا شرعاً کلام نہیں محض باطل ہے۔ ۸۳۸

قسم کھائی کہ زید سے نہ بولے گا بیرونِ نماز زید کو کہا السلام علیکم، تو حانث ہو جائے گا۔ ۸۳۸

صورتِ مذکورہ میں زید کی اقتدا میں قسم کھانے والے نے نماز پڑھی، زید بھولا، اس نے بتایا تو حانث نہ ہوگا اگر بیرونِ نماز بتایا تو حانث ہو جائے گا۔ ۸۳۸

گوشت کھانے کی قسم کھانے والا مچھلی کھانے سے حانث نہ ہوگا۔ ۸۴۱

اہلسنت کے تمام مخالفین پر "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کی مثال صادق آتی ہے۔ ۸۴۲

منکر وہابیوں کے یہاں دین و شریعت اپنی ہوا و ہوس کا نام ہے۔ ۸۴۲

مقدمہ اُولیٰ: رُوح کو فنا نہیں، موت سے رُوحوں کا مرجانا بدمذہبوں کا قول ہے۔ ۸۴۳

موت حقیقۃً صفتِ بدن ہے نہ کہ وصفِ رُوح۔ ۸۴۳

نیند موت کی چھوٹی بہن ہے۔ ۸۴۵

مقدمۂ ثانیہ: مدرک حقیقتاً روح ہے نہ کہ بدن۔ ۸۴۷

بدن کی طرف مجازاً بوجہ آلیت نسبت ادراک ہوتی ہے ۸۴۹

بالائے پستان سے ناف یا ران تک باندھیں، یہ کفن سنت ہے، اور کافی اس قدر ہے کہ مرد کے لئے دو کپڑے ہوں تہبند اور چادر۔ اور عورت کے لئے تین، کفنی وچادر یا تہبند وچادر اور تیسرے اوڑھنی، اسے کفن کفایت کہتے ہیں۔ اگر میت کا مال زائد اور وارث کم ہوں تو کفن سنت افضل ہے، اور عکس ہو تو کفن کفایت اولیٰ اور اس سے کمی بحالت اختیار جائز نہیں۔ ہاں وقتِ ضرورت جو میسر آئے صرف ایک ہی کپڑا کہ سر سے پاؤں تک ہو، مرد و عورت دونوں کے لئے بس ہے۔ جاہل محتاج جب اُن کا مورث محتاج مرتا ہے لوگوں سے پُورے کفن کا سوال کرتے ہیں، یہ حماقت ہے، ضرورت سے زیادہ سوال حرام اور ضرورت کے وقت کفن میں ایک کپڑا کافی۔ بس اسی قدر مانگیں اس سے زائد مانگنا جائز نہیں۔ ہاں ان کو بے مانگے جو مسلمان بہ نیتِ ثواب پُورا کفن محتاج کے لئے دے گا اللہ عزوجل سے پُورا ثواب پائے گا۔ نابالغ اگر حدِ شہوت کو پہنچ گیا ہے جب تو اس کا کفن جوان مرد وعورت کی مثل ہے، اور یہ حکم یعنی حدِ شہوت کو پہنچنا پسر میں بارہ[۱۲] اور دختر میں نو برس کی عمر کے بعد نہیں رکتا، اور ممکن کہ کبھی اس سے پہلے بھی حاصل ہو جائے جبکہ جسم نہایت قوی اور مزاج گرم اور حرارت جوش پر ہو۔ لڑکوں میں یہ اُس کا دل عورتوں کی طرف رغبت کرنے لگے اور لڑکیوں میں یہ کہ اُسے دیکھ کر مردوں کو اس کی طرف میل پیدا ہو۔ جو بچے اس عمر و حالت کو نہ پہنچیں اُن میں اگر پسر کو ایک اور دختر کو دو کپڑوں میں کفن دے دیں تو کوئی حرج نہیں، اور پسر کو دو[۲]، دختر کو تین[۳] دیں تو اچھا ہے۔ اور دونوں کو پُورا کفن مرد وعورت کا دیں تو سب سے بہتر۔ اور جو بچہ مردہ پیدا ہوا یا کچا گر گیا اُسے بہر طور ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہیے کفن نہ دیں۔ درمختار میں ہے:

یسن فی الکفن له ازار وقمیص ولفافة، ولها درع ای قمیص وازار وخمار ولفافة وخرقة تربط بها ثدیاها وبطنها وکفایة له ازار ولفافة فی الاصح ولها ثوبان وخمار ویکره اقل من ذلك وکفن الضرورة لهما مایوجد واقله مایعم البدن، تبسط اللفافة اولا ثم یبسط الازار علیها ویقمص ویوضع علی الازار ویلف یساره ثم یمینه ثم اللفافة کذلك لیکون الایمن علی الایسر وهی تلبس الدرع ویجعل شعرها

کفن میں مرد کے لئے ازار (تہبند)، قمیص اور لفافہ (چادر) مسنون ہے، اور عورت کے لئے درع یعنی قمیص، تہبند، خمار (اوڑھنی)، چادر اور ایک کپڑا جو پستان اور شکم پر باندھا جائے ــــ اور کفن کفایت مرد کے لئے اصح قول پر تہبند اور چادر ــــ عورت کے لئے دو کپڑے اور اوڑھنی ــــ کفنِ کفایت سے کم دینا مکروہ ہے۔ اور کفنِ ضرورت مرد وعورت دونوں کے لئے وُہ ہے جو مل جائے۔ کم سے کم اتنا کہ پُورے بدن کو چھپالے ــــ پہلے چادر بچھائی جائے پھر اس پر تہبند بچھایا جائے اور قمیص پہنائی جائے اور تہبند پر

ضفیرتین علی صدرھا فوقه الدرع والخمار فوق الشعر ثم یفعل کما مرو یعقد الکفن ان خیف انتشارہ والمراھق کالبالغ ومن لم یراھق ان کفن فی واحد جاز ، و السقط یلف ولا یکفن[1] اھ ملخصا۔

رکھا جائے ، پھر تہبند لپیٹا جائے پہلے بایاں پھر دایاں' پھر اسی طرح چادر لپیٹی جائے تاکہ دایاں بائیں کے اوپر رہے ــــ عورت کو قمیص پہنا کر اس کے بال دو حصہ کرکے سینے پر قمیص کے اوپر ڈال دئے جائیں اور اوڑھنی بال کے اوپر ہو، پھر ویسے ہی کیا جائے جیسے مرد کے بارے میں بیان ہُوا ــــ اور اگر کفن منتشر ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے باندھ دیا جائے ــــ مراھق (جو بلوغ کے قریب ہو) کا حکم بالغ کی طرح ہے اور جو مراہق نہیں اسے اگر ایک کفن دیا جائے تو جائز ہے۔اور نا تمام بچے کو کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے، کفن نہ دیا جائے اھ بہ تلخیص (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قوله ازار ھو من القرن الی القدم و القمیص من اصل العنق الی القدمین، واللفافة تزید علی ما فوق القرن و القدم لیلف فیه المیت و تربط من الاعلی والاسفل امداد، قوله ای قمیص ، اشار الی ترادفھما، کما قالوا وقد فرق بینھما بان شق الدرع الی الصدر و القمیص الی المنکب قھستانی ، قوله وخمار بکسر الخاء ما تغطی به المرأة رأسھا قال الشیخ اسمٰعیل مقدارہ حالة الموت ثلثة اذرع بذراع الکرباس یرسل علی وجھھا ولا یلف کذا فی الایضاح والعتابی ، قوله وخرقة الاولٰی ان

قوله ازار ــــ یہ سر سے پاؤں تک ہوگا ــــ اور قمیص گردن کی جڑ سے قدم تک ــــ اور چادر سر و قدم سے اس قدر زائد ہوگی کہ میت کو پہنا کر اوپر اور نیچے سے باندھ دی جائے ــــ امداد ۔ قوله درع یعنی قمیص ــــ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ درع اور قمیص کا معنی ایک ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا' بعض نے دونوں میں یہ فرق بتایا ہے کہ درع کا چاک سینہ کی طرف ہوتا ہے اور قمیص کا شانہ کی طرف ، قہستانی ۔ قوله خِمار ــــ خا پر زیر ــــ جس سے عورت کا سر چھپایا جائے ۔ شیخ اسمٰعیل نے فرمایا ، میّت کے لئے اس کی مقدار کرباس کے گز سے تین ہاتھ ہے ۔ اسے چہرے پر ڈال دیا جائے گا ، لپیٹا نہ جائے گا ۔ ایسا ہی ایضاح اور عتابی میں ہے۔ قوله وخرقة (اور ایک کپڑا) بہتر یہ ہے کہ

---

[1] در مختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۱

تکون من الثدیین الی الفخذین نہر عن
الخانیۃ قولہ وکفایۃ ھو ادنی مایکفیہ بلاکراھۃ
فھو دون کفن السنۃ، قال فی البحر
قالوا اذا کان بالمال قلۃ والورثۃ کثرۃ
فکفن الکفایۃ اولیٰ وعلی القلب کفن السنۃ
اولیٰ، قولہ ولھا ثوبان لم یعینھما
کالھدایۃ وفسرھما فی الفتح بالقمیص
واللفافۃ وعینھما فی الکنز بالازار و
اللفافۃ قال فی البحر الظاھر
عدم التعیین بل اما قمیص
وازار او ازاران والثانی اولیٰ لان
فیہ زیادۃ فی ستر الراس والعنق،
قولہ ویکرہ ای عند الاختیار، قولہ و
یقمص ای یلبس القمیص بعد تنشیفہ
بخرقۃ، قولہ ثم یفعل کما مر
ای بان توضع بعد الباس الدرع
والخمار علی الازار ویلف یسارہ الخ
قال فی الفتح ولم یذکر الخرقۃ
وفی شرح الکنز فوق الاکفان کیلا
تنتشر وعرضھا ما بین ثدی
المرأۃ الی السرۃ وقیل ما بین
الثدی الی الرکبۃ کیلا ینتشر الکفن
عن الفخذین وقت المشی، وفی التحفۃ
تربط الخرقۃ فوق الاکفان عند الصدر فوق
الثدیین اھ قولہ والمراھق کالبالغ الذکر کالذکر

سینہ بند پستانوں سے رانوں تک ہو، نہر از خانیہ۔
قولہ کفن کفایت ـــــ یہ کم سے کم اس قدر ہے جو
بلاکراہت کافی ہو تو اس کا درجہ کفن سنت سے کم ہے۔
اور بحر میں ہے کہ علماء نے فرمایا جب مال کم ہو اور
ورثہ زیادہ ہوں تو کفن کفایت بہتر ہے اور برعکس ہو
تو کفن سنت بہتر ہے۔ قولہ عورت کے لئے دو
کپڑے ـــــ دو کون؟ اس کی تعیین نہ فرمائی جیسے
ہدایہ میں تعیین نہیں۔ فتح القدیر کے اندر اس کی تفسیر میں
قمیص اور چادر کو بیان کیا ـــــ اور کنز الدقائق میں تہبند
اور چادر سے معین کیا ـــــ بحر میں کہا ظاہر عدم تعین ہے
بلکہ قمیص اور تہبند ہو یا دو تہبند ـــــ اور ثانی بہتر ہے
اس لئے کہ اس میں سر اور گردن چھپانے کے بقدر
زیادہ ہوتا ہے۔ قولہ کفن کفایت سے کم مکروہ ہے
ـــــ یعنی جب مجبوری نہ ہو۔ قولہ قمیص پہنائی جائے
یعنی میت کا بدن کسی کپڑے سے خشک کر لینے کے بعد
قمیص پہنائی جائے۔ قولہ پھر ویسے ہی کیا جائے
ـــــ یعنی یہ کہ قمیص اور اوڑھنی پہنانے کے بعد ازار
پر رکھا جائے اور پہلے بایاں لپیٹا جائے الخ ـــــ
فتح القدیر میں ہے خرقہ کی جگہ نہ بتائی۔ شرح کنز میں
ہے کہ سینہ بند کفن کے اوپر ہو تاکہ کفن منتشر نہ ہو۔
اس کی چوڑائی پستان سے ناف تک اور کہا گیا کہ
گھٹنے تک ہوگی تاکہ چلتے وقت رانوں سے کفن منتشر
نہ ہو۔ تحفہ میں ہے: سینہ بند کفن کے اوپر سینہ کے پاس
پستان کے اوپر باندھا جائے۔ قولہ مراہق
بالغوں کی طرح ہے ـــــ مذکر، مذکر کی طرح اور مؤنث،

والانثی کالانثی، قولہ ومن لم یراھق الخ اذا لوذکرا قال الزیلعی وادنی مایکفی بہ الصبی الصغیر ثوب واحد والصبیۃ ثوبان اھ وقال فی البدائع وان کان صبیا لم یراھق فان کفن فی خرقتین ازار ورداء فحسن ، وان کفن فی ازار واحد جاز ، واما الصغیرۃ فلاباس ان تکفن فی ثوبین اھ اقول فی قولہ فحسن اشارۃ الی انہ لوکفن بکفن البالغ یکون احسن ، لما فی الحلیۃ عن الخانیۃ والخلاصۃ ، الطفل الذی لم یبلغ حد الشھوۃ الاحسن ان یکفن فیما یکفن فیہ البالغ اھ وفیہ اشارۃ الی ان المراد بمن لم یراھق من لم یبلغ حد الشھوۃ ، قولہ والسقط یلف وکذا من ولد میتا بدائع اھ ملتقطا۔[1]

مونث کی طرح۔ قولہ جومراہق نہیں الخ ـــ یہ حکم مذکر کا ہے۔ زیلعی نے فرمایا: چھوٹے بچے کو کم سے کم ایک اور بچی کو دو کپڑے دیے جائیں گے اھ، بدائع میں ہے اگر ایسا بچہ ہے جو قریب البلوغ نہیں اسے اگر دو کپڑے ـــ تہبند اور چادر ـــ میں کفن دیں تو اچھا ہے اور اگر ایک تہبند میں کفن دیں تو جائز ہے مگر کمسن لڑکی کو دو کپڑے دیے جائیں تو حرج نہیں اھ ـــ میں کہتا ہوں بچے کو دو کپڑے دینے کو "اچھا" کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر اسے بالغ کا پورا کفن دے دیا تو "زیادہ اچھا" ہے کیونکہ حلیہ میں خانیہ اور خلاصہ سے نقل ہے کہ جو بچہ حدِ شہوت کو نہ پہنچا ہو اسے بالغوں کا کفن دینا بہتر ہے اھ اس عبارت میں یہ اشارہ ہے کہ غیر مراہق سے مراد وہ ہے جو حدِ شہوت کو نہ پہنچا ہو۔ قولہ ناتمام بچہ..... یہی حکم اس کا بھی ہے جو مُردہ پیدا ہو۔ بدائع اھ۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

اما المرأۃ فتبسط لھا اللفافۃ والازار علی نحو ما بینا للرجل ثم توضع علی الازار وتلبس الدرع ویجعل شعرھا ضفیرتین علی صدرھا فوق الدرع ثم یجعل الخمار فوق ذلک ثم یعطف الازار واللفافۃ کما بینا فی الرجل ثم الخرقۃ بعد ذلک تربط فوق الاکفان فوق الثدیین

عورت کے لئے چادر اور تہبند کو اسی طرح بچھایا جائے جیسے تم نے مرد کے لئے بتایا پھر ازار پر اسے رکھ کر قمیص پہنائی جائے اور بالوں کے دو جوڑے کرکے سینے پر لاکر قمیص کے اوپر ڈال دیے جائیں پھر اس کے اوپر اوڑھنی پہنائی جائے، پھر ازار اور چادر کو اسی طرح لپیٹا جائے جیسے مرد کے بارے میں ہم نے بتایا۔ پھر اس کے بعد کفنوں کے بعد پستانوں پر سینہ بند باندھا جائے

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۵۷۸ تا ۵۸۰

كذا فى المحيط[1] قال العبد الضعيف غفر الله تعالٰى له وهذا كما ترٰى نص صريح لايقبل التاويل فى ان الخرقة تربط فوق الاكفان جميعا حتى اللفافة وهو الذى قدمنا عن الشامى عن الفتح عن التبيين والتحفة فعليه فليكن التعويل وان استظهر فى الجوهرة كونها تحت اللفافة قائلا، ان قولهم فوق الاكفان يحتمل ذلك وهو منازع فى هذا الاحتمال كما لايخفى فان الاكفان تشتمل اللفافة قطعا واين المخصص واين وجه لظهور ذلك اما ما فى الاختيار ثم تربط الخرقة فوق القميص[2] اھ فاقول ليس نصا فى كونها تحت الاكفان ما خلا القميص فان ما فوقهن جميعا يصدق عليه انه فوق القميص فلا يعارض النص الصريح الذى قدمنا مع انه هو صرح به فى اكثر الكتب فلذا عولنا عليه وبالله التوفيق۔ والله تعالٰى اعلم۔

اسی طرح محیط میں ہے اھ۔ بندۂ ضعیف ۔ خدائے برتر اس کی مغفرت فرمائے ــــ کہتا ہے: یہ عبارت اس بارے میں صریح ناقابلِ تاویل نص ہے کہ سینہ بند سارے کفن یہاں تک کہ چادر کے بھی اوپر ہوگا ــــ یہی حکم ہم نے شامی از فتح از تبیین وتحفہ سے پہلے نقل کیا تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے۔ اگرچہ جوہرہ میں کہا جبکہ ظاہر یہ ہے کہ سینہ بند چادر کے نیچے ہو، اس کی وجہ یہ بتائی کہ علماء کا اسے کفنوں کے اوپر کہنا اس معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ مگر صاحبِ جوہرہ سے اس احتمال کے بارے میں اختلاف کیا جائے گا، جیسا کہ ظاہر ہے ـــــ اس لئے کہ "کفنوں" کا لفظ چادر کو بھی قطعاً شامل ہے کوئی دلیل تخصیص موجود نہیں، اور اس کے "ظاہر" ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں ــــ رہی اختیار کی یہ عبارت: پھر سینہ بند کو قمیص کے اوپر باندھا جائے گا اھ تو میں کہتا ہوں یہ اس بارے میں صریح نہیں کہ سینہ بند قمیص کے علاوہ سارے کفنوں کے نیچے ہوگا اس لئے کہ جو سارے کفنوں کے اوپر ہو اس کے حق میں بھی یہ کہنا صادق ہے کہ وہ قمیص کے اوپر ہے۔ اس طرح یہ عبارت ہمارے پیش کردہ نص صریح کے معارض نہیں مزید یہ کہ جو ہم نے نقل کیا اس کی تصریح اکثر کتابوں میں موجود ہے اسی لئے ہم نے اس پر اعتماد کیا۔ اور خدا ہی کی جانب سے توفیق ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی التکفین مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶۱

[2] الاختیار لتعلیل المختار فصل فی تکفین المیت 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۹۳

مسئلہ ۱۴: از ملک مالوا شہر اندور چھیپہ باکھل مرسلہ اسمٰعیل قادری احمد آباد والا۔

یہاں میت ہوگئی تھی اُس کے کفنانے کے بعد پھولوں کی چادر ڈالی گئی، اس کو ایک پیش امام افغانی نے اتار ڈالا اور کہا یہ بدعت ہے ہم نہ ڈالنے دیں گے۔ دوسرے جو غلاف کا پارچہ سیاہ کعبہ شریف سے لاتے ہیں وہ ٹکڑا ڈالا ہوا تھا اسے ہٹادیا اور کہا کہ یہ روافض کا رواج ہے ہم نہ ڈالیں گے اسے الگ ہٹا کے اس نے نماز جنازہ پڑھائی۔

الجواب

پھولوں کی چادر بالائے کفن ڈالنے میں شرعاً اصلاً حرج نہیں بلکہ نیت حسن سے حسن ہے جیسے قبور پر پھول ڈالنا کہ وہ جب تک تر رہیں تسبیح کرتے ہیں اس سے میت کا دل بہلتا ہے اور رحمت اُترتی ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

وضع الورد والریاحین علی القبور حسن[1]
قبروں پر گلاب اور پھولوں کا رکھنا اچھا ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں وامداد الفتاح شرح المصنف لمراقی الفلاح وردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

انه مادام رطبا یسبح فیؤنس المیت وتنزل بذکرہ الرحمۃ[2]
پھول جب تک تر رہے تسبیح کرتا رہتا ہے جس سے میت کو اُنس حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ (ت)

یونہی تبرک کے لئے غلافِ کعبہ معظمہ کا قلیل ٹکڑا سینے یا چہرے پر رکھنا بلاشبہہ جائز ہے اور اسے رواجِ روافض بتانا محض جھوٹ ہے۔ اسد الغابہ وغیرہا میں ہے:

لما حضرہ الموت اوصی ان یکفن فی قمیص کان علیه افضل الصلوٰۃ والسلام کساہ ایاہ، وان یجعل ممایلی جسدہ، وکان عندہ قلامۃ اظفارہ علیه افضل الصلوٰۃ والسلام فاوصی ان تسحق وتجعل فی عینیه وفمه، وقال افعلوا ذلك وخلوا بینی

جب حضرت امیر معاویہ کا آخری وقت آیا یہ وصیت فرمائی کہ اُنھیں اُس قمیص میں کفن دیا جائے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں عطا فرمائی تھی اور یہ ان کے جسم سے متصل رکھی جائے، ان کے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ناخن پاک کے کچھ تراشے بھی تھے ان کے متعلق وصیت فرمائی کہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱
[2] ردالمحتار مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی القبور ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۰۶

بینی وبین ارحم الراحمین[1]۔ | باریک کرکے ان کی آنکھوں اور دہن پر رکھ دئے جائیں۔ فرمایا کہ یہ کام انجام دینا اور مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کردینا۔ (ت)

ان باتوں کو بدعت ممنوعہ ٹھہرانا اگر محض بربنائے جہل ہو تو جہالت ہی ہے اور اگر بربنائے وہابیت یعنی غیر مقلدی یا دیوبندیت ہو تو وہ نماز کہ اس نے پڑھائی باطل محض ہُوئی، مسلمان بغیر نماز کے دفن کیا گیا، اور جو جو اُس امام کی حالت سے آگاہ تھے سب ترک فرض نماز جنازہ کے مرتکب و مستحق عذاب رہے، جبکہ خود وہابی یا وہابیہ کو صالح امامت جاننے والے نہ ہوں، ورنہ بالاتفاق علمائے حرمین شریفین کا فتوی ہوچکا ہے کہ من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر جو وہابیہ کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ باب المیم والعین مطبوعۃ المکتبۃ الاسلامیہ ریاض الشیخ ۴/۳۸۷

رسالہ

الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن

۱۳۰۸

(کفن پر لکھنے کے بارے میں عمدہ گفتگو)

مسئلہ ۱۵: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ حضرت صاحبزادہ سید محمد ابراہیم صاحب ۹ رجب ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پارچہ کفن جو اماکن متبرکہ سے آئے اور اس پر آیاتِ کلام اللہ و احادیث وغیرہ لکھی ہوں وہ میت کو پہنانا کیسا ہے اور شجرہ قبر میں رکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی سترنا بذیل کرمہ فی حیاتنا وبعد المماتِ وفتح علینا فی التوسل بآیاتہ وشعائرہ ابواب البرکات والسلام علی من تبرک باٰثارہ الکریمۃ الاحیاء والاموات وحیّ ویحیی بامطار فیوضہ العظیمۃ کل موات وعلی اٰلہ وصحبہ واھلہ وحزبہ

سب خوبیاں اللہ کے لئے جس نے اپنے دامنِ کرم سے ہمیں ہماری زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی چھپایا، اور اپنی آیات وشعائر سے توسّل میں ہمارے اوپر برکتوں کے دروازے کھولے ۔۔۔ اور درود وسلام ہو ان پر جن کے آثارِ گرامی سے زندے اور مردے سبھی نے برکت حاصل کی اور جن کے عظیم فیوض کی بارشوں سے ہر بے جان کو زندگی ملی اور ملتی ہے ۔۔۔ اور (درود و سلام ہو) ان کی آل، اصحاب، اہل اور جماعت پر،

عدد کل ماضی و آت۔ ہر گزشتہ آئندہ کی تعداد کے برابر۔ (ت)

یہاں چار مقام ہیں،

اوّل فقہ حنفی سے کفن پر لکھنے کا جزئیہ کہ بدرجہ اولیٰ قبر میں شجرہ رکھنے کا جزئیہ ہوگا۔ اور اُس کے مؤید احادیث و روایات۔

دوم احادیث سے اس کا ثبوت کہ معظمات دینیہ میں کفن دیا گیا یا بدن میت پر رکھی گئیں اور اسے محلِ تعظیم نہ جانا۔

سوم بعض متاخرین شافعیہ نے جو کفن پر لکھنے میں بے تعظیمی خیال کی اس کا جواب۔

چہارم قبر میں شجرہ رکھنے کا بیان۔ وباللہ التوفیق

مقام اول: ہمارے علماء کرام نے فرمایا کہ میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے امیدِ مغفرت ہے۔

(۱) امام ابوالقاسم صفار شاگرد امام نصیر بن یحییٰ تلمیذ شیخ المذہب سیدنا امام ابو یوسف و محرر المذہب سیدنا امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح و روایت کی۔

(۲) امام نصیر نے فعلِ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی تائید و تقویت کی۔

(۳) امام محمد بزازی نے وجیز کردری (۴) علامہ مدقق علائی نے درمختار میں اُس پر اعتماد فرمایا۔

(۵) امام فقیہ ابن عجیل وغیرہ کا بھی یہی معمول رہا۔

(۶) بلکہ امام اجل طاؤس تابعی شاگرد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی کہ انھوں نے اپنے کفن میں عہدنامہ لکھے جانے کی وصیت فرمائی اور حسبِ وصیت اُن کے کفن میں لکھا گیا۔

(۷) بلکہ حضرت کثیر بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور صحابی ہیں خود اپنے کفن پر کلمۂ شہادت لکھا۔

(۸) بلکہ امام ترمذی حکیم الٰہی سیدی محمد بن علی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ خود حضور پرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من کتب ھذا الدعاء وجعله بین صدر المیت وکفنه فی رقعة لم ینله عذاب القبر ولا یری منکرا ونکیرا وھو ھذا لا الٰه الا اللّٰه واللّٰه اکبر لا الٰه الا اللّٰه

جو یہ دُعا کسی پرچہ پر لکھ کر میّت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھ دے اُسے عذابِ قبر نہ ہو نہ منکر نکیر نظر آئیں، اور وہ دعا یہ ہے: لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ

وحدہٗ لاشریک لہ لا الٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد لا الٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم[1]	لاشریک لہ لا الٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد لا الٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نیز ترمذی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو ہر نماز میں سلام کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ الرَّحْمٰنَ الرَّحِیْمَ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیَاۃِ الدنیا بانک انت اللہ الذی لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ فانک ان تکلنی الی نفسی تقربنی من الشر وتباعدنی من الخیر وَاِنِّیْ لَآ اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ لِیْ عَھْدًا عِنْدَکَ تُؤَدِّیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ[2]۔

فرشتہ اسے لکھ کر مُہر لگا کر قیامت کے لئے اُٹھا رکھے، جب اللہ تعالٰی اُس بندے کو قبر سے اٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں، انھیں وہ عہدنامہ دیا جائے۔ امام نے اسے روایت کرکے فرمایا:

وعن طاؤس انہ امر بھذہ الکلمات فکتبت فی کفنہ[3]۔	امام طاؤس کی وصیت سے یہ عہد نامہ اُن کے کفن میں لکھا گیا۔

امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہدنامہ کی نسبت فرمایا:

اذا کتب ھذا الدعاء وجعل مع المیت فی قبرہ وقاہ اللہ فتنۃ القبر وعذابہ[4]۔	جب یہ لکھ کر میت کے ساتھ قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالٰی اُسے سوالِ نکیرین وعذابِ قبر سے امان دے۔

(۹) یہی امام فرماتے ہیں:

من کتب ھذا الدعاء فی کفن المیت رفع	جو یہ دُعا میت کے کفن میں لکھے اللہ تعالٰی قیامت تک

---

[1] فتاوٰی کبرٰی بحوالہ الترمذی باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۶

[2] نوادر الاصول اصول الرابع والسبعون والمائۃ " دار صادر بیروت ص ۲۱۷

[3] الدر المنثور بحوالہ الحکیم الترمذی تحت الاٰمن اتخذ عند الرحمٰن عہدا منشورات مکتبہ آیۃ اللہ قم ایران ۴/۲۸۶

[4] فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز " دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۶

اللہ عنہ العذاب الی یوم ینفخ فی الصور وھو ھذا : اس سے عذاب اٹھا لے اور وہ یہ ہے :

اللھم انی اسألك یا عالم السر یا عظیم الخطر یا خالق البشر یا موقع الظفر یا معروف الاثر یا ذا الطول والمن یا کاشف الضر والمحن یا الٰہ الاولین و الاٰخرین فرج عنی ھمومی واکشف عنی غمومی وصل اللھم علٰی سیدنا محمد وسلم۔[1]

(۱۰) ابن حجر مکی نے اپنے فتاوٰی میں ایک تسبیح کی نسبت جسے کہا جاتا ہے کہ اُس کا فضل اُس کی برکت مشہور ومعروف ہے، بعض علمائے دین سے نقل کیا کہ :

من کتبه وجعله بین صدر المیت وکفنه لاینالہ عذاب القبر ولاینالہ منکر ونکیر وله شرح عظیم وھو دعاء الانس، (وھو ھذا) جو اسے لکھ کر میّت کے سینہ اور کفن کے بیچ میں رکھ دے اُسے عذابِ قبر نہ ہو، نہ منکر نکیر اُس تک پہنچیں اور اس دعا کی شرح بہت عظمت والی ہے اور وُہ چین وراحت کی دعا ہے (وہ دُعا یہ ہے) :

سبحٰن من ھو بالجلال موحد بالتوحید معروف وبالمعارف موصوف و بالصفة علٰی لسان کل قائل رب بالربوبیة للعالم قاھر وبالقھر للعالم جبار و بالجبروت علیم حلیم وبالحلم والعلم رؤف رحیم، سبحٰنہ کما یقولون و سبحٰنہ کما ھم یقولون تسبیحا تخشع له السمٰوٰت والارض ومن علیھما ویحمدنی من حول عرشی اسمی اللّٰہ وانا اسرع الحاسبین۔[2]

مصنّفِ عبدالرزاق اور ان کے طریق سے معجم طبرانی اور ان کے طریق سے حلیۂ ابونعیم میں ہے :

اخبرنا معمر بن عبداللّٰہ بن محمد بن عقیل ان فاطمة رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا لما حضرتہا الوفاۃ امرت علیا فوضع لہا غسلا فاغتسلت وتطھرت، ودعت بثیاب اکفانہا معمر بن عبداللہ بن محمد بن عقیل نے ہمیں خبر دی کہ حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا نے انتقال کے قریب امیر المومنین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے اپنے غسل کے لئے پانی رکھوادیا پھر نہائیں اور کفن منگا کر پہنا

---

[1] فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عقیل باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۶

[2] " " " " " " "

فلبستها ومست من الحنوط ثم امرت علیا ان لا تکشف اذا هی قبضت وان تدرج کما هی فی اکفانها فقلت له هل علمت احدا فعل نحو ذلك قال نعم کثیر بن عباس، وکتب فی اطراف اکفانه یشهد کثیر بن عباس ان لا اله الا الله[1]

اور حنوط کی خوشبو لگائی، پھر مولیٰ علی کو وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد کوئی مجھے نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن فرمادی جائیں۔ میں نے پوچھا کسی اور نے بھی ایسا کیا، کہا ہاں کثیر بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اور انھوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ۔

وجیز امام کردری کتاب الاستحسان میں ہے:

ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبهة المیت او علی عمامته او کفنه عهد نامه، یرجی ان یغفر الله تعالیٰ للمیت، ویجعله امنا من عذاب القبر[2]

امام صفار نے ذکر فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے اور عذابِ قبر سے مامون کرے۔

پھر فرمایا:

قال نصیر هذه روایة فی تجویز وضع عهد نامه مع المیت وقد روی انه کان مکتوبا علی افخاذ افراس فی اصطبل الفاروق رضی الله تعالیٰ عنه حبس فی سبیل الله[3]

امام نصیر نے فرمایا: یہ میت کے ساتھ عہد نامہ رکھنے کے جواز کی روایت ہے اور بیشک مروی ہُوا کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصطبل میں کچھ گھوڑوں کی رانوں پر لکھا ہُوا تھا کہ وقف فی سبیل اللہ۔

(۱۱) درمختار میں ہے:

کتب علی جبهة المیت او عمامته او کفنه عهد نامه یرجی ان یغفر الله للمیت اوصی بعضهم ان یکتب فی جبهته وصدره بسم الله

مُردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اُس کے لئے بخشش کی اُمید ہے۔ کسی صاحب نے وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینے پر بسم اللہ الرحمٰن

---

[1] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۱۳۳ فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۴۳

[2] فتاویٰ بزازیہ علی هامش فتاویٰ ہندیہ کتاب الاحسان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۷۹

[3] ایضاً

الرحمٰن الرحیم ففعل ثم رؤی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبر جاءتنی ملٰئکة العذاب فلما رأوا مکتوبا علی جبھتی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قالوا أمنت من عذاب اللہ۔[1]

الرحیم لکھ دیں، لکھ دی گئی پھر خواب میں نظر آئے، حال پوچھنے پر فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا عذاب کے فرشتے آئے جب میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی دیکھی کہا تجھے عذابِ الٰہی سے امان ہے۔

(۱۲) فتاوٰی کبرٰی للمکی میں ہے:

نقل بعضھم عن نوادر الاصول للترمذی مایقتضی ان ھذا الدعاء لہ اصل وان الفقیہ ابن عجیل کان یأمربہ ثم افتی بجواز کتابتہ قیاسا علی کتابة للہ فی نعم الزکوٰة۔[2]

بعض علماء نے نوادرالاصول امام ترمذی سے وہ حدیث نقل کی جس کا مقتضٰی یہ ہے کہ یہ دُعا اصل رکھتی ہے، نیز ان بعض نے نقل کیا کہ امام فقیہ ابن عجیل اس کے لکھنے کا حکم فرمایا کرتے، پھر خود انھوں نے اس کے جوازِ کتابت پر فتوٰی دیا اس قیاس پر کہ زکوٰة کے چوپایوں پر لکھا جاتا ہے للہ (یہ اللہ کے لئے ہیں)۔

(۱۳) اُسی میں ہے:

واقرہ بعضھم بانہ قیل یطلب فعلہ لغرض صحیح مقصود، فابیح وان علم انہ یصیبہ نجاسة۔[3]

اس فتوے کو بعض دیگر علماء نے برقرار رکھا (۱۴) اور اس کی تائید میں بعض اور علماء سے نقل کیا کہ بغرضِ صحیح کہ مقصود ہو ایسا کرنا مطلوب ہوگا اگرچہ معلوم ہو کہ اسے نجاست پہنچے گی۔

ھذا ما اثر ثم نظر وفیہ نظر کما سیأتی وباللہ التوفیق۔

یہ انھوں نے نقل کیا پھر اس پر کلام کیا اور اس پر کلام ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اور توفیق خدا ہی سے ہے۔ (ت)

مقامِ دوم: احادیث مؤیدہ

اقول (۱۵) حدیث صحیح میں ہے بعض اجلہ صحابہ نے کہ غالباً سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف یا

---

[1] درمختار | باب صلوٰة الجنائز | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۲۶

[2] فتاوٰی ابن حجر مکی | باب الجنائز | دارالکتب العلمیہ بیروت | ۲/۱۲

[3] ایضاً

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تہبند اقدس (جو کہ ایک بی بی نے بہت محنت سے خوبصورت بُن کر نذر کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اُس کی ضرورت بھی) مانگا۔ حضور اجود الاجودین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عطا فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے انھیں ملامت کی کہ اُس وقت اس ازار شریف کے سوا حضور اقدس صلوات اللہ سلامہٗ علیہ کے پاس اور تہبند نہ تھا، اور آپ جانتے ہیں کہ حضور اکرم الاکرمٰا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کبھی سائل کو رد نہیں فرماتے، پھر آپ نے کیوں مانگ لیا؟ انھوں نے کہا واللہ! میں نے استعمال کو نہ لیا بلکہ اس لئے کہ اس میں کفن دیا جاؤں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن کی اس نیت پر انکار نہ فرمایا، آخر اسی میں کفن دئے گئے۔

صحیح بخاری میں ہے:

باب من استعد الکفن فی زمن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم ینکر علیہ حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ فذکر باسنادہ عن سھل رضی اللہ تعالٰی عنہ ان امرأۃ جاءت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ببردۃ منسوجۃ فیھا حاشیتھا اتدرون ما البردۃ قالوا الشملۃ قال نعم قالت نسجتھا بیدی فجئت لاکسوکھا فاخذھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محتاجا الیھا فخرج الینا وانھا ازارہ، فحسنھا فلان فقال اکسنیھا ما احسنھا، قال القوم ما احسنت لبسھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محتاجا الیھا ثم سألتہ وعلمت انہ لایرد قال انی واللہ ماسألتہ لالبسھا وانما سألتہ لتکون کفنی قال سھل فکانت کفنہ۔[1]

باب، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے زمانہ میں جس نے کفن تیار کیا اور آپ نے منع نہ فرمایا، حضرت عبداللہ بن مسلمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی کہ ایک عورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خوبصورت بُنی ہُوئی حاشیہ والی چادر لائی، تمھیں معلوم ہے کہ کون سی چادر تھی، انھوں نے جواب دیا کہ وہ تہبند ہے، کہا ہاں، اُس عورت نے عرض کیا کہ میں نے خود یہ چادر بُنی ہے آپ کو پہننے کے لیے پیش کررہی ہُوں تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بڑی خوشی سے قبول فرما تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام اس کو تہبند کی صورت میں پہن کر باہر تشریف لائے تو فلاں صحابی نے اس تہبند کی تحسین کی اور عرض کیا یہ کتنی اچھی ہے مجھے عطا فرما دیجئے۔ اس پر حاضرین نے اسے کہا تُو نے اچھا نہیں کیا، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے خود اپنے لیے پسند فرمائی تھی، تُو نے یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ آپ کسی سائل کو مایوس نہیں فرماتے سوال کرلیا۔ اس نے جواب میں کہا کہ خدا کی قسم میں نے اسے پہننے کے لیے نہیں اپنے کفن کے لئے طلب کیا ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ وُہ چادر مبارک اس سائل صحابی کا کفن بنی۔ (ت)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۰

(۱۶) بلکہ خود حضور پُر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب یا حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کفن میں اپنا تہبند اقدس عطا کیا اور غسل دینے والی بیبیوں کو حکم دیا کہ اُسے اُن کے بدن کے متصل رکھیں۔ صحیحین میں اُم عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

قالت دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونحن نغسل ابنتہ فقال اغسلنہا ثلثا او خمسا او اکثر من ذٰلك ان رأیتن ذلك بماء وسدروا جعلن فی الاٰخرۃ کافورا اوشیئا من کافور فاذا فرغتن فاٰذننی فلما فرغنا اذناہ فالقی الینا حقوہ فقال اشعرنہا ایاہ۔[۱]

فرماتی ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے جب ہم ان کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں، فرمایا اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینا تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ، یا اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ، اور آخری بار کافور ملالینا، فارغ ہونے کے بعد مجھے اطلاع دینا۔ ہم نے جب غسل دے لیا تو حضور کو خبر دی۔ سرکار نے اپنا تہبند ہمیں دیا اور فرمایا اسے اس کے بدن سے متصل رکھنا۔ (ت)

(۱۷) علماء فرماتے ہیں یہ حدیث مریدوں کو پیروں کے لباس میں کفن دینے کی اصل ہے۔ لمعات میں ہے:

ھذا الحدیث اصل فی التبرك باٰثار الصالحین ولباسھم، کما یفعلہ بعض مریدی المشائخ من لبس اقمصتھم فی القبر۔[۲]

یہ حدیث صالحین کے آثار اور ان کے لباس سے برکت حاصل کرنے کے سلسلے میں اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض ارادت مند اُن کی قمیصوں کا کفن پہنتے ہیں۔ (ت)

(۱۸) یونہی حضرت فاطمہ بنت اسد والدۂ ماجدۂ امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو اپنی قمیص اطہر میں کفن دیا۔[۳]

رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط وابن حبان والحاکم وصححہ وابونعیم فی الحلیۃ عن انس۔

اسے معجم کبیر و معجم اوسط میں طبرانی نے اور ابن حبان اور حاکم نے بافادۂ تصحیح، اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

(۱۹) وابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ

اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۸
[۲] لمعات التنقیح باب غسل میت فصل اول ؍؍ المعارف العلمیہ لاہور ۲/۳۱۸
[۳] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم اوسط باب مناقب فاطمہ بنت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۹/۲۵۷

عن جابر۔

جابر سے۔ (ت)

(۲۰) وابن عساکر عن علی۔

ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے۔ (ت)

(۲۱) والشیرازی فی الالقاب وابن عبدالبر وغیرھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

القاب میں شیرازی نے اور ابن عبدالبر وغیرہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ (ت)

(۲۲) اور ارشاد فرمایا کہ میں نے انھیں اپنا قمیص مبارک اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کے لباس پہنیں۔ ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسندِ حسن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی،

قال لما ماتت فاطمۃ اُمّ علی رضی اللہ تعالٰی عنہا خلع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قمیصہ والبسہا ایاہ، واضطجع فی قبرھا فلما سوّی علیھا التراب قال بعضھم یارسول اللہ رأیناک صنعت شیئا لم تصنعہ باحد، فقال انی البستہا قمیصی لتلبس من ثیاب الجنۃ واضطجعت معھا فی قبرھا لاخفف عنہا من ضغطۃ القبر، انہا کانت احسن خلق اللہ صنیعا الیّ بعد ابی طالب۔[1]

فرمایا جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا کا انتقال ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنا کرتا اتار کر انھیں پہنایا اور ان کی قبر میں لیٹے، جب قبر پر مٹی برابر کردی گئی تو کسی نے عرض کیا یارسول اللہ! آج ہم نے آپ کا وہ عمل دیکھا جو حضور نے کسی کے ساتھ نہ کیا۔ فرمایا میں نے اپنا کرتا اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کے کپڑے پہنے اور اس کی قبر میں اس لئے لیٹا کہ قبر کے دبانے میں اس سے تخفیف کروں یہ ابوطالب کے بعد خلقِ خدا میں سب سے زیادہ میرے ساتھ نیک سلوک کرنے والی تھی۔ (ت)

(۲۳) بلکہ صحاح ستّہ سے ثابت کہ جب عبداللہ بن اُبی منافق کہ سخت دشمن حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تھا جس نے وہ کلمہ ملعونہ لئن رجعنا الی المدینۃ (جب ہم مدینہ لوٹیں گے الخ۔ ت) کہا جہنم واصل ہُوا، حضور پُرنور حلیم غیور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ابن عبداللہ ابن اُبی کی درخواست سے کہ صحابی جلیل ومومن کامل تھے اُس کے کفن کے واسطے اپنا قمیص مقدس عطا فرمایا،

---

[1] معرفۃ الصحابۃ حدیث ۲۸۸ مکتبۃ الدار مدینہ منورہ ۱/۲۷۹-۲۷۸

پھر اس کی قبر پر تشریف فرما ہوئے، لوگ اُسے رکھ چکے تھے، حضور طیب و طاہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس خبیث کو نکلوا کر لعاب دہنِ اقدس اس کے بدن پر ڈالا اور قمیص مبارک میں کفن دیا اور یہ بدلا اس کا تھا کہ روزِ بدر جب سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما گرفتار آئے برہنہ تھے، بوجہ طول قامت کسی کا کُرتا ٹھیک نہ آتا اس مردک نے انھیں اپنا قمیص دیا تھا۔ حضور عزیز صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چاہا کہ منافق کا کوئی احسان حضور کے اہلبیت کرام پر بے معاوضہ نہ رہ جائے لہذا اپنے دو قمیص مبارک اس کے کفن میں عطا فرمائے، و نیز مرتے وقت وہ ریاکار نفاق شعار خود عرض کر گیا تھا کہ حضور مجھے اپنے قمیص مبارک میں کفن دیں، پھر اس کے بیٹے رضی اللہ تعالٰی عنہ نے درخواست کی، اور ہمارے کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ادب قدیم ہے کہ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔

یارسول اللہ یاکریم یا رءوف یا رحیم اسألك الشفاعۃ عند المولی العظیم والوقایۃ من نار الجحیم والامان من کل بلاء الیم لی ولکل من اٰمن بك وبکتابك الحکیم علیك من ولاك افضل صلوٰۃ واکمل تسلیم۔

اے اللہ کے رسول، اے کریم، اے رؤف، اے رحیم! آپ سے رب عظیم کے حضور شفاعت، نارِ جہنم سے حفاظت اور ہر دردناک بلائے امان کا سوال کرتا ہوں اپنے لئے اور ہر اس شخص کے لئے جو آپ پر اور آپ کی حکمت والی کتاب پر ایمان لایا، آپ پر اور آپ سے محبت رکھنے والوں پر بہتر درود اور کامل تر سلام ہو۔ (ت)

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ شانِ رحمت دیکھ کر کہ اپنے کتنے بڑے دشمن کو کیسا نوازا ہے ہزار آدمی قوم ابن اُبی سے مشرف باسلام ہوئے کہ واقعی یہ حلم و رحمت و عفو و مغفرت نبی برحق کے سوا دوسرے سے متصور نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم، صحیحین وغیرہما صحاح وسنن میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ان عبد اللہ بن اُبی لما توفی جاء ابنہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یارسول اللہ اعطنی قمیصك اکفنہ فیہ وصل علیہ واستغفر لہ فاعطاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قمیصہ الحدیث[1]۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی فوت ہوا اس کے فرزند نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ! اپنا کرتا عطا فرمائیں میں اسے اس میں کفن دوں گا اور اسے اپنی صلوٰۃ و استغفار سے نوازیں، تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں اپنا کرتا عطا کر دیا۔ الحدیث (ت)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۹

(۲۴) نیز صحیح بخاری وغیرہ میں ہے:

عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبد اللہ بن ابی بعد ما دفن فنفث فیہ من ریقہ والبسہ قمیصہ[1]

حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبداللہ بن اُبی کے پاس دفن کے بعد تشریف لائے اس کے منہ میں اپنا لعابِ اقدس ڈالا اور اسے اپنا کرتا پہنایا۔ (ت)

(۲۵) امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرماتے ہیں حضرت امیر معٰویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت میں فرمایا:

انی صحبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فخرج لحاجۃ فاتبعتہ باداوۃ فکسانی احد ثوبیہ الذی یلی جسدہ فخبأتہ لھذا الیوم، واخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اظفارہ وشعرہ ذات یوم فاخذتہ، فخبأتہ لھذا الیوم فاذا انا مت فاجعل ذلک القمیص دون کفنی مما یلی جسدی وخذ ذلک الشعر والاظفار فاجعلہ فی فمی وعلٰی عینی ومواضع السجود منی[2]

یعنی میں صحبتِ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شرف یاب ہُوا۔ ایک دن حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ حاجت کے لئے تشریف فرما ہُوئے ہیں۔ میں لوٹا لے کر ہمراہ رکاب سعادت مآب ہُوا۔ حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے جوڑے سے کُرتا کہ بدنِ اقدس کے متصل تھا مجھے انعام فرمایا، وُہ کُرتا میں نے آج کے لئے چھپا رکھا تھا۔ اور ایک روز حضورِ انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ناخن و مُوئے مبارک تراشے وُہ میں نے لے کر اس دن کے لئے اٹھا رکھے، جب میں مر جاؤں تو قمیص سراپا تقدیس کو میرے کفن کے نیچے بدن کے متصل رکھنا' و مُوئے مبارک و ناخن ہائے مقدسہ کو میرے منہ میں اور آنکھوں اور پیشانی وغیرہ مواضع سجود پر رکھ دینا۔

(۲۶) حاکم نے مستدرک میں بطریق حمید بن عبدالرحمٰن رواسی روایت کی:

قال حدثنا الحسن بن صالح عن ھارون بن سعید عن ابی وائل قال کان عند علی

(انھوں نے کہا ہم سے حسن بن صالح نے حدیث بیان کی وُہ ہارون بن سعید سے، وُہ ابووائل سے راوی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۹

[2] کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامش الاصابۃ ترجمہ معاویہ بن سفیان مطبوعہ دار صادر بیروت ۳/۳۹۹

رضی اللہ تعالٰی عنہ مسك، فاوصی ان یحنط بہ، قال علی وھو فضل حنوط رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم.[1] سکت علیہ الحاکم، ورواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ قال حدثنا حمید بن عبد الرحمٰن بہ، ورواہ البیھقی فی سننہ، قال النووی اسنادہ حسن،[2] ذکرہ فی نصب الرایۃ من الجنائز۔

میں انھوں نے کہا۔ ت) کہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے پاس مُشک تھا وصیت فرمائی کہ میرے حنوط میں یہ مُشک استعمال کیا جائے، اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حنوط کا بچا ہُوا ہے۔ (اور اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنّف میں روایت کیا، کہا ہم سے حمید بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی آگے سند دی ہے، اور اسے بیہقی نے سُنن میں روایت کیا۔ امام نووی نے فرمایا اس کی سند حسن ہے، اسے نصب الرایہ کتاب الجنائز میں ذکر کیا۔ ت)

(۲۷) ابن السکن نے بطریق صفوان بن ہبیرہ عن ابیہ روایت کی:

قال قال ثابت البنانی قال لی انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ ھذہ شعرۃ من شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضعھا تحت لسانی، قال فوضعتھا تحت لسانہ فدفن وھی تحت لسانہ،[3] ذکرہ فی الاصابۃ۔

یعنی ثابت بنانی فرماتے ہیں مجھ سے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: یہ مُوئے مبارک سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہے، اسے میری زبان کے نیچے رکھ دو، میں نے رکھ دیا، وہ یوں ہی دفن کئے گئے کہ مُوئے مبارک اُن کی زبان کے نیچے تھا (اسے اصابہ میں ذکر کیا گیا۔ ت)

(۲۸) دلائل النبوۃ بیہقی و ابنِ عساکر امام محمد بن سیرین سے راوی:

عن انس بن مالك انہ کان عندہ عصیۃ لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمات فدفنت معہ بین جیبہ وبین قمیصہ۔[4]

انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک چھڑی تھی وہ ان کے سینہ پر قمیص کے نیچے اُن کے ساتھ دفن کی گئی۔

ان کے سوا ہنگام تتبع اور نظائر ان وقائع کے کتبِ حدیث میں ملیں گے۔ ظاہر ہے کہ جیسے نقوش

---

[1] المستدرک علی الصحیحین　کتاب الجنائز　مطبوعہ دار الفکر بیروت　۱/ ۳۶۱

[2] نصب الرایۃ　باب الجنائز　فصل فی الغسل　المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا الریاض　۲/ ۲۵۹

[3] الاصابہ فی تمییز الصحابہ ترجمہ نمبر ۲۷۷ انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ　مطبوعہ دار صادر بیروت　۱/ ۷۲

[4] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر　ترجمہ انس ابن مالک　دار الفکر بیروت　۵/ ۷۵

کتابت آیات واحادیث کی تعظیم فرض ہے یونہی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ردا وقمیص خصوصاً ناخن و مُوئے مبارک کی کہ اجزائے جسم اکرم حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی کل جزء منہ جزء وشعرۃ شعرۃ منہ وبارک وسلم تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا ان طریقوں سے تبرک کرنا اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسے جائز ومقرر رکھنا بلکہ بہ نفس نفیس یہ فعل فرمانا جوازِ مانحن فیہ کے لئے دلیل واضح ہے اور کتابت قرآن عظیم کی تعظیم زیادہ ماننا بھی ہرگز مفید تفرقہ نہیں ہوسکتا کہ جب علت منع خوف تجنیس ہے تو وہ جس طرح کتابت فرقان کے لئے ممنوع ومحظور، یونہی لباس و اجزائے جسم اقدس کے لئے قطعاً ناجائز ومحذور، پھر صحاح احادیث سے اس کا جواز بلکہ ندب ثابت ہونا بحکم دلالۃ النص اس کے جواز کی دلیل کافی، وللہ الحمد۔

مقامِ سوم: کفن پر آیات اسماء ادعیہ لکھنے میں جو شُبہہ کیا جاسکتا تھا وہ یہی تھا کہ میت کا بدن شق ہونا، اس سے ریم وغیرہ نکلتا ہے، تو نجاست سے تلوث لازم آئے گا۔ اس کا نفیس ازالہ امام نفیس نے فرمادیا کہ اصطبلِ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا: حبس فی سبیل اللہ تعالٰی (وقف فی سبیل اللہ تعالٰی ہے۔ ت) جو احتمالِ نجاست یہاں ہے وہاں بھی تھا تو معلوم ہوا کہ ایک امر غیر موجود کا احتمال نیت صالحہ وغرض صحیح موجود فی الحال سے مانع نہیں آتا۔ مگر ایک متاخر عالم شافعی المذہب امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس جواب میں کلام کیا کہ رانِ اسپ پر لکھنا صرف پہچان کے لئے تھا اور کفن پر لکھنے سے تبرک مقصود ہوتا ہے، تو یہاں کلماتِ معظمہ اپنے حال پر باقی ہیں انھیں معرض نجاست پر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔[1]

ذکرہ فی فتاواہ الکبرٰی واثرہ العلامۃ الشامی فتبعہ علی عادتہ فانی رأیتہ کثیرا مایتبع ھذا الفاضل الشافعی کما فعل ھھنا مع نص ائمۃ مذھبہ الامام نصیر والامام الصفار وتصریح البزازیۃ والدرالمختار وکذا فی

اسے امام ابن حجر مکی نے اپنے فتاوٰی کبرٰی میں ذکر کیا اور علامہ شامی نے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی پیروی کی، جیسا کہ ان کی عادت ہے اس لئے کہ میں نے بہت جگہ دیکھا کہ وہ اس شافعی فاضل کی پیروی کرتے ہیں جیسے یہاں کی باوجودیکہ ان کے ائمہ مذہب امام نصیر، امام صفار کی تصریح اور بزازیہ ودرمختار کی عبارت سامنے ہے۔ اسی طرح خطبہ میں ذکر سلاطین

---

[1] ردالمحتار علی الدرالمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۶۰۷
[2] " " " " " "

مسئلۃ نزول الخطیب درجۃ عند ذکر السلاطین و فی مسئلۃ اذان القبر و فی نجاسۃ رطوبۃ الرحم بالاتفاق مع ان الصواب ان طہارۃ رطوبۃ الفرج عند الامام یشمل الفرج الخارج و الرحم والفرج الداخل جمیعا کما بینتہ فی جد الممتار۔

کے وقت خطیب کے ایک سیڑھی نیچے اُتر آنے کے مسئلے میں اور مسئلہ اذانِ قبر میں اور رطوبت رحم کی نجاست کے بارے میں کہا جبکہ صحیح یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک رطوبتِ فرج کی طہارت فرج خارج، رحم اور فرج داخل سبھی کو شامل ہے، جیسا کہ جد الممتار میں اسے میں نے بیان کیا ہے۔ (ت)

اقول قطع نظر اس سے کہ یہ فارق یہاں اصلاً نافع نہیں کما بینتہ فیما علقت علی رد المحتار (جیسا کہ میں نے اپنے حاشیہ رد المحتار میں اسے بیان کیا ہے۔ ت)، مقام ثانی میں جو احادیثِ جلیلہ ہم نے ذکر کیں وہ تو خاص تبرک ہی کے واسطے تھیں تو فرق ضائع اور امام نصیر کا استدلال صحیح و قاطع ہے۔

ثمّ اقول بلکہ خود قرآن عظیم مثل سورۂ فاتحہ و آیاتِ شفاء وغیرہا بالغرضِ شفاء لکھ کر دھو کر پینا سلفاً خلفاً بلانکیر رائج ہے[عہ]۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے دردِ زہ کے لئے فرمایا:

تکتب لہا شیئ من القراٰن وتسقی[1]

قرآن مجید میں سے کچھ لکھ کر عورت کو پلائیں۔

امام احمد بن حنبل اس کے لئے حدیثِ ابن عباس، دعائے کرب اور دو آیتیں تحریر فرمایا کرتے:

لا الٰہ الا اللّٰہ الحلیم الکریم سبحٰن اللّٰہ رب اللّٰہ رب العرش العظیم الحمد للّٰہ رب العٰلمین کانہم یوم یرونہا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰہا کانہم یوم یرون

عہ بلکہ دیلمی نے مسند الفردوس میں اُن سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اذا عسرت علی المرأۃ ولادتہا خذ اناء نظیفا فاکتب علیہ قولہ تعالٰی کانہم یوم یرون مایوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نہار بلٰغ فہل یہلک الا القوم الفٰسقون کانہم یوم یرونہا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰہا لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب[2] ثم یغسل وتسقی منہ المرأۃ وینضح علٰی بطنہا و فرجہا۔ جس عورت کو جننے میں دشواری ہو پاکیزہ برتن پر آیتیں لکھ کر اُسے پلائیں اور اس کے پیٹ اور فرج پر چھڑکیں۔

ذکرہ فی نزہۃ الاسرار معزیا للتفسیر بحر العلوم ۱۲

---

[1] قول عبد اللہ ابن عباس

[2] کنز العمال بحوالہ ابن السنی عن ابن عباس حدیث ۲۸۳۸۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/۱۴

مایوعدون لم یلبثوا الاساعۃ من نہار[1]

اُن کے صاحبزادہ جلیل امام عبداللہ بن احمد اسے زعفران سے لکھتے۔ امام حافظ ثقہ احمد بن علی ابوبکر مروزی نے کہا: میں نے اُن کو بارہا اسے لکھتے دیکھا[2]۔ رواہ الامام الثقۃ الحافظ ابوعلی الحسن بن علی الخلال المکی (اسے امام، ثقہ، حافظ ابوعلی حسن بن علی خلال مکی نے روایت کیا۔ ت) حالانکہ معلوم ہے کہ پانی جزوِ بدن نہیں ہوتا اور اس کا مثانہ سے گزر کر آلاتِ بول سے نکلنا ضرور ہے بلکہ خود زمزم شریف کیا متبرک نہیں، ولہذا اس سے استنجا کرنا منع ہے، درمختار میں ہے:

یکرہ الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال[3]	آبِ زمزم سے استنجاء مکروہ ہے غسل نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وکذا ازالۃ النجاسۃ الحقیقیۃ من ثوبہ او بدنہ حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذلک[4]	اسی طرح اپنے کپڑے یا بدن سے نجاستِ حقیقیہ آبِ زمزم سے زائل کرنا یہاں تک کہ بعض علماء نے اسے حرام بتایا ہے۔ (ت)

اور اس کا پینا اعلٰی درجہ کی سنت، بلکہ کوکھ بھر کر پینا ایمان خالص کی علامت۔ تاریخ بخاری وسنن ابنِ ماجہ وصحیح مستدرک میں بسندِ حسن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اٰیۃ مابیننا وبین المنافقین انھم لایتضلعون من زمزم[5]	ہم میں اور منافقوں میں فرق کی نشانی یہ ہے کہ وہ کوکھ بھر کر آبِ زمزم نہیں پیتے۔

بلکہ بحمداللہ تعالٰی ہماری تقریر سے امام ابنِ حجر شافعی اور ان کے تبع کا خلاف ہی اُٹھ گیا، اول نے اسے حدیث سے ثبوت پر موقوف رکھا تھا،

[1] المواہب اللدنیہ — کتابات الالام اخری — المکتب الاسلامی بیروت ۳/۲۶۳
مدارج النبوۃ — بابِ ششم معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (رقیہ عشرلات) مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۳۵
[2] " " بحوالہ الخلال مکی " " " " " " " "
[3] درمختار — باب الھدی — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۴
[4] ردالمحتار — " — ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۲/۲۵۶
[5] المستدرک علی الصحیحین — کتاب المناسک — دارالفکر بیروت ۱/۴۷۲

قال والقول بانه قیل یطلب فعلہ الخ مردود لان مثل ذٰلك لایحتج به وانما کانت تظهر الحجة لوصح عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم طلب ذٰلك ولیس کذٰلك[1]

ان کا کلام یہ ہے "یہ کہنا کہ "غرض صحیح کے لئے ایسا کرنا مطلوب ہوگا اگرچہ معلوم ہو کہ اسے نجاست پہنچے گی" ناقابلِ قبول ہے کیونکہ اس طرح کی بات سے حجت قائم نہیں ہوتی، اگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کی طلب صحت کے ساتھ ثابت ہوتی تو حجت ظاہر ہوتی اور ایسا نہیں"۔ (ت)

دوم نے حدیث یا قولِ مجتہد پر،

قال فالمنع هنا بالاولٰی مالم یثبت عن المجتهد او ینقل فیه حدیث ثابت[2]

انھوں نے کہا: تو یہاں ممانعت بدرجۂ اولٰی ہوگی جب تک کہ مجتہد سے اس کا ثبوت نہ ہو یا اس بارے میں کوئی حدیث ثابت منقول نہ ہو۔ (ت)

ہم نے متعدد احادیثِ صحیحہ سے اُسے ثابت کر دیا اور امام نصیر و امام قاسم صفار نے خود ہمارے مذہب کے ائمہ مجتہدین سے ہیں، بالجملہ حکم جواز ہے اور اگر بلحاظ زیادت احتیاط کفن پر لکھنے یا لکھا ہوا کفن دینے سے اجتناب کرے تو جاوارد۔ اس بحث کی تکمیل و تفصیل فقیر نے تعلیقات ردالمحتار میں ذکر کی، اُس کا یہاں ذکر خالی از نفع نہیں، امام حجر مکی نے بعد عبارت مذکورہ نمبر ۱۲ فرمایا تھا:

قیاسه علی ما فی نعم الصدقة ممنوع لان القصد ثم التمییز لا التبرك وهنا القصد التبرك فالاسماء المعظمة باقیة علی حالها فلا یجوز تعریضها للنجاسة[3] اھ واقرہ ش۔

صدقہ کے جانوروں کے بارے میں جو آیا ہے اس پر اس کا قیاس ممنوع ہے اس لئے کہ وہاں امتیاز مقصود ہے تبرک نہیں، اور یہاں برکت لینا مقصود ہے تو عظمت والے اسماء اپنے حال پر باقی رہیں گے انھیں معرضِ نجاست میں لانا جائز نہ ہوگا اھ، علامہ شامی نے اسے برقرار رکھا۔ (ت)

فقیر نے اس پر تعلیق کی:

---

[1] فتاوی ابن حجر مکی | باب الجنائز | دارالکتب العلمیۃ بیروت | ۲/ ۱۳

[2] ردالمحتار | باب صلوٰۃ الجنائز | ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر | ۱/ ۶۰۷

[3] فتاوی ابن حجر مکی | باب الجنائز | دارالکتب العلمیۃ بیروت | ۲/ ۱۳

اقول هذا الفرق لایجدی نفعا وکیف یسلم ان قصد التمییز یسقط تعظیم ماوجب تعظیمہ شرعا فتبدل بہ اعیان الاسماء العظمۃ فھو باطل عیانا أم لایراد بھا معانیھا بل تکون الفاظا مستعملۃ فی معان اخری او من دون معنی وھذا ایضا باطل قطعا فان قولنا للہ او حبیس فی سبیل اللہ انما یفید التمییز و یفھم الصدقۃ بالنظر الی معانیھا الموضوعۃ لھا لاغیر امر اذا استعملت الکلمات المعظمۃ فی معانیھا وکان الغرض ھنالک افھام امر ما سوی نحو التبرک یخرجھا ذلک عن کونھا معظمۃ وای دلیل من الشرع علی ذلک بل الدلائل بل البداھۃ ناطقۃ بخلافہ ولو ان مجرد قصد غرض اخر غیر نحو التبرک کان یسقط التعظیم فلیجز توسد القرآن العظیم بل اولی لان الغرض ثم لایتم الا باسم الجلالۃ من حیث ھو اسم الجلالۃ اما ھھنا فنظر المتوسد لیس الی قرآنیتہ من حیث ھی ھی بل الی حجمہ وضخامۃ جلدہ واذا جاز ذلک لذلک جاز

اقول یہ تفریق بے سُود ہے، یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ امتیاز کا قصد ایسی چیز کی تعظیم ساقط کر دے جس کی تعظیم شرعًا واجب ہو — اگر یہ کہیں کہ اس قصد کی وجہ سے عظمت والے اسما کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے تو اس کا بطلان عیاں ہے اور یہ کہیں کہ ان سے ان کے معانی مراد نہیں ہوتے بلکہ یہ دوسرے معانی میں مستعمل الفاظ ہو جاتے ہیں یا معنی سے خالی ہو جاتے ہیں — تو یہ قطعًا باطل ہے کیونکہ کلمہ "للہ" (خدا کے لئے) یا "حبیس فی سبیل اللہ" (اللہ کی راہ میں وقف) امتیاز و نشان کا فائدہ بھی دیتا ہے اور اپنے وضعی معنی کے لحاظ سے مال صدقہ ہونے کو بھی بتاتا ہے کوئی اور معنی نہیں دیتا — اور اگر یہ کہیں کہ عظمت والے کلمات جب اپنے معانی میں مستعمل ہوں اور وہاں تبرک کے سوا کوئی اور بات سمجھانی بھی مقصود ہو تو وہ با عظمت نہیں رہ جاتے — تو اس پر کون سی دلیل شرعی ہے؟ بلکہ دلائل بلکہ بداہت اس کے خلاف ناطق ہے تبرک جیسے امر کے سوا کسی اور غرض کا محض قصد ہو جانا اگر تعظیم کو ساقط کر دیتا ہے تو چاہیے کہ قرآن عظیم کا تکیہ لگانا جائز ہو بلکہ بدرجہ اولٰی۔ اس لئے کہ وہاں جو غرض ہے وہ اسم جلالت بحیثیت اسم جلالت کے بغیر پُوری نہیں ہوتی — اور یہاں تو تکیہ لگانے والے کی نظر اس کی قرآنیت بحیثیت قرآنیت کی جانب نہیں ہوتی بلکہ اس کے حجم اور جلد کی ضخامت کی جانب ہوتی ہے — اور اس بنیاد پر جب وہ جائز ہو جائے گا

ایضا والعیاذ باللہ تعالٰی ان یضع المصحف الکریم علی الارض ویجلس علیہ توقیالثیابہ من التراب فانہ لیس باعظم من التعریض للابوال والارواث الی غیر ذلک مما لایجیزہ احد۔

و لعل معتلا یعتل بجواز قراءۃ امثال الفاتحۃ للجنب واختیہ اذ اقصد الثناء والدعاء دون التلاوۃ۔

اقول نازعہ المحقق الحلبی فی الحلیۃ وخص الجواز بما لایقع بہ التحدی ای مادون قدر ثلث اٰیات ولی فی ھذا ایضا کلام والحق عندی ان الجواز بنیۃ الدعاء والثناء ورد علی خلاف القیاس توسعۃ من اللہ تعالٰی لعبیدہ رحمۃ منہ وفضلا فلا یجوز القیاس علیہ علا ان منع الجنب لم یکن لنفس الالفاظ بل لکونھا قراٰنا ای کلام اللہ عزوجل النازل علی نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المثبت بین الدفتین من حیث ھو کذلک حتی لوفرض ان تلک الالفاظ کانت حدیثا لم یحرم علیہ قراءتہ فاذا قرأت علی جھۃ انشاء کلام من عند نفسہ

تو معاذ اللہ یہ بھی جائز ہوجائے گا کہ مصحف شریف زمین پر رکھ کر اس پر بیٹھ رہے اس غرض سے کہ اس کے کپڑے مٹی سے محفوظ رہیں — کیونکہ یہ لید اور پیشاب وغیرہ پڑنے کی جگہ لانے سے بڑھ کر نہیں، جسے کوئی جائز نہیں کہہ سکتا۔

ہوسکتا ہے کوئی یُوں علت پیش کرے کہ جنب اور حائض ونفساء کے لئے دعا وثنا کے ارادے سے سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھنا جائز ہے اور بقصدِ تلاوت جائز نہیں۔

اقول محقق حلبی نے حلیہ میں اس سے اختلاف کیا ہے اور جواز صرف اتنی مقدار سے خاص کیا ہے جس سے تحدی واقع نہیں ہوتی، یعنی تین آیت سے کم ہی پڑھنے کا جواز ہے — مجھے اس میں بھی کلام ہے — میرے نزدیک حق یہ ہے کہ دعا یا ثنا کی نیت سے جواز کا حکم — اللہ تعالٰی کی جانب سے بطور رحمت وفضل بندوں پر وسعت دینے کے لئے — خلافِ قیاس وارد ہے تو اس پر قیاس روا نہیں — علاوہ ازیں جنب کے لئے ممانعت نفسِ الفاظ کے باعث نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ قرآن ہیں یعنی اللہ عزوجل کا وُہ کلام جو اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل ہے دو دفتیوں کے درمیان ثبت ہے اس لحاظ سے کہ وُہ قرآن ہیں، یہاں تک کہ اگر فرض کیا جائے کہ وہ الفاظِ حدیث ہیں تو جنب کے لئے ان کی قرات حرام نہ ہوگی — تو جب ان کی قرات اس طور پر ہو کہ خود اپنی جانب سے

لم تبق النسبة المانعة ملحوظة اما ههنا فالتعظیم لنفس تلك الالفاظ الموضوعة لتلك المعانی المعظمة وھی باقیة فی الکتابة علی حالہا فافہم، مع ان العلامۃ سیدی عبد الغنی النابلسی قدس سرہ القدسی نص علیہ ان النیۃ تعمل فی تغییر المنطوق لا المکتوب[1] کما نقلہ العلامۃ ش قبیل المیاہ و اقرہ۔

ثم **اقول** علی التسلیم لا محیص عن کونہ اعنی ما کتب علی الفخاذ لا بل حروفا وحروف الہجاء المعظمۃ بانفسہا لایجوز تعریضہا للنجاسۃ کیف وانہا علی ما ذکر الزرقانی فی شرح المواھب قرأن انزل علی سیدنا ھود علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوۃ والتسلیم[2] وکذا نقلہ فی رد المحتار عن بعض القراء و قدمہ عن سیدی عبد الغنی عن کتاب الاشارات فی علم القراءات للامام القسطلانی وقال اعنی الشامی فیہ ان الحروف فی ذاتہا لہا احترام[3] اھ، و

ایک کلام انشا کر رہا ہے تو جو نسبت باعثِ ممانعت تھی وُہ ملحوظ نہ رہ گئی ــــ لیکن یہاں تو تعظیم خود ان ہی الفاظ کے باعث ہے جو ان معانی عظمت کے لئے وضع ہُوئے ہیں۔ اور کتابت میں یہ اپنے حال پر باقی ہیں۔ تو اسے سمجھو ــــ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ علامہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہٗ نے صراحت فرمائی ہے کہ نیت منطوق کو بدلنے میں اثر انداز ہوتی ہے مکتوب میں نہیں ــــ جیسا کہ علامہ شامی نے باب المیاہ سے ذرا قبل اس کو نقل کیا اور برقرار رکھا ہے۔

ثم **اقول** بر تقدیر تسلیم ــــ اونٹوں کی ران پر جو لکھا جاتا اُس کو حروف ماننے سے مفر نہیں ــــ اور حروفِ تہجی خود باعظمت ہیں، انھیں معرضِ نجاست میں لانا جائز نہیں ــــ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یہ وُہ قرآن ہے جو سیدنا ہُود علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوۃ والتسلیم پر نازل ہُوا، جیسا کہ علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا ہے ــــ اسی طرح رد المحتار میں اسے بعض قرّاء سے نقل کیا ہے اور اس سے پہلے امام قسطلانی کی کتاب "الاشارات فی علم القراءات" کے حوالے سے سید عبد الغنی نابلسی سے نقل کیا ــــ اور اسی میں علامہ شامی نے یہ بھی لکھا ہے کہ خود یہ حروف محترم ہیں اھ ــــ یہ بھی

---

[1] رد المحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۱۱۹

[2] " فصل الاستنجاء " " " ۱/ ۲۲۷

[3] " " " " " ۱/ ۱۱۹

قال ایضا نقلوا عندنا ان للحروف حرمۃ ولو مقطعۃ اھ[1] وفی الھندیۃ لو قطع الحروف فی الحرف او خیط علی بعض الحروف فی البساط او المصلی حتی لم تبق الکلمۃ متصلۃ لم تسقط الکراھۃ وکذلک لوکان علیہ "الملک" لاغیر وکذلک الالف وحدھا واللام وحدھا کذا فی الکبری اذا کتب اسم فرعون او کتب ابوجھل علی غرض یکرہ ان یرموا الیہ لان لتلک الحروف الحرمۃ کذا فی السراجیۃ اھ[2] بل صرح فی الدرالمختار وغیرہ انہ یجوز رمی برایۃ القلم الجدید ولا ترمی برایۃ القلم المستعمل لاحترامہ کحشیش المسجد وکناستہ لا یلقی فی موضع یخل بالتعظیم اھ[3] وفی ردالمحتار ورق الکتابۃ لہ احترام ایضا لکونہ آلۃ لکتابۃ العلم ولذا عللہ فی التاتارخانیۃ بان تعظیمہ من ادب الدین اھ[4]

فاذا کان ھذا فی برایۃ القلم وبیاض الورق الغیر المکتوب

لکھا ہے کہ علماء نے نقل فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک حروف کی عزت وحرمت ہے اگرچہ یہ الگ الگ ہوں اھ —— ہندیہ میں ہے اگر حرف کو حرف سے جُدا کردیا، یا فرش یا جانماز میں بعض حروف پر اس طرح سلائی کردی گئی کہ پورا لفظ مستعمل نہ رہا تو بھی کراہت ختم نہ ہوئی —— اسی طرح اگر اس پر صرف الملک ہو، اسی طرح اگر صرف الف اور صرف لام ہو، ایسا ہی کبرٰی میں ہے —— اگر نشانہ لگانے کی جگہ فرعون کا نام لکھ دیا گیا یا ابوجہل لکھا گیا تو اس پر تیر مارنا مکروہ ہے اس لئے کہ ان حروف ہی کی عزت وحرمت ہے۔ ایسا ہی سراجیہ میں ہے اھ —— بلکہ درمختار وغیرہ میں تصریح ہے کہ نئے قلم کا تراشا پھینکنا جائز ہے اور مستعمل قلم کا تراشا پھینکنا جائز نہیں کیونکہ وہ محترم ہے، جیسے مسجد کی گھاس اور کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جہاں بے حرمتی ہو اھ۔ ردالمحتار میں ہے: کتابت کے کاغذ کا بھی احترام ہے اس لئے کہ وہ کتابت علم کا سامان ہے —— اسی لئے تاتارخانیہ میں اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس کی تعظیم دین کے آداب سے ہے اھ ——

تو جب یہ حکم قلم کے تراشے اور بغیر لکھے ہوئے کاغذ کی بیاض کے بارے میں ہے تو حروف کے

[1] ردالمحتار	فصل فی الاستنجاء	مطبوعہ الطباعۃ المصریۃ مصر	۱/۲۲۷
[2] فتاوٰی ہندیہ	الباب الخامس فی آداب المسجد	" نورانی کتب خانہ پشاور	۵/۳۲۳
[3] درمختار	کتاب الطہارۃ	" مطبع مجتبائی دہلی	۱/۳۴
[4] ردالمحتار	فصل فی الاستنجاء	" ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر	۱/۲۲۷

فما ظنك بالحروف فاذن لا شك فی صحۃ الاستناد ولا بد من اخراج کتابات الابل عن الاخلال بالتعظیم۔

واقول یظھر لی فی النظر الحاضر ان لیس الامتھان من لازم تلک الکتابۃ ولا ھو موجود حین فعلت ولا ھو مقصود لمن فعل وانما اراد التمییز وانما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئ ما نوی[1] قال فی جواھر الاخلاطی ثم الفتاوی الھندیۃ لاباس بکتابۃ اسم اللہ تعالٰی علی الدراھم لان قصد صاحبہ العلامۃ لا التھاون[2] اھ وھذا لاشک انہ جار فیما نحن فیہ فلیس التنجیس من لازم الکتابۃ ولا ھو موجود ولا مقصود وانما المراد التبرک الٰی اٰخر ما مر فان قنع بھذا فذاک والا فایا ما ابدیتم من الوجہ فی ذالک فانہ یجری فیما ھنالک ولا یظھر فرق یغیر المسالک۔

بارے میں کیا ہوگا — اس سے ظاہر ہوا کہ صحت استناد میں کوئی شک نہیں — اور اونٹوں والی تحریروں کو بے حرمتی سے خارج ماننا ضروری ہے۔

واقول (اور میں کہتا ہوں) بنظرِ حاضر مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ اہانت اس تحریر کو لازم نہیں، نہ ہی بوقتِ تحریر اہانت کا وجود ہے، نہ ہی یہ لکھنے والے کا مقصود ہے — اس کا مقصد صرف امتیاز پیدا کرنا اور نشان لگانا ہے — اور اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی — جواہر اخلاطی پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے: دراہم پر اللہ کا نام تحریر کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ تحریر کرنے والے کا مقصود صرف نشان ہوتا ہے، اہانت نہیں اھ — یہ بات بلاشبہہ تحریرِ کفن میں بھی جاری ہے اس لئے کہ نجاست آلود کرنا اس تحریر کو لازم نہیں، نہ ہی بروقت اس کا وجود ہے نہ ہی وہ مقصود ہے، مقصود صرف برکت حاصل کرنا ہے — وُہ ساری باتیں جو گزر چکیں۔ اگر مخالف اسے مان لے تو ٹھیک ہے ورنہ اُس میں آپ جو بھی وجہ بتائیں وُہ یہاں بھی جاری ہوگی اور کوئی ایسا فرق رونما نہ ہوگا جس سے راہیں مختلف ہوجائیں۔

---

[1] صحیح بخاری باب کیف بدء الوحی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲
[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۲۳

فان قلت التنجیس فی الابل غیر مقطوع بہ حتی فی الجانب الانسی من افخاذھا لانھا تتفاج حین تبول فکیف بالوحشی المکتوب علیہ **قلت** لاقطع فی التکفین ایضا فلیس کل جسد یبلی فان الاولیاء والعلماء العاملین والشھداء والمؤذن المحتسب وحامل القرآن العامل بہ والمرابط والمیت بالطاعون صابرا محتسبا والمکثر من ذکر اللہ تعالٰی لاتتغیر ابدانھم[1] نقلہ العلامۃ الزرقانی فی شرح المؤطا من جامع الجنائز وجعلھم عشرۃ کاملۃ بذکر الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ثم الصدیقین والمحبین للہ تعالٰی وجمعت ھذین فی قول الاولیاء۔

ثم تقیید المؤذن بالمحتسب ھو نص حدیث اخرجہ الطبرانی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال المؤذن المحتسب کالشھید المتشحط فی دمہ واذا مات لم یدود فی قبرہ[2]

اگر یہ کہئے کہ اونٹوں میں آلودگیِ نجاست کا یقین نہیں خواہ پالتو اونٹ کی ران کے پہلو پر لکھائی ہو کیونکہ اونٹ پیشاب کرتے وقت اپنی ٹانگوں کو کھول لیتا ہے تو کھلے جنگل میں رہنے والے جانوروں پر لکھائی میں کیسے یقینی ہوسکتی ہے ـــــ میں کہوں گا کفن دینے میں بھی یہ یقینی نہیں، اس لئے کہ ہر جسم بوسیدہ نہیں ہوتا اولیاء، باعمل علماء، شہداء، طالبِ ثواب مؤذن، باعمل حافظِ قرآن، سرحد کا پاسبان، طاعون میں صبر کے ساتھ اور اجر چاہتے ہوئے مرنے والا، کثرت سے اللہ تعالٰی کا ذکر کرنے والا، ان کے بدن بگڑتے نہیں

اسے علامہ زرقانی نے شرح مؤطا میں جامع الجنائز سے نقل کیا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پھر صدیقین اور خدا کے محبین کو ذکر کرکے ان کی تعداد کامل دس کردی ہے ـــــ اور میں نے ان دونوں قسموں کو لفظ اولیاء میں شامل کردیا۔

مؤذن کے ساتھ محتسب (طالبِ ثواب) کی قید بتصریحِ حدیث ثابت ہے۔ طبرانی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ سرکار نے فرمایا: مؤذنِ محتسب اپنے خون میں آلودہ شہید کی طرح ہے جب وہ مرتا ہے تو قبر کے

---

[1] شرح زرقانی علی المؤطا باب جامع الجنائز مطبوعہ مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ۲/ ۸۴
[2] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی باب المؤذن المحتسب مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۳

وھو محمل اثر مجاھد "المؤذنون اطول الناس اعناقا یوم القیٰمة ولا یدودون فی قبورھم"[1] رواہ عبدالرزاق و ذلک بدلیل الجزء الاول اطول الناس الخ۔

اندر اس کے بدن میں کیڑے نہیں پڑتے ——— اور یہی حضرت مجاہد کے اس اثر کی بھی مراد ہے کہ اذان دینے والے روزِ قیامت سب لوگوں سے زیادہ گردن دراز ہوں گے اور قبروں کے اندر ان کے جسم میں کیڑے نہ پڑیں گے۔ اسے عبدالرزاق نے روایت کیا ——— اس کی (یہاں بھی محتسب کی قید ملحوظ ہونے کی) دلیل جزء اول اطول الناس (سب لوگوں سے زیادہ گردن دراز) الخ ہے۔

اما حامل القراٰن فحدیث ابن مندة عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا مات حامل القراٰن اوحی اللہ الی الارض ان لا تاکلی لحمہ، فتقول الارض ای رب کیف اٰکل لحمہ وکلامک فی جوفہ[2]۔ قال ابن مندة وفی الباب عن ابی ھریرة وابن مسعود۔

حافظِ قرآن سے متعلق ابن مندہ کی حدیث ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جب حافظِ قرآن مرتا ہے خدا زمین کو حکم فرماتا ہے کہ اس کا گوشت نہ کھانا، زمین عرض کرتی ہے: اے رب! میں اس کا گوشت کیسے کھاؤں گی جبکہ تیرا کلام اس کے سینے میں ہے۔" ابن مندہ نے کہا اس باب میں حضرت ابوہریرہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی روایت ہے۔

وزاد فیہ الشیخ قید العامل بہ **اقول** بہ ولکن العامل بہ مرجو لہ ذلک وان لم یکن حاملہ فقد اخرج المروزی عن قتادة قال بلغنی ان الارض لا تسلط علی جسد

شیخ نے اس پر "قرآن پر عامل" کی قید کا اضافہ کیا ——— **اقول** مگر عاملِ قرآن اگر حافظِ قرآن نہ ہو تو بھی اس کے لئے یہ امید ہے ——— مروزی نے قتادہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ زمین اس کے جسم پر مسلط نہیں

---

[1] المصنف لعبدالرزاق باب فضل فی الاذان مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۸۳

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۱۱۲ " دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۸۴

الذی لم یعمل خطیئۃ الا ان یقال ان وصف العامل بہ حامل للخطاء التواب ایضا ثم الذی لم یعمل خطیئۃ ھو الصالح المحفوظ ولا یشمل الصبی فیما اظن[1] واللہ تعالٰی اعلم وبضم ھذا اتموا عشرۃ وللہ الحمد نبی[1]، ولی[2]، عالم[3]، شہید[4]، مرابط[5]، میت طاعون[6]، مؤذن محتسبین[7]، ذکار[8]، حامل القراٰن[9]، من لم یعمل خطیئۃ[10]۔

فان کان من نکفنہ احد ھؤلاء فذاک والا فما یدریک ان ھذا المسلم لیس من اولیاء اللہ تعالٰی اولم ینل منازل الشھداء بل من الاشرار من لا یتغیر جسدہ تشدیدا للتعذیب والعیاذ باللہ القریب المجیب۔

ھذا واما ما ایدہ بہ المحشی مما قدم عن الفتح انہ تکرہ کتابۃ القراٰن واسماء اللہ تعالٰی علی الدراھم والمحاریب والجدران وما یفرش[2] اھ ما فی الفتح قال المحشی فما ذلک الا لاحترامہ وخشیۃ وطئہ ونحوہ مما فیہ اھانۃ،

کی جاتی جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ عاملِ قرآن کا وصف اس پر بھی صادق ہے جو خطاکار اور تائب ہو پھر وُہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا ایسا صالح ہوگا جو گناہ سے بالکل محفوظ رہا ہو ــــ اور یہ وصف میرے خیال میں بچے کو شامل نہیں، اور زیادہ علم خدائے برتر کو ہے ــــ اب اسے ملاکر پورے دس ہوگئے: (۱) نبی (۲) ولی (۳) عالم (۴) شہید (۵) مرابط (سرحد کا پاسبان) (۶) میتِ طاعون، محتسب (۷) مؤذنِ محتسب (۸) بہت ذکر کرنے والا (۹) حافظِ قرآن (۱۰) وہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا۔

تو جسے ہم کفن دے رہے ہیں مذکورین میں سے کوئی ایک ہے تو حال واضح ہے ــــ ورنہ کیا معلوم کہ یہ مسلمان اللہ تعالٰی کے اولیا سے نہیں یا اسے شہدا کا درجہ حاصل نہیں ــــ بلکہ اشرار میں بھی ایسے ہیں جن کا جسم اس لئے متغیر نہیں ہوتا کہ عذاب زیادہ سخت ہو ــــ پناہ خدائے قریب مجیب کی۔

اب رہا وہ کلام جو اس کی تائید میں علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالے سے پیش کیا کہ درہم، محراب اور دیوار اور بچھائی جانے والی چیز پر قرآن اور اسمائے الٰہی لکھنا مکروہ ہے (فتح کی عبارت ختم ہوئی)، اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں: اس کی وجہ یہی احترام اور پامالی وغیرہ سے اہانت کا اندیشہ ہے، تو یہاں

---

[1] مروزی مسانید فی الحدیث

[2] ردالمحتار مطلب فیما یکتب علی کفن المیت مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۷

فالمنع هنا بالاولی مالم یثبت عن المجتهد او ینقل فیه حدیث ثابت اھ[1] وهذا الذی حمله علی العدول عن قول امام مذهبه الصفار الحنفی الی قول الامام ابن الصلاح من متاخری الشافعیة۔

فاقول اما الکتابة علی الفراش فامتهان حاضر او قصد مالا ینفك عن الامتهان فلیس مما نحن فیه ولا کلام فی کراهته واما علی البواقی فالمسئلة مختلف فیها وقد اسمعناك آنفا ما فی جواهر الاخلاطی فی حق الدراهم وقال الامام الاجل قاضی خان فی فتاواه لوکتب القرآن علی الحیطان والجدران بعضهم قالوا یرجی ان یجوز وبعضهم کرهوا ذلك مخافة السقوط تحت اقدام الناس اھ[2] فقد قدم رجاء الجواز وهو کما صرح به فی دیباجة فتاواه لا یقدم الا الاظهر الاشهر ویکون کما نص علیه العلامة السید الطحطاوی ثم السید المحشی هو المعتمد فاذن فلتکن الکتابة المعهودة علی افخاذ الابل من لدن سیدنا الفاروق الاعظم رضی اللہ

ممانعت بدرجۂ اولیٰ ہوگی جب تک کہ مجتہد سے ثبوت نہ ہو یا اس بارے میں کوئی حدیث ثابت منقول نہ ہو ———— یہی وہ بات ہے جو ان کے لئے اپنے مذہب کے امام صفار حنفی کے قول سے عدول کرکے ایک شافعی متاخر امام ابن الصلاح کا قول لینے پر باعث ہوئی۔

فاقول (تو میں کہتا ہوں) بچھونے پر لکھنا تو بروقت اہانت ہے یا ایسے کام کا قصد ہے جو بے حرمتی سے جدا ہونے والا نہیں۔ یہ تو ہمارے مبحث سے خارج ہے اور اس کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ رہا باقی چیزوں پر لکھنا تو ان کے بارے میں مسئلہ اختلافی ہے ———— دراہم سے متعلق تو جواہر اخلاطی کی عبارت ابھی ہم پیش کر آئے (دیوار و محراب سے متعلق ملاحظہ ہو) امام اجل قاضی خان اپنے فتاوٰی میں لکھتے ہیں: "اگر دیواروں پر قرآن لکھا تو بعض نے کہا امید ہے کہ جائز ہوگا، اور بعض نے لوگوں کے پاؤں تلے پڑنے کے اندیشے کی وجہ سے اس کو مکروہ کہا اھ" ———— اس عبارت میں امید جواز کو انھوں نے مقدم رکھا ہے ———— اور جیسا کہ اپنے فتاوے کے دیباچے میں وہ تصریح فرما چکے ہیں جسے وہ مقدم رکھتے ہیں وہی "اظہر اشہر" ہوتا ہے ———— اور جیسا کہ علامہ سید طحطاوی پھر خود علامہ شامی نے تصریح فرمائی ہے وہی "معتمد" ہوتا ہے ———— ایسی صورت میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے اونٹوں کی ران پر

[1] ردالمحتار مطلب فیما یکتب علی کفن المیت مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۷

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی التسبیح من الحظر مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/۷۹۲

تعالٰی عند مرجحۃ لقول الجواز ان فرضنا المساواۃ والا فلا نسلمہا من الاصل فان الکتابۃ علی المحاریب و الجدران انما یکون المقصود بہا غالبا الزینۃ ولیست من الحاجۃ فی شیئ فالمنع ثمہ لایستلزم المنع حیث الحاجۃ ماسۃ کالتمییز والتبرک و التوسل للنجاۃ باذن اللہ تعالٰی فافہم واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

لکھی جانے والی تحریر معہود و معلوم سے قولِ جواز کو ترجیح ہونی چاہیے ــــ اگر دونوں تحریروں میں ہم مساوات مانیں ــــ ورنہ اسے ہم سرے سے نہیں مانتے اس لئے کہ محرابوں اور دیواروں پر لکھنے سے عموماً زینت مقصود ہوتی ہے۔ یہ کوئی حاجت کی چیز ہی نہیں ــــ تو اگر اس میں ممانعت ہے تو یہ اس کو مستلزم نہیں کہ وہاں بھی ممانعت ہو جہاں حاجت ہے جیسے امتیاز پیدا کرنا، برکت حاصل کرنا، باذنِ الٰہی نجات کا وسیلہ بنانا ــــ تو اسے سمجھو ــــ اور خدائے پاک بزرگ و برتر خوب جاننے والا ہے (ت)

مقامِ چہارم: جب خود کفن پر ادعیہ وغیرہ تبرکاً لکھنے کا جواز فقہاً و حدیثاً ثابت ہے تو شجرہ شریف رکھنا بھی بداہۃً اسی باب سے ہے بلکہ بالاولیٰ، اوّل تو اسمائے محبوبانِ خدا علیہم التحیۃ والثناء سے توسل و تبرک بلاشبہہ محمود و مندوب ہے۔ تفسیر طبری پھر شرح مواہبِ لدنیہ للعلامۃ الزرقانی میں ہے:

اذا کتب اسماء اہل الکہف فی شیئ والقی فی النار اطفئت۔[1]

جب اصحابِ کہف کے نام لکھ کر آگ میں ڈال دیے جائیں آگ بجھ جاتی ہے۔

تفسیر نیشاپوری علامہ حسن بن محمد بن حسین نظام الدین میں ہے:

عن ابن عباس ان اسماء اصحاب الکہف یصلح للطلب والھرب واطفاء الحریق تکتب فی خرقۃ ویرمی بہا فی وسط النار، ولبکاء الطفل تکتب وتوضع تحت راسہ فی المہد، وللحرث تکتب علی القرطاس و ترفع علی خشب منصوب فی وسط الزرع وللضربان وللحمی المثلثۃ والصداع

یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ اصحابِ کہف کے نام تحصیلِ نفع و دفعِ ضرر اور آگ بجھانے کے واسطے ایک پرچہ میں لکھ کر آگ میں ڈال دیں، اور بچہ روتا ہو تو لکھ کر گہوارے میں اس کے سر کے نیچے رکھ دیں، اور کھیتی کی حفاظت کے لئے کاغذ پر لکھ کر بیچ کھیت میں ایک لکڑی گاڑ کر اُس پر باندھ دیں، اور رگیں تپکنے اور باری والے بخار اور دردِ سر

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثامن مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۱۰۸

والغنى والجاه والدخول على السلاطين تشد على الفخذ اليمنى ولعسر الولادة تشد على فخذها الايسر، ولحفظ المال والركوب فى البحر والنجاة من القتل[1]

اور حصول تونگری و وجاہت اور سلاطین کے پاس جانے کے لئے دہنی ران پر باندھیں، اور دشواری ولادت کے لئے عورت کی بائیں ران پر، نیز حفاظتِ مال اور دریا کی سواری اور قتل سے نجات کے لئے۔

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں نقل فرماتے ہیں،

جب امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیشاپور میں تشریف لائے، چہرہ مبارک کے سامنے ایک پردہ تھا، حافظانِ حدیث امام ابو زرعہ رازی و امام محمد بن اسلم طوسی اور ان کے ساتھ بیشمار طالبانِ علم و حدیث حاضرِ خدمتِ انور ہوئے اور گڑگڑا کر عرض کیا کہ اپنا جمالِ مبارک ہمیں دکھائیے اور اپنے آبائے کرام سے ایک حدیث ہمارے سامنے روایت فرمائیے، امام نے سواری روکی اور غلاموں کو حکم فرمایا کہ پردہ ہٹا لیں خلق کی آنکھیں جمال مبارک کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں۔ دو گیسو شانہ مبارک پر لٹک رہے تھے۔ پردہ ہٹتے ہی خلق کی یہ حالت ہوئی کہ کوئی چلاتا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی خاک پر لوٹتا ہے، کوئی سواری مقدس کا سُم چومتا ہے۔ اتنے میں علماء نے آواز دی: خاموش۔ سب لوگ خاموش ہو رہے۔ دونوں امام مذکور نے حضور سے کوئی حدیث روایت کرنے کو عرض کی، حضور نے فرمایا:

حدثنی ابو موسی الکاظم عن ابیہ جعفر الصادق عن ابیہ محمد ن الباقر عن ابیہ زین العابدین عن ابیہ الحسین عن ابیہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم قال حدثنی حبیبی وقرۃ عینی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال حدثنی جبریل قال سمعت رب العزۃ یقول لا الہ الا اللہ حصنی فمن قال دخل حصنی امن من عذابی[2]

یعنی امام علی رضا امام موسیٰ کاظم وہ امام جعفر صادق وہ امام محمد باقر وہ امام زین العابدین وہ امام حسین وہ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرماتے ہیں کہ میرے پیارے میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی کہ ان سے جبریل نے عرض کی کہ میں نے اللہ عزوجل کو فرماتے سنا کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے تو جس نے اسے کہا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوا، میرے عذاب سے امان میں رہا۔

---

[1] تفسیر غرائب القرآن ذکر اسماء اہل الکہف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱۵/۱۱۰

[2] الصواعق المحرقہ الفصل الثالث مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۲۰۵

یہ حدیث روایت فرما کر حضور رواں ہوئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا، دواتوں والے جو ارشاد مبارک لکھ رہے تھے شمار کئے گئے، بیس ہزار سے زائد تھے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

لو قرأت ھذا الاسناد علی مجنون لبریٔ من جنتہ[1]

یہ مبارک سند اگر مجنون پر پڑھو تو ضرور اسے جنون سے شفا ہو۔

اقول فی الواقع جب اسمائے اصحاب کہف قدست اسرارہم میں وہ برکات ہیں حالانکہ وہ اولیائے عیسویین میں سے ہیں تو اولیائے محمدیین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا کیا کہنا، اُن کے اسمائے کرام کی برکت کیا شمار میں آسکے۔ اے شخص! تو نہیں جانتا کہ نام کیا ہے، مسمّیٰ کے انحائے وجود سے ایک نحو ہے۔ امام فخر الدین رازی وغیرہ علماء نے فرمایا ہے کہ وجودِ شئی کی چار صورتیں ہیں: وجود اعیان میں، علم میں، تلفظ میں، کتابت میں۔ تو ان دو شق اخیر وجود اسم ہی کو وجود مسمّیٰ قرار دیا ہے بلکہ کتبِ عقائد میں لکھتے ہیں: الاسم عین المسمی نام عین مسمّیٰ ہے۔ امام رازی نے فرمایا: المشھور عن اصحابنا ان الاسم ھو المسمّیٰ مقصود آنا ہے کہ نام کا مسمّیٰ سے اختصاص کپڑوں کے اختصاص سے زائد ہے اور نام کی مسمّیٰ پر دلالت تراشۂ ناخن کی دلالت سے افزوں ہے۔ تو خالی اسما ہی ایک اعلیٰ ذریعہ تبرک و توسل ہوتے نہ کہ اسامی سلاسل علیہ کہ اسناد اتصال بمحبوب ذو الجلال وبحضرت عزت وجلال ہیں جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور اللہ ومحبوب و اولیاء کے سلسلہ کرام وکرامت میں انسلاک کی سند شجرۂ طیبہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعۂ توسل چاہیے، پھر کفن پر لکھنا کہ ہمارے ائمہ نے جسے جائز فرمایا اور امیدگاہِ مغفرت بنایا، اور بعض شافعیہ کو اس میں خیال تنجیس آیا، شجرۂ طیبہ میں اس کا خیال بھی لزوم نہیں۔ کیا ضرور کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں طاق بنا کر خواہ سرہانے کہ نکیرین پائنتی کی طرف سے آتے ہیں اُن کے پیش نظر ہو خواہ جانب قبلہ کو میت کے پیش رو رہے اور اس کے سکون و اطمینان و اعانت جواب کا باعث ہو، باذنہٖ تعالیٰ ولہ الحمد۔ شاہ عبد العزیز صاحب نے بھی رسالہ "فیض عام" میں شجرہ قبر میں رکھنے کو معمول بزرگان دین بتا کر سرہانے طاق میں رکھنا پسند کیا۔ یہ امر واسع ہے بلکہ ہماری تحقیق سے واضح ہوا کہ کفن میں رکھنے میں جو کلام فقہاء بتایا گیا وہ متاخرین شافعیہ ہیں، ہمارے ائمہ کے طور پر یہ بھی روا ہے۔ ہاں خروج عن الخلاف کے لئے طاق میں رکھنا زیادہ مناسب و بجا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الصواعق المحرقہ الفصل الثالث فی الاحادیث الواردۃ فی بعض اہل البیت مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۲۰۵

مسئلہ ۱۶ از چھاؤنی اشرف خاں ۳۰ رجب ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جنازہ لے چلیں تو سرہانا آگے کریں یا پائنتی؟ ایک شخص کہتا ہے کہ پائنتی آگے کرنے کا حکم ہے میں نے علمائے دین سے پوچھ لیا ہے۔ اور قبر پر اذان کہنے کو ایک شخص حرام و ناجائز کہتا ہے اس میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اُس شخص نے محض غلط کہا، جنازہ لے چلنے میں سرہانے آگے کرنے کا حکم ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

فی حالۃ المشی بالجنازۃ یقدم الراس کذا فی المضمرات[۱]۔ جنازہ لے چلنے میں سر آگے ہوگا۔ ایسا ہی مضمرات میں ہے۔ (ت)

قبر پر اذان دینے کو جس نے حرام کہا محض غلط کہا، اگر سچا ہے تو بتائے کہ کس آیت یا حدیث میں اس کو حرام فرمایا ہے، اگر نہ بتائے اور ہرگز نہ بتا سکے گا تو خدا اور رسول پر افترا کرنے کا اقرار کرے۔ حرام وُہ ہے جسے خدا اور رسول نے حرام فرمایا اور واجب وُہ ہے جسے خدا اور رسول نے واجب کہا حکم دیا، لیکن وُہ چیزیں جن کا نہ خدا اور رسول نے حکم دیا نہ منع کیا وُہ سب جائز ہیں انھیں حرام کہنے والا خدا اور رسول پر افترا کرتا ہے، فقیر کا خاص اس باب میں رسالہ طبع ہوگیا ہے اُسے دیکھ کر اس اذان کے فوائد معلوم کریں اس میں پندرہ دلیلوں سے اس کی اصل جواز کا ثبوت دیا گیا ہے، جو مدعی حرمت کا ہے پہلے اس کے حرام ہونے کا آیت و حدیث سے ثبوت دے، جب نہ دے سکے تو اپنے کذب کا اقرار اور اذان کے جائز ہونے کا اعتراف کرے اس کے بعد جو بیان ہووے سب ہوجائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷ از ملک مالوا شہر اندور چھیپہ باکھل مرسلہ اسمٰعیل قادری احمد آباد والا

یہاں میت ہوگئی تھی، اس کے کفنانے کے بعد پھولوں کی چادر ڈالی گئی، اس کو ایک پیش امام افغانی نے اتار ڈالا اور کہا یہ بدعت ہے ہم نہ ڈالنے دیں گے، دوسرے جو غلاف کا پارچہ سیاہ کعبہ شریف سے لاتے ہیں وہ ٹکڑا ڈالا ہوا تھا اُسے ہٹادیا اور کہا کہ یہ روافض کا رواج ہے ہم نہ ڈالیں گے اُسے الگ ہٹا کے اُس نے نماز جنازہ پڑھائی۔

الجواب

پھولوں کی چادر بالائے کفن ڈالنے میں شرعاً اصلاً حرج نہیں بلکہ نیت حسن سے حسن ہے جیسے قبور پر

---

[۱] فتاوٰی ہندیہ الفصل الرابع فی حمل الجنازۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۲

پھُول ڈالا کہ وہ جب تک تر رہیں تسبیح کرتے ہیں، اس سے میت کا دل بہلتا ہے اور رحمت اُترتی ہے۔
فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

وضع الورد والریاحین علی القبور حسن[1]۔ قبروں پر گلاب اور پھُولوں کا رکھنا اچھا ہے (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان و امداد الفتاح شرح المصنف لمراقی الفلاح و رد المحتار علی الدر المختار میں ہے:

انه مادام رطبا یسبح فیؤنس المیت و تنزل بذکرہ الرحمۃ[2]۔

پھُول جب تک تر رہے تسبیح کرتا رہتا ہے جس سے میت کو اُنس حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے (ت)

یُونہی تبرک کے لئے غلافِ کعبۂ معظمہ کا قلیل ٹکڑا سینے یا چہرے پر رکھنا بلاشبہہ جائز ہے اور اسے واجِ روافض بتانا محض جُھوٹ ہے، اسد الغابہ وغیرہا میں ہے:

لما حضرہ الموت اوصی ان یکفن فی قمیص کان علیه افضل الصلٰوۃ و السلام کساہ ایاہ، وان یجعل مما یلی جسدہ وکان عندہ قلامۃ اظفارہ علیه افضل الصلٰوۃ والسلام فاوصی ان تسحق و تجعل فی عینیه وفمه، وقال افعلوا ذلك وخلوا بینی و بین ارحم الراحمین[3]۔

جب حضرت امیر معاویہ کا آخری وقت آیا یہ وصیت فرمائی کہ اُنھیں اس قمیص میں کفن دیا جائے جو نبی اکرم علیہ افضل الصلاۃ والسلام نے انھیں عطا فرمائی تھی اور یہ اُن کے جسم سے متصل رکھی جائے اُن کے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ناخنِ پاک کے کچھ تراشے بھی تھے ان کے متعلق وصیت فرمائی کہ باریک کرکے ان کی آنکھوں اور دہن پر رکھ دئے جائیں، فرمایا کہ یہ کام انجام دینا اور مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کردینا۔ (ت)

مسئلہ از سُورت اسٹیشن سائن، موضع کٹھور، مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۰۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں یہاں رواج ہے کہ شخص میت کو بعد تغسیل و تکفین کے جنازے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱
[2] رد المحتار مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی القبور ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۰۶
[3] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ باب المیم والعین مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الحاج ریاض الشیخ ۴/ ۳۸۷

میں رکھتے ہیں، اور جنازہ کی چھتری پر غلاف ڈال کے اس پر مرد کے واسطے شال اور عورت کے واسطے دامنی ڈالا کرتے ہیں اور پھر اُس شال یا دامنی پر پھولوں کی ایک چادر بنا کر ڈالتے ہیں تو آیا یہ امر واسطے مرد کے کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جنازۂ زنان پر چھتری یا گہوارہ بنا کر غلاف و پردہ ڈالنا مستحب و ماثور ہے، ایسا ہی چاہئے، اور جنازۂ مرداں میں نہ اس کی حاجت نہ سلف سے عادت۔ ہاں بارش یا دھوپ وغیرہ کی شدت سے بچانے کو بنائیں تو کچھ حرج نہیں، فی کشف الغطاء (کشف الغطاء میں ہے):

اولٰی آنست کہ پوشیدہ شود جنازۂ زنان را و مستحسن داشتہ اند گرفتن صندوق را برائے وے نہ برائے مرد۔ مگر آن کہ ضرورتے داعی باشد چون خوفِ باران و برف و شدّتِ گرما و نحوآن[1]

عورتوں کے جنازہ کو چھپا دینا بہتر ہے اور اس کے لئے صندوق بنانا علماء نے مستحسن قرار دیا ہے مرد کیلئے نہیں، مگر یہ کہ کوئی ضرورت داعی ہو بارش اور برف کا اندیشہ ہو یا سخت گرمی وغیرہ ہو۔ (ت)

اور دوشالہ وغیرہ بیش بہا کپڑے ڈالنے سے اگر ریاء و تفاخر مقصود ہو تو وُہ حرام ہے نہ کہ خاص معاملہ میت و اولین منازل آخرت میں، اور اگر زینت مراد ہو تو وُہ بھی مکروہ۔

فی الشامیۃ عن الطحاویۃ ویکرہ فیہ کل ماکان للزینۃ[2]

شامی میں طحاوی کے حوالے سے ہے، اس میں وُہ سب مکروہ ہے جو زینت کے لئے ہو۔ (ت)

ہاں تصدق منظور ہو تو وُہ بیشک محمود۔ مگر تصدق کچھ اس پر موقوف نہیں کہ جنازہ پر ڈال ہی کر دیں، یونہی پھولوں کی چادر بہ نیتِ زینت مکروہ، اور اگر اس قصد سے ہو کہ وہ بحکم احادیث تخفیف الحل وطیب الرائحہ و مسبح خدا و مونس میت ہے تو حرج نہیں۔

کما فی القبور ففی الھندیۃ وغیرھا وضع الورد والریاحین علی القبور حسن[3] الخ و اللہ تعالٰی اعلم۔

جیسے قبروں میں کہ ہندیہ وغیرہا میں ہے قبروں پر گلاب وغیرہ کے پھول رکھنا اچھا ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] کشف الغطاء فصل پنجم مطبع احمدی دہلی ص ۳۲

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۷۸

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵۱

مسئلہ ۱۹ از مانا دور ملک کاٹھیاواڑ مرسلہ ماسٹر اسمٰعیل صاحب ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

تمام لوگ بوجہ رسم کے بالوجہ اس امر کے کہ ملا صاحب فرماتے ہیں ہم نہیں آئیں گے، ریشمی کپڑا یا رنگ برنگ کی چادریں میت پر ڈالتے ہیں اور جب اُن سے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں تم لوگ ہم پر حسد کرتے ہو، مجبوراً ڈلوانا کہاں تک جائز ہے؟

الجواب

جبر حرام ہے اور بخوشی بھی نہ ہو اگر ملا فقیر نہیں یعنی چھپن روپے کے مال کا مالک ہے جو قرض وغیرہ میں مشغول نہیں، نیز ایک رسم بے ثبوت کا ایسا التزام نہ چاہئے جبر کرنے والا ملا نہیں کٹھیا ہے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰ از دستگیر گنج پرگنہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ خلیفہ الٰہی بخش ۱۸ رجب ۱۳۱۷ھ

اگر عورت مرجائے تو شوہر اس کے جنازے کو ہاتھ لگائے یا نہیں؟

الجواب

جنازے کو محض اجنبی ہاتھ لگاتے، کندھوں پر اٹھاتے، قبر تک لے جاتے ہیں، شوہر نے کیا قصور کیا ہے۔ یہ مسئلہ جاہلوں میں محض غلط مشہور ہے۔ ہاں شوہر کو اپنی زنِ مردہ کا بدن چھونا جائز نہیں، دیکھنے کی اجازت ہے کما نص علیہ فی التنویر والدر وغیرھما (جیسا کہ تنویر الابصار اور درمختار وغیرہما میں اس کی تصریح ہے۔ت) اجنبی کو دیکھنے کی بھی اجازت نہیں۔ محارم کو پیٹ، پیٹھ اور ناف سے زانو تک کے سوا چھونے کی بھی اجازت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱ زوجہ کا جنازہ شوہر کو چھونا کیسا ہے؟ چھونا چاہئے یا نہیں؟ شوہر کا اپنی زوجہ کا منہ قبر میں رکھنے کے بعد دیکھنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟

الجواب

شوہر کو بعد انتقالِ زوجہ قبر میں خواہ بیرونِ قبر اس کا منہ یا بدن دیکھنا جائز ہے، قبر میں اتارنا جائز ہے اور جنازہ تو محض اجنبی تک اٹھاتے ہیں، ہاں بغیر حائل کے اس کے بدن کو ہاتھ لگانا شوہر کو ناجائز ہوتا ہے، زوجہ کو جب تک عدت میں رہے شوہر مردہ کا بدن چھونا بلکہ اُسے غسل دینا بھی جائز رہتا ہے۔ یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲ ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

ہندوستان کے لوگوں کا دستور ہے کہ جب عورت کی حالتِ نزع ہوتی ہے تب اُس کے شوہر کو اُس کے پاس نہیں جانے دیتے اور اس کا شوہر حالتِ نزع میں اُس کے پاس نہیں جاتا اور اُس عورت کی تکفین وتدفین

میں بھی شوہر کو نہیں شریک کرتے اور کہتے ہیں اب اس کا رشتہ ٹوٹ گیا، آیا یہ فعل اُن کا جائز ہے یا ناجائز ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب تک جسمِ زن میں رُوح باقی ہے اگرچہ حالتِ نزع ہو بلاشبہہ اس کی زوجہ ہے اور اس وقت شوہر کو پاس نہ آنے دینا ظلم ہے اور اُسی وقت سے رشتہ منقطع سمجھ لینا سخت جہل ہے، اور بعد موتِ زن بھی شوہر کو دیکھنے کی اجازت ہے البتہ ہاتھ لگانا منع ہے کما نص علیہ فی التنویر والدر وغیرھما (جیسا کہ تنویر الابصار اور درمختار وغیرہما میں اس کی تصریح ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳: از پنجاب ضلع جہلم ڈاک خانہ و ریلوے اسٹیشن ترقی موضع غازی ناڑہ مرسلہ سید محمد مجید الحسن صاحب ۵ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

مشہور خدمت جناب صاحب حجتِ قاہرہ مجددِ مائۃ حاضرہ مولنا مولوی احمد رضا خاں صاحب دام ظلکم علٰی راس المسترشدین بعد سلام سنۃ الاسلام عرض ہے کہ اس ملک میں جنازہ کے آگے مولود خوانی میں اختلاف اور جھگڑا ہے ایک طائفہ بحرالرائق و مراقی الفلاح و قاضی خاں و عالمگیری وغیرہا کی عبارات سے مکروہ تحریمی کہتے ہیں، اور دوسری جماعت جائز و مستحب کہتی ہے، آپ کی تحریر پر جملہ مسلمانوں کا فیصلہ ہے کئی ماہ کے تنازع کا فیصلہ ہوگا۔ عبارات فریق قائل کراہت۔ ردالمحتار:

قیل تحریما وقیل تنزیہا کما فی البحر عن الغایۃ وفیہ عنہا وینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت وفیہ عن الظھیریۃ فان اراد ان یذکر اللہ تعالٰی یذکر فی نفسہ لقولہ تعالٰی انہ لا یحب المعتدین ای الجاھرین بالدعاء قلت اذا کان ھذا فی الدعاء والذکر فما ظنک بالغناء الحادث فی ھذا الزمان[1]

کہا گیا کہ مکروہ تحریمی ہے اور کہا گیا کہ تنزیہی جیسا کہ بحر میں غایہ سے منقول ہے، اور اُس میں اسی سے یہ بھی ہے: جنازہ کے پیچھے چلنے والے کو دیر تک سکوت رکھنا چاہیے، اور اسی میں ظہیریہ سے ہے: اگر اللہ تعالٰی کا ذکر کرنا چاہے تو دل میں کرے اس لئے کہ باری تعالٰی کا ارشاد ہے: وُہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ۔۔ یعنی دُعا میں جہر کرنے والوں کو ۔۔ میں کہتا ہوں یہ جب دعا و ذکر کا حکم ہے تو اُس نغمہ اور گانے کا کیا حال ہوگا جو اس زمانے

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۹۸

بحرالرائق ینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت ویکرہ رفع الصوات بالذکر وقراءۃ القراٰن[1] الخ

کی پیداوار ہے ---- البحرالرائق میں ہے جنازہ کے پیچھے چلنے والے کو طول سکوت اختیار کرنا چاہئے اور بلند آواز سے ذکر وتلاوت قرآن مکروہ ہے الخ (ت)

عبارت فریق قائل بجلت

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما لم یکن یسمع من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو یمشی خلف الجنازۃ الا قول لا الٰہ الا اللہ اخرجہ ابن عدی فی ترجمۃ ابراھیم[ف] بن ابی حمید وضعفہ تخریج احادیث الھدایۃ لابن حجر[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جنازہ کے پیچھے چلتے تو حضور سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے سوا کچھ نہ سنا جاتا ---- ابن عدی نے ابراہیم بن ابی حمید کے حالات میں اس کی تخریج کی ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔ تخریج احادیث ہدایہ از علامہ ابن حجر۔(ت)

یعنی اس سے ادنٰی جہر ثابت ہوتا ہے وغیرہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ہاں کتبِ حنفیہ میں جنازے کے ساتھ ذکرِ جہر کو مکروہ لکھا ہے جس طرح خود نفسِ ذکرِ جہر کو بکثرت کتبِ حنفیہ میں مکروہ بتایا حالانکہ وہ اطلاقاتِ قرآن عظیم واحادیثِ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے اور بعد التحقیق کراہت کا عروض نظر بعوارض خارجہ غیر لازمہ ہے جیسا کہ علامہ خیرالدین رملی استاذ صاحبِ درمختار وغیرہ محققین نے تحقیق فرمایا اور ہم نے اپنے فتوٰی میں اُسے منقح کیا، یہاں بھی اُس کا منشاء عوارض ہی ہیں قلب ہمراہیاں کا مشوش ہونا یا موت سے دوسری طرف توجہ کرنا انصاف کیجئے تو یہ حکم اس زمانِ خیر کے لئے تھا جبکہ ہمراہیانِ جنازہ تصورِ موت میں ایسے غرق ہوتے تھے کہ گویا میت اُن میں ہر ایک کا خاص اپنا کوئی جگر پارہ ہے بلکہ گویا خود ہی میت ہیں، ہمیں کو جنازہ پر لئے جاتے ہیں اور اب

---

[1] بحرالرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوٰتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۹۲

[2] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ ابراہیم بن احمد کے تحت " دارالفکر بیروت ۱/۲۶۹

صحیح بخاری کتاب الحیض " قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴

ف ھو ابراھیم بن احمد الحرانی الضریر، انظر حاشیۃ نصب الرایۃ ۲/۲۹۲ ابراھیم الحرانی ھو ابن ابی حمید متھم بوضع الحدیث، انظر اللسان ۱/۲۸ نذیر احمد سعیدی

قبر میں رکھیں گے، ولہذا علماء نے سکوتِ محض کو پسند کیا تھا کہ کلام اگرچہ ذکر ہی ہو اگرچہ آہستہ ہو، اس تصور سے کہ (بغایت نافع اور مفید اور برسوں کے زنگ دل سے دھو دینے والا ہے) روکے گا یا کم از کم دل بٹ تو جائیگا تو اس وقت محض خاموشی ہی مناسب تر ہے، ورنہ حاش للہ ذکرِ خدا و رسول نہ کسی وقت منع ہے۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللّٰہ تعالٰی علٰی کل احیانہ[1] رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ و علقہ البخاری۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر ایک وقت خدا کا ذکر کیا کرتے۔ اسے مسلم، احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے روایت کیا اور بخاری نے تعلیقاً روایت کیا۔ (ت)

نہ کوئی چیز اس سے بہتر، قال اللہ عزوجل ولذکر اللہ اکبر[2] (اللہ عزوجل نے فرمایا: اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا۔ ت) اب کہ زمانہ منقلب ہُوا، لوگ جنازہ کے ساتھ اور دفن کے وقت اور قبروں پر بیٹھ کر لغویات فضولیات اور دنیوی تذکروں بلکہ خندہ و لہو میں مشغول ہوتے ہیں تو انھیں ذکرِ خدا و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف مشغول کرنا عین صواب و کارِ ثواب ہے، معہذا جنازہ کے ساتھ ذکرِ جہر کی کراہت میں اختلاف ہے کہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے، اور ترجیح بھی مختلف آئی۔ قنیہ میں کراہت تنزیہہ کو ترجیح دی اور اسی پر فتاوٰی تتمہ میں جزم فرمایا اور یہی تجرید و مجتبٰی و حاوی و بحرالرائق وغیرہا کے لفظ ینبغی کا مفاد ہے اور ترکِ اولٰی اصلاً گناہ نہیں کما نصوا علیہ وحققناہ فی جمل مجلیۃ (جیسا کہ علماء نے اس کی صراحت فرمائی ہے اور ہم نے اپنے رسالے جُمَلٌ مُّجلیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ[۱۲] میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) اور عوام کو اللہ عزوجل کے ایسے ذکر سے منع کرنا جو شرعاً گناہ نہ ہو محض بد خواہی عام مسلمین ہے اور اس کا مرتکب نہ ہوگا مگر متقشف کہ مقاصدِ شرع سے جاہل و ناواقف ہو یا متصلف کہ مسلمانوں میں اختلاف ڈال کر اپنی رفعت و شہرت چاہتا ہو، بلکہ ائمہ ناصحین تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ منع کرنا اُس منکر سے ضرور ہے جو بالاجماع حرام ہو، بلکہ تصریحیں فرمائیں کہ عوام اگر کسی طرح یادِ خدا میں مشغول ہوں ہرگز منع نہ کئے جائیں اگرچہ وہ طریقہ اپنے مذہب میں حرام ہو، مثلاً سُورج نکلتے وقت نماز حرام ہے اور عوام پڑھتے ہوں تو نہ روکے جائیں کہ کسی طرح وہ خدا کا نام تو لیں اُسے سجدہ تو کریں اگرچہ کسی دوسرے مذہب پر اس کی صحت ہو سکے، امام علامہ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحیض مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۲

[2] القرآن ۲۹/۴۵

عارف باللہ ناصح الامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی کتاب مستطاب الحدیقۃ الندیۃ فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ میں فرماتے ہیں :

قال فی شرح الطحاوی علی مشیع الجنازۃ الصمت وعبر فی المجتبی والتجرید و الحاوی ینبغی ان یطیل الصمت و سنن المرسلین الصمت معہا کذا فی منیۃ المفتی ویکرہ لہم رفع الصوت کراھۃ تحریم و قیل تنزیہ ، مبتغی ،کراھۃ تنزیہ و قیل تحریم ، قنیۃ ، وھو یکرہ علی معنی انہ تارك الاولی کما عزاہ فی التتمۃ الی والدہ وفی شرح شرعۃ الاسلام المسمی بجامع الشروح یستکثر من التسبیح والتھلیل علی سبیل الاخفاء خلف الجنازۃ ولایتکلم بشیئ من امر الدنیا لکن بعض المشائخ جوزوا الذکر الجھری ورفع الصوت بالتعظیم بغیر التغییر بادخال حرف فی خلالہ قدام الجنازۃ وخلفہا لتلقین المیت والاموات والاحیاء وتنبیہ الغفلۃ و الظلمۃ وازالۃ صدأ القلوب قساوتہا بحب الدنیا وریاستہا وفی کتاب العہود المحمدیۃ للشیخ الشعرانی قدس اللہ تعالٰی سرہ ینبغی لعالم الحارۃ ان یعلم من یرید المشی مع الجنازۃ عدم اللغو فیہا وذکر من تولی وعزل من

شرح طحاوی میں ہے : جنازہ کے ساتھ چلنے والے پر خاموشی لازم ہے — مجتبی ، تجرید اور حاوی کے الفاظ یہ ہیں کہ : اسے طول سکوت اختیار کرنا چاہئے حضرات رُسل علیہم السلام کی سنت یہی ہے کہ جنازہ کے ساتھ خاموش رہیں ۔ اسی طرح منیۃ المفتی میں ہے — لوگوں کا آواز بلند کرنا مکروہِ تحریمی ہے اور کہا گیا کہ تنزیہی ہے ، مبتغی — کراہت تنزیہ ہے اور کہا گیا کہ کراہتِ تحریم ہے ، قنیہ — آواز بلند کرنا مکروہ ہے یعنی ترک اولٰی ہے ، جیسا کہ تتمہ میں اسے اپنے والد کے حوالے سے ذکر کیا ۔ اور شرعۃ الاسلام کی جامع الشروح نامی شرح میں یہ ہے کہ : جنازہ کے پیچھے سِرّی طور پر زیادہ سے زیادہ تسبیح وتہلیل کرے ، کوئی دنیاوی بات نہ بولے ، لیکن بعض مشائخ نے جہری ذکر کو بھی جائز کہا ہے اس طرح کہ درمیان میں کوئی بات ڈالے بغیر جنازہ کے آگے اور پیچھے تعظیم کے ساتھ بآوازِ بلند ذکر کریں تاکہ میت اور دوسرے زندوں مردوں کو تلقین ہو ، غافلوں ظالموں کو تنبیہ ہو ، دنیا کی محبت وریاست سے دلوں میں جو زنگ اور درشتی ہے وہ دور ہو — علامہ شعرانی قدس سرہ کی کتاب العہود المحمدیہ میں ہے کہ عالمِ محلہ کو چاہئے کہ جو لوگ جنازہ کے ساتھ چلنا چاہتے ہیں انھیں تعلیم دے کہ لغو سے پرہیز کریں اس طرح کی باتوں میں نہ پڑیں کہ فلاں حکمران بنا ، فلاں والی

الولاة او سافر ورجع من التجار ونحو
ذلك وكان السلف الصالح لا يتكلمون
فى الجنازة الا بما ورد وكان الغريب لا يعرف
من هو القريب من الميت حتى يعرف
لغلبة الحزن على الحاضرين كلهم وكان
سيدى على الخواص رضى الله تعالىٰ عنه
يقول اذا علم من الماشين مع الجنازة
انهم لا يتركون اللغو فى الجنازة ويشتغلون
باحوال الدنيا فينبغى ان يامرهم
بقول لا اله الا الله محمد رسول الله صلى الله
تعالىٰ عليه وسلم فان ذلك
افضل من تركه ولا ينبغى لفقيه ان
ينكر ذلك الا بنص او اجماع فان
مع المسلمين الاذن العام من
الشارع بقول لا اله الا الله محمد
رسول الله فى كل وقت شاؤا ويا لله العجب
من عمى قلب من ينكر مثل هذا وربما عزم
عند الحكام الفلوس حتى يبطل قول
المؤمنين لا اله الا الله محمد رسول الله صلى
الله تعالىٰ عليه وسلم فى طريق الجنازة و
هو يرى الحشيش يباع فلا يكلف خاطره
ان يقول للحشاش حرم عليك بل رأيت
فقيها منهم ياخذ معلوم امامة
من فلوس بائع الحشيش
فنسأل الله العافية

معزول ہوا ، فلاں تاجر سفر میں گیا ، فلاں واپس آیا۔
سلف صالحین کی روش یہ تھی کہ جنازہ میں کچھ نہ بولتے
مگر وُہ جو حدیث میں وارد ہے۔ سارے حاضرین
پر حزن وغم کا ایک ایسا غلبہ رہتا کہ اجنبی اور پردیسی
شخص کو جب تک بتایا نہ جائے یہ معلوم ہی نہ ہوتا
کہ میّت کا قریبی کون ہے ــــ سیدی علی خواص
رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنازہ کے ساتھ
چلنے والوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وُہ لغو سے
باز نہ آئیں گے اور دنیا کی باتوں میں مشغول رہیں گے
تو انھیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم پڑھنے کا حکم دینا چاہیے کیونکہ ایسی حالت
میں اسے پڑھنا نہ پڑھنے سے افضل ہے۔ اور
کسی فقیہ کو بغیر نص یا اجماع کے اس سے انکار
مناسب نہیں ــــ اس لئے کہ مسلمانوں کے لئے
شارع کی جانب سے وُہ جب بھی چاہیں لا الٰہ الا اللہ
محمد رسول اللہ پڑھنے کی عام اجازت ہے۔ الٰہی
عجب ہے اس شخص کی قلبی نابینائی سے جو ایسے
امر پر تو نکیر کرتا ہو اور جنازہ کے راستے میں لا الٰہ الا
اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پڑھنے کو
باطل کہہ کے حکام کے یہاں مال حاصل کرنا چاہتا ہو
دُوسری طرف یہ حال ہو کہ بھنگ بکتی دیکھے تو بھنگ
فروش سے یہ کہنے کی زحمت گوارا نہ ہو کہ یہ تجھ پر حرام
ہے ــــ بلکہ اس طبقے کے ایک فقیہ کو میں نے
دیکھا کہ وُہ بھنگ فروش کے مال سے اپنی امامت
کی تنخواہ وصول کرتا ــــ تو خدا ہی سے عافیت کا

و ذکر الشعرانی ایضا رحمہ اللہ تعالٰی
فی کتابہ عہود المشائخ قال لا نمکن
احدا من اخواننا ینکر شیئا ابتدعہ المسلمون
علی جہۃ القربۃ الی اللہ تعالٰی
ورأوہ حسنا لاسیما ما کان متعلقا
باللہ تعالٰی و رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم کقول الناس امام الجنازۃ
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم وقراءۃ القرآن امامہا
و نحو ذٰلک فمن حرم ذٰلک فہو
قاصر عن فہم الشریعۃ لانہ ما کل ما لم
یکن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم یکون مذموما ولو
فتح ہذا الباب لردت اقوال المجتہدین
فی جمیع ما استحبوا من المحاسن
ولا قائل بہ وقد فتح رسول اللہ صلی
اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعلماء امتہ ہذا
الباب و اباح لہم ان یسنوا کل شئ
استحسنوہ ویلحقوہ بشریعۃ رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقولہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم من سن سنۃ حسنۃ فلہ
اجرہ من یعمل بہا وکلمۃ لا الٰہ الا اللہ محمد
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکبر
الحسنات فکیف یمنع منہا و
تأمل احوال غالب الخلق

سوال ہے ـــــ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے
اپنی کتاب عہود المشائخ میں فرمایا ہے کہ: ہم اپنے
دوستوں میں سے کسی کو ایسے امر پر نکیر کی اجازت
نہ دیں گے جسے مسلمانوں نے اللہ عزوجل کی بارگاہ
میں تقرب کے طور پر ایجاد کیا ہو اور اسے اچھا جانتے
ہوں۔ خصوصاً ایسا کام جس کا تعلق خدائے تعالےٰ
اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہو جیسے
جنازہ کے آگے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم پڑھنا اور اس کے سامنے قرآن کی
تلاوت کرنا، یا ایسے دوسرے کام ـــ جو اسے حرام
کہے وہ فہم شریعت سے قاصر ہے، اس لئے کہ ہر
وہ کام جو عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں
نہ رہا ہو بُرا نہیں۔ اگر یہ دروازہ کھولا جائے تو مجتہدین
کرام کے وہ سارے اقوال مردود ٹھہریں جو انھوں
نے اپنی پسند کردہ اچھی چیزوں کے بارے میں فرمائے
ہیں ـــ اور اس کا کوئی قائل نہیں ـــ خود رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کے علماء کیلئے
یہ دروازہ کھول رکھا ہے اور انھیں اجازت دی
ہے کہ جو طریقہ بھی اچھا سمجھیں اسے جاری کریں
اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت میں
شامل کریں یہ اجازت حضور صلی اللہ تعالیٰ
تعالےٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے
ثابت ہے: جو شخص کوئی اچھا کام ایجاد کرے اسے
اس ایجاد کا ثواب ملے گا اور اس طریقے پر آئندہ
سارے عمل کرنے والوں کا بھی ثواب ملے گا ـــ

الاٰن فی الجنازۃ تجدھم مشغولین بحکایت الدنیا لم یعتبروا بالمیت وقلبھم غافل عن جمیع ماوقع لہ بل رأیت منھم من یضحک واذا تعارض عندنا مثل ذٰلک وکون ذٰلک لم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدمنا ذکر اللہ عزوجل فلو صاح کل من فی الجنازۃ لا الٰہ الا اللہ فلا اعتراض ولم یاتنا فی ذٰلک شیئ من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلو کان ذکر اللہ تعالٰی فی الجنازۃ منھیا عنہ لبلغنا ولو فی حدیث کما بلغنا فی قراءۃ القراٰن فی الرکوع وشیئ سکت عنہ الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوائل الاسلام لایمتنع منہ اواخر الزمان[1] اھ باختصار قلیل۔

10

کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توسب سے بڑی نیکی ہے پھر اس سے کیوں کر روکا جائے گا! —— اس زمانے میں جنازے کے اندر اکثر لوگوں کے احوال پر نظر کرو دنیا کی باتوں میں مشغول ملیں گے جنھیں میت کے حال سے کوئی عبرت نہیں، ان کا دل اس سارے واقعے سے غافل ہے، بلکہ ان میں ہنسنے والے بھی نظر آئیں گے —— ذکر نہ کریں تو یہ حالت ہے اور ذکر میں مشغول ہوں تو یہ اعتراض ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھا۔ ہمارے نزدیک جب ایسا تعارض درپیش ہے تو ہم اللہ کے ذکر کو مقدم رکھیں گے —— اب اگر سارے شرکاءِ جنازہ پکار کر لا الٰہ الا اللہ کہیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس سے ممانعت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی ارشاد وارد نہیں۔ اگر جنازے میں ذکرِ الٰہی ممنوع ہوتا تو کسی نہ کسی حدیث میں تو یہ حکم وارد ہوتا، جیسے رکوع میں قرآن شریف پڑھنا ممنوع ہے تو اس بارے میں حدیث آئی ہے۔ تو جس چیز سے ابتدائے اسلام میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سکوت فرمایا وہ ہمارے آخر زمانے میں ممنوع نہیں ہوسکتی اھ باختصار قلیل (ت)

اس کلامِ جمیل امامِ جلیل رحمہ اللہ تعالٰی کا خلاصہ ارشادات چند افادات:

(۱) سلفِ صالح کی حالت جنازہ میں یہ ہوتی کہ ناواقف کو نہ معلوم ہوتا کہ ان میں اہلِ میت کون ہے اور باقی ہمراہ کون، سب ایک سے مغموم و محزون نظر آتے، اور اب حال یہ ہے کہ جنازے میں دنیاوی باتـ

---

[1] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ الصنف الثالث کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ ۲/ ۹-۸

میں مشغول ہوتے ہیں، موت سے اُنھیں کوئی عبرت نہیں ہوتی، ان کے دل اس سے غافل ہیں کہ میت پر کیا گزری، فرماتے ہیں، بلکہ میں نے لوگوں کو ہنستے دیکھا، تو ایسی حالت میں ذکر جہر کرنا اور تعظیم خدا و رسول جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلند آواز سے پڑھنا عین نصیحت ہے کہ ان کے دلوں کے زنگ چھوٹیں اور غفلت سے بیدار ہوں۔

(۲) نیز اُس میں میت کو تلقینِ ذکر کا فائدہ ہے کہ وہ سُن سُن کر سوالاتِ نکیرین کے جواب کے لئے تیار ہو۔

(۳) سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے مسلمانوں کو ذکرِ خدا و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اذنِ عام ہے تو جب تک کسی خاص صورت کی ممانعت میں کوئی نص یا اجماع نہ ہو انکار کیا مناسب ہے؟

(۴) نیز انھی امام عارف نے فرمایا، الٰہی جو اس سے منع کرے اس کا دل کس قدر سخت اندھا ہے، جنازے کے ساتھ ذکرِ خدا و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بند کرنے کی تو یہ کوشش اور بھنگ بکتی دیکھیں تو اُس سے اتنا نہ کہیں کہ یہ تجھ پر حرام ہے۔ فرماتے ہیں بلکہ میں نے اُنھی میں ایک کو دیکھا کہ اس سے تو منع کیا اور خود اپنی پیش نمازی کی تنخواہ بھنگ فروش کے حرام مال سے لیتا۔

(۵) امام عارف باللہ سیدی شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں: اکابر کرام کے یہاں عہد ہے جو اچھی بات مسلمانوں نے نئی نکالی ہو اُس سے منع نہ کریں گے خصوصاً جب وہ اللہ ورسول عز جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق رکھتی ہو، جیسے جنازے کے ساتھ قرآن مجید یا کلمہ شریف یا اور ذکرِ خدا و رسول کرنا جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۶) نیز امام ممدوح فرماتے ہیں: جو اُسے ناجائز کہے اُسے شریعت کی سمجھ نہیں۔

(۷) نیز فرماتے ہیں، ہر وہ بات کہ زمانِ برکت توأمانِ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نہ تھی مذموم نہیں ہوتی، ورنہ اس کا دروازہ کھلے تو ائمہ مجتہدین نے جتنی نیک باتیں نکالیں اُن کے وہ سب اقوال مردود ہو جائیں۔

(۸) فرماتے ہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے کہ (جو شخص دینِ اسلام میں نیک بات نکالے اُسے اس کا اجر ملے اور قیامت تک جتنے لوگ اس نیک بات کو بجا لائیں سب کا ثواب اُس ایجاد کنندہ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے) علمائے امت کے لئے اس کا دروازہ کھول دیا ہے کہ نیک طریقے ایجاد کر کے جاری کریں اور انھیں شریعتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملحق کریں، یعنی جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ عام اجازت فرمائی ہے تو جو نیک نئی بات نئی پیدا ہو گی وہ نئی

نئی نہیں بلکہ حضور کے اس اذنِ عام سے حضور ہی کی شریعت ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۹) فرماتے ہیں کہ شرع مطہر میں اُس سے ممانعت نہ آنا ہی اس کے جواز کی دلیل ہے۔ اگر جنازے کے ساتھ ذکرِ الٰہی منع ہوتا تو کم از کم ایک حدیث تو اس کی ممانعت میں آتی، جیسے رکوع میں قرآن مجید پڑھنا منع ہے، تو اس کی ممانعت کی حدیث موجود ہے، تو جس چیز سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سکوت فرمایا وہ کبھی ہمارے زمانے میں منع نہیں ہو سکتی۔

(۱۰) نتیجہ یہ نکلا کہ اگر جنازے کے تمام ہمراہی بلند آواز سے کلمہ طیبہ وغیرہا ذکرِ خدا و رسول عزوعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرتے چلیں تو کچھ اعتراض نہیں بلکہ اُس کا کرنا نہ کرنے سے افضل ہے۔

نیز امام نابلسی ممدوح کتاب مذکور میں فرماتے ہیں:

لا ینبغی ان ینھی الواعظ عما قال بہ امام من ائمۃ المسلمین بل ینبغی ان یقع النھی عما اجمع الائمۃ کلھم علی تحریمہ[1]

یہ نہ چاہئے کہ واعظ ایسی چیز سے روکے جسے ائمہ مسلمین میں سے کسی امام نے جائز کہا ہو بلکہ ممانعت ایسے کام سے ہونا چاہئے جس کی حرمت پر سب ائمہ کا اجماع ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تحریما صلوۃ مع شروق الا العوام فلا یمنعون من فعلھا لانھم یترکونھا والاداء الجائز عند البعض اولی من الترک کما فی القنیۃ وغیرھا[2] اھ قلت ونقلہ سیدی عبد الغنی فی الحدیقۃ عن شرح الدرر لابیہ عن المصفی شرح النسفیۃ عن الشیخ الامام الاستاذ حمید الدین عن شیخہ الامام الاجل جمال الدین

سورج نکلتے وقت نماز مکروہ تحریمی ہے مگر عوام کو اس سے منع نہ کیا جائے گا اس لئے کہ وہ نماز ہی ترک کر دیں گے ـــ جبکہ ترک سے وہ ادائیگی بہتر ہے جو بعض کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہا میں ہے اھ ـ میں کہتا ہوں اسے سیدی عبد الغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں اپنے والد کی شرح درر سے نقل کیا ہے اُس میں نسفیہ کی شرح مصفی سے۔ اس میں شیخ امام استاذ حمید الدین سے نقل ہے۔ انھوں نے اپنے شیخ امام اجل جمال الدین محبوبی سے

---

[1] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ الخلق الثامن والاربعون من الاخلاق الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۱۵۱

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۱

المحبوبی وایضا عن شمس الائمة الحلوانی وعن القنیة عن النسفی والحلوانی وایضا فی ردالمحتار عن البحر عن المجتبی عن الامام الفقیه ابی جعفر فی مسئلة التکبیر فی الاسواق فی الایام العشر الذی عندی انه لاینبغی ان تمنع العامة عنه لقلة رغبتهم فی الخیر وبه ناخذ اھ[1] وفی الحدیقة الندیة، ومن هذا القبیل نهی الناس عن صلٰوة الرغائب بالجماعة وصلٰوة لیلة القدر ونحو ذلك وان صرح العلماء بالکراهة بالجماعة فیها فلا یفتی بذلك العوام لئلا تقل رغبتهم فی الخیرات[2] واللّٰه تعالٰی اعلم۔

نقل کیا ہے۔ اور شمس الائمہ حلوانی سے اور قنیہ سے اُس میں نسفی وحلوانی سے بھی نقل کیا ہے ___ اور ردالمحتار میں بحر سے، اس میں مجتبٰی سے، اس میں امام فقیہ ابوجعفر سے عشرۂ ذی الحجہ میں بازاروں کے اندر تکبیر کہنے کے مسئلہ میں نقل ہے کہ میرے نزدیک یہ ہے کہ عوام کو اس سے نہ روکا جائے کہ اس کی وجہ سے نیکیوں میں ان کی رغبت کم ہوجائے گی۔ اور ہم اسی کو لیتے ہیں اھ ___ حدیقہ میں ہے: اسی قبیل سے جماعت کے ساتھ صلٰوۃ الرغائب اور نماز شب قدر اور اس جیسے افعال سے نہی کا معاملہ ہے کہ اگرچہ علمائے جماعت کے ساتھ یہ نماز مکروہ ہونے کی صراحت فرمائی ہے مگر عوام کو اس کا فتوٰی نہ دیا جائے گا کہ نیکیوں میں ان کی رغبت کم نہ ہوجائے ___ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۴: از احمد آباد گجرات محلہ جمال پور مرسلہ مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

ہمارے یہاں شہر احمد آباد میں جنازہ کے ہمراہ کلمہ طیب کا ذکر احباب اہلسنت درمیانی آواز سے کرتے ہیں، اسے بعض مکروہ تحریمی وتنزیہی کہتے ہیں ان کی تردید میں علمائے اہلسنت نے چار رسالے تصنیف کرکے شائع کئے ہیں اور وہ اہل حق کے پاس موجود ہیں، الحمدللہ علٰی ذٰلک، اب ضرورت اس مسئلہ کی اہلسنت کو ہے، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ العزیز نے اپنے جنازہ میں فارسی کے اشعار اور حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جنازہ میں عربی کے اشعار پڑھنے کی اپنے مریدوں کو وصیت کی ___ مقاماتِ مظہریہ ص ۱۵۷ میں ہے:

می فرمودند کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۵۶۴

[2] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ الخلق الثامن والاربعون مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۵۰

فرمودند کہ فاتحہ خواندن پیشِ جنازہ ما و کلمہ طیب و آیت شریفہ بے ادبی ست ایں دو بیت بخوانید: ؎

نے فرمایا: ہمارے جنازہ کے سامنے فاتحہ، کلمہ طیب اور آیت شریف پڑھنا بے ادبی ہے یہ دو شعر پڑھنا:

(۱) مفلسانیم آمدہ در کوئے تو
شیئاً للہ از جمال روئے تو

(۱) ہم مفلس آپ کی گلی میں آئے ہیں، خدا کے لئے اپنے جمالِ رُخ کا کچھ صدقہ عطا ہو۔

(۲) دست بکشا جانب زنبیل ما
آفریں بر دست و بر پہلوئے تو

(۲) ہماری جھولی کی طرف ہاتھ بڑھائیں، آپ کے ہاتھ اور آپ کے پہلو پر آفریں ہو۔

من ہم میگویم پیش جنازہ من ہمیں اشعار بخوانند: ؎

میں بھی کہتا ہوں کہ میرے جنازہ کے سامنے یہی اشعار پڑھنا:

(۱) وفدت علی الکریم بغیر زاد
من الحسنات والقلب السلیم

(۱) کریم کے دربار میں قلب سلیم اور نیکیوں کا کوئی توشہ لئے بغیر حاضر ہو رہا ہوں۔

(۲) فحمل الزاد اقبح کل شیٔ
اذا کان الوفود علی الکریم[1]

(۲) کہ جب کسی کریم کے دربار میں حاضری ہو تو توشہ لے کر جانا بہت بُری بات ہے۔ (ت)

حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ العزیز مولانا خالد کردی کے مرشد برحق ہیں، ضمیمہ مقاماتِ مظہریہ کے ص ۲۹ میں مولانا خالد کردی اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں: ؎

(۱) وانالنی اعلی المآرب والمنی
اعنی لقاء المرشد المفضال

(۱) مجھے سب سے بلند مقصد و آرزو عطا فرمائی یعنی بڑے فضل و کرم والے مرشد کی صحبت نصیب کی۔

(۲) من نور الآفاق بعد ظلامہا
وھدی جمیع الخلق بعد ضلال

(۲) وہ جس نے تاریک آفاق روشن کردئے اور ساری گمراہ مخلوق کو ہدایت فرمائی۔

(۳) اعنی غلام علی القرم الذی
من لحظہ یحیی الرمیم البالی[2]

(۳) یعنی وہ سردار عظیم غلام علی جس کی نظر سے بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑجاتی ہے۔

اور یہ مولانا خالد کردی علامہ شامی کے مرشد ہیں، اس کا ثبوت ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۵۲ ۳ کی اس عبارت سے ہے:

---

[1] مقاماتِ مظہریہ
[2] ضمیمہ 〃

وقد بسطنا الکلام فی رسالتنا سل الحسام الھندی لنصرۃ سیدنا خالد النقشبندی[1]۔

اور ہم نے اپنے رسالہ "سل الحسام الھندی لنصرۃ سیدنا خالد النقشبندی" میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔ (ت)

علامہ شامی کے دادا مرشد کے جنازہ میں عربی اشعار اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمہ اللہ تعالٰی کے جنازہ میں فارسی اشعار پڑھے گئے، ان اشعار کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جائز ہے تو دلائل کیا ہیں؟ جو مکروہ تحریمی کہتے ہیں وہ علامہ شامی کی ردالمحتار ج ۱ ص ۹۳۲ کے اس قول کو پیش کرتے ہیں:

(قولہ کما کرہ الخ) قیل تحریما وقیل تنزیھا کما فی البحر عن الغایۃ وفیہ عنھا وینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت وفیہ عن الظھیریۃ فان اراد ان یذکر اللہ تعالٰی یذکرہ فی نفسہ لقولہ تعالٰی انہ لا یحب المعتدین ای الجاھرین بالدعاء وعن ابراھیم انہ کان یکرہ اذ یقول الرجل وھو یمشی معھا استغفروا لہ غفر اللہ لکم اھ قلت واذا کان ھذا فی الدعاء والذکر فما ظنك بالغناء الحادث فی ھذا الزمان[2]۔

(جیسا کہ مکروہ ہے) کہا گیا تحریمی، اور کہا گیا تنزیہی، جیسا کہ بحر میں غایہ کے حوالے سے ہے اور اسی میں اس کے حوالے سے یہ بھی ہے: جنازہ کے ساتھ چلنے والے کو طول سکوت اختیار کرنا چاہئے، اور اسی میں ظہیریہ کے حوالے سے ہے۔ اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہے تو آہستہ کرے اس لئے کہ ارشاد باری ہے: بیشک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ یعنی وہ جو بلند آواز سے دعا کرتے ہیں ____ حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ جب وہ جنازے کے ساتھ چلتے اور کوئی بولتا "اس کے لئے استغفار کرو خدا تمھاری مغفرت فرمائے" تو انھیں ناگوار ہوتا اھ میں کہتا ہوں جب دعا و ذکر کا یہ حکم ہے تو اس نغمہ زنی کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جو اس زمانے میں پیدا ہوگئی ہے۔ (ت)

اس عبارت سے حضرت شاہ غلام علی و حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہما نے جو فارسی عربی کے اشعار اپنے جنازوں میں پڑھوائے اُن کی کراہت ثابت ہوتی ہے یا نہیں اور عدمِ کراہت و جواز اُن اشعار کی کیا وجہ ہے اور غناء حادثات کی کراہت کی کیا وجہ ہے، دونوں کا حکم بیان فرمائیں، اور یہاں جنازہ کے ہمراہ یہ اشعار اردو کے بھی ایک حضرت خوش الحانی سے پڑھتے ہیں ان اشعار کو

[1] ردالمحتار کتاب النکاح قبیل فصل فی المحرمات ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/۲۷۹

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۹۸

پڑھیں یا نہیں ؎

یا پنجتن بچانا جب جان تن سے نکلے ۔ نکلے تو یا محمد کہہ کر بدن سے نکلے
آئے گا میرا پیارا باجے گی دھن کی مُرلی ۔ جب وُہ مرا سنوریا جوبن کے بن سے نکلے
میرے مریضِ دل کی امید ہے تو یہ ہے ۔ زانو پہ اُس کے سر ہو اور جان تن سے نکلے
نکلے جنازہ میرا اُس یار کی گلی سے ۔ تو کلمۂ شہادت سب کے دہن سے نکلے
کیا لایا تھا سکندر دنیا سے لے گیا کیا ۔ تھے دونوں ہاتھ خالی باہر کفن سے نکلے

الجواب

اللہ عزوجل کا ذکر اصل مقصود و اجل مقاصد و مغز جملہ عبادات ہے اقم الصلوٰۃ لذکری[1] (میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔ ت) وُہ ہر حال میں مطلوب،

یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلٰی جنوبھم[2] وہ کھڑے بیٹھے، کروٹوں پر لیٹے اللہ تعالٰی کا ذکر کرتے ہیں۔

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللہ فی کل احیانہ[3] رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سبھی اوقات میں خدا کا ذکر کیا کرتے۔ (ت)

بلا تقیید اُس کی تکثیر کا حکم:

واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون[4]۔ اللہ کا ذکر زیادہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ (ت)

اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا انہ مجنون[5] (الحدیث) خدا کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ کہیں کہ یہ مجنون ہے۔ (ت)

ذکر کے لئے انحاء کثیرہ ہیں، قلبی و لسانی و خفی و جلی و تلاوت و ثناء و درود و دعا و عبادات و طاعات۔ باوصف اطلاق بعض مقامات کو بعض انحاء سے خصوصیت ہوتی ہے۔ محلِ جنازہ مقامِ تفکر ہے کہ ذکرِ قلبی ہے۔ تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ الثقلین (گھڑی بھر کا تفکر انسانوں اور

---

[1] القرآن ۲۰/۱۴

[2] القرآن ۳/۱۹۱

[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۴۹۹

[4] القرآن ۶۲/۱۰

[5] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوسعید دار الفکر بیروت ۳/۶۸ و ۷۱
تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ دراج بن سمعان المصری دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۲۴

جنوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ ت) ولہذا فقہائے ذکر لسانی پر ترجیح دی گئی ورنہ ذکر پر تفصیل محال ہوتی و ذکر اللہ اکبر (اور اللہ تعالٰی کا ذکر سب سے بڑھا ہوا ہے۔ ت) اس نحو ذکر کے لئے صمت یعنی خاموشی بہتر ہوتی ہے، ولہذا فقہاء نے ینبغی ان یطیل الصمت (طویل سکوت اختیار کرنا چاہئے۔ ت) فرمایا، صدرِ اول میں غالباً یہی معمول تھا یہاں تک کہ جنازہ کے ساتھ چلنے میں یہ نہ معلوم ہوتا کہ ہمارے دہنے ہاتھ پر کون اور بائیں ہاتھ پر کون، ہر شخص اپنی فکر میں مشغول ہوتا اور اپنے لئے یہ وقت آنا اور پھر اس وقت کیا ہوگا؟ کیسے گزرے گی؟ اپنے اعمال کی حالت کیا ہے؟ اس دھن میں مستغرق ہوتا گویا ہر شخص اس جنازہ کو اپنا ہی جنازہ جانتا، بلاشبہ اُس وقت کیا مناسب یہی حالت ہے اور اس حالت کے مناسب وہی صمتِ مطلق کہ سانس کے سوا اصلاً آواز نہ ہو۔ جب زمانہ بدلا اور صدرِ اوّل کا سا خوف عام مسلمانوں میں نہ رہا، صمتِ محض بہتوں کو باعث پریشان خیالی ہوا، اطبائے قلوب نے ذکر لسانی خفی کا اضافہ فرمایا کہ ان اراد ان یذکر اللہ تعالٰی یذکرہ فی نفسہ (اگر اللہ تعالٰی کا ذکر کرنا چاہے تو آہستہ کرے۔ ت) **اقول** اس میں حکمت یہ تھی کہ صمت فی نفسہٖ کوئی شے مطلوب نہیں کہ قولِ خیر عدم قول مطلق سے قطعاً افضل ہے ولہذا ارشاد ہُوا:

ان لایزال لسانك رطبا من ذکر اللہ[1] ہمیشہ تمہاری زبان خدا کے ذکر سے تر رہے۔ (ت)

اگر شرائع نے اُسے صوم میں رکھا تھا۔ ہماری شریعت غرا نے اُسے منسوخ فرمادیا۔ مجوس کے یہاں وقت اکل صمت ہے، ہماری شریعت میں وہ مکروہ و لازم الاحتراز ہے۔ یہاں ایک ذریعہ بعد معین مقصود ہو کر مطلوب ہُوا تھا کہ عمل لسان وجہ انقسام توجہ نہ ہو۔ اب کہ دیکھا کہ زمانہ بدلا، اب وہ معین ہونے کے عوض بہتوں کے لئے مخل مقصود ہونے لگا، تحصیل اصل مقصود کے لئے ذکر لسانی بتایا اور خفی رکھا کہ سب تو ایسے پریشان خیال نہیں جن سے اہلِ تفکر کا ذہن نہ ہٹے۔ جب زمانہ اور بدلا اور عامۂ ناس غالباً اسی قسم کے رہ گئے اور فقہ میں اکثر ہی کا اعتبار ہے۔

النادر مستثنٰی ولا یفرد بحکم کما فی فتح القدیر[2] و ردالمحتار وغیرھما۔ نادر مستثنٰی ہے اور اس کا الگ حکم بیان نہیں ہوتا، جیسا کہ فتح القدیر اور ردالمحتار وغیرہما میں ہے (ت)

اطبائے روحانی نے جہر بالذکر کی اجازت دی کہ وہ اوقع فی النفوس وادفع للوساوس و انفع للناس ہے

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۷۳
مسند احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن بسر المازنی الخ دارالفکر بیروت ۴/۱۸۸

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب النفقۃ مصطفی البابی مصر ۲/۶۳۰
ملتقی شرح ملتقی علی ھامش مجمع الانہر کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۰۰

ذاکرین کی زبانوں اور سامعین کے کانوں کو مشغول کرتا اور غافلین کو جگا کر لغویات سے باز رکھ کر ذکر وسماع کی طرف لاتا ہے، اور یہ سمجھ لینا کہ مسلمان ایسے ہوگئے کہ باوجود قرع وقوت قرع و تکرر بھی متاثر نہ ہوں گے، جہل سُوئے ظن ہے، تو اب ذکر جہر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے افراد سے ہے جس سے منع عکس ونقیض مقصود شرع ہے۔ علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ اور امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی عہود محمدیہ میں فرماتے ہیں:

ینبغی لعالم الحارۃ او شیخ للفقراء فی الحارۃ ان یعلم من یرید المشی مع الجنازۃ اٰداب المشی معہا من عدم اللغو فیہا وذکر من تولی وعزل من الولاۃ او سافر او رجع من التجارۃ و نحو ذلک فان ذکر الدنیا فی ذلک المحل مالہ محل، و کان سیدی علی الخواص رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول اذا علم من الماشین مع الجنازۃ انہم لایترکون اللغو فی الجنازۃ ویشتغلون باحوال الدنیا فینبغی ان یامرھم بقول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ فان ذٰلک افضل من ترکہ، ولاینبغی لفقیہ ان ینکر ذٰلک الابنص او اجماع فان مع المسلمین الاذن العام من الشارع بقول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کل وقت شاؤا یا اللہ العجب من عمی قلب من ینکر مثل ھذا و ربما عزم عند الحکام الفلوس حتی یبطل قول المؤمنین (کلمۃ طیبۃ) فی طریق الجنازۃ، وھو یری الحشیش یباع فلا یکلف خاطرہ ان یقول للحشاش حرام علیک بل رأیت فقیہا منہم یا خذ معلوم امامتہ من فلوس بائع الحشیش والبرش

عالمِ محلہ یا فقراء محلہ کے بزرگ کو چاہئے کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کو اس کے ساتھ چلنے کے آداب سکھائے کہ اس میں لغو باتیں نہ ہوں، کون حاکم ہوا، کون معزول ہوا، کون تاجر سفر سے آیا کون گیا، اس طرح کی باتیں نہ ہوں اس لئے کہ اس جگہ دُنیا کی باتوں کا کوئی موقع نہیں۔ سیدی علی خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے تھے کہ جب جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کے بارے میں معلوم ہو کہ وُہ جنازہ میں لغو سے باز نہ آئیں گے اور دنیا کی باتوں میں مشغول رہیں گے تو انھیں حکم دینا چاہئے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پڑھیں کہ اسے پڑھنا اس کے ترک سے افضل ہے۔ اور کسی فقیہ کو بغیر نص یا اجماع کے اس سے منع نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ مسلمانوں کو شارع کی جانب سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کا اذنِ عام ہے وہ جب چاہیں پڑھیں، الٰہی اس دل کے اندھے پن سے تعجب ہے جو اس طریقے کے عمل سے روکتا ہے، شاید جنازہ کے راستے میں کلمہ طیبہ پڑھنے کو باطل قرار دے کر حکام سے مالِ دنیا کی طمع رکھتا ہے جبکہ وُہ راستے

فنسأل الله العافية والله یھدی من یشاء الی صراط مستقیم[1] میں بھنگ بکتے دیکھے تو بھنگ فروش سے اتنا کہنے کی زحمت نہ اٹھائے کہ یہ کام حرام ہے، بلکہ میں نے ان میں ایسے فقیہ کو بھی دیکھا ہے جو بھنگ فروش کے مال سے اپنی پیش نمازی کی تنخواہ وصول کرتا ہے ۔۔۔ تو خدا ہی سے عافیت کا سوال ہے ۔۔۔ اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے ۔ (ت)

کتاب عہود المشائخ امام شعرانی پھر حدیقہ مبارکہ میں ہے :

ولا نمکن احدا من اخواننا ینکر شیئا ابتدعه المسلمون علی جھة القربة الی الله تعالی ورأوه حسنا کما مر تقریرہ مرارا فی ھذہ العھود لاسیما ما کان متعلقا بالله تعالی ورسوله صلی الله تعالی علیه وسلم کقول الناس امام الجنازة لا اله الا الله محمد رسول الله او قراءة احد القرآن امامھا و نحو ذلك فمن حرم ذلك فھو قاصر عن فھم الشریعة لانه ما کل مالم یکن علی عھد رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم یکون مذموما وقد رجح النووی رحمه الله تعالی ان الکلام خلاف اولی فقط۔

ہم اپنے دوستوں کو کسی ایسی چیز سے روکنے کی اجازت نہ دیں گے جو مسلمانوں نے خدا کی بارگاہ میں تقرب کے طور پر ایجاد کی ہو اور اسے اچھا جانتے ہوں، جیسا کہ بارہا اس کی تقریر اسی کتاب عہود میں گزر چکی ہے، خصوصا وہ چیز جس کا تعلق رب تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہو، جیسے لوگوں کا جنازہ کے سامنے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا، یا وہاں پر قرآن کی تلاوت کرنا اور اس طرح کی باتیں، اسے جو حرام کہے وہ شریعت کے فہم سے قاصر ہے۔ اس لئے کہ ہر وہ چیز جو عہد رسالت میں نہ رہی ہو بری نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی نے تو اسے ترجیح دی ہے کہ کلام صرف خلاف اولٰی ہے۔

واعلم انه لو فتح ھذا الباب لردت اقوال المجتھدین فی جمیع ما استحبوا من المحاسن ولا قائل به وقد فتح رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم لعلماء امته ھذا الباب واباح لھم ان یسنوا کل شیئ

یہ جان لو اگر اس کا دروازہ کھولا جائے تو مجتہدین کرام کے وہ تمام اقوال مردود ہو جائیں جو انہوں نے اپنے پسند کردہ محاسن کے بارے میں استخراج فرمائے ہیں اور کوئی اس کا قائل کیوں ہوگا جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے علماء کے لئے یہ دروازہ کھلا رکھا ہے اور انھیں

---

[1] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الصنف الثالث مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۴۰۹

استحسنوه ویلحقوه بشریعة رسول الله
صلی الله تعالٰی علیه وسلم بقوله صلی
الله تعالٰی علیه وسلم من سن سنة
حسنة فله اجرها واجر من یعمل بها
وکلمة لا اله الا الله محمد رسول
الله اکبر الحسنات فکیف یمنع منها
وتأمل احوال غالب الخلق الآن فی
الجنازة تجدهم مشغولین
بحکایات الدنیا لم یعتبروا بالمیت
وقلبهم غافل عن جمیع ما وقع
له بل رأیت منهم من یضحك
واذا تعارض عندنا مثل
ذلك وکون ذلك لم یکن
فی عهد رسول الله صلی
الله تعالٰی علیه وسلم قدمنا
ذکر الله عزوجل بل کل
حدیث لغو اولٰی من
حدیث ابناء الدنیا فلو صاح کل من فی
الجنازة بلا اله الا الله فلا
اعتراض ولم یاتنا فی ذلك
شیئ عن رسول الله صلی الله تعالٰی
علیه وسلم فلو کان ذکر الله فی الجنازة منهیا عنه
لبلغنا ولو فی حدیث کما بلغنا
فی قراءة القراٰن فی الرکوع
فافهم وشیئ سکت عنه الشارع

اجازت دی ہے کہ ایسے طریقے ایجاد کریں جن کو وہ
اچھا جانیں اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم کی شریعت میں شامل کریں۔ یہ اجازت
اس ارشادِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے
ہے کہ جس نے کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کے لئے
اس ایجاد کا ثواب اور آئندہ اس پر تمام عمل کرنے
والوں کا ثواب ہے۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
تو سب سے بڑی نیکی ہے پھر اس سے کیونکر روکا
جائے گا؟ اس وقت جنازہ میں اکثر لوگوں کے حالات
کا جائزہ لو انھیں دنیاوی باتوں میں مشغول پاؤ گے
میت کے حال سے کوئی عبرت نہیں، دل اس
سارے واقعہ سے جو اسے درپیش ہے غافل ہے
بلکہ ان میں ہنسی کرنے والے بھی نظر آئیں گے جب
ایک طرف یہ حال ہو اور دوسری طرف یہ کہ اس
وقت کلمہ پڑھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
کے زمانے میں نہ تھا تو عمل کیا ہو، ایسے وقت ہم
اللہ عزوجل کے ذکر کو مقدم رکھیں گے، بلکہ ہر لغو بات
جنازے کے اندر دنیا کی باتوں کی بہ نسبت اچھی
ہے، تو اگر جنازہ میں کوئی بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ
پڑھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ہمیں اس سے
ممانعت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی
کوئی حدیث نہ ملی۔ اگر اللہ کا ذکر ممنوع ہوتا تو کوئی
نہ کوئی حدیث اس بارے میں آتی، جیسے رکوع
میں تلاوتِ قرآن ممنوع ہے تو حدیث میں وارد بھی
ہے۔ تو اسے سمجھو ـــ وہ چیز جس سے شارع

اوائل الاسلام لایمنع منه اواخر الزمان[1]

علیہ السلام نے اسلام کے ابتدائی زمانے میں سکوت فرمایا ہے وُہ آخر زمانے میں ممنوع نہیں ہوسکتی (ت)

بالجملہ بجائے صمت اقامت جہر بالذکر تحصیل مقصود کے لئے تبدیل ذریعہ بمصلحت حالیہ ہے نہ کہ تفویت مقصود، جاہل وُہ جو خموشی کو مقصود اصل جانے، مطلوب ذکر ہے۔ جب خموشی میں اور اب جہر بالذکر میں، خادمِ فقہ جانتا ہے تحصیلِ مقصود کے لئے بعض مکروہات سے کراہت زائل ہوجاتی ہے، جیسے نماز میں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے اور خشوع یونہی ملتا ہے تو آنکھیں بند کرنا ہی اولٰی،

کما فی الدرالمختار کرہ تغمیض عینیہ للنھی الا لکمال الخشوع[2] وفی ردالمحتار بان خاف فوت الخشوع بسبب رؤیۃ مایفرق الخاطر فلایکرہ بل قال بعض العلماء انہ الاولٰی ولیس ببعید حلیۃ و بحر[3] اھ اقول ولعل التحقیق ان بخشیۃ فوات الخشوع تزول الکراھۃ و بتحققہ یحصل الاستحباب واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ درمختار میں ہے: نماز میں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس ممانعت آئی ہے لیکن اگر کمالِ خشوع کیلئے ہو تو مکروہ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے: اس طرح کہ طبیعت کو منتشر کرنے والی چیزیں دیکھنے کے سبب خشوع فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو مکروہ نہیں بلکہ بعض علماء نے فرمایا کہ اولٰی ہے، اور یہ کوئی بعید نہیں ــ حلیہ و بحر ــ اھ اقول شاید تحقیق یہ ہے کہ خشوع فوت ہونے کے اندیشہ کی وجہ سے کراہت زائل ہوجاتی ہے اور آنکھ بند کرلینے پر خشوع متحقق ہوجانے سے استحباب حاصل ہوجاتا ہے اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

تو یہاں یہ کہ ذکر اعظم مطلوبات سے تھا اور منع ایک وجہ بعید کے لئے کہ ذریعہ مقصود میں مخل نہ ہو، اور اب وہ ذریعہ ہی نہ رہا، بلکہ منعکس ہوگیا۔ تو وُہ منع اگرچہ تنزیہی باقی رہنا کس قدر فقاہت سے دور، بلکہ عقل سے مہجور ہے۔ پھر ذکر کہ عرض عریض ہے۔ ذکرِ موت و ذکرِ قبر و ذکرِ آخرت و ذکرِ انبیاء و ذکرِ اولیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء سب ذکرِ الٰہی ہیں، ہم نے اپنی تعلیقات کتاب مستطاب اذاقۃ الاثام میں اس پر بارہ[12] دلائل قائم کئے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں حضور سیدنا حسان ابن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ الصنف الثالث الخ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۴۰۹

[2] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲

[3] ردالمحتار " " " ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۴۳۴

مشرکین کے اشعار کا اشعار میں جواب دینا اور اُن شعروں کو پڑھنا اور حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا سننا ثابت ہے اگرچہ یہ اشعار ذکر الٰہی نہ ہوتے، مسجد میں ان کے لئے منبر بچھانے کی اجازت کیونکر!

فانما بنیت المساجد لذکر اللہ و الصّلٰوۃ۔[1] کہ مسجدیں خدا کے ذکر اور نماز ہی کے لئے بنائی گئی ہیں۔ (ت)

اور جب یہ ذکر نہ ہوتا تو اس کے لئے اہتمام فرمانا معاذ اللہ غفلت کے لئے اہتمام ہوتا۔ اور یہ محال ہے لاجرم اشعارِ حمد و نعت و ثناء و دُعاء و وعظ و پند ذکر الٰہی ہیں، اور غنا وہ کہ ان سے جُدا ہو کہ غنا کو آیۂ کریمہ ومن الناس من یشتری لھو الحدیث[2] (لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو لھو کی بات خریدتا ہے۔ ت) میں داخل کرتے ہیں اور بداہۃً معلوم کہ حمد و نعت و دعا و وعظ ہرگز لھو الحدیث نہیں، و لہٰذا جوہرہ و درمنتقی و ردالمحتار میں ہے:

ماتقل انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سمع الشعر لم یدل علٰی اباحۃ الغناء و یجوز حملہ علی الشعر المباح المشتمل علی الحکمۃ والوعظ۔[3] حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شعر سُننا جو منقول ہے اس سے غنا کی اباحت ثابت نہیں ہوتی اسے ایسے شعر پر محمول کیا جاسکتا ہے جو جائز اور حکمت و نصیحت پر مشتمل ہو۔ (ت)

تو ثابت ہوا کہ قول علامہ شامی: فما ظنک بالنغمات الحادثۃ فی ھذا الزمان[4] (اس زمانے میں پیدا شدہ نغمہ زنی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ ت) خود بشہادت علامہ شامی اُن اشعار کے بارے میں ہے جو حکمت و وعظ پر مشتمل نہ ہوں، جیسے میت کا مرثیہ یا اُس کی تعریف، مدح بافراط یا اشعار مہیجہ مکروہ، حُزن مزیلِ صبر و داعی نوحہ گری و گریبان دری کہ یہ بلاشبہہ حکمت و وعظ سے خالی، بلکہ اُس کے خلاف اور اپنے احوال پر حرام مکروہ و گزاف ہیں بخلاف اُن اشعار فارسی و عربی مذکورہ سوال کا کہ ذکر الٰہی سے جُدا نہیں، البتہ اشعار اردو میں حاجت ترمیم و تبدیل ہے، شعرِ اوّل میں نام پاک لے کر ندا ہے اور صحیح یہ کہ جائز نہیں

---

[1] مرقاۃ المفاتیح باب المساجد مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۱۹۷

[2] القرآن ۳۱/ ۶

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۵/ ۲۲۲

[4] " باب صلٰوۃ الجنائز " " " ۱/ ۵۹۸

بلکہ اوصافِ کریمہ کے ساتھ ہو، مثلاً یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ۔ دوسرا شعر مہمل و بے معنیٰ، اور حیثیتِ شعری سے بھی مختل ہے اور بعض جہال سنوریا سے ذاتِ اقدس مراد رکھتے ہیں، اس وقت وہ قریب بہ کلمۂ کفر ہوجائے گا۔ تیسرا شعر بھی کچھ مفید نہیں، ہاں چوتھے اور پانچویں میں حرج نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۵ از قادری گنج ضلع بیربھوم ملک بنگال مرسلہ سید ظہور الحسن صاحب قادری رزاقی مرشدی کرمانی ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

جنازہ کے ہمراہ بلند آواز سے کلمۂ طیبہ و وظیفہ غوثیہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ پڑھتے چلنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر میں حرج نہیں کما حققہ السید عبد الغنی النابلسی قدس سرہ القدسی فی الحدیقۃ الندیۃ (جیسا کہ سید عبد الغنی النابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقۂ ندیہ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۶ بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ جنازہ کے ساتھ غزلیں نعتیہ پڑھتے جاتے ہیں اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

الجواب

جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷ از موضع شرشدی جونیر مدرسہ ڈاکخانہ رفیستی ضلع نواکھالی مرسلہ مولوی عبد الکریم ۲۶ جمادی الاُخریٰ ۱۳۳۸ھ

ما قول علمائنا رحمھم اللہ (ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں۔ ت) ایک حنفی عالم کہتا ہے کہ بے نمازی کافر و مرتد ہے اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں اور اُس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرنا چاہئے۔ اس عالم کا قول مردود ہے یا نہیں؟ تین شخصوں کو بے نمازِ جنازہ دفن کرادیا ہے اس پر شرعاً کیا وعید عائد ہوسکتی ہے؟ دُنیا میں ایسا مسلمان نہیں جو گاہ بگاہ پنجگانہ وعیدنہ پڑھتا ہو۔

الجواب

ایمان و تصحیح عقائد کے بعد جملہ حقوق اللہ میں سب سے اہم و اعظم نماز ہے۔ جمعہ و عیدین یا بلا پابندی پنجگانہ پڑھنا ہرگز نجات کا ذمہ دار نہیں۔ جس نے قصداً ایک وقت کی چھوڑی ہزاروں برس جہنم میں رہنے کا مستحق ہوا، جب تک توبہ نہ کرے اور اس کی قضا نہ کرلے، مسلمان اگر اُس کی زندگی میں اُسے یکلخت

چھوڑدیں اُس سے بات نہ کریں، اُس کے پاس نہ بیٹھیں، توضرور وہ اس کا سزاوار ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے :

وامّا ینسینّك الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظّٰلمین[1]
اگر شیطان تجھے بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔ (ت)

مگر بعد موت ہر سُنّی صحیح العقیدہ کو غسل و کفن دینا، اس کے جنازے کی نماز پڑھنا الّا ما استثنٰی ولیس ھذا منھم (اگروہ جن کا استثنار کیا گیا ہے اور یہ ان میں سے نہیں۔ ت) فرض قطعی علی الکفایہ ہے۔ اگر سب چھوڑدیں جن جن کو اطلاع تھی سب گنہ گار و تارکِ فرض و مستحق عذاب ہوں گے۔ جس نے تین مسلمانوں کو بے نماز دفن کرادیا فاسق، مرتکب کبیرہ، مستوجب سزائے شدید ہوا، بے نماز کہ نماز کو فرض جانتا ہو اس کی تحقیر نہ کرتا ہو اگرچہ نفس و شیطان کے پھندے میں آکر نہ پڑھتا ہو مرتکب کبائر ہے، مستحق عذاب نار ہے، مگر کافر نہیں، باغی نہیں، ڈاکو نہیں، ایک تباہ کار مسلمان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

الصلٰوۃ واجبۃ علیکم علٰی کل مسلم یموت براکان او فاجرا وان ھو عمل الکبائر[2]
تم پر ہر مسلمان کی نماز جنازہ فرض ہے سوا چار کے، باغی، رہزن جب کہ یہ جنگ میں قتل ہوں۔ اسی طرح رات کو شہر کے اندر ہتھیار لے کر لُوٹ مار کرنے والا، گلا دبا کر مارنے والا، اپنے ماں باپ میں سے کسی کا قاتل، تھریں اسے بھی باغیوں سے لاحق کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

الدواوین ثلثۃ فدیوان لا یغفر اللہ منہ شیئا، ودیوان لا یعبأ اللہ منہ شیئا، ودیوان لا یترك اللہ منہ شیئا، فامّا الدیوان الذی لا یغفر اللہ منہ شیئا، فالاشراك باللہ، واما الدیوان الذی لا یعبأ اللہ منہ شیئا فظلم العبد
دفتر تین ہیں، ایک دفتر میں سے اللہ تعالٰے کچھ معاف نہ فرمائے گا، اور دُوسرے کی اللہ کو کچھ پروا نہیں، اور تیسرے میں سے اللہ کچھ نہ چھوڑیگا۔ وُہ دفتر جس میں سے اللہ تعالٰی کچھ معاف نہ فرمائیگا دفترِ کفر ہے۔ اور وہ جس کی اللہ کو کچھ پروا نہیں وہ بندے کا اپنے رب کے معاملے میں اپنی جان پر

---

[1] القرآن ۶ /۶۸

[2] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور ۱/

نفسه فیما بینه وبین ربه من صوم یوم ترك اوصلاة ترکها فان الله تعالٰی یغفر ذلك ان شاء و یتجاوز واما الدیوان الذی لایترك الله منه شیئا فمظالم العباد بینہم القصاص لامحالة[1] رواہ الامام احمد والحاکم فی المستدرك عن ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنہا۔

ظلم کرنا کہ کسی دن کا روزہ چھوڑ دیا یا نماز چھوڑ دی اللہ تعالٰی چاہے گا تو معاف کردے گا اور درگزر فرمائیگا۔ اور وہ دفتر جس میں سے اللہ تعالٰی کچھ نہ چھوڑے گا وہ بندوں کے باہم ایک دوسرے پر ظلم ہیں ان کا بدلہ ضرور رہونا۔ اسے امام احمد نے اور مستدرک میں حاکم نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

خمس صلوات کتبھن الله علی العباد، فمن جاء بھن فلم یضع منھن شیئا استخفافا بحقھن کان له عند الله عھد ان یدخل فی الجنة، ومن لم یات بھن فلیس له عند الله عھد، ان شاء عذبه وان شاء ادخله الجنة[2]۔ رواہ الائمة مالك واحمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجة وابن حبان والحاکم والبیھقی بسند صحیح عن عبادة بن الصامت رضی الله تعالٰی عنه۔

پانچ نمازیں اللہ تعالٰی نے بندوں پر فرض کی ہیں جو انھیں بجالائے اور اُن کے حق کو ہلکا جان کر اُن میں سے کچھ ضائع نہ کرے اللہ کے پاس عہد ہو کہ اُسے جنت میں داخل فرمائے اور جو انھیں بجا نہ لائے اُس کے لئے اللہ کے پاس عہد نہیں چاہے اسے عذاب کرے چاہے اسے جنت میں داخل کرے۔ اسے امام مالک، امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے بسند صحیح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

دُرمختار میں ہے:

ھی فرض علٰی کل مسلم مات خلا اربعة

ہر مسلمان کی نماز جنازہ فرض ہے سوائے چار کے،

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/۲۴۰
المستدرک علی الصحیحین کتاب الاھوال " " " ۴/۵۷۵
[2] سنن ابوداؤد باب فیمن لم یوتر " آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۰۱
مسند احمد بن حنبل مروی از عبادۃ بن الصامت " دارالفکر بیروت ۵/۳۱۵

11

بغاۃ وقطاع طریق اذا قتلوا فی الحرب وکذا مکابر فی مصر لیلا بسلاح وخناق وقاتل احد ابویہ الحقہ فی النھر بالبغاۃ (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔

باغی، رہزن جبکہ یہ لڑائی میں مارے گئے ہوں۔ اسی طرح رات کو شہر کے اندر ہتھیار لے کر لوٹ مار کرنے والا، گلا دبا کر مارنے والا، اپنے ماں باپ میں سے کسی کو قتل کرنے والا، نہر میں اسے بھی باغیوں سے لاحق کیا ہے (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸ از بنگلہ ضلع سلہٹ موضع قاسم نگر مرسلہ مولوی اکرم صاحب یکم ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

بے نمازی کی نماز جنازہ چاہئے یا نہیں۔ اگر چاہئے تو کیا دلیل، جواب بالتفصیل بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیے، بینوا توجروا۔

الجواب

صحیح یہ ہے کہ ترکِ نماز سخت کبیرہ اشد کفرانِ نعمت ہے، مگر کفر وارتداد نہیں، جبکہ انکارِ فرضیت یا استخفاف واہانت نہ کرے، اور نماز ہر مسلمان کے جنازے کی فرض کفایہ ہے، اگر سب چھوڑیں گے سب گنہگار رہیں گے، نمازِ پنجگانہ اُس پر فرض تھی اُس نے چھوڑی، نماز جنازہ ہم پر فرض ہے ہم کیوں چھوڑیں، اُس نے وُہ فرض چھوڑا جو خالص حق اللہ کریم غنی عزوجل کا تھا ہم وہ فرض چھوڑ دیں جس میں اللہ عزوجل کا بھی حق اور اس محتاج باشد الاحتیاج کا بھی حق العبد، یہ محض نادانی اور خود اپنی بھی بدخواہی ہے، علمائے کرام نے فرضیتِ نمازِ جنازہ سے صرف چند شخصوں کو استثناء فرمایا۔ باغی اور آپس کے بلوائی کہ فریقین بطور جاہلیت لڑیں اور اُن کے تماشائی اور ڈاکو، اور وُہ کہ لوگوں کو گلا دبا کر، پھانسی دے کر مار ڈالا کرتا ہو، اور وُہ جس نے اپنے ماں باپ کو قتل کیا۔ ظاہر ہے کہ بے نمازی ان سے خارج ہے تو اس کی نمازِ جنازہ مثل عام مسلمانوں کے فرض ہے۔

فی الدرالمختار ھی فرض علٰی کل مسلم مات خلا بغاۃ وقطاع طریق اذا قتلوا فی الحرب واھل عصبۃ ومکابر فی مصر لیلا وخناق وقاتل احد ابویہ اھ[1] ملخصا وفی ردالمحتار فی شرح

درمختار میں ہے، ہر مرنے والے مسلمان کی نماز جنازہ فرض ہے سوا باغی، رہزن کے جب یہ لڑائی میں مارے جائیں، اور جو براہِ عصبیت آپس میں لڑیں، رات کو ہتھیار لے کر شہر میں لوٹ مار کرنے والا، گلا دبا کر مار ڈالنے والا، اپنے والدین میں سے کسی کا

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲
[2] " " " "

دررالبحار فی النوازل جعل مشائخنا المقتولین فی العصبیۃ فی حکم اھل البغی وکذا الواقفون الناظرون الیھما ان اصابھم حجر او غیرہ وماتوا فی تلک الحالۃ ولو ماتوا بعد تفرقھم یصلی علیھم[1] اھ اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

قاتل اھ تلخیص۔ ردالمحتار میں ہے: شرح دررالبحار میں نوازل کے حوالے سے ہے کہ ہمارے مشائخ نے عصبیت میں مارے جانے والوں کو باغیوں کے حکم میں رکھا ہے ایسے ہی ان کے پاس کھڑے تماشا دیکھنے والے، اگر انھیں کوئی پتھر وغیرہ لگا اور اسی حالت میں مرگئے، ہاں اگر جُدا ہونے کے بعد مرے تو ان کی نماز پڑھی جائے گی اھ مختصراً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹ ازآرہ، مدرسہ فیض الغربا، مرسلہ مولوی رحیم بخش صاحب قادری برکاتی رضوی ۲۷ جمادی الآخری ۱۳۳۴ھ

زید تمام ضروریاتِ دین کو تسلیم کرتا ہے کسی ایک کے انکار کو کفر جانتا ہے محض سُستی وغفلت سے بے نماز ہے۔ پس ایسے بے نمازوں کے جنازے کی نماز ناجائز ہے یا نہیں؟ کوئی نہ پڑھے نہ پڑھائے؟

الجواب

لا الٰہ الا اللہ مسلمان اگرچہ بے نماز ہو اس کے جنازے کی نماز مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کوئی نہ پڑھے گا جتنوں کو خبر ہو سب گنہگار و تارکِ فرض رہیں گے۔ ہاں اگر زجر کے لئے علماء خود نہ پڑھیں دوسروں سے پڑھوا دیں تو بیجا نہیں، اور اگر اُن کے نہ پڑھنے سے اور بھی کوئی نہ پڑھے یا اُن کو بھی منع کریں تو یہ علماء بھی مستحق عذابِ نار ہوں گے بلکہ جہال سے زیادہ فانما علیك اثمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصّلوۃ واجبۃ علیکم علٰی کل مسلم یموت براکان او فاجرا وان ھو عمل الکبائر[2]۔ رواہ ابوداؤد وابو یعلی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح علٰی اصولنا۔

تم پر ہر مسلمان کے جنازے کی نماز فرض ہے نیک ہو یا بد اگرچہ اُس نے کبیرہ گناہ کئے ہوں۔ اسے ابوداؤد اور ابویعلٰی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہمارے اصول پر بسند صحیح روایت کیا۔

درمختار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ علی الجنازۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۴۲

[2] سُنن ابوداؤد کتاب الجہاد ″ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۹۰

هی فرض علیٰ کل مسلم مات خلا اربعۃ بغاۃ و قطاع طریق اذا قتلوا فی الحرب و کذا مکابر فی مصرلیلا بسلاح و خناق[1] و قاتل احد ابویہ الحقہ فی النہر بالبغاۃ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ فرض ہے سوا چار کے، باغی، رہزن جبکہ یہ جنگ میں قتل ہوں۔ اسی طرح رات کو شہر کے اندر ہتھیار لے کر لوٹ مار کرنے والا، گلا دبا کر مارنے والا، اپنے ماں باپ میں سے کسی کا قاتل، نہر میں اسے بھی باغیوں سے لاحق کیا ہے۔ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰ از موضع بکرجیلی والا علاقہ جاگل، تھانہ ہری پور، ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خاں، مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کبھی نماز پڑھے اور کبھی نہ پڑھے اُس کا جنازہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بے نمازی کے لڑکے نابالغ کا جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

بے نمازی اگرچہ فاسق ہے مگر مسلمان ہے، اور اُس کی نابالغ اولاد کا غسل و کفن اور نماز و دفن یہی حکم ہے جو اور مسلمانوں کا حدیث میں ارشاد ہوا: صلوا علٰی کل بر و فاجر[2] (ہر نیک و بد کی نمازِ جنازہ پڑھو۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک طالب علم موضع فرید پور میں مولوی یٰسین کا شاگرد وہاں کی مسجد میں مقیم ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ بے نمازی کے جنازے کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اور قبر پر اذان دینا بھی جائز نہیں ہے، اور فاتحہ وغیرہ اور گیارھویں شریف کی نیاز کرنا جائز نہیں ہے، اور یہاں پر سب گاؤں کے مسلمانوں کو گمراہ کئے دیتا ہے لہٰذا یہ باتیں تحریر کردیں کہ جائز ہیں یا نہیں، بموجب شرع شریف کے جواب سے مشرف فرمائیے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس شخص کے یہ مسئلے محض غلط اور بے سند ہیں۔ جنازے کی نماز ہر مسلمان پر فرض ہے الا ما استثناہ العلماء، ولیس ھذا منھم (مگر وہ جس کا علماء نے استثناء کیا ہے اور یہ ان میں سے نہیں۔ ت)

---

[1] در مختار | باب صلٰوۃ الجنائز | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۲۲

[2] سنن الدار قطنی | باب صفۃ من تجوز الصلٰوۃ معہ و الصلٰوۃ علیہ | نشر السنۃ ملتان | ۲/ ۵۷

سنن ابی داؤد | باب فی الغزو مع ائمۃ الجور | آفتاب عالم پریس لاہور | ۱/ ۳۴۳

قبر پر اذان دینا جائز ہے کما ھو مبین فی ایذان الاجر فی اذان القبر (جیسا کہ ہمارے رسالہ "ایذان الاجر فی اذان القبر" میں اس کا واضح بیان ہے۔ ت) اور فاتحہ اور گیارھویں شریف کی نیاز و ایصالِ ثواب اہلسنّت کے نزدیک جائز و بہتر ہے کما فی الھدایۃ وفتح القدیر والدر المختار و رد المحتار وغیرھا (جیسا کہ ہدایہ، فتح القدیر، درمختار اور ردالمحتار وغیرہا میں ہے۔ ت) ان چیزوں کو جو شخص ناجائز کہے اُس سے ایک ہی بات دریافت کرنا کافی ہے وہ یہ کہ تو جو ناجائز کہتا ہے آیا اللہ و رسول نے انھیں ناجائز کہا ہے یا تو اپنی طرف سے کہتا ہے؟ اگر اللہ و رسول نے ناجائز کہا ہے تو دکھا کون سی آیت یا حدیث میں ہے کہ اذان جو مسلمان کی قبر پر دفعِ شیطان و دفعِ وحشت و حصولِ اطمینان و نزولِ برکت کے لئے کہی جائے وہ ناجائز ہے اور فاتحہ اور گیارھویں شریف کہ بغرضِ ایصالِ ثواب کی جائے ناجائز ہے۔ اور اگر اللہ و رسول نے ناجائز نہ کہا تو خود اپنی طرف سے کہتا ہے تو تیرا قول تیرے منہ پر مردود ہے۔ بغیر خدا و رسول کے منع فرمائے ہوئے کوئی چیز ناجائز نہیں ہوسکتی۔ ہمیں قرآن و حدیث نے یہ قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ و رسول جس بات کا حکم دیں وہ واجب ہے جس سے منع فرمائیں وہ ناجائز ہے اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمائیں وہ معافی میں ہے وہ اگر واجب نہیں تو ناجائز بھی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مر گیا بکر نے کہا زید نماز نہیں پڑھتا تھا اُس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے مگر اس شرط پر کہ اُس کو پٹوانا چاہیے، پھر زید کو بیلوں سے پاؤں باندھ کر کھنچوایا۔ یہ بات قرآن و حدیث سے درست ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہے تو بکر پر کیا حکم ہے؟ فرمائیے کتاب اور حدیثِ رسول سے۔

الجواب

بکر گنہگار ہوا اور اُس نے مُردے پر ظلم کیا۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے تو میت کے کنگھی کرنے سے منع فرمایا کہ اُسے تکلیف ہوگی، اور فرمایا:

علامَ تنصون میتکم۔ رواہ الامام محمد فی کتاب الاٰثار قال اخبرنا ابو حنیفۃ ورواہ عبدالرزاق فی مصنفہ قال اخبرنا سفیٰن عن الثوری کلاھما عن حماد بن ابی سلیمٰن عن ابراھیم النخعی

کاہے پر اپنے مُردے کے مُوئے پیشانی کھینچتے ہو۔ اسے امام محمد نے کتاب الاٰثار میں روایت کیا ــــ فرمایا ہمیں خبر دی ابوحنیفہ نے، اور اسے عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا ــ کہا ہمیں خبر دی سفیان نے، وہ راوی ہیں سفیان ثوری سے ــــ دونوں حضرات

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا انہا رأت امرأۃ یکدّون رأسہا بمشط فقالت علام تنصون میتکم[1] ورواہ ابوعبید القاسم بن سلام، وابراھیم الحربی فی کتابیہما فی غریب الحدیث عن ابراھیم عن عائشۃ انہا سئلت عن المیت یسرح رأسہ فقالت علام تنصون میتکم[2]۔

راوی ہیں حماد بن ابی سلیمان سے ـــ وہ ابراہیم نخعی سے ـــ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے انھوں نے دیکھا کہ ایک عورت کے سر میں کنگھا کررہے ہیں تو فرمایا: کیوں اپنے مُردے کی پیشانی کے بال کھینچتے ہو ـــ اور اسے ابوعبید قاسم بن سلام اور ابراہیم حربی نے اپنی اپنی کتاب غریب الحدیث میں حضرت ابراہیم نخعی سے، انھوں نے حضرت صدیقہ سے روایت کی ان سے میت کے سر میں کنگھا کرنے سے متعلق پُوچھا تو فرمایا: کیوں اپنے مردے کے مُوئے پیشانی کھینچتے ہو۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان کسر عظم المسلم میتا ککسرہ حیا[3] رواہ الائمۃ مالک واحمد وسعید بن منصور وعبدالرزاق وابوداؤد وابن ماجۃ بسند حسن عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

بیشک مُردہ مسلمان کی ہڈی توڑنی ایسی ہی ہے جیسے زندہ مسلمان کی ہڈی توڑنی۔ اسے امام مالک، امام احمد، سعید بن منصور، عبدالرزاق، ابوداؤد اور ابنِ ماجہ نے بسندِ حسن ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

سزادینا اوّل تو حاکمِ شرع کا کام ہے ہر کس وناکس کو اُس کا اختیار نہیں اور موت کے بعد تو سزا دینے کے کوئی معنی ہی نہیں، سزا درکنار موت کے بعد بُرا بھلا کہنے سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتسبوا الاموات فانھم قد افضوا الٰی ما قدموا[4]۔ رواہ احمد والبخاری والنسائی

مُردوں کو بُرا مت کہو وہ اپنے کیے کو پہنچ چکے۔ اسے امام احمد اور نسائی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ

---

[1] المصنف لعبدالرزاق باب شعر المیت والاظفار مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۳۷
کتاب الآثار باب الجنائز وغسل المیت مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۴۶

[2] غریب الحدیث

[3] سنن ابی داؤد کتاب الجنائز مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۲

[4] سنن النسائی " المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱/ ۲۲۲

ف۱: کتاب الآثار اور مصنف عبدالرزاق دونوں کتابوں میں "بمشط" کا لفظ نہیں ہے بلکہ کتاب الآثار میں "رأت میتا یسرح رأسہ" اور مصنف میں "رأت امرأۃ یکدون رأسہا" ہے۔ نذیر احمد

عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتذکروا ھلکاکم الا بخیر ان یکونوا من اھل الجنۃ تاثمون وان یکونوا من اھل النار فحسبھم ماھم فیہ[1] رواہ النسائی عنہا رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند جید۔

اپنے مُردوں کو یاد نہ کرو مگر بھلائی کے ساتھ کہ اگر وُہ جنتی ہیں تو بُرا کہنے میں تم گنہگار رہوگے اور اگر دوزخی ہیں تو انھیں وُہ عذاب ہی بہت ہے جس میں وُہ ہیں۔ اسے نسائی نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسندِ جید روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتسبوا الاموات فتؤذوا بہ الاحیاء[2] رواہ احمد والترمذی عن المغیرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔

مُردوں کو بُرا نہ کہو کہ اس کے باعث زندوں کو ایذا دو۔ اسے امام احمد اور ترمذی نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ صحیح روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذامات صاحبکم فدعوہ ولا تقعوا فیہ[3] رواہ ابوداؤد عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔

جب تمھارا ساتھی مرجائے تو اسے معاف رکھو اور اس پر طعن نہ کرو۔ اسے ابوداؤد نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسندِ صحیح روایت کیا۔

عمرو بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا:

لاتؤذ صاحب ھذا القبر[4] رواہ الامام احمد۔

مُردے کو ایذا نہ دے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا۔

سبحان اللہ! جب قبر پر تکیہ لگانے سے مُردے کو ایذا ہوتی ہے تو ایسے ظلم شدید سے کس قدر

---

[1] سنن النسائی | کتاب الجنائز | مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور | ۱/ ۲۲۲

[2] مسند احمد بن حنبل | حدیث مغیرہ بن شعبہ | ؍ دارالفکر بیروت | ۴/ ۲۵۲

[3] سنن ابوداؤد | باب فی النہی عن سب الموتٰی | ؍ آفتاب عالم پریس لاہور | ۲/ ۳۱۵

[4] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ احمد | باب دفن المیت | مطبع مجتبائی دہلی | ص ۱۴۹

ایذائے عظیم ہوگی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۳: سید محمد شاہ (پتا انگریزی میں تھا پڑھا نہ گیا) ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان نے نو مسلم عورت سے عقد کیا تھا، دو برس کے بعد ۲۹ رمضان ۱۳۳۹ھ کو دنیائے فانی سے ملک عدم کو رخصت ہوئی۔ اُس مسلمان کا یہاں کوئی وارث نہ تھا اُس نے مسلمانوں کو اطلاع دی، اُنھوں نے جواب دیا ہم تمھاری عورت کا جنازہ نہیں اُٹھائیں گے نہ قبرستان میں جگہ دیں گے کیونکہ تم نماز نہیں پڑھتے ہو اور مسجد کمیٹی و خلافت کمیٹی وغیرہ میں چندہ بھی نہیں دیتے کبھی ہماری کمیٹیوں میں شریک نہیں کرتے، لہذا تم اور کوئی انتظام کرو۔ اس شخص نے جواب دیا اگر میرا عذر قابلِ اعتماد ہو تو مجھ کو معافی دیجئے جو سزا میرے لئے آپ لوگ قرار دیں میں قبول کرتا ہوں۔ اگر میرا قصور ہے تو مجھ کو سزا دیں اور معافی دے کر میت کو اٹھائیں۔ ان لوگوں نے مطلق انکار کردیا جو خلافت کمیٹی کے ممبران و سیکریٹری و پریذیڈنٹ ہیں۔ تب اُس نے ہندو سے التجا کی، اس کی بیکسی بے بسی دیکھ کر ہندو اس محلہ میں آئے اور مسلمانوں کو سمجھایا، بمشکل تمام راضی ہوئے مگر غسل دینے والی عورت کو روک دیا۔ مجبوراً اس نے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کفن پہنایا۔ بعد اس کے چار پانچ مسلمان، انھوں نے کہا ہم تم پر آٹھ روپیہ جرمانہ کرتے ہیں، اگر منظور ہو تو ہم میت اٹھائیں ورنہ ہم اپنے اپنے گھر جاتے ہیں۔ وہ چونکہ مصیبت زدہ تھا راضی ہوا۔ غرض صبح آٹھ بجے کی میت بارہ ۱۲ بجے شب کو اُٹھائی گئی۔ اب عرض ہے کہ آیا حدیث شریف میں یہی فرمان ہے اور خدا اور اس کے رسول کا یہی حکم ہے تو مجھے مطلع فرمائیں، اور اگر حرکت مطابق شرع نہ ہو تو ان کی کیا سزا ہے شرعاً و قانوناً؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اُن لوگوں نے سخت ظلم کیا اور شدید جُرم کیا، اگر سلطنتِ اسلام ہوتی حاکمِ اسلام اُن میں ایک ایک کو کوڑے لگاتا، قید کرتا، اور وہ آخرت میں عذابِ جہنم کے مستحق ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

الصلوٰۃ واجبۃ علیکم علی کل مسلم براکان اوفاجرا وان عمل الکبائر[1] (ملخصًا)

ہر مسلمان کے جنازے کی نماز تم پر فرض ہے نیک ہو یا بد، اگرچہ اس نے گناہِ کبیرہ کئے ہوں۔

خصوصاً جس مسلمان نے رمضان مبارک میں انتقال کیا تو وہ بحکمِ حدیث شہید ہے۔ خلافت کمیٹی میں چندہ نہ دینا یا اُس میں شریک نہ ہونا کوئی جُرم نہیں، بلکہ مسجد میں چندہ نہ دینا بھی گناہ نہیں، نہ کہ جہاں امر بالعکس ہو، نماز

[1] سنن ابوداؤد باب فی الغزو مع ائمۃ الجور مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۴۳
مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ ابی داؤد باب الامامۃ " مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۰۰

نہ پڑھنا ضرور کبیرہ شدیدہ ہے مگر اُس کا گناہ اُس کی بی بی کے سر باندھنا کون سی شریعت ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

ولا تزر وازرۃ وزر اُخرٰی[1] (کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھاتی۔ ت)

آٹھ روپے کہ اُنھوں نے لئے سخت حرام اور اُن کے حق میں مثل سُوئر کے ہیں، اُن پر فرض ہے کہ اُسے واپس کردیں۔

قال اللہ تعالٰی لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[2]۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اپنے مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ۔ (ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تودیہ[3]۔ رواہ احمد والاربعۃ والحاکم عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہاتھ نے جو لیا اس کے ذمہ ہے یہاں تک کہ اسے ادا کردے۔ اسے امام احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے سمرہ بن جُندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بہ سندِ حسن روایت کیا۔ (ت)

اور اُس شخص نے عورت کو غسل دیا یہ اُسے جائز نہ تھا، شوہر عورت کے بدن کو بعد انتقال ہاتھ نہیں لگا سکتا، اُسے چاہئے تھا کہ کسی سمجھ والی لڑکی یا لڑکے کو نہلانے کا طریقہ بتاتا جاتا اور اپنے سامنے اُس سے نہلواتا، یا کوئی اور عورت اگرچہ اُجرت پر ملتی اس سے غسل دلاتا۔ اور اگر کچھ ممکن نہ ہوتا تو اپنے ہاتھوں پر کپڑے کی تھیلیاں چڑھا کر اُس کے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھوں کا تیمم کرادیتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴: از ضلع اعظم گڑھ ڈاک خانہ اندارا موضع ادری حافظ عبدالشکور خاں ۱۴ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید مسلمان حنفی، بکر نصرانی کے یہاں ملازم تھا اور اس کا جُھوٹا کھالیا کرتا تھا، مسلمانوں نے اُس سے منع کیا، حتی کہ بکر نے بھی، مگر زید باز نہ آیا اور اس کے مرنے پر جمیع مسلمانوں نے اس کی تجہیز و تکفین و نمازِ جنازہ سے انکار کیا، بالآخر چند مسلمانوں نے نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کیا، اگر ایسا موقع آئندہ آئے تو کیا کرنا چاہئے؟ بیّنوا توجروا۔ زید کے گھر والوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہئے کیونکہ زید کے

---

[1] القرآن ۶/ ۱۶۴ و ۱۷/ ۱۵ و ۳۵/ ۱۸ و ۳۹/ ۷

[2] القرآن ۲/ ۸۸

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث سمرہ بن جُندب رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/ ۸

یہاں کا کھانا وغیرہ بند کر دیا گیا ہے۔

الجواب

مسلمان کو نصرانی کا جھوٹا کھانا بہت شنیع و بد ہے کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ ت) لیکن اگر مذہب میں کچھ فرق نہ تھا تو اس بد حرکت سے کافر نہ ہُوا۔ مسلمانوں پر اس کی تجہیز و تکفین اور جنازہ کی نماز لازم تھی، مگر یہ کام فرض کفایہ ہے بعض نے کرلیا سب پر سے اُتر گیا۔ ہر مسلمان کا اُن میں شریک ہونا ضروری نہیں، اگر کوئی نہ کرتا تو سب گنہگار ہوتے۔ آئندہ کے لئے بھی یہی احکام ہیں۔ اس فعل میں اس کے گھر والوں کا کوئی قصور نہ تھا اُن پر تعزیر بیجا ہے۔

قال اللہ تعالٰی ولا تزر وازرۃ وزر اُخرٰی[1] اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۵ از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ ۲۹ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اہل اسلام سے آخر عمر تک تارک الصلوٰۃ والصیام و مشارب الخمر باللیل والایام ملحق دینِ نصارٰی رہا حتی کہ بہ تحقیق بدون توبہ ڈاک بنگلہ پر منتقل ہُوا، پھر ورثا اس کے مکان پر لائے، معاذ اللہ اور بخوفِ عدمِ شرکتِ دفن اہلِ اسلام کے ایک حجام اور خرادی اور کنجڑا پرورش یافتہ خود کو مصنوعی شاہد مقرر کرکے توبہ پر اس میت کی قائم کئے۔ عیاذًا باللہ۔ تب جنازہ اُٹھا اور ہمراہ جنازہ کے عیسائی بھی تھے تب بھی چند کس نے دیدہ و دانستہ نماز جنازہ پڑھی اور استعاطے کرکے قبر پر قرآن پڑھا۔ بعد دخولِ قبر عیسائیوں نے ٹوپی اتار کر سلامی لی۔ پس مسلمانوں کو بحکم شرع میت کے اسلام پر خدشہ صادقہ تھا اور یقین کامل ہُوا، اور بحمیتِ اسلامی اُن سے رُوکش ہُوئے کہ اوروں کو عبرت ہو، کیونکہ بعملداری ہنود تعزیر غیر ممکن، اس خیال سے اُن لوگوں سے مرتدین کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں جب تک توبہ نہ کریں اور اُن کے پیچھے نماز جماعت درست ہے یا ممنوع، اس کے حق میں اور اُن کے مشترک کے حق میں شرعًا کیا حکم ہے؟ مشرح بعبارت کتب بیان فرمائیں۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب

ترکِ صوم و صلوٰۃ و شربِ خمر گناہانِ کبیرہ ہیں جن کا مرتکب فاسق و فاجر اور عذابِ دوزخ کا مستحق ہے مگر حرام جان کر بشامتِ نفس کرے تو کافر نہیں۔ پس اگر شخص مذکور نے مذہب نہ بدلا تھا صرف باغوائے شیطان

---

[1] القرآن ۶/۱۶۴ و ۱۷/۱۵ و ۳۵/۱۸ و ۳۹/۷

دنیا پرستان خدا ناترس کی طرح ان امور کا مرتکب ہوتا اور عیسائیوں سے میل جول رکھتا تھا تو اس پر کفر کا فتوٰی نہیں دیا جاسکتا، بلکہ جب وہ کلمہ پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا مسلمان ہی ٹھہرائیں گے اور اس تقدیر پر اس کے تجہیز و تکفین اور جنازہ کی نماز بیشک ضروری ولازم تھی، اگر بجا نہ لاتے گنہگار رہتے۔

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الصلٰوۃ واجبۃ علیکم علی کل مسلم براکان اوفاجرا وان ھو عمل الکبائر[1] (ملخصاً) رواہ ابوداؤد وغیرہ۔

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے: ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ تم پر فرض ہے نیک ہو یا بد، اگرچہ اس نے گناہِ کبیرہ کئے ہوں۔ اسے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا۔ (ت)

اور نصرانیوں کا معاذ اللہ جنازہ کے ساتھ ہونا یا بعد دفن ٹوپی اتار کر سلامی دینا اُن کا اپنا فعل تھا جس کے سبب مسلمان کو کافر نہیں ٹھہرا سکتے۔ اور یہ بدگمانی کہ اگر یہ اُن کا ہم مذہب نہ ہوتا تو وہ جنازہ میں کیوں شرکت کرتے، محض مردود ہے۔ ایسے اوہام پر بنائے احکام نہیں، نہ کہ معاذ اللہ معاملہ کفر و اسلام جس میں انتہا درجہ کی احتیاط لازم، بلکہ اس کا عکس دوسرا گمان قوی تر ہے کہ اگر وہ اسے اپنا ہم مذہب جانتے، اپنی روش پر تجہیز و تکفین کرتے۔ مسلمانوں کو اس کا جنازہ کیوں دیتے، غرض اس صورت میں نماز پڑھنے والوں نے فرضِ خدا ادا کیا اُن پر اصلاً الزام نہیں۔ الزام اُن پر ہے جو اس بنا پر اُن سے معاملہ مرتدین کرنا چاہیں اور اگر بہ ثبوتِ شرعی ثابت ہو کہ میت عیاذاً باللہ تبدیل مذہب کرکے عیسائی ہوچکا تھا تو بیشک اُس کے جنازہ کی نماز اور مسلمانوں کی طرح اس کی تجہیز و تکفین سب حرام قطعی تھی۔

قال اللہ تعالٰی ولا تصل علٰی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ[2]

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: ان میں سے جو بھی مرے نہ کبھی ان کی نمازِ جنازہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو۔ (ت)

مگر نماز پڑھنے والے اگر اس کی نصرانیت پر مطلع نہ تھے اور بربنائے علم سابق اسے مسلمان سمجھتے تھے نہ اس تجہیز و تکفین و نماز تک اُن کے نزدیک اس شخص کا نصرانی ہوجانا ثابت ہُوا، تو ان افعال میں وہ اب بھی معذور و بے قصور ہیں کہ جب اُن کی دانست میں وہ مسلمان تھا اُن پر یہ افعال بجالاتے بزعم خود شرعاً لازم تھے، ہاں اگر یہ بھی اس کی عیسائیت سے خبردار تھے پھر نماز و تجہیز و تکفین کے مرتکب ہُوئے قطعاً سخت گنہگار اور وبالِ کبیر میں گرفتار ہُوئے، جب تک توبہ نہ کریں نماز اُن کے پیچھے مکروہ،

---

[1] سنن ابی داؤد باب الغزو مع ائمۃ الجور مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۴۳
سنن الدارقطنی باب صفۃ الصلٰوۃ معہ والصلٰوۃ علیہ نشر السنۃ ملتان ۲/۵۶
[2] القرآن ۹/۸۴

كماحكم هو الفاسق المصرح به فی غیر ماکتاب المحرر المنقح فی الغنیۃ وغیرھا۔

جیساکہ یہ فاسق کا حکم ہے جس کی صراحت متعدد کتابوں میں موجود ہے اور جس کی توضیح و تنقیح غنیہ وغیرہا میں ہوچکی ہے۔ (ت)

مگر معاملہ مرتدین پھر بھی برتنا جائز نہیں کہ یہ لوگ بھی اس گناہ سے کافر نہ ہوں گے۔ ہماری شرع مطہر صراطِ مستقیم ہے، افراط و تفریط کسی بات میں پسند نہیں فرماتی، البتہ اگر ثابت ہوجائے کہ اُنھوں نے اُسے نصرانی جان کر نہ صرف بوجہ حماقت وجہالت کسی غرضِ دُنیوی کی نیت سے بلکہ خود اسے بوجہ نصرانیت مستحقِ تعظیم وقابلِ تجہیز وتکفین ونمازِ جنازہ تصور کیا تو بیشک جس جس کا ایسا خیال ہوگا وہ سب بھی کافر و مرتد ہیں اور اُن سے وہی معاملہ برتنا واجب جو مرتدین سے برتا جائے اور ان کی شرکت کسی طرح روا نہیں، اور شریک و معاون سب گنہگار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۶: از لکھیم پور کھیری مکان حافظ محمد حسین سوداگر، مرسلہ حکیم محمد تفضل حسین صاحب ماہ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی اہلِ شیعہ کی نمازِ جنازہ پڑھنا اہلسنت وجماعت کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی قومِ سنّت وجماعت نے نمازِ کسی شیعہ کی جنازہ کی پڑھی تو اُن لوگوں کے لئے شرع میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر رافضی ضروریاتِ دین کا منکر ہے، مثلاً قرآن عظیم میں کچھ سورتیں یا آیتیں یا کوئی حرف صرف امیر المومنین عثمان ذی النورین غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ یا اور صحابہ خواہ کسی شخص کا گھٹایا ہوا مانتا ہے یا مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم خواہ دیگر ائمہ اطہار کو انبیائے سابقین علیہم الصلٰوۃ والتسلیم میں کسی سے افضل جانتا ہے، اور آج کل یہاں کے رافضی تبرائی عموماً ایسے ہی ہیں اُن میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ نکلے جو ان عقائدِ کفریہ کا معتقد نہ ہو جب تو وُہ کافر مرتد ہے اور اس کے جنازہ کی نماز حرام قطعی و گناہِ شدید ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ انھم کفروا باللہ ورسولہ وماتوا وھم فاسقون[1]

کبھی نماز نہ پڑھ اُن کے کسی مُردے پر نہ اُس کی قبر پر کھڑا ہو، اُنھوں نے اللہ و رسول کے ساتھ کفر کیا اور مرتے دم تک بے حکم رہے۔

[1] القرآن ۹/ ۸۴

اور اگر ضروریاتِ دین کا منکر نہیں مگر تبرائی ہے تو جمہور ائمہ وفقہائے عظام کے نزدیک اس کا بھی وہی حکم ہے کما فی الخلاصۃ وفتح القدیر وتنویر الابصار والدرالمختار والھدایۃ وغیرھا عامۃ الاسفار۔ جیسا کہ خلاصہ، فتح القدیر، تنویرالابصار، درمختار، ہدایہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے۔ (ت)

اور اگر صرف تفضیلیہ ہے تو اُس کے جنازے کی نماز بھی نہ چاہیے، متعدد حدیثوں میں بدمذہبوں کی نسبت ارشاد ہُوا: ان ماتوا فلاتشھدوھم[1] وہ مریں تو ان کے جنازہ پر نہ جائیں۔ ولا تصلوا علیھم[2] ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو۔ نماز پڑھنے والوں کو توبہ استغفار کرنی چاہیے۔ اور اگر صورت پہلی تھی یعنی وُہ مُردہ رافضی منکرِ بعض ضروریاتِ دین تھا اور کسی شخص نے باآں کہ اُس کے حال سے مطلع تھا دانستہ اس کے جنازے کی نماز پڑھی اُس کے لئے استغفار کی جب تو اُس شخص کو تجدیدِ اسلام اور اپنی عورت سے ازسرِ نو نکاح کرنا چاہیے۔

فی الحلیۃ نقلا عن القرافی واقرہ الدعاء بالمغفرۃ للکافر کفر لطلبہ تکذیب اللہ تعالٰی فیما اخبربہ[3] حلیہ میں قرافی سے نقل کیا اور اسے برقرار رکھا ہے کہ: کافر کے لئے دُعائے مغفرت کفر ہے کیونکہ یہ خبرِ الٰہی کی تکذیب کا طالب ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۷: از شمس برج وزیر آباد ضلع گوجرانوالا، پنجاب۔ مرسلہ محمد خلیل اللہ صاحب پنشنر رسالدار، ۲۳ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل صُورت میں کہ ایک شخص جو شیعہ اثنا عشری مذہب رکھتا ہے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی خلیفۃ بلا فصل وغیرہ اعتقاداتِ مذہبِ شیعہ کا معتقد ہے فوت ہُوا ہے اُس کا جنازہ ہمارے امام حنفی المذہب جامع مسجد نے پڑھایا اور اُس کو غسل دیا، نیز اُس کے ختم میں شامل ہُوا، شیعہ جماعت نے امام مذکور کے نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد دوبارہ

---

[1] تاریخ بغداد ترجمہ ۴۲۰۳ الحسین بن الولید الخ دارالکتاب العربی بیروت ۸/۱۴۳
سنن ابن ماجہ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰
مسند امام اعظم بیان ذم القدریۃ " نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۱۴

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن النجار عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۳۲۵۲۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/۵۴۰

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

شیعہ امام سے متوفی مذکور کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ کیا امام مذکور حنفی المذہب کا یہ فعل ائمۂ احناف کے نزدیک جائز ہے۔ اگر ناجائز ہے تو کیا امام صاحب مذکور کا یہ فعل شرعاً قابلِ تعزیر ہے اور کیا تعزیر ہونی چاہئے ؟

الجواب

صورتِ مذکورہ میں وہ امام سخت اشد کبیرہ گناہ کا مرتکب ہُوا، اُس نے حکمِ قرآنِ عظیم کا خلاف کیا،

قال اللّٰہ تعالٰی ولا تصل علٰی احد منھم مات ابدًا[1]۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے، ان کے کسی مُردے کی نمازِ جنازہ کبھی نہ پڑھو۔ (ت)

تعزیر یہاں کون دے سکتا ہے، اس کی سزا حاکمِ اسلام کی رائے پر ہے، وہ چاہتا تو بچھپڑکوٹے لگاتا اور چاہتا تو قتل کر سکتا تھا کہ اُس نے مذہب کی توہین کی۔ اُس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور اُسے امامت سے معزول کرنا واجب۔ تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے،

لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعًا[2]۔ اس لئے کہ اسے امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے جبکہ شرعًا ان پر اس کی اہانت واجب ہے (ت)

فتاوٰی حجہ و غنیہ میں ہے، لوقدموا فاسقا یاثمون[3] (اگر لوگوں نے کسی فاسق کو امام بنایا تو گنہگار ہوں گے۔ ت) یہ سب اس صورت میں ہے کہ اس نے کسی دنیوی طمع سے ایسا کیا ہو، اور اگر دینی طور پر اسے کارِ ثواب اور رافضی تبرائی کو مستحقِ غسل و نمازِ جنازہ جان کر یہ حرکاتِ مردودہ کیں تو وہ مسلمان ہی نہ رہا۔ اگر عورت رکھتا ہو اُس کے نکاح سے نکل گئی کہ آج کل رافضی تبرائی عمومًا مرتدین ہیں کما حققناہ فی رد الرفضۃ (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "ردالرفضہ" میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) اور بحکمِ فقہائے کرام تو نفسِ تبرا کفر ہے کما فی الخلاصۃ و فتح القدیر وغیرھا کتب کثیرۃ (جیسا کہ خلاصہ اور فتح القدیر وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے۔ ت) نہ کہ نمازِ جنازہ کما فی الاعلام وغیرہ وبیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ الاعلام بقواطع الاسلام میں ہے اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۹/۸۴

[2] تبیین الحقائق باب الامامۃ والحدث فی الصلٰوۃ مطبوعہ مطبعہ کبرٰی امیریہ مصر ۱/۱۳۴

[3] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

مسئلہ ۳۸ از چتور گڑھ محلہ چھیپیان مسئولہ جمیع مسلمان گنگرار ۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اگر ہجڑہ مرجائے اُس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ اور پڑھی جائے تو نیت مرد کی کی جائے یا عورت کی؟

الجواب

ہجڑہ اگر مسلمان ہے تو اُس کے جنازہ کی نماز فرض ہے اور نیت میں مرد و عورت کی تخصیص کی کوئی حاجت نہیں۔ مرد و عورت دونوں کے لئے ایک ہی دُعا ہے، خصوصاً یہ ہجڑے جو یہاں ہوتے ہیں مرد ہی ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو عورت بناتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۹ از مین پوری مسئولہ مجیب اللہ صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نمازِ جنازہ کے لئے امامت میں احق افضل کون ہے؟ کیا امام جامع مسجد یا قاضی اس معنٰی میں کہ نکاح خوانی کرتا ہو اور لیاقت کچھ نہیں رکھتا، صرف معمولی اُردو کی کتابیں دیکھے ہُوئے ہو وُہ بلا اذن طلب کئے میّت کے ورثاء یا اولیاء سے نمازِ جنازہ پڑھا سکتا ہے؟ اور بموجودگی کسی افضل و اعلم بالسنۃ عالم واحق بالامامۃ اُس کا نماز پڑھانا کیسا ہے؟ یہ جو عام طور پر رائج کہ اوّل وارث یا ولیِ میّت سے اذن لیتے ہیں نماز پڑھانے کا یہ کیا کچھ ضروری چیز ہے؟ اور کون امام بلا اذن طلب کئے بھی نماز پڑھا سکتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

نمازِ جنازہ ولیِ میّت کا حق ہے، دُوسرا کہ اس کے اذن کا محتاج ہے، اگر بے اُس کے اذن کے پڑھائے اُسے اعادہ نماز جائز ہے حالانکہ نمازِ جنازہ کی تکرار مشروع نہیں۔ نکاح خوانی کا قاضی کوئی عہدۂ شرعی نہیں وُہ بے اذنِ ولی ہرگز نہیں پڑھا سکتا۔ یُونہی جامع مسجد کا امام اگر میّت جمعہ وغیرہ اُس کے پیچھے نہ پڑھتا ہو یا وُہ علم وفضل میں ولیِ میّت سے زائد نہ ہو۔ اسی طرح امام الحی یعنی مسجد محلہ کا امام، ہاں اگر میّت اُن کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا۔ اور یہ فضلِ دینی میں ولی سے زائد ہیں تو بے اذنِ ولی پڑھا سکتے ہیں اور اور اصحابِ ولایتِ عامہ مثلاً سلطانِ اسلام یا اُس کا نائب، حاکمِ شہر یا اس کا نائب، قاضیِ شرع جسے سلطانِ اسلام نے فصلِ مقدمات پر مقرر کیا یا اس کا نائب، یہ لوگ ولی پر مقدم ہیں، انھیں ولی سے اجازت لینے کی مطلقاً حاجت نہیں، اور صورتِ مذکورہ کے علاوہ دونوں امام اور یہ والیانِ عام اگر نماز پڑھا دیں تو ولی کو حقِ اعادہ نہیں، باقی سب محتاجِ اذنِ ولی ہیں، اگر بے اذن پڑھائیں گے حقِ غیر میں دست اندازی کے مرتکب ہوں گے مگر فرضِ کفایہ ادا ہو جائے گا۔ ولی نے اگر ان کی اقتدا کرلی فبہا کہ اذن ابتدا میں نہ تھا تو اب ہوگیا

اور اگر اقتدا نہ کی تو اُسے جائز ہے کہ دوبارہ پڑھے، اور جو پہلی جماعت میں شریک نہ ہو لئے تھے انھیں اس جماعتِ ولی میں شرکت کی اجازت ہے۔ تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

یقدم فی الصلوۃ علیہ السلطان او نائبہ (الاولی ثم نائبہ کما فی الفتح وغیرہ ش) ثم القاضی (ثم خلیفۃ الوالی ثم خلیفۃ القاضی امداد عن الزیلعی ش) ثم امام الحی وتقدیم الولاۃ واجب وتقدیم امام الحی مندوب بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولٰی کما فی المجتبی (قلت عن البقالی) وشرح المجمع للمصنف (قلت عن العتابی) و امام الحی وھو امام المسجد الخاص بالمحلۃ وانما کان اولی لان المیت رضی بالصلوۃ خلفہ فی حال حیاتہ فینبغی ان یصلی علیہ بعد وفاتہ ش) وفی الدرایۃ امام الجامع (عبر عنہ فی شرح المنیۃ بامام الجمعۃ ش) اولی من امام الحی (قلت والظاھر ان تقدیمہ ایضا ندبی بشرط کونہ افضل من الولی والعلۃ فیہ ایضا کون المیت رضیہ اماما لہ فی حیاتہ فلو لم یکن من یصلی الجمعۃ کالمرأۃ مثلا او کان یصلی خلف غیرہ لم یقدم علی امام الحی ولا علی الولی وکذا امام الحی اذا لم یکن المیت یصلی خلفہ لا یقدم علی الولی قال ش

نمازِ جنازہ میں مقدم سلطان ہے یا اس کا نائب (بہتر یہ کہنا ہے کہ، پھر اس کا نائب، جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے ــ شامی) پھر قاضی (پھر حاکمِ شہر کا نائب، پھر قاضی کا نائب ــ امداد ــ از زیلعی ــ شامی) پھر امامِ محلہ اور حکام کی تقدیم واجب ہے اور امامِ محلہ کی تقدیم مستحب ہے بشرطے کہ ولی سے افضل ہو، ورنہ ولی بہتر ہے جیسا کہ مجتبٰی میں (میں کہتا ہوں: بقالی سے منقول) ہے اور مصنف کی شرح مجمع میں (میں کہتا ہوں: عتابی سے منقول) ہے (امامِ محلہ سے مراد وہ جو مسجدِ محلہ کا امام ہو، اس کے اولٰی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرنے والے نے زندگی میں اس کی اقتدا پسند کی تو بعد وفات اس کی نمازِ جنازہ اسی کو پڑھانا چاہئے ــ شامی) درایہ میں ہے کہ امام جامع مسجد (شرح منیہ میں اسے امام جمعہ سے تعبیر کیا ــ شامی) امامِ محلہ سے بہتر ہے۔ (میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس کی تقدیم بھی استحبابی ہے بشرطے کہ ولی سے افضل ہو۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مرنے والے نے زندگی میں اسے اپنا امام پسند کیا، تو میّت اگر جمعہ پڑھنے والا نہیں جیسے عورت، یا دوسرے کے پیچھے پڑھنے والا ہے تو امامِ جمعہ امامِ محلہ پر اور ولی پر مقدم نہ ہوگا۔ اسی طرح امامِ محلہ جب ایسا ہو کہ مرنے والا اُس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تھا تو وہ بھی ولی پر مقدم نہ ہوگا۔ شامی

لما یأتی من ان الاصل ان الحق للولی وانما قدم علیہ الولاۃ و امام الحی لما مر من التعلیل وھو غیر موجود ھنا) ثم الولی بترتیب عصوبۃ الانکاح، فان صلی غیر الولی ممن لیس لہ حق التقدم علی الولی ولم یتابعہ عاد الولی ولو علی قبرہ ان شاء لاجل حقہ لا لاسقاط الفرض ولذا لیس لمن صلی علیہا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع[2] انتہی مزیدا منی کل مصدر بلفظۃ قلت مختوما بھلال۔ واللہ سبحنہ و تعالٰی اعلم۔

نے کہا اس لئے کہ آگے آرہا ہے کہ اصل میں حق ولی کا ہے، اس پر حکام اور امام محلہ کی تقدیم تعلیل مذکور کے باعث تھی وہ علت ہی یہاں موجود نہیں) پھر ولی جو نکاح کرانے میں عصبہ ہونے کی ترتیب کے اعتبار سے ہے تو اگر ولی کے علاوہ کسی ایسے نے نماز پڑھی جسے ولی پر حق تقدم حاصل نہیں اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی پھر پڑھ سکتا ہے اگرچہ قبر پر، اگر چاہے۔ یہ اجازت اس کے حق کے سبب ہے، اس وجہ سے نہیں کہ فرض جنازہ ادا نہ ہُوا۔ اسی لئے پہلے جو لوگ پڑھ چکے ہوں انھیں ولی کے ساتھ اعادہ کی اجازت نہیں اس لئے کہ نمازِ جنازہ کی تکرار غیر مشروع ہے۔ عبارت ختم ہُوئی۔ درمیان میں ہلالین کے اندر قلت (میں کہتا ہُوں) کے ساتھ حوالوں کا میری جانب سے اضافہ ہے، اور خدائے پاک و برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ از ملک بنگال ضلع سلہٹ ڈاک خانہ ادم پور، لھورمرا، مرسلہ حافظ عبدالحمید صاحب امام مسجد ۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ خدیجہ بی بی زوجہ مولوی عبدالحکیم صاحب رحلت نمود درحق صلٰوۃ جنازہ ولی زن شوہرش باشد یا پدرش و برادران وعمام اومگر پدر وغیرہ اقارب مذکورین جاہلان بے علم اند بخلاف شوہر، نیز از جانب شوہر عم او حافظ عبدالحی امام الحی موجود ست

آپ رحمکم اللہ تعالٰی کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے کہ خدیجہ بی بی زوجہ عبدالحکیم صاحب کا انتقال ہوا، نمازِ جنازہ کے حق میں عورت کا ولی اس کا شوہر ہوگا یا باپ، بھائی، چچا؟ مگر باپ وغیرہ اقارب مذکورین جاہل بے علم ہیں، جب کہ شوہر صاحبِ علم ہے اور شوہر کی جانب سے اس کے چچا حافظ

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳-۱۲۲
[2] ردالمحتار " مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۵۹۰

12

پس ولایتِ نماز در صورت مذکورہ از ینان کراست مخفی مباد کہ از دوسال علمائے سلہٹ دریں مسئلہ باہم اختلافہا دارند۔ اُمید کہ رفع شک فرمایند۔ بینوا توجروا۔

عبد الحمید امامِ محلہ بھی موجود ہیں، تو صورتِ مذکورہ میں نماز کی ولایت ان میں سے کس کے لئے ہے۔ واضح ہو کہ دوسال سے سلہٹ کے علماء اس مسئلہ میں باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ شک دُور فرمائیں گے۔ بیان فرمائیں اجر پائیں۔

الجواب

در ولایتِ نمازِ جنازہ شوہر از ہمہ اقارب موخر ست ایں ولایت ہمچو ولایت نکاح بترتیب عصوبت و قرابت اقرب فالاقرب را رسد اگر ازیناں ہیچکس نباشد آنگاہ شوھر مقدم بود۔

نمازِ جنازہ کی ولایت میں شوہر تمام اقارب کے بعد ہے۔ یہ ولایت، ولایتِ نکاح کی طرح عصبہ ہونے اور قریبی ہونے کی ترتیب پر قریب تر پھر قریب تر کے لئے ہوتی ہے --- اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو اُس وقت شوہر مقدم ہوگا۔

وجہل آناں مانع حق آناں نیست، ایشاں را رواست کہ ہر کرا خواہند بامامت امر کنند۔ مامور ایشاں ہمچو ایشاں مقدم بر زوج بود کہ متاخر را اگرچہ خود عصبہ باشد با مامور متقدم حقِ منازعت نیست گو اجنبی باشد۔

اور ان کا جہل ان کے حق سے مانع نہیں، ان کے لئے روا ہے کہ جسے چاہیں امامت کا حکم دے دیں، ان کا مامور بھی ان ہی طرح شوہر پر مقدم ہوگا کہ متاخر کو --- اگرچہ عصبہ ہو --- مامور کے ساتھ نزاع کا حق نہیں، گو وہ اجنبی ہو۔

وآں کہ امام الحی را استحباباً تقدیم دادہ اند بحکم تعلیل و نظر بزمانِ خاص و در جنازہ مردان ست۔ زنان را با مسجد و امام چہ کار کہ ایشاں نہ حاضر جماعت می شوند نہ شرعاً اجازتش دادند پس در صورت مستفسرہ ولایتِ نماز پدرِ خدیجہ را بود۔

اور امامِ محلہ کو جو تقدیم دی گئی ہے اس کی علت اور زمانہ حال پر نظر کرتے ہوئے --- وہ مردوں کے جنازے سے خاص ہے۔ عورتوں کو مسجد اور امام سے کیا کام کہ نہ یہ حاضرِ جماعت ہوتی ہیں نہ ان کو شرعاً اس کی اجازت ہی ہے --- تو صورتِ مسئولہ میں نماز کی ولایت خدیجہ کے والد کی ہوگی۔

آرے اگر خدیجہ از مولوی عبد الحکیم پسرے عاقل بالغ داشتے حقِ تقدم مر اورا بودے کہ پسر بر پدر در عصوبت مرجح است و آں پسر را

ہاں اگر خدیجہ کا مولوی عبد الحکیم سے کوئی عاقل بالغ لڑکا ہوتا تو اسے حقِ تقدم ہوتا کیونکہ عصبہ ہونے میں بیٹے کو باپ پر ترجیح حاصل ہے --- اور اس لڑکے کو

شرع فرمودے کہ پدرِ خود مولوی عبدالحکیم را تقدیم دہ وبپاسِ ادب پیشِ او پامنہ بایں صورت مولوی عبدالحکیم را تقدم بودے۔

شریعت حکم دیتی ہے کہ اپنے باپ مولوی عبدالحکیم کو آگے کر، اور ادب کا لحاظ کرکے اس کے آگے قدم نہ رکھ۔ اس طرح مولوی عبدالحکیم کو تقدم ہوجاتا۔

فی الدرالمختار یقدم فی الصلوٰۃ علیہ السلطان ان حضر او نائبہ وھو امیرالمصر (ثم القاضی) ثم صاحب الشرط ثم خلیفتہ ثم خلیفۃ القاضی (ثم امام الحی) فیہ ایھام وذلک ان تقدیم الولاۃ واجب وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولٰی (ثم الولی) بترتیب عصوبۃ الانکاح الا الاب فیقدم علی الابن اتفاقا الا ان یکون عالما والاب جاھلا فالابن اولٰی فان لم یکن لہ ولی فالزوج ثم الجیران ولہ ای للولی ومثلہ کل من یقدم علیہ (الاذن لغیرہ فیھا) لانہ حقہ فیملک ابطالہ (الا) انہ (ان کان ھناک من یساویہ فلہ) ای لذلک المساوی ولو اصغر سنا (المنع) لمشارکتہ فی الحق اما البعید فلیس لہ المنع اھ باختصار۔[1]

درمختار میں ہے: نماز جنازہ پڑھانے میں مقدم سلطانِ اسلام ہے اگر وہ موجود ہو یا اس کا نائب، یہ شہر کا حاکمِ اسلام ہے۔ پھر قاضی، پھر کوتوال، پھر اس کا خلیفہ پھر قاضی کا خلیفہ، پھر امام محلہ۔ اس میں برابری کا ایہام ہے اور حکم یہ ہے کہ حکام کی تقدیم واجب ہے اور امام محلہ کی تقدیم صرف مندوب ہے بشرطے کہ ولی سے افضل ہو، ورنہ ولی بہتر ہے۔ پھر ولی نکاح کرانے میں عصبہ ہونے کی جو ترتیب ہے وہی یہاں بھی ہوگی مگر باپ کہ وہ بیٹے پر یہاں بالاتفاق مقدم ہے لیکن اگر بیٹا عالم اور باپ جاہل تو بیٹا اولٰی ہے۔ اگر کوئی ولی نہ ہو تو شوہر، پھر ہمسائے۔ ولی کو اور اسی کی طرح ہر اس شخص کو جسے دوسروں پر تقدم ہے یہ حق حاصل ہے کہ کسی اور کو اذن دے دے کیونکہ یہ اس کا حق ہے تو اسے باطل کرنے کا اسے اختیار ہوگا۔ لیکن وہاں اگر کوئی اس کے مساوی ہو تو اسے۔ اگرچہ وہ عمر میں چھوٹا ہی ہو۔ دوسرے کو روکنے کا حق حاصل ہے کیونکہ حق میں وہ اس کا شریک ہے۔ ہاں بعید کو روکنے کا اختیار نہیں اھ باختصار۔

وفی ردالمحتار قولہ (ثم امام الحی)

ردالمحتار میں ہے: امام محلہ اس لئے اولٰی ہے

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲

وانما کان اولی لان المیت رضی بالصلوٰۃ خلفہ فی حال حیاتہ فینبغی ان یصلی علیہ بعد وفاتہ قال فی شرح المنیۃ فعلی ھذا لو علم انہ کان غیر راض بہ حال حیاتہ ینبغی ان لایستحب تقدیمہ اھ قلت ھذا مسلم ان کان عدم رضاہ بہ لوجہ صحیح والا فلا تامل[1] اھ ما فی ردالمحتار ورأیتنی کتبت علی ھامشہ مانصہ۔

کہ مرنے والا اپنی زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے پر راضی تھا تو بعد وفات بھی اسی کو پڑھانا چاہئے ــــ شرح منیہ میں ہے: اس تعلیل کے پیش نظر اگر وہ زندگی میں اس سے راضی نہ تھا تو اس کی تقدیم مستحب نہ ہونی چاہئے اھ ــــ میں کہتا ہوں یہ اس صورت میں مسلّم ہے جب اس کی ناراضی کسی صحیح وجہ کے تحت ہو ورنہ نہیں ــــ تامل کرو ــــ ردالمحتار کی عبارت ختم ہوئی ــــ میں نے دیکھا کہ اس کے حاشیہ پر میں نے یہ لکھا ہے:

اقول سیأتی بعد سطران الحق انما ھو للولی وانما یستحب تقدیم امام الحی لاجل التعلیل المذکور فاذا فاتت العلۃ فلیفت المعلول ولا دخل فی ذلک لکون عدم رضاہ بوجہ صحیح فلیتامل۔

اقول چند سطر بعد آرہا ہے کہ حق ولی ہی کا ہے اور امام محلہ کی تقدیم تعلیل مذکور کے باعث مستحب ہے تو جب یہ علت فوت ہو تو معلول بھی فوت ہوگا اور اس میں کسی وجہ صحیح کے تحت اس کی ناراضی ہونے کو کوئی دخل نہیں ــــ تامل کرنا چاہئے۔

ثم قال فی ردالمحتار واما امام مصلی الجنازۃ الذی شرطہ الواقف وجعل لہ معلوما من وقفہ فھل یقدم علی الولی کامام الحی ام لا للقطع بان علۃ الرضا بالصلوٰۃ خلفہ فی حیاتہ خاصۃ بامام المحلۃ واستظھر المقدسی انہ کالاجنبی مطلقا لانہ انما یجعل للغرباء ومن لاولی لہ

آگے ردالمحتار میں ذکر ہے کہ: اب سوال یہ ہے کہ وہ امام جو جنازہ پڑھانے کے لئے مقرر ہو جس کی وقف کرنے والے نے شرط کی ہے اور وقف سے اس کے لئے تنخواہ مقرر کردی ہے کیا امام محلہ کی طرح وہ بھی ولی پر مقدم ہوگا یا مقدم نہ ہوگا؟ کیونکہ قطعی بات ہے کہ زندگی میں اقتدا سے راضی ہونے کی علت صرف امام محلّہ کے حق میں ہے ــــ امام مقدسی نے اظہار فرمایا کہ وہ بالکل اجنبی کی طرح ہے کیونکہ اس کا تقرر مسافروں اور ایسے مُردوں کیلئے ہوتا ہے جن کا کوئی ولی نہ ہو۔

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹

اقول وھذا اولی لما یاتی من ان الاصل ان الحق للولی وانما قدم علیہ الولاۃ وامام الحی لما مر من التعلیل وھو غیر موجود ھنا ، والفرق بینہ وبین الامام الراتب ظاھر لانہ لو یرضہ للصلوٰۃ خلفہ فی حیاتہ بخلاف الراتب، قال فی شرح المنیۃ الاصل ان الحق فی الصلوٰۃ للولی ولذا قدم علی الجمیع فی قول ابی یوسف وروایۃ عن ابی حنیفۃ لان ھذا حکم یتعلق بالولایۃ کالانکاح الا ان الاستحسان وھو ظاھر الروایۃ تقدیم السلطان ونحوہ لما مر من الوجہ

قولہ (بترتیب عصوبۃ الانکاح فلا ولایۃ للنساء ولا للزوج الا انہ احق من الاجنبی قلت والظاھر ان ذوی الارحام داخلون فی الولایۃ ، والتقیید بالعصوبۃ لاخراج النساء فقط فھم اولی من الاجنبی وھو

اقول (میں کہتا ہوں) یہ بہتر ہے اس لئے کہ آگے آرہا ہے کہ اصل یہ ہے کہ حق ولی کا ہے اس پر حکام اور امام محلہ کی تقدیم تعلیل مذکور کے سبب ہے اور وہ علت یہاں موجود نہیں — اور اس امام جنازہ اور پنجگانہ کے امام مقرر کے درمیان فرق ظاہر ہے اس لئے کہ اس نے زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کیا جبکہ امام مقرر کا حال یہ نہیں۔ شرح منیہ میں ہے کہ اصل یہ ہے کہ نماز کا حق ولی کو ہے ، اسی لئے امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام ابو حنیفہ سے ایک روایت میں وہ سب سے مقدم ہے۔ اس لئے کہ یہ ایسا حکم ہے جس کا تعلق ولایت سے ہے جیسے نکاح کرانے کا معاملہ ہے ، مگر استحسان یہ ہے کہ یہاں سلطان وغیرہ مقدم ہوں جس کی وجہ بیان ہو چکی اور یہی ظاہر الروایہ ہے۔

عبارت درمختار (نکاح کرانے میں عصبہ ہونے کی جو ترتیب ہے وہی ہو گی) اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے یہ ولایت نہیں ، اور شوہر کے لئے بھی نہیں مگر وہ اجنبی سے زیادہ حقدار ہے — میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ ذوی الارحام بھی ولایت میں داخل ہیں اور عصبہ ہونے کی قید صرف عورتوں کو خارج کرنے کیلئے ہے

ظاهر یؤیده تعبیر الهدایة بولایة النکاح،
قوله (فیقدم علی الابن اتفاقا)
هو الاصح وقیل هذا قول محمد
وعندهما الابن اولٰی قال فی الفتح
انما قدمنا الاسن بحدیث القسامة
لیتکلم اکبرهما وهذا یفید ان
الحق للابن عندهما الا ان السنة
ان یقدم اباه ویدل علیه
قولهم سائر القرابات اولٰی من
الزوجات لم یکن له منها ابن
فان کان فالزوج اولٰی منهم
لان الحق للابن وهو یقدم
اباه ولا یبعد ان یقال ان
تقدیمه علی نفسه واجب
بالسنة اھ، وفی البدائع وللابن
فی حکم الولایة ان یقدم
غیره لان الولایة له وانما
منع عن التقدم لئلا
یستخف بابیه فلم تسقط ولایته
بالتقدیم قوله (الا ان یکون الخ
قال فی البحر ولو کان
الاب جاهلا والابن عالما
ینبغی ان یقدم الابن الا
ان یقال ان صفة العلم
لا توجب التقدیم فی صلوٰة

تو وہ اجنبی سے اولٰی ہوں گے ۔ اور یہ ظاہر ہے
جس کی تائید ہدایہ کے الفاظ "ولایتِ نکاح" سے ہوتی
ہے ــــ عبارت درمختار (باپ بیٹے پر یہاں بالاتفاق
مقدم ہے) یہی اصح ہے۔ اور کہا گیا کہ یہ امام محمد کا قول
ہے اور شیخین (امام اعظم و امام ابو یوسف) کے
نزدیک بیٹا اولٰی ہے ــــ فتح القدیر میں ہے ہم نے
زیادہ عمر والے کو مقدم کیا حدیثِ قسامت کے پیشِ نظر،
جس میں ہے کہ "دونوں میں جو زیادہ بڑا ہے وُہ کلام
کرے" ــــ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ شیخین کے
نزدیک حق بیٹے کا ہے۔ مگر سنّت یہ ہے کہ وُہ اپنے
باپ کو آگے کرے اس پر علماء کا یہ کلام دلالت کرتا
ہے: دیگر اہلِ قرابت شوہر سے اولٰی ہیں اگر شوہر کا
اُس عورت سے کوئی بیٹا نہ ہو، اگر ہو تو شوہر اُن سے
اَولٰی ہے۔ اس لئے کہ حق بیٹے کا ہے اور وُہ اپنے
باپ کو آگے کرے گا ــــ اور یہ کہنا بعید نہ ہوگا کہ
بیٹے کا باپ کو اپنی ذات پر مقدم کرنا از رُوئے حدیث
واجب ہے اھ ــــ بدائع میں ہے: حکمِ ولایت کے
تحت بیٹے کو یہ اختیار ہے کہ کسی اور کو آگے بڑھائے
اس لئے کہ ولایت اُسے حاصل ہے اور خود آگے
بڑھنے سے اس کو اس لئے روکا گیا کہ اپنے باپ کی
بے ادبی کا مرتکب نہ ہو، تو دوسرے کو آگے بڑھانے
کا حق اُس سے نہ گیا۔

عبارتِ درمختار (مگر یہ کہ بیٹا عالم ہو) ۔ بحر میں
ہے: اگر باپ جاہل اور بیٹا عالم ہو تو بیٹے کو
آگے کرنا چاہئے ۔ مگر یہ کہا جائے کہ علم نماز جنازہ میں

الجنازۃ لعدم احتیاجہ الیہ واعترضہ فی النھر بما مرمن ان امام الحی انما یقدم علی الولی اذا کان افضل قال نعم علل القدوری کراھۃ تقدم الابن علی ابیہ بان فیہ استخفافا بہ وھذا یقتضی وجوب تقدیمہ مطلقا اھ قلت وھذا مؤید لما مر عن الفتح[1] اھ ما فی ردالمحتار ملخصا ملتقطا وفی الخانیۃ ثم الھندیۃ من الصلوۃ ، رجل بنی مسجدا وجعلہ للہ تعالٰی فھو احق الناس بمرمتہ وعمارتہ والاذان والاقامۃ والامامۃ ان کان اھلا لذلک ، فان لم یکن فالرای فی ذلک الیہ[2] اھ (ملخصا) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

تقدم کا موجب نہیں کیونکہ اس میں علم کی ضرورت نہیں۔ اس پر نہر میں یہ اعتراض ہے کہ امام محلہ ولی پر اُسی وقت تقدم پاتا ہے جب اُس سے افضل ہو۔ ہاں قدوری نے باپ پر بیٹے کا تقدم مکروہ ہونے کی علت یہ بتائی کہ اس میں باپ کی اہانت وبے ادبی ہے، اس علت کا تقاضا یہ ہے کہ باپ کی تقدیم مطلقًا ضروری ہے اھ ــ میں کہتا ہوں اس سے اس کلام کی تائید ہو رہی ہے جو فتح القدیر کے حوالے سے گزرا۔ تلخیص وانتخاب کے ساتھ ردالمحتار کا مضمون ختم ہوا۔

خانیہ پھر ہندیہ کتاب الصلوۃ میں ہے: کسی شخص نے مسجد تعمیر کی اور اُسے خدا کے لئے وقف کر دیا تو اس کی مرمت، عمارت، اذان، اقامت اور امامت کا وُہ سب لوگوں سے زیادہ حقدار ہے اگر وُہ اس کا اہل ہو ورنہ اس بارے میں رائے اُسی کی لی جائے گی اھ (یعنی دوسرے کو مقرر کرنے کا حق اسی کو ہوگا) اور خدائے پاک و برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۲: موضع بکہ جیلی والا علاقہ جاگل، تھانہ ہری پور ڈاک خانہ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۱۴ جمادی الاخرہ ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت اگرچہ بالغ ہو یا نابالغ ہو اُس کے جنازہ میں ولی داخل نہیں ہُوا تو اس کا جنازہ ہُوا یا نہیں؟

الجواب

نماز ہوگئی مگر جو نمازِ جنازہ بے اجازت ولی پڑھی جائے ولی کو اختیار ہے کہ دوبارہ پڑھے۔ مگر جو پہلے پڑھ

---

[1] ردالمحتار باب صلوۃ الجنائز مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۴۹-۵۰

[2] فتاوی ہندیۃ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوۃ الخ ؍؍ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۰

چکے ہیں وُہ دوبارہ نہیں پڑھ سکتے۔ پھر یہ بھی اُس صورت میں ہے کہ پہلی نماز کسی ایسے نے پڑھی جس پر ولی کو ترجیح تھی، ورنہ اگر مثلاً بادشاہِ اسلام یا قاضیِ شرع یا امامِ حی نے نماز پڑھادی تو ولی کو اعادہ کا اختیار نہیں کہ وُہ اس بات میں ولی سے مقدم ہیں۔

فی الدر المختار یقدم فی الصلوٰۃ علیہ السلطان او امیر المصر ثم القاضی ثم امام الحی ثم الولی فان صلی غیر الولی من لیس لہ حق التقدم علی الولی ولم یتابعہ الولی اعاد الولی ولو علی قبرہ ان شاء لاجل حقہ لا لاسقاط الفرض ولذا قلنا لیس لمن صلی علیہا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع وان صلی من لہ حق التقدم کقاض او نائبہ او امام الحی او من لیس لہ حق التقدم وتابعہ الولی لا یعید[1] اھ مختصراً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے: میت کی نماز پڑھنے میں مقدم بادشاہ یا والیِ شہر ہے پھر قاضی پھر امامِ محلہ پھر ولی ــــ اگر ولی کے علاوہ ایسے شخص نے جس کو ولی پر تقدم کا حق حاصل نہیں، نماز جنازہ پڑھ لی اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی اگر چاہے تو دوبارہ پڑھ سکتا ہے خواہ قبر پر ہی پڑھے، اسے یہ اختیار اپنے حق کے سبب ہے اس لئے نہیں کہ فرضِ جنازہ ادا نہ ہُوا تھا اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ پہلے جو پڑھ چکے تھے وہ ولی کے ساتھ ہوکر دوبارہ نہیں پڑھ سکتے ــــ اس لئے کہ نمازِ جنازہ کی تکرار جائز نہیں ــــ اور اگر پہلے ایسے شخص نے پڑھی جسے ولی پر تقدم کا حق حاصل ہے جیسے قاضی یا نائبِ قاضی یا امامِ محلہ یا ایسے شخص نے پڑھی جسے حقِ تقدم حاصل نہیں مگر ولی نے اس کی متابعت کر لی تھی تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتا اھ مختصراً (ت)

مسئلہ ۱۴۲ ازبریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب سلمہ اللہ تعالٰی ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

چہ مے فرمایند علمائے کرام دریں مسئلہ کہ بوقتِ نمازِ مغرب جنازہ بیاید تقدیم نمازِ فرض باید یا نمازِ میت۔

اس مسئلہ میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ مغرب کے وقت جنازہ آئے تو پہلے نمازِ فرض کی ادائیگی ہو یا نمازِ جنازہ کی؟

الجواب

نمازِ مغرب را تقدیم باید کما فی ردالمحتار بلکہ سنن راتبہ نیز بہ یفتی کما فی البحر وغیرہ

پہلے نمازِ مغرب ادا کرنا چاہیے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے بلکہ مقررہ سُنّتوں کو بھی ادا کرلینا چاہیے۔ اسی پر

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲-۱۲۳

اقول آرے اگرضرورت داعیہ بتقدیم جنازہ است مثلاً شکمِ مُردہ منتفخ شد و اندیشہ است کہ اگر دیر کنند منشق شود و ہنوز در وقت سعتے ست کہ بتقدیم جنازہ فوت نہ شود آنگاہ لاجرم تقدیم جنازہ مے شاید بالاتفاق کما لایخفی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتویٰ ہے جیساکہ بحر وغیرہ میں ہے **اقول** ہاں اگرضرورت پہلے ادائے جنازہ کی طالب ہے مثلاً مُردہ کا پیٹ پھُولا ہوا ہے اور اندیشہ ہے کہ اگر دیر کریں تو پھٹ جائے گا، اور ابھی وقت میں اتنی وسعت ہے کہ جنازہ پہلے ادا کرنے سے مغرب فوت نہ ہوگی تو ایسے وقت میں ناچار، بالاتفاق نمازِ جنازہ کی ادائیگی پہلے ہوگی، جیساکہ پوشیدہ نہیں واللہ تعالیٰ اعلم (ت)۔

مسئلہ ۴۳ ۸ شوال ۱۳۳۸ھ

ظُہر کی نماز کا وقت ابھی شروع ہُوا پھر جنازہ بھی آیا، اور وقت بہت ہے، اب کون نماز مقدم ہو، اور سنّت کس وقت؟

الجواب

جب وقتِ ظُہر وسیع ہے جنازے کی تقدیم کریں، ہاں اگر جنازہ لے جانے والے بھی اسی جماعتِ ظہر میں شریک ہوں گے کہ اگر جنازہ کی نماز پہلے ہوجائے جب بھی جنازہ نمازِ ظہر سے فارغ ہونے کے لئے رکھا رہے گا اور اُس کے تغیر کا اندیشہ نہ ہو تو ظہر فرض وسنّت پہلے پڑھیں کہ اس دیر میں شاید اور نمازی بھی آجائیں اور جنازے پر تکثیر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۴۴ از مرادآباد محلہ گل شہید مرسلہ مولوی جمیل الدین احمد صاحب ۱۴ صفر ۱۹۱۶ء

ماقولکم ایھا العلماء الراسخون والفقہاء الماھرون فان ولی المیت صلی علیہ او غیرہ بانابتہ صلٰوۃ الجنازۃ اول وقت العصر قبل ان یصلی العصر ھل تجوز صلٰوۃ الجنازۃ قبل صلٰوۃ العصر ام لا وان تجز فمن اعادھا بعد صلٰوۃ العصر باعتقاد انھا لا تجوز قبلھا ھل یکون مبتدعا شرعا اولا بینوہ بیانا شافیا توجروا عند اللہ اجرا وافیا۔

علمائے راسخین وفقہائے ماہرین کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے کہ اول وقت عصر میں ولی میت نے یا اس کی اجازت سے دوسرے نے نمازِ جنازہ ادائے عصر سے پہلے پڑھ لی تو عصر سے پہلے یہ نماز جائز ہوئی یا نہیں؟ اگر جائز ہوئی تو جو بعد عصر جنازہ دوبارہ پڑھے اس خیال سے کہ قبلِ عصر وُہ جائز نہیں تو شرعاً وہ مبتدع ہے یا نہیں؟ شافی طور پر بیان فرمائیں خدا کے یہاں وافی اجر پائیں۔

الجواب

صلوٰۃ الجنازۃ مشروعۃ فی کل وقت حتی فی الاوقات الثلثۃ ان حضرت فیہا، فی الدر المختار ینعقد نفل بشروع فیہا بکراھۃ التحریم لا ینعقد الفرض وما ھو ملحق بہ کواجب لعینہ کوتر و سجدۃ تلاوۃ وصلوٰۃ جنازۃ تلیت الاٰیۃ فی کامل وحضرت الجنازۃ قبل لوجوبہ کاملا فلا یتادی ناقصا فلو وجبتا فیہا لم یکرہ فعلھما ای تحریما وفی التحفۃ الافضل ان لا تؤخر الجنازۃ اھ[1] فی رد المحتار ما فی التحفۃ اقرہ فی البحر والنہر والفتح والمعراج لحدیث ثلث لا یؤخرن منہا الجنازۃ اذا حضرت اھ[2] واعتقاد انہا لا تجوز قبل صلوٰۃ العصر جہل فاضح او زیغ واضح وافتراء بلا امتراء علی الشریعۃ الغراء نعم ان ضاق الوقت یجب تقدیم العصر لکن ان قدمت صحت واذا صلاھا الولی او غیرہ باذنہ فلا تجوز اعادتہا کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی بما لا مزید علیہ فی رسالتنا

نمازِ جنازہ ہر وقت مشروع ہے یہاں تک کہ تینوں اوقاتِ مکروہہ میں بھی، اگر اُسی وقت آیا ہو۔ درمختار میں ہے: ان اوقات میں نمازِ نفل کراہتِ تحریم کے ساتھ ہوجائیگی، فرض نہ ہوگا اور وُہ بھی جو اس سے ملحق ہے جیسے واجب لعینہ، جیسے وتر اور سجدۂ تلاوت و نمازِ جنازہ جبکہ آیتِ سجدہ کامل وقت میں پڑھی گئی ہو اور جنازہ وقت مکروہ سے پہلے آگیا ہو اس لئے کہ ان کا وجوب کامل ہُوا تو ناقص طور پر ادائیگی نہ ہوگی، ہاں اگر ان دونوں کا وجوب انہی اوقات میں ہُوا ہو تو ان اوقات میں ان کی ادائیگی مکروہِ تحریمی نہیں۔ تحفہ میں ہے: افضل یہ ہے کہ جنازہ میں دیر نہ کی جائے اھ۔ ردالمحتار میں ہے: تحفہ میں جو مذکور ہے اسے بحر، نہر، فتح اور معراج میں برقرار رکھا ہے کیونکہ حدیث میں ہے: تین[3] چیزوں میں دیر نہ کی جائے ان میں سے ایک یہ جنازہ ہے جب آجائے اھ۔

اور یہ خیال کہ نمازِ عصر سے پہلے جنازہ ناجائز ہے رُسوا کن جہالت ہے یا کھلی ہوئی گمرہی، اور شریعتِ مبارکہ پر قطعی افتراء —— ہاں اگر وقت تنگ ہو تو پہلے عصر پڑھنا ضروری ہے لیکن اگر نمازِ جنازہ پہلے پڑھ لی تو وہ بھی صحیح ہو گئی —— اور جب ولی نے یا اس کی اجازت سے دوسرے نے نمازِ جنازہ پڑھ لی تو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں جیسا کہ ہم نے بتوفیقِ الٰہی اپنے رسالہ

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۱

[2] ردالمحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۲۷۵

[15] النھی الحاجز عن تکرار صلوٰۃ الجنائز [13] فی السراج الوھاج والبحر الرائق ورد المحتار وجامع الرموز والجوھرۃ النیرۃ والھندیۃ ومجمع الانھر وغیرھا ان صلی الولی علیہ لم یجز ان یصلی احد بعدہ [1] اھ وفی الدر المختار ومن لیس لہ حق التقدم وتابعہ الولی لایعید [2] اھ مختصرا واللہ تعالٰی اعلم۔

[15] النھی الحاجز عن تکرار صلوٰۃ الجنائز [13] میں اس کی بھرپور تحقیق کی ہے۔ سراج وہاج، بحرالرائق، ردالمحتار، جامع الرموز، جوہرہ نیرہ، ہندیہ، مجمع الانہر وغیرہا میں ہے: اگر ولی نے جنازہ پڑھ لیا تو اس کے بعد کسی کو پڑھنا جائز نہیں اھ درمختار میں ہے: یا کسی ایسے شخص نے پڑھا جسے ولی پرحقِ تقدم حاصل نہیں مگر ولی نے اس کی متابعت کرلی تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتا اھ مختصراً۔ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے (ت)

مسئلہ ۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھانا تیار ہے، جنازہ بھی تیار ہے، تو پہلے کھانا کھائے یا مُردے کو دفن کرے؟

الجواب

جنازہ آگیا تو پہلے اس کی نماز پڑھ لے کہ اس نماز میں ایسی دیر نہیں ہوتی، پھر اگر بھوک وغیرہ [عہ] ایسی ضرورتیں لاحق ہیں تو دفن کے لئے بعد کھانا کھانے کے جائے یا فقط نماز پر قناعت کرے، جبکہ لے جانیوالے موجود ہوں اور اس کے نہ جانے سے کوئی حرجِ شرعی لازم نہ آتا ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۶: از نانا اسٹیشن ڈیرہ نیا مرسلہ شیخ نیاز احمد صاحب ۹ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جنازہ کی نماز میں کچھ لوگ بلاوضو و بلاتیمم شریک ہوگئے اُن کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اور اُن کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور ایک شخص نے کہا کہ انھوں نے کچھ بُرا نہ کیا کہ نمازِ جنازہ میں صرف امام کی طہارت ضروری ہے مقتدیوں کی طہارت کی حاجت نہیں، اُس کا یہ قول کیسا ہے؟ بینوا توجروا

عہ: کھانا سامنے آیا اور کھانے کے بعد جنازہ مل جائیگا، یا پہلے جنازے میں شرکت کرے تو بھوک کی وجہ سے دل کھانے کی طرف رہے گا یا کھانا ٹھنڈا ہوکر بے مزہ ہوجائے گا، یا اس کے دانت کمزور ہیں روٹی ٹھنڈی ہوجائے گی اور چبائی نہ جائے گی ۱۲ (م)

---

[1] البحرالرائق بحوالہ السراج الوہاج فصل السلطان احق بصلٰوتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۷۲

[2] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۳

الجواب

جنازہ کی نماز مثل اور سب نمازوں کے بغیر طہارت کے ہرگز صحیح نہیں۔ وہ پڑھنے والے گنہگار ہوئے اور انھوں نے بہت سخت بُرا کیا اور اُن کی نماز ہرگز ادا نہ ہوئی۔ نمازِ جنازہ میں صرف طہارتِ امام شرط ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اگر ایسا ہو جب بھی اُس میت کی نمازِ جنازہ ادا ہو جائیگی اور وہ فرض کفایہ ساقط ہو جائے گا کہ جب امام طاہر تھا تو اس کی نماز صحیح ہوگئی اس فرض کے ادا کرنے کو اتنا کافی ہے کہ اس میں جماعت شرط نہیں یہ معنی نہیں ہیں کہ فقط طہارتِ امام صحتِ نمازِ مقتدیان کے لئے بھی کفایت کرتی ہے مقتدیوں کو بے طہارت پڑھ لینی جائز ہے، یہ محض جہالتِ فاحشہ ہے، جس نے یہ فتوٰی بیہودہ دیا وہ شرعاً تعزیر دئے جانے کے قابل ہے کہ جاہل کو مفتی بننا حرام ہے۔

فی ردالمحتار اما الشروط التی ترجع الی المصلی فھی شروط بقیۃ الصلٰوۃ من الطھارۃ الحقیقیۃ بدنا وثوبا ومکانا والحکمیۃ وستر العورات والاستقبال والنیۃ سوی الوقت[1]۔

ردالمحتار میں ہے: نمازِ جنازہ پڑھنے والے سے متعلق شرطیں وہی ہیں جو بقیہ نمازوں سے متعلق ہیں کہ بدن، جامہ، جگہ نجاستِ حقیقیہ سے پاک ہو، بدن نجاستِ حکمیہ سے بھی پاک ہو، سترِ عورت ہو، استقبالِ قبلہ اور نیت ہو وقت کی شرط نہیں۔ (ت)

اُسی میں ہے:

لاصحۃ لھا بدون الطھارۃ[2] (بغیر طہارت کے نمازِ جنازہ صحیح نہیں۔ ت)

درمختار میں ہے:

لوام بلاطھارۃ والقوم بھا اعیدت وبعکسہ لا کما لوامت امرأۃ ولو امۃ لسقوط فرضھا بواحد[3]۔

اگر امام بے طہارت ہے اور مقتدی با طہارت تو جنازہ پھر سے پڑھنا ہے اور اس کے برعکس ہے تو اعادہ نہیں، جیسے اگر کوئی عورت امامت کردے خواہ کنیز ہی ہو تو اعادہ نہیں اس لئے کہ ایک کے پڑھ لینے سے بھی فرضِ جنازہ ادا ہو جاتا ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۸۲
[2] ردالمحتار 〃 〃 〃 〃 〃
[3] درمختار 〃 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۱

ردالمحتار میں ہے:

ای لاتعاد لصحۃ صلوۃ الامام وان لم تصح صلوۃ من خلفہ[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

یعنی اعادہ اس لئے نہیں کہ امام کی نماز صحیح ہوگئی اگرچہ پیچھے والوں کی نماز صحیح نہ ہوئی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۹۲: از گوالیار مسئولہ مولوی محمود الحسن صاحب ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک جنازے کی نماز میں زید نے لوگوں کو کہ جنھوں نے جوتوں میں سے پیروں کو نکال کر اور جوتے کے اوپر پیر رکھ کر نماز پڑھنا چاہا، روکا کہ پیر جوتوں سے مت نکالو جوتے پہنے ہوئے نماز درست ہے۔ عمرو نے ایک شخصیت کے الفاظ میں کہا کہ کوئی کہتا ہے جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھو، جوتے سب اتار ڈالیں۔ چنانچہ بعض نے زید کے کہنے پر عمل کیا بعض نے عمرو کے کہنے پر۔ بعد نماز کے بحث پیش آئی، زید نے تحریری جواب کہ رسول خدا نے نماز میں جوتا اتارا، مقتدیوں نے بھی اتارا، پیغمبر صاحب نے دریافت کیا کہ تم نے جوتے کیوں اتارے؟ جواب دیا کہ اتباع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ جوتے میں ناپاکی ہے۔ پس معلوم کرلینا چاہیے، عمرو کو ایسا کہنا خلاف تھا اس لئے کہ وہ کیسے برجستہ الفاظ صدر کہہ سکتا تھا اس لئے کہ ناپاکی کا ثبوت نہیں رکھتا تھا، مقامی حالت پر جہاں جوتے اتار کر نماز پڑھنے کے واسطے عمرو نے کہا تھا یہ تھی کہ وہاں پر گھوڑے وغیرہ پیشاب کرتے ہیں، جوتے پہنے ہوئے جس قدر لوگ تھے اُن کے جوتے ناپاک تھے پس اس حالت میں شرعاً عمرو کا کہنا صحیح سمجھا جائے گا یا زید کا؟

(۲) عمرو مذکور نے ایک مرتبہ ایسا بھی کیا ہے کہ نمازِ جنازہ دوبارہ پڑھائی، زید نے اس کو مکروہ کہا، اور جب عمرو کی جانب سے لوگوں نے بحث کی تو اُس نے علاوہ مکروہ کے آثارِ فتنہ اور بدعت بھی ثابت کیا، کیا زید کا کہنا حق ہے؟

الجواب

(۱) اگر وُہ جگہ پیشاب وغیرہ سے ناپاک تھی یا جن کے جوتوں کے تلے ناپاک تھے اور اس حالت میں جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھی اُن کی نماز نہ ہوئی، احتیاط یہی ہے کہ جوتا اتار کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھی جائے کہ زمین یا تلا اگر ناپاک ہو تو نماز میں خلل نہ آئے۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار باب صلوۃ الجنازۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۵۸۲/۱

قد توضع فی بعض المواضع خارج المسجد فی الشارع فیصلی علیها ویلزم منه فسادها من کثیر من المصلین لعموم النجاسة وعدم خلعهم نعالهم المتنجسة[1]

کبھی بعض مقامات میں بیرونِ مسجد سڑک پر جنازہ رکھ کر نماز پڑھی جاتی ہے اس سے بہت سے لوگوں کی نماز کا فساد لازم آتا ہے کیونکہ وہ جگہیں نجس ہوتی ہیں اور لوگ اپنے نجاست آلود جُوتے اتارتے نہیں۔ (ت)

اُسی میں ہے:

فی البدائع لو صلی علٰی مکعب اعلاہ طاھر وباطنہ نجس عند محمد یجوز لانہ صلی فی موضع طاھر کثوب طاھر تحتہ ثوب نجس اھ وظاھرہ ترجیح قول محمد وھو الاشبہ[2] (ملخصاً)

بدائع میں ہے: اگر کسی ایسے مکعب پر نماز پڑھی جس کا بالائی حصہ پاک ہے اور اندرونی حصہ ناپاک ہے تو امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ اس لئے کہ نماز پاک جگہ ادا ہُوئی جیسے کوئی پاک کپڑا ہو جس کے نیچے دوسرا ناپاک کپڑا ہوا ھ۔ اس کا ظاہر امام محمد کے قول کی ترجیح ہے اور وہی اشبہ ہے (ملخصاً) (ت)

زید نے بیانِ حدیث میں غلطی کی، حدیث میں تو لفظ نجاست نہیں لفظ قذر ہے یعنی گِھن کی چیز جیسے ناک کی آمیزش وغیرہ نجاست ہوتی تو نماز سرے سے پڑھی جاتی کہ نماز کا ایک جُز باطل ہونا ساری نماز کو باطل کردیتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) نماز جنازہ جب ولی پڑھا ئے یا باذنِ ولی ہو جائے تو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں،

کما ھو مصرح فی جمیع الکتب وتفصیلہ فی رسالتنا النھی الحاجز عن تکرار صلوٰۃ الجنائز۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ تمام کتابوں میں اس کی تصریح ہے اور اس کی تفصیل ہمارے رسالے النھی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۹ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جنازہ اس طرح ادا کرنا کہ میت چارپائی پر ہو اور چارپائی کے پائے ایک ہاتھ سے زائد بلند ہوں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے توکس دلیل سے جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز کے وقت میت کا چارپائی پر ہونا صدرِ اُولٰی سے معمولِ مسلمانان ہے اُس کے پائے حسبِ عادت

---

[1] رد المحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۵۹۴

[2] رد المحتار باب مفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیھا " " " " ۱/ ۴۲۱

ہاتھ بھر یا کم یا کبھی زائد ہر طرح کے ہوتے ہیں، کبھی اس پر انکار نہیں ہُوا۔ جو ہاتھ بھر سے تھوڑے زائد کو ناجائز بتائے وُہ سند دے۔ جس نے ناجائز کہا جس نے ناجائز لکھا، اور ہرگز سند نہ دے سکے گا، اُس وقت اُس پر کُھل جائے کہ اُس کا ناجائز کہنا شریعتِ مطہرہ پر افترا تھا، ہاں اگر پلنگ اتنا اونچا ہو کہ قدِ آدم سے زائد، جس میں امام کی محاذاتِ میت کے کسی جزو سے نہ ہو تو البتہ نماز ناجائز ہوگی کہ محاذات شرط ہے، مگر کوئی پلنگ اتنا اونچا نہیں ہوتا۔

فی رد المحتار عن جامع الرموز عن تحفۃ الفقہاء ان رکنہا القیام و محاذاتہ الی جزء من اجزاء المیت[1]اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں جامع الرموز سے، اس میں تحفۃ الفقہاء سے منقول ہے نماز جنازہ کا رکن قیام ہے اور نمازی کا میت کے کسی جز کے مقابل ہونا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۰: از اجمیر شریف مرسلہ محمود الحسن ۲۳ محرم ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اگر جنازہ کو ایسی چارپائی پر رکھ کر نماز پڑھی کہ جس کے پائے ایک بالشت سے کم تھے تب تو نماز ہوگی ورنہ نہیں۔ اور ثبوت میں شامی اور کبیری پیش کرکے کہتا ہے کہ جنازہ مثل امام کے ہے جس طرح امام کا ایک بالشت سے اونچا کھڑا ہونا مفسدِ صلوٰۃ ہے اس صورت میں بھی پائے ایک بالشت سے زائد ہونا مانع صلوٰۃ جنازہ ہے۔ کیا واقعی اگر پائے ایک بالشت سے زیادہ ہوں تو مفسدِ صلوٰۃ جنازہ ہیں یا ایک بالشت ہونا اولٰی، اور اس سے زائد مکروہ ہے یا مطلقاً خواہ جس قدر بھی پائے لمبے ہوں جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زید کے اقوال سب باطل و بے اصل ہیں، نہ پایوں کی بلندی شرعاً کسی حد پر مخصوص رکھی گئی ہے، نہ ایک بالشت بلندی میں کچھ اولویت، نہ ایک بالشت یا ایک گز امام کی بلندی مفسدِ نماز، نہ ہر بات میں جنازہ مثل امام، یہ ہوساتِ عاطلہ و اوہامِ باطلہ ہیں، جنازہ کا زمین پر رکھا ہونا ضرور شرط ہے اگرچہ پائے کتنے ہی بلند ہوں اور امام کا بقدرِ امتیاز سب مقتدیوں سے اُونچا ہونا صرف مکروہ ہے نہ کہ مفسدِ نماز۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۱: نمازِ جنازہ میں امام کے نیچے جانماز ہوتی ہے اور مقتدی سب زمین پر، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۰۸

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں جواز تو یقینی ہے۔ رہی کراہت اُس کے لئے بھی کوئی وجہ نہیں۔ نہ فقیر کو یاد کہ کسی کتاب میں اُسے منع لکھا ہو۔ درمختار میں جو اس مقدار کو جس سے امام و مقتدی میں امتیاز پایا جائے مکروہ لکھا وہاں بلندیٔ موضع میں کلام ہے یعنی امام کو مقتدیوں سے اتنا اونچا کھڑا ہونا مکروہ ہے جس سے امتیاز واقع ہو اور وجہ اس کی حدیث میں نہی آنا اور اہلِ کتاب سے مشابہت پایا جانا ہے کہ یہود وعنود اپنے امام کے لئے جائے بلند مقرر کرتے ہیں یہاں تک کہ نہی و مشابہت ثابت نہیں تو کراہت پر بھی حکم نہیں دے سکتے۔

فی الدر المختار وانفراد الامام علی الدکان للنھی وقدر الارتفاع بذراع ولا بأس بما دونه وقیل مایقع به الامتیاز وھو الاوجه[1] فی رد المحتار قوله للنھی وھو ما اخرجه الحاکم انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نھی ان یقوم الامام فوق ویبقی الناس خلفه وعللوہ بانه تشبه باھل الکتاب فانھم یتخذون لامامھم دکانا[2] اھ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علیه سیدنا ومولٰنا محمد وعلٰی اٰله وصحبه اجمعین وبارك وسلم اٰمین۔

دُرمختار میں ہے: امام کا تنہا کسی دکان (اونچی جگہ) پر کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس سے ممانعت آئی ہے، اونچائی کی مقدار ایک ہاتھ ہے اس سے کم ہو تو حرج نہیں اور کہا گیا کہ بس اتنی اونچائی جس کی وجہ سے وہ ممتاز نظر آئے اور یہی اوجہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے: ممانعت کی حدیث وہ ہے جسے حاکم نے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ امام اوپر کھڑا ہو اور لوگ اس کے پیچھے نیچے رہیں۔ علماء نے اس کی علت یہ بتائی ہے کہ اس میں اہلِ کتاب سے مشابہت ہے اس لئے کہ وہ اپنے امام کے لئے کوئی اونچی جگہ بناتے ہیں، بحر، اھ۔ اور خدائے پاک و برتر خوب جاننے والا ہے، اللہ تعالٰی کی رحمت، برکت اور سلام ہو ہمارے آقا و مولا محمد رسول اللہ اور ان کی آل و اصحاب سب پر۔ الٰہی قبول فرما۔ (ت)

مسئلہ ۵۲ ۲۲ شوال المکرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مُردہ کے نماز پڑھانے کے واسطے جو جانماز ملتی ہے اس سے کُرتا اور کچھ اور کپڑا بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں ہے تو اس سے جو نمازِ مفروضہ پڑھی گئی ہو وہ لوٹائی جائے گی یا نہیں؟ اور اس کفن سے یہ جانماز کے واسطے کپڑا نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۲

[2] ردالمحتار " " " ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۴۳۴

الجواب

اس جانماز سے دو غرضیں لوگوں کی ہیں: ایک یہ اکثر نمازِ جنازہ راستے وغیرہا بے احتیاطی کے مقامات پر ہوتی ہے، مسجد کہ صاف و پاکیزہ رکھی جاتی ہے اُس میں نمازِ جنازہ منع ہے تو بغرض احتیاط امام کے نیچے جانماز بچھادی جاتی ہے کہ سب مقتدیوں کے لئے اُس کا مہیا کرنا دشوار ہوتا ہے اور اگر فرض کیجئے کہ وہ تمام جگہ ایسی ناپاک ہے کہ کسی کی نماز نظر بواقع نہ ہوسکے تو جانماز کے سبب امام کی تو ہوجائے گی اور اسی قدر سب مسلمانوں کی طرف سے ادائے فرض و ابرائے ذمہ کے لئے کافی ہے کہ نمازِ جنازہ میں جماعت شرط نہیں، دوسرے نفع فقیر کہ وہ جانماز بعد نماز کسی طالب علم یا اور فقیر پر تصدیق کردی جاتی ہے، اور یہ دونوں غرضیں محمود ہیں تو اس کے جواز میں کلام نہیں، اور جس فقیر پر وہ تصدق کی گئی اس کی ملک ہے کرتا وغیرہ جو چاہے بنائے اُس میں نماز مکروہ بھی نہیں، نہ اصلاً حاجتِ اعادہ۔ کما لا یخفی (جیسا کہ واضح ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۳ ازمنڈی ہلدوانی، ضلع نینی تال، مرسلہ حفیظ احمد مستری ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

نمازِ جنازہ کے وقت امام کے سامنے جو جانماز بچھاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے وقد بینا الحکمۃ فیہ فی فتاوٰنا (اور اس کی حکمت ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کی ہے۔ت)

مسئلہ ۵۴ ۲۳ شوال ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بزرگ کے مزار پر چادریں چڑھائیں، اور زیارت کے مجاوروں نے اپنے قبضہ میں لاکر ان چادروں کو عمرو کے ہاتھ فروخت کیا اور عمرو نے بکر کے ہاتھ، پس اس حالت میں بکر کو اس کا اوڑھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر تصریحاً عرف و رواج سے یہ امر ثابت ہے کہ وہ چادریں مجاوروں کے لینے کے لئے چڑھائی جاتی ہیں تو مجاور مالک ہوگیا اور بیع جائز ہوئی اور اُسے اوڑھ کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں، اور اگر چادر اس لئے چڑھائی کہ مزار پر رہے تو وہ ملک زید پر باقی ہے اور بیعیں اس کی اجازت پر موقوف ہیں، اگر جائز کردے گا نافذ ہوجائیں گی ورنہ باطل۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۵ از کلی ناگر پرگنہ پورن پور ضلع پیلی بھیت مکان علن خاں نمبردار مرسلہ اکبر علی شاہ ۶ جمادی الاولی ۱۳۱۱ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جنازہ میں مقتدی فقط سبحان پڑھ کر خاموش ہوجائیں اور کچھ نہ پڑھیں یا سبحان، درود شریف، دعا جو کچھ امام پڑھے مقتدی بھی پڑھیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مقتدی بھی سب کچھ پڑھیں کہ نمازِ جنازہ میں صرف ذکر و دعا ہے قراءتِ قرآن نہیں، اور مقتدیوں کو صرف قراءتِ قرآن عظیم ہی منع ہے باقی دعا و اذکار میں وہ امام کے شریک ہیں۔

فی الرحمانیۃ فی الطحاوی یکبرون الافتتاح مع رفع الیدین ثم یقرءون الثناء ثم یکبرون ویصلون علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم یکبرون ویستغفرون للمیت ثم یکبرون ویسلمون ولا یرفعون ایدیھم فی التکبیرات الثلث ولا قراءۃ فیھا[1]

رحمانیہ میں ہے، طحاوی میں ہے کہ کانوں تک ہاتھ لے جانے کے ساتھ تکبیرِ افتتاح کہیں، پھر ثناء پڑھیں، پھر تکبیر کہیں اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود پڑھیں، پھر تکبیر کہیں اور میت کے لئے استغفار کریں پھر تکبیر کہیں اور سلام پھیریں۔ بعد کی تینوں تکبیروں میں ہاتھ نہ اٹھائیں۔ اور نمازِ جنازہ میں قراءتِ قرآن نہیں۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

وان کان المیت غیر بالغ قال الامام ومن خلفہ یقولون اللھم اجعلہ لنا فرطا واجعلہ لنا ذخرا شافعا ومشفعا[2] واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اگر میت نابالغ ہو تو امام اور مقتدی سب کہیں گے اے اللہ! اسے ہمارے لئے آگے جانے والا کردے اور اسے ہمارے لئے ذخیرہ بنا دے اور شفاعت کرنے والا مقبول الشفاعۃ کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۵۶ از لشکر کانپور محلہ توپخانہ بازار قدیم چھوٹی مسجد، مرسلہ محمد یوسف علی صاحب ۲۰ صفر مظفر ۱۳۳۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جنازہ میں سلام ہاتھ چھوڑنے کے بعد پھیرنا چاہئے یا قبل ہاتھ چھوڑنے کے، افضل کیا ہے؟

---

[1] رحمانیہ
[2] خزانۃ المفتین

3/3

الجواب

ہاتھ باندھنا سُنّت اس قیام کی ہے جس کے لئے قرار ہو، کما فی الدرالمختار وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ درمختار وغیرہ کتابوں میں ہے۔ ت) سلام وقتِ خروج ہے اُس وقت ہاتھ باندھنے کی طرف کوئی داعی نہیں تو ظاہر یہی ہے کہ تکبیر چہارم کے بعد ہاتھ چھوڑ دیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۷ از بنارس کچی باغ مسئولہ مولوی محمد ابراہیم صاحب ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

بہارِ شریعت جلد ۴ میں ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول کر سلام پھیرے (درمختار، ردمحتار) حالانکہ ان کتابوں میں ہاتھ کھولنے کا ذکر نہیں، سخت اضطراب ہے رفع فرمائیے۔

الجواب

جس روز آپ کا سوال آیا حُسنِ اتفاق سے اُس کے دوسرے دن بریلی سے مولوی امجد علی صاحب میرے ملنے کے لئے یہاں آئے میں نے اُن سے پُوچھا اُنھوں نے فرمایا یہ مسئلہ طویل متعدد مسائل پر مشتمل ہے اور اس کے آخر میں میں نے درمختار و ردالمحتار وغیرہما لکھا ہے۔ وغیرہما سے یہاں میری مراد فتاوٰی رضویہ ہے، وہاں جو کچھ مذکور ہے اس کا بعض درمختار سے لیا گیا اور بعض ردالمحتار سے، اور یہ مسئلہ فتاوٰی رضویہ سے۔ انتہٰی کلامہ۔ ظاہر ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد نہ قیام ذی قرار ہے نہ اس میں کوئی ذکر مسنون، تو ہاتھ باندھے رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ تکبیر رابع کے بعد خروج عن الصلاۃ کا وقت ہے اور خروج کے لئے اعتماد کسی مذہب میں نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۸ نمازِ جنازہ میں تکبیر اخیر کے بعد السلام علیکم و رحمتہ ایک بار کہا بعد یاد دہانی تکبیر کہی اور پھر سلام پھیرا۔

الجواب

دوسری صورت میں نماز ہوجانا بھی اُسی صورت میں ہے کہ اس نے بھُول کر سلام پھیرا ہو، اور اگر قصداً پھیرا یہ جان کر کہ نمازِ جنازہ میں تین ہی تکبیریں ہیں، تو یہ نماز بھی نہیں ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۹ از شہر مراد آباد محلہ مغلپورہ حصہ اول۔ مرسلہ مولوی سید اولاد علی صاحب ۹ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جنازہ کا مسبوق فوت شدہ تکبیروں کو پُورا کرے تو ان میں کس کس تکبیر میں کیا کیا پڑھے؟

الجواب

اگر جنازہ اٹھا لیا جانے کا اندیشہ ہو جلد جلد تکبیریں بلادُعا کہہ کر سلام پھیر دے ورنہ ترتیب وار

پڑھے۔ مثلاً تین تکبیریں فوت ہوئیں تو چوتھی امام کے ساتھ کہہ کر بعد سلام پہلی تکبیر کے بعد ثنا پھر درود پھر دعا پڑھے، اور دو فوت ہوئیں تیسری امام کے ساتھ دعا، چوتھی کے بعد سلام، پھر اول کے بعد ثنا، دوم کے بعد درود، اور ایک ہی فوت ہوئی تو بعد سلام ایک تکبیر کے بعد ثنا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از کانپور بوچڑ خانہ مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن جلشانی طالبعلم مدرسہ فیض علم ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

ماجوابکم ایہا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ مُردہ کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی ہو تو کتنے دن تک پڑھنا جائز ہے؟

الجواب

جب تک بدنِ میت کا سالم ہونا مظنون ہو اور یہ امر اختلافِ موسم وحالِ زمین وحالِ میت سے جلدی و دیر میں مختلف ہوجاتا ہے، گرمی میں جلد بگڑ جاتا ہے سردی میں بدیر، زمین شور یا نمک میں جلد، سخت وغیر شور میں بدیر، فربہ مرطوب جلد، خشک ولاغر بدیر، تو اس کے لئے مدت معین نہیں کرسکتے۔

فی الدر دفن واھیل علیہ التراب بغیر صلٰوۃ اوبھا بلاغسل صلی علی قبرہ مالم یغلب علی الظن تفسخہ من غیر تقدیر ھو الاصح[1]

فی ردالمحتار لانہ یختلف باختلاف الاوقات حراً وبرداً والمیت سمناً وھزالاً والامکنۃ بحر، وفی الحلیۃ نص الاصحاب علی انہ لایصلی علیہ مع الشک فی ذٰلک ذکرہ فی المفید والمزید وجوامع الفقہ وعامۃ الکتب، وعللہ فی المحیط بوقوع الشک فی الجواز اھ وتمامہ فیہا اھ ملخصین[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے بغیر نماز کے، یا بغیر غسل کے نماز پڑھ کر میت کو دفن کردیا گیا اور اس پر مٹی ڈال دی گئی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے جب تک اس کے پھٹنے کا ظن غالب نہ ہو، اس میں کسی مدت کی تعیین نہیں یہی اصح ہے۔ ردالمحتار میں ہے: اس لئے کہ اس میں سردی گرمی کے لحاظ سے اوقات کے فرق سے، اور فربہی لاغری کے لحاظ سے مردے کے فرق سے، اور مقامات کے فرق سے فرق پڑتا ہے، بحر۔ حلیہ میں ہے کہ ہمارے علمائے صراحت فرمائی ہے کہ اس میں شک ہو تو نماز نہ پڑھی جائے گی، اسے مفید، مزید، جوامع الفقہ اور عامۂ کتب میں بیان کیا ہے۔ محیط میں اس کی علت یہ بتائی ہے کہ جواز میں شک ہوگیا اھ اور پوری بات اسی میں ہے اھ بہ تلخیص۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار | باب صلٰوۃ الجنائز | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۲۳

[2] ردالمحتار | " | " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/۲۲۴

مسئلہ ۶۱ از خیر آباد ضلع سیتا پور محلہ میانسرائے مدرسہ عربیہ قدیم مرسلہ مولوی سید فخر الحسن صاحب رضوی ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں جب ایک امام اور پانچ مقتدی ہوں تو بنظر حصولِ نعمتِ بشارت مغفرت تین صفوف اس طرح کرلی جائیں کہ صفِ اوّل و دوم میں دو دو نفر اور صفِ سوم میں ایک نفر ہو۔ کیونکہ عبارات کتبِ فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں ایک شخص کی صف کراہت سے مستثنٰی ہے جیسا کہ صاحبِ ردالمحتار بحوالہ کتاب محیط تحریر فرماتے ہیں۔

قال فی المحیط ویستحب ان یصف ثلثۃ صفوف حتی لوکانوا سبعۃ یتقدم احدھم للامامۃ ویقف وراءہ ثلثۃ ثم اثنان ثم واحد اھ فلوکان الصف الاول افضل فی الجنازۃ ایضا لکان الافضل جعلھم صفا واحدا ولکرہ قیام الواحد وحدہ کما کرہ[1] اھ۔

محیط میں تحریر کیا گیا کہ مستحب ہے کہ تین صفیں ہوں یہاں تک کہ اگر سات آدمی ہوں تو ایک امام ہوجائے تین اس کے پیچھے کھڑے ہوں پھر دو پھر ایک۔ تو اگر جنازہ میں پہلی صف افضل ہوتی تو ان سب کو ایک صف میں کردینا بہتر ہوتا اور تنہا ایک کا کھڑا ہونا مکروہ ہوتا جیسے غیر نماز جنازہ میں مکروہ ہے اھ۔ (ت)

اسی طرح عالمگیریہ میں ہے بحوالہ کتاب تاتارخانیہ اور قنیہ میں بحوالہ کتاب جامع التفاریق للبقالی وعین الھدایہ میں اور رسالہ تجہیز وتکفین میں یہی ترتیب درج ہے اس اتفاق عبارات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ طریقہ پسندیدہ فقہائے کرام یہی ترتیب مذکورہ ہے۔ فقط

جواب: جس حدیث میں یہ بشارت ہے اُس میں تین صفوف مروی ہیں، پس جہاں تک ہر ایک صف میں کم از کم دو تین آدمی ہوسکیں ایسا کرنا عمدہ ہے کیونکہ ایک شخص کو صف نہیں کہتے ہیں۔ ورنہ پھر تین مقتدی ہوں تو تین صف کرنی چاہئے۔ حالانکہ یہ شاید کسی فقیہ و عالم کو پسندیدہ نہ ہو۔ اُس حدیث کی شرح میں مرقاۃ ملّا علی قاری میں یہ عبارت منقول ہے:

وفی جعلہ صفوفا اشارۃ الی کراھۃ الانفراد[2]۔

اور اس کے چند صف بنانے میں اکیلے ہونے کی کراہت کی جانب اشارہ ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ دارالطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۸۶

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ الخ ؍؍ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۶۴

اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ اکیلا نہ ہو تو یہ اشارہ ہے۔ محیط کی روایت الانفراد کے غیر صحیح ہونے پر۔ بہر حال پانچ مقتدیوں میں اس تکلف کی حاجت نہیں ہے۔ اور قاعدۂ کلیہ ہے کہ کراہت سے بچنا استحباب کے حاصل کرنے سے مقدم ہے اور روایات نہی عن الانفراد سے استثنائے صلوٰۃ جنازہ موجہ نہیں معلوم ہوتا ہے، نیز مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

واقل الصف ان یکون اثنین علی الاصح[1] اصح یہ ہے کہ صف کم سے کم دو کی ہو۔ (ت)

پس کراہت انفراد اس عبارت سے خوب ظاہر ہوگئی، یہ تفریع تفریعاتِ مشائخ سے معلوم ہوتی ہے۔ ائمہ ثلاثہ سے منقول نہیں۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب نے اس میں یہ فرمایا کہ ایک شخص کی صف نہیں ورنہ تین کی تین صف کرنی چاہیے۔ وھو بعید۔ کتبہ عزیز الرحمان

آپ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین گزارش ذیل میں کہ کتبِ فقہ سے دو امر بالبداہۃ ماخوذ ہوتے ہیں۔ صلاۃ جنازہ میں شخص واحد کی صف کا کراہت سے مستثنیٰ ہونا و نیز شخص واحد کو علی الاصح بتبعیت دیگر صفوف صف سے تعبیر کیا جانا، اَولیٰ ہونا زیادتی صف اول کی بمقابلہ صف دوم اور صف دوم بمقابلہ صف سوم کی، حتی کہ واسطے زیادتی صف اوّل کے سات نمازی ہونے کی حالت میں صفِ اولیٰ میں تین اشخاص کا کھڑا کیا جانا اور صفِ سوم میں صرف ایک شخص کا رہنا پسند کیا گیا، حالانکہ ممکن تھا کہ ہر صف میں دو دو نفر کھڑے کئے جاتے۔ یہ پتا کسی کتاب سے نہیں چلتا ہے کہ فقہائے کرام نے اس ترتیب پسندیدہ خود کا استخراج کس حدیث یا کس نص سے کیا ہے اور حضرت ملّا علی قاری نے اس بنا پر ان کی مخالفت پسندی کہ شخص واحد کے صف کے وجود ہی سے انکار فرمادیا۔ جس سے ترتیب پسندیدۂ فقہاءِ کرام بالکلیہ غلط و عبث ہوئی جاتی ہے۔ پس ہدایت خواہ ہوں کہ اس اختلاف ترتیب صفوف ثلاثہ کے متعلق جو کچھ تحقیق و تنقیح موافق ملتِ احناف رحمہم اللہ ہو بحوالۂ کتب بخوبی صراحت سے تحریر فرما کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں، نیز یہ بھی ہدایت فرمائی جائے کہ بحالت موجودگی چھ نمازیوں کے اس طرح پر ترتیب صفوف ثلاثہ کی بہتر ہوگی کہ ایک امام اور پس امام دو صفوف میں دو دو نفر اور صفِ سوم میں شخصِ واحد کھڑا ہو یا جملہ مقتدیوں کی ایک ہی جماعت کی جائے کہ صفوفِ ثلاثہ کی ترتیب کم از کم سات اشخاص کا ہونا سب کتب میں مرقوم ہے، اس سے کم کی نسبت کچھ ذکر نہیں ہے حالانکہ ترتیب چھ اشخاص کی بھی ممکن ہے۔

الجواب

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاد امام اجل عطاء بن ابی رباح تابعی جلیل تلمیذ

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المشی بالجنازہ الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۶۵

ام المومنین صدیقہ و ام المومنین ام سلمہ و ابوہریرہ و ابوسعید خدری و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین روایت فرماتے ہیں،

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی علی جنازۃ فکانوا سبعۃ فجعل الصف الاول ثلثۃ والثانی اثنین والثالث واحدا[1]

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی، صرف سات آدمی تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پہلی صف تین آدمیوں کی کی، دوسری صف دو کی اور تیسری صف ایک شخص کی۔

امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں،

فی القنیۃ ثم ان کان القوم سبعۃ فاتموھا ثلثۃ صفوف یقدم احدھم وخلفہ ثلثۃ و خلفھم اثنان وخلفھما واحد انتہی قلت ولیشھد لہ ان عطاء بن ابی رباح روی ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وسلم صلی علی جنازۃ فکانوا سبعۃ (وساق الحدیث وقال) ولو لاھذا الحدیث لقلنا بکراھۃ جعل الواحد صفا لامرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وصحبہ وسلم للمنتبذ وراء الصف فی الصلوٰۃ المطلقۃ باعادتھا کما تقدم فی موضعہ اللھم الا ان یقال ان ذلک ایضا اذا لم یکن فیہ تحصیل مصلحۃ مقصودۃ من الصلاۃ وقد وجدت ھٰھنا مصلحۃ مقصودۃ وھی السعی فی حصول المغفرۃ للمیت کما اخبرہ

قنیہ میں ہے: اگر سات آدمی ہوں تو پوری تین صف بنائیں، ایک آگے ہو، تین اس کے پیچھے، دو ان کے پیچھے اور ایک ان کے پیچھے (عبارت قنیہ ختم) میں کہتا ہوں اس کا ثبوت اس حدیث سے ہے کہ حضرت عطاء بن ابی رباح نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی صرف سات آدمی تھے (آگے حدیث ذکر کی، پھر کہا) اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو ایک شخص کی صف بنانے کو ہم مکروہ کہتے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وصحبہ وسلم نے صلاۃ مطلقہ میں صف کے پیچھے الگ تھلگ کھڑے ہونے والے کو نماز لوٹانے کا حکم فرمایا جیسا کہ یہ اپنے موقع پر بیان ہو چکا ہے — مگر یہ کہا جائے کہ وہ بھی اس وقت ہے جب اس میں نماز کی مصلحت مقصودہ کی بجا آوری نہ ہو، اور یہاں نماز کی ایک مصلحت مقصودہ موجود ہے وہ ہے میت کے لئے

---

[1]

الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]

حصولِ مغفرت کی کوشش، جیسا کہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ (ت)

غنیہ شرح منیہ میں ہے:

یستحب ان یصفوا ثلثة صفوف حتی لوکانوا سبعة یتقدم احدھم للامامة ویقف وراءہ ثلثة ووراءھم اثنان ثم واحد ذکرہ فی المحیط لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من صلی علیہ ثلثة صفوف غفر لہ رواہ ابوداؤد والترمذی وقال حدیث حسن والحاکم وقال صحیح علٰی شرط مسلم[2] اھ قلت ورواہ احمد وابن ماجة وابن سعد فی الطبقات والبیھقی فی السنن وابن مندة فی المعرفة کلھم عن مالك بن ھبیرة رضی اللہ تعالٰی عنہ بالفاظ شتی وکلھا فی نظری بحمد اللہ تعالٰی۔

تین کرنا مستحب ہے یہاں تک کہ اگر سات آدمی ہوں تو ایک شخص امامت کے لئے آگے ہو اور اس کے پیچھے تین کھڑے ہوں، ان کے پیچھے دو، پھر ایک۔ اسے محیط میں ذکر کیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس پر تین صفیں نماز پڑھیں اس کی بخشش ہوجائے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا حدیث حسن ہے۔ اور حاکم نے روایت کیا اور کہا صحیح برشرطِ مسلم ہے اھ میں کہتا ہوں: اسے امام احمد، ابنِ ماجہ، طبقات میں ابنِ سعد، سنن میں بیہقی، معرفہ میں ابن مندہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ان سبھی محدثین نے حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بالفاظِ مختلفہ روایت کیا اور بحمدہ تعالٰی سب میری نظر میں ہیں۔ (ت)

رحمانیہ میں عتابیہ سے ہے:

لوکان القوم سبعا قاموا ثلثة صفوف یتقدم واحد وثلثة بعدہ واثنان بعدہ وواحد بعدہ لان فی الحدیث من صلی علیہ ثلثة صفوف غفر لہ[3] اھ قلت وافرد

اگر سات آدمی ہوں تو تین صف میں کھڑے ہوں، ایک آگے ہو، تین اس کے بعد، دو اس کے بعد، اور ایک اس کے بعد۔ اس لئے کہ حدیث میں ہے جس کا جنازہ تین صفیں پڑھیں اس کی مغفرت ہوجائے اھ

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] غنیۃ المستملی شرح منیہ فصل فی الجنائز مطبوعہ سہیل اکیڈمی چوک اردو بازار لاہور ص ۵۸۸

[3] رحمانیہ

الضمیر فی "بعدہ" فی اخیریہ ارجاعالہ الی الصف۔

میں کہتا ہوں دو اخیر والے "اس کے بعد" میں ضمیر واحد اس لئے رکھی کہ مرجع صف کو بنایا ہے۔ (ت)

حلیہ وغنیہ وردالمحتار شروح معتمدہ ہیں اور جامع التفاریق ومحیط وعتابیہ وتاتارخانیہ وعالمگیریہ فتاوٰی مستندہ اور کتب مذہب میں ان کا کہیں خلاف نہیں۔ لاجرم امام ابن امیر الحاج نے جنازہ میں ایک شخص کے صف ہونے کی کراہت کو امام احمد بن حنبل سے ایک روایت کی طرف نسبت فرمایا:

حیث قال بعد مانقلناعنہ ھذا وعن احمد انہ کرہ ان یکون الواحد صفا۔[1]

اس طرح کہ ہماری نقل کردہ عبارت کے بعد فرمایا: یہ محفوظ رکھو، اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کی صف کو مکروہ جانا۔ (ت)

اپنے مذہب میں کراہت کی کوئی روایت ہوتی تو وہی احق بالذکر تھی، صرف مذہب غیر کی طرف نسبت پر اکتفا نہ کی جاتی۔ غرض فقہ یہ ہے اور حدیث وہ، پھر مخالفت کیا معنی۔ رہا وہ اشارہ جو مرقاۃ میں استنباط کیا اور اس کے سبب جُہّال نے نصوصِ حدیث وفقہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔

اقول وباللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) نہ وہ استنباط مقبول ہے نہ اُس پر اعتماد جائز،

اوّلاً وہ علی قاری کی ایک بحث ہے اور منقول کے حضور بحث اصلاً قابلِ التفات نہیں

کما نص علیہ فی ردالمحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار وقد اکثرنا نقولہ فی فتاونا۔

جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ معتمد کتابوں میں تصریح ہے اور بہت سی عبارتیں ہم نے اپنے فتاوٰی میں نقل کی ہیں۔ (ت)

اور اُسے مرقاۃ میں منقول بتانا جہل صریح ہے یا افترائے قبیح، پھر جزئیہ منصوصہ کتب مذہب کو قول قاری سے غیر صحیح کردینا سخت جرأت مردودہ ہے۔ فتاوائے معتمدہ اکثر منصوصات ائمہ کو مطلق ومرسل بلاعزو لکھتے ہیں کمالایخفی علی خادم الفقہ (جیسا کہ خادم فقہ پر پوشیدہ نہیں۔ ت) بلکہ قدمائے اہل فتاوٰے غالباً اقوال مشائخ کو معزو لکھتے ہیں اور نصوصِ مذہب کو بلاعزو خصوصاً جبکہ ائمہ مذہب سے ان میں خلاف نہ منقول ہو۔ شرنبلالی علی درر الحکام میں ہے:

صرح بہ قاضی خان من غیر اسنادہ

(قاضی خاں نے کسی کی طرف اسناد کئے بغیر اس کی

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

لاحد فاقتضی کونہ المذھب[1] صراحت فرمائی تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مذہب ہو۔ (ت)

اور بالفرض ارشاد ائمہ مجتہدین فی المسائل یا تخریج مسائل ہی ہو تو علی قاری کو اپنی بحث سے اس کے رد کا کیا اختیار رہے، کیا وہ ان میں نہیں جن کو فرمایا گیا:

اما نحن فعلینا اتباع مارجحوہ وما صححوہ کما لو افتوا فی حیاتھم[2] مگر ہم پر اسی کی پیروی کرنی ہے جسے ان حضرات نے ترجیح دی اور جسے تصحیح کہا جیسے اگر وہ اپنی حیات میں فتوٰی دیتے تو ہمیں یہی کرنا تھا (ت)

جیسا کہ تصحیح القدوری للعلامہ قاسم پھر رد المحتار میں ہے: فانہ لایسعنا مخالفتھم[3] (کیونکہ ہمارے لئے ان کے خلاف جانے کی گنجائش نہیں۔ ت)

ثانیاً اگر وہ منقول ہی ہوتی تو شروح حدیث کی نقول نصوص کتب معتمدہ فقہیہ کے خلاف مقبول نہیں، بلکہ نصوص تو نصوص کہ شروح حدیث کی تصریح صریح اشاراتِ کتب مذہب کے بھی معارض نہ مانی گئی، شرح مشارق الانوار علامہ ابن ملک سے کہ علامہ علی قاری سے اقدم و اعظم ہیں ایک مسئلہ منقول ہوا اس پر علامہ شامی نے رد المحتار میں فرمایا:

ان ھذا الکتاب لیس موضوعا لنقل المذھب واطلاق المتون والشروح یردہ[4] اس کی تالیف نقل مذہب کے لئے نہیں اور اطلاق متون وشروح اسکو رد کر رہی ہے۔ (ت)

ثالثاً اگر بالفرض کسی کتاب فقہ ہی میں ایک نقل شاذ پائی جاتی تو نقل مشہور کتب معتبرہ کثیرہ کے مقابل نہ مانی جاتی،

کما نص علیہ فی الشرنبلالیۃ والعقود الدریۃ وردالمحتار وغیرھا واکثرنا النقول فیہ فی فتاوٰنا وفی کتابنا فی رسم المفتی۔ جیسا کہ شرنبلالیہ، العقود الدریہ، رد المحتار وغیرہا میں اس کی تصریح ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اور رسم المفتی سے متعلق اپنی کتاب میں ان کی بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں۔ (ت)

رابعاً اگر شاذ بھی نہ ہوتی جب بھی اسی ترتیب مذکور جامع التفاریق و محیط و حلیہ و غنیہ وغیرہا پر اعتماد

---

[1] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ علی درر الحکام نواقض الوضوء مطبعہ احمد کامل الکائنہ فی دار السعادت مصر ۱/ ۱۵
[2] دُرمختار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵
[3] رد المحتار " مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷
[4] ایضاً

ہوتا کہ نصِ حدیث اُسی طرف ہے اور علماء تصریح فرماتے ہیں،

لایعدل عن درایة ما وافقتھا روایة کما نص علیه فی الغنیة و ردالمحتار وغیرھا۔[1]

کسی درایت سے عدول نہ ہوگا جب تک کوئی روایت اس کی موافقت کرتی ہو جیسا کہ غنیہ اور ردالمحتار وغیرہما میں اس کی تصریح ہے (ت)

خامساً اس بحث واستنباط کا سارا مدار اس پر ہے کہ روایتِ ابی داؤد میں جزاھم ثلثة صفوف[2] (انھیں تین صفوں میں تقسیم کیا۔ ت) کا لفظ وارد ہے، اور ایک شخص کو صف نہ کہیں گے ترمذی کی اسی حدیث میں جزاھم ثلثة اجزاء[3] (انھیں تین صفوں میں تقسیم کیا۔ ت) ہے اور جز مطلق ہے اور ہم ابھی حدیثِ مرفوع سے نقل کرچکے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک صف ایک ہی صاحب کی کی، علامہ قاری نے روایتِ ترمذی کی جو شرح ٹھہرائی کہ تین حصے کرنے سے یہ مراد ہے کہ بُوڑھے اور اُدھیڑ اور جوان یا علماء وطلبہ وعوام،

حیث قال ای قسمھم ثلثة اقسام ای شیوخا وکھولا وشبابا اوفضلاء وطلبة العلم والعامة[4]۔

انھوں نے کہا: ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا یعنی بوڑھوں، ادھیڑوں اور جوانوں میں، یا علماء، طلباء اور عوام میں تقسیم کیا۔ (ت)

یہ بھی نرا اجتہادِ علامہ ہے جس پر نہ حدیث مرفوع میں دلالت نہ اُس کی فرع فعل صحابی میں، نہ اُسے اس کی شرط اذا صلی علی جنازة فتقال الناس علیھا[5] (جب نماز جنازہ پڑھی اور اس پر آدمی کم محسوس کیے۔ ت) پر ترتب، یہ مقتضی تجزیہ ہیں، نہ طالبِ توزیع، تو یہ تفسیر بلا نشاء ہے، نہ شرع سے کہیں کسی نماز میں یہ تقسیم معہود کہ بوڑھے الگ چھانٹے جائیں اور ادھیڑ جُدا اور جوان علیحدہ۔

سادساً ہمیں مسلّم کہ فی نفسہٖ مستقل صف کم از کم دو کی ہوگی، مگر صف یا صفوف کے ساتھ اگر ایک شخص صف جداگانہ کی جگہ ہو تو اُس پر بھی ضرور اطلاقِ صف ہے اور یہی ہمارے اس مسئلہ میں ہے

---

[1] ردالمحتار مطلب اذا تعارض التیمم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۳
[2] سنن ابی داؤد باب فی الصفوف علی الجنازة آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۹۵
[3] جامع الترمذی ابواب الجنائز باب کیف الصلوٰة علی المیت الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۲۲
[4] مرقاة المفاتیح کتاب الجنائز حدیث ۱۶۸۷ المکتبة الحبیبیة کوئٹہ ۴/۱۷۰
[5] جامع الترمذی ابواب الجنائز باب کیف الصلوٰة علی المیت امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۲۲

تو اصل مبنائے انکار ہی ساقط و باطل ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یوم یقوم الروح والملٰئکۃ صفا[1] جس دن کھڑے ہوں گے رُوح اور ملائکہ صف باندھ کر۔
ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

الروح ملک فی السماء السابعۃ واعظم من السمٰوٰت ومن الجبال ومن الملٰئکۃ یسبح کل یوم اثنی عشرالف تسبیحۃ یخلق اللہ من کل تسبیحۃ ملکا من الملٰئکۃ یجیئ یوم القیٰمۃ صفا وحدہ[2]

یہ رُوح فرشتہ آسمانِ ہفتم میں ہے وہ آسمانوں اور پہاڑوں اور سب فرشتوں سے اعظم ہے، وُہ روزانہ بارہ ہزار تسبیحیں کرتا ہے۔ اللہ عزوجل ہر تسبیح سے ایک فرشتہ بناتا ہے یہ رُوح (فرشتہ) روزِ قیامت اکیلا ایک صف ہوگا۔

معالم التنزیل میں بروایت عطاء ابن ابی رباح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں ہے:

الروح ملک من الملٰئکۃ ما خلق اللہ تعالٰی مخلوقا اعظم منہ فاذا کان یوم القیٰمۃ قام وحدہ صفا وقامت الملٰئکۃ کلھم صفا واحدا فیکون اعظم خلقۃ مثلھم[3]

رُوح ایک فرشتہ ہے اللہ تعالٰی نے کوئی مخلوق جسم میں اس سے بڑی نہ بنائی، جب قیامت کا دن ہوگا وُہ اکیلا ایک صف ہو کر کھڑا ہوگا اور تمام فرشتے مل کر ایک صف، تو اس کی جسامت ان سب کے برابر ہوگی۔

امام ابوعمر ابن عبدالبر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: المرأۃ وحدھا صف[4] اکیلی عورت ایک صف ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے: المرأۃ وحدھا تکون صفا[5] تنہا عورت ایک صف ہوتی ہے۔ حدیث عطاء سے گزرا جعل الصف الثالث واحدا[6] نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو تیسری صف کیا۔

---

[1] القرآن ۷۸/۳۸

[2] جامع البیان المعروف تفسیر ابن جریر تحت آیہ مذکورہ مطبوعہ مطبعۃ میمنیہ مصر ۳۰/۱۳

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن " " " مصطفی البابی مصر ۷/۲۰۳ و ۲۰۲

[4] التمہید الحدیث الخامس لاسحاق المکتبۃ القدوسیۃ لاہور ۱/۲۶۸

[5] صحیح البخاری باب المرأۃ وحدھا تکون صفا " قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۱

[6]

امام احمد کی روایت مذکورہ میں بھی ایک شخص کو صف کہا کہ کرہ ان یکون الواحد صفا (اسے ناپسند کیا کہ ایک آدمی صف ہو۔ ت) نیز کہ الصف لا یقوم بواحد اصلا (ایک آدمی سے بالکل صف بنتی ہی نہیں۔ ت) اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ تین آدمیوں کی تین صفیں نہ ہوسکنے سے اعتراض جہالت فاحشہ ہے فکم من شیئ یصح ضمنا ولا یصح قصدا (بہت سی چیزیں ضمناً ہوں تو صحیح ہیں اور قصداً صحیح نہیں۔ ت)

سابعًا کراہت انفراد صلوٰۃ مطلقہ میں ارشاد ہوئی ہے، صلوٰۃ جنازہ کا اُس سے الحاق محلِ منع ہے، تبیین الحقائق میں فرمایا:

صلوٰۃ الجنازۃ لیست بصلوٰۃ من کل وجہ وانما ھی دعاء للمیت[2]۔ نمازِ جنازہ ہر لحاظ سے نماز نہیں، یہ تو بس میّت کے لئے دُعا ہے۔ (ت)

امام نسفی کتاب کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

حتی لا یحنث بصلاۃ الجنازۃ لوحلف ان لا یصلی فصارت کسجدۃ التلاوۃ[3]۔ اگر نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی تو نماز جنازہ پڑھنے سے حانث نہ ہوگا، تو یہ سجدۂ تلاوت کی طرح ہوئی (ت)

اقول بلکہ محل مقام میں صلاۃِ مطلقہ کا اُس سے بیّن تفاوت ہے۔ صلاۃ مطلقہ میں سب سے افضل صفِ اول ہے اور نماز جنازہ میں سب سے افضل صف اخیر۔

صلاۃ مطلقہ میں جب تک پہلی صف پوری نہ ہوجائے دوسری صف ہرگز نہ کی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیہ فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر[4] رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن حبان وابن خزیمۃ والضیاء فی المختارۃ عن اگلی صف پوری کرو پھر وہ جو اس کے بعد ہے کہ جو کچھ کمی رہے پچھلی صف میں رہے۔ اسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، ابن خزیمہ اور مختارہ میں ضیاء نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الامامۃ والحدث فی الصلوٰۃ مطبوعہ مطبعۃ کبری امیریہ مصر ۱/۱۳۷

[3] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۸

[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/۹۷

انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح ۔ تعالٰی عنہ سے بسندِ صحیح روایت کیا ۔ (ت)

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: الا تصفون کما تصف الملئکۃ عند ربہا (کیا تم ویسے صف نہیں لگاتے جیسے ملائکہ اپنے رب کے حضور صف لگاتے ہیں ۔ ت) صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ وکیف تصف الملئکۃ عند ربہا (یارسول اللہ ملائکہ اپنے رب کے حضور کیسے صف لگاتے ہیں ؟ ۔ت) ارشاد فرمایا: یتمون الصف الاول ویتراصون فی الصف[1] (پہلی صف پُوری کرتے ہیں اور صف کے اندر خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں ۔ت) رواہ مسلم و ابوداؤد وابن ماجۃ عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۔ت) اور نمازِ جنازہ میں تفریقِ صفوف سب کو مسلّم۔

صلوٰۃ مطلقہ میں محاذاتِ زن حسب شرائط عشرہ مفسد نماز ہے اور نماز جنازہ میں اصلاً مفسد نہیں کما نص علیہ فی الکتب قاطبۃ (جیساکہ تمام کتابوں میں اس کی تصریح ہے ۔ ت) تو کیا بعید ہے کہ صف کے پیچھے انفرادِ صلاۃِ مطلقہ میں مکروہ ہو نہ نمازِ جنازہ میں وبہ یضعف ماوقع فی الحلیۃ ان لولا الحدیث لقلنا بکراھتہ[2] (اور اسی سے حلیہ میں واقع یہ کلام ضعیف ہوجاتا ہے کہ اگر حدیث نہ ہوتی تو ہم اس کی کراہت کے قائل ہوتے ۔ت)

بالجملہ مسئلہ واضح ہے اور بحث طالع اور بخلافت حدیث وفقہ اُس پر اعتماد جہل فاضح ۔ اب رہا اصل سائل کہ یہ تفریق پانچ مقتدیوں میں بھی کی جائے یا صرف چھ سے مخصوص ہے۔

اقول ہاں پانچ میں بھی کی جائے، ہمیں حدیث وفقہ نے بتایا کہ ارشادِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من من مسلم یموت فیصلی علیہ ثلثۃ صفوف من المسلمین الا اوجب[3] ۔ مسلمانوں میں سے کوئی فوت ہوگیا اور اس پر مسلمانوں کی تین صفوں نے جنازہ پڑھا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی ۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم باب تسویۃ الصفوف واقامتہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۱
سنن ابی داؤد باب تسویۃ الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[3] مشکوٰۃ المصابیح باب المشی بالجنازہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۷

کی برکت حاصل کرنے کو حتی الوسع حاضرین کی تین صفیں کی جائیں، اگرچہ صفِ اخیر صرف ایک شخص کی ہو۔ یہ بات پانچ مقتدیوں میں یقیناً حاصل۔ پہلی دو صفیں دو دو کی ہوں کہ دو آدمی صلٰوۃ مطلقہ میں بھی مستقل صف ہیں، موطائے امام مالک و مصنف عبدالرزاق میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصففت انا والیتیم من ورائہ[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور میں نے اور یتیم نے حضور کے پیچھے صف لگائی (ت)

موطائے امام محمد میں عبداللہ بن عتبہ سے ہے:

قال دخلت علی عمر بن الخطاب بالھاجرۃ فوجدتہ یسبح فقمت ورائہ فقربنی فجعلنی بحذائہ عن یمینہ فلما جاء یرفاء تاخرت فصففنا ورائہ[2]

میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے یہاں دوپہر کو آیا تو انھیں نفل پڑھتے ہوئے پایا، میں ان کے پیچھے کھڑا ہوگیا، اُنھوں نے مجھے قریب کرکے اپنے برابر دائیں کرلیا، پھر جب یرفا آگیا تو میں پیچھے ہوگیا، ہم دونوں نے ان کے پیچھے صف بنائی (ت)

اور تیسری صف ایک کی فقہائے کرام نے کہ چھ ہی مقتدیوں کی صورت لکھی،

اولاً بعض صور پر اقتصار بعض دیگر کا نافی نہیں، ردالمحتار میں ہے:

لایلزم ان یکون ماسکت عنہ مخالفا فی الحکم لما ذکرہ کما لایخفی[3]

ضروری نہیں کہ جس سے سکوت ہو وہ حکم میں اس کے مخالف ہو جو مذکور ہے جیسا کہ واضح ہے (ت)

ثانیاً اقول اس کے لئے تین سبب ہیں،

اوّل صورت مذکورہ حدیث کے ذکر سے تبرک۔

دوم اس پر تنبیہ کہ چھ مقتدیوں کی صورت میں اگرچہ ہر صف دو شخصوں کی ہوسکتی ہے مگر بہ اتباعِ سنت یونہی کریں کہ پہلی صف تین کی، دوسری دو کی، تیسری ایک کی۔

سوم کراہت انفراد کا کامل ازالہ کہ باوصف تیسر تعدد انفراد اختیار کیا، اگر کہئے چھ مقتدیوں کی اس ترتیب میں کوئی اور حکمت بھی، **اقول** رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے افعال کی حکمتیں خوب جانتے ہیں

---

[1] موطا امام مالک جامع سبحۃ الضحٰی مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۳۷

[2] موطا امام محمد باب الرجلان یصلیان جماعۃ " نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۱۲۴

[3] ردالمحتار

نظرِ ظاہر میں یہاں دو حکمتیں معلوم ہوتی ہیں :

اوّلاً جمع تام ہے اور جمع تام گویا صفِ تام ہے ولہذا ایک روایت میں تین عورتوں کو جمیع صفوف مابعد کی نماز کا قاطع بتایا ، اور ظاہر الروایۃ میں بھی اسے اس درجہ قوی بتایا کہ ایک صف کو دوسری کا حائل نہ جانا اور ان کی محاذات میں آخر صفوف تک تین تین مردوں کی نماز پر حکم فساد فرمایا۔ فتح القدیر میں ہے :

الصحیح ان بالصلاۃ بالثلاث تفسد صلوۃ واحد عن یمینھن و اٰخر عن شمالھن وثلثۃ ثلثۃ الی اٰخر الصفوف وفی روایۃ الثلث کالصف التام فتفسد صلوۃ جمیع الصفوف التی خلفھن[1]

صحیح یہ ہے کہ تین عورتوں سے ایک ان کے دائیں والے مرد کی ، ایک ان کے بائیں والے کی ، اور آخری صف تک ہر صف سے تین تین مردوں کی نماز فاسد ہوجاتی ہے ——— اور ایک روایت میں ہے تین گویا پوری صف ہے تو ان کے پیچھے کی تمام صفوں کی نماز فاسد ہوجائے گی ۔ (ت)

اس معنوی کثرت وقوت کی تحصیل کو صفِ اوّل میں تین شخص رکھے ۔

ثانیاً اس میں تعدیل فضل ہے کہ جمع میں برکت ہے ایک سے دو میں زائد ، دو سے تین میں ، اور صفوفِ جنازہ میں آخر فالآخر افضل ہے ۔ پہلی سے دوسری افضل ، دوسری سے تیسری ، تو اس ترتیب سے ہر صف کے لئے چار فضل حاصل ہوگئے ۔ پہلی صف میں باعتبار صف ایک اور بلحاظِ رجال تین ۔ دوسری صف میں صف اور رجال دونوں کے اعتبار سے دو دو ، تیسری میں باعتبار صف تین ، بلحاظِ رجل ایک ' واللہ ذو الفضل العظیم ، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (اور اللہ بڑے فضل والا ہے ——— اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے ۔ ت)

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۱۶

اَلْمِنَّۃُ الْمُمْتَازَۃ فِیْ دَعْوَاتِ الْجَنَازَۃِ ۱۳۱۸

(نمازِ جنازہ سے متعلق حدیث میں وارد شدہ دعاؤں کا بیان اور تلقینِ میّت کا طریقہ)

مسئلہ ۶۲ مسئولہ حافظ حاجی قاری زائر سید محمد عبدالکریم صاحب ۲۵ جمادی الاُخریٰ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نمازِ جنازہ کی کے دُعائیں ہیں؟

الجواب

مولٰنا الحافظ القاری الحاج الزائر السید الصالح القادری البرکاتی ادام اللہ تعالٰی کرامتکم فی الحافرۃ والاٰتی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، وہ تیرہ دعائیں ہیں کہ نمازِ جنازہ کی احادیث میں وارد ہوئیں۔ فقیر نے انھیں جمع کرکے ایک اور کا اضافہ کیا ہے انھیں میں گزارش کرتا ہُوں کہ حفظ فرمالیں اور بالحاظ معنی جنازۂ اہلسنّت پر پڑھا کریں، جن کلمات کو دو خط ہلالی میں لے کر اُن پر خط کھینچ کر بالائے سطر دوسرے الفاظ لکھے جاتے ہیں وہ لفظ عورت کے جنازے میں اُن کلمات کی جگہ پڑھے جائیں۔ فقیر آپ کو وصیت کرتا ہے کہ میرا جنازہ پائیں تو نماز خود ہی پڑھائیں اور یہ سب دُعائیں اپنے خالص قادری قلب کے خضوع وخشوع سے پڑھیں اور قبرِ فقیر محتاج پر تلقین بھی کریں وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ٥

ادعیہ بعد تکبیر سوم

(۱) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَ

اُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَ(ہٗ ھَا) وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَ(ہٗ ھَا) ۔ [عہ۱]

(۲) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ (لَہٗ ھَا) وَارْحَمْہُ (ھَا) وَعَافِہٖ (ھَا) وَاعْفُ عَنْہُ (ھَا) وَوَسِّعْ مُدْخَلَہٗ (ھَا)

وَاغْسِلْہُ (ھَا) بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّہٖ (ھَا) مِنَ الْخَطَایَا کَمَا نَقَّیْتَ الثَّوْبَ الْاَبْیَضَ

مِنَ الدَّنَسِ وَابْدِلْہُ (ھَا) دَارًا خَیْرًا مِّنْ دَارِہٖ (ھَا) وَاَھْلًا خَیْرًا مِّنْ اَھْلِہٖ (وَ

زَوْجًا خَیْرًا مِّنْ زَوْجِہٖ [عہ۲]) وَاَدْخِلْہُ (ھَا) الْجَنَّۃَ وَاَعِذْہُ (ھَا) مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ

عہ۱ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی و النسائی وابن حبان والحاکم عن ابی ھریرۃ واحمد وابویعلی والبیھقی وسعید بن منصور فی سنن عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔ (م)

عہ۱ اسے امام احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے ابوہریرہ سے ۔ اور امام احمد، ابویعلٰی، بیہقی اور سنن میں سعید بن منصور نے حضرت ابوقتادہ سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ (ت)

عہ۲ یعنی یہ الفاظ عورت کے جنازہ پر نہ پڑھے جائیں ۱۲ کلہا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (م)

---

[۱] سنن ابوداود باب الدعاء للمیت مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۱

جامع الترمذی باب مایقول فی الصلوٰۃ علی المیت مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۲۱

المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز ؍؍ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۵۸

مسند ابویعلٰی حدیث ۵۹۸۳ مطبوعہ موسستہ علوم القرآن بیروت ۵/ ۳۷۹

وَعَذَابِ النَّارِ۔ [1]

امَتُكَ وَبِنْتُ تَشْهَدُ

(۳) اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ اَمَتِكَ يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

تَشْهَدُ اَصْبَحَتْ فَقِيْرَةً

وَيَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اَصْبَحَ فَقِيْرًا اِلٰى رَحْمَتِكَ وَاَصْبَحْتَ

كَانَتْ هَا كَانَتْ زَاكِيَةً هَا تَخَلَّتْ

غَنِيًّا عَنْ عَذَابِهٖ، تَخَلّٰى مِنَ الدُّنْيَا وَاَهْلِهَا اِنْ كَانَ زَاكِيًا فَزَكِّهٖ، وَاِنْ كَانَ

مُخْطِئَةً لَهَا هَا هَا

(مُخْطِئًا) فَاغْفِرْ (لَهٗ) اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ، وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ۔ [2]

هَا هَا هٰذِهٖ اَمَتُكَ بِنْتُ

(۴) اَللّٰهُمَّ (هٰذَا عَبْدُكَ ابْنُ) عَبْدِكَ ابْنُ اَمَتِكَ مَاضٍ فِيْهِ، حُكْمُكَ، خَلَقْتَهٗ،

هَا هَا لَتْ تَكُ هِيَ

وَلَمْ يَكُ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا، نَزَلَ بِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ مَنْزُوْلٍ بِهٖ، اَللّٰهُمَّ لَقِّنْهُ حُجَّتَهٗ،

هَا هَا هَا

وَاَلْحِقْهُ بِنَبِيِّهٖ، مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَثَبِّتْهُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ

---

[1] رواہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وابوبکر بن شیبۃ عن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (م)

اسے امام مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

[2] رواہ الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (م)

اسے حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۱۱

سنن النسائی الدعاء للمیت " نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۸۱

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز " دار الفکر بیروت ۱/۳۵۹

ھَا افْتَقَرَتْ ھَا نَتْ تَشْھَدُ ھَا
فَاِنَّہٗ، (افْتَقَرَ) اِلَیْکَ وَاسْتَغْنَیْتَ عَنْہُ، کَانَ (یَشْھَدُ) اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَاغْفِرْ لَہٗ،

ھَا ھَا ھَا نَتْ ۃ زَاکِیَۃً
وَارْحَمْہُ، وَلَا تَحْرِمْنَا اَجْرَ(ہٗ)، وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَ(ہٗ)، اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ(تْ) (زَاکِیًا)

ھَا نَتْ طِئَۃً ھَا
فَزَکِّہٖ، وَاِنْ کَانَ(تْ) خَاطِئًا) فَاغْفِرْلَہٗ، عہ لہ

عہ رواہ عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ ۱۲ (م)

قال الامام ابن الجزری وشرح حصنہ (زاکیا) ای طاھرا من الذنوب فزکہ ای فطھرہ بالمغفرۃ ورفع الدرجات اھ وتعقبہ العلامۃ القاری بانہ لایخفی عدم المناسبۃ بین تفسیرہ زاکیا بطاھر ای من الذنوب وبین قولہ فطھرہ بالمغفرۃ اھ **اقول** لابدع فی سؤال المغفرۃ بالطاھر من الذنوب قدکان سید الطاھرین امام المعصومین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیھم لیستغفر الیہ کل یوم مائۃ مرۃ وذلک ان العبد وان جل ماجل لایبلغ عما عملہ شکر نعمۃ اللہ تعالٰی ابدا ولا یخلوا عامۃ الصالحین عن

اسے امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کیا ۱۲ (ت)

امام ابن الجزری نے اپنی حصن حصین کی شرح میں فرمایا: زاکیا کا معنی گناہوں سے پاک، فزکہ کا معنی: اسے مغفرت فرما کر اور درجات بلند فرما کر خوب پاک کردے اھ۔ اس پر علامہ قاری نے تنقید کی کہ زاکیا کی تفسیر (گناہوں سے پاک) اور (مغفرت فرما کر اسے گناہوں سے پاک کردے) ان دونوں میں مناسبت نہ ہونا واضح ہے اھ **اقول** جو گناہوں سے پاک ہے اس کے لئے دعائے مغفرت کوئی اجنبی اور نامناسب چیز نہیں۔ پاکوں کے سردار، معصوموں کے امام حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روزانہ خدا کی بارگاہ میں سو بار استغفار کرتے۔ بات یہ ہے کہ بندہ جتنا بھی بزرگ ہوجائے اس کا عمل اللہ تعالٰی کی نعمتوں کے کامل شکر کی حد تک کبھی نہیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

لہ کنز العمال صلوٰۃ الجنائز حدیث ۴۲۸۶۴ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/۱۸ء

اَمَتُكَ بِنْتُ جٹ

(۵) اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ اَمَتِكَ احْتَاجَ اِلٰى رَحْمَتِكَ وَ اَنْتَ غَنِيٌّ عَنْ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تقصیرما بالنظر الی ماینبغی لجلال وجہ الکریم فالمغفرۃ فی حقھم ان یتجاوز عن ذلك ولا یعاملھم قدر اعمالھم بل قدر افضالہ والیہ اشارۃ بقولہ رحمہ اللہ تعالٰی ورفع الدرجات قال القاری واغرب الحنفی بقولہ الاولٰی ان یقال ای زد فی زکاتہ وطھارتہ اھ **اقول** مرجعہ الی ماذکرنا ای ان کان طاھرا من الذنوب فزد فی طھارتہ بمغفرۃ التقصیر فی شکرك الخطیر وقد فسرہ القاری نفسہ بقولہ ای فزد فی احسانہ کما فی روایۃ اھ لایبعد عن قول الحنفی کثیرا و انا **اقول** وباللہ التوفیق بل ھو من تزکیۃ الشھود ای انکان زاکیا فاظھر فی ملکوتك انہ ذاك واشھد لہ بذالك وھذا لیس بتاویل بخلاف ماتقدم وباللہ التوفیق کلھا منہ رضی اللہ

پہنچ سکتا۔ رب کریم کی بزرگی شان کے لحاظ سے عامہ صالحین کسی نہ کسی طرح کی کمی سے خالی نہ ہونگے تو ان کے حق میں مغفرت یہ ہے کہ اس سے درگزر فرمائے اور ان کے ساتھ ان کے اعمال کے حساب سے نہیں بلکہ اپنے فضل وکرم کے لحاظ سے معاملہ فرمائے اور ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کی طرف اپنے قول (اور درجات بلند فرماکر) سے اشارہ فرمایا ہے ــــ علامہ علی قاری فرماتے ہیں: علامہ حنفی نے یہ عجیب وغریب بات لکھی کہ اس کی تفسیر میں یہ کہنا بہتر ہوگا کہ "اس کی ستھرائی اور پاکی میں اضافہ فرما" **اقول** اس کا مآل بھی وہی ہے جو ہم نے بیان کیا کہ اگر گناہوں سے پاک ہے تو اس کی پاکی میں اضافہ فرما اس طرح کہ اپنے عظیم شکر کی بجاآوری میں اس کی تقصیر کو بخش دے ــــ اور خود مولانا قاری نے اس کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے: "یعنی اس کی نیکی میں اضافہ فرما جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے اھ ــــ **اقول** وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق خدا ہی سے ہے) بلکہ یہ تزکیۂ شہود سے ہے (گواہوں کا تزکیہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی باطنی عدالت وپرہیزگاری جانچ کر ظاہر

(باقی برصفحہ آیندہ)

عذابہ، ان کان (محسنا) فزد فی احسانہ، وان کان (مسیئا) فتجاوز عنہ۔[1]

(ھا / نت / محسنۃ / ھا / نت / مسیئۃ / عنھا)

(۶) اللّٰھم (عبدک) وابن عبدک کان (یشھد) ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدا عبدک ورسولک صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم، وانت اعلم بہ منا، ان کان (محسنا) فزد فی احسانہ، وان کان مسیئا فاغفرلہ، ولا تحرمنا اجرہ، ولا تفتنا بعدہ۔[2]

(امتک / بنت / نت / تشھد / ھا / نت / محسنۃ / ھا / نت / مسیئۃ / ھا / ھا / ھا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تعالٰی عنہ۔ (م)

کردی جائے) یعنی اگر وہ پاکیزہ ہے تو اپنی بادشاہت میں اس کی یہ حالت بیان کردے اور اس کے لئے اس پر گواہ لے لے۔ یہ اس کا لفظی معنی ہوا، تاویل نہیں جیسے کہ گزشتہ معانی تاویل تھے، اور توفیق خدا ہی سے ہے۔ (ت)

عہ۱ رواہ الحاکم عن یزید بن رکانۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔ (م)

اسے حاکم نے یزید بن رکانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

عہ۲ رواہ ابن حبان عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔

اسے ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

---

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۳۵۹

[2] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان حدیث ۳۰۶۲ " موسستہ الرسالۃ بیروت ۶/۳۰

موارد الظمآن کتاب الجنائز مطبوعہ مطبعۃ سلفیہ مدینہ منورہ ۱/۱۹۲

مسند ابویعلٰی حدیث ۶۵۶۷ " موسستہ علوم القرآن بیروت ۶/۱۰۶

اَصْبَحَتْ اَمَتُكَ هٰذِهٖ تَخَلَّتْ كَتْهَا فْتَقَرَتْ

(۷) (اَصْبَحَ عَبْدُكَ هٰذَا) قَدْ (تَخَلّٰى) عَنِ الدُّنْيَا وَ تَرَكَهَا لِاَهْلِهَا وَ (اِفْتَقَرَ)

هَا نَتْ تَشْهَدُ

اِلَيْكَ وَاسْتَغْنَيْتَ عَنْهُ) وَقَدْ كَا (نَ يَشْهَدُ) اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ

هَا هَا هَا هَا

وَرَسُوْلُكَ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ط اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَتَجَاوَزْ عَنْهُ وَاَلْحِقْهُ بِنَبِيِّهٖ

صَلَّى اللهُ تَعَالٰى علیہ وسلم۔ عـ۱ـه ۱

(۸) اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا لِلْاِسْلَامِ ط وَاَنْتَ قَبَضْتَ

رُوْحَهَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلَانِيَتِهَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَهَا۔ عـ۲ـه ۲

عـ۱ـه رواه ابویعلی بسند صحیح عن سعید بن المسیب عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ الحقنا بما قبلہ من المرفوعات للمناسبۃ ۱۲ کلہا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)۔

ابویعلٰی نے بسند صحیح حضرت سعید بن مسیب سے، انھوں نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان ہی کے قول کے طور پر (یعنی موقوفاً) روایت کیا۔ اسے ماقبل کی مرفوع دعاؤں سے مناسبت کے باعث ہم نے لاحق کر دیا ۱۲ کلہا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

عـ۲ـه رواہ ابوداؤد والنسائی والبیہقی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (م)

ابوداؤد، نسائی اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

---

۱ المصنف لعبد الرزاق باب القراءۃ والصلوۃ علی المیت حدیث ۶۴۲۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۳/ ۴۸۷
المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجنائز مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/ ۲۹۲
۲ سنن ابوداؤد باب الدعاء للمیت ر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۰

(۹) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاِخْوَانِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِنَا اَللّٰھُمَّ (ھٰذِہٖ اَمَتُکَ) ھٰذَا عَبْدُکَ فُلَانُ (بِنْتُ) ابْنُ فُلَانٍ وَلَا نَعْلَمُ اِلَّا خَیْرًا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ (ھَا) مِنَّا فَاغْفِرْلَنَا وَلَہٗ (ھَا)۔ [عہ۱]

(۱۰) اَللّٰھُمَّ اِنَّ فُلَانَ (بِنْتَ) ابْنَ فُلَانٍ فِیْ ذِمَّتِکَ وَحَبْلِ جِوَارِکَ فَقِہٖ (ھَا) مِنْ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَھْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَمْدِ اَللّٰھُمَّ فَاغْفِرْ لَہٗ (ھَا) وَارْحَمْہُ (ھَا) اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ [عہ۲]

عہ۱ رواہ ابونعیم عن عبداللہ بن الحارث بن نوفل عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علمھم الصلوۃ علی المیت اللھم اغفر الحدیث قال فقلت انا اصغر القوم فان لم اعلم خیرا قال فلا تقل الا ما تعلم ۱۲ کلھا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (م)

اسے ابونُعیم نے عبداللہ بن حارث بن نوفل سے انھوں نے اپنے والد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں نمازِ جنازہ سکھائی اللھم اغفر ـــ آخر حدیث تک ـــ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا میں لوگوں میں سب سے کم عمر ہوں اگر مجھے کوئی خیر معلوم نہ ہو؟ فرمایا: تو تم وہی کہو جو جانتے ہو ۱۲ کلھا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

عہ۲ رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ عن واثلۃ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا (ت)

---

[۱] کنز العمال بحوالہ ابونعیم حدیث ۴۲۸۴۴ مطبوعہ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱۵/۷۱۴

[۲] سنن ابی داود باب الدعاء للمیت ” آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۰۱

سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی الدعاء فی الجنازۃ علی الجنازۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۹

(۱۱) اَللّٰھُمَّ اَجِرْھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ ط اَللّٰھُمَّ جَافِ الْاَرْضَ عَنْ جَنْبَیْھَا وَصَعِّدْ رُوْحَھَا وَلَقِّھَا مِنْکَ رِضْوَانًا۔ [ع۱] [۱]

(۱۲) اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ خَلَقْتَنَا وَنَحْنُ عِبَادُکَ ط اَنْتَ رَبُّنَا وَاِلَیْکَ مَعَادُنَا۔ [ع۲] [۲]

(۱۳) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَ (ہٗ) ھَا وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ ھَا۔ [ع۳] [۳]

(۱۴) اَللّٰھُمَّ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

ع۱ رواہ ابن ماجۃ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ (م)	اسے ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)
ع۲ رواہ البغوی وابن مندۃ والدیلمی فی مسند الفردوس عن ابی حاصر رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	اسے بغوی، ابن مندہ اور مسند الفردوس میں دیلمی نے ابوحاصر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)
ع۳ رواہ البغوی عن ابراھیم الاشھالی عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	اسے بغوی نے ابراہیم اشہالی سے، انھوں نے اپنے والد رضی اللہ تعالٰی سے روایت کیا۔ (ت)

---

[۱] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی ادخال المیت القبر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۲

[۲] کنز العمال بحوالہ الدیلمی حدیث ۴۲۸۴۹ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۵/ ۷۱۰

[۳] کنز العمال بحوالہ البغوی ″ ۴۲۲۹۹ ″ ″ ۱۵/ ۵۸۶

شرح السنۃ باب قراءۃ الفاتحہ فی صلوٰۃ الجنازۃ والدعاء للمیت مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۵۵

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللهُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۝ اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْكَرِيْمَ اِذَا اَمَرَ بِالسُّؤَالِ لَمْ يَرُدَّهٗ اَبَدًا وَقَدْ اَمَرْتَنَا فَدَعَوْنَا وَاَذِنْتَ لَنَا فَشَفَعْنَا وَاَنْتَ اَكْرَمُ الْاَكْرَمِيْنَ فَشَفِّعْنَا فِيْهِ (ها) وَارْحَمْهُ (ها) فِیْ وَحْدَتِهٖ (ها) فِیْ وَحْشَتِهٖ (ها) وَارْحَمْهُ (ها) فِیْ غُرْبَتِهٖ (ها) وَارْحَمْهُ (ها) فِیْ كُرْبَتِهٖ (ها) وَاَعْظِمْ لَهٗ (ها) اَجْرَهٗ (ها) وَنَوِّرْ لَهٗ (ها) قَبْرَهٗ (ها) وَبَيِّضْ لَهٗ (ها) وَجْهَهٗ (ها) وَبَرِّدْ لَهٗ (ها) مَضْجَعَهٗ (ها) وَعَطِّرْ لَهٗ (ها) مَنْزِلَهٗ (ها) وَاَكْرِمْ لَهٗ (ها) نُزُلَهٗ (ها) يَا خَيْرَ الْمُنْزِلِيْنَ يَا خَيْرَ الْغَافِرِيْنَ وَيَا خَيْرَ الرَّاحِمِيْنَ اٰمِيْنَ اٰمِيْنَ اٰمِيْنَ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِ الشَّافِعِيْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ عـه

عـه زادہ الفقیر غفر لہ الکریم القدیر ۱۲ کلہا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

یہ دعا فقیر نے زیادہ کی، رب کریم وقدیر اس کی مغفرت فرمائے ۱۲ کلہا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

ترجمۂ ادعیۂ منقولہ

(۱) الٰہی! بخش دے ہمارے زندے اور مُردے، اور حاضر اور غائب، اور چھوٹے اور بڑے، اور مرد اور عورت کو۔ الٰہی! تو جسے زندہ رکھے ہم میں سے اُسے زندہ رکھ اسلام پر، اور جسے موت دے ہم میں سے اُسے موت دے ایمان پر۔ الٰہی! ہمیں اس میّت کے ثواب سے محروم نہ کر۔ اور ہمیں اس کے بعد فتنہ میں نہ ڈال۔

(۲) الٰہی! اس میّت کو بخش دے، اور اس پر رحم فرما، اور اسے ہر بلا سے بچا، اور اسے معاف کر، اور اسے عزت کی مہمانی دے، اور اس کی قبر وسیع کر، اور اسے دھو دے پانی اور برف اور اولوں سے، اور اسے پاک کر دے گناہوں سے جیسے تو نے پاک کیا سپید کپڑا میل سے، اور اسے بدل دے مکان بہتر اس کے مکان سے، اور گھر والے بہتر اس کے گھر والوں سے، اور زوجہ بہتر اس کی زوجہ سے۔ اور اسے داخل فرما بہشت میں، اور اسے پناہ دے قبر کے عذاب اور قبر کے سوال اور دوزخ کے عذاب سے۔

(۳) الٰہی! یہ میّت تیرا بندہ اور تیری باندی کا بچہ گواہی دیتا ہے کہ کوئی سچا معبود نہیں مگر ایک اکیلا تو، تیرا کوئی شریک نہیں، اور گواہی دیتا ہے کہ محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں، یہ محتاج ہے تیری مہربانی کا اور تو بے نیاز ہے اس کے عذاب سے، یہ اکیلا رہا دُنیا اور دُنیا کے لوگوں سے، اگر یہ ستھرا تھا تو اسے ستھرا فرما دے اور اگر خطاوار تھا تو اسے بخش دے۔ الٰہی! ہمیں محروم نہ کر اس کے ثواب سے اور گمراہ نہ کر اس کے بعد۔

(۴) الٰہی! یہ تیرا بندہ تیری بندی کا بیٹا تیری باندی کا بچہ ہے، نافذ اس میں حکم تیرا، تو نے اسے پیدا کیا اُس حال میں کہ نہ تھا کوئی چیز جس کا نام تک کوئی لیتا ہو، یہ تیرے یہاں اُترا ہے، اور تو بہتر ہے اُن سب سے جن کے یہاں کوئی غریب الوطن اُترے۔ الٰہی! اُسے اس کی حجت سکھا دے اور اُسے اُس کے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملا دے، اور اُسے ٹھیک بات پر ثابت رکھ کہ یہ تیرا محتاج ہے اور تو اس سے غنی ہے، یہ گواہی دیتا تھا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اللہ کے، پس اُسے بخش دے اور اس پر رحم فرما اور ہمیں اس کے ثواب سے محروم نہ کر، اور اس کے فتنے میں نہ ڈال۔ الٰہی! اگر یہ ستھرا تھا تو اسے ستھرا فرما دے اور اگر خطاکار تھا تو اسے بخش دے۔

(۵) الٰہی! تیرا بندہ اور تیری باندی کا بچہ تیری رحمت کا محتاج ہے اور تو اسے عذاب کرنے سے غنی ہے، اگر نیک تھا تو اُس کی نیکیاں زیادہ کر اور اگر بد تھا تو اُس سے درگزر فرما۔

(۶) الٰہی! تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا گواہی دیتا تھا کہ کوئی سچا معبود نہیں مگر اللہ، اور یہ کہ محمد تیرے

بندے اور تیرے رسول ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور تُو اُس کا حال زیادہ جاننے والا ہے ہم سے، اگر یہ نیک تھا تو اس کی نیکی بڑھا اور اگر بد تھا تو اسے بخش دے، اور ہمیں اس کے ثواب سے محروم نہ کر اور اس کے فتنے میں نہ ڈال۔

(۷) تیرے اُس بندے نے صبح کی کہ الگ ہو آیا دنیا سے اور اسے چھوڑ دیا اس کے لوگوں کے لئے، اور تیرا محتاج ہُوا اور تُو اُس سے غنی ہے۔ اور بیشک یہ گواہی دیتا تھا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اللہ کے اور محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، الٰہی! اُسے بخش دے اور اس سے درگزر فرما، اور اُسے ملادے اس کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔

(۸) الٰہی! تو اس جنازے کا پروردگار ہے اور تُو نے اسے پیدا کیا، اور تُو نے اسے اسلام کی راہ دکھائی، اور تُو نے اس کی جان قبض کی، اور تُو خوب جانتا ہے اُس کا چھپا اور ظاہر حال، ہم حاضر ہوئے ہیں شفاعت کرنے تُو اسے بخش دے۔

(۹) الٰہی! بخش دے ہمارے سب بھائیوں بہنوں کو، اور اصلاح کر دے ہمارے آپس میں، اور ملاپ کر دے ہمارے دلوں میں۔ الٰہی! یہ تیرا بندہ فلاں بن فلاں ہے اور ہم تو اس کو اچھا ہی جانتے ہیں اور تجھے اس کا علم ہم سے زیادہ ہے۔ تُو ہمیں اور اُسے سب کو بخش دے۔

(۱۰) الٰہی! بیشک فلاں بن فلاں تیری پناہ اور تیری امان کی رسی میں ہے تو اسے بچا سوالِ نکیرین اور عذابِ دوزخ سے کہ تُو وعدہ پورا کرنے والا سب خوبیوں کا اہل ہے۔ الٰہی! تو اسے بخش دے اور اس پر رحم کر بیشک تُو ہی ہے بخشنے والا مہربان۔

(۱۱) الٰہی! اسے پناہ دے شیطان سے اور قبر کے عذاب سے۔ الٰہی! دُور کر زمین کو اس کی دونوں کروٹوں سے، اور آسمان پر لے جا اس کی رُوح کو، اور اسے اپنی خوشنودی عطا کر۔

(۱۲) الٰہی! بیشک تُو نے ہمیں پیدا کیا اور ہم تیرے بندے ہیں اور تُو ہمارا رب ہے اور تیری ہی طرف ہمیں پھرنا ہے۔

(۱۳) الٰہی! بخش دے ہمارے اگلے پچھلے اور زندہ اور مردہ اور خرد و کلاں اور حاضر و غائب کو۔ الٰہی! ہمیں محروم نہ کر اُس کے ثواب سے اور ہمیں فتنے میں نہ ڈال اُس کے بعد۔

(۱۴) اے اللہ، اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان، اے زندہ، اے پائندہ، اے نیا بنانے والے آسمانوں اور زمینوں کے، اے بزرگی و عزت بخشنے والے! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس وسیلہ سے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو ہی ہے اللہ یکتا بے نیاز کہ نہ کوئی اس کے اولاد نہ وہ کسی سے پیدا، نہ کوئی اس کے جوڑ کا۔

الٰہی! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف منہ کرتا ہوں وسیلے سے تیرے نبی محمد کے کہ رحمت کے نبی ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ الٰہی! بیشک کریم جب خود حکم سوال کا دیتا ہے تو اس سوال کو کبھی رد نہیں کرتا۔ اور بیشک تُو نے ہمیں حکم دیا تو ہم نے دعا کی، اور تُو نے ہمیں اجازت دی تو ہم نے شفاعت کی، اور تُو ہر کریم سے بڑھ کر کرم والا ہے، تُو ہماری شفاعت اس میت کے حق میں قبول فرما اور اس پر رحم کر اس کی تنہائی میں، اور اس پر رحم کر اس کی گھبراہٹ میں، اور اس پر رحم کر اس کی بیکسی میں، اور اس پر رحم کر اس کی تکلیف میں، اور اسے بڑا ثواب دے، اور اس کی قبر نورانی کر، اور اس کا چہرہ پُرنور کر، اور اس کی خوابگاہ ٹھنڈی کر، اور اس کی جگہ معطر کرے، اور اسے عزت والی مہمانی دے۔ اے سب میزبانوں سے بہتر، اے سب بخشنے والوں سے بہتر، اے سب مہربانوں سے بہتر! قبول فرما، قبول فرما، قبول فرما۔ درود اور سلام و برکات اتار سب شفیعوں کے سردار محمد اور اُن کی آل اور اصحاب سب پر۔ اور سب خوبیاں اللہ کو جو سارے جہان کا پروردگار۔

فائدہ: نویں دسویں دعاؤں میں اگر میت کے باپ کا نام نہ معلوم ہو اس کی جگہ آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کہے کہ سب آدمیوں کے باپ ہیں۔ اور اگر خود میت کا نام بھی نہ معلوم ہو تو نویں دعا میں لفظ هٰذَا عَبْدُكَ یا هٰذِهٖ اَمَتُكَ پر قناعت کرے فلاں ابن فلاں یا بنت فلاں کو چھوڑ دے اور دسویں میں اُس کی جگہ عَبْدُكَ هٰذَا (تیرا یہ بندہ) یا عورت ہو تو اَمَتُكَ هٰذِهٖ (تیری یہ باندی) کہے۔

فائدہ: میت کا فسق و فجور اگر معاذ اللہ معلوم ہو تو نویں دعا میں لَا نَعْلَمُ اِلَّا خَیْرًا کی جگہ قَدْ عَلِمْنَا مِنْهَا خَیْرًا کہے کہ اسلام ہر خیر سے بڑھ کر ہے واللہ غفور رحیم۔

فائدہ: ان دعاؤں میں بعض مضامین مکرر بھی ہیں اور دعا میں تکرار مفید و مستحسن ہے، جسے جلدی ہو یا یاد کرنے میں دقت جانے تو دعائے اول و دوم و سوم و چہارم یا القول الثابت تک اور ہشتم سے دوازدہم تک پڑھے، ان شاء اللہ تعالیٰ یہی کافی و وافی ہے، یہ نصف سے بھی کم رہ گیا اور چاہے تو چہاردہم بھی ملالے اب بھی نصف سے کچھ زائد رہے گا، اور وقت مساعدت کرے تو سب کا پڑھنا اولٰی ہے، امام جتنی دیر میں یہ دعائیں پڑھے مقتدی دعائے مشہور کے بعد اگر ان ادعیہ سے کچھ یاد نہ ہو صرف آمین آمین آہستہ کہتے رہیں۔

طریقہ تلقین قبر: حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تمہارا

عہ رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر والضیاء فی الاحکام وابن شاهین فی ذکر الموت و آخرون کما ذکرنا فی حیاۃ الموات ۱۲ منہ (م)

اسے طبرانی نے معجم کبیر میں، ضیاء نے احکام میں، ابن شاہین نے ذکر الموت میں روایت کیا اور دوسرے حضرات نے بھی روایت کیا، جیسا کہ ہم نے رسالہ حیاۃ الموات میں بیان کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

کوئی بھائی مسلمان مرے اور اس کی قبر پر مٹی برابر کر چکو تو تم میں ایک شخص اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے یا فلاں

بنت

ابن فلانۃ کہ وہ سُنے گا اور جواب نہ دے گا۔ پھر کہے یا فلاں (بن) فلانۃ وہ سیدھا ہو کر

بنت

بیٹھ جائے گا، پھر کہے یا فلاں (بن) فلانۃ وہ کہے گا ہمیں ارشاد کر اللہ تعالٰی تجھ پر رحم فرمائے۔

اُذکری خرجتِ

مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہیں ہوتی۔ پھر کہے (اُذْکُرْ) مَاخَرَجْتَ عَلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا

شَہَادَۃَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

نّکِ رَضِیتِ

وَسَلَّمَ (وَاَنَّکَ رَضِیْتَ) بِاللہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا وَّ بِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا[1] نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے چلو ہم

اس کے پاس کیا بیٹھیں گے جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے۔ اس پر کسی نے عرض کی، یا رسول اللہ!

اگر اُس کی ماں کا نام معلوم نہ ہو، فرمایا، تو حوا کی طرف نسبت کرے[2]۔ راشد بن سعد وضمرہ بن حبیب و

حکیم بن عمیر کہ تینوں صاحب اجلہ ائمہ تابعین سے ہیں فرماتے ہیں جب قبر پر مٹی برابر کر چکیں اور لوگ

عہ رواہ عنہم سعید بن منصور فی سننہ ۱۲ منہ (م)

ان سے اس کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا (ت)

---

[1] و [2] کنز العمال بحوالہ الطبرانی حدیث ۴۲۴۰۶ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۵/۶۰۵

واپس جائیں تو مستحب سمجھا جاتا تھا کہ میت سے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر کہا جائے یا فلان

قُوْلِی

قُلْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ تین بار، پھر کہا جائے قُلْ رَبِّیَ اللہُ وَدِیْنِیَ الْاِسْلَامُ وَنَبِیِّیْ مُحَمَّدٌ

وَاعْلَمِیْ

صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فقیر غفر اللہ تعالٰی اس قدر اور زائد کرتا ہے (وَاعْلَمْ) اَنَّ

نِکِ کِ

ھٰذَیْنِ الَّذَیْنِ اَتَیَاکَ اَوْیَاْتِیَانِکَ اِنَّمَا ھُوَعَبْدَانِ لِلّٰہِ لَا یَضُرَّانِ وَلَا یَنْفَعَانِ

تَخَافِیْ تَحْزَنِیْ وَاَشْھَدِیْ دِیْنُکِ

اِلَّا بِاِذْنِ اللہِ فَلَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ وَاَشْھَدْ اَنَّ رَبَّکَ اللہُ وَدِیْنَکَ الْاِسْلَامُ

نَبِیُّکِ

وَنَبِیَّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَبَّتَنَا اللہُ وَاِیَّاکَ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی

الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝

ترجمہ: کہہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام اور میرا نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (فقیر غفر اللہ تعالٰی نے اس قدر اور زائد کیا) اور جان لے کہ یہ دو جو تیرے پاس آئے یا آئیں گے یہ تو یہی دو بندے ہیں اللہ کے، نہ نفع دیں نہ نقصان پہنچائیں مگر خدا کے حکم سے۔ تو نہ ڈر اور نہ غم کر، اور گواہی دے کہ تیرا رب اللہ ہے اور تیرا دین اسلام، اور تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ثابت رکھے ہمیں اللہ، اور تجھ کو ٹھیک بات پر، دنیا کی زندگی اور آخرت میں۔ بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔

حدیث تلقین کی تخریج و تقویت فقیر نے کتاب حیٰوۃ الموات فی بیان سماع الاموات کے مقصد دوم فصل پنجم اور مسئلہ تلقین کی روایات و تنقیح مقصد سوم فصل سیزدہم میں ذکر کی جس سے بحمد اللہ تعالٰی وہابیہ کے تمام اوہام کی تسکین کافی ہوتی ہے،

وباللہ التوفیق والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد وآلہ اجمعین واللہ

اور خدا ہی سے توفیق ہے، اور ساری تعریف اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اور خدائے برتر

سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ ہمارے آقا حضرت محمد اور ان کی تمام آل پر رحمت نازل فرمائے، اور خدائے پاک و برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۶۳: از بمبئی جاملی محلہ مکان حاجی محمد صدیق جعفر مرسلہ مولوی محمد عمرالدین صاحب ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ بعد نماز جنازہ کے صفوف توڑ کر یہ دُعا اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ واغفرلنا ولہ یا مثل اس کے کی جاتی ہے جیسا کہ بمبئی اور اس کے اطراف مانند مالاگاؤں وغیرہ بلاد میں قدیم الایام سے متعارف ومتعامل ہے درست ہے یا نہیں؟ اور بر تقدیر جواز بعض اشخاص جو اس کو حرام وممنوع کہتے ہیں ان کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ مجیب الدعوات وافضل الصلوٰۃ واکمل التحیات علی معاذ الاحیاء ومعاد الاموات خالص الخیر ومحض البرکات فی الحیٰوۃ الاولٰی والحیٰوۃ العینی بعد الممات وعلٰی اٰلہ وصحبہ کریمی الصفات مابعد ماض وقرب اٰت اٰمین۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔ اور بہتر درود اور کامل ترتحیتیں ان پر جو زندوں کی پناہ گاہ، مُردوں کا مرجع، خالص خیر اور محض برکات ہیں، دنیا کی زندگی میں بھی، اور بعد موت کی بالاتر زندگی میں بھی اور ان کی آل واصحاب پر بھی، جو بزرگ صفات والے ہیں، جب تک کہ گزرا ہوا دور اور آنے والا قریب ہوتا رہے۔ الٰہی قبول فرما! (ت)

اموات مسلمین کے لئے دُعا قطعاً محبوب وشرعاً مندوب جس کی ندب وترغیب مطلق پر آیات واحادیث بلاتوقیت وتخصیص ناطق تو بلاشبہہ ہر وقت اُس پر حکم جواز صادق، جب تک کسی خاص وقت ممانعت شرع مطہر سے ثابت نہ ہو مطلق شرعی کو از پیش خویش موقت اور مرسل کو مقید کرنا تشریع من عند النفس ہے اور نماز ہر چند اعظم واجل طرق ہے مگر نہ اُس پر اقتصار کا حکم نہ اُس کے اغنا پر جزم، بلکہ شرع مبارک وقتاً فوقتاً بکثرت اور بار بار تعرض نفحاتِ رحمت کا حکم فرماتی ہے کیا معلوم کس وقت کی دعا قبول ہوجائے۔ صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لیکثر من الدعاء۔ اخرجہ الترمذی[1] والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال صحیح واقروہ۔

دعا کی کثرت کرے۔ اسے ترمذی وحاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور حاکم نے کہا صحیح ہے، اور علماء نے اسے برقرار رکھا۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۷۴

15 مستدرک حاکم وصحیح ابنِ حبان میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور اقدس صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وآلہ فرماتے ہیں:

لاتعجزوا فی الدعاء فانہ لن یھلک مع الدعاء احد[1] قال فی الحرز المعنی لاتقصروا ولاتکسلوا فی تحصیل الدعاء[2]۔

دُعا میں کسل وکمی نہ کرو کہ دعا کے ساتھ کوئی ہلاک نہ ہوگا۔ حرز ثمین میں ہے معنی یہ ہے کہ دُعا کی بجاآوری میں کوتاہی وسُستی نہ کرو۔ (ت)

مسند ابویعلٰی میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تدعون اللہ تعالٰی فی لیلکم ونھارکم فان الدعاء سلاح المؤمن[3]۔

رات دن اللہ تعالٰی سے دُعا مانگتے رہو کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے۔

طبرانی کتاب الدعاء، ابن عدی کامل، امام ترمذی نوادر وبیہقی شعب الایمان میں بعد ابوالشیخ وقضاعی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں، حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ یحب الملحین فی الدعاء[4]۔

بیشک اللہ تعالٰی بکثرت وبار بار دُعا کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

طبرانی معجم کبیر میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات فتعرضوا لھا لعل ان یصیبکم نفحۃ منھا فلا تشقون بعدھا ابدا[5]۔

یعنی تمہارے رب کے لئے زمانے کے دنوں میں کچھ عطائیں، رحمتیں، تجلیاں ہیں تو اُن کی تلاش رکھو (یعنی کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت دُعا مانگتے رہو، تمہیں کیا معلوم کس وقت رحمتِ الٰہی کے خزانے کھولے جائیں) شاید ان میں کوئی تجلی تمہیں بھی پہنچ جائے کہ پھر کبھی بدبختی نہ آئے۔

---

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۴۹۴

[2] حرز ثمین شرح حصن حصین حدیثِ مذکور کے تحت افضل المطابع لکھنؤ ص ۱۱

[3] مسند ابویعلٰی حدیث ۱۸۰۶ الدعوات الخ مطبوعہ موسسۃ علوم القرآن بیروت ۲/۳۲۹

[4] نوادرالاصول الاصل الثمانون والمائۃ فی الالحاء والدعاء مطبوعہ دارصادر بیروت ص ۲۲۰

[5] المعجم الکبیر مروی از محمد بن مسلمہ حدیث ۵۱۹ ر مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۹/۲۳۴

15
15

قال العلامۃ المناوی فی التیسیر تعرضوا لھا بتطھیر القلب وتزکیتہ من الاکدار والاخلاق الذمیمۃ والطلب منہ تعالٰی فی کل وقت قیاما وقعودا وعلی الجنب ووقت التصرف فی اشتغال الدنیا فان العبد لا یدری فی ای وقت یکون فتح خزائن المنن[1]

علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا، تو انھیں تلاش کرو اس طرح کہ دلوں کو کدورتوں اور بُرے اخلاق سے پاک وصاف کرلو، اور باری تعالٰی سے کھڑے بیٹھے لیٹے، دنیاوی کام کرتے، ہر وقت مانگتے رہو، اس لئے کہ بندے کو پتا نہیں کہ کس وقت رحمت کے خزانے کھل جائیں۔ (ت)

سراج المنیر میں اس کے مثل ذکر کرکے فرمایا، قال الشیخ حدیث حسن[2] (شیخ نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ ت) جب دعا کی نسبت صاف حکم ہے کہ اس میں کسل نہ کرو، بکثرت مانگو، رات دن مانگو، ہرحال مانگو۔ تو ایک بار کی دُعا پر اقتصار کیونکر مطلوب شرع ہوسکتا ہے۔ لاجرم حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے قبل نماز وبعد نماز دونوں وقت میت کے لئے دُعا فرمانا اور مسلمانوں کو دعا کا حکم دینا ثابت۔

مسلم عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا حضرتم المریض او المیت فقولوا خیرا فان الملئکۃ یؤمنون علی ماتقولون[3] وھو عنہا رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت دخل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی ابی سلمۃ وقد شق بصرہ فاغمضہ (الی ان قالت) ثم قال اللھم اغفر لابی سلمۃ وارفع درجتہ فی المھدیین واخلفہ فی عقبہ فی الغابرین واغفرلنا ولہ یارب العلمین وافسح لہ فی قبرہ

امام مسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم بیمار یا میّت کے پاس آؤ تو اچھی بات بولو، اس لئے کہ ملائکہ تمھاری باتوں پر آمین کہتے ہیں۔ وہی امام انہی ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی ہیں، وہ فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوسلمہ کی وفات پر تشریف لائے تو ابھی ان کی آنکھ کھلی ہوئی تھی سرکار نے بند کی (یہاں تک کہ فرمایا) پھر سرکار نے دعا کی: اے اللہ! ابوسلمہ کو بخش دے اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کا درجہ بلند فرما اور پسماندگان میں اس کا نیک بدل

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث ان لربکم کے تحت مذکور ہے مکتبۃ الامام الشافعی الریاض سعودیہ ۱/ ۳۳۹
[2] السراج المنیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکورہ کے تحت مطبوعہ مطبعۃ ازہریۃ مصریۃ مصر ۲/ ۱۱
[3] صحیح مسلم کتاب الجنائز مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۰۰

ونور له فيه[1] ابوداؤد والحاكم وصححه
عن امير المؤمنين عثمان رضي
الله تعالٰى عنه قال كان
النبي صلى الله تعالٰى عليه
وسلم اذا فرغ من دفن الميت
وقف عليه وقال استغفروا لاخيكم
وسلوا له التثبيت انه الأن[2] يسأل
احمد عن ابي هريرة رضي
الله تعالٰى عنه ان النبي
صلى الله تعالٰى عليه وسلم
نعى النجاشي لاصحابه ثم
قال استغفروا له ثم خرج باصحابه
الى المصلى ثم قام فصلى
بهم كما يصلى على الجنازة[3]
ابن ماجه والبيهقي في
سننه عن سعيد بن المسيب
قال حضرت ابن عمر رضي الله
تعالٰى عنهما في جنازة فلما
وضعها في اللحد قال بسم الله و
في سبيل الله وعلى ملة رسول الله صلى الله
تعالٰى عليه وسلم ، فلما اخذ في تسوية

عطا فرما، اور ہمیں اور اسے اپنی رحمت سے چھپا،
اس کی قبر کشادہ فرمادے اور اس کے لئے اس
میں روشنی و نور پیدا فرما ــــ ابوداؤد و حاکم
امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی
حاکم نے اس حدیث کو صحیح بھی کہا ــــ وہ فرماتے ہیں
نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب میت کی تدفین سے
فارغ ہوتے تو وہاں کچھ دیر رکتے اور فرماتے، اپنے
بھائی کے لئے دعائے مغفرت کرو اور اس کے لئے
جواب میں ثابت قدمی کی دعا کرو کہ اس وقت اس سے
سوال ہونے والا ہے ــــ امام احمد حضرت ابوہریرہ
رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نجاشی کے مرنے کی اطلاع
دی پھر فرمایا: اس کے لئے دعائے مغفرت کرو۔
پھر صحابہ کو لے کر نماز گاہ تشریف لے گئے پھر انہیں
نماز پڑھائی جیسے جنازہ کی نماز پڑھی جاتی ہے ــــ
ابن ماجہ اور بیہقی سنن میں حضرت سعید بن مسیب سے
راوی ہیں وہ فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی
عنہ کے ساتھ ایک جنازہ میں حاضر تھا جب انہوں
نے جنازہ کو لحد میں رکھا تو کہا: اللہ کے نام سے، اللہ
کی راہ میں، اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
کے دین پر ــــ پھر جب لحد پر کچی اینٹیں درست

---

[1] صحیح مسلم — کتاب الجنائز — مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی — ۱/۱-۳۰۰
[2] سنن ابی داؤد — " — " آفتاب عالم پریس، لاہور — ۲/۱۰۳
مستدرک علی الصحیحین — کتاب الجنائز — " دار صادر بیروت — ۱/۳۷۰
[3] مسند احمد بن حنبل — مروی از ابوہریرہ — " دار الفکر بیروت — ۲/۵۲۹

اللبن علی اللحد، قال اللھم اجرھا من الشیطان ومن عذاب القبر، اللھم جاف الارض عن جنبیھا وصعد روحھا ولقھا منك رضوانا قلت یا ابن عمر اشیئ سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام قلتہ برأیك، قال انی اذاً لقادر علی القول بل شیئ سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] ھذہ روایۃ ابن ماجۃ وفی اخری فلما اخذ فی تسویۃ اللحد قال اللھم اجرھا من الشیطان ومن عذاب القبر فلما سوی اللبن علیھا قام جانب القبر ثم قال اللھم جاف الارض من جنبیھا وصعد روحھا ولقھا رضوانا ثم قال سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[2]

کرنے لگے تو کہا: اے اللہ! اسے شیطان سے اور عذابِ قبر سے پناہ میں رکھ، اے اللہ! اس کی کروٹوں سے زمین جُدا رکھ، اس کی روح کو اوپر پہنچا' اور اسے اپنی خوشنودی عطا فرما۔۔۔ میں نے عرض کیا، اے ابن عمر! یہ کوئی ایسی دعا ہے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سُنی ہے یا اپنی رائے سے کی ہے؟۔۔۔ فرمایا: ایسا ہے تو میں وہ دعا کرسکتا ہُوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنی ہے۔۔۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔۔۔ اور دوسری روایت میں یُوں ہے کہ جب لحد برابر کرنے لگے تو کہا: اے اللہ! اسے شیطان سے اور عذابِ قبر سے پناہ میں رکھ۔ پھر جب اس پر اینٹیں برابر کردیں تو قبر کے کنارے کھڑے ہوکر یہ دعا کی: اے اللہ! اس کی کروٹوں سے زمین کو جدا رکھ، اس کی روح کو اُوپر پہنچا اور اسے اپنی خوشنودی عطا فرما۔۔۔ پھر فرمایا: میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا ہے۔ (ت)

احادیث اس بارہ میں حدِ شہرت و استفاضہ پر ہیں، انھیں میں سے حدیث عبداللہ بن ابی بکر وعاصم بن عمر بن قتادہ مروی مغازی واقدی ہے کہ جواب[عہ] میں مذکور ہوئی۔

عہ یعنی جواب مجیب اول کہ بغرض تصدیق از | یعنی مجیب اول کا جواب جو تصدیق کے لئے ممبئی

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی ادخال المیت القبر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۲

[2] السنن الکبرٰی کتاب الجنائز دار صادر بیروت ۴/ ۵۵

اقول وھو وان کان مرسلا بطریقتہ فالمرسل حجۃ عندنا وعند الجمھور

اقول یہ حدیث اگرچہ اپنے دونوں طریق سے مرسل ہے مگر مرسل ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بمبئی آمدہ بود عبارتش ازیں مقام اینست۔ سے آیا تھا اس جگہ سے اس کی عبارت یہ ہے:

اگر اس پر بھی تسلی نہ ہو تو زیادہ صریح لیجئے، کبیری شرح منیہ عبداللہ بن ابی بکر سے روایت ہے:

قال لما التقی الناس بموتۃ جلس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنبر وکشف لہ مابینہ وبین الشام فھو ینظر الی معترکھم فقال علیہ الصلوۃ والسلام اخذ الرایۃ زید بن حارثۃ فمضی حتی استشھد وصلی علیہ ودعا لہ وقال استغفروا لہ دخل الجنۃ وھو یسعی ثم اخذ الرایۃ جعفر بن ابی طالب فمضی حتی استشھد وصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ودعا لہ وقال استغفروا لہ دخل الجنۃ فھو یطیر فیھا بجناحین حیث شاء۔

جب مقام موتہ میں لڑائی شروع ہوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ عزوجل نے حضور کے لئے پردے اٹھا دئے کہ ملک شام اور وہ معرکہ حضور دیکھ رہے تھے، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زید بن حارثہ نے جھنڈا اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا۔ حضور نے انھیں اپنی صلاۃ ودعا سے مشرف فرمایا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لئے استغفار کرو، بیشک وہ دوڑتا ہوا جنت میں داخل ہوا۔ حضور نے فرمایا: پھر جعفر بن ابی طالب نے علم اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا، حضور نے ان کو اپنی صلاۃ ودعا سے شرف بخشا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لئے استغفار کرو وہ جنت میں داخل ہوا اور اس میں جہاں چاہے اپنے پروں سے اڑتا پھرتا ہے۔ (ت)

اسی حدیث شریف سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے بعد نماز جنازہ کے دعا کی ہے اور صحابہ کرام کو بھی آپ نے امر فرمایا ہے پس صورت مسئولہ کے جواز میں کیا کلام رہا انتہی منہ ۱۲ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۸۴

ثم الثابت عندنا توثیق الواقدی کما افادہ المحقق حیث اطلق فی الفتح ثم الاصل فی الالفاظ الشرعیۃ فالصلوۃ حملہا علی معانیہا الشرعیۃ فالصلوۃ غیر الدعاء ثم التاسیس خیر من التاکید فالدعاء غیر الصلوۃ۔

حجت ہے ـــ پھر ہمارے نزدیک ثابت یہی ہے کہ امام واقدی ثقہ ہیں جیسا کہ امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں افادہ فرمایا ـــ پھر الفاظ شرعیہ میں اصل یہ ہے کہ اپنے شرعی معانی پر محمول ہوں تو صلاۃ، غیر دعا ہے ـــ پھر تاسیس (از سر نو کوئی افادہ) تاکید سے بہتر ہے، تو دعا، غیر صلاۃ ہے۔ (ت)

پھر جب دُعا مستحب اور مطلقاً مستحب اور اکثار مستحب اور قبل نماز بعد نماز ہر طرح مستحب، تو بعد نماز متصلاً اس سے کون مانع، بلکہ یہ وقت تو خاص مظنۂ نفحاتِ ربانیہ ہے کہ عمل صالح خصوصاً فریضہ خصوصاً نماز حالتِ رحمت ورحمتِ الٰہی سببِ اجابت، ولہذا دُعا سے پہلے تقدیم عمل صالح مطلوب ہُوئی،

کما فی الحصن قال القاری وتقدیم عمل صالح ای قبل الدعاء لیکون سببا لقبولہ کما فی حدیث ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ فی صلوۃ التوبۃ علی ماسیاتی فی اصل الکتاب ورواہ الاربعۃ وابن حبان[1]

جیسا کہ حصن حصین میں ہے ـــ اس کی شرح میں مولانا علی قاری نے فرمایا: عمل صالح کی تقدیم، یعنی دُعا سے قبل نیک کام کی بجا آوری تاکہ قبول دعا کا سبب ہو، جیسا کہ نماز توبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے، جیسا کہ اصل کتاب (حصن حصین) میں آرہا ہے اور اسے اربعہ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور ابن حبان نے روایت کیا۔ (ت)

ولہذا ختم قرآن واتمام صوم ونماز پنجگانہ بلکہ ہر نمازِ مفروض بلکہ ہر فرض کے بعد دُعا کی ترغیب احادیث میں آئی ہے جن میں نمازِ جنازہ بھی قطعاً داخل،

الترمذی وحسنہ والنسائی عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قلت یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخر ودبر الصلوات المکتوبات[2] قال

ترمذی بافادہ تحسین اور نسائی حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کون سی دُعا زیادہ سُنی جانے والی ہے؟ فرمایا: وُہ جو آخر شب کے درمیان ہو اور فرض

[1] حرز ثمین شرح حصن حصین حواشی حصن حصین آداب دُعا حاشیہ ۱۵ افضل المطابع لکھنؤ ص ۹
[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۸۸

القاری التقیید بھا لکونھا افضل الحالات فھی ارجی لاجابۃ الدعوات[1] اھ البیھقی والخطیب وابونعیم و ابن عساکر عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ[2] احمد والترمذی وحسنہ وابناماجۃ وخزیمۃ وحبان فی صحاحھم والبزار عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثلثۃ لاترد دعوتھم الصائم حین افطر[3] الحدیث، الطبرانی فی الکبیر عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من صلی صلوۃ فریضۃ فلہ دعوۃ مستجابۃ ومن ختم القراٰن فلہ دعوۃ مستجابۃ[4]، الدیلمی فی مسند الفردوس عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ من ادی فریضۃ فلہ

نمازوں کے بعد ــــ علامہ علی قاری نے فرمایا: بعد فرائض کی تقیید اس لئے ہے کہ یہ سب سے افضل حالت ہے تو اس میں قبولِ دعا کی امید زیادہ ہے اھ بیہقی، خطیب، ابونعیم اور ابنِ عساکر حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہر ختمِ قرآن کے ساتھ ایک دُعا مقبول ہوتی ہے ــــ امام احمد، ترمذی بافادۂ تحسین، ابن ماجۃ، ابن خزیمہ، ابن حبان اپنی صحاح میں اور بزار (اپنی مسند میں) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تین شخص ہیں جن کی دُعا رد نہیں ہوتی ایک روزہ دار جب افطار کرے، الحدیث ــــ طبرانی معجم کبیر میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: جس نے فرض نماز ادا کی اس کی ایک دُعا مقبول ہوتی ہے اور جس نے قرآن ختم کیا اس کی بھی ایک دعا مقبول ہوتی ہے ــــ دیلمی مسند الفردوس میں امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے راوی ہیں جس نے کوئی فریضہ ادا کیا خدا کے یہاں اس کی ایک

---

[1] حرز ثمین شرح حصن حصین حواشی حصن حصین اوقات الاجابۃ ص ۲۲ حاشیہ ۱۶ افضل المطابع لکھنؤ ص ۱۴

[2] کنز العمال بحوالہ البیہقی عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۲۳۱۴ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۵۱۷

[3] سنن ابن ماجہ باب فی الصائم لاترد دعوتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۶

[4] المعجم الکبیر مروی عن عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ حدیث ۶۴۷ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۸/ ۲۵۹

عند الله دعوۃ مستجابۃ[1]، وفی الباب احادیث اخر اوردنا بعضہا فی رسالتنا سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید (۱۳۰۷ھ)۔

دُعا مقبول ہوتی ہے ۔ اس باب میں اور بھی حدیثیں ہیں جن میں سے کچھ ہم نے اپنے رسالہ سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید (۱۳۰۷ھ) میں نقل کی ہیں۔

خود رب العزت عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

فاذا فرغت فانصب، والی ربک فارغب[2]۔

جب تُو نماز سے فارغ ہو تو دُعا میں مشقت کر اور اپنے رب کی طرف زاری و تضرع کے ساتھ راغب ہو۔

جلالین میں ہے:

فاذا فرغت من الصلاۃ فانصب اتعب فی الدعاء والی ربک فارغب تضرع[3]۔

جب تُو نماز سے فارغ ہو تو دعا میں مشقت کر اور اور اپنے رب کی طرف زاری و تضرّع کے ساتھ راغب ہو۔(ت)

بالجملہ دُعائے مذکور کے جواز میں شک نہیں، ہاں دفعِ احتمالِ زیادت کو نقضِ صفوف کرلیں اسی قدر کافی ہے کہ اس کے بعد احتمالِ زیادت کا اصلاً محل نہیں ہے، جس طرح بعد ختمِ نمازِ ظہر و مغرب وعشا ادائے سنن کے لئے مقتدیوں کو کسرِ صفوف مسنون، کہ اس کے بعد کسی آنے والے کو بقائے جماعت کا احتمال نہیں ہوسکتا۔

علامہ محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی حلیہ میں فرماتے ہیں:

لفظ البدائع اما المقتدون فبعض مشائخنا قالوا لاحرج فی ترک الانتقال لانعدام الاشتباہ علی الداخل عند معاینۃ فراغ مکان الامام عنہ، وروی عن محمد انہ قال مستحب للقوم ایضا ان ینقضوا الصفوف ویتفرقوا لیزول

بدائع کی عبارت یہ ہے: رہا مقتدیوں کا حکم تو ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا وہ اگر اپنی جگہ سے نہ ہٹیں تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ آنے والا جب امام کی جگہ خالی دیکھے گا تو اسے بقائے جماعت کا شبہہ نہ رہ جائیگا۔ اور امام محمد سے روایت ہے کہ اُنھوں نے فرمایا: قوم کے لئے بھی مستحب ہے کہ صفیں توڑ دیں اور منتشر ہوجائیں

---

[1] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن علی رضی اللہ عنہ حدیث ۴۰ ۱۹ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۳۱۳
[2] القرآن ۹۴/ ۷ و ۸
[3] جلالین نصف ثانی الم نشرح مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۵۰۰

الاشتباہ علی الداخل المعاین الکل فی الصلاۃ البعید عن الامام ولما رویناہ من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وھذا فی الذخیرۃ انہ روی عن محمد ومشی علیہ رضی الدین فی المحیط ناصا علی انہ السنۃ اھ[1]

تاکہ ایسے شخص کو شبہہ نہ ہو جو بعد میں آئے اور سب کو نماز میں دیکھے، اور امام سے دور ہو۔ اور اس حدیث کی وجہ سے بھی جو ہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ـــ اور ذخیرہ میں یہ ہے کہ یہ امام محمد سے روایت ہے اور اسی پر محیط میں رضی الدین نے مشی فرمائی اس تصریح کے ساتھ کہ یہی سنت ہے[1] (ت)

ثم اقول یہ بھی لحاظ لازم کہ صرف اس دُعا کی غرض سے جنازہ اٹھانے کو تعویق و درنگ میں نہ ڈالیں کہ یہاں شرعاً تعجیل مامور ہے اور دُعا کچھ تطویل پر موقوف نہیں، اتنے کلمات اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ واغفرلنا ولہ بلکہ اس سے زائد جنازہ اٹھاتے اٹھاتے کہہ سکتے ہیں کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) امام ابن حاج مکی مدخل میں فرماتے ہیں:

ان بعض من یعتنون بہ من الموتی یترکونہ بعد ان یصلی علیہ فی المسجد ویقفون عندہ، ویطولون الدعاء، وبعضھم یفعل ماھو اکثر من ذلک وھو تکبیر المؤذنین اذ ذاک علی ما تقدم من عقاتھم ویطولون فی ذلک، والسنۃ التعجیل بالمیت الی دفنہ وموارتہ وفعلھم یضاد ذلک فلیحذر من ھذا واللہ المستعان[2]

انھیں جس مُردے سے اعتنا ہوتا ہے اُسے نماز جنازہ پڑھنے کے بعد مسجد میں چھوڑ دیتے ہیں اور اس کے پاس ٹھہر کر دیر تک دُعا کرتے ہیں، اور بعض اس سے زیادہ کرتے ہیں وہ یہ کہ اُس وقت مؤذنین تکبیر کہتے ہیں جیسا کہ ان کی بلند بانگوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اور اس میں طول دیتے ہیں۔ جب کہ سنت یہ ہے کہ میت کو لے جا کر جلد دفن کریں اور ان لوگوں کا عمل اس کے برخلاف ہے، تو اُس سے بچنا چاہئے۔ اور خدا ہی سے مدد طلبی ہے۔ (ت)

دیکھو ان امام نے باآنکہ انکار حوادث میں مبالغہ شدیدہ رکھتے ہیں یہاں تک کہ بعض جگہ حد سے تجاوز واقع ہوگیا، کما نص علیہ الامام المحقق جلال الملۃ والدین السیوطی (جیسا کہ امام محقق جلال الدین

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان ما یستحب للامام الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۶۰

ف: حلیہ مجھے دستیاب نہیں اس لئے بدائع الصنائع کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔ نذیر احمد

[2] المدخل لابن الحاج صلوۃ الجنائز مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۶۳

سیوطی نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت) بعد نمازِ جنازہ میت کے لئے نفسِ دعا پر انکار نہ فرمایا بلکہ تطویلِ دعا کی ممانعت فرمائی کہ منافی تعجیل ہے بعض فتاوی میں کہ واقع ہوا لایقوم داعیا له، لایقوم للدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ (دعا کرتے ہوئے کھڑا نہ ہو ۔ یا ۔ بعد نمازِ جنازہ دعا کے لئے کھڑا نہ ہو۔ت) بعض علماء نے اُسے منع قیام بمعنے انتصاب پر محمول کرکے بیٹھ کر دعا کو اس ممانعت میں داخل نہ ہونے کا استظہار کیا۔

کما نقل عن بعضھم بما نصہ چوں منع درکتب بلفظ قیام واقع شدہ شاید کہ دراں اشارت باشد باآں کہ اگر نشستہ دعا کند جائز باشد[1]

جیسا کہ بعض سے منقول ہے عبارت یہ ہے: چونکہ کتابوں میں لفظِ قیام کے ساتھ ممانعت آئی ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ اُس وقت یہ اشارہ ہو کہ اگر بیٹھ کر دُعا کرے تو جائز ہے۔(ت)

بلکہ کراہت اس قدر سے بھی اطلاق منع مانعین میں خلل واقع

وانا اقول وباللہ التوفیق (اور میں کہتا ہُوں اور یہ اللہ کی توفیق سے ہے۔ت) قیام، ان کلماتِ علماء میں بمعنی توقف و درنگ ہے کہ ان معنی میں بھی اس کا استعمال شائع،

قال تعالٰی حسنت مستقرا و مقاما[2] ای موضع قرار لا محل انتصاب اذ لا محل له، وکذا قوله تعالٰی حاکیا عن الکفار یا اھل یثرب لا مقام لکم[3] وقال تعالٰی یقیمون الصلوٰۃ[4] ای یواظبون علیها ومنه اسمائه تعالٰی القیوم القیام والقیم بمعنی الدائم القیام بتدبیر الخلق[5] ومنه حدیث فی معجزاته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لو لم تکله لقام لکم[6] ای دام و ثبت ولم ینفذ و

باری تعالٰی کا ارشاد ہے: جنت کیا ہی عمدہ ٹھکانا اور مقام ہے۔ مقام کا معنی ٹھہرنے کی جگہ، کھڑے ہونے کی جگہ نہیں اس لئے کہ اس کا موقع نہیں۔ اسی طرح قولِ کفار کی حکایت فرماتے ہوئے ارشادِ باری ہے: اے اہلِ یثرب! تمھارے لئے مقام نہیں یعنی جائے قرار نہیں ــ اور ارشادِ باری ہے: نماز قائم کرتے ہیں۔ یعنی اس پر مداومت کرتے اور ہمیشگی برتتے ہیں ــ اور اس سے باری تعالٰی کے اسماء قیوم، قیّام، قیّم ہیں یعنی

---

[1] کشف الغطاء فصل ششم نماز جنازہ مطبع احمدی دہلی ص ۴۰
[2] القرآن ۲۵/۶
[3] القرآن ۳۳/۱۳
[4] القرآن ۵/۳۱
[5] مجمع البحار تحت لفظ قوم منشی نولکشور لکھنؤ ۳/۱۸۱
[6] صحیح مسلم کتاب الفضائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۲۴۶

منه حدیث "سنة قائمة[1]" ای دائمة مستمرة وفی دعاء الاذان والصلاة القائمة ای الدائمة التی لا یعتریها نسخ وفی حدیث حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ بایعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان لا اخر الا قائما[2] ای لاموت الا ثابتا علی الاسلام[3] قالہ المجد فی القاموس وقال قام الماء جمد والدابۃ وقفت واقام بالمکان اقامۃ وقامۃ دام والشیئ ادامہ ومالہ قیمۃ اذا لم یدم علی شیئ[4] (ملخصا) اھ و قال فی مجمع بحار الانوار ح قوموا الی سیدکم فیہ استحباب القیام عند دخول الافضل وھو غیر القیام المنھی لان ذلک بمعنی الوقوف وهذا بمعنی النهوض ط (للطیبی شارح المشکوٰۃ) لیس ھو من القیام المنھی عنہ انما ھو فیمن یقومون علیہ وھو جالس ویمثلون قیاما طول جلوسہ[5] (ملخصا)

دوام والا، ہمیشہ مخلوق کی تدبیر فرمانے والا —— اسی سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معجزات کی ایک حدیث ہے: اگر تم اسے نہ ناپتے تو وہ تمہارے لئے قائم رہتا یعنی وہ غلہ دائم و ثابت رہتا اور ختم نہ ہوتا —— اسی سے یہ حدیث ہے۔ سنت قائمہ یعنی دائمی اور ہمیشہ رہنے والا طریقہ —— اور دعائے اذان میں ہے: والصلوٰۃ القائمۃ —— یعنی دائمی نماز جسے نسخ عارض ہونے والا نہیں —— حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ زمین پر نہ گروں گا مگر قائم رہ کر —— یعنی نہ مروں گا مگر اسلام پر برقرار اور ثابت رہ کر —— اسے مجد الدین فیروز آبادی نے القاموس المحیط میں ذکر کیا —— اور مزید لکھا: قام الماء —— پانی جم گیا —— قام الدابۃ —— جانور ٹھہرا —— اقام بالمکان —— اس جگہ ہمیشہ رہا —— اقام الشیئ —— اس شئی کو ہمیشہ رکھا —— مالہ قیمۃ —— اسے کسی چیز پر دوام نہیں اھ —— مجمع بحار الانوار میں ہے: حدیث "اپنے سردار کے لئے قیام کرو" ——

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ ابی داؤد وابن ماجہ کتاب العلم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۵
مجمع البحار تحت لفظ قوم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۸۱

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از حکیم بن حزام " دار الفکر بیروت ۳/ ۴۰۲

[3] و [4] القاموس المحیط باب المیم فصل القاف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۷۰

[5] مجمع بحار الانوار تحت لفظ قوم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۸۲

اس حدیث سے افضل کی آمد کے وقت قیام کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے ــــ اور یہ قیامِ ممنوع سے جدا ہے اس لئے کہ وُہ قیام بمعنی وقوف ہے اور یہ بمعنی نہوض (اٹھنا) ہے ـــ طیبی شارح مشکوٰۃ نے فرمایا: یہ قیام ممنوع سے نہیں، وہ تو ان لوگوں کے بارے میں ہے جو کسی کے بیٹھے رہنے کی حالت میں جب تک وُہ بیٹھا رہے اُس کے سامنے سیدھے کھڑے رہتے ہیں۔ (ت)

پس عبارات اسی منع تطویلِ دُعا کی طرف راجع ہیں جس کے باعث امرِ تجہیز و تعویق میں پڑے، ورنہ اگر کلماتِ یسیرہ کہے جائیں جیسا سوال میں مذکور یا ہنوز جنازہ لے چلنے میں کسی اور ضرورت سے دیر ہو اور ایسی حالت میں دعائے تطویل کرتے رہیں تو ہرگز زیرِ منع داخل نہیں کہ صورتِ اولٰی میں تاخیر ہی نہیں اور ثانیہ میں تاخیر بوجہ آخر ہے، نہ بغرضِ دعا۔ ولہذا فقہاء کرام نے لایقوم للدعاء (دعا کے لئے نہ ٹھہرے۔ ت) فرمایا، نہ لایدعو قائما (ٹھہرنے کی حالت میں دُعا نہ کرے۔ ت) یا لایدعو بعدھا اصلا (بعد جنازہ بالکل دعا نہ کرے۔ ت) لاجرم حدیث سے ثابت کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے امیرالمومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازہ مبارک کے گرد ہجوم کیا اور چار طرف سے احاطہ کرکے کھڑے ہُوئے اور امیرالمومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے دُعائیں کرتے رہے، یہاں تک کہ امیرالمومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم بھی اس مجمع میں شامل اور امیرالمومنین شہید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے دُعاء و ثناء میں شریک ہُوئے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی:

واللفظ لمسلم وضع عمر بن الخطاب علی سریرہ فتکنفہ الناس یدعون و یثنون ویصلون علیہ قبل ان یرفع، وانا فیھم قال فلم یرعنی الا رجل قد اخذ بمنکبی من ورائی فالتفت الیہ فاذا ھو علی فترحم علی عمر وقال ما خلفت احدا احب الی ان القی اللہ بمثل عملہ منک وایم اللہ ان کنت لاظن ان یجعلک اللہ مع صاحبیک وفی

یعنی امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جنازہ رکھا تھا، لوگ چار طرف سے احاطہ کئے ہوئے اُن کے لئے دُعا و ثناء میں مشغول تھے، میں بھی اُنھیں دُعا کرنے والوں میں کھڑا تھا ناگاہ ایک شخص نے پیچھے سے آکر میرے شانے پر کہنی رکھی میں نے پلٹ کر دیکھا تو علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ تھے، جنازہ شریفہ کی طرف مخاطب ہوکر بولے: اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نے اپنے بعد کوئی ایسا نہ چھوڑا جو مجھے آپ سے زیادہ پیارا ہو کہ میں اُس کے سے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۲۷۶

رواية للبخاری قال انی لواقف فی قوم یدعون الله لعمر بن الخطاب وقد وضع علی سریرہ اذا رجل من خلفی قد وضع مرفقه علی منکبی یقول رحمك الله ان کنت لارجوان یجعلك الله مع صاحبیك[1] الحدیث۔

عمل کرکے اللہ تعالٰی سے ملوں، اور خدا کی قسم مجھے امید واثق تھی کہ اللہ تعالٰی آپ کو آپ کے دونوں صاحبوں سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رفاقت نصیب فرمائے گا۔ الحدیث

ثم اقول ہر شخص اپنے نفس میں دُعا کرے دوسروں سے تاکید و تقاضا میں مصروفی و اشتغال یا نہ کرنے والوں سے نزاع وجلال کا وہ محل نہیں کہ وُہ وقت اعتبار و تفکر و اتعاظ و تدبر کا ہے، نہ غافلانہ رفع اصوات وبحث و منازعت کا۔

وقد وردت فی ذلك اٰثار کثیرۃ عن الصحابة الکرام والتابعین الاعلام رضی الله تعالٰی عنهم وصرحت به العلماء الحنفیة والمالکیة والشافعیة وغیرهم قدست اسرارهم۔

اس بارے میں صحابہ کرام اور تابعین اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے کثیر آثار وارد ہیں۔ حنفی، مالکی، شافعی اور ان کے علاوہ علماء قدست اسرارہم نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ (ت)

امید کرتا ہُوں کہ یہ وُہ قول فصل وحکم عدل ہو جسے ہر ذی انصاف پسند کرے و باللہ التوفیق رہا مظنہ فساد اعتقاد کہ ایسے مواضع میں اکثر وستاویز منافین ہوتا ہے اور اُسے جہلاً خواہ تجاہلاً موجب منع وتحریم نفس فعل وبجائے ترک مواظبت ولو من البعض المقتدٰی بهم (اگرچہ مداومت کا ترک بعض مقتدا و پیشوا حضرات سے ہی عمل میں آجائے۔ ت) مواظبت ترک مطلق کے وجوب پر دلیل ٹھہراتے ہیں، عند التحقیق یہ صرف ان کی تلبیع سحیق ہے، حق یہ کہ جہاں ایسا ہو تو صرف ترک احیاناً اُس کے ازالہ میں کافی، کما نص علیه العلماء فی غیر ما کتاب (جیسا کہ علماء نے متعدد کتابوں میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔ ت) (یعنی اگر یہ گمان ہو کہ لوگ واجب سمجھیں گے تو کبھی ترک بھی کر دے۔ نہ یہ کہ ہمیشہ ترک کرنا واجب ہوجائے۔ مترجم) اور وہ بھی عموماً ضروری نہیں صرف علمائے مشارٌ الیہم بالبنان کی جانب سے کفایت کرتا ہے کہ اُنھیں کے افعال پر نظر ہوتی ہے اور وہی باعثِ ہدایتِ عوام، واللہ الہادی الی سبیل السلام والصلٰوۃ والسلام الی یوم القیام الی حبیبه واٰله وصحبه الکرام وعلینا بهم

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۱۹

یاذاالجلال والاکرام، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم (اور اللہ ہی سلامتی کے راستوں کی ہدایت دینے والا ہے، روزِ قیامت تک درود وسلام ہو اس کے حبیب، اور ان کے معزز آل و اصحاب پر، اور ان کے واسطے سے ہم پر بھی اے بزرگی وعزت والے! اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم زیادہ کامل ومحکم ہے۔ ت)

بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلاۃ الجنائز ۱۳۱۱ھ

(نمازِ جنازہ کے بعد دُعا کرنے پر انعامات کی تقسیم)

مسئلہ ۶۴۴ استفتاء از کانپور

بشرف ملاحظہ جامع المعقول والمنقول، واقف الفروع والاصول حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مدظلہ العالی، پس از تسلیم معروض، براہِ کرم اس کا جواب جلد مرحمت فرمائیے گا۔ والتسلیم

محمد عبدالوہاب از کانپور، مدرسہ فیض عام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ان دنوں جو بلاد دکن وغیرہ میں یہ امر مروج ہے کہ بعد سلام نمازِ جنازہ قبل تفرق صفوف یعنی امام ومقتدی دونوں رُو بقبلہ اسی ہیأتِ معلومہ صلاۃ جنازہ پر قائم رہتے ہیں اور میت کے حق میں چند دُعائیں وسُورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھ کر بخشتے ہیں آیا یہ امر شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ امید کہ اس کا شافی جواب بحوالہ عباراتِ کتبِ معتبرہ مذہب حنفیہ مرحمت ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والحمد للہ مجیب الدعوات وافضل الصلاۃ واکمل التحیات علی ملاذ الاحیاء ومعاد الاموات خالص

اللہ کے نام سے شروع نہایت مہربان، رحم والا۔ سب خُوبیاں خدا کے لئے جو دعائیں قبول فرمانے والا ہے، اور بہتر درود، کامل ترین تحیتیں ہوں اُن پر جو زندوں کی پناہ گاہ، مُردوں کا مرجع، خالص اور

الخیر ومحض البرکات فی الحیاۃ الاولٰی والحیاۃ العلیٰی بعد الممات وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ کریمی الصفات مابُعد ماضٍ وقُرب اٰت اٰمین۔

محض خیر و برکت ہیں دُنیا کی زندگی میں اور بعد موت کی بالاتر زندگی میں، اور ان کے بزرگ صفات والے آل واصحاب پر، جب تک کوئی گزرنے والا دُور اور آنے والا قریب ہوتا رہے۔ الٰہی قبول فرما۔ (ت)

اواخر ماہِ فاخر حضرت مفیض المفاخر شہر ربیع الآخر ۱۳۱۱ہجری میں اس مسئلہ کے متعلق ایک سوال بعض اہلِ علم وسنت نے بمبئی سے بھیجا جس کا اجمالی جواب قدرے تحقیق حدیثی پر مشتمل دیا گیا، اب کہ ۱۲ رجب المرجب ۱۳۱۱ھ کو یہ سوال کانپور مدرسہ فیض عام سے آیا اس میں صورت نازلہ شکل مسئلہ بمبئی سے جدا ہے، وہاں یہ تھا کہ بعد نماز جنازہ کے صفوف توڑکر یہ دعا اللھم لا تحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ واغفرلنا ولہٗ یا مثل اس کے کی جاتی ہے، یہاں یُوں ہے کہ قبل تفرق صفوف رُوبقبلہ اسی ہیأتِ معلومہ پر قائم رہتے ہیں الخ ادائے حقِ افتاء کو بس تھا کہ اس صورت خاصہ کا حکم لکھتا مگر ممکن کہ فتوٰی نظرگاہ عامہ تک پہنچے اور فقیر کو تجربہ ہے کہ بہت عوام تمایز صور سے غفلت کرتے اور بعض ناظرین قصداً بھی انھیں غلط میں ڈالتے ہیں، لہٰذا ایسی جگہ ہمیشہ پوری بات کا ذکر کرنا مناسب کہ من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل (جو اپنے زمانہ والوں سے ناآشنا ہو وہ جاہل ہے۔ت) وہاں تحقیق حدیثی تھی یہاں بعونہٖ عزوجل ایک مقدمہ تمہید کرکے تنقیح فقہی سے کام لیجئے کہ باوصف تکرار، تکرار بھی نہ ہو اور ایضاح مرام وراحتِ اوہام بھی بحمداللہ تعالٰی نہایت کو پہنچے **فاقول** وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (تو میں کہتا ہوں اور خدا ہی کی جانب سے توفیق ہے اور اسی کی مدد سے بلندیٔ تحقیق تک رسائی ہے۔ت) سلفاً وخلفاً ائمہ اہلسنت وجماعت رضی اللہ تعالٰی عنہم وعنابھم کا اجماع ہے کہ امواتِ مسلمین کے لئے دعا محبوب اور شرعاً مطلوب، نصوص شرعیہ آیۃً وحدیثاً بارہ دعاء ارسال مطلق واطلاق مرسل پر وارد جن میں کسی زمانہ کی تقلید و تحدید نہیں کہ فلاں وقت تو مستحب ومشروع ہے اور فلاں وقت ناجائز وممنوع۔ چند حدیثیں فتوٰی اولٰی میں گزریں، یہاں بعض احادیث تازہ ذکر کردوں کہ فیض وعطائے حضرت رسالت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ محدود نہیں۔

حدیث ۱: حضور پرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثر الدعاء[1]۔ الحاکم فی مستدرک عن

دعا بکثرت کر۔ اسے حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۵۲۹

16 ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وصححہ ورمز الامام السیوطی لصحتہ۔

رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اسے صحیح کہا۔ امام سیوطی نے بھی اس کے صحیح ہونے کا نشان (رمز) لگایا۔

حدیث ۲: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا سأل احدکم فلیکثر فانما یسأل ربہ[1]۔ ابن حبّان فی صحیحہ والطبرانی فی الاوسط عن امّ المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔

جب تم میں سے کوئی شخص دُعا مانگے تو بکثرت کرے کہ اپنے رب سے ہی سوال کر رہا ہے۔ اسے ابن حبّان نے اپنی صحیح میں اور طبرانی نے معجم اوسط میں امّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسندِ صحیح روایت کیا۔

اقول یہ حدیث سوال و مسئول دونوں میں تکثیر کی طرف ارشاد فرماتی ہے مسئول میں یُوں کہ بہت کچھ مانگے، بڑی چیز مانگے کہ آخر ربِّ قدیر سے سوال کرتا ہے، اور سوال میں یُوں کہ بار بار مانگے، بکثرت مانگے کہ آخر کریم سے مانگ رہا ہے، وُہ تکثیرِ سوال سے خوش ہوتا ہے بخلاف ابنِ آدم کے کہ بار بار مانگنے سے جھنجلا جاتا ہے فللّٰہ الحمد وحدہ (تو خدائے یکتا ہی کے لئے ساری خُوبیاں ہیں۔ ت)

حدیث ۳: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اکثر من الدعاء فان الدعاء یرد القضاء المبرم[2]۔ ابوالشیخ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

دُعا بکثرت مانگ کہ دُعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے۔ اسے ابوالشیخ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اقول اس معنی کی تحقیق کہ یہاں قضاء مبرم سے کیا مراد ہے، فقیر نے اپنے رسالہ ذیل المدعٰی لاحسن الدعاء میں ذکر کی۔

حدیث ۴: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لقد بارك اللہ لرجل فی حاجۃ اکثر الدعاء فیھا[3]۔ البیہقی فی الشعب والخطیب

بیشک اللہ تعالٰی نے برکت رکھی آدمی کی اس حاجت میں جس میں وُہ دُعا کی کثرت کرے۔ اسے بیہقی نے

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الاوسط باب سؤال العبد حوائجہ کلھا الخ مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۱۰/ ۱۵۰
[2] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۳۱۲۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۶۳
[3] شعب الایمان ذکر فصول فی الدعاء مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/

16
16

فی التاریخ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

شعب الایمان میں اور خطیب نے تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

حدیث ۵: کثرتِ دُعا سے گھبرا کر دعا چھوڑ دینے والے کو فرمایا: ایسے کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لایزال یستجاب للعبد مالم یدع باثم او قطیعة رحم مالم یستعجل قیل یارسول اللہ ما الاستعجال یقول قد دعوت وقد دعوت فلم ارِ یستجیب لی فیستحسر عند ذلک ویدع الدعاء[1]۔ مسلم عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنہ واصل الحدیث عند الشیخین وابی داؤد والترمذی وابن ماجة جمیعا عنہ وفی الباب وغیرہ۔

بندے کی دُعا قبول ہوتی رہتی ہے جب تک کہ کسی گناہ یا قطعِ رحم کا سوال نہ کرے اور جب تک کہ جلد بازی نہ کرے، عرض کیا یا رسول اللہ جلد بازی کیا ہے؟ فرمایا جب بندہ کہنے لگے کہ میں نے بار بار دعا کی، قبول ہوتی نظر نہیں آتی، اُس وقت اُکتا کر چھوڑ دے۔ یہ حدیث امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، اور اصل حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ سبھی کے یہاں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے موجود ہے اور اس باب میں اس کے علاوہ اور حدیثیں ہیں۔ (ت)

حدیث ۶ و ۷: حدیثِ حسن میں تصریحاً ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اطلبوا الخیر دھرکم کلہ وتعرضوا لنفحات رحمة اللہ فان للہ نفحات من رحمتہ یصیب بھا من یشاء من عبادہ[2]۔ ابوبکر بن ابی الدنیا فی الفرج بعد الشدة والامام الاجل عارف باللہ سیدی محمد الترمذی فی نوادر الاصول والبیھقی فی شعب الایمان وابونعیم فی حلیة الاولیاء عن انس بن مالک وفی الشعب

ہر وقت ہر گھڑی خیر مانگے جاؤ اور تجلیاتِ رحمتِ الٰہی کی تلاش رکھو کہ اللہ عزوجل کے لئے اس کی رحمت کی کچھ تجلیاں ہیں کہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے پہنچاتا ہے۔ اسے ابوبکر بن ابی الدنیا نے "الفرج بعد الشدة" میں، امام اجل عارف باللہ سیدی محمد ترمذی نے نوادر الاصول میں، بیہقی نے شعب الایمان میں، ابونعیم نے حلیة الاولیاء میں انس بن مالک سے اور شعب الایمان میں حضرت

---

[1] صحیح مسلم شریف کتاب الذکر والدعاء مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۳۵۲

[2] نوادر الاصول الاصل الرابع والثمانون والمائة فی طلب الخیر مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۲۲۳

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما و تقدم نحوہ للطبرانی فی المعجم الکبیر عن محمد بن مسلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی الفتوی الاولی قال العامری حسن صحیح **اقول** وقولی حسن حسن صحیح لما رایت من تعدد طرقہ وقد حسن الشیخ محمد حجازی الشعرانی حدیث المعجم الکبیر۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی روایت کیا۔ اوراسی کے ہم معنی حدیث طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت پہلے فتوٰی میں گزرچکی ہے۔ عامری نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ **اقول** اور میرا اسے حسن کہنا اچھا اور درست ہے، کیونکہ اس کے متعدد طرق ہیں۔ اور شیخ محمد حجازی شعرانی نے معجم کبیر کی حدیث کو حسن کہا ہے۔ (ت)

یہاں تو بحمداللہ نہ صرف اطلاق بلکہ صراحۃً تعمیم زمانہ ہے جس میں نمازجنازہ سے قبل و بعد متصل و منفصل سب اوقات قطعًا داخل، تو جس وقت دُعا کیجئے بلاشبہ عین مامور بہ اور حسن فی حد ذاتہ ہے، تو جب تک کسی خاص وقت کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت نہ ہو منع وانکار حکم شرع کا رَد و ابطال ہے۔ اب وہ عدمِ نقل خصوص وعدم ورود خاص کا شگوفہ جس سے حضرات منکرین امثال مسائل میں اکثر مغالطہ دیتے ہیں، رأسًا ہباءً منثور ہوگیا کہ جب بہ تصریح تعمیم امر شرع وارد تو جمیع ازمنہ تحت امر داخل، پھر کسی خاص میں عدمِ ورود کیا معنی، بر استناد اگر ہوگا تو ایسا ہوگا کہ زید کے اگرچہ قرآن عظیم میں اقیموا الصلوٰۃ وغیرہا بصیغہ عموم وارد مگر خاص میرا نام لے کر حکم کہاں ہے تو مجھ پر فرضیت نماز کا ثبوت نہیں۔ آپ سے ذی ہوش سے یہی کہا جائے گا کہ جب عام نازل تو تُو بھی داخل۔ اگر مدعی خروج ہے خروج ثابت کر۔ غرض ایسا مکابرہ تو مقیاس الجنون کے اعلٰی نمبر سے کچھ ہی درجے گھٹا ہوگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حسن فی ذاتہ کو کبھی خارج سے کوئی امر مزاحم حسن عارض ہوتا ہے، جو کسی خاص مادہ میں اس کا دعوٰی کرے وہ مدعی ہے بارِ ثبوت اس کے ذمہ ہے۔ پھر ظاہر کہ عارض اپنے عروض ہی تک مزاحم رہے گا زائل ہوتے ہی اصل حسن کا حکم عود کرے گا کما لایخفی علی من لہ ادنی نصیب من عقل مصیب (جیسا کہ ہر اس شخص پر واضح ہے جسے عقل صحیح کا کوئی بھی حصہ نصیب ہوا ہے۔ ت) اس مقدمہ واضحہ کے بعد اُن کلماتِ فقہاء پر نظر ڈالیے جن سے بے مایہ صاحبوں کو دھوکا ہو یا ہوشیار لوگ دانستہ عوام کو مغالطہ دیں۔

اقول عامہ کتب میں یہ عامہ اقوال ہرگز اطلاق وارسال پر نہیں کہ بعد نماز جنازہ مطلقًا دعا کو مکروہ لکھتے ہیں، اور کیونکر لکھتے کہ خود حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ وائمہ سلف وخلف کے اقوال و افعال کثیرہ متواترہ اور خود انھیں فقہاء کی تصریحات وافرہ وکلمات متظافرہ۔ خلاصہ یہ کہ نصوص شریعت

اجماعِ اُمت اس تعمیم واطلاق کے رُوپر شاہد عدل ہیں، معلوم نہیں حضرات منکرین کے یہاں زیارت قبور نمازِ جنازہ کے بعد ہوتی ہے یا پیشگی ہولیتی ہے، اگر بعد ہی ہوتی ہے تو شاید اُس وقت دعائے اموات میں جو احادیث واقوالِ علماء وفقہائے قدیم وحدیث وارد ہیں اپنے ظہورِ بین کے سبب اظہار سے غنی ہوں تو اطلاق کا تو کوئی محل ہی نہ تھا۔ ہاں انھوں نے تقیید کی اور رکا ہے سے کی بلفظِ قیام یعنی یہ کہا کہ نمازِ جنازہ کے بعد دُعا کے لئے قیام برائے دُعا نہ کرے، نہ یہ کہ بعد نمازِ جنازہ دُعا ہی نہ کرے۔ جامع الرموز میں ہے، لایقوم داعیالہ[1] (میت کے لئے دُعا کرتے ہوئے نہ ٹھہرے۔ ت) ذخیرۂ کبرٰی ومحیط وقنیہ میں ہے: لایقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ[2] (نمازِ جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ ٹھہرے۔ ت) کشف الغطاء میں ہے: قائم نشود بعد از نماز برائے دعا کذا فی اکثر الکتب[3] (نماز کے بعد دُعا کے لئے نہ ٹھہرے، ایسا ہی اکثر کتابوں میں ہے۔ ت) اُسی میں منقول ہے: منع در کتب بلفظ قیام واقع شدہ[4] (کتابوں میں ممانعت لفظِ قیام کے ساتھ آئی ہے۔ ت) تو مانعِ مطلق اگر ان اقوال سے استدلال کرے صریح مخالف سے تمسک واستناد کرے گا ولکن النجدیۃ قوم یجھلون (مگر نجدیہ ایسی قوم ہے جس کے پاس علم نہیں۔ ت)

ثم اقول وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں، اور خدا ہی سے توفیق ہے۔ ت)

اب نظرِ بلند تدقیق پسند تنقیحِ مناط میں گرم جولاں ہوگی کہ وُہ کیا قیام ہے جس کی قید سے فقہاء یہ حکم دے رہے ہیں۔ آخر نفسِ دُعا اصلاً محلِ ممانعت نہیں۔ نہ وُہ تو دُعا کے نفس پر حکم کرتے ہیں، شاید کھڑے ہوکر دُعا منع ہو، یہ غلط ہے،

قال اللہ تعالٰی یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلٰی جنوبھم[5]۔ وقال تعالٰی وانہ لما قام عبداللہ یدعوہ کادوا یکونون علیہ

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وہ کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: بے شک جب وُہ بندۂ خدا اس سے دعا کرتا کھڑا ہو

---

[1] جامع الرموز — فصل فی الجنائز — مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران — ۱/۲۸۳

[2] قنیہ — باب الجنائز — مطبعہ مشتہرہ بالمہانندیہ (انڈیا) — ص ۵۶

[3] کشف الغطاء — فصل ششم نماز جنازہ — مطبع احمدی دہلی — ص ۴۰

[4] ایضاً

[5] القرآن ۳/۱۹۱

لبدا[1] تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پر پرند بہ تہ ٹوٹ پڑیں گے (ت)

شاید خاص میت کے لئے استادہ دعا منع ہو، یہ بھی غلط۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کھڑے ہوکر میت کے لئے مروی۔ خود فقہاء فرماتے ہیں: قبر کے پاس کھڑے ہوکر دعا سنت ہے ــــــ فتح القدیر میں ہے:

المعهود منها (ای من السنة) لیس الا زیارتها والدعاء عندها قائما کما کان یفعل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الخروج الی البقیع[2]۔

سنت سے معہود صرف قبروں کی زیارت ہے اور وہاں کھڑے ہوکر دعا کرنا جیسے بقیع تشریف لے جانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عمل مبارک تھا۔ (ت)

مسلک متقسط میں ہے:

من اداب الزیادة ان یسلم ثم یدعوا قائما طویلا[3] اھ ملخصا۔

زیارت قبور کے آداب سے یہ ہے کہ سلام کرے پھر کھڑے ہوکر دیر تک دعا کرے اھ ملخصاً (ت)

شاید یہ ممانعت صرف نماز جنازہ کی حالت میں ہو، بعد دفن اجازت ہو۔ یہ بھی غلط۔ ہم نے فتوٰی اولٰی میں حدیث صحیحین ذکر کی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے نعش مبارک امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے گرد ہجوم کیا اور چار طرف سے احاطہ کرکے کھڑے ہوئے امیر المؤمنین شہید کے لئے دعائیں کرتے رہے۔ پھر سب سے قطع نظر کیجئے تو اس عارض میں مزاحمت حسن و ایراث قبیح کی صلاحیت بھی ہو، یا خواہی نخواہی یونہی مزاحم ہوجائے گا۔ آخر قیام میں کیا خصوصیت ہے کہ اس کا انضمام دعائے میت کو کہ شرعاً مطلوب و مندوب تھی مکروہ و معیوب کردے گا۔ اب نظر نے ان سب احتمالات کو ساقط پاکر اتنا تو جزم کرلیا کہ کوئی معنی خاص مقصود ہے جو مناط و منشاء حکم ہوسکے۔ پھر وہ ہے کیا؟ اس کے لئے اس نے باریک راہ تدقیق نکالی اور معانی قیام و مناہج کلام و دلائل احکام پر نگاہ ڈالی معانی قیام دو نظر آئے: برپا استادن کہ مخالف خفتن و نشستن ہے (یعنی پاؤں پر کھڑا ہونا جو سونے بیٹھنے کے مخالف ہے۔ ت) اور توقف و درنگ کہ مخالف مقابل عجلت و شتاب ہے،

---

[1] القرآن ۷۲/ ۱۹

[2] فتح القدیر باب الشہید مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲

[3] المسلک المتقسط مع ارشاد الساری فصل لیستحب زیارۃ اہل المعلی مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ص ۳۲۳-۳۴

كما بيّناه فى الفتوى الاولى و منه قول القائل ؎

ولا يقوم على ذل يراد به
الا الاذلان عير النجد والوتد
فليس المراد ان حمار النجد
عند ارادة الذل به يقوم ولا يقعد
بخلاف غيره وانه يقعد انما
اراد ان الحمار النجدى يدوم و
يصبر على الذل اما غيره فلا يرضى
به۔

جیسا کہ ہم نے اسے پہلے فتوے میں بیان کیا اور اسی سے شاعر کا یہ شعر ہے: ؎
اُس ذلّت پر، جس کا اس کے ساتھ ارادہ کیا جائے قائم نہیں رہتے مگر دو ذلیل تر نجد کا گدھا اور اس کے باندھنے کا کھونٹا۔
اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب نجد کے گدھے کے ساتھ ذلّت کا ارادہ کیا جاتا ہے تو وہ کھڑا رہتا ہے بیٹھتا نہیں ہے اور دوسرا بیٹھ جاتا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ نجدی گدھا ذلّت پر دائم و صابر رہتا ہے اور دُوسرا ذلّت سے راضی نہیں ہوتا۔ (ت)

مناہج کلام بھی دو قسم پائے، کہیں تو بعد صلاۃ الجنازہ کی تخصیص ہے کما فی اکثر العبارات المذکورۃ (جیسا کہ اکثر مذکورہ عبارتوں میں ہے۔ ت) اور کہیں حکم مطلق کما فی عبارۃ القھستانی (جیسا کہ قہستانی کی عبارت میں ہے۔ ت) بلکہ کہیں قبلِ نماز کے بھی صاف تصریح،

فى كشف الغطاء وپیش از نماز نیز بدعا نه ایستد زیرا چه دعا میکند بدعائیکه او فرد اکبر است بدون دعا یعنی نماز جنازه کذا فی التجنیس[1]

کشف الغطاء میں ہے: اور نماز سے پہلے بھی دعا کے لئے نہ کھڑا ہو اس لئے کہ اسے وہ دعا کرنی ہے جو اس دعا سے زیادہ وافر اور بڑی ہے یعنی نمازِ جنازہ، ایسا ہی تجنیس میں ہے۔ (ت)

حالانکہ پیش از نماز دُعا خود احادیثِ صحیحہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت وقد مر بعضھا فی الفتوی الاولٰی (بعض حدیثیں پہلے فتوے میں گزر چکیں۔ ت) اور کھڑے ہوکر دعا بھی صحابہ کرام سے گزری، ولائلِ احکام بھی دو ملے، کہیں نمازِ جنازہ میں زیادت کا شُبہ کما فی المحیط والقنیۃ وغیرھما (جیسا کہ محیط اور قنیہ وغیرہما میں ہے۔ ت) کہیں یہ کہ ایک بار دُعا کرچکا کما نقل عن وجیز الکردری (جیسا کہ وجیز کردری سے منقول ہے۔ ت) یا اس سے افضل دعا کرے گا کما مر عن التجنیس (جیسا کہ تجنیس کے حوالے سے گزرا۔ ت) اب جو اصول و

---

[1] کشف الغطاء فصل ششم نماز جنازہ مطبع احمدی دہلی ص ۴۰

فروعِ شرع پر نظر کیجئے تو ایک بار دعا کرنے یا آئندہ دعائے افضل کا قصد رکھنے کو منع و انکارِ دعا میں اصلاً مؤثر نہ پایا ورنہ ایک بار سے زیادہ دُعا جائز نہ ہوتی یا مکروہ ٹھہرتی، حالانکہ نصوصِ متواترہ و اجماعِ اُمت سے اس کی تکثیر محبوب، یا نمازِ پنجگانہ کے بعد دعا ممنوع و مکروہ قرار پائے گی کہ قعدۂ اخیرہ میں دُعا کر چکا ہے حالانکہ احادیث میں اس کا حکم اور زمانۂ اقدس سے تمام مسلمین کا اس پر عمل بلکہ قعدۂ اخیرہ میں دُعا مسنون نہ ہوتی کہ فاتحہ میں اس سے افضل و اکمل دُعا ہو چکی، خاص محلِ سخن میں نظر کیجئے تو خود میت کے لئے بھی قبل از نماز جنازہ و بعد از نماز دونوں وقت دُعا فرمانا اور اُس کا حکم دینا حضور پُر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت کما اسلفنا فی الفتوی الاولی (جیسا کہ ہم نے پہلے فتوے میں بیان کیا ۔ت) حضور والا صلوۃ اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے خیال نہ فرمایا کہ ایک بار تو ہم دُعا کر چکے ہیں یا افضل و اکمل دُعا فرمانے والے ہیں۔ معہذا ان وجوہ پر قیام و قعود سب یکساں، کیا بیٹھ کر دُعا کرے گا تو یہ بات نہ رہے گی کہ افضل دُعا کر چکا ہے یا کرنیوالا ہے تو کیا قیدِ قیام پر نظر فرِ کتب غلط و تغلیط ہے یا یہ دلائل دعوٰی سے بیگانہ۔ ایسی مہمل وجہ پر کلامِ علماء کا حمل جس سے وُہ نصوصِ متواترہ و اجماعِ اُمت اور خود اپنی تصریحاتِ کثیرہ اور نیز انسانی کلام و تطابقِ دلیل و دعوٰی سے صراحۃً دُور پڑیں ان کی شان میں کُھلی گستاخی اور معاذ اللہ ان کے کلام کو کلامِ مجانین سے ملحق کر دیتا ہے، جب نظرِ صحیح نے بعونہٖ تعالٰی سب کانٹے راہِ حق سے صاف کر لئے۔ قائدِ توفیق کے مبارک ہاتھ میں ہاتھ دے کر حکم بالجزم کیا کہ اس قسم کے اقوال میں قیام بمعنی وقوف و درنگ ہی ہے۔ اتنا کہتے ہی بحمد اللہ تعالٰی سب اعتراض و اشکال دفعۃً اُٹھ گئے اور بات میزانِ شرع و عقل پر پوری تُل گئی، فی الواقع نماز کے علاوہ کسی دُعائے طویل کی غرض سے تجہیزِ جنازہ کو درنگ و تعویق میں ڈالنا شرعِ مطہر ہر گز پسند نہ فرمائے گی تکثیرِ دعا بیشک محبوب ہے مگر اُس کے لئے تعویق مطلوب نہیں جس طرح جنازہ پر تکثیرِ جماعت قطعاً مطلوب ہے مگر اُس کے لئے تاخیر محبوب نہیں، جیسے بعض لوگ میت جمعہ کے دن دفن و نماز میں تاخیر کرتے ہیں تاکہ بعد میں جماعتِ عظیم شریکِ جماعتِ جنازہ ہو۔ تنویر الابصار میں ہے:

کرہ تاخیر صلاتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلاۃ الجمعۃ۔[1]

اس خیال سے کہ نمازِ جمعہ کے بعد ایک عظیم جماعت نمازِ جنازہ میں شریک ہو گی نمازِ جنازہ اور دفن میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ (ت)

غرض شرعِ مطہر میں تعجیلِ تجہیز بتاکید تمام مطلوب اور بے ضرورتِ شرعیہ اس کی تاخیر سے ممانعت، اور

---

[1] دُرِ مختار شرح تنویر الابصار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۴

نماز کے علاوہ وشرعاً ضروری و واجب نہیں جس کے لئے قیام و درنگ پسند کریں۔ شرع میں جتنی دعا ضروری تھی یعنی نمازِ جنازہ، وہ ہوچکی یا ہونے والی ہے تو اُس کے سوا اور دعائے طویل کے لئے کیوں رکھ چھوڑیں، بحمد اللہ یہ معنی ہیں کلامِ علماء کے کہ دُعا ہوچکی یا ہونے والی ہے ھکذا ینبغی ان یفھم الکلام واللہ ولی الھدایۃ والانعام (کلامِ علماء اسی طرح سمجھنا چاہئے اور خدا ہی ہدایت وانعام کا والی ہے۔ ت) اور واقعی جو اس معنی قیام پر کلام فرمائیں ان کا مطلق رکھنا کما فعل الشمس القھستانی (جیسا کہ شمس قہستانی نے کیا۔ ت) یا بالتصریح قبل وبعد نماز دونوں وقت کو لے لینا کما صنع الامام البرھان الفرغانی (جیسا کہ امام برہان الدین فرغانی نے کیا۔ ت) کچھ بے جا نہ ہوا بلکہ یہی احسن وازین تھا کہ باین معنی قیام قبل وبعد کسی وقت پسندیدہ نہیں اگرچہ اس تقدیر پر عبارات غیر معللہ بشبہ زیادت میں تقیید بعد کا یہ منشا ٹھہرا سکتے ہیں کہ قبل از نماز عادۃً جنازہ مہیا نہیں ہوتا۔ امورِ ضروریہ غسل وکفن جاری ہوتے ہیں تو اُس وقت دُعائے طویل میں حرج نہیں کہ تاخیر بغرضِ دُعا نہ ہوگی بخلاف بعد نماز کہ غالباً کوئی حالتِ منتظرہ لے چلنے سے مانع نہیں ہوتی اور کلامِ فقہاء اکثر امورِ غالبہ پر مبنی ہوتا ہے،

ومع ھذا فالوجہ الاظھر عد جمیع المقیدات من القسم الاٰتی فانہ ھو الانفع الاوفق کما لا یخفی۔

اس کے باوجود زیادہ ظاہر صورت یہ ہے کہ تمام قیدوں کو قسم آئندہ سے شمار کیا جائے، اس لئے کہ وہ زیادہ مطابق وموافق ہے، جیسا کہ واضح ہے (ت)

یہ اس قسم اقوال پر کلام تھا ـــــ رہی قسم اول یعنی جن کلمات میں تنصیص بعدیت اور شبہہ زیادت سے تمسک ہے **اقول** وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور خدا ہی سے توفیق ہے۔ ت) بدیہیاتِ جلیہ سے ہے کہ یہاں مطلق بعدیت کا ارادہ ہرگز وجہ صحت نہیں رکھتا کہ استحالاتِ سالفہ کے علاوہ نفسِ تعلیل ہی اس سے آبی کیا آج نماز ہوچکی کل استادہ دُعا کرو، تو نماز میں کچھ بڑھا دینے کا اشتباہ ہو، لاجرم بعدیت بلا فاصل ہی مقصود، جس میں نقضِ صفوف وتفرقِ رجال بروجہ اولیٰ داخل کہ جب صفیں کھل گئیں لوگ ہٹ گئے تو اس کے بعد کسی فعل کو نماز میں زیادت سے کیا مشابہت رہی،

کما بیناہ فی الفتوی الاولیٰ وھو بین بنفسہ عند اولی النھی وان تبتغ زیادۃ فاستمع لما یتلی۔

جیسا کہ ہم نے اسے پہلے فتوے میں بیان کیا، اور اہلِ عقل کے نزدیک وہ خود ہی واضح ہے۔ اور اگر مزید وضاحت مطلوب ہو تو بیان آئندہ بغور سنو۔ (ت)

صحیح مسلم شریف میں ہے سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نمازِ جمعہ پڑھی، سلامِ امام ہوتے ہی سُنتیں پڑھنے کھڑے ہوگئے، امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بُلا کر

فرمایا :

لا تعد لما فعلت اذا صلیت الجمعۃ فلا تصلہا الصلٰوۃ حتی تکلم او تخرج فان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرنا بذلك ان لا توصل صلٰوۃ بصلٰوۃ حتی نتکلم او نخرج۔[1]

اب ایسا نہ کرنا جب جمعہ پڑھو تو اُسے اور نماز سے نہ ملاؤ یہاں تک کہ بات کرو یا اس جگہ سے ہٹ جاؤ کہ ہمیں حضور پُرنور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ایک نماز دوسری نماز سے نہ ملائیں یہاں تک کہ کچھ گفتگو کریں یا جگہ سے ہٹ جائیں۔

علماء فرماتے ہیں وصل سے نہی اس لئے ہے کہ ایک نماز دُوسری نماز کا تتمہ نہ معلوم ہو، جمعہ میں دُو رکعت پر زیادت نہ موہوم ہو۔ امام اجل ابوزکریا نووی منہاج میں فرماتے ہیں :

افضلہ التحول الی بیتہ والا فموضع اٰخر من المسجد او غیرہ لیکثر مواضع سجودہ ولتنفصل صورۃ النافلۃ عن صورۃ الفریضۃ۔[2]

بہتر تو یہ ہے کہ گھر جاکر پڑھے، ورنہ مسجد ہی میں یا بیرونِ مسجد کسی اور جگہ پڑھے تاکہ اپنی سجدہ گاہوں کی تعداد بڑھا سکے اور تاکہ نفل کی صورت فرض کی صورت سے جُدا ہوجائے۔ (ت)

مولانا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں :

(اذا صلیت الجمعۃ) ھی مثال وغیرھا کذلك، ویؤیدہ ما یاتی من حکمۃ ذلك کذا ذکرہ ابن حجر، ویحتمل ان ذکر الجمعۃ بعد خصوص الواقعۃ للتاکید الزائد فی حقہا، لاسیما ویوھم انہ یصلی اربعا وانہ الظہر، وھذا فی مجتمع العام سبب للایہام (فلا تصلہا) بصلٰوۃ

(جب نماز جمعہ پڑھو) یہ بطور مثال ہے اس لئے کہ غیر جمعہ کا بھی یہی حکم ہے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو اس کی حکمت بیان کی گئی ہے ــــ اسے ابنِ حجر نے ذکر کیا ــــ اور ہوسکتا ہے کہ جمعہ کا ذکر اس لئے ہو کہ اس کے بارے میں زیادہ تاکید ہے، خصوصاً اس میں یہ وہم ہوسکتا ہے کہ وہ چار رکعت ظہر پڑھ رہا ہے ــــ اور یہ فعل مجمع عام میں وہم پیدا کرنے کا سبب ہوگا ــــ (تو اسے اور نماز سے نہ ملاؤ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۸۸

[2] منہاج النووی شرح صحیح مسلم مع مسلم کتاب الجمعۃ " " " " " "

حتی تکلم) ای احدا من الناس فان به یحصل الفصل لا بالتکلم بذکر اللہ (او تخرج) ای حقیقۃ او حکما بان تتاخر عن ذٰلک المکان و المقصود بھما الفصل بین الصلاتین لئلا یوھم الوصل فالامر للاستحباب والنھی للتنزیہ[1] اھ ملخصا۔

یہاں تک کہ کلام کرلو) یعنی کسی آدمی سے بات کرلو' اس لئے کہ فرق اسی سے ہوگا، کلام بہ ذکرِ الٰہی سے فرق نہ ہوگا (یا اس جگہ سے نکل جاؤ) یعنی حقیقۃً، اس طرح کہ مسجد سے باہر چلے جاؤ ـــ یا حکماً ـــ اس طرح کہ اس جگہ سے ہٹ جاؤ ـــ دونوں کا مقصد یہ ہے کہ دونوں نمازوں میں فصل ہوجائے، تاکہ وصل اور ملانے کا وہم نہ پیدا ہو، تو یہ حکم استحباب کے لئے ہے اور نہی برائے تنزیہ ہے اھ ملخصا (ت)

یہاں سے صاف ثابت کہ ایسے شبہہ کے رفع کو اُس جگہ سے ہٹ جانا بس ہے تو بعد نقض صفوف اس علت کی اصلاً گنجائش نہیں۔ لاجرم معنی یہ ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد اسی ہیئت پر بدستور صفیں باندھے وہیں کھڑے ہُوئے دُعا نہ کریں کہ زیادت فی الصلاۃ سے مشابہت نہ ہو۔ یہ معنی صحیح وسدید، بے غبار و فساد ہیں، اور عقل سلیم کے نزدیک نفس عبارتِ دلیل سے بالتعین مستفاد۔ یہاں سے روشن ہوا کہ اس قسم کے اقوال میں قیام بمعنی استادن بے تکلف درست اور وجہِ تقیید بھی منکشف ہوگئی، اور بعض علماء کا وُہ استظہار بھی ظاہر ہوگیا کہ اگر نشستہ دُعا کند جائز باشد (اگر بیٹھ کر دعا کرے جائز ہوگا۔ ت) بلا کراہت فی الواقع بیٹھ جانا بھی نمازِ جنازہ سے فاصل بین ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد شبہہ زیادت نہیں، مگر نقض صفوف اس سے بھی اتم واکمل ہے کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت)

اب بحمداللہ تعالٰی تمام کلماتِ علماء منتظم ہوگئے اور مسئلہ کی صور ووجوہ مع دلائل شمس وامس کی طرح روشن ہوگئیں۔ بحمداللہ نہ کلماتِ علماء میں باہم اختلاف ہے نہ اصول وقواعد شرع وعقل سے خلاف۔ ہر ایک اپنے محل پر درست وبجا ہے اور منکرینِ زمانہ کی جہالت وسفاہات سے پاک وجدا۔ ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (اسی طرح تحقیق ہونی چاہئے اور خدائے برتر ہی توفیق کا والی ہے۔ ت) اور ایک نہیں کیا صدہا جگہ دیکھے گا کہ کلماتِ علمائے کرام بظاہر سخت مضطرب ومتخالف معلوم ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ناواقف یا سہل گزر جانے والا شدّت تصادم سے پریشان ہوجائے یا رجماً بالغیب خواہ پیشِ خویش کوئی وجہ رجحان سمجھ کر بعض کے اختیار باقی سے اعراض وانکار

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ باب السنن وفضائلھا مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۱۱۹

پر آئے اور جب میزانِ نقد و تحقیق اُس کے ہاتھ میں پہنچے جسے مولا تعالیٰ جل وعلا نظرِ تنقیحی سے بہرۂ وافی بخشے وہ ہر کلام کو اس کے ٹھیک محل پر اتارے اور بکھرے موتیوں کو منسق نظام میں گوندھ کر سلکِ معنی سنوارے جس سے وہی مختلف کلمات خود بخود رنگِ ایتلاف پائیں اور سب خدشے خرخشے آفتاب کے حضور شبِ دیجور کی طرح کافور ہو جائیں۔

ذلك فضل الله یؤتیه من یشاء و الله ذو الفضل العظیم ٥ رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ وعلیٰ والدی وان اعمل صالحا ترضٰه واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیك وانی من المسلمین۔

وہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور خدا بڑے فضل والا ہے۔ اے میرے رب! مجھے یہ نصیب کر کہ میں اُس احسان کا شکر ادا کروں جو تُو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا، اور یہ کہ میں ایسا نیک عمل کروں جسے تو پسند فرمائے۔ اور میرے لئے میری اولاد میں نیکی پیدا کر، بے شک میں تیری جانب رجوع لایا، اور یقیناً میں مسلمانوں سے ہوں۔ (ت)

ہاں باقی رہی امام ابن حامد سے ایک حکایت کہ زاہدی نے قنیہ میں ذکر کی:

حیث قال عن ابی بکر بن حامد ان الدعاء بعد صلٰوۃ الجنازۃ مکروہ[1]

اس کی عبارت یہ ہے کہ ابوبکر بن حامد سے منقول ہے کہ نمازِ جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔ (ت)

یہ تو حضرات مانعین کی خوشی کی چیز ہے کہ اس میں قیدِ قیام بھی نہیں،

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور خدا ہی سے توفیق ہے۔ ت) یہ تو حضرات منکرین پر بڑی تشنیع کی جگہ ہے کہ اس میں قیدِ قیام بھی نہیں، جس نے ہمارا کلام بالا بنظرِ امعان و اتقان دیکھا ہے اُس پر روشن ہے کہ انکار میں جس قدر اطلاق زائد، مستدل صاحبوں پر اُتنی ہی آفت سخت، کیا نمازِ جنازہ کے بعد مطلقاً دُعا کی کراہت باجماعِ اُمت باطل نہیں، کیا نصوصِ قولیہ و فعلیہ حضور معلّٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقوال تمام ائمہ سلف وخلف اس کے بطلان پر شاہد عادل نہیں کیا یہ اطلاق یونہی عنان گسستہ رہے تو دُعائے زیارتِ قبور اس میں داخل نہیں، تو واجب ہوا کہ مطلق بعدیت مراد نہ ہو، بلکہ وہی بعدیت متصلہ بے فاصل بیّن، اب قیدِ قیام خود ہی آگئی کہ یہ بعدیت بے بقائے قیام متصور نہیں کما قررنا (جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ ت) تو اس کا مرجع بعینہٖ اُنھیں اقوال

---

[1] قنیہ باب الجنائز مطبعہ مشتہرہ بالمہانندیہ ص ۵۵ و ۵۶

قسم اول کی طرف اور شبہہ مانعین یکسر برطرف۔ تحقیق نظر فقہی تو بحمد اللہ یہاں تک بروجہ اتم واجل مذکور ہوئی مگر مخالف متعسف اس حکایت کے ظاہر لفظ میں بالکل آزادی دیکھ کر اپنے موافق ہی کیا چاہے، اور خواہی نخواہی اطلاق و توسیع بعدیت کی طرف کھینچے تو بہت بہتر۔ بعونہ تعالیٰ ہم سے ایرادت مناظرانہ لے۔

فاقول اولاً بعدیت متصلہ ہے یا مطلقہ یا بین بین اول مخالف کو مضر اور ثانی اجماع و نصوص متواترہ کے خلاف اور ثالث غیر منضبط، نہ ایک تقیید دوسری سے اولیٰ بالمقبول تو کلام مجمل اور استناد مہمل، بہرحال مخالف کو گنجائش تمسک نہیں۔

ثانیاً (بعبارت اخریٰ) جب نہ تقیید سے چارہ نہ تسلیم اطلاق کا یارا کہ زیارت قبور کے وقت دعا للاموات مخالف بھی جائز ماننا ہوگا، تو اب نظر تعین تقیید میں رہی قید اتصال کے ظہور و انضباط سے قطع نظر بھی کیجئے تو اقل درجہ احتمال مساوی ہے اور مخالف مستدل۔ واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال (جب کلام میں کوئی احتمال آگئے تو ایک پر اس سے استدلال باطل ہوا۔ت)

ثالثاً یہ اطلاق کلمات باقین کے مخالف اگر بوجہ اتحاد حکم وحادثہ حمل مطلق علی المقید کیجئے تو یہ بھی اسی طرف راجع والکلام الکلام ورنہ بسبب مخالفت اکثرین ناقابل قبول،

فی الدرالمختار من باب التعزیر مطلق فیحمل علی المقید لیتفق کلامھم[1] اھ و قبیل فصل فی الحائط المائل، یحمل اطلاق الفتاوی علی ما وقع مقیدا لاتحاد الحکم والحادثۃ[2] اھ ونقل نحوہ فی ردالمحتار[3] اٰخر مضاربۃ عن مجموعۃ ملا علی وقال المولیٰ علی قاری فی المسلک المتقسط اطلاقھم لاینافی تقیید الکرمانی[4] اھ قال الشامی ای

درمختار باب التعزیر میں ہے: یہ مطلق ہے تو مقید پر محمول کیا جائیگا تاکہ کلمات علماء میں باہم اتفاق ہوجائے اھ ___ جھکی ہوئی دیوار سے متعلق فصل سے ذرا پہلے ہے: فتاویٰ کا اطلاق اس پر محمول ہوگا جو مقید واقع ہے کیونکہ حکم اور حادثہ ایک ہی ہے اھ ___ اسی کے ہم معنی ردالمحتار آخر مضاربت میں مجموعہ ملا علی سے نقل کیا ___ اور مولانا علی قاری مسلک متقسط میں فرماتے ہیں: ان حضرات کا اطلاق کرمانی کی تقیید کے منافی نہیں اھ ___ اس پر

[1] درمختار باب التعزیر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶
[2] درمختار قبل فصل الحائط المائل " " ۲/۳۰۱
[3] ردالمحتار بحوالہ مجموعہ ملا علی آخر باب المضارب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴/۵۴۹
[4] ردالمحتار بحوالہ المسلک المتقسط باب الجنایات " " " ۲/۲۴۹

ليحمل المطلق على المقيد[1] اھ و ذكر نحوه بعد هذا بقليل قبيل باب الاحصار و قال قبيل باب التيمم قد صرحوا بان العمل بما عليه الاكثر[2] اھ و فی باب صلاة المريض عن امداد الفتاح للعلامة الشرنبلالی من ان القاعدة العمل بما عليه الاكثر[3] اھ واول باب صلٰوة الخوف لايعمل به لانه قول البعض[4] اھ و قال العلامة البيری فی شرح الاشباه من قاعدة ان الاصل فی الكلام الحقيقة لايجوز لاحد الاخذ به لان المقرر عند المشائخ انه متی اختلف فی مسئلة فالعبرة بما قاله الاكثر[5] اھ نقله فی العقود الدرية اٰخرالباب الاول من الوقف۔

شامی نے لکھا: مراد یہ ہے کہ مطلق مقید پر محمول کردیا جائے گا اھ ——اسی کے ہم معنی اس سے ذرا بعد باب الاحصار سے تھوڑا پہلے ذکر کیا اور باب التیمم سے ذرا قبل لکھا، علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ عمل اُسی پر ہوگا جس پر اکثر ہیں اھ۔ باب صلاۃ المریض میں علامہ شرنبلالی کی امداد الفتاح سے نقل ہے: قاعدہ یہ ہے کہ عمل اس پر ہوگا جس پر اکثر ہوں اھ——شروع باب صلٰوۃ الخوف میں ہے: اس پر عمل نہ ہوگا کیونکہ یہ صرف بعض کا قول ہے اھ —— علامہ بیری شرح اشباہ میں قاعدہ "کلام میں اصل حقیقت ہے" کے تحت ایک جگہ لکھتے ہیں: کسی کے لئے اسے اخذ کرنا درست نہیں اس لئے کہ مشائخ کے نزدیک طے شدہ یہ ہے کہ جب مسئلہ میں اختلاف ہو تو اعتبار اس کا ہوگا جس کے قائل اکثر ہوں اھ۔ اسے العقود الدریہ میں کتاب الوقف باب اول کے آخر سے نقل کیا۔(ت)

رابعًا اس روایت کا حاکی زاہدی اور محکی فیہ قنیہ و زاہدی معتمد نہ قنیہ معتبر خصوصًا ایسی حکایت میں کہ معنی مفیدِ مخالفِ اصلاً قواعدِ شرع سے مطابق نہیں۔

فی ردالمحتار اول الطهارة كتاب القنية مشهور بضعف الرواية[6] اھ و فی

ردالمحتار شروع کتاب الطہارۃ میں ہے: کتاب "قنیہ" ضعف روایت میں مشہور ہے اھ،

[1] ردالمحتار باب الجنایات مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/۲۵۰
[2] " قبیل باب التیمم " " " ۱/۱۶۶
[3] " باب صلٰوۃ المریض " " " ۱/۵۶۲
[4] " باب صلوۃ الخوف " " " ۱/۶۲۵
[5] العقود الدریۃ بحوالہ العلامۃ البیری مطلب فی اختلف فی مسئلۃ الخ حاجی عبدالغفار و پسران تاجران کتب ارگ بازار قندھار ۲/۱۷۵
[6] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹

العقود الدریۃ اٰخر الکتاب ذکر ابن وھبان انہ لایلتفت الی ما نقلہ صاحب القنیۃ یعنی الزاھدی مخالفا للقواعد مالم یعضدہ نقل من غیرہ ومثلہ فی النھر[1] ایضا اھ ونقلہ ایضا فی الدر عن المصنف عن ابن وھبان[2] وفی صوم الطحطاوی قبل فصل العوارض بنحو ورقۃ القنیۃ لیست من کتب المعتمدۃ۔

العقود الدریۃ آخر کتاب میں ہے: ابن وہبان نے ذکر کیا ہے کہ صاحبِ قنیہ یعنی زاہدی خلاف قواعد جو نقل کرے اس کی جانب التفات نہ ہوگا جب تک کسی اور سے کوئی نقل اس کی تائید میں نہ ملے ___ اسی کے مثل نہر میں بھی ہے۔ اسے درمختار میں مصنف کے حوالے سے ابن وہبان سے نقل کیا ہے ___ اور طحطاوی کتاب الصوم میں فصل عوارض سے قریبًا ایک ورق پہلے ہے: قنیہ کتبِ معتمدہ سے نہیں۔ (ت)

خامسًا زاہدی اس مسئلہ میں بالخصوص متہم کہ وہ مذہب کا معتزلی ہے اور معتزلہ خذلہم اللہ تعالٰی کے نزدیک امواتِ مسلمین کے لئے دعا محض بیکار کما نص علیہ فی شرح العقائد وشرح الفقہ الاکبر وغیرھا (جیسا کہ شرح عقائد اور شرح فقہ اکبر وغیرہما میں اس کی تصریح ہے۔ ت) اُس کی یہ عادت ہے کہ مسائل اعتزال اپنی کتب میں داخل کرتا ہے۔

کما فعل فی مسئلۃ فی الاشربۃ ومسئلۃ فی الذبائح ومسئلۃ فی الحج وغیرہ ذلک کما بینہ فی الدر المختار ورد المحتار وغیرھما فی مواضعہ۔

جیسا کہ اشربہ کے ایک مسئلہ، ذبائح کے ایک مسئلہ، حج کے ایک مسئلہ میں اور بھی مسائل میں اس نے ایسا کیا ہے۔ جیسا کہ درمختار، ردالمحتار وغیرہما میں اس کے مقامات پر مذکور ہے۔ (ت)

اس کا استاذ الاستاذ زمخشری بھی اس کا خوگر ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہ آپ کچھ بکے مگر نقل میں ثقہ ہے بخلاف زاہدی کے کہ اس کی نقل پر بھی اعتماد نہیں۔ ان سفہا نے حنفیت کا نام بدنام کرکے فروع میں بعض وہ خفی شرارتیں بھر دیں جن سے بعض مصنفین نے بھی دھوکا کھایا اور شدہ شدہ وہ نقول متعدد کتب میں پھیل گئیں جو آج تک حضرات نجدیہ وامثالہم کے نزدیک علق نفیس وغنیمت باردہ ہیں اس کا بعض بیان فقیر غفراللہ تعالٰی نے اپنی کتاب حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات میں کیا وباللہ التوفیق۔

---

[1] العقود الدریۃ نقل الزاہدی لایعارض نقل المعتبرات مطبوعہ حاجی عبدالغفار وپسران تاجران کتب ارگ بازار قندھار ۲/ ۳۵۶

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار قبیل فصل فی العوارض مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۶۰

سادساً وہ بیچارہ خود بھی اس حکایت کو بلفظ عن کہ مشیر غرابت و تمریض ہے نقل کرتا اور آخر میں اسی قولِ اکثر کی راہ پر چلتا ہے۔

حیث قال بعد ما مر وقال محمد بن الفضل لاباس بہ ظ ولا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلٰوۃ الجنازۃ قال رضی اللہ عنہ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلٰوۃ الجنازۃ[1] اھ فافھم۔

اس طرح گزشتہ عبارت کے بعد وہ کہتا ہے: اور محمد بن فضل نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں، ظ۔ اور بعد نمازہ جنازہ آدمی دُعا کے لئے نہ ٹھہرے، امام موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس لئے کہ یہ نمازِ جنازہ میں زیادتی و اضافہ سے مشابہت رکھتا ہے اھ۔ اسے سمجھو۔ (ت)

سابعاً سب جانے دو تو غایت درجہ یہی بعض مشائخ سے ایک حکایت سہی اب ترجیح مطلوب ہوگی۔ کتبِ فقہ میں فتوٰی جانبِ جواز ہے۔ کشف الغطاء میں بعد ذکر عبارت قنیہ وغیرہا لکھا:

فاتحہ و دُعا برائے میّت پیش از دفن درست است وہمیں است روایت معمولہ کذا فی الخلاصۃ الفقہ انتہی[2]۔

میّت کے لئے دفن سے پہلے فاتحہ و دعا درست ہے اور یہی روایت معمول بہا ہے۔ ایسا ہی خلاصۃ الفقہ میں ہے انتہی۔ (ت)

علامہ شامی افادہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ فتوٰی یعنی ہمیں است روایت معمولہ (یہی روایت معمول بہا ہے۔ ت) قوت و شوکت میں علیہ الفتوی و بہ یفتی (فتوٰی اسی پر ہے۔ ت) کے برابر ہے جو آکد الفاظ افتا ہیں۔

فی الدرالمختار لفظ الفتوی اٰکد من لفظ الصحیح والاصح والاشبہ وغیرہا[3] فی ردالمحتار ویظھرلی ان لفظ وعلیہ العمل مساوٍ للفظ الفتوی[4] اھ۔

درمختار میں ہے، لفظ فتوٰی، لفظ صحیح، اصح، اشبہ وغیرہا سے زیادہ مؤکد ہے۔ ردالمحتار میں ہے: میرا خیال ہے کہ لفظ "علیہ العمل" (اسی پر عمل ہے) لفظ فتوٰی کے برابر ہے اھ (ت)

---

[1] قنیہ — باب الجنائز — مطبعۃ المشتہرۃ بالمہانندیۃ — ص ۵۶
[2] کشف الغطاء — فصل ششم نماز جنازہ — مطبع احمدی دہلی — ص ۴۰
[3] درمختار — مقدمۃ الکتاب — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۱۵
[4] ردالمحتار — " — مطبوعہ مصطفی البابی مصر — ۱/ ۵۴

الحمدللہ کہ حق بہمہ وجوہ ظاہر و باہر اور ہر شک و وہم زائل و بائر ہُوا۔ امید ہے کہ اس فتوے میں اول تا آخر جتنے جواہر زواہر ہدیۂ انظار اولی الابصار ہُوئے سب حصۂ خاصۂ خامۂ فقیر ہوں کہ اس تحریر کے سوا کہیں نہ ملیں۔

ذٰلک من فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون والحمد للہ رب العٰلمین ○ والصلوٰۃ والسلام علی اجود الاجودین سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہٖ وصحبہ اجمعین۔

یہ خدا کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ اور ساری تعریف اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اور درود و سلام سخی تر لوگوں میں سب سے زیادہ جُود و سخاوالے ہمارے آقا و مولا اور ان کی تمام آل و اصحاب پر۔ (ت)

بالجملہ عباراتِ فقہا صرف دوصورتوں سے متعلق ہیں: ایک بعد نماز جنازہ اسی ہیئت پر بدستور صفیں باندھے وہیں کھڑے دُعا کرنا۔ دوسرے قبل نماز خواہ بعد نماز دعائے طویل کی خاص غرض سے امر تجہیز کو تعویق میں ڈالنا۔ ظاہراً اس صورت میں کراہت تحریمی تک ہوسکتی ہے اور صورتِ اولیٰ میں تنزیہی۔ ابھی مرقاۃ سے گزرا کہ ایہام زیادت مورثِ کراہت تنزیہ ہے ولبس، جس کا حاصل خلافِ اولیٰ یعنی بہتر نہیں، نہ یہ کہ ممنوع و ناجائز ہو۔ بعض علمائے لکھنؤ نے جو اپنے بعض رسائل میں مکروہ تنزیہی کو گناہِ صغیرہ لکھ دیا سخت ذلت کبیرہ ہے جس کے بطلان پر صدہا کلمات ائمہ و دلائل شرعیہ ناطق۔ فقیر غفراللہ تعالٰی نے اس قول کے رَد میں چند مختصر سطور مسمّٰی بہ جُمَل مجلیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ لکھیں۔ خیر یہ دوصورتیں تھیں جن سے کلماتِ فقہا باحث، ان کے سوا تمام صورِ دعا جن میں نہ دُعا کی غرض سے تاخیر کریں نہ بعد نماز اُس انداز پر ہو بلکہ مثلاً صفیں توڑکر دعائے قلیل یا بوجہ خاص جنازہ میں دیر کی حالت میں دعائے طویل اصلاً مضائقہ نہیں رکھتی، نہ کلماتِ علماء میں ان کا انکار، بلکہ وہ عام مامور بہ کے تحت میں داخل اور مستحب شرعی کی فرد ہے۔ باقی کلام فتویٰ اُولیٰ میں مذکور ہوا، وباللہ التوفیق، واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

الحمدللہ کہ یہ مبارک جواب موضع صواب چہاردہم رجب مرجب روز جاں افروز دوشنبہ کو وقت چاشت شروع اور وقتِ عشا تمام اور بلحاظ تاریخ بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلاۃ الجنائز نام ہوا۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ واکمل السلام علی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔ اٰمین!

اور ہماری آخری پکار یہ ہے کہ ساری حمد خدا کے لئے جو سارے جہانوں کا مالک ہے اور بہتر درود، کامل تر سلام رسولوں کے سردار حضرت محمد اور ان کی تمام آل و اصحاب پر۔ الٰہی قبول فرما! (ت)

17

مسئلہ ۶۵: از جالندھر محلہ راستہ دروازہ بھگواڑہ۔ مرسلہ محمد احمد خاں صاحب ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، پنجاب کے اکثر شہروں میں دستور ہے کہ نمازِ جنازہ سے فارغ ہوکر بعد سلام کے اُسی جگہ پر جہاں نمازِ جنازہ ادا کی گئی ہے میت کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے اور بعض لوگ بیشتر دُعا کے سُورۃ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اخلاص تین بار یا گیارہ دفعہ پڑھ کر میت کے لئے مغفرت کی دُعا کرتے ہیں اور ہمیشہ سے یہی دستور چلا آیا اب فرقہ غیر مقلدین اس دستور کے ہٹانے میں کوشش کررہے ہیں، اس کے عدمِ جواز میں غیر مقلدین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں بلکہ فقہ کی کتابوں کی عبارتیں سناتے ہیں، منجملہ ان کے مستندات کے ایک یہ ہے:

اذا فرغ من الصلٰوۃ لایقوم بالدعاء[1] سراجیہ۔ جب نمازِ جنازہ سے فارغ ہوجائے تو دعا کے لئے نہ کھڑا ہو۔ (ت)

قدوری کے حاشیہ پر ہے:

الدعا بعد صلٰوۃ الجنازۃ مکروہ[2] کذا فی البرجندی لایقوم بالدعاء بعد صلٰوۃ الجنائز لانہ دعا مرۃ لان اکثرھا دعاء[3] بزازیہ جلد اول برحاشیہ عالمگیری۔ دعا بعد نمازِ جنازہ مکروہ ہے جیسا کہ برجندی میں ہے نمازِ جنازہ کے بعد دعا کے لئے کھڑا نہ ہو کہ ایک مرتبہ دُعا کرچکا ہے کیونکہ نمازِ جنازہ کا اکثر حصہ دُعا ہی ہے۔ (ت)

جواب مدلّل بدلائل قویہ بحوالہ کتب معتبرہ اور تحریر عبارات معتمدہ تحریر فرماکر ممنون ومشکور فرمائیں۔ بینوا بالدلیل والتفصیل توجرا بالاجر الجزیل۔

الجواب

گیارہ سال ہُوئے کہ یہ مسئلہ ۱۳۱۱ھ میں معرکۃ الآراء رہا، بمبئی وکانپور سے اس کے بارہ میں بار بار سوالات مختلف صورتوں میں آئے فقیر نے جواب میں کبھی تحقیقِ حدیث اور کبھی تنقیح فقہ سے کام لیا اور بالآخر اس کے باب میں ایک موجز وکافی رسالہ مسمّٰی بہ بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلٰوۃ الجنائز لکھا جس میں تحقیق حکم فقہی وتوضیح معانی عبارات مذکورہ سراجیہ وغیرہا کتب فقہ کو بعونہٖ عزوجل ذروہ عُلیا تک پہنچایا اور بفضلہٖ تعالٰی عرشِ تحقیق مستقر کر دکھایا کہ میت کے لئے دعا قبل نمازِ جنازہ وبعد نمازِ جنازہ ہمیشہ مطلقاً

---

[1] فتاوٰی سراجیہ باب الصلٰوۃ علی الجنازہ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۳

[2] برجندی شرح نقایہ فصل فی صلٰوۃ الجنازہ ۱/۱۸۰

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ الخامس والعشرون فی الجنائز الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۸۰

17
17

مستحب و مندوب ہے۔ اور اس سے اصلاً ممانعت نہیں۔ خود حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے قبل وبعد نماز دونوں وقت میت کے لئے دعا فرمانا اور اس کا حکم دینا ثابت ہے، فقہائے کرام ہرگز اسے منع نہیں فرماتے، یہاں ممانعت تحریمی خواہ تنزیہی صرف دو صورتوں کے لئے ہے اور وہی عبارات مذکورہ وغیرہ مذکورہ فقہیہ میں علی التنوع مقصود ہیں۔ ایک یہ کہ خاص دعا طویل کی غرض سے بعد نماز خواہ قبل نماز تجہیز میت کو تعویق میں ڈالنا، مثلاً نماز ہوچکی اور کوئی حالت منتظرہ لے چلنے کے لئے باقی نہیں رہی، صرف دعا کے لئے جنازہ رکھ چھوڑیں اور درنگ و تطویل کریں یہ ممنوع ہے، اکثر عبارات اُسی طرف ناظر ہیں، دوسرے یہ کہ بعد نماز اُسی ہیئت پر بدستور صفیں باندھے امام و مقتدی وہیں کھڑے دُعا کریں یہ نامناسب ہے کہ نماز پر شبہہ زیادت نہ ہو۔ بعض عبارات اُسی طرف ناظر ہیں، ان کے سوا تمام صور جن میں نہ خاص دُعا کی غرض سے درنگ و تعویق کریں نہ بعد نماز اُسی انداز میں ہو بلکہ صفیں توڑ کر دعا قلیل یا بوجہ دیگر جنازہ میں دیر کی حالت میں دعا طویل اصلاً مضائقہ نہیں رکھتے نہ کلمات علما میں اس کا انکار بلکہ وہ عام مامور بہ کے حکم میں داخل اور مستحب شرعی کا فرد ہے۔ یہ رسالہ بمبئی مطبع گلزار حسینی میں چھپ کر شائع ہوچکا۔ ان تمام مراتب کی تفصیل تمام اُسی رسالہ اور اُس کے پہلے کے فتوٰی میں ملے گی۔ کشف الغطاء[1] میں بعد ذکر عبارات قنیہ وغیرہا فرمایا:

فاتحہ و دُعا برائے میت پیش از دفن درست است وہمیں است روایت معمولہ، کذا فی الخلاصۃ الفقہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

میت کے لئے دفن سے قبل فاتحہ و دعا درست ہے اور یہی روایت معمول بہا ہے۔ ایسا ہی خلاصۃ الفقہ میں ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۶ از بنارس محلہ کندی گرٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

بخدمت لازم البرکۃ جامع معقول و منقول، حاوی فروع واصول جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مد اللہ فیضانہ از جانب خادم الطلبہ عبد الغفور، سلام علیک قبول باد۔ کچھ مسائل میں یہاں علماء کے درمیان اختلاف ہے لہذا مسئلہ ارسال خدمت لازم البرکۃ ہے امید ہے کہ جواب سے مطلع فرمائیں، زید کہتا ہے نماز جنازہ عند الحنفیہ اندر مسجد کے پڑھنی علی العموم خواہ میت مرض ہیضہ اسہال میں مرا ہو یا دوسرے مرض میں بچند وجوہ مکروہ ہے منجملہ اس کے ایک وجہ تلویث مسجد ہے۔ عمرو کہتا ہے جو شخص مرض ہیضہ اسہال یا کسی مرض امراض معدہ کی وجہ سے مرا ہے اُس کا جنازہ مسجد میں پڑھنا البتہ موجب احتمال تلوث مسجد کا ہے

---

[1] کشف الغطاء فصل ششم نماز جنازہ مطبع احمدی دہلی ص ۴۰

اور اس کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنی مکروہ ہے، نہ علی العموم۔

الجواب

قولِ زید صحیح ہے۔ عمرو کا مرضیان معدہ میں حصر تو محض غلط، ہاں سیدنا امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کی روایت نادرہ بعض کتب میں یُوں نقل کی گئی کہ خوفِ تلوّث نہ ہو تو مسجد میں جائز۔ یہ عبارت بظاہر اُس بحث علامہ طحطاوی کی مؤید کہ قولِ تعلیل بہ تلوث پر ظنِ تلوث سے تقیید مناسب، شبہ و توہم مانع نہیں۔ اس عبارت و روایتِ شاذہ پر بھی امراضِ معدہ و امعاء و رحم و زخم وریم وغیرہا ہر مظنۂ تلویث بالاتفاق داخلِ کراہت۔

حلیہ میں فرمایا:

ونقل فی الدرایۃ عن ابی یوسف روایۃ انہ لاتکرہ صلاۃ الجنازۃ فی المسجد اذا لم یخف خروج شیئ یلوث المسجد فعلٰی ھذا اذا امن ذٰلک لم یکرہ علٰی سائر الوجوہ الخ[1]

درایہ میں امام ابویوسف سے ایک روایت یہ نقل ہے کہ جب مسجد کو آلودہ کرنے والی کسی چیز کے نکلنے کا اندیشہ نہ ہو تو مسجد میں نمازِ جنازہ مکروہ نہیں۔ اس کی بنیاد پر جب اس سے اطمینان ہو تو تمام صورتوں میں کراہت نہیں الخ (ت)

حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے:

ینبغی تقیید الکراھۃ بظن التلویث فاما توھمہ اوشکہ فلا تثبت بہ الکراھۃ[2]

کراہت کو آلودگی کے ظن سے مقید کرنا چاہئے اگر اس کا وہم یا شک ہو تو اس سے کراہت ثابت نہ ہوگی۔ (ت)

مگر عامہ کتبِ مذہب میں جہاں تک اس وقت نظرِ فقیر نے جولان کیا یہ روایت نوادر بھی بر سبیل اطلاق و تعمیم بے تشقیق و تفصیل ماثور و منقول، جو علماء اس کے ترجیح و تصحیح و اختیار کی طرف گئے جنازہ کا مسجد میں لانا مطلقاً مکروہ بتاتے ہیں۔ معللین اُسے احتمال و توہم تلویث سے تعلیل فرماتے ہیں۔ تقیید و تخصیص حالتِ ظن کا پتا نہیں دیتے، علمائے کرام اختلافِ مشائخ کو اُس حالت سے مقید کرتے ہیں کہ جنازہ مسجد سے باہر ہو، اور مطلقاً صاف تصریح فرماتے ہیں کہ جنازہ کا مسجد میں ہونا بالاتفاق مکروہ۔

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی ہی سے ہے۔ ت) یہاں اطلاق

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل السلطان احق بصلوتہ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۷

ہی اوفق واحق والصق بدلیل ہے کہ امعاء غالباً فضلات سے خالی نہیں ہوتیں اور موت مزیل استمساک وموجب استرخائے تام ہے اور جنازہ لے چلنے کی حرکت مؤید خروج، تو ہر میت میں خوفِ تلویث موجود۔ باقی کسی خاص وجہ سے غلبۂ ظن کی کیا حاجت، ناسمجھ بچّوں کو مسجد میں لانا مطلقاً ممنوع ہُوا کہ سب میں احتمال تلویث قائم، کچھ یہ شرط نہیں کہ جس بچہ کو اسہال وغیرہ کا عارضہ لاحق ہو وہی مسجد میں نہ لایا جائے، یونہی میت بلکہ اس سے بھی زائد کما لایخفی علی الفطن (جیسا کہ زیرک پر پوشیدہ نہیں۔ ت) پھر یہ بھی امام ثانی سے ایک روایت نادرہ ہے ظاہر الروایۃ میں ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک مسجد میں جنازہ مطلقاً مکروہ ہے اگرچہ میت بیرونِ مسجد ہو، یہی ارجح واصح ومختار وماخوذ ہے،

فان الفتوی متی اختلفت وجب المصیر الی ظاھر الروایۃ کما افادہ فی البحر والدر وغیرھما۔

اس لئے کہ جب فتوٰی میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع ضروری ہے، جیسا کہ بحر اور درمختار وغیرہما میں افادہ کیا۔ (ت)

اب عبارتِ علماء سُنئے، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

کرھت تحریما وقیل تنزیھا فی مسجد جماعۃ ھو ای المیت فیہ وحدہ او مع القوم واختلف فی الخارجۃ عن المسجد وحدہ او مع بعض القوم والمختار الکراھۃ مطلقا خلاصۃ[1]۔

مکروہ تحریمی — اور کہا گیا کہ تنزیہی ہے مسجدِ جماعت میں، جس میں تنہا میت ہو یا پڑھنے والوں کے ساتھ ہو، اور اس جنازہ کے بارے میں اختلاف ہے جو تنہا یا بعض لوگوں کے ساتھ بیرونِ مسجد ہو، اور مختار یہ ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے، خلاصہ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

مطلقا ای فی جمیع الصور المتقدمۃ کما فی الفتح عن الخلاصۃ وفی مختارات النوازل سواء کان المیت فیہ او خارجہ ھو ظاھر الروایۃ، وفی روایۃ لایکرہ اذا کان المیت خارج المسجد[2]۔

مطلقاً یعنی گزشتہ تمام صورتوں میں، جیسا کہ فتح القدیر میں خلاصہ سے منقول ہے۔ اور مختارات النوازل میں ہے کہ خواہ میت مسجد کے اندر ہو یا باہر، یہی ظاہر الروایۃ ہے — اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب میت مسجد کے باہر ہو تو مکروہ نہیں۔ (ت)

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

[2] ردالمحتار 〃 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۲۵

اشباہ میں ہے :

منع ادخال المیت فیہ والصحیح ان المنع لصلاۃ الجنازۃ وان لم یکن المیت فیہ الا لعذر مطر ونحوہ[1]

مسجد میں میت کو لے جانا منع ہے اور صحیح یہ ہے کہ ممانعت نماز جنازہ کی وجہ سے ہے، اگرچہ میت مسجد کے اندر نہ ہو، مگر بارش وغیرہ کا عذر ہو تو رخصت ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں بعد بیان مذہب مختار فرمایا :

وقیل لایکرہ اذاکان المیت خارج المسجد وھو مبنی علی ان الکراھۃ لاحتمال تلویث المسجد والاول ھو الاوفق لاطلاق الحدیث کذا فی فتح القدیر[2]

اور کہا گیا کہ جب میت مسجد کے باہر ہو تو مکروہ نہیں' اس قول کی بنیاد اس پر ہے کہ کراہت کا حکم آلودگیِ مسجد کے احتمال کی وجہ سے ہے، اور پہلا قول ہی اطلاقِ حدیث کے مطابق ہے۔ ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے :

لایصلی علی میت فی مسجد جماعۃ لقول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا اجر لہ ولانہ بنی لاداء المکتوب ولانہ یحتمل تلویث المسجد وفیما اذاکان المیت خارج المسجد اختلف المشائخ[3]

مسجدِ جماعت میں کسی میت کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے اجر نہیں ___ اور اس لئے کہ مسجد فرض نمازوں کی ادائیگی کے لئے بنی ہے ___ اور اس لئے کہ اس میں مسجد کی آلودگی کا احتمال ہے۔ اور ہدایہ ہی میں ہے، جب میت مسجد کے باہر ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ (ت)

مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی سے حلیہ میں ہے :

عندنا اذاکانت الجنازۃ خارج المسجد

جب جنازہ مسجد کے باہر ہو تو ہمارے نزدیک

---

[1] الاشباہ والنظائر | القول فی احکام المسجد | مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی ۲/ ۲۳۰

[2] بحرالرائق | فصل السلطان احق بصلاتہ | " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۷

[3] الہدایۃ | فصل فی الصلوٰۃ علی المیت | " المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۶۱

لویکرہ ان یصلی الناس علیہا فی المسجد انما الکراھۃ فی ادخال الجنازۃ فی المسجد[1]۔

یہ مکروہ نہیں کہ لوگ مسجد کے اندر اس کی نماز پڑھیں۔ کراہت اسے مسجد کے اندر داخل کرنے ہی کی صورت میں ہے۔ (ت)

برجندی شرح نقایہ میں ہے:

کرھت صلٰوۃ الجنازۃ فی مسجد جماعۃ اتفاقا اذا وضعت الجنازۃ فیہ ولو وضع خارجا اختلف المشائخ فیہ و ذلک لان علۃ الکراھۃ اما توھم التلوث او کون المسجد مبنیا لاداء المکتوبۃ[2] اھ ملخصا۔

مسجد جماعت میں جنازہ رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے، اور اگر جنازہ باہر رکھا ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ یہ اختلاف اس لئے ہے کہ کراہت کی علت آلودگی مسجد کا احتمال ہے یا یہ کہ مسجد فرائض وقتیہ کی ادائیگی کے لئے بنی ہے اھ بہ تلخیص (ت)

شرنبلالیہ میں ہے:

قولہ (یعنی الغرر) کرھت فی مسجد ھو فیہ اقول والکراھۃ ھنا باتفاق اصحابنا کما فی العنایۃ[3]۔

عبارت غرر (مسجد میں جنازہ رکھا ہو تو اس میں نمازِ جنازہ مکروہ ہے) میں کہتا ہوں یہاں کراہت پر ہمارے مشائخ کا اتفاق ہے، جیسا کہ عنایہ میں ہے۔ (ت)

عبارات یہاں بکثرت ہیں وفیما نقلناہ کفایۃ وقد ظھر بہ کل ما القینا علیک (اور جس قدر ہم نے نقل کردیا وہ کافی ہے، اور اس سے وہ ساری باتیں واضح ہوگئیں جو ہم نے بیان کیں۔ ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۷ تا ۷۰: از فیروز آباد ضلع آگرہ محلہ کوٹلہ مرسلہ مسکین تاج محمد ۱۱ شوال ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) رمضان المبارک کے الوداعی جمعہ کو جامع مسجد میں مسلمانوں کا جنازہ آیا، نمازیوں کی بہت زیادہ

---

[1] کتاب المبسوط باب غسل المیت مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/۶۸

[2] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی صلوۃ الجنائز ” منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۸۱

[3] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیہ درر الحکام باب الجنائز مطبوعہ احمد کامل الکائنہ دار السعادۃ بیروت ۱/۱۶۵

کثرت تھی، نمازِ جنازہ اگر بیرونِ مسجد پڑھائی جائے گی تو نہ صفیں سیدھی ہوں گے بسبب قبروں اور درختوں کے اور نہ نمازی آسکیں بسبب زیادتی کے، اور دُھوپ تکلیف دہ بھی روزہ داروں کو، اس صورت مذکورہ عذرات کو مدنظر رکھتے ہُوئے نمازِ جنازہ فرشِ مسجد پر پڑھائی جائے یا نہیں، اور ثواب ہوگا یا نہیں؟

(۲) اُس شخص کے واسطے کیا حکم ہے کہ وُہ جانتا ہے کہ تمام مسلمانوں کے عذرات مذکورہ بالا صحیح ہیں اور اندرونِ مسجد جنازہ آگیا ہے اور نمازِ جمعہ بھی ہوچکی ہے مگر وُہ جنازہ کو مسجد سے باہر کرتا ہے اور باہر کرکے نمازِ جنازہ پڑھاتا ہے اور جائے کی تنگی اور صفوں کی شکستگی اور روزہ داروں کے دھوپ میں کھڑے ہونے کی پروانہ کرتے ہُوئے نمازیوں کی خواہش شرکت نمازِ جنازہ کو فوت کرے، کیا حکم ہے؟

(۳) اگر کوئی عذر نہ ہو اور نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھ لی جائے تو نماز ہوگی یا نہیں، اور ثواب ہوگا یا نہیں؟

(۴) اگر بعد نمازِ جمعہ نمازِ جنازہ پڑھ لی جائے تو اولیٰ ہے یا سنّت وغیرہ پڑھنے کے بعد نمازِ جنازہ پڑھنا اولیٰ ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) جنازہ مسجد میں رکھ کر اس پر نماز مذہبِ حنفی میں مکروہ تحریمی ہے، تنویر الابصار میں ہے:

کرھت تحریما فی مسجد جماعۃ ھی فیہ واختلف فی الخارجۃ والمختار الکراھۃ۔[1]

مسجدِ جماعت میں نمازِ جنازہ مکروہِ تحریمی ہے جبکہ جنازہ مسجد کے اندر ہو، اور اگر باہر ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے، مختار یہ ہے کہ مکروہ ہے (ت)

نمازِ جنازہ بہت ہلکی اور جلد ہوجانے والی چیز ہے اتنی دیر دھوپ کی تکلیف ایسی نہیں کہ اُس کے لئے مکروہِ تحریمی گوارا کیا جائے اور مسجد کی بے حُرمتی روا رکھیں۔ رہی نماز، وہ ادا ہوجائیگی، فرض اُتر جائے گا اور مخالفتِ حکم کا گناہ اور نفسِ نماز کا ثواب اللہ عزوجل کے ہاتھ، جیسے کوئی مغصوب زمین میں نمازِ پنجگانہ پڑھے۔

(۲) اُس نے مذہب پر عمل کیا، جو بات مذہب میں منع تھی اُس سے روکا، نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے جو مسلمان تنگی جا کے سبب نہ مل سکے اور ملنے کی خواہش رکھتے تھے اور انھیں ان شاء اللہ العزیز ملنے ہی کا ثواب ہے۔ حدیث میں ہے، جو جماعت کی نیت سے مسجد کو چلا، نماز ہوچکی، اس کے لئے ثواب لکھ گیا۔

قال اللہ تعالٰی فقد وقع اجرہ علی اللہ۔[2]

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے، تو اس کا اجر خدا کے ذمۂ کرم پر ثابت ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

[2] القرآن ۴/۱۰۰

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما لکل امرء مانوی[1]۔ | اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (ت)

(۳) نماز ہوجائے گی اور اب مخالفت کا گناہ اور زیادہ کہ محض بلاوجہ ہے، اور ثواب کا جواب اوپر گزرا۔

(۴) سنت سے فارغ ہوکر نمازِ جنازہ پڑھیں، نوافل و وظائف قطعاً بعد کو رکھیں۔ درمختار میں ہے:

فی البحر قبیل الاذان عن الحلبی الفتوی علی تاخیر الجنازۃ عن السنۃ[2]۔ | بحر میں اذان سے ذرا پہلے حلبی صاحبِ حلیہ سے نقل ہے کہ فتوٰی اس پر ہے کہ جنازہ سنت کے بعد ہوگا۔ (ت)

ہاں اگر جنازہ کی حالت ایسی ہو کہ دیر میں متغیر ہوجائے گا تو پہلے جنازہ پڑھیں پھر سنت وغیرہ۔ اشباہ میں ہے:

اجتمعت جنازۃ وسنۃ وقتیۃ قدمت الجنازۃ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم | جنازہ اور سنتِ وقتیہ دونوں جمع ہوں تو جنازہ مقدم ہوگا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۱: از سنیا ضلع بریلی مسئولہ امیر علی صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ بریلی کی جامع مسجد میں نبی خانہ میں نمازِ جنازہ پڑھائی جائے اور امام نبی خانہ میں ہو اور مقتدی جامع مسجد میں، اور نبی خانہ میں برابر صف بندی ہو، درست ہے یا نہیں؟

الجواب

صحیح یہ ہے کہ مسجد میں نہ جنازہ ہو نہ امامِ جنازہ، نہ صفِ جنازہ۔ یہ سب مکروہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۲ تا ۱۷۸: از قادری گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگال، مرسلہ سید ظہور الحسن صاحب قادری رزاقی مرشدی کرمانی ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) مسجد کے باہر پورب جانب جو سامنے پختہ صحن بنا ہوا رہتا ہے اکثر گرمیوں میں وہاں پر مغرب کی

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

[2] درمختار باب العیدین " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

[3] الاشباہ والنظائر القول فی الدین " ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۱۷، ۲۱۸

نماز پڑھی جاتی ہے اُس جگہ جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) اور لکڑی کا صندوق جو بمنزلہ تابوت کے ہوتا ہے اس کے اندر میت رکھ کر صندوق بند کیا ہو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۳ و ۴) اور کسی ولی یا سادات یا علماء کی قبریں پختہ باندھنا اور کسی ملک سے دوسرے ملک یا شہر سے دوسرے شہر لے جا کر دفن کرنا درست ہے یا نہیں ؟

(۵) اور میت کو لکڑی کے صندوق میں رکھ کر دفن کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۶) اور قبر میں میت کے سینہ پر کفن کے نیچے شجرۂ پیرانِ طریقت رکھ کر دفن کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۷) اور بزرگانِ دین نے جو اپنے وصال سے قبل اپنا کفن و تابوت و قبر پختہ اندر سے صحن پختہ کرکے تیار کر رکھا ہے ایسا قبل سے ان چیزوں کو ایسی حالتوں میں تیار رکھنا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) صحنِ مسجد یقیناً مسجد ہے، فقہائے کرام اُسے مسجد صیفی یعنی گرمیوں کی اور مسقف درجہ کو مسجد شتوی یعنی جاڑوں کی مسجد کہتے ہیں۔ اور نماز جنازہ مسجد میں مطلقاً مکروہ ہے کما فی التنویر والدر وغیرھما (جیسا کہ تنویر الابصار اور درمختار وغیرہما میں ہے۔ ت) ہاں حدِ مسجد سے باہر فنائے مسجد میں جائز ہے۔

(۲) میت اگر تابوت کے اندر ہو نماز اس پر اُسی طرح جائز ہے کھولنے کی حاجت نہیں۔

(۳ و ۴) قبر جس قدر میت سے متصل ہوتی اُس اندرونی حصہ کو پختہ کرنا ممنوع ہے اور باہر سے پختہ کرنے میں حرج نہیں، اور معظمان دینی کے لئے ایسا کرنے میں بہت مصالح شرعیہ ہیں۔ لاش کا ایک ملک سے دوسرے ملک کو لے جانا تو بڑی بات ہے دوسرے شہر کو لے جانا بھی ممنوع ہے، میل دو میل تک لیجانے میں حرج نہیں کما فی العالمگیریۃ وغیرھا (جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے۔ ت)

(۵) تابوت میں دفن کرنا مکروہ و خلافِ سنت مگر اُس حالت میں کہ وہاں زمین بہت نرم ہو تو حفاظت کے لئے حرج نہیں کما فی الھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ ہندیہ وغیرہا میں ہے۔ ت)

(۶) بہتر یہ ہے کہ قبر میں طاق کھود کر اس میں شجرہ رکھا جائے اور تبرکات اگر سینہ پر رکھیں تو اُس کی ممانعت بھی ثابت نہیں والتفصیل فی الحرف الحسن (اور تفصیل ہمارے رسالہ "الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن" میں ہے۔ ت)

(۷) کفن پہلے سے تیار رکھنے میں حرج نہیں اور قبر پہلے سے بنانا نہ چاہئے کما فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) قال اللہ تعالٰی وما تدری نفس بای ارض

تموت[1] (اللہ تعالٰی فرماتا ہے: کوئی جان نہیں جانتی کہ اس کی موت کس زمین میں ہوگی۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۹ تا ۸۰: از ریاست کوٹہ راجپوتانہ محلہ چندگڑھ مسئولہ فضل احمد صاحب ۶ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پہلے ایک حصہ خام تھا اب بالکل ملحقہ مسجد کرکے سب پختہ بنادیا گیا ہے آیا یہ مسجد میں داخل ہے یا نہیں، اور یہاں نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں اور صحن مسجد ہے یا نہیں؟

(۲) خانہ کعبہ اور مسجد اقدس نبوی میں نماز جنازہ کیوں ہوتی ہے؟ اور جب کعبہ شریف میں نماز پڑھتے ہیں تو مسجد میں کیا حرج ہے؟

الجواب

(۱) یہ جگہ کہ مسجد سے خارج تھی اگر اُسے پختہ کرکے صحنِ مسجد سے ملادینا مسجد کے طور پر نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ جمعہ و عیدین میں نمازیوں کو آرام ہو تو وہ بدستور مسجد سے خارج ہے اور اس میں نمازِ جنازہ جائز ہے، اور اگر تمام مسلمانوں کی رائے سے اُسے مسجد کرلیا گیا تو اب اس میں نمازِ جنازہ جائز نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) وہاں شافعیہ کے طور پر ہوتی ہے حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۱: از بلند شہر بالائے کوٹ محلہ قاضی واڑہ مرسلہ محمد عبدالسلام صاحب ۳۰ رمضان ۱۳۳۷ھ

حوض مسجد کے اندر ہے اور اس کے چاروں طرف فرش ہے اور اس کی پٹڑی پر چارپائی رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے، آیا یہ نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قول راجح تر یہ ہے کہ نماز مذکورہ مکروہ ہے، اور ایسا کرنا منع ہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

کرھت تحریما فی مسجد جماعۃ ھو ای المیت فیہ واختلف فی الخارجۃ عن المسجد وحدہ او مع بعض القوم والمختار الکراھۃ مطلقا خلاصۃ[2] الخ

مسجد جماعت میں نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے جبکہ جنازہ مسجد کے اندر ہو، اور اگر تنہا جنازہ یا جنازہ مع کچھ نمازیوں کے بیرونِ مسجد ہو تو اس بارے میں اختلاف ہے، مختار یہ ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے۔ خلاصہ الخ (ت)

---

[1] القرآن ۳۱/ ۳۴

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنازہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۳

اور دوسرے قول پر صورت مذکورہ میں یہ حرج تو نہیں اس لئے کہ میت بیرونِ مسجد ہے فلا کراھۃ فی الصلوٰۃ قال فی الغنیۃ ھو المختار وذکر علیہ العمل (تو نماز میں کراہت نہیں، غنیہ میں ہے: یہی مختار ہے اور اسی پر عمل بتایا۔ ت) مگر جب کہ فرشِ مسجد چاروں طرف محیط ہے تو اُس پٹری تک جنازے کا لے جانا مسجد کے اندر ہی سے ہوگا اور یہ باتفاق حنفیہ مکروہ ہے، یہ سب اُس وقت ہے کہ وسط مسجد میں حوض خود بانی مسجد نے قبل مسجدیت بنایا ہو، ورنہ اگر مسجد ہوچکی اس کے بعد وسط میں یہ حوض بنوایا اگرچہ بانی نے بنایا ہو تو اُس کا بنانا حرام، اور اُس سے وضو کرنا حرام، اور نمازِ جنازہ بالاتفاق مکروہ ہے وتحقیقہ فی ما علقنا علی ردالمحتار (اس کی تحقیق ہمارے حاشیہ ردالمحتار میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۲: از بانٹوہ ملک کاٹھیاواڑ مولوی عبدالمطلب صاحب یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

یہاں نمازِ جنازہ کے لئے جو جگہ تعمیر کی گئی شہر سے دُور فاصلہ پر ہے، بارش اور گرمی میں بڑی دِقت ہوتی ہے لہذا برائے رفع تکالیف بستی کے جو پرانا صدسالہ قبرستان ہے کہ جس کے اندر اکثر قبریں منہدم ہوچکی ہیں بسبب انہدام کے لوگ کوڑا کرکٹ اس کے اندر ڈالتے ہیں اگر وہاں نماز جنازہ کے لئے چبوترہ بنایا جائے تو جائز ہے یا چگونہ؟

الجواب

قبور پر نماز ہرگز جائز نہیں، نہ اُن پر کوڑا کرکٹ ڈالنا جائز، بندوبست کریں، ممانعت کریں، ہاں اگر وہاں یا اُس کے قریب کوئی قطعہ زمین ایسا ہو جہاں قبریں نہ تھیں تو وہاں نماز کی اجازت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

النھی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز ۱۳۱۵ھ

(نمازِ جنازہ کی تکرار سے روکنے والی ممانعت)

مسئلہ ۳۰۳: از کٹرہ پرگنہ منورہ ڈاکخانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ مولٰنا مولوی کریم رضا صاحب رجب ۱۳۱۵ھ

بملاحظہ اقدس مولٰنا صاحب راس العلماء تاج الفضلاء جامع کمالات صوریہ ومعنویہ جناب مولٰنا المولوی احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ تعالٰی بالافادۃ، السلام علیکم! عرض ضروری یہ ہے مولوی محمد اسمٰعیل مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کے بھانجے اور شاگرد جو ایک مدّت سے قصبہ مرہٹ میں اقامت رکھتے ہیں غیر مقلد ہیں اور بیچارے غریب مقلدین کو اپنے مذہب میں لانا چاہتے ہیں، چنانچہ فی الحال ایک رئیس کی لڑکی مرگئی تو ان کے اصرار سے دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی انھوں نے علٰی رؤس الاشہاد کہہ دیا کہ تین روز تک جتنی بار جی چاہے نماز پڑھے۔ اس لئے حضور کو تکلیف دیتا ہوں کہ جوابِ استفتاء تحریر فرمائیے کہ افحام واسکات مخالفین ہو۔ اور ترجمہ عبارات بھی تحریر فرمائیے کہ جس مقام میں یہ فتوٰی بھیجا جائے گا وہاں کے لوگ اردو، فارسی جانتے ہیں۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ولیِ میّت نے ایک بار نماز جنازہ کی لوگوں کے ساتھ پڑھی پھر دُوسری بار انھی لوگوں کے ساتھ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بامامت شخص آخر نماز جنازہ پڑھی، تو یہ تکرارِ نمازِ جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ولی اس مسئلہ سے ناواقف ہے اور بسبب اصرار کسی عالم کے اس نے دوبارہ نماز پڑھی تو وہ گنہ گار ہوگا یا وہ عالم یا دونوں میں کوئی نہیں؟

اور نمازِ جنازہ تین روز تک جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

الحمد للہ الذی جعل الارض کفاتا واکرم المومنین احیاءً و امواتاً والصلوۃ والسلام علی من عمر القلوب بصلوتہ ونور القلوب بصلوتہ وعلی اٰلہ و صحبہ و اھلہ وحزبہ اجمعین اٰمین!

سب خوبیاں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے زمین کو جمع کرنے والی بنایا، اور اہل ایمان کو حیات و موت دونوں حالتوں میں عزت بخشی، اور درود وسلام ہو اُن پر جنھوں نے دلوں کو اپنے تعلقات سے آباد فرمایا اور قبروں کو اپنی نماز سے روشن کیا، اور ان کی آل، ان کے اصحاب، ان کے اہل، ان کے گروہ سب پر درود وسلام۔ الٰہی! قبول فرما۔ (ت)

نمازِ جنازہ کی تکرار ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک تو مطلقاً ناجائز و نامشروع ہے، مگر جب کہ اجنبی غیر احق نے بلا اذن و بلا متابعت ولی پڑھ لی ہو تو ولی اعادہ کرسکتا ہے۔ امام اجل برہان الملّۃ والدین ابوبکر ہدایہ میں فرماتے ہیں:

ان صلی غیر الولی والسلطان اعاد الولی ان شاء لان الحق للاولیاء وان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ لان الفرض یتادی بالاول والتنفل بھا غیر مشروع ولھذا رأینا الناس ترکوا من اٰخرھم الصلوۃ علی قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو الیوم کما وضع۔[1]

یعنی اگر ولی وحاکم اسلام کے سوا اور لوگ نمازِ جنازہ پڑھ لیں تو ولی کو اعادہ کا اختیار کہ حق اولیاء کا ہے اور اگر ولی پڑھ چکا تو اب کسی کو جائز نہیں کہ فرض تو پہلی نماز سے ادا ہوچکا اور یہ نماز بطور نفل پڑھنی مشروع نہیں ولہذا ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جہان کے مسلمانوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزار اقدس پر نماز چھوڑ دی حالانکہ حضور آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے جس دن قبر مبارک میں رکھے گئے تھے۔

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

لوکان مشروعا لما اعرض الخلق کلھم من العلماء والصالحین والراغبین

یعنی اگر نمازِ جنازہ کی تکرار مشروع ہوتی تو مزار اقدس پر نماز پڑھنے سے تمام جہان اعراض نہ کرتا جس میں

---

[1] الہدایہ فصل فی الصلوۃ علی المیت مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۶۰

فی التقریب الیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بانواع الطرق عنہ فھذا دلیل ظاھر علیہ فوجب اعتبارہ۔[1]

علماء وصلحاء اور وُہ بندے ہیں جو طرح طرح سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کی رغبت رکھتے ہیں تو یہ تکرار کی مشروعی پر کھلی دلیل ہے پس اس کا اعتبار واجب ہوا۔

اقول حاصل کلام یہ کہ نمازِ جنازہ جیسی قبل دفن ویسی بعد دفن قبر پر۔ ولہذا اگر کوئی شخص بے نماز پڑھے دفن کر دیا گیا تو فرض ہے اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھیں جب تک ظن غالب رہے کہ بدن بگڑ نہ گیا ہوگا اور نمازِ جنازہ ایک تو ہر مسلمان کا حق ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حق المسلم علی المسلم خمس و ذکر منہا اتباع الجنائز وسیأتی۔[2]

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں، ان میں نمازِ جنازہ کو بھی ذکر فرمایا، حدیث آگے آرہی ہے۔(ت)

دوسرے مقبول بندوں کی نماز میں وُہ فضل ہے کہ پڑھنے والوں کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ ہم عنقریب انس بن مالک و عبداللہ بن جابر و سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے متعدد احادیث ذکر کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں "مومن صالح کو پہلا تحفہ یہ دیا جاتا ہے کہ جتنے لوگوں نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی سب بخش دیئے جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل حیا فرماتا ہے کہ اُن میں سے کسی پر عذاب کرے" اب اگر حق کا لحاظ کیجئے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق کے برابر تمام جہان میں کس کا ہوسکتا ہے، اور فضل کو دیکھئے تو افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے برابر کس مقبول پر نماز پڑھنی ہوسکتی ہے، ہاں قبر پر نماز پڑھنے سے مانع یہ ہوتا ہے کہ اتنی مدت گزر جائے جس میں میّت کا بدن سلامت ہونا مظنون نہ رہے، اسی کو بعض روایات میں دفن کے بعد تین دن سے تقدیر کیا، اور صحیح یہ کہ کچھ مدت معین نہیں، جب سلامت و عدم سلامت مشکوک ہوجائے نماز ناجائز ہوجائیگی، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں معاذ اللہ اس کا اصلاً احتمال نہیں وہ آج بھی یقیناً ایسے ہی ہیں جیسے روزِ دفن مبارک تھے۔ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔[3] رواہ احمد وابوداؤد والنسائی۔

بیشک اللہ تعالٰی نے زمین پر حرام فرمادیا ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جسم مبارک کھانا۔

---

[1] فتح القدیر فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مطبوعہ المکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۸۴

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ " دار الفکر بیروت ۲/۵۴۰

[3] سُنن ابن ماجہ ذکر وفاتہ و دفنہ صلی اللہ علیہ وسلم " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

وابن ماجۃ وابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم والدارقطنی وابو نعیم وصححہ ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم والدارقطنی وابن دحیۃ وحسنہ عبدالغنی والمنذری وغیرھم۔

اسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دارقطنی اور ابونعیم نے روایت کیا ـــــ ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دارقطنی اور ابن دحیہ نے صحیح کہا، اور اسے عبدالغنی اور منذری وغیرہم نے حسن کہا (ت)

جب مانع مفقود اور مقتضی اس درجہ قوت سے موجود، تو اگر نمازِ جنازہ کی تکرار شرع میں جائز ہوتی تو صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک تمام جہان تمام طبقات کے تمام علماء اور اولیاء و صلحاء اور عاشقانِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اُس کے ترک پر اجماع کیا معنی، جن میں لاکھوں بندے خدا کے وُہ گزرے اور اب بھی ہیں جنھیں دن رات یہی فکر رہتی ہے کہ جہاں تک مل سکیں وُہ طریقے بجالائیں کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب پائیں، لاجرم تیرہ سو برس کا یہ اجماع کلی دلیل ظاہر ہے کہ تکرارِ نماز جنازہ جائز نہیں، اس لئے مجبوراً سب باقیماندہ کو اس فضلِ عظیم سے محروم ہونا پڑا۔ امام اجل نسفی وافی اور اس کی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

لم یصل غیرہ بعدہ ای ان صلی الولی لم یجز لغیرہ ان یصلی بعدہ لان حق المیت یتادی بالفریق الاول وسقط الفرض بالصلوٰۃ الاولی فلو فعلہ الفریق الثانی لکان نفلا وذا غیر مشروع کمن صلی علیہ مرۃ[1] الخ

اگر ولی نے نمازِ جنازہ پڑھ لی تو اس کے بعد دوسرے کو پڑھنا جائز نہیں، اس لئے کہ میت کا حق پہلے فریق سے ادا ہوچکا، اور پہلی نماز سے فرض ساقط ہوگیا، اب اگر کوئی دوسرا فریق ادا کرے تو یہ نفل ہوگی اور یہاں نفل مشروع نہیں، جیسے وہ جس کی ایک بار نماز پڑھی جاچکی ہو الخ (ت)

امام محمد محمد محمد بن حلبی ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

قال علماؤنا اذا صلی علی المیت من لہ ولایۃ ذلک لاتشرع الصلوٰۃ علیہ ثانیا لغیرہ[2]

ہمارے علماء نے فرمایا جب میت پر صاحب حق نماز پڑھ چکے پھر اور کو اس پر نماز مشروع نہیں۔

---

[1] کافی شرح وافی

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

18

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں :

لایصلی علیہ لئلا یودی الی تکرار الصلوٰۃ علی میت واحد فانہ غیر مشروع[1]	اُس پر نماز نہ پڑھی جائے کہ ایک میت پر دو بار نماز نہ ہو کہ یہ نامشروع ہے۔

درر شرح غرر و مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے :

الفرض یتادی بالاولیٰ والتنفل بہا غیر مشروع[2]	فرض تو پہلی نماز سے ادا ہوگیا اور یہ نماز نفلی طور پر مشروع نہیں۔

درمختار و فتح اللہ المعین میں ہے :

لیس لمن صلی علیہا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع[3]	جو پہلے پڑھ چکا وہ ولی کے ساتھ بھی اعادہ کا اختیار نہیں رکھتا کہ اس کی تکرار غیر مشروع ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے :

لایعید معہ لہ حق التقدم من صلی مع غیرہ لان التنفل بہا غیر مشروع[4]	جو اور کے ساتھ پڑھ چکا صاحبِ حق کے ساتھ نہ پڑھے کہ اس نماز میں نفل مشروع نہیں۔

ایضاح و عالمگیریہ میں ہے :

لایصلی علی میت الامرۃ واحدۃ والتنفل بصلوٰۃ الجنازۃ غیر مشروع[5]	کسی میت پر ایک بار کے سوا نماز نہ پڑھی جائے اور نمازِ جنازہ نفل ادا کرنا غیر مشروع ہے۔

فتاوٰی امام قاضی خاں و ظہیریہ و شرح نقایہ برجندی و خلاصہ و والوالجیہ و تجنیس و واقعات و بحرالرائق وغیرہا میں ہے :

ان کان المصلی سلطانا او الامام الاعظم او القاضی او والی المصر او امام حیہ	یعنی اگر بادشاہِ اسلام یا امیر المؤمنین یا قاضیِ شرع یا اسلامی حاکم مصر یا امام الحی نماز پڑھ چکا

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی　فصل فی الجنائز　مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور　ص ۵۹۰

[2] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام　باب الجنائز　مطبوعہ احمد کامل الکائنۃ فی دار السعادت بیروت　۱/۱۶۵

[3] درمختار　باب صلوٰۃ الجنائز　" مطبع مجتبائی دہلی　۱/۱۲۳

[4] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی　فصل السلطان احق بصلوٰتہ　مطبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی　ص ۳۲۴

[5] فتاوٰی ہندیہ　الفصل فی الصلوٰۃ علی المیت　مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور　۱/۱۶۳

لیس للولی ان یعید[1] تو اب ولی کو بھی اعادہ کا اختیار نہیں۔

شرح نقایہ علامہ قہستانی میں ہے: لا یصلی علی میت الا مرۃ[2] کسی مُردے پر ایک بار سے زیادہ نماز نہ پڑھی جائے۔

سراج وہاج و بحر الرائق و رد المحتار و جامع الرموز و جوہرہ نیرہ و ہندیہ و مجمع الانہر وغیرہا میں ہے:

واللفظ للبحر عن السراج ان صلی الولی علیہ لم یجز ان یصلی احد بعدہ[3] سراج وہاج سے بحر الرائق کے الفاظ ہیں کہ اگر ولی نے اس پر نماز پڑھ لی تو اس کے بعد اب کسی کو جائز نہیں کہ نماز جنازہ پڑھے۔

ان سب کتابوں میں بلفظ لم یجز، و لا یجوز تعبیر فرمایا یعنی ناجائز ہے۔ ایسا ہی عباراتِ ہدایہ سے گزرا۔ اور یہی لا یصلی و لا یعید و لیس لہ کا مفاد اور یہی غیر مشروع سے مراد، مگر اس میں صاف تصریح ہے جس سے تمام اوہام منصرف اور باقی عبارات کی بھی مراد منکشف۔ یونہی قدوری[1]، ہدایہ[2]، منیہ[3]، وقایہ، نقایہ، وافی، کنز، غرر، اصلاح، الملتقی، تنویر[11]، نور الایضاح[12]۔ ان بارہ[12] متنوں اور ان کی غیر سب میں تصریح ہے کہ نماز جنازہ جب ایک بار ہو چکی، فوت ہو گئی۔

مختصر یجوز التیمم للصحیح المقیم اذا حضرت الجنازۃ و الولی غیرہ فخاف ان اشتغل بالطہارۃ ان تفوتہ الصلوۃ[4]

(۱) مختصر قدوری: تندرست مقیم کے لئے تیمم جائز ہے جب جنازہ آجائے اور ولی دوسرا ہو، اندیشہ ہو کہ اگر وضو میں لگے تو نماز جنازہ فوت ہو جائیگی۔

ھدایۃ تیمم الصحیح فی المصر اذا حضر الخ وقال بالطہارۃ مکان بالوضوء و ھو اشمل[5]، منیۃ المصلی فی المصر تیمم لصلوۃ الجنازۃ اذا خاف الفوت جاز

(۲) ہدایہ: تندرست شہر میں تیمم کرلے جب جنازہ آجائے اور طہارت میں مشغول ہو تو فوت کا اندیشہ ہو۔ صاحبِ ہدایہ نے "وضو" کی جگہ "طہارت" کہا یہ زیادہ جامع ہے (۳) منیہ: تندرست شہر کے اندر

---

[1] بحر الرائق فصل السلطان احق بصلوتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۸۱

[2] جامع الرموز فصل فی الجنازۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۸۵

[3] بحر الرائق فصل السلطان احق بصلوتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۸۲

[4] مختصر القدوری باب التیمم مطبع مجیدی کانپور ص ۱۱

[5] الہدایۃ ؍؍ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۳۸

الا الولی[1]، وقایۃ[2] ھو لمحدث و جنب و حائض و نفساء لم یقدروا علی الماء، لخوف فوت صلوۃ الجنازۃ لغیر الولی، اصلاح[3] مثلہ وقال عجزوا عن الماء، نقایۃ[4] مایفوت لا الٰی خلف کصلاۃ الجنازۃ لغیر الولی، کنز[5] صح لخوف فوت صلوۃ جنازۃ، تنویر[6] جاز لفوت الخ وافی[7] مثل الکنز وزاد لم یکن ولیھا غرر[8] جاز لمحدث وجنب وحائض عجزوا من الماء و لخوف فوت صلوۃ الجنازۃ لغیر الولی، ملتقی[8] یجوز فی المصر لخوف فوت صلوۃ جنازۃ، نور الایضاح[9] العذر المبیح للتیمم خوف فوت صلوۃ الجنازۃ۔

نمازِ جنازہ کے لئے تیمم کرے گا جب فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو مگر ولی کے لئے یہ نہیں۔(۴) وقایہ: تیمم بے وضو، جنب، حائض اور نفاس والی کے لئے ہے جب انھیں پانی پر قدرت نہ ہو اور غیر ولی کو نمازِ جنازہ فوت ہونے کے اندیشہ کے وقت بھی ہے(۵) اصلاح: اس کی عبارت بھی وقایہ کے مثل ہے فرق یہ ہے کہ اس میں کہا ہے جب یہ پانی سے عاجز ہوں(۶) نقایہ: جو فوت ہو اور اس کا کوئی بدل نہ ہو، جیسے غیر ولی کے لئے نمازِ جنازہ (اس کے لئے تیمم روا ہے)(۷) کنز: نمازِ جنازہ فوت ہونے کے اندیشہ کے وقت تیمم درست ہے(۸) تنویر: نمازِ جنازہ فوت ہونے کے وقت تیمم جائز ہے۔ (۹) وافی: اس کی عبارت کنز کے مثل ہے اور یہ اضافہ ہے جب خود ولی جنازہ نہ ہو(۱۰) غرر: تیمم جائز ہے بے وضو، جنب اور حائض کے لئے جو پانی سے عاجز ہوں اور غیر ولی کے لئے نمازِ جنازہ کے فوت ہونے کے اندیشہ سے۔(۱۱) ملتقی: نمازِ جنازہ کے فوت ہونے کے اندیشہ سے(۱۲) نور الایضاح: تیمم کو مباح کرنے والا عذر نمازِ جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہے(ت)

[1] منیۃ المصلی فصل فی التیمم مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۵۸
[2] وقایۃ مع شرح الوقایۃ باب التیمم " المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۹۵ تا ۹۷
[3] اصلاح
[4] نقایۃ مختصر الوقایۃ فصل التیمم " نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶
[5] کنز الدقائق باب التیمم " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷
[6] درمختار شرح تنویر الابصار " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۳
[7] وافی
[8] ملتقی الابحر باب التیمم " موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۳۲
[9] نور الایضاح " " مطبع علیمی لاہور ص ۱۱

ہدایہ و مجمع الانہر میں ہے: لانہا لاتقضی فیتحقق العجز[1] (اس لئے کہ اس کی قضا نہیں ہوتی تو عجز متحقق ہے۔ ت) کافی امام نسفی میں ہے:

صلوٰۃ الجنازۃ والعید تفوتان لا الی بدل لانہما لاتقضیان فیتحقق العجز[2]	نمازِ جنازہ وعید فوت ہوں تو ان کا کوئی بدل نہیں اس لئے کہ ان کی قضا نہیں ہوتی تو عجز متحقق ہے، بحر۔ (ت)

مراقی الفلاح و برجندی میں ہے: لانہا تفوت بلاخلف[3] (اس لئے کہ جنازہ بلابدل فوت ہوجاتا ہے۔ ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایجوز التیمم مع وجود الماء الا فی موضع یخشی الفوات لا الی خلف کصلوٰۃ الجنازۃ[4]	پانی ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں مگر ایسی جگہ جہاں بلابدل فوت کا اندیشہ ہو جیسے نمازِ جنازہ۔ (ت)

عند التحقیق ان سب عبارات کا بھی وہی حاصل کہ نمازِ جنازہ دوبارہ پڑھنی صرف مکروہ ہی نہیں بلکہ محض ناجائز ہے۔ برہان شرح مواہب الرحمٰن پھر شرح نظم الکنز للعلامۃ المقدسی پھر حاشیہ علامہ نوح آفندی پھر ردالمحتار شامی میں ہے:

مجرد الکراھۃ لایقتضی العجز المقتضی لجواز التیمم لانہا لیست اقوی من فوات الجمعۃ والوقتیۃ مع عدم جوازہ لہما[5]	محض کراہت اُس عجز کی مقتضی نہیں جو تیمم کا جواز چاہتا ہے اس لئے کہ وہ جمعہ اور نمازِ وقتیہ کے فوت ہونے سے زیادہ قوی نہیں باوجودیکہ ان دونوں کے لئے تیمم جائز نہیں۔ (ت)

یہ چالیس کتابوں کی عبارتیں ہیں اور خود کثرتِ نقول کی کیا حاجت کہ مسئلہ واضح اور ظاہر، اور تمام کتبِ مذہب متون و شروح و فتاوٰی میں دائر و سائر صورتِ مستفسرہ میں کہ خود ولی پڑھ چکا

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب التیمم مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۱

[2] کافی شرح وافی

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب التیمم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۳
شرح النقایۃ للبرجندی فصل التیمم " نولکشور لکھنؤ ۱/۴۶

[4] فتاوٰی خیریہ باب التیمم " دار المعرفۃ بیروت ۱/۵

[5] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۷

تھا، دوبارہ اعادۂ نماز ہمارے سب ائمۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے اتفاق سے ناجائز وگناہ واقع ہوا، ایسی ناواقفی مانع گناہ نہیں کہ مسائل سے ناواقف رہنا خود گناہ ہے، اس لئے حدیث میں آیا:

ذنب العالم ذنب واحد وذنب الجاھل ذنبان قیل ولم یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم العالم یعذب علی رکوبہ الذنب والجاھل یعذب علٰی رکوبہ الذنب وترك التعلم[1] رواہ فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا عالم کا گناہ ایک گناہ اور جاہل کا گناہ دو گناہ، کسی نے عرض کی: یارسول اللہ! کس لئے؟ فرمایا عالم پر وبال اسی کا ہے کہ گناہ کیوں کیا اور جاہل پر ایک عذاب گناہ کا اور دوسرا نہ سیکھنے کا۔ اسے دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

عالم جس نے تاکید واصرار کرکے ان لوگوں سے نماز جنازہ کی تکرار کرائی اگر مدعی حنفیت ہے تو خود اپنے ہی مذہب کے حکم سے گنہگار رہے اور فرقہ غیر مقلدین سے ہے تو گناہگاری درکنار بدمذہب وگمراہ ہے، اوران دونوں صورتوں میں اس عالم پر اتنے گناہ لازم ہوئے جس قدر شمار حضار جماعت ثانیہ کا تھا اور اس پر ایک زائد، مثلاً دوسری دفعہ اس کے اصرار سے سو آدمیوں نے نماز پڑھی تو ان میں ہر ایک پر دو دو گناہ، ایک گناہ فعل دوسرا گناہ جہل، اور اس عالم پر ایک سو ایک گناہ، ایک اپنا اور سو ان کے فعل کے۔ آخری یہی داعی بگناہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل اٰثام من تبعہ لاینقص ذلك من اٰثامھم شیئا[2]۔ رواہ الائمۃ الاحمد ومسلم والاربعۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو کسی ضلالت کی طرف بلائے سب ماننے والوں کے برابر گناہ اس پر ہو اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں آئی۔ اسے امام احمد، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

یعنی یہ نہ ہوگا کہ اس کی ترغیب کے باعث گناہ ہونے کے سبب وہ گناہ سے بچ رہیں یا اس پر صرف

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۳۱۶۵ دار الباز مکۃ المکرمۃ ۲/۲۴۸

[2] جامع الترمذی ابواب العلم امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۹۲

اپنے ہی فعل کا گناہ ہو، بلکہ وہ سب اپنے اپنے گناہ میں گرفتار اور اُن سب کے برابر اس ترغیب دہندہ پر بار، والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔ اور اگر بالفرض شافعی المذہب بھی ہوتا تو سخت جاہل تھا کہ دوسرے مذہب والوں کو ایسے امر پر مصر ہوا جو ان کے مذہب میں تو گناہ تھا اور اس کے اپنے مذہب میں بھی مکروہ۔ امام ابو یوسف اردبیلی شافعی "کتاب الانوار لاعمال الابرار" میں فرماتے ہیں:

لایستحب لمن صلی جماعۃ او منفردا اعادتہا جماعۃ لوانفرادا بل یکرہ۔[1]

یعنی جس نے نمازِ جنازہ جماعت سے خواہ تنہا پڑھ لی اُس کے لئے دوبارہ جماعت سے خواہ تنہا پڑھنی پسندیدہ نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ (ت)

اور اگر کراہت مذہبی لیجئے تو اس قدر تو ضرور کہ باجماع تمام اُمت مرحوم کسی کے نزدیک ضروری نہ تھا۔ پھر آپ نے کس آیت و حدیث کس امام کے قول سے اختیار کیا تھا کہ غیر مذہب والوں سے باصرار ایسے امر کا ارتکاب کرائے جو اُن کے مذہب میں ناجائز اور اپنے نزدیک محض بے حاجت شافعیہ وغیرہم بعض علماء اگرچہ اُس کے لئے جس نے ہنوز نمازِ جنازہ نہ پڑھی نماز اول ہوجانے کے بعد بھی اجازتِ نماز دیتے ہیں مگر اس مدعی علم کا پڑھ چکنے والوں پر یہ اصرار خصوصاً اس حالت میں کہ خود ولی اقرب بھی انھیں میں ہے اور اس کا وہ علی رؤس الاشہاد زعم و اظہار کہ تین روز تک جتنی بار چاہے نماز پڑھے، جیسا کہ فاضل سائل نے اپنے خط میں ذکر فرمایا یہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اصلاً کسی مذہب کے مطابق نہیں، نہ شرع مطہر سے اس پر کوئی دلیل، اگر سچا ہے تو اُس اصرار اور اس اظہار کی دلیل پیش کرے ورنہ اپنے جہل و سفاہت اور امرِ شرع میں بیباکی و جرأت کا مقر ہو قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین[2] (کہو اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔ ت) حضرات غیر مقلدین بلکہ تمام تمام طوائف مبطلین کی عادت ہے کہ جب کچھ اپنے مفید مطلب نہیں پاتے الغریق یتشبث بالحشیش ڈوبتا سوار پکڑتا ہے نری بے علاقہ باتیں، جنھیں ان کے دعوٰی سے اصلاً مس نہیں بلکہ جوشِ غضب میں مدہوش ہوکر اپنے مضر و مخالف دلیلوں سے استناد کر بیٹھتے ہیں، جیسے ان کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی سے ان کی سب سے بڑی تالیف معیار وغیرہ میں بکثرت و بے شمار واقع ہوا، نمونہ درکار ہو تو فقیر کا رسالہ ملاحظہ ہو حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین جس کا لقب تاریخی بعض ظرفا نے حجۃ الحَین[ع] علی

ع حَین بالفتح بمعنی مرگ ۱۲ منہ (م)

---

[1] کتاب الانوار لاعمال الابرار کتاب الجنائز فصل الصلوٰۃ الجنازۃ مطبعہ جمالیہ مصر ۱/ ۱۲۳

[2] القرآن ۲۷/ ۶۴

نذیر حسین رکھا، دو برس ہوئے بعض غیر مقلدین نے سفر میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء ملا کر پڑھنے پر زور دیا اور اس مسئلہ کی تقریر جو دہلوی صاحب نے معیار میں بہت چمک کر کی اُس پر ناز تھا، فقیر غفر اللہ تعالٰی سے سوال ہوا اس کے جواب میں یہ عجالہ لکھا گیا جس میں بحمد اللہ تعالٰی مذہب حنفیہ کا احقاق و اثبات اور خلاف و مخالف کا ابہان و اسکات بعون باری روشن وجہ پر واقع ہوا کہ اس رسالہ کے سوا کہیں نہ ملے گا۔

اُس کے دیکھنے سے ان محدث صاحب کی حدیث دانی کے جلوے کھلتے ہیں، ایک ہی مسئلہ کی بحث سے روشن ہوتا ہے کہ حضرت کو نہ احادیث پر نظر نہ اسانید سے خبر، نہ علم رجال نہ طرق استدلال۔ مفید و عبث میں تمیز درکنار، نافع و مضر میں فرق دشوار۔ مگر ائمہ اُمت و کبرائے ملت پر منہ آنے کو تیار کذٰلک یطبع اللہ علی کل قلب متکبر جبار (خدا اس طرح ہر متکبر زبردستی والے کے دل پر مُہر کر دیتا ہے۔ ت) بھلا اس مسئلہ میں شیخ صاحب کے لئے سلف موجود تھا کتب شافعیہ وغیرہ کی گدا گری اجتہاد کا بھرت پُورا کرلیا۔ اس مسئلہ میں یہ مدعی صاحب ایجاد بندہ بنانے کو کسی کا تیار مال نہ پائیں گے، ظاہر ہے جو کچھ جوہر علم و عقل دکھائیں گے فضول و بے معنی کلمات کے رَد میں خواہی نخواہی تضیع اوقات ہوتی ہے لہٰذا قصر مسافت و دفع کثافت کیلئے پہلے ہی چند ہدایتیں مناسب کہ اگرچہ بعد تنبیہ بھی اُن سے عدول ہو تو ہمارا یہی کلام اُس کا پیشگی جواب معقول ہو۔ ان مجتہد صاحب کے دعوے یہ ہیں کہ نماز جنازہ اگرچہ بروجہ کامل ہوچکی اگرچہ ولی احق ادا کرچکا ہو مگر پھر اُسے اور سب پڑھ چکنے والوں کو چاہئے کہ دوبارہ پڑھیں اصرار نہ ہوگا مگر کسی امر ضروری یا لااقل مستحب پر معہذا جو نماز شرعاً ماذون فیہا ہوگی کم از کم مستحبہ ہوگی کہ یہ نماز مباح محض جس کے کرنے نہ کرنے میں کسی ثواب و فضل کی اصلاً امید نہ ہو، شرعاً زنہار معہود نہیں، اور یہ تکرار تین روز تک متواتر جائز اور تین روز پر شرعاً محدود، پچھلے دعووں کے ثبوت میں جو کچھ درکار وُہ خود آشکار، دلیل معتمد شرعی چاہئے جو تین روز کی اجازت دے اور اسی قدر تحدید کرے، بیچارے بے علم مسلمانوں کے سامنے جو منہ پر آئے کہہ دے آسان ہے، ثبوت دیتے حال کھلتا ہے، رہا پہلا دعوٰی اس کے لئے کوئی حدیث دکھائیں کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہو نماز جنازہ کئی کئی بار پڑھا کرو، یا اتنا ہی ارشاد فرمایا ہو کہ جب نماز جنازہ پڑھ لو پھر اعادہ کرو یا اسی قدر سہی کہ پڑھنے والو! جو ولی احق کے ساتھ یا اس کے اذن سے ادا کرچکے ہو پھر اعادہ کرو تو بہتر ہے، یا اسی قدر کہ تمہارے لئے حرج نہیں یا نہ سہی، اتنا ہی آیا ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز جنازہ بار بار یا دو ہی بار پڑھا کرتے یا اس سے بھی درگزر کرے اسی قدر ثابت ہو کہ ولی احق پڑھ چکا تھا بعدہٗ پھر اُسی نے اور دیگر پڑھ چکنے والوں یا صرف اُسی نے یا صرف اور بعض مصلیوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے دوبارہ پڑھی اور حضور نے منع نہ فرمایا، حضور کو خبر پہنچی اور حضور

نے جائز رکھا۔ یہ سات صورتیں ثبوت کی ہیں جن میں چار پہلے ثبوت قولی اور پانچویں فعلی اور دو باقی تقریری۔ ان میں جس ملکی سے ملکی، آسمان سے آسمان صورت پر قدرت پاؤ پیش کرو اور جب جان لو کہ سب راہیں بند ہیں تو پھر شرع مطہر پر افترا یا اقل درجہ احکام اللہ میں بیباکی و اجترا کا اقرار کرنے سے چارہ نہیں۔ مسلمان ان مجتہد صاحب سے بے ثبوت لئے نہ مانیں، اگر ساتوں وجہ سے عاجز پائیں تو اتنا دریافت کر دیکھیں کہ حدیث سنن دارمی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار[1] جو تم میں فتوٰی دینے پر زیادہ جری ہے آتشِ دوزخ پر زیادہ جرأت رکھتا ہے۔

اس میں آپ حضرات تو داخل نہیں؟ اگر بحکم آنکہ ع

وقتِ ضرورت چو نماند گریز

(ضرورت پر بھاگنے کے سوا چارہ نہیں۔ ت)

مجبوراً یہ کسی واقعہ حال کا دامن پکڑلے تو اتنا یاد رہے کہ واقعۃ عین لاعموم لہا، وقائعِ خاصہ احکام عام نہیں ہوتے، وہ ہر گونہ احتمال کے محل ہوتے ہیں۔

اوّلاً آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ پہلے اس جنازہ پر صلوٰۃ ہو چکی تھی، مجرد استبعاد کہ بھلا صحابہ اس وقت نہ پڑھتے۔

اقول وباللہ التوفیق یہ کافی نہ ہوگا کہ نمازِ جنازہ ہمیشہ سے فرض نہ تھی۔ حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کے جنازہ مقدسہ پر اس لئے نماز نہ ہوئی کہ اُس وقت تک اس کی فرضیت ہی نہ تھی، تو ایک تو بہ سندِ صحیح یہ ثابت کیجئے کہ یہ کب، کس سال، کس ماہ میں اس کی فرضیت اُتری۔ مجرد حکایات بے سند مسموع نہ ہوں گی کہ آپ مجتہد ہو کر قیل وقال کی تقلید نہیں کر سکتے، پھر بدلیل صریح یہ برہن کیجئے کہ یہ واقعہ عین بعد فرضیت ہی تھا، مجرد وقوع صلوۃ مفید فرضیت نہ ہوگا۔ شرع میں اس کی نظائر موجود کہ بعض افعال بلکہ خاص نماز کا قبل فرضیت وقوع ہوا بعد کو فرضیت اُتری، جیسے اسعد بن زرارہ وغیرہ انصار کرام اہلِ مدینہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا قبل فرضیتِ جمعہ جمعہ پڑھنا،

کما رواہ عبدالرزاق ومن طریقہ عبد بن حمید فی تفسیرہ بسند صحیح جیسا کہ اسے عبدالرزاق نے اور ان ہی کے طریق سے عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں بسندِ صحیح روایت کیا

---

[1] سنن الدارمی باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ نشر السنۃ ملتان ۱/۵۳

وقد بیناہ فی رسالتنا لوامع البھا فی المصر للجمعۃ والاربع عقبھا۔ | اور اسے ہم نے اپنے رسالہ "لوامع البھا فی المصر للجمعۃ والاربع عقبھا" میں بیان کیا۔ (ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جماعت تراویح اسی خیال سے ترک فرمادی کہ مداومت کئے سے فرض نہ ہوجائے[1] کما رواہ الستۃ من زید بن ثابت والشیخان عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھا (جیسا کہ اسے اصحابِ ستہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) نے حضرت زید بن ثابت سے اور شیخین (بخاری و مسلم) نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ ت)

اگر کہے نماز میں نفس وقوع ہی فرضیت بتادے گا کہ یہ نماز شرع میں فرض ہی ہوکر معہود ہوئی ہے نفلی طور پر اصلاً مشروع نہیں **اقول** اب راہ پر آگئے اسی لئے تو ائمہ کرام اس کی تکرار کو نامشروع فرماتے ہیں کہ شرع مطہر میں یہ نماز بروجہ تنفل نہیں اور اس کی فرضیت بالاجماع بسبیل الکفایہ ہے اور فرض کفایہ جب بعض نے ادا کرلیا ادا ہوگیا، اب جو پڑھے گا نفل ہی ہوگا۔ اور اس میں تنفل مشروع نہیں۔

ثانیاً ثبوت دیجئے کہ اس واقعہ میں صلاۃ بمعنی ارکانِ مخصوصہ تھی، صلاۃ علٰی فلاں بمعنی دعا نصوص شرعیہ میں شائع و ذائع ہے۔

قال تعالٰی خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلٰوتک سکن لھم[2]۔ | اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے نبی! مسلمانوں کے مال سے زکوٰۃ تحصیل فرماکر اس کے سبب تُو ان کو پاک اور ستھرا کرے اور ان پر صلاۃ کر، بیشک تیری صلاۃ اُن کے لئے چین ہے۔

اسی آیت کے حکم سے جب لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس زکوٰۃ حاضر کرتے حضور ان کے حق میں دُعا فرماتے:

اللھم صل علٰی فلاں[3] کما رواہ احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ وغیرھم عن عبداللہ بن | اے اللہ! فلاں پر رحمت نازل فرما۔ جیسا کہ اسے امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہم نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی

---

[1] صحیح البخاری باب فضل من قام رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۶۹
صحیح مسلم الترغیب فی قیام رمضان " " " ۱/۲۵۹

[2] القرآن ۹/ ۱۰۳

[3] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ ۱/۲۰۳ و کتاب الدعوات ۲/۹۳۷ قدیمی کتب خانہ کراچی

ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما۔ | رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

اسی طرح آیۂ کریمہ:

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما[1] | بیشک خدا اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو اور خوب خوب سلام بھیجو۔ (ت)

اللھم صل وسلم وبارک علیہ وعلی اٰلہ وصحبہ وکل منتم الیہ۔ | اے اللہ! ان پر درود وسلام اور برکت نازل فرما اور ان کی آل واصحاب پر اور ان سے ہر نسبت وتعلق رکھنے والے پر بھی۔ (ت)

کریمہ ھو الذی یصلی علیکم وملئکتہ[2] (وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے۔ت) کریمہ ومن الاعراب من یؤمن باللہ والیوم الاٰخر ویتخذ ماینفق قربٰت عند اللہ وصلوٰت الرسول[3] (اور کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں۔ت) وغیرہ میں صلوٰۃ بمعنی دعا ہے، علماء نے حدیث مؤطائے امام مالک وسُنن نسائی عن ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

انی بعثت الی اھل البقیع لاصلی علیھم[4] | میں اہلِ بقیع کی طرف بھیجا گیا کہ ان پر صلوٰۃ کروں۔

صلوٰۃ کو بمعنی استغفار ودعا لیا۔ **اقول** بلکہ سُنن نسائی کی دوسری روایت میں ہے:

ان جبریل اتانی (فذکر الحدیث قال) فامرنی ان اٰتی البقیع فاستغفر لھم قلت لہ کیف اقول یارسول اللہ قال قولی السلام علی اھل الدار من المؤمنین | یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جبریل میرے پاس آئے مجھے حکم فرمایا کہ بقیع جا کر اہلِ بقیع کے لئے دعائے مغفرت کروں، ام المومنین فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کس طرح

---

[1] القرآن ۳۳/۵۶

[2] القرآن ۳۳/۴۳

[3] القرآن ۹/۹۹

[4] سنن النسائی کتاب الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۸۷

والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین منا والمستاخرین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون[1]

کہوں، حضور نے دعاءِ زیارتِ قبور تعلیم فرمائی السلام علیٰ اھل الدار من المؤمنین والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین منا والمستاخرین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔

یہ تو خود حدیثِ بخاری و مسلم و ابی داؤد والنسائی عن عقبۃ بن عامر ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خرج یومًا فصلی علی اھل احد صلٰوتہ علی المیت[2] (حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک دن اُحد تشریف لے جاکر اہلِ اُحد پر صلوٰۃ پڑھی جیسے میت پر صلوٰۃ پڑھی جاتی ہے۔ ت) میں بھی علماء نے صلوٰۃ بمعنی دُعا لی۔ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے:

زاد (ای البخاری) فی غزوۃ احد من طریق حیوٰۃ بن شریح عن یزید بعد ثمان سنین والمراد انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دعا لھم بدعاء صلٰوۃ المیت ولیس المراد صلٰوۃ المیت المعھودۃ کقولہ تعالٰی وصل علیھم الاجماع یدل لہ لانہ لایصلی علیہ عندنا وعند ابی حنیفۃ المخالف لایصلی علی القبر بعد ثلثۃ الایام[3]۔

امام بخاری نے غزوۂ اُحد کے بیان میں بطریق حیوٰۃ بن شریح عن یزید " آٹھ سال بعد" کا اضافہ کیا یعنی اہلِ اُحد کے لئے صلوٰۃ مذکور کا واقعہ ان کی شہادت کے آٹھ سال بعد کا ہے ـــــ اور صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لئے وہی دعا کی جو نمازِ میت میں ہوتی ہے، معروف نمازِ جنازہ مراد نہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالٰی "صل علیھم" کا معنی ہے ان کے لئے دعا کرو۔ اس مراد کی دلیل اجماع ہے اس لئے کہ ہمارے نزدیک شہید کی نمازِ جنازہ نہیں، اور امام ابو حنیفہ جو اس بارے میں ہمارے مخالف ہیں ان کے نزدیک تین دن کے بعد قبر پر نمازِ جنازہ نہیں۔ (ت)

پھر امام نووی شرح مہذب پھر امام سیوطی مرقاۃ الصعود شرح سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں:

قال اصحابنا وغیرھم ان المراد من

ہمارے علماء اور دیگر حضرات نے فرمایا کہ یہاں

---

[1] سنن النسائی کتاب الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۸۷

[2] " " " " ۱/۲۷۷

[3] ارشاد الساری شرح البخاری باب الصلوٰۃ علی الشہید دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۴۰

الصلوٰۃ ھٰھنا الدعاء وقولہ صلوٰتہ علی المیت ای دعاء لھم کدعاء صلوٰۃ المیت ولیس المراد صلاۃ الجنازۃ المعروفۃ بالاجماع[1] اھ مختصرا۔

صلوٰۃ سے مراد دُعا ہے اور صلوٰتہ علی المیت کا معنی یہ ہے کہ جیسے نمازِ میت میں دُعا ہوتی ہے وہی دُعا ان کے لئے کی، اور معروف نمازِ جنازہ بالاجماع مراد نہیں اھ مختصراً (ت)

اسی طرح وصالِ اقدس کے بعد حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو صلوٰۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ادا کی ایک جماعتِ علماء اسے بھی بمعنی درود و دُعا لیتی ہے، اور حدیثِ امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہی ظاہر:

اخرج ابن سعد عن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن علی ابن ابی طالب عن ابیہ عن جدہ عن علی رضی اللہ عنہ قال لما وضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السریر قال لایقوم علیہ احد ھو امامکم حیا ومیتا فکان یدخل الناس رسلا رسلا فیصلون علیہ صفا صفا لیس لھم امام ویکبرون وعلی قائم بحیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللھم انا نشھد ان قد بلغ ما انزل الیہ ونصح لامتہ وجاھد فی سبیل اللہ حتی اعز اللہ دینہ وتمت کلمتہ اللھم فاجعلنا ممن تبع ما انزل الیہ وثبتنا بعدہ واجمع بیننا وبینہ فیقول الناس امین امین حتی صلی

ابن سعد نے عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن علی بن ابی طالب سے تخریج کی کہ انھوں نے اپنے والد سے بواسطہ اپنے دادا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کیا یعنی جب حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو غسل دے کر سریر منیر پر لٹایا حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے کوئی امام بن کر نہ کھڑا ہو کہ وہ تمہارے امام ہیں اپنی زندگی دنیاوی میں اور بعد وصال بھی۔ پس لوگ گروہ در گروہ اور پرے کے پرے حضور پر صلوٰۃ کرتے کوئی ان کا امام نہ تھا۔ علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے عرض کرتے تھے: سلام حضور پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ الٰہی! ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور نے پہنچا دیا جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا اور ہر بات میں اپنی اُمت کی بھلائی کی اور راہِ خدا میں جہاد فرمایا یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اپنے دین کو غالب کیا

---

[1] شرح المہذب للنووی فرع فی مذاہب العلماء فی غسل الشہید الخ المکتبۃ السلفیہ مدینہ منورہ ۵/ ۱۲۹

علیه الرجال ثم النساء ثم الصبیان[1]

اور اللہ کا قول پُورا ہوا۔ الٰہی! تُو ہم کو ان پر اتاری ہُوئی کتاب کے پیروؤں سے کر اور اُن کے بعد بھی اُن کے دین پر قائم رکھ اور روزِ قیامت ہمیں ان سے ملا۔ مولا علی یہ دعا کرتے اور حاضرین آمین کہتے، یہاں تک کر اُن پر مردوں پھر عورتوں پھر لڑکوں نے صلوٰۃ کی، صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ت)

اور یہی ظاہر اس حدیث کا ہے جو ابن سعد و بیہقی نے محمد بن ابراہیم تیمی مدنی سے روایت کی:

لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع علی سریرہ دخل ابوبکر وعمر فقالا السلام علیک ایها النبی ورحمۃ اللہ وبرکاته ومعهما نفر من المهاجرین والانصار قدر مایسع البیت فسلموا کما سلم ابوبکر وعمر وهما فی الصف الاول حیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللهم انا نشهد ان قد بلغ ما انزل الیه ونصح لامته وجاهد فی سبیل اللہ حتی اعز اللہ دینه وتمت کلماته فاومن به وحده لاشریك له فاجعلنا یا الٰهنا ممن یتبع القول الذی انزل معه واجمع بیننا وبینه حتی تعرفه وتعرفه بنا فانه کان بالمؤمنین رءوفا رحیما لانبتغی بالایمان بدلا ولانشتری به ثمنا ابدا فیقول الناس اٰمین اٰمین ثم یخرجون ویدخل علیه اٰخرون حتی صلوا علیه الرجال ثم النساء ثم الصبیان[2]

یعنی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کفن دے کر سریر مبارک پر آرام دیا صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حاضر ہوکر عرض کی: سلام حضور پر اے نبی اور اللہ کی مہر اور اس کی افزونیاں، اور دونوں حضرات کے ساتھ ایک گروہ مہاجرین اور انصار کا تھا جس قدر اس حجرۂ پاک میں سماجاتا اُن سب نے یُوں ہی سلام عرض کیا اور صدیق وفاروق پہلی صف میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے کھڑے یہ دُعا کرتے: الٰہی! میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ تُونے اپنے نبی پر اتارا حضور نے امت کو پہنچایا اور اس کی خیر خواہی میں رہے اور راہِ خدا میں جہاد فرمایا، یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے اپنے دین کو غلبہ دیا اور اللہ کی باتیں پُوری ہوئیں، تو ایک اللہ پر ایمان لایا گیا اُس کا کوئی شریک نہیں تو اے معبود ہمارے! ہمیں ان کی کتاب کے پیروؤں میں کر جو اُن کے ساتھ اُتری اور ہمیں اُن سے ملا کہ ہم انھیں پہچانیں اور تُو ہماری پہچان انھیں کرادے کہ وہ مسلمانوں پر رحم دل تھے۔ ہم نہ ایمان کسی چیز سے

---

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار صادر بیروت ۲/ ۲۹۱

[2] " " " " " " " " " ۲/ ۲۹۰

بدلنا چاہیں نہ اس کے عوض کچھ قیمت لینا۔ لوگ اس دُعا پر آمین آمین کہتے، پھر باہر جاتے اور دوسرے آتے یہاں تک کہ مردوں، پھر عورتوں، پھر بچّوں نے حضور پر صلوٰۃ کی۔ (ت)

بزار و حاکم و ابن سعد و ابن منیع و بیہقی اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا غسلتمونی وکفنتمونی علی سریری ثم اخرجوا عنی فان اول من یصلی علی جبرئیل ثم میکائیل ثم اسرافیل ثم ملك الموت مع جنودہ من الملئکۃ باجمعھم ثم ادخلوا علی فوجا فصلوا علی وسلموا تسلیما[۱]

جب میرے غسل وکفن مبارک سے فارغ ہو مجھے نعش مبارک پر رکھ کر باہر چلے جاؤ، سب میں پہلے جبریل مجھ پر صلوٰۃ کریں گے پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ، پھر گروہ گروہ میرے پاس حاضر ہو کر مجھ پر درود و سلام عرض کرتے جاؤ۔

امام جلال الدین سیوطی خصائص کبرٰی میں فرماتے ہیں:

قال البیہقی تفرد بہ سلام الطویل عن عبدالملك بن عبدالرحمٰن و تعقبہ ابن حجر فی المطالب العالیۃ بان ابن منیع اخرجہ من طریق مسلمۃ بن صالح عن عبدالملك بہ فھذہ متابعۃ السلام الطویل واخرجہ البزار من وجہ اٰخر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ[۲]

بیہقی نے کہا: عبدالملک بن عبدالرحمٰن سے اس کی روایت میں سلام طویل متفرد ہیں۔ اس پر علامہ ابن حجر نے "مطالب عالیہ" میں تعاقب فرمایا کہ اسے ابن منیع نے بطریق مسلمہ بن صالح، عبدالملک سے اسی سند سے روایت کیا ہے تو یہ سلام طویل کی متابعت ہوگئی اور اسے بزار نے ایک اور طریق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اس حدیث سے بھی ظاہر کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود اپنے جنازہ اقدس کی نسبت اسی قدر تعلیم فرمائی کہ گروہ گروہ حاضر ہو کر درود و سلام پڑھتے جانا۔ شرح موطائے امام مالک للعلامۃ الزرقانی میں بعد ذکر حدیث مذکور امیر المومنین علی ہے:

---

[۱] المستدرک علی الصحیحین کتاب المغازی دارالفکر بیروت ۳/ ۶۰

[۲] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بالصلوٰۃ علیہ افراداً الخ دارالکتب الحدیثیۃ مصر ۲/ ۳۹۵

ظاهر هذا أن المراد بالصلوٰة عليه صلى الله عليه وسلم ما ذهب اليه جماعة ان من خصائصه انه لم يصل عليه اصلا وانما كان الناس يدخلون فيدعون ويفترقون، قال الباجي ولهذا اوجه وهو انه افضل من كل شهيد والشهيد يغنيه فضله عن الصلوٰة عليه وانما فارق الشهيد في الغسل لانه حذر من غسله ازالة الدم عنه، وهو مطلوب بقائه لطيبه ولانه عنوان بشهادته في الآخرة وليس على النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم ما يكره ازالته عنه فافترقا انتهى اى ما افاد الامام ابو الوليد۔

اس کا ظاہر یہی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ سے مراد وہی ہے جو ایک جماعت کا مذہب ہے کہ حضور اقدس کے خصائص سے ہے کہ ان کی نماز جنازہ بالکل نہ پڑھی گئی، بس یہ ہوا کہ لوگ داخل ہوتے اور دعا کر کے جدا ہو جاتے —— باجی نے فرمایا: اس کی ایک وجہ ہے، وہ یہ کہ سرکار ہر شہید سے افضل ہیں اور شہید کو اس قدر فضیلت حاصل ہے کہ اس کی نماز جنازہ کی ضرورت نہیں۔

رہا یہ کہ غسل کے بارے میں سرکار کا معاملہ شہید سے الگ رہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شہید کو غسل اس لئے نہیں دیا جاتا کہ اس پر جو خون لگا ہے وہ زائل ہو جائے گا جبکہ اس کی پاکیزگی کے باعث اس کا باقی رہنا مطلوب ہے —— اور اس لئے بھی کہ آخرت میں وہ اس کی شہادت کا نشان ہوگا —— اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم پر ایسی کوئی چیز نہیں جسے زائل کرنا پسندیدہ نہ ہو —— اس لئے یہ حکم الگ الگ —— امام ابو الولید باجی کا افادہ ختم ہوا۔

ثم نقل عنه جوابا ان المقصود من الصلوٰة عليه صلى الله عليه وسلم عود التشريف على المسلمين مع ان الكامل يقبل زيادة التكميل۔

پھر اس کا جواب نقل کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو شرف حاصل ہو —— دوسرے یہ کہ کامل مزید تکمیل کے قابل ہوتا ہے۔

ثم اثر عن القاضي عياض تصحيح ان الصلوٰة كانت هي المعروفة لا مجرد الدعاء فقط[1]۔

پھر امام قاضی عیاض سے اس کی تصحیح نقل کی کہ وہ صلوٰۃ یہی معروف نماز جنازہ تھی محض دعا نہ تھی۔

[1] شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک ۱۴۹ باب ماجاء فی دفن المیت المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر ۲/ ۶۶

اقول اما الجواب فلا یمس ماینحو الیہ ابوالولید فانہ لایدعی استحالۃ الصلوۃ المعروفۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانھا لاوجہ لھا حتی یثبت جوازھا ویذکر توجیہا وانما یقول ان لترکھا وجھا ان وقع وھو کذلک ولاینافیہ ان لفعلھا ایضا وجھا او وجوھا۔

ان ماذکرالمجیب متمش فی الشھید ایضا والکلام علی مذھب من یقول لایصلی علیہ اما قبول الزیادۃ فبدیھی واما انتفاع المسلمین فکذلک وقد روی الامام الترمذی محمد بن علی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول تحفۃ المومن ان یغفر لمن صلی علیہ[1] ورواہ الدارقطنی فی الافراد عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلفظ اول مایتحف بہ المؤمن اذا دخل قبرہ

اقول امام ابوالولید کا جو مطمحِ نظر ہے اس سے جواب کو مس نہیں، اس لئے کہ وہ اس کے مدعی نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ محال ہے، اور اس کی ادائیگی کوئی وجہ نہیں رکھتی، کہ جواباً اس کا جواز ثابت کیا جائے اور اس کی کوئی وجہ ظاہر کی جائے ــــ وہ تو صرف یہ فرما رہے ہیں کہ اگر سرکار کی نماز نہیں پڑھی گئی تو اس کی ایک وجہ ہے ــــ اور وہ اس طرح ہے ــــ اب اگر ادائے نماز کی بھی ایک وجہ یا چند وجہیں ہیں تو یہ ان کے بیان کے منافی نہیں۔

اور مجیب نے جو ذکر کیا ہے وہ شہید کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے ــــ یہ کلام ان لوگوں کے مذہب پر ہوگا جو شہید کی نمازِ جنازہ کے قائل نہیں ــــ شہید کا زیادتی کمال کے قابل ہونا تو بدیہی ہے ــــ رہا مسلمانوں کا فائدہ پانا تو وہ بھی ایسا ہی ہے ــــ امام ترمذی محمد بن علی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مومن کا سب سے پہلا تحفہ یہ ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کی مغفرت کردی جاتی ہے ــــ اور اسے دارقطنی نے افراد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ: مومن جب قبر میں

---

[1] نوادر الاصول الاصل الرابع والخمسون دار صادر بیروت ص ۷۸

19

ان یغفر لمن صلی علیہ[1] ورواہ عبد
بن حمید والبزار والبیہقی فی
شعب الایمان عنہ رضی اللہ عنہ
عن النبی صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم بلفظ ان اوّل
ما یجازی بہ المؤمن بعد
موتہ ان یغفر لجمیع من
تبع جنازتہ[2] ورواہ ابن ابی الدنیا
فی ذکر الموت والخطیب عن جابر
بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما عن النبی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلفظ ان
اوّل تحفۃ المؤمن ان یغفر لمن
خرج فی جنازتہ[3] وروی الدیلمی
فی مسند الفردوس عنہ عن
النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و
سلم اذا مات الرجل من اہل
الجنۃ استحی اللہ عزوجل ان یعذب
من حملہ ومن تبعہ ومن صلی
علیہ[4] وروی ابوبکر بن ابی شیبۃ
وابو الشیخ وابن حبان فی کتاب
الثواب عن سلمان الفارسی

داخل ہوتا ہے تو اس کو سب سے پہلا تحفہ یہ دیا جاتا
ہے کہ اس کی نماز پڑھنے والوں کی مغفرت کردی جاتی
ہے ۔۔۔ اور اسے عبد بن حمید، بزار، اور شعب الایمان
میں بیہقی نے انہی (حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی
عنہما) کی روایت سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ: مومن کو بعد موت
سب سے پہلا صلہ یہ دیا جاتا ہے کہ اس کے جنازہ
کے پیچھے چلنے والے سب لوگوں کو بخش دیا جاتا ہے ۔
اور ابن ابی الدنیا نے ذکر موت میں اور خطیب نے
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے
نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت
کیا ہے کہ: مومن کا سب سے پہلا تحفہ یہ ہے کہ جو
لوگ اس کے جنازہ میں نکلے ان کی مغفرت کردی جاتی
ہے ۔۔۔ اور دیلمی نے مسند الفردوس میں انہی (جابر
بن عبد اللہ) کی روایت سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب اہل جنت کا کوئی
شخص انتقال کرتا ہے تو اللہ عزوجل حیا فرماتا ہے کہ
ان لوگوں کو عذاب دے جو اس کا جنازہ لے کر چلے
اور جو اس کے پیچھے چلے اور جنہوں نے اس کی نماز
پڑھی ۔۔۔ اور ابوبکر بن ابی شیبہ، ابو الشیخ اور
ابن حبان نے کتاب الثواب میں بروایت سلمان

---

[1] کنز العمال بحوالہ الدارقطنی فی الافراد حدیث ۴۲۳۵۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۵۹۵
[2] شعب الایمان باب فی الصلوٰۃ علی من مات حدیث ۹۲۵۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۷
[3] تاریخ بغداد ترجمہ نمبر ۲۷۶۸ محمد بن راشد البغدادی دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۷۴
[4] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۱۰۸ دار الباز مکۃ المکرمہ ۱/ ۲۸۲

رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اول ما یبشر بہ المومن ان یقال ابشر ولی اللہ برضاہ والجنۃ قدمت خیر مقدم قد غفر اللہ لمن تبعك واستجاب لمن استغفر لك وقبل من شہد لك [1]۔

فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ: سب سے پہلے مومن کو جو بشارت دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے کہا جاتا ہے اے خدا کے ولی! تجھے اس کی خوشنودی کا مژدہ ہو، جنت تیرے خیر مقدم کو تیار ہے اور اللہ نے تیرے جنازے کے ساتھ چلنے والوں کی مغفرت فرمادی اور تیرے لئے استغفار کرنے والوں کی دُعا قبول کی اور تیرے لئے شہادت دینے والوں کو قبول فرمایا۔

واما تصحیح عیاض **فاقول** لا متمسك فیہ للمخالف المدعی للاجتہاد وکیف یجوز لہ ان یقلد عیاضا وھو لا یقلد من یقلدہ عیاض اعنی الامام مالك ولا من ھو اکبر منہ اعنی الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

رہی قاضی عیاض کی تصحیح، تو میں کہتا ہُوں اس میں مخالف مدعی اجتہاد کے لئے کوئی جائے تمسک نہیں، اس کے لئے قاضی عیاض کی تقلید کیسے روا ہوگی جب کہ وہ ان کی بھی تقلید نہیں کرتا جن کے قاضی عیاض مقلّد ہیں یعنی امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ، نہ ان کی جو ان سے بھی بزرگ ہیں یعنی امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ثم حسبنا فی قبول التصحیح ان نقول نعم صلی علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلوۃ الجنازۃ مرۃ وذلك حین تمت البیعۃ علی ید الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ صحت ولایتہ اما قبل ذلك فما کان الناس الا یدعون وینصرفون ثم اذ اصلی الصدیق

پھر ہمارے لئے قبول تصحیح کے معاملے میں یہ کہنا کافی ہے کہ ہاں ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی — وہ اس وقت جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ پر بیعت تمام ہُوئی اور ان کی ولایت صحیح ہوگئی۔ اس سے قبل صرف یہ تھا کہ لوگ آکر دُعا کرتے اور لوٹ جاتے۔ پھر جب حضرت صدیق نے نماز ادا کی تو

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ فی الثواب حدیث ۴۲۳۵۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۵۹۶

لم یصل علیہ احد بعد کما سنذکر الجزم بہ عن الامام شمس الائمۃ السرخسی رحمۃ اللہ علیہ۔

اس کے بعد کسی نے حضور کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی ___ جیسا کہ امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ سے اس پر جزم ہم آگے نقل کریں گے۔

ثالثاً ثبوت دینا ہوگا کہ پہلی نماز ولی احق نے خود پڑھی تھی پھر اعادہ کی قطع نظر اس سے کہ جب نماز اوّل نہ ولی احق نے خود پڑھی نہ اس کے اذن سے ہُوئی تو اُسے ہمارے نزدیک بھی اعادہ کا اختیار ہے۔ ان مجتہد صاحب کا وہ حکم واصرار صحیح ٹھہرنا خاص اسی صورت کے ثبوت پر موقوف کہ یہاں واقعہ یہی تھا۔

اقول وباللہ التوفیق زمانۂ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں تمام مسلمین کے ولی احق واقدم خود حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: النبی اولٰی بالمؤمنین من انفسھم[1] (نبی مسلمانوں کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہیں۔ ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اولٰی بالمؤمنین من انفسھم[2] رواہ احمد والشیخان والنسائی وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔

میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہوں۔ اسے امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

توجو نماز قبل اطلاع حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور لوگ پڑھ لیں پھر اگر حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعادہ فرمائیں تو یہ وہی صُورت ہے کہ نمازِ اول غیرِ ولی احق نے پڑھی، ولی احق اختیارِ اعادہ رکھتا ہے اسے ان مجتہد صاحب کی صورت سے کچھ علاقہ نہ ہوگا خصوصاً جب کہ پہلے سے ارشاد فرمایا ہو کہ فلاں مریض جب انتقال کرے ہمیں خبر دینا کہ آخر یہ ارشاد اسی لئے تھا کہ خود نماز پڑھنے کا قصد تھا تو اگر اوروں کا پڑھنا ثابت ہو تو صرف بے اذنِ ولی نہیں بلکہ خلاف اذنِ ولی ہوگا، اگرچہ اُن کا اطلاع نہ دینا بمقتضائے ادب ومحبت ہو جیسا کہ سکینہ سوداخادمِ مسجد اُمِ محجن رضی اللہ تعالٰی عنہما کے معاملہ میں واقع ہُوا۔ مؤطائے امام مالک وغیرہ میں حدیث ابی امامہ اسعد بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے، جب وُہ بیمار ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذا ماتت فاذنونی[3] جب اس کا انتقال ہو مجھے خبر کردینا (ان کا جنازہ شب کو تیار ہوا، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] القرآن ۳۳/۶

[2] صحیح البخاری کتاب الکفالۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۰۸

[3] موطا امام مالک التکبیر علی الجنائز میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۰۸

نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جگانا خلافِ ادب جانا (ابن ابی شیبہ کی روایت موصولہ میں حدیث سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے) یہ بھی خوف ہُوا کہ رات اندھیری ہے زمین میں ہر طرح کے کیڑے ہوتے ہیں اس وقت حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تشریف لے جانا مناسب نہیں، قال فدفنھا[۱] یہ خیال کرکے دفن کردیا) صبح حضور کو خبر ہوئی، فرمایا: الم آمرکم ان تؤذنونی بھا کیا میں نے تمھیں حکم نہ دیا تھا کہ مجھے اس کی خبر کردینا۔ عرض کی: یارسول اللہ کرھنا ان نخرجک لیلا اونوقظک[۲] یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے دلوں کو گوارا نہ ہُوا کہ رات میں حضور کو باہر آنے کی تکلیف دیں یا حضور کو خوابِ راحت سے جگائیں (کہ حضور کا خواب بھی تو وحی ہے کیا معلوم کہ اس وقت حضور خواب میں کیا دیکھتے سنتے ہوں) صحیح بخاری شریف میں حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے: فحقروا شانھا[۳] ——— صحیح مسلم میں انہی سے ہے: وکانھم صغروا امرھا[۴] یعنی یہ خیال کیا کہ وہ کیا اس قابل تھی کہ اس کے جنازہ کے لئے حضور کو جگاکر اندھیری رات میں باہر لے جائیں۔

مسندِ امام احمد میں حدیث عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فلا تفعلوا ادعونی لجنائزکم[۵] ایسا نہ کرو مجھے اپنے جنازوں کے لئے بلایا کرو۔

سنن ابن ماجہ میں حدیث زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے ہے حضور نے فرمایا:

فلا تفعلوا لا اعرفن مامات منکم میت ماکنت بین اظھرکم الا اذنتمونی به فان صلاتی له رحمۃ[۶] ایسا کبھی نہ کرنا جب تک میں تم میں تشریف رکھوں جو شخص مرے مجھے ضرور خبر دینا کہ میری نماز اس کے حق میں رحمت ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

---

[۱] المصنف لابن ابی شیبہ	کتاب الجنائز	ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی	۳/ ۳۶۱
التمہید لابن عبدالبر	الصلوٰۃ علی القبر رویت علی ستۃ وجوہ	المکتبۃ القدوسیہ لاہور	۶/ ۲۶۳
[۲] موطا الامام مالک	التکبیر علی الجنائز	میر محمد کتب خانہ کراچی	ص ۲۰۸
[۳] صحیح البخاری	کتاب الجنائز	قدیمی کتب خانہ کراچی	۱/ ۱۷۸
[۴] صحیح مسلم	"	نور محمد اصح المطابع کراچی	۱/ ۳۱۰
[۵] مسند امام احمد بن حنبل	حدیث عامر بن ربیعہ	دارالفکر بیروت	۳/ ۴۴۴
[۶] سنن ابن ماجہ	باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی القبر	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	ص ۱۱۱
التمہید لابن عبدالبر	اباحۃ الصلوٰۃ علی قبر الخ	المکتبۃ القدوسیہ لاہور	۶/ ۲۶۲

اقول وباللہ التوفیق ابنِ حبان اپنی صحیح اور حاکم مستدرک میں حضرت یزید بن ثابت انصاری برادرِ اکبر زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں:

قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما وردنا البقیع اذا ھو بقبر فسأل عنہ فقالوا فلانۃ فعرفھا فقال الا اذنتمونی بھا قالوا کنت قائلا صائما قال فلا تفعلوا لاعرفن مامات منکم میت ماکنت بین اظھرکم الا اذنتمونی بہ فان صلاتی علیہ رحمۃ[1]

یعنی ہم ہمراہِ رکابِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم باہر چلے جب بقیع پر پہنچے ایک قبر تازہ نظر آئی حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا، لوگوں نے عرض کی: فلاں عورت۔ حضور نے انھیں پہچانا، فرمایا: مجھے کیوں نہ خبر کی؟ عرض کی، حضور دوپہر کو آرام فرماتے تھے اور حضور کا روزہ تھا۔ فرمایا: تو ایسا نہ کرو جب تم میں کوئی مسلمان مرے مجھے خبر کر دیا کرو کہ اُس پر میرا نماز پڑھنا رحمت ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ واقعہ واقعہ حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا کا غیر ہے، وہاں یہ تھا کہ اندھیری رات تھی ہمیں گوارا نہ ہُوا کہ حضور کو جگائیں، یہاں یہ ہے کہ دوپہر کا وقت تھا حضور آرام فرما تھے حضور کو روزہ تھا اور دونوں حدیثوں میں وہی ارشاد اقدس ہے کہ ایسا نہ کرو ہمیں اطلاع دیا کرو۔ اب خواہ یُوں ہو کہ ایک واقعہ کے حضار اور تھے اور دوسرے واقعہ کے لوگوں کو اس حکم کی خبر نہ تھی، خواہ یُوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس امر کو ارشادی محض بہ نظرِ رحمت تامہ حضور رؤف رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم خیال کیا، نہ ایجابی۔ لہذا جہاں تکلیف کا خیال ہُوا ادب و آرام کو مقدم رکھا، بہرحال ایسے وقائع اُن سب وجوہ مذکورہ کے مورد ہیں۔ ایک بار کے فرمان سے کہ خبر دے دیا کرو، باقی بار کا بعد اطلاع اقدس ہونا ثابت نہیں ہو سکتا، کما لا یخفی۔

لاجرم طبرانی نے حصین بن وحوح انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

ان طلحۃ بن البراء مرض، فاتاہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعودہ فقال انی لاارٰی طلحۃ الا قد حدث فیہ الموت فاذنونی بہ وعجلوا فلم یبلغ النبی

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور یہ فرما گئے کہ اب اُن کا وقت آیا معلوم ہوتا ہے، مجھے خبر کر دینا اور تجہیز میں جلدی کرنا۔ حضور اقدس

---

[1] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان حدیث ۳۰۸۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/۳۵

صلی اللہ علیہ وسلم بنی سالم بن عوف حتی توفی، وکان قال لاھلہ لما دخل اللیل اذا مت فادفنونی ولا تدعوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فانی اخاف علیہ الیھود ان یصاب بسببی فاخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین اصبح[1] ملخصا الحدیث۔

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محلہ بنی سالم تک نہ پہنچے تھے کہ اُن کا انتقال ہوگیا اور انھوں نے رات آنے پر اپنے گھر والوں کو وصیت کردی تھی کہ جب میں مروں تو مجھے دفن کردینا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بلانا، رات کا وقت ہے مجھے یہود سے اندیشہ ہے مبادا حضور کو میرے سبب سے کوئی تکلیف پہنچے۔ ان کے گھر والوں نے ایسا ہی کیا، صبح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ وباللہ التوفیق۔

ثم اقول وباللہ استعین (پھر میں اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں۔ت) حقیقتِ ولایت سے قطع نظر کرکے یہاں ایک لطیف تر تقریر ہے کہ فیضِ قدیر سے قلبِ فقیر پر فائز ہوئی، نمازِ جنازہ شفاعت ہے کما صرحت بہ الاحادیث (جیسا کہ احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ت) احمد ومسلم و ابوداؤد و ابن ماجہ کی حدیث میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازتہ اربعون رجلا لایشرکون باللہ شیئا الا شفعھم اللہ فیہ[2]۔

جس مسلمان کے جنازے پر چالیس مسلمان نماز میں کھڑے ہوں اللہ تعالٰی اس کے حق میں اُن کی شفاعت قبول فرمائے۔

احمد ومسلم ونسائی نے ام المومنین وانس بن مالک رضی اللہ عنہما اور ترمذی نے صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من میت تصلی علیہ امۃ من المسلمین یبلغون مائۃ کلھم یشفعون لہ الا شفعوا فیہ[3]۔

جس میت پر سو مسلمان نمازِ جنازہ میں شفیع ہوں اُن کی شفاعت اُس کے حق میں قبول ہو۔

اور مالکِ شفاعت صرف حضور شفیع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور جو کوئی شفاعت کرے حضور

---

[1] المعجم الکبیر حصین بن وحوح انصاری حدیث ۳۵۵۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۴/ ۲۸
[2] صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۰۸
[3] " " " " " "

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیابت سے کرے گا۔ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعطیت الشفاعۃ[1] رواہ البخاری و مسلم و النسائی عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فی حدیث اعطیت خمسا لم یعطھن احد من الانبیاء قبلی[2]

شفاعت مجھے عطا فرمادی گئی ہے۔ اسے بخاری، مسلم اور نسائی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ اس حدیث میں کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھ سے پہلے کے انبیاء کو نہ ملیں۔

حضور شافع شفیع صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا کان یوم القیٰمۃ کنت امام النبیین و خطیبھم و صاحب شفاعتھم غیر فخر[3] رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجۃ و الحاکم باسانید صحیحۃ عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

روزِ قیامت تمام انبیاء کا امام اور اُن کا خطیب اور اُن کی شفاعت کا مالک ہُوں اور یہ بات کچھ براہِ فخر نہیں فرماتا۔ اسے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح سندوں سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

تو جو شفاعت بے اذنِ والا کوئی کرے وُہ فضولی کا تصرف ہے کہ اذنِ مالک پر موقوف رہے گا۔ مالک اگر جائز کرے جائز ہوجائے گا اور اگر آپ ابتدائے تصرف کرے تو باطل،

فان البات اذا طرء علی موقوف ابطلہ کما نص علیہ الفقہاء فی غیر ما مسئلہ

اس لئے کہ قطعیت والا جب کسی موقوف پر طاری ہو تو اسے باطل کردیتا ہے جیسا کہ فقہاء نے متعدد مسائل میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (ت)

مثلاً عمرو ملک زید بے اذنِ زید بیع کرے، زید خبر پاکر روا رکھے روا ہے اور اگر خود از سرِ نو عقدِ بیع کرے تو ظاہر ہوگا کہ عقدِ فضولی پر قناعت نہ کی اب عقد یہی عقدِ مالک ہوگا نہ عقدِ فضولی۔ تو صورتِ مذکورہ میں جبکہ میت پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود نماز پڑھیں۔ یہ اعادہٴ نماز نہ ہوگا، بلکہ نمازِ اول یہی قرار پانی چاہئے۔ بحمد اللہ تعالٰی یہی معنی ہیں ہمارے بعض ائمہ کے فرمانے کے کہ نمازِ جنازہ کا فرض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بے حضور کے پڑھے ساقط نہ ہوتا تھا یعنی حضور خود پڑھیں یا دوسروں کو اذن دیں،

---

[1] صحیح البخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجدا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲

[2] " " " " " " " " "

[3] جامع الترمذی ابواب الجنائز امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۲۲

كما فعل فى الغال وكان يفعله اولاً فى من مات مديوناً ولم يترك وفاء۔

جیسا کہ مالِ غنیمت کے اندر خیانت کرنے والے کے ساتھ کیا پہلے اُس مدیون کے ساتھ ایسا کرتے تھے جو ادائے دین کے لئے کچھ چھوڑ نہ جائے (ت)

اور اگر بے اطلاع حضور پُرنور لوگ خود پڑھ لیں، تو وُہ شفاعت بے اذن مالک ہے کافی و مسقط فرض نہیں۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

رأيت السيوطى ذكر فى انموذج اللبيب انه ذكر بعض الحنفية ان فى عهده عليه الصلوٰة والسلام لايسقط فرض الجنازة الا بصلاته فيؤل الى ان صلاة الجنازة فى حقه فرض عين وفى حق غيره فرض كفاية والله ولى الهداية۔[1]

میں نے دیکھا کہ امام سیوطی نے انموذج اللبیب میں لکھا ہے کہ بعض حنفیہ نے بیان کیا کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد پاک میں فرضِ جنازہ حضور کی نماز کے بغیر ساقط نہ ہوتا ــــ تو اس کا مآل یہ ہوگا کہ نمازِ جنازہ حضور کے حق میں فرضِ عین اور دوسرے کے حق میں فرض کفایہ ہو ــــ اور خدا ہی ہدایت کا مالک ہے (ت)

اقول لايؤل اليه وكيف وقد ثبت ما ذكرنا من امر الغال والمديون ولم يقل القائل ان فرض الجنازة كان لايسقط عنه الا بصلاته صلى الله عليه وسلم ولواراد هذا لكان تقييده بعهده صلى الله عليه وسلم عبثاً مستغنى عنه انما المعنى ما قررنا ان الفرض لم يكن يسقط عن احد فى عهده ما لم يصل اويأذن لكونه هو مالك الشفاعة صلى الله عليه وسلم۔

اقول یہ مآل نہ ہوگا، یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ وُہ جو ہم نے خائن اور مدیون کا معاملہ ذکر کیا ثابت ہے۔ اُس قائل نے یہ نہیں کہا کہ حضور سے بغیر نمازِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض ساقط نہ ہوتا، اگر اس کا مقصد یہ ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک کی قید لگانے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی، مقصود وہ ہے جو ہم نے بیان کیا کہ سرکار کے عہد مبارک میں کسی سے یہ فرض ساقط نہ ہوتا جب تک حضور خود نہ پڑھیں یا دوسرے کو اذن نہ دیں اس لئے کہ شفاعت کے مالک وہی ہیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ (ت)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۵۰

اقول بنظارت مذکورکہ ہمیں خبر کر دینا' اور اطلاع واقع نہ ہوئی، شرع سے اس کے لئے ایک اور نظیر مل گئی، مسجدِ محلہ میں اہلِ محلہ جب جماعتِ صحیحہ غیر مکروہہ باعلانِ اذان ادا کر چکیں تو دوسروں کو باعادۂ اذان وہاں جماعت کی اجازت نہیں، اور اگر پہلی جماعت بے اذان یا باخفائے اذان واقع ہوئی تو انھیں روا ہے کہ اذان بروجہ مسنون دے کر محراب میں جماعت قائم کریں کہ جب وُہ جماعت برخلاف حکم سنّت تھی تواب یہ اعادۂ جماعت نہیں بلکہ یہی جماعتِ اولیٰ ہے کما بینّاہ فی رسالتنا القطوف الدانیۃ لمن احسن الجماعۃ الثانیۃ (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے رسالہ "القطوف الدانیۃ لمن احسن الجماعۃ الثانیۃ" میں بیان کیا ہے۔ ت) یہی وجہ یہاں ہے ان تقریرات نفیسہ سے بحمد اللہ تعالیٰ حدیثِ سکینہ اور اس کی نظائر کی بحث کا تصفیہ تمام ہوگیا اور نہ صرف ان مجتہد صاحب کے اختراع بلکہ تمسکِ شافعیہ کا بھی جواب تمام،

وبہ ظھر ان لوثبت ان الذین صلوا من قبل ان کانوا ھم المصطفین خلف المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن فیہ مایتکربہ علی شیئ من مذھبنا ولاحاجۃ بنا الی الجواب الذی اورد العلامۃ القسطلانی فی ارشاد الساری وارتضاہ المولی علی القاری فی المرقاۃ وذکرہ الفاضل الزرقانی فی شرح الموطا ان صلوۃ غیرہ صلی اللہ علیہ وسلم وقعت تبعالہ صلی اللہ علیہ وسلم وبہ انحلت بحمد اللہ تعالیٰ عقدۃ استصعبھا المحقق حیث اطلق فی الفتح واللہ سبحانہ ولی التوفیق والفتح والحمد للہ رب العلمین۔

اور اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اگر یہ بھی ثابت ہوجائے کہ جو لوگ جنازہ پہلے ادا کر چکے تھے وہی بعد کو سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے صف بستہ تھے تو اس میں کوئی ایسی بات نہ ہوگی جو ہمارے مذہب پر گرد اعتراض بٹھا سکے ——— اور اس جواب کی ضرورت نہیں جو علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں ذکر کیا اور مولانا علی قاری نے مرقات میں اسے پسند کیا اور فاضل زرقانی نے شرح مؤطا میں اسے بیان کیا کہ "دوسرے حضرات کی نماز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبعیت میں تھی" ——— اور اسی سے بحمد اللہ تعالےٰ ایک اور عقدہ حل ہوگیا جسے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں دشوار قرار دیا ہے۔ اور خدائے پاک ہی توفیق اور کشف کا مالک ہے، اور ساری خوبیاں اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔ (ت)

تنبیہ : **اقول** وباللہ التوفیق ولایتِ میت یا بذریعہ وراثت ملتی ہے ولہذا جو وراثت میں مقدم ولایت میں اقدم یا بطور نیابت ولی احق و والی مطلق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے یعنی خلافتِ امام و سلطنتِ اسلام بمعنی اول حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی ولی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لانورث ماترکناہ صدقۃ[1]۔ رواہ احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی بکر صدیق وابوداؤد عن ام المؤمنین ونحوہ عن الزبیر واحمد والشیخان وابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا ہم جو کچھ چھوڑیں گے صدقہ ہے۔ اسے امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوبکر صدیق سے روایت کیا اور ابوداؤد نے ام المومنین سے، اور اسی کے ہم معنی حضرت زبیر سے روایت کیا۔ اور امام احمد، بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے بھی روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

حدیثِ امّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا میں ہے:

فاذامت فھو الی ولی الامر من بعدی[2]۔

جب میں انتقال فرماؤں تو میرے ترکے کا اختیار اُسے ہے جو میرے بعد ولی امر وخلیفہ ہوگا۔

رہی ولایت خلافت وہ ہنوز کسی کو نہ تھی یہاں تک کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئی، اگر یہی مانئے کہ جنازہ اقدس پر نماز ہوئی تو وہ غیر والی احق سے بلا اذن ولی احق تھی، ہاں یہ ثابت کیا جائے کہ صدیق اکبر نے بعد خلافت نماز ادا کی اور پھر اعادہ کی گئی، مگر حاشا اس کا ثبوت کہاں۔ الحمدللہ اس تقریر کے بعد فقیر غفراللہ تعالٰی نے مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی سے پایا کہ بعینہٖ اسی جواب کی طرف اشارہ فرمایا۔ منحۃ الخالق میں مبسوط سے ہے:

لاتعاد الصلوٰۃ علی المیت الا ان یکون الولی ھوالذی حضر، فان

نمازِ جنازہ دوبارہ نہیں مگر یہ کہ ولی ہی بعد میں آیا تو اسے حق ہے اور دوسرے کو اس کا حق

---

[1] صحیح مسلم شریف کتاب الجہاد باب حکم الفئی نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۹۱
سنن ابوداؤد کتاب الخراج والفئی آفتاب عالم پریس، لاہور ۲/ ۶۰

[2] " " " " " " "

الحق له ولیس لغیرہ ولایة اسقاط وھو تاویل فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان الحق لہ قال اللہ تعالٰی النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وھکذا تاویل فعل الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم فان ابابکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کان مشغولا بتسویة الامور وتسکین الفتنة فکانوا یصلون علیہ قبل حضورہ وکان الحق لہ لانہ ھو الخلیفة فلما فرغ صلی علیہ ثم لم یصل احد بعدہ علیہ[1] **اقول** وبما قررنا ظھر لك سقوط ماوقع ھھنا فی المنحة فافھم وتثبت وللہ المنة۔

ساقط کرنے کا اختیار نہیں ۔۔۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فعل کی تاویل ہے کیونکہ حق سرکار کا تھا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے: نبی مسلمانوں کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہیں ۔۔۔ اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے فعل کی تاویل ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ معاملات درست کرنے اور فتنہ فرو کرنے میں لگے ہوئے تھے تو ان کی آمد سے پہلے لوگ صلوٰۃ پڑھتے جاتے اور حق صدیق کا تھا کیونکہ خلیفہ وہی ہوئے تو جب فارغ ہوئے سرکار کی نمازِ جنازہ پڑھی پھر کسی نے حضور کی نماز نہ پڑھی ۔۔۔ **اقول** ہماری تقریر سے وہ اعتراض ساقط ہوگیا جو یہاں منحۃ الخالق میں ہے۔ تو اسے سمجھو اور ثابت قدم رہو۔ اور احسان خدا ہی کا ہے (ت)

رابعًا ثبوت ہو کہ دوبارہ نماز پڑھنے والے خود وہی لوگ ہیں جو اول پڑھ چکے تھے کہ نئے لوگوں کا پڑھنا اگرچہ ولی احق کے بعد خلافیہ حنفیہ وشافعیہ ہو ان مجتہد صاحب کے مذہب وفتوٰی کا مصحح نہیں ہوسکتا کہ انھوں نے تو پڑھ چکنے والوں کو دوبارہ پڑھوائی۔

خامسًا ہر تقدیر پر ضرور ہے کہ جو حدیث ہو صحیح فقہی ہو۔ مجرد صحت حدیثی اثبات حکم کے لئے بس نہیں ہوتی، مجتہد صاحب اگر علم رکھتے ہوں گے صحت حدیثی وصحتِ فقہی کا فرق جانتے ہوں گے، ورنہ فقیر کا رسالہ الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی ملقب بلقب تاریخی "اعزالنکات بجواب سوال ارکات" جس کا سوال مقام ارکات سے آیا اور اس کے جواب میں لکھا گیا تھا ملاحظہ فرمائیں، نہ مثل حدیث تعدد الصلوٰۃ علی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کہ:

اوّلًا حدیث صحیح بخاری شریف کے صریح خلاف جس میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری شاہد ومشاہد مشہد اُحد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

---

[1] منحۃ الخالق حاشیہ علی البحرالرائق فصل السلطان احق بصلٰوتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۲

امربدفنهم بدمائهم ولم یغسلوا ولم یصلوا علیہم[1] ورواہ ایضا احمد بسند جید والترمذی وصححہ والنسائی و ابن ماجۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن شہدائے کرام کو ویسے ہی خون آلود دفن کرنے کا حکم فرمایا اور انھیں غسل نہ دیا گیا، نہ ان کی نماز ہوئی۔ اسے احمد نے سندجید کے ساتھ روایت کیا۔ ترمذی نے روایت کرکے صحیح قرار دیا۔ نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (ت)

مجتہدینِ زمانہ کے مسلک کے بالکل خلاف ہے کہ حدیث صحیح بخاری کے رَد کے لئے ادھر کی روایات پر عمل حلال جانیں۔

ثانیاً اُس کی خود حالت یہ کہ اس کی کوئی سندِ مسند مقال سے خالی نہیں اور متن بشدت مضطرب اگر اس کی تفصیل کیجئے ایک رسالہ مستقل ہوتا ہے، مجتہد صاحب کو ہوس ہوئی تو بعونہٖ تعالٰی تسکین کافی کی جائے گی وباللہ التوفیق لاجرم۔

ان مجتہدین تازہ کے بزرگوار ابنِ تیمیہ کے جدِامجد نے منتقی میں کہا:

قد رویت الصلٰوۃ علیہم باسانید لاتثبت[2]

شہدائے اُحد کی نماز ہونا ایسی سندوں سے مروی ہے جو ثابت نہیں۔ (ت)

ہاں تو ایک اثر مرسل ابوداؤد نے مراسیل میں بسند ثقات ابومالک غفاری تابعی سے روایت کیا:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی علٰی قتلٰی اُحد عشرۃ عشرۃ فی کل عشرۃ حمزۃ رضی اللہ عنہ حتی صلی علیہ سبعین صلٰوۃ[3]

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شہدائے اُحد پر دس دس آدمی کرکے نماز پڑھی، ہر دس میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہوتے، یہاں تک کہ ان پر ستّر بار نماز پڑھی۔ (ت)

یہ ایک تو مرسل، اور مرسل ان صاحبوں کے نزدیک مہمل، اور دوسرے فی نفسہٖ مشکل۔ شہدائے اُحد رضی اللہ عنہم ستّر تھے جب دس دس پر نماز ہوئی سات نمازیں ہوں گی ستّر کیونکر!

ثمّ اقول وباللہ التوفیق بعد تسلیمِ صحتِ حدیث غایت درجہ جو ثابت ہوگا وہ اس قدر کہ

---

[1] صحیح البخاری باب الصلٰوۃ علی الشہید قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۹

[2] منتقی الاخبار مع نیل الاوطار ترک الصلٰوۃ علی الشہید مصطفی البابی مصر ۴/۴۸

[3] السنن الکبرٰی کتاب الجنائز باب من زعم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علٰی احد الخ دارصادر بیروت ۴/۱۲

شہداء پر نعشیں بدل کر نمازیں ہوا کیں اور نعش مبارک سید الشہداء رضی اللہ عنہم بدستور رکھی رہی، مجرد نہ اٹھایا جانا مستلزم اعادۂ صلوٰۃ نہیں کہ یہ امر نیت حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم پر موقوف اور نیت غیب ہے اور غیبت پر اطلاع نہیں، ممکن کہ اُن کی نعش ہر بار کے برکات نازلہ میں شمول کے لئے رکھی گئی ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی جگہ رویت کا مبلغ صرف صورت ظاہرہ تک ہے، نہ معنی باطن تک، اور مطلب مستدل کا ثبوت اُسی معنی باطن پر موقوف، اور اس پر دلیل نہیں، تو استدلال راساً ساقط۔ ہاں اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود اپنی زبان مبارک سے ایسا بیان فرماتے تو احتجاج صحیح تھا واذ لیس فلیس (اور جب وُہ نہیں تو یہ بھی نہیں۔ت)

سادساً ذرا یہ بھی ملحوظ رہے کہ وہ محل متحمل اختصاص نہ ہو خصوصاً جہاں خصوص پر قرینہ قریبہ قائم ہو، جیسے حدیث خادمہ مسجد رضی اللہ عنہا وغیرہا جن کی قبر پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر وجہ خود ارشاد فرمائی:

ان ھذہ القبور مملوۃ علٰی اھلھا ظلمۃ و انی انورھا بصلوٰتی علیھم[1] صلی اللہ علیہ وسلم قدر نورہ وجمالہ وجودہ ونوالہ علیہ وعلٰی اٰلہ اجمعین رواہ مسلم وابن حبان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ واصل الحدیث متفق علیہ۔

بیشک یہ قبریں اپنے ساکنوں پر اندھیرے سے بھری ہیں اور بیشک میں اپنی نماز سے انھیں روشن کردیتا ہوں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تعالٰی ان پر درود وسلام نازل فرمائے ان کے نور وجمال اور جود ونوال کے اندازے سے اور ان کی آل واصحاب سب پر۔ یہ حدیث مسلم اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اور اصل حدیث بخاری ومسلم کی متفق علیہ ہے۔ (ت)

زید بن ثابت ویزید بن ثابت رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں گزرا کہ بے میری اطلاع کے دفن نہ کردیا کرو کہ میری نماز اس کے حق میں رحمت ہے۔

اقول خود نظر ایمانی گواہ ہے کہ کروڑوں صلحاء واتقیاء کسی جنازہ کی نماز پڑھیں مگر وہ بات کہاں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پڑھنے میں ہے، وہ برکات وہ درجات ومثوبات دوسرے کی نماز میں حاصل ہی نہیں ہوسکتیں، اور حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم بہ نص قطعی قرآن عظیم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رءوف رحیم[2] ہیں کہ ہر مسلمان کی کلفت اُن پر گراں، ایک ایک امتی کی بھلائی پر

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۱۰
[2] القرآن ۹/۱۲۸

حریص، ہر مومن پر نہایت نرم دل مہربان۔ وُہ کیونکر گوارا فرمائیں کہ دُنیا میں اُن کے تشریف رکھتے ہُوئے مسلمان سخت منزل کا سفر کرے اور اُن کی رحمت اُن کی برکت کا توشہ اُس کے ساتھ نہ ہو اوروں کی نماز اُن کی نماز سے کیا مانع ہوسکتی ہے تو اس فعل کا وجہ خاص ہی سے ناشئی ہونا ظاہر ولامع او زید وعمر کا مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قیاس باطل وضائع۔ شرح موطائے امام مالک میں ہے:

والدلیل علی الخصوصیۃ ما زاد مسلم (فذکرہ قال) وھذا لایتحقق فی غیرہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

خصوصیت کی دلیل وُہ ہے جو مسلم نے مزید روایت کیا (اس کے بعد حدیث مذکور بیان کی پھر کہا) اور یہ بات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے میں متحقق نہیں۔ (ت)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ ابن ملک سے ہے:

صلاتہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت لتنویر القبر وذالایوجد فی صلوٰۃ غیرہ۔[2]

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز قبر کو روشن کرنے کے لئے تھی اور یہ بات دوسرے کی نماز میں نہیں۔ (ت)

اقول اس سے زائد محل خصوص خصوص واقعہ سید اہل خصائص ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہاں تو ان معاملات میں بہت باتیں خصوصیات سے واقع ہُوئیں نعش مبارک کا مقابر کی طرف نہ لے جانا، جہاں رُوحِ اقدس نے رفیقِ اعلیٰ کی طرف رجوع فرمایا خاص اسی جگہ دفن ہونا، نہلانے میں قمیصِ مقدس بدنِ اقدس سے نہ جُدا کیا جانا، سب صحابہ کے مشرف ہولینے کے لئے جنازہ مبارک کا پونے دو دن رکھا رہنا، جنازہ اقدس پر کسی کی امامت روا نہ ہونا انھیں خصوصیات میں یہ بھی سہی، خصوصاً جبکہ حدیث میں وارد ہے کہ یہ صورت حسبِ وصیتِ اقدس واقع ہوئی کما قدمنا من حدیث عبداللہ رضی اللہ عنہ (جیسا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ہم اس کو پیش کرچکے۔ ت) نماز جنازہ مسلمان کا حق مسلمان پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حق المسلم علی المسلم خمس ردالسلام و عیادۃ المریض واتباع الجنازۃ و

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: (۱) سلام کا جواب دینا (۲) بیمار کی عیادت کرنا (۳) جنازے کے

---

[1] شرح الزرقانی علیٰ موطا الامام مالک التکبیر علی الجنائز التجاریۃ الکبریٰ مصر ۲/۶۰
[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المشی بالجنازہ والصلوٰۃ علیہا مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۵۱

اجابۃ الدعوۃ وتشمیت العاطس[1]۔ رواہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اﷲ تعالٰی عنہ۔

پیچھے ہونا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) چھینک پر تحمید کا جواب دینا۔ اسے بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اﷲ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

عام مومنین کا حق ایسا ہونا آسان کہ حضار سے بعض نے ادا کردیا ادا ہوگیا مگر مولائے نعمت ہر دو جہاں محمد رسول اﷲ صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم کا حق عظیم کہ بعد حضرت حق عزوجل اعظم حقوق ہے، اگر تمام حضار پر لازم عین ہو کیا مستبعد، معہذا اعظم مقاصد مہمہ سے ہر مسلمان حاضر کا بالذات اس شرف اجل واعظم سے مشرف ہونا ہے۔ ہم اوپر متعدد احادیث بیان کرچکے کہ رسول اﷲ صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ مقبول کو بعد وفات پہلا تحفہ جو بارگاہ عزت سے ملتا ہے یہ ہے کہ جتنے لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں اﷲ عزوجل سب کی مغفرت فرمادیتا ہے[2]، نہ کہ نبی کا جنازہ نہ کہ سیدالانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثناء کا، اس کے فضل کی مقدار کون قیاس کرسکتا ہے، شریعت محمدیہ علٰی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ مسلمانان کے لئے خیر محض ونفع خاص لے کر آئی ہے نہ کہ معاذ اﷲ انھیں ایسے فضل عظیم سے محروم کرنا تو حکمت شرعیہ اسی کی مقتضی تھی کہ یہاں اجازت عامہ دی جائے۔ حجرہ اقدس میں جگہ کتنی اور حضار تیس ھزار، کما ورد فی حدیث (جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ ت)، اب اگر یہ حکم ہوتا کہ اول بار جو پڑھ لیں پڑھ لیں تو ہزار ہا صحابہ کی محرومی، دوسرے اس پر تنافس شدید واقع ہونا مظنون بلکہ یقینی جب معلوم ہوتا کہ یہاں بھی مثل تمام جنائز ایک ہی بار کی اجازت ملے گی تو ہر ایک یہ چاہتا کہ میں ہی پڑھ لوں، لہذا محمد رسول اﷲ صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم کا علم عظیم وجود عمیم مقتضی ہوا کہ اپنے معاملہ میں خود فوج فوج حاضری کی وصیت فرمادی صلی اﷲ علیہ وسلم۔ یہی سر جلیل جنازہ اقدس پر جنازہ نہ ہونے کی بھی ایک حکمت نفیسہ ہے تاکہ تمام حضار بالذات بلاواسطہ حضور اقدس صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم سے شرفیاب ہوں۔ امام اجل سہیلی یہاں امامت نہ ہونے کی وجہ فرماتے ہیں:

اخبر اﷲ انہ وملئکتہ یصلون علیہ صلی اﷲ علیہ وسلم وامر کل واحد من المومنین ان یصلی علیہ فوجب علی کل واحد ان یباشر

یعنی اﷲ عزوجل نے خبر دی کہ وہ اور اس کے سب فرشتے محبوب صلی اﷲ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور ہر مسلمان پر حکم فرمایا کہ ان پر درود بھیجے صلی اﷲ علیہ وسلم وعلٰی آلہٖ وبارک وسلم، تو ہر شخص پر واجب ہوا

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۶

[2] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل الرابع والخمسون الخ دار صادر بیروت ص ۷۸

الصلوٰۃ علیہ منہ الیہ والصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ من ھذا القبیل[1] نقلہ فی شرح الموطا۔

کہ محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایسے درود بھیجے کہ بلا توسط دیگرے اُس شخص کی طرف سے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے اللھم صل وسلم وبارک علیہ وآلہٖ وصحبہ وامتہ اجمعین۔ اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر بعد وصال شریف صلوٰۃ بھی اسی قبیل سے ہے۔ یعنی تو اُس کا کا بھی بے وساطت احدے ہونا چاہیے۔ اسے شرح موطا میں نقل کیا۔

بالجملہ یہ محل اعلٰی مواطن خصوص سے ہے۔ ولاجرم علامہ سید ابوالسعود محمد الازہری نے حواشی کنز میں فرمایا، تکرار الصلاۃ علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کان مخصوصا بہ[2]۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تکرار نماز ان ہی کے ساتھ مخصوص تھی۔ (ت)

سابعًا پھر تنبیہ کی جاتی ہے کہ مجتہد صاحب اپنے مذہب کی فکر کریں۔ وہ واقعہ جو ان کے مسلک مذکور کا رد ہو مثلاً مہینہ بھر بعد نماز پڑھنا کما علٰی ام سعد (جیسے حضرت اُم سعد پر۔ ت) یا مہینوں برسوں پیچھے کما علٰی اھل البقیع (جیسے بقیع والوں پر۔ ت) یا آٹھ برس گزرے کما علٰی اھل اُحد (جیسے اُحد والوں پر۔ ت) علاوہ اور جوابوں کے خود اُن کا رد ہوگا، نہ اُن کی سند کہ یہاں اُن سے مطالبہ اپنا ادعا ثابت کرنے کا ہے وانی لہ ذلک واللہ الھادی الٰی اقوم المسالک (اور ان سے یہ کہاں ہو سکے گا؟ اور خدا ہی راست ترین راہ کی ہدایت فرمانے والا ہے۔ ت)

الحمدللہ! ان چند جمل نفیسہ مجملہ مختصرہ نے صرف مجتہدین زمانہ ہی کے آنکھ کان نہ کھولے بلکہ بحمداللہ تعالٰی بنظر انصاف دیکھئے تو مسئلہ کا فیصلہ بحث کا تصفیہ کاملہ کر دیا۔

وللہ الحمد اب بتوفیق اللہ تعالٰی بعض نکات وتمسکات کہ اس مسئلہ میں فیض قدیر سے قلب فقیر پر فائز ہوئے ذکر کرکے کلام ختم کروں جو بعونہٖ تعالٰی اصل مسئلہ اعنی ممانعت تکرار جنازہ میں تائید مذہب حنفیت کریں یا مسلک طریدِ مجتہد جدید کا ابطال کلی خواہ ابطال کلیت۔

فاقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الٰی ذری التحقیق (تو میں کہتا ہوں، اور توفیق خدا ہی سے ہے اور اسی کی مدد سے بلندیٔ تحقیق تک رسائی ہے۔ ت)

اوّلاً نمازِ جنازہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں میت کی شفاعت ہے کما قد مناعن الحدیث (جیسا

---

[1] شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک ماجاء فی دفن المیت المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/۶۶
[2] فتح المعین فصل فی الصلوٰۃ علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۳

کوحدیث سے اس کو ہم پیش کر آئے۔ ت) اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ کون ہے جو اللہ کے یہاں شفاعت کرے مگر اس کے اذن سے۔ اور اذن اللہ عزوجل کا قرآن عظیم سے ثابت ہو یا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن قولی یا فعلی یا تقریری سے، اور صورتِ مذکورہ کا اذن کہیں ثابت نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان (جو دعوٰی کرے دلیل اس کے ذمّہ۔ ت) لاجرم ان مجتہد صاحب نے بے ثبوت اذنِ الٰہی بارگاہِ عزت میں شفاعت پر جرأت وبیباکی کی اور اپنے ساتھ اور مسلمان کو بھی اس بلا میں ڈالا اور من ذا الذی یشفع شفاعۃ سیئۃ یکن لہ کفل منہا[1] (جو کوئی بُری سفارش کرے اسے بھی اس کا حصّہ ملے۔ ت) سے حصہ لیا دیا،

وھذا دلیل ان استقصی ادی الی اثبات المذھب تادیۃ صریحۃ ونفی قول کل من خالف فعلیک بتطلیب الصریحۃ۔

یہ ایسی دلیل ہے کہ اگر اس کی تہ تک جائیں تو صراحۃً اثبات مذہب تک پہنچائے اور ہر مخالف کے قول کی تردید کردے، تو صریح کی تلاش تمہارے ذمّے ہے (ت)

ثانیاً مسند امام احمد وسنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین[2] کوئی نماز ایک دن میں دو بار نہ پڑھو۔

نیز حدیث میں ہے:

لایصلی بعد صلاۃ مثلہا[3]۔ رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ من قولہ وظاھر کلام الامام محمد انہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الامام ابن الھمام ومحمد اعلم بذلک منا۔

کسی نماز کے بعد اس کے مثل نہ پڑھی جائے۔ اسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان کے قول کی حیثیت سے نقل کیا، اور امام محمد کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ امام ابن الہمام فرماتے ہیں: امام محمد ہم سے زیادہ اس کا علم رکھتے ہیں (ت)

---

[1] القرآن ۴/ ۸۵

[2] مسند امام احمد بن حنبل از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۹
سنن ابی داؤد باب اذا صلی فی جماعۃ ثم ادرک جماعۃ آفتاب عالم پریس۔ لاہور ۱/ ۸۶

[3] مصنف ابن ابی شیبہ من کرہ ان یصلی بعد الصلوٰۃ مثلہا ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۶

اقول یہ حدیثیں بھی نفی تکرار پر صریح دال ہیں، حدیث ثانی تو عام مطلق ہے، اور اول میں فی یوم کی قید اس نظر سے کہ مثلاً ظہر کی نمازوں کی تکرار سے تو آپ ہی مکرر ہوگی، کل کی ظہر اور آج کی اور کران کا سبب وقت ہے، جب وقت دوبارہ آیا دوبارہ آئی، مگر ایک ہی سبب یعنی ایک ہی وقت میں مکرر نہ ہوگی، نماز جنازہ کا سبب مسلم میت ہے۔ جب میت متکرر ہو نماز متکرر ہوگی مگر ایک ہی میت پر مکرر نہیں ہوسکتی۔

ثالثاً ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ امام بخاری ومسلم نے روایت کی:

عن صالح مولی التوأمة عمن ادرك ابابکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما انھم کانوا اذا تضایق بھم المصلی انصرفوا ولم یصلوا علی الجنازة فی المسجد۔[1]

یعنی ابوبکر صدیق وعمر فاروق ودیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی عادت کریمہ تھی کہ جب نماز جنازہ میں مصلی تنگی کرتا کہ اس میں گنجائش نہ پاتے واپس جاتے اور نماز جنازہ مسجد میں نہ پڑھتے۔

اقول نماز جنازہ کے جو فضائل جلیلہ ہیں صدیق وفاروق وصحابہ رضی اللہ تعالٰی علیہم پر مخفی نہ تھے نہ ان سے توقع کہ ایسے فضل جلیل کے لئے تشریف بھی لائیں اور پھر باوصف قدرت اُسے چھوڑ کر چلے جائیں اگر نماز جنازہ دوبارہ جائز ہوتی تو تنگی مصلی کیا حرج کرتی اور واپس جانے کی کیا وجہ تھی۔ جب پہلے لوگ پڑھ چکے اس کے بعد دوسری جماعت فرمالیتے۔

رابعاً۔ عن عبداللہ بن سلام لما فاتتہ الصلٰوۃ علی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ان سبقت بالصلٰوۃ فلم اسبق بالدعاء لہ۔[2] ذکرہ السید الازھری فی فتح اللہ المعین وقد کان ھذا الحدیث فی ذکری والاستناد بہ فی خاطری حتی رأیت الازھری تمسك بہ فاسندتہ الیہ ولم یحضرنی الاٰن من غیرہ۔

یعنی عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جب امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازہ مبارک پر نماز میرے آنے سے پہلے ہوچکی تو کہا کہ دعا کی بندش تو نہیں میں ان کے لئے دعا کروں گا۔ اسے فتح اللہ المعین میں سید ازہری نے ذکر کیا، یہ حدیث مجھے یاد تھی اور اس سے استناد میرے ذہن میں تھا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ سید ازہری نے اس سے استدلال کیا ہے تو میں نے ان ہی کی طرف اس کی نسبت کی اور بروقت اس کا کوئی اور حوالہ میرے ذہن میں نہیں۔ (ت)

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ من کرہ الصلٰوۃ علی الجنازۃ فی المسجد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/ ۳۶۵

[2] فتح اللہ المعین فصل فی الصلٰوۃ علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۳

خامساً شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں:

در بعض روایات آمدہ کہ روزِ دیگر ابوبکر صدیق و عمر فاروق و دیگر اصحاب بخانۂ علی مرتضیٰ بجہت تعزیت آمدند شکایت کردند کہ چرا مارا خبر نہ کردی تا شرفِ نماز و حضوری دریافتیم۔ علی مرتضیٰ گفت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وصیت کردہ بود کہ چوں از دنیا بروم مرا بہ شب دفن کنی تا چشمِ نامحرم بر جنازہ من نیفتد، پس بموجبِ وصیت وے عمل کردم۔ این ست روایت مشہور[1]۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ دوسرے دن حضرات ابوبکر صدیق وعمر فاروق و دیگر صحابہ حضرت علی مرتضیٰ کے گھر تعزیت کے لئے آئے اور شکایت فرمائی کہ ہمیں خبر کیوں نہ دی کہ ہم نماز اور حاضری کا شرف حاصل کرتے۔ علی مرتضیٰ نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ میں جب دنیا سے جاؤں تو مجھے رات میں دفن کریں تاکہ میرے جنازے پر نامحرم کی نظر نہ پڑے، تو میں نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔ یہ ہے روایت مشہور۔ (ت)

اقول ان روایات سے بھی روشن کہ صدیق و فاروق و عبداللہ بن سلام و دیگر اصحاب کبار رضی اللہ تعالٰی عنہم دوبارہ نمازِ جنازہ ناجائز جانتے ورنہ فوت ہونا کیا معنی، اور شکایت وافسوس کا کیا محل۔

سادساً ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف اور امام اجل ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے موقوفاً اور ابن عدی کامل میں بروایت ابن عباس حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی:

وھذا حدیث الطحاوی بطریق عمر بن ایوب الموصلی عن مغیرۃ بن زیاد عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فی الرجل تفجأہ الجنازۃ وھو علی غیر وضوء قال یتیمم ویصلی علیہا[2]۔

(اور یہ امام طحاوی کی حدیث ہے جس کی سند یہ ہے عمر بن ایوب موصلی، مغیرہ بن زیاد، عطاء، ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ ت) یعنی جس شخص کے پاس ناگاہ جنازہ آجائے اور اُسے وضو نہ ہو وہ تیمم کرکے نماز پڑھ لے۔

ابن ابی شیبہ کی روایت یہ ہے:

حدثنا عمر بن ایوب الموصلی عن مغیرۃ

ہم سے عمر بن ایوب موصلی نے مغیرہ بن زیاد سے

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب دہم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۸۱

[2] شرح معانی الآثار باب ذکر الجنب والحائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۴

بن زیاد عن عطاء عن ابن عباس قال اذا خفت ان تفوتك الجنازة وانت علی غیر وضوء فتیمم وصل۔[1]

روایت کی انھوں نے عطاء سے، انھوں نے حضرت ابنِ عباس سے، انھوں نے فرمایا۔ (ت) جب تجھے نمازِ جنازہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور وضو نہیں تو تیمم کرکے پڑھ لے۔

ابنِ عدی کی حدیث یُوں ہے:

عن معافی بن عمران عن مغیرة بن زیاد عن عطاء عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال اذا فجأتك الجنازة وانت علی غیر وضوء فتیمم[2] قال ابن عدی ھذا مرفوع غیر محفوظ والحدیث موقوف علی ابن عباس[3]۔

(معافی بن عمران، مغیرہ بن زیاد سے، وہ عطاء سے، وہ ابن عباس سے، وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں۔ ت) یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "جب ناگہانی تیرے سامنے جنازہ آجائے اور تجھے وضو نہ ہو تو تیمم کرلے"۔ ابن عدی نے کہا یہ مرفوع غیر محفوظ ہے اور حدیث حضرت ابن عباس پر موقوف ہے۔ (ت)

دارقطنی وبیہقی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

انه اتی الجنازة وھو علی غیر وضوء فتیمم ثم صلی علیھا۔[4]

یعنی ان کے پاس ایک جنازہ آیا اُس وقت وضو نہ تھا تیمم کرکے نماز میں شریک ہوگئے۔

اسی کے مثل ابن ابی شیبہ وامام طحاوی نے باسانید کثیرہ امام حسن بصری وامام ابراہیم نخعی و ابوبکر نے عکرمہ تلمیذ ابن عباس اور طحاوی نے عطاء بن ابی رباح وعامر وابن شہاب زہری وحکم سات ائمہ تابعین سے روایت کیا اگر نمازِ جنازہ کی تکرار روا ہوتی تو فوت کے کیا معنی تھے؛ اور اُس کے لئے تندرست کو پانی موجود ہوتے ہُوئے تیمم کیونکر جائز ہوتا؛ حالانکہ رب جل وعلا فرماتا ہے: ولم تجدوا ماءً[5]

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ فی الرجل یخاف ان تفوته الصلٰوة علی الجنازة ادارة القرآن کراچی ۳/۳۰۵

[2] الکامل لابن عدی ترجمہ یمان بن سعید المصیصی دار الفکر بیروت ۷/۲۶۴۰

[3]

[4] سنن دارقطنی باب الوضوء والتیمم من آنیة المشرکین نشر السنۃ ملتان ۱/۲۰۲

[5] القرآن ۴/۴۳

(اور تمھیں پانی نہ ملے۔ ت) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایقبل اللہ صلٰوۃ احدکم اذا احدث حتی یتوضأ[1]۔ اخرجہ الشیخان وابوداؤد والترمذی عن ابوھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بے وضو جب تک وضو نہ کرے خدا اس کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ اسے بخاری ومسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اور خود حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتقبل صلٰوۃ بغیر طھور ولا صدقۃ من غلول[2]۔ اخرجہ عنہ مسلم والترمذی وابن ماجۃ۔

کوئی نماز بغیر طہارت کے، اور کوئی صدقہ مالِ خیانت سے مقبول نہیں۔ اسے حضرت ابوہریرہ سے مسلم، ترمذی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا۔ (ت)

نمازِ جنازہ میں تعجیل شرعاً نہایت درجہ مطلوب۔ صحاح ستہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، اسرعوا بالجنازۃ[3] جنازہ میں جلدی کرو۔

امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ و حاکم و ابن حبان وغیرہم امیر المؤمنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلاث لاتؤخرھن، الصلٰوۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفوا[4]۔

تین چیزوں میں دیر نہ کرو، نماز جب اُس کا وقت آجائے اور جنازہ جس وقت حاضر ہو، اور زنِ بے شوہر جب اس کا کفو ملے۔

سنن ابی داؤد میں حصین بن وحوح انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

عجلوا فانہ لاینبغی لجیفۃ مسلم ان

جلدی کرو کہ مسلمان کے جنازے کو

---

[1] صحیح البخاری باب لاتقبل الصلٰوۃ بغیر طھور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵
کتاب الحیل " ۲/ ۱۰۲۸

[2] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۱۱۹

[3] " کتاب الجنائز " ۱/ ۳۰۷

[4] المستدرک علی الصحیحین کتاب النکاح دار الفکر بیروت ۲/ ۱۶۲
جامع الترمذی ابواب الجنائز امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۲۷

یحبس بین ظھرانی اھلہ[1] روکنا نہ چاہیے۔

طبرانی بہ سند حسن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

اذامات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الی قبرہ[2] جب تم میں سے کوئی مرے تو اُسے نہ روکو اور جلد دفن کو لے جاؤ۔

ولہذا علماء فرماتے ہیں: اگر روزِ جمعہ پیش از جمعہ جنازہ تیار ہوگیا جماعتِ کثیرہ کے انتظار میں دیر نہ کریں پہلے ہی دفن کردیں۔ اس مسئلہ کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے کہ آج کل عوام میں اس کے خلاف رائج ہے۔ جنھیں کچھ سمجھ ہے وُہ تو اسی جماعتِ کثیر کے انتظار میں روکے رکھتے ہیں، اور نرے جُہّال نے اپنے جی سے اور باتیں تراشی ہیں، کوئی کہتا ہے میت بھی جمعہ کی نماز میں شریک ہوجائے، کوئی کہتا ہے نماز کے بعد دفن کریں گے تو میت کو ہمیشہ جمعہ ملتا رہے گا۔ یہ سب بے اصل وخلافِ مقصدِ شرع ہیں۔ درمختار میں ہے: یسرع فی جنازتہ[3] (جنازے میں جلدی کرے۔ ت) تنویر الابصار میں ہے:

وکرہ تاخیر صلاتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلٰوۃ الجمعۃ[4] اس مقصد سے کہ جمعہ کے بعد جماعتِ عظیم شریکِ جنازہ ہو نمازِ جنازہ اور دفن میں تاخیر مکروہ ہے (ت)

نیز جنازے پر تکثیرِ جماعت شرعاً بہت محبوب کہ اس میں میت کی اعانت جسیم اور اُس کے لئے عفوِ سیّات و رفعِ درجات کی امیدِ عظیم ہے، چالیس نمازیوں اور سَو نمازیوں کی تین حدیثیں اوپر گزریں، اور احمد اور ابوداؤد و ترمذی وابن ماجہ حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن مومن یموت فیصلی علیہ امۃ من المسلمین یبلغون ان یکونوا ثلثۃ صفوف الا غفرلہ[5] جس مسلمان کے جنازے پر مسلمانوں کا ایک گروہ کہ تین صف کے مقدار کو پہنچتا ہو نماز پڑھے اس کی مغفرت ہوجائے گی۔

---

[1] سنن ابی داؤد باب تعجیل الجنازہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۹۴

[2] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ بن عمر حدیث ۱۳۶۱۳ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۲/۴۴۴

[3] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۴

[4] درمختار شرح تنویر الابصار

[5] سنن ابی داؤد باب فی الصفوف علی الجنازہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۹۵

ترمذی کی روایت میں ہے:

من صلی علیہ ثلثۃ صفوف اوجب[1]۔ جس پر تین صفیں نماز پڑھیں اُس کے لئے جنت واجب ہوگی۔

ابن ماجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صلی علیہ مائۃ من المسلمین غفر لہ[2]۔ جس پر سو مسلمان نماز پڑھیں بخش جائے۔

نسائی ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من میت یصلی علیہ امۃ من الناس الاشفعوا فیہ[3]۔ جس مُردے پر مسلمانوں کا ایک گروہ نماز پڑھے اُن کی شفاعت اس کے حق میں قبول ہو۔

راوی حدیث ابوالملیح نے کہا: گروہ چالیس آدمی ہیں۔

طبرانی معجم کبیر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من رجل یصلی علیہ الا غفر اللہ لہ[4]۔ جس مسلمان پر سو آدمی نماز پڑھیں اللہ عزوجل اُس کی مغفرت فرمادے۔

لہذا شریعت مطہرہ نے صرف فرضیت کفایہ پر اکتفانہ فرمایا بلکہ نماز جنازہ میں نمازیوں کے لئے عظیم واعظم افضال الٰہیہ کے وعدے دئے کہ لوگ اگر نفع میت کے خیال سے جمع نہ ہوں گے اپنے فائدے کے لئے دوڑیں گے، اس بارے میں چھ میں چھ حدیثیں اوپر گزریں، اور صحاح ستہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من شھد الجنازۃ حتی یصلی علیھا فلہ جو نماز ہونے تک جنازہ میں حاضر رہے اس کے لئے

---

[1] جامع الترمذی ابواب الجنائز امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۲۲

[2] سنن ابن ماجہ باب ما جاء فیمن صلی علیہ جماعۃ من المسلمین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۸

[3] سنن النسائی فضل من صلی علیہ مائۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۸۲

[4] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر باب فیمن صلی علیہ جماعۃ دارالکتاب بیروت ۳/ ۳۶

قیراط ومن شھدھا حتی تدفن فلہ قیراطان قیل وما قیراطان قال مثل الجبلین العظیمین[1]۔ ولمسلم اصغرھا مثل احد[2]۔

ایک دانگ ثواب ہے اور دفن تک حاضر رہے تو دو دانگ، جیسے بڑے دو پہاڑ، ان میں کا چھوٹا کوہِ اُحد کے برابر۔

اسی کے مثل مسلم وابن ماجہ نے حضرت ثوبان اور امام احمد نے بسندِ صحیح قیراط نماز کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی، اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اتبع جنازۃ حتی یقضی دفنھا کتب لہ ثلثۃ قراریط القیراط منھا اعظم من جبل اُحد[3]۔

جو کسی جنازہ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ دفن ہوچکے اُس کے لئے تین قیراط اجر لکھا جائے، ہر قیراط کوہِ اُحد سے بڑا۔

بزار کی یہاں حدیث موقوف ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے: جو کسی جنازہ میں اہلِ جنازہ کے پاس تک جائے اُس کے لئے ایک قیراط ہے، پھر اگر جنازہ کے ساتھ تک چلے تو ایک قیراط اور ملے اور نماز پر تیسرا اور دفن پر انتظار تک چوتھا قیراط پائے۔

ابن ماجہ امیرالمومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے راوی:

من غسل میتا وکفنہ وحنطہ وحملہ وصلی علیہ ولم یفش علیہ ما رای خرج من خطیئتہ مثل ما ولدتہ امہ[4]۔

جو کسی میّت کو نہلائے، کفن پہنائے، خوشبو لگائے، جنازہ اٹھائے، نماز پڑھے اور جو ناقص بات نظر آئے اُسے چھپائے وُہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہوجائے جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہُوا تھا۔

اب اگر نمازِ جنازہ میں تکرار کی اجازت دیتے ہیں تو لوگ تسویف وکسل کی گھاٹی میں پڑیں گے۔ کہیں گے کہ جلدی کیا ہے اگر ایک نماز ہوچکی ہم دوبارہ پڑھ لیں گے، اس تقدیر پر اگر لوگوں کا انتظار کیا جائے تو جنازہ کو دیر ہوتی ہے اور جلدی کیجئے تو جماعت ہلکی رہتی ہے اور دونوں باتیں مقصودِ شرع کے خلاف، لاجرم مصلحت

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۰۷

[2]

[3] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب تجہیز المیت دارالکتاب بیروت ۳/۲۰

[4] سنن ابن ماجہ باب ما جاء فی غسل المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۶

شرعیہ اسی کی مقتضی ہوئی کہ تکرار کی اجازت نہ دیں جب لوگ جانیں گے کہ اگر نماز ہوچکی تو پھر نہ ملے گی اور ایسے افضال عظیمہ ہاتھ سے نکل جائیں گے تو خواہی نہ خواہی جلدی کرتے حاضر آئیں گے اور میت کے فائدے اور اپنے بھلے کے لئے جلد جمع ہوجائیں گے اور شرع مطہر کے دونوں مقصد باحسن وجوہ رنگ ظہور پائیں گے۔

الحمدللہ! یہ ایک ادنٰی شمہ ہے اس الٰہی عالم ربانی حاکم کی نظر حقائق نگر کا جو مصداق اعلٰی عظیم بشارت والاانس حدیث صحیح کا ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لوکان العلم معلقا بالثریا لتناولہ قوم من ابناء فارس[1] رواہ الامام احمد فی المسند وابونعیم فی الحلیۃ عن ابی ھریرۃ والشیرازی فی الالقاب عن قیس بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

علم اگر ثریا پر معلق ہوتا تو اولادِ فارس سے کچھ لوگ اسے وہاں سے بھی لے آتے۔ اسے امام احمد نے مسند میں اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابوہریرہ سے اور شیرازی نے القاب میں حضرت قیس بن سعد سے روایت کیا۔ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اعنی امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ جن کی رائے منیرہ نظر بے نظیر تمام مصالح شرعیہ کو محیط وجامع، اور مومنین کے لئے ان کی حیات وموت میں خیر محض ونافع

فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین کل خیر وقاہ وتابعیہ بحسن الاعتقاد کل ضر وضیر آمین یا ارحم الرٰحمین والحمدللہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحابتہ ومجتھدی ملتہ اجمعین اٰمین!

تو خدا اسلام اور مسلمانوں کی جانب سے انھیں خیر کا صلہ دے اور انھیں اور حُسنِ اعتقاد کے ساتھ ان کا اتباع کرنے والوں کو ہر تکلیف اور نقصان سے بچائے، اور سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! قبول فرما۔ اور سب خوبیاں اللہ کیلئے جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔ اور خدائے برتر ہمارے آقا و مولا حضرت محمد، ان کی آل، ان کے صحابہ اور ان کے دین کے مجتہدین سب پر درود و سلام نازل فرمائے۔ الٰہی! قبول فرما!

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۹۷، ۴۲۰، ۴۲۲، ۴۶۹
حلیۃ الاولیاء ترجمہ نمبر ۳۲۸ شہر بن حوشب دارالکتاب العربی بیروت ۶/ ۶۴
جامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۷۴۶۴ دارالمعرفۃ بیروت ۵/ ۳۲۳

الحمد للہ کہ یہ مجمل و مختصر عجالہ سلخ رجب کو غرہ سمائے تمام ہوا اور بلحاظ تاریخ النھی الحاجز عن تکرار صلوۃ الجنائز نام ہوا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۴۳ از شہر چاٹگام موضع چرباکلیہ مکان روشن علی مستری مرسلہ منشی محمد اسمٰعیل ۱۳ شوال ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز کے مرتبہ پڑھی گئی، اور اول کس شخص نے پڑھائی تھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ وآلہ وبارک وسلم۔ سائل کو جواب مسئلہ سے زیادہ نافع یہ بات ہے کہ درود شریف کی جگہ جو عوام وجہال صلعم یا ع یا م یا ص یا صللم لکھا کرتے ہیں محض مہمل و جہالت ہے۔ القلم احدی اللسانین (قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے۔ ت) جیسے زبان سے درود شریف کے عوض یہ مہمل کلمات کہنا درود کو ادا نہ کرے گا یونہی ان مہملات کا لکھنا درود لکھنے کا کام نہ دے گا، ایسی کوتاہ قلمی سخت محرومی ہے۔ میں خوف کرتا ہوں کہ کہیں ایسے لوگ فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم[1] (تو ظالموں نے بدل ڈالی وہ بات جو ان سے کہی گئی تھی۔ ت) میں داخل ہوں۔ نام پاک کے ساتھ ہمیشہ پورا درود لکھا جائے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ جنازہ اقدس پر نماز کے باب مختلف ہیں۔ ایک کے نزدیک یہ نماز معروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر آتے اور صلوۃ وسلام عرض کرتے بعض احادیث بھی اس کی مؤید ہیں کما بیناھا فی رسالتنا النھی الحاجز عن تکرار صلوۃ الجنائز (جیسا کہ انھیں ہم نے اپنے رسالہ النھی الحاجز عن تکرار صلوۃ الجنائز میں بیان کیا ہے۔ ت) اور بہت علماء یہی نماز معروف مانتے ہیں، امام قاضی عیاض نے اسی کی تصحیح فرمائی کما فی شرح الموطا للزرقانی (جیسا کہ علامہ زرقانی کی شرح موطا میں ہے۔ ت) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ تسکین فتن وانتظام امت میں مشغول جب تک ان کے دست حق پرست پر بیعت نہ ہوئی تھی، لوگ فوج فوج آتے اور جنازہ انور پر نماز پڑھتے جاتے، جب بیعت ہولی ولی شرعی صدیق ہوئے انھوں نے جنازہ مقدس پر نماز پڑھی، پھر کسی نے نہ پڑھی کہ بعد صلوۃ ولی پھر اعادہ نماز جنازہ کا اختیار نہیں۔ ان تمام مطالب کی تفصیل قلیل فقیر کے رسالہ مذکورہ میں ہے۔ مبسوط امام شمس الائمہ

---

[1] القرآن ۲/ ۵۹

سرخسی میں ہے:

ان ابا بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کان مشغولا بتسویۃ الامور وتسکین الفتنۃ فکانوا یصلون علیہ قبل حضورہ وکان الحق لہ لانہ ھو الخلیفۃ فلما فرغ صلی علیہ ثم لم یصل احد بعدہ علیہ[۱]۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ معاملات درست کرنے اور فتنہ فرو کرنے میں مشغول تھے لوگ ان کی آمد سے پہلے آکر صلٰوۃ پڑھتے جاتے، اور حق ان کا تھا اس لئے کہ وہ خلیفہ تھے، تو جب فارغ ہوئے نماز پڑھی، پھر اس کے بعد نماز نہ پڑھی گئی۔ (ت)

بزار وحاکم وابن منیع وبیہقی اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا غسلتمونی وکفنتمونی فضعونی علٰی سریری ثم اخرجوا عنی فان اول من یصلی علی جبریل ثم میکائیل ثم اسرافیل ثم ملک الموت مع جنودہ من الملٰئکۃ باجمعھم ثم ادخلوا علی فوجا بعد فوج فصلوا علی وسلموا تسلیما[۲]۔

جب میرے غسل وکفن سے فارغ ہو مجھے نعش مبارک پر رکھ کر باہر چلے جاؤ سب سے پہلے جبریل مجھ پر صلٰوۃ کریں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ پھر گروہ گروہ میرے پاس حاضر ہوکر مجھ پر درود وسلام عرض کرتے جاؤ۔

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

---

[۱] مبسوط امام سرخسی　باب غسل المیت　دار المعرفۃ بیروت　۲/ ۶۷

[۲] المستدرک علی الصحیحین　کتاب المغازی　دار الفکر بیروت　۳/ ۶۰
شرح الزرقانی علی موطا لامام مالک بحوالہ البزار باب ۱۴۹　المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر　۲/ ۶۶

الهادی الحاجب عن جنازة الغائب

۱۳۲۶ھ

(غائب کی نماز جنازہ سے روکنے والا ہادی)

مسئلہ ۸۵ تا ۸۷ از معسکر بنگلور رجامع مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب مدراسی ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف رحمکم اللہ تعالٰی کہ حنفی مذہب[۱] میں نماز جنازہ مع اولیائے میت پڑھ لئے ہوں پھر دوبارہ پڑھنا اور[۲] نماز جنازہ غائب پر پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ اور[۳] اگر امام شافعی مذہب ہو تو اس کے اقتدا سے ہم حنفیوں کو یہ دونوں امر جائز ہو جائیں گے یا نہیں ؟ یہ حیلہ ہمارے مذہب میں کچھ اصل ہے یا نہیں ؟ ہمارے بلاد دکن اضلاع بنگلور و مدراس میں ان مسئلوں کی اشد ضرورت ہے ۔ اُمید کہ عبارات عام فہم ہوں گی ۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی لایشفع عندہٗ الا باذنہ والصلوٰۃ والسلام علی من امرنا بالوقوف عند حدود دینہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ قدر کمالہ وحسنہ اٰمین ط

تمام تعریف اللہ کے لئے جس کے حضور اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ، اور درود و سلام ہو ان پر جنھوں نے دین کی حدود پر رُک جانے کا حکم دیا ، اور ان کی آل و اصحاب پر حضور کے حسن و کمال کے بقدر ۔ الٰہی قبول فرما !

جوابِ سوالِ اوّل: مذہب مہذب حنفی میں جبکہ ولی[عہ۱] نماز پڑھ چکا یا اس کے اذن سے ایک بار نماز ہوچکی (اگرچہ یونہی کہ دوسرے نے شروع کی ولی شریک ہوگیا) تو اب دوسروں کو مطلقاً جائز نہیں، نہ ان کو جو پڑھ چکے نہ اُن کو جو باقی رہے۔ ائمہ حنفیہ کا اس پر اجماع ہے، جو اس کا خلاف کرے مذہب حنفی کا مخالف ہے۔ تمام کتبِ مذہب متون و شروح و فتاوٰی اس کی تصریحات سے گونج رہی ہیں۔ اس مسئلہ کی پُوری تحقیق و تنقیح فقیر کے رسالہ النہی الحاجز عن تکرار صلوٰۃ الجنائز میں بفضلہٖ بروجہ اتم ہوچکی ہے یہاں صرف نصوص و عباراتِ ائمہ و علمائے حنفیہ خصہم اللہ تعالٰی بالطافہ الخفیہ ذکر کریں اور ازانجا کہ یہ تحریر فائدہ جدیدہ سے خالی نہ ہو، ان میں جدت و زیادت کا لحاظ رکھیں، و باللہ التوفیق یہاں کلام بنظر انتظام[عہ۲] مرام چند انواع پر خواہان انقسام:

نوعِ اوّل: نماز جنازہ دوبارہ روا نہیں۔

(۱) درمختار میں ہے: تکرارھا غیر مشروع[۱] نمازِ جنازہ کی تکرار جائز نہیں۔

(۲) غنیہ شرح منیہ میں ہے: تکرار الصلوٰۃ علی میت واحد غیر مشروع[۲] ایک میّت پر دوبارہ نماز ناجائز ہے۔

(۳) امام اجل مفتی الجن والانس سیدی نجم الدین عمر نسفی اُستاذ امام اجل صاحب ہدایہ رحمہما اللہ تعالٰی منظومہ مبارکہ میں فرماتے ہیں:

عہ۱: المراد بالولی ھٰھنا ھو الاحق وبغیرہ من لیس لہ الحق فاحفظ وسیأتی التفصیل ۱۲ منہ (م)

یہاں ولی سے مراد وُہ ہے جو سب سے زیادہ حقدار ہے، اور غیر ولی سے مراد وُہ جس کا حق نہیں یہ ذہن نشین رہے، تفصیل آگے آئیگی ۱۲ منہ (ت)

عہ۲: ہر نوع بعونِ الٰہی نفیس وجلیل مسائل پر مشتمل ہوگی کہ اس باب میں جن کی حاجت واقع ہُوئی اور محل خلاف میں قول ارجح کی طرف بھی اجمالی اشارہ ہوگا و باللہ التوفیق ۱۲ منہ (م)

---

[۱] درمختار　　باب صلوٰۃ الجنائز　　مطبع مجتبائی دہلی　　۱/۱۲۳

[۲] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی　　فصل فی الجنائز　　سہیل اکیڈمی لاہور　　ص ۵۹

20
20

باب فتاوی الشافعی وحدہ وما بہ قال وقلنا ضدہ
وجائز فی فعلہا التکرار وفی القبور[عہ] یدخل الاوتار[۱]

یعنی نمازِ جنازہ کی تکرار جائز ہونا صرف امام شافعی کا قول ہے ہمارے نزدیک جائز نہیں۔

(۴) ایضاح امام ابوالفضل کرمانی (۵) فتاوی عالمگیریہ (۶) جامع الرموز میں ہے: لا یصلی علی میت الامرۃ واحدۃ[۲] کسی میت پر ایک بار سے زیادہ نماز نہ پڑھی جائے۔

(۷) علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

سقوط فرضہا بواحد فلواعادوا تکررت ولم تشرع مکررۃ[۳]۔ نمازِ جنازہ کا فرض ایک کے پڑھنے سے ساقط ہوجاتا ہے اب اگر پڑھیں تو مکرر ہوجائے گی اور وہ مکرر مشروع نہیں۔

بحرالرائق وشامل بیہقی وغیرہما کی عبارات نوع سوم میں آتی ہیں اور حلیہ کی چہارم اور غنایہ کی دہم میں۔

(۸) مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی (۹) نہایہ شرح ہدایہ (۱۰) منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق میں ہے:

لاتعاد الصلوٰۃ علی المیت الا ان یکون الولی ہوالذی حضر فان الحق لہ ولیس لغیرہ ولایۃ اسقاط حقہ[۴]۔ کسی میت پر دو دفعہ نماز نہ ہو، ہاں اگر ولی آئے تو حق اس کا ہے اور دوسرا اس کا حق ساقط نہیں کرسکتا۔

نوعِ دوم: دوبارہ پڑھیں تو نفل ہوگی اور یہ نماز بطور نفل جائز نہیں۔

(۱۱) ہدایہ (۱۲) کافی شرح وافی للامام الاجل ابی البرکات النسفی (۱۳) تبیین الحقائق شرح

عہ لایدخل القبر عندہ لوضع المیت الا الوتر وعندنا الوتر والشفع سواء ۱۲ منہ (م)
امام شافعی کے نزدیک میت کو اتارنے کے لئے قبر میں جانے والوں کی تعداد طاق ہی ہوگی اور ہمارے نزدیک طاق اور جفت یکساں ہیں۔ ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] منظومہ مبارکہ نجم الدین عمر بن محمد نسفی
[۲] جامع الرموز فصل فی الجنائز مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۸۵
فتاوی ہندیہ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۳
[۳] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب صلوٰۃ الجنائز دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۷۱
[۴] منحۃ الخالق حاشیۃ علی البحرالرائق فصل فی السلطان احق بصلوٰتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۲

کنز الدقائق للامام الزیلعی (۱۴) جوہرۂ نیرہ شرح مختصر القدوری (۱۵) درر شرح غرر (۱۶) بحر الرائق شرح شرح الکنز للعلامہ زین (۱۷) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر (۱۸) مستخلص الحقائق شرح کنز (۱۹) حلبی علی المنیہ میں ہے:

الفرض یتادی بالاول والتنفل بھا غیر مشروع (ت ادف التبیین) ولهذا لایصلی علیه من صلی علیه مرۃ۔[1]

فرض تو پہلی نماز سے ادا ہوجاتا ہے اور یہ نماز نفل کے طور پر جائز نہیں اس لئے جو ایک بار پڑھ چکا دوبارہ نہ پڑھے۔

کافی کے الفاظ یہ ہیں:

حق المیت یتادی بالفریق الاول و سقط الفرض بالصلٰوۃ الاولٰی فلو فعله الفریق الثانی لکان نفلا وذا غیر مشروع کمن صلی علیه مرۃ۔[2]

میت کا حق پہلے فریق نے ادا کردیا اور فرض کفایہ نماز اوّل سے ساقط ہوگیا، اب اور لوگ پڑھیں تو نماز نفل ہوگی اور یہ جائز نہیں جیسے ایک بار پڑھ چکنے والے کو دوبارہ کی اجازت نہیں۔

(۲۰) شرح تجرید کرمانی (۲۱) فتاوٰی ہندیہ (۲۲) مراقی الفلاح علامہ شرنبلالی میں ہے:

التنفل بصلٰوۃ الجنازۃ غیر مشروع[3] نماز جنازہ بطور نفل جائز نہیں۔

(۲۳) امام محمد محمد بن امیر الحاج حلیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

المذهب عند اصحابنا ان التنفل بها غیر مشروع۔[4]

ہمارے اماموں کا مذہب یہ ہے کہ نماز جنازہ نفلاً روا نہیں۔

(۲۴) بحر العلوم ملک العلماء رسائل الارکان میں فرماتے ہیں:

لوصلوا لزم التنفل بصلٰوۃ الجنازۃ و ذا غیر جائز۔[5]

پھر پڑھیں تو نماز جنازہ بطور نفل پڑھنی لازم آئیگی اور یہ ناجائز ہے۔

---

[1] تبیین الحقائق — باب الجنائز — مطبعۃ کبرٰی امیریہ مصر — ۱/۲۴۰
[2] کافی
[3] فتاوٰی ہندیۃ — الفصل الخامس فی الصلٰوۃ علی المیت — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۱۶۳
[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[5] رسائل الارکان — فصل فی حکم الجنازۃ — مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ — ص ۱۵۵

ردالمحتار کی عبارت نوعِ ششم میں آئے گی۔

نوعِ سوم[3]: یہاں تک کہ اگر سب مقتدی بے طہارت یا سب کے کپڑے نجس تھے یا نجس جگہ کھڑے تھے یا عورت امام اور مرد مقتدی تھے، غرض کسی وجہ سے جماعت بھر کی نماز باطل اور فقط امام کی صحیح ہوئی اب اعادہ نہیں کرسکتے کہ اکیلے امام سے فرض ساقط ہوگیا، ہاں اگر قوم میں کوئی وجہِ بطلان نہ تھی امام میں تھی تو پھر پڑھی جائیگی کہ جب امام کی صحیح نہ ہوئی کسی کی صحیح نہ ہوئی۔

(۲۵) خلاصہ (۲۶) بزازیہ (۲۷) محیط (۲۸) بدائع امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی (۲۹) شامل للامام البیہقی (۳۰) تجرید للامام ابی الفضل (۳۱) مفتاح (۳۲) جواہر اخلاطی (۳۳) قنیہ (۳۴) مجتبٰی (۳۵) شرح التنویر للعلائی (۳۶) اسمٰعیل مفتی دمشق تلمیذ صاحبِ درمختار (۳۷) ردالمحتار (۳۸) ہندیہ (۳۹) بحر (۴۰) حلیہ (۴۱) رحمانیہ میں ہے:

بعضھم یزید علٰی بعض والنظم للدر امّ بلاطھارۃ والقوم بھا اعیدت وبعکسہ لاکما لوامت امراۃ ولوامۃ لسقوط فرضھا بواحد[1]۔	امام طہارت سے نہ تھا اور مقتدی طہارت پر تو نماز پھیری جائے اور عکس میں نہیں جیسے جبکہ عورت امام ہو اگرچہ کنیز ہو کہ فرض ایک کے پڑھ لینے سے ساقط ہوگیا۔

محیط وبحرالرائق کے لفظ یہ ہیں:

لوکان الامام علٰی طھارۃ والقوم علٰی غیرھا لاتعاد لان صلٰوۃ الامام صحت فلواعادوا تکررت الصلٰوۃ وانہ لایجوز[2]۔	امام طہارت پر ہو اور مقتدی بے طہارت تو نماز نہ پھیری جائے گی کہ امام کی نماز صحیح ہوگئی۔ اب اگر پھیریں تو نمازِ جنازہ دوبارہ ہوگی اور یہ ناجائز ہے۔

شامل بیہقی کے لفظ یہ ہیں:

وان کان القوم غیر طاھر لاتعاد لان الاعادۃ لاتجوز[3]۔	اگر مقتدی بے طہارت ہوں نماز نہ پھیریں کہ یہ نماز دوبارہ جائز نہیں۔

نوعِ چہارم[4]: جب ولی خود یا اس کے اذن سے دوسرا نماز پڑھائے یا ولی خود ہی تنہا پڑھ لے تو اب

---

[1] درمختار	باب صلٰوۃ الجنازۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۲۱
[2] بحرالرائق	فصل السلطان احق بصلٰوتہ	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۲/۱۷۹
[3] شامل بیہقی			

کسی کو نمازِ جنازہ کی اجازت نہیں۔

21/21

(۴۲) کنز الدقائق (۴۳) وافی للامام اجل ابی البرکات النسفی (۴۴) وقایہ (۴۵) نقایہ للامام صدر الشریعۃ (۴۶) غرر للعلامہ مولی خسرو (۴۷) تنویر الابصار وجامع البحار، شیخ الاسلام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی (۴۸) ملتقی الابحر (۴۹) اصلاح للعلامہ ابن کمال پاشا (۵۰) فتح القدیر للامام المحقق علی الاطلاق (۵۱) شرح منیہ ابن امیر الحاج (۵۲) شرح نور الایضاح للمصنف میں ہے:

واللفظ لمتن العلامۃ ابراھیم الحلبی لا یصلی غیر الولی بعد صلوتہ[1]۔ (علامہ ابراہیم حلبی کے متن کے الفاظ یہ ہیں۔ت) ولی کے بعد کوئی شخص نمازِ جنازہ نہ پڑھے۔

امام ابن الہمام کے الفاظ یہ ہیں:

ان صلی الولی وان کان وحدہ لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ[2]۔ ولی اگرچہ تنہا نماز پڑھ لے اس کے بعد کسی کو پڑھنا جائز نہیں۔

یوں ہی مراقی الفلاح میں فرمایا:

لا یصلی احد علیھم بعدہ وان صلی وحدہ ولی[3]۔ ولی اکیلا ہی پڑھ چکا جب بھی اس کے بعد کوئی نہ پڑھے۔

حلیہ کی عبارت یہ ہے:

قال علماؤنا اذا صلی علی المیت من لہ ولایۃ ذلک لا تشرع الصلوۃ علیہ ثانیا لغیرہ[4]۔ ہمارے علماء نے فرمایا جب میت پر صاحبِ حق نماز پڑھ لے پھر کسی کو اس پر نماز مشروع نہیں۔

(۵۳) مختصر قدوری (۵۴) ہدایہ للامام الاجل ابی الحسن علی بن عبدالجلیل الفرغانی (۵۵) نافع متن مستصفی للامام ناصر الدین ابی القاسم المدنی السمرقندی (۵۶) شرح الکنز للعلامۃ ابن نجیم (۵۷) شرح الملتقی للعلامۃ شیخی زادہ (۵۸) شرح النقایہ للقہستانی (۵۹) ابراہیم الحلبی علی المنیہ

---

[1] ملتقی الابحر فصل فی الصلوۃ علی المیت موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۱۵۹

[2] فتح القدیر " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۸۴

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل السلطان احق بصلوتہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۴

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

(۶۰) شرح مسکین للکنز (۶۱) برجندی شرح نقایہ میں ہے:

ان صلی علیہ الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ[1] — اگر جنازے پر ولی نماز پڑھ لے تو اب کسی کو پڑھنا جائز نہیں۔

غنیہ کے لفظ یہ ہیں:

عدم جواز صلوٰۃ غیر الولی بعدہ مذھبنا[2] — ولی کے بعد سب کو نماز ناجائز ہونا ہمارا مذہب ہے۔

(۶۲) مستصفٰی للامام النسفی (۶۳) شلبیہ علی الکنز میں ہے:

لو لم یحضر السلطان وصلی الولی لیس لاحد الاعادۃ[3] — اگر سلطان حاضر نہ ہو اور ولی پڑھ لے اب کوئی اعادہ نہیں کر سکتا۔

نوع پنجم: کچھ ولی کی خصوصیت نہیں۔ حاکم اسلام یا امام مسجد جامع یا امام مسجد محلہ میت کے بھی پھر دوسروں کو اجازت نہیں کہ یہ بھی صاحبِ حق ہیں۔

(۶۴) امام فخر الدین عثمان نے شرح کنز میں بعد مسئلہ ولی فرمایا:

وکذا بعد امام الحی وبعد کل من یتقدم علی الولی[4] — یعنی یونہی اگر مسجد محلہ میت کا امام یا سلطان وغیرہ حکام اسلام نمازِ جنازہ پڑھ لیں تو پھر اوروں کو نماز کی اجازت نہیں۔

(۶۵) فاتح شرح قدوری (۶۶) ذخیرۃ العقبٰی علی صدر الشریعت (۶۷) حواشی سید حموی میں ہے:

تخصیص الولی لیس بقید لانہ لو صلی — کچھ ولی کی خصوصیت نہیں بلکہ سلطان وغیرہ جو

---

[1] المختصر للقدوری — باب الجنائز — مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور بھارت — ص ۴۵
الہدایہ — فصل فی الصلوٰۃ علی المیت — المکتبۃ العربیۃ کراچی — ۱/۱۶۰
شرح النقایۃ للبرجندی — فصل فی صلوٰۃ الجنائز — منشی نولکشور لکھنؤ — ۱/۱۸۱
[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی — فصل فی الجنائز — سہیل اکیڈمی لاہور — ص ۵۸۵
[3] شلبی علی الکنز علی ہامش تبیین الحقائق — باب الجنائز — مطبعہ کبرٰی امیریہ مصر — ۱/۲۳۸
[4] تبیین الحقائق — " — " — ۱/۲۴۰

السلطان اوغیرہ ممن ھو اولٰی من الولی لیس لاحد ان یصلی بعدہ[1] | ولی سے اولٰی ہیں اُن کے بعد بھی کسی کو پڑھنا جائز نہیں۔

(۶۸) فتح القدیر (۶۹) فتح اللہ المعین میں ہے:

اذا منعت الاعادۃ بصلوٰۃ الولی فبصلوٰۃ من ھو مقدم علی الولی اولٰی[2] | جب ولی کے بعد دوسرے کو اجازت نہیں تو سلطان وغیرہ کہ اس سے بھی مقدم ہیں، ان کے بعد اجازت نہ ہونا بدرجۂ اولٰی۔

(۷۰) قہستانی علی مختصر الوقایہ میں ہے:

لایجوز ان یصلی غیر الاحق بعد صلوٰۃ الولی والاحق وغیرہ[3] | جو اس نماز میں صاحبِ حق ہیں ان میں کسی کے پڑھنے کے بعد غیر کو پڑھنا جائز نہیں۔

حلیہ کی عبارت نوعِ چہارم میں گزری۔

نوعِ ششم: ولی وغیرہ ذی حق جس صورت میں اپنے حق کے لئے اعادہ کرسکتے ہیں۔ اس حال میں بھی جو پہلے پڑھ چکا ان کی نماز میں شریک نہیں ہوسکتا۔

(۷۱) نورالایضاح (۷۲) درمختار (۷۳) بحرالرائق (۷۴) قنیہ (۷۵) شرح مختصر الوقایۃ للعلامۃ عبدالعلی (۷۶) شرح الملتقی للعلامہ عبدالرحمٰن رومی (۷۷) غنیہ ذوی الاحکام للعلامۃ الشرنبلالی (۷۸) شرح منظومہ ابن وہبان للعلامۃ ابن الشحنہ (۷۹) خادمی علی الدرر میں ہے:

واللفظ لہ لیس لمن یصلی اولا ان یعید مع الولی[4] | (اور ان کے الفاظ یہ ہیں۔ ت) جو ایک بار پڑھ چکا وہ ولی کے ساتھ اعادہ نہیں کرسکتا۔

(۸۰) فتح القدیر میں ہے:

ولذا قلنا لم یشرع لمن صلی مرۃ | اسی لئے ہمارا مذہب ہے کہ جو ایک بار پڑھ چکا

---

[1] ذخیرۃ العقبٰی علی صدر الشریعۃ | باب الجنائز | منشی نولکشور کانپور | ۱/۱۱۸
[2] فتح القدیر | فصل فی الصلوٰۃ علی المیت | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۲/۸۴
فتح اللہ المعین بحوالہ سید حموی | فصل فی السلطان احق بصلوٰتہ | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۳۵۳
[3] جامع الرموز | فصل فی الجنائز | مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران | ۱/۲۸۴
[4] خادمی علی الدرر | باب الجنائز | مطبعہ عثمانیہ دار سعادت ترکی | ص ۹۹

التکرر[1] اُسے پھر پڑھنا جائز نہیں۔

(۸۱) شامی علی الدر میں ہے:

لان اعادتہ تکون نفلا من کل وجہ بخلاف الولی لانہ صاحب الحق[2]۔ اس لئے کہ اس کا اعادہ ہر طرح نفل ہی ہوگا، اور یہ جائز نہیں بخلاف ولی کے کہ صاحبِ حق ہے۔

نوع ہفتم: جب ولی نے دوسرے کو اذن دے دیا اگرچہ آپ شریکِ نماز نہ ہوا، یا کوئی اجنبی بے اذنِ ولی خود ہی پڑھ گیا مگر ولی شریکِ نماز ہوگیا تو ان صورتوں میں ولی بھی اعادہ نہیں کرسکتا۔

(۸۲) جوہرہ میں ہے:

ان اذن الولی لغیرہ فصلی لاتجوز لہ الاعادۃ[3]۔ اگر ولی کے اذن سے دوسرے نے پڑھ لی تو اب ولی کو بھی اعادہ جائز نہیں۔

(۸۳) بحر میں ہے:

اذن لغیرہ بالصلوۃ لاحق لہ فی الاعادۃ[4]۔ ولی جب دوسرے کو نماز کا اذن دے دے اب اسے اعادہ کا حق نہیں۔

(۸۴) فتاوٰی امام قاضی خاں (۸۵) فتاوٰی ظہیریہ (۸۶) فتاوٰی ولوالجیہ (۸۷) واقعات (۸۸) تجنیس للامام صاحب ہدایہ (۸۹) فتاوٰی عتابیہ (۹۰) فتاوٰی خلاصہ (۹۱) عنایہ شرح ہدایہ (۹۲) نہایہ اول شروح ہدایہ (۹۳) منیہ (۹۴) حلبی (۹۵) عبدالحلیم رومی علی الدرر (۹۵) شلبی علی زیلعی الکنز (۹۶) حلیہ (۹۷) برجندی (۹۸) بحر (۹۹) رحمانیہ (۱۰۰) شرح علائی (۱۰۱) ہندیہ میں ہے:

واللفظ للعنایۃ عن الولوالجی وللشلبی عن النہایۃ عن الولوالجی والظہیریۃ والتجنیس وللبحر عنہم وعن الواقعات رجل صلی علی جنازۃ والولی خلفہ و (الفاظ عنایہ، شلبی اور بحر کے ہیں۔ عنایہ میں ولوالجی سے منقول ہے اور شلبی میں نہایہ سے اُس میں ولوالجی، ظہیریہ اور تجنیس سے نقل ہے اور بحر میں ان سب سے اور واقعات سے نقل

---

[1] فتح القدیر فصل الصلوۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸۴

[2] ردالمحتار باب صلوۃ الجنائز مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۵۲

[3] الجوہرۃ النیرہ باب التیمم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۷

[4] بحرالرائق ″ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۵۷

لم یرض به ان تابعه وصلی معه لایعید لانه صلی مرۃ۔[1]

ہے۔ت) ایک شخص نے نماز پڑھائی اور ولی راضی نہ تھا لیکن شریک ہوگیا تو اب اعادہ نہ کرے گا کہ ایک بار پڑھ چکا۔

نوعِ ہشتم: یونہی اگر سلطان وغیرہ ذی حق کہ ولی سے مقدم ہیں پڑھ لیں یا خود نہ پڑھ لیں۔ ان کے اذن سے کوئی پڑھ دے جب بھی ولی کو اختیارِ اعادہ نہیں۔

(۱۰۲ تا ۱۱۹) ۸۴ سے ۱۰۱ تک تمام کتبِ مذکورہ (۱۲۰) فتح القدیر (۱۲۱) فتح المعین میں ہے:

اما من ذکرنا لفظہم انفا فبالفاظ متفقۃ والباقون بمعانی متقاربۃ، وھذا لفظ الخانیۃ ان کان المصلی سلطانا او الامام الاعظم او القاضی او والی مصر او امام حیہ لیس للولی ان یعید فی ظاھر الروایۃ زاد الذین سقنا لفظہم لانھم اولی بالصلٰوۃ منہ۔[2]

جن کی عبارت ابھی ہم نے ذکر کی وہ بہ الفاظِ متفقہ اور باقی بمعانی متقاربہ بیان کرتے ہیں اور یہاں عبارت خانیہ کی ہے۔ت) اگر امیر المومنین یا سلطانِ اسلام یا قاضی یا والیِ شہر یا امامِ مسجدِ محلہ نے نماز پڑھ لی تو ہمارے ائمہ سے ظاہر الروایۃ میں ولی کو بھی اعادہ کا اختیار نہیں کہ یہ لوگ اس نماز کے حق میں ولی سے مقدم ہیں۔

(۱۲۲) غنیہ (۱۲۳) حلیہ (۱۲۴) بحر (۱۲۵) طحطاوی علی مراقی الفلاح سب کے باب تیمم میں ہے:

لوصلی من لہ حق التقدم کالسلطان ونحوہ لایکون لہ حق بالاعادۃ۔[3]

سلطان وغیرہ جو ولی پر مقدم ہیں ان کے پڑھ لینے کے بعد ولی کو حقِ اعادہ نہیں۔

کفایہ و مستخلص کی عبارت نوعِ دہم میں آتی ہے۔ امام عتابی نے مثل عبارت مذکورہ خانیہ ذکر کیا اور ان کی گنتی میں جو ولی پر مقدم ہیں امام مسجد جامع کو بھی بڑھایا۔ اور درایہ پھر نہر پھر درمختار اور جوامع الفقہ اور پھر شرنبلالیہ میں تصریح فرمائی کہ امامِ جامع امامِ محلہ پر مقدم ہے۔

---

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر فصل فی الصلٰوۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی غسل المیت الخ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹۲

[3] بحر الرائق فصل فی السلطان احق بصلٰوتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۱

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۱

(۱۲۶) درایہ شرح ہدایہ (۱۲۷) شلبیہ علی الکنز میں ہے :

ولوصلی امام المسجد الجامع لاتعاد[1] | جامع مسجد کا امام پڑھ لے تو پھر اعادہ نہیں۔

(۱۲۸) مجمع البحار (۱۲۹) شرح مجمع (۱۳۰) بحر (۱۳۱) ردالمحتار میں ہے :

امام الحی کالسلطان فی عدم اعادۃ الولی[2] | امام محلہ بھی اس امر میں مثل سلطان ہے کہ اس کے بعد ولی کو اعادہ جائز نہیں۔

تنبیہ : امام عتابی نے ولی پر تقدیم امام میں یہ شرط لگائی کہ ولی سے افضل ہو ورنہ ولی ہی اولٰی ہے۔ یہ شرط شرنبلالیہ میں معراج الدرایہ اور دُرمختار میں مجتبٰے و شرح المجمع لمصنفہ سے نقل فرمائی۔ حلیہ میں اسے عتابی سے بحوالہ شرح مجمع اور امام بقالی سے بحوالہ مجتبٰے نقل کرکے فرمایا وھو احسن یہ کلام عمدہ ہے۔ اسی طرح بحرالرائق میں فرمایا۔

(۱۳۲) خانیہ (۱۳۳) وجیز کردری (۱۳۴) عالمگیریہ (۱۳۵) خزانۃ المفتین میں ہے :

واللفظ للوجیز مات فی غیر بلدہ فصلی علیہ غیر اھلہ ثم حملہ اھلہ الی منزلہ ان کانت الصلٰوۃ الاولٰی باذن الوالی او القاضی لاتعاد[3] | (عبارت "وجیز" کی ہے۔ ت) غیر شہر میں مرا اجنبی لوگوں نے نماز پڑھ لی پھر اس کے اقارب آئے اسے اس کے وطن لے آئے، اگر پہلی نماز حاکم اسلام یا قاضی کے اذن سے ہوئی تھی تو اب اقارب اعادہ نہ کریں۔

نوعِ نہم ۹ : اگر ولی نے نماز پڑھ لی اور سلطان وحکام کہ اس سے اولٰی ہیں بعد کو آئے اب وہ بھی بالاتفاق اعادہ نہیں کرسکتے، ہاں اگر وہ موجود تھے اور اُن کے بے اذن ولی نے پڑھ لی اور وُہ شریک نہ ہُوئے تو ایک جماعت علماء کے نزدیک اُنھیں اختیارِ اعادہ ہے۔

وھو محمل ما فی الدر عن المجتبٰی و | یہی اس کلام کا مطلب ہے جو دُرمختار میں مجتبٰی سے

---

[1] شلبی علی الکنز علی ہامش تبیین الحقائق فصل السلطان احق بصلٰوتہ مطبعۃ کبرٰی امیریہ مصر ۱/ ۲۴۰

[2] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۵۲

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ الخامس والعشرون فی الجنائز نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۸۰

فتاوٰی ہندیۃ الفصل الخامس فی الصلٰوۃ علی المیت " " " ۱/ ۱۶۴

فی النہایۃ والجوھرۃ ثم الھندیۃ والطحطاوی وفی العنایۃ والبرجندی عن النہایۃ وفی الفاتح شرح القدوری وفی ابی سعید علی الدرعن المجتبٰی وغیرہ۔

منقول ہے، اور نہایہ، جوہرہ پھر ہندیہ اور طحطاوی میں ہے اور عنایہ و برجندی میں نہایہ کے حوالے سے، اور فاتح شرح قدوری میں ہے اور حاشیہ ابو سعید علی الدر میں مجتبٰی وغیرہ سے منقول ہے۔ (ت)

اور ایک جماعت علماء کے نزدیک اب بھی سلطان وغیرہ کسی کو اختیار اعادہ نہیں، معراج الدرایہ میں اسی کی تائید کی، ردالمحتار میں اسی کو ترجیح دی۔ اور یہی ظاہر اطلاق متون اور ظاہراً من حیث الدلیل اقوٰی ہے تو حاصل یہ ٹھہرا کہ سلطان نے پڑھ لی تو ولی نہیں پڑھ سکتا ولی نے پڑھ لی تو سلطان نہیں پڑھ سکتا غرض ہر طرح اعادہ و تکرار کا دروازہ بند فرماتے ہیں۔

(۱۳۶) غایۃ البیان شرح الہدایۃ للعلامۃ الاتقانی میں ہے:

ھذا علی سبیل العموم حتی لاتجوز الاعادۃ لالسلطان ولا لغیرہ[1]۔

یعنی ولی کے بعد کسی کو نماز کی اجازت نہ ہونے کا حکم عام ہے یہاں تک کہ پھر سلطان وغیرہ کسی کو اعادہ جائز نہیں۔

(۱۳۷) صغیری میں ہے:

ان صلی ھو فلیس لغیرہ ان یصلی بعدہ من السلطان فمن دونہ[2]۔

ولی پڑھ لے تو پھر کسی کو پڑھنے کا اختیار نہیں، سلطان ہو یا کوئی۔

(۱۳۸) سراج وہاج شرح قدوری میں ہے:

من صلی الولی علیہ لم یجز ان یصلی احد بعدہ سلطانا کان اوغیرہ[3]۔

ولی کے بعد کسی کو نماز جائز نہیں، سلطان ہو یا اس کا غیر۔

(۱۳۹ و ۱۴۰) ابوالسعود میں نافع وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

اطلق فی الغیر فعم السلطان فمفادہ عدم اعادۃ السلطان بعد صلٰوۃ الولی وبہ

کنز میں امام ماتن نے غیر کو مطلق رکھا جو سلطان کو بھی شامل، تو اس کا مفاد یہ ہے کہ ولی کے بعد

---

[1] ردالمحتار بحوالہ غایۃ البیان | باب صلٰوۃ الجنائز | دارالطباعۃ المصریہ مصر | ۱/۵۹۲
[2] صغیری شرح منیۃ المصلی | فصل فی الجنازۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ص ۲۸۹
[3] بحرالرائق بحوالہ السراج الوہاج | فصل السلطان احق بصلٰوتہ | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/۱۸۲

جزم فی السراج وغایۃ البیان والنافع[1]

سلطان بھی اعادہ نہ کرے، اور اسی پر حدادی و اتقانی ونافع نے جزم فرمایا۔

(۱۴۱) مستصفٰی للامام النسفی (۱۴۲) شلبی علی الکنز میں ہے:

الحق الی الاولیاء حیث قال لیس لاحد بعدہ الاعادۃ بطریق العموم سلطانا کان اوغیرہ[2]۔

اصل حق ولی کا ہے ولہذا ماتن یعنی صاحب الفقہ النافع نے عام فرمایا کہ ولی کے بعد کسی کو اعادہ کا اختیار نہیں، سلطان ہو یا کوئی۔

(۱۴۳ و ۱۴۴) ردالمحتار میں معراج الدرایہ وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

اذا صلی الولی فھل لمن قبلہ کالسلطان حق الاعادۃ فی السراج والمستصفی لاویدل علی ھذا قول الھدایۃ ان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ ونحوہ فی الکنز وغیرہ فقولہ لم یجز لاحد یشمل السلطان ونقل فی المعراج عن المنافع[ع] لیس للسلطان الاعادۃ ثم ایدہ روایۃ المنافع اھ ملخصا[3]۔

کیا ولی کے بعد سلطان وغیرہ جو اس سے مقدم ہیں اعادہ کا حق رکھتے ہیں، سراج ومستصفی میں منع فرمایا، اور ہدایہ کا قول اس پر دلیل ہے کہ فرمایا ولی کے بعد کسی کو جائز نہیں، اور یونہی کنز وغیرہ میں ہے، کسی میں سلطان بھی آگیا، اور معراج میں منافع سے سلطان کو منع اعادہ نقل کرکے اس کی تائید فرمائی۔

ع المنافع ھذا ھو المستصفی للامام اجل ابی البرکات النسفی شرح الفقہ النافع الشھیر بالنافع للامام ناصر الدین ابی القاسم المدنی السمرقندی وقد قال رحمہ اللہ تعالٰی فی اخر کتابہ المصفی شرح المنظومۃ النسفیۃ

منافع، یہی امام اجل ابوالبرکات نسفی کی مستصفی ہے جو امام ناصر الدین ابوالقاسم مدنی سمرقندی کی کتاب "الفقہ النافع" مشہور بہ "نافع" کی شرح ہے۔ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المصفی شرح منظومۃ نسفیہ" کے آخر میں لکھا ہے کہ: جب میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] فتح المعین علٰی شرح ملا مسکین فصل فی الصلوٰۃ علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۳

[2] شلبی علی الکنز علٰی ہامش تبیین الحقائق فصل السلطان احق بصلوٰتہ مطبعۃ کبرٰی امیریہ مصر ۱/۲۳۹

[3] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز " " " " " ۱/۵۹۱-۹۲

(۱۴۵) بحرالرائق میں ہے:

صلی الولی ثم جاء المقدم علیہ فلیس لہ الاعادۃ۔[1]

ولی پڑھ چکا پھر سلطان وغیرہ وہ لوگ آئے جو ولی پر مقدم ہیں انھیں اعادہ کا اختیار نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لما فرغت من جمع المنافع و املائہ وھو المستصفی سألنی بعض اخوانی ان اجمع للمنظومۃ شرحا مشتملا علی الدقائق فشرحتہا وسمیتہ المصفی فظہر ان المستصفی والمنافع شیئ واحد وھو شرح النافع والمصفی غیرہ وھو شرح المنظومۃ فلیس عین المستصفی ولا اختصارہ ولا المستصفی شرح المنظومۃ وقد وقع ھھنا غلط من العلامۃ الکاتبی فی کشف الظنون فتنبہ ومن اشد العجب ان استدل ما ادعاہ من المستصفی شرح المنظومۃ وان المصفی اختصارہ بما مر من کلامہ رحمہ اللہ تعالٰی فی اٰخر المصفی مع انہ شاھد باعلی ندائہ علی نقیض ما ادعاہ ثم اعاد ذکر المستصفی فی النافع فجعلہ شرحہ علی الصواب وذکر قیلا انہ المصفی ولیس بالصواب فاعلم ۱۲ منہ (م)

منافع ---- وہی مستصفی ہے ---- کی تالیف و املا سے فارغ ہوا تو بعض عزیزوں نے مجھ سے چاہا کہ منظومہ کی ایک ایسی شرح لکھ دُوں جو اس کے دقائق کے بیان پر مشتمل ہو تو میں نے منظومہ کی شرح لکھی اور اس کا نام "مصفی" رکھا ---- اس عبارت سے واضح ہے کہ مستصفی اور منافع ایک ہی ہیں اور یہ "نافع" کی شرح ہے، اور مصفی دوسری کتاب ہے وہ منظومہ کی شرح ہے بعینہٖ مستصفی یا اس کا اختصار نہیں ہے، نہ ہی مستصفی، منظومہ کی شرح ہے ---- یہاں کشف الظنون میں علامہ کاتبی سے غلطی ہوگئی ہے اس لئے متنبہ رہنا چاہیے۔ انھوں نے یہ لکھ دیا ہے کہ مستصفی، منظومہ کی شرح ہے اور مصفی اس کا (مستصفی کا) اختصار ہے اور سخت حیرت کی بات یہ ہے کہ اس دعوٰے کی دلیل میں انھوں نے آخر مصفی کی یہی عبارت پیش کی ہے جو ابھی ذکر ہوئی حالانکہ وہ بہ آوازِ بلند ان کے دعوے کے خلاف شہادت دے رہی ہے ---- اس کے بعد "النافع" کے تحت کاتبی نے مستصفی کو دوبارہ ذکر کیا ہے وہاں بجا طور پر اسے اس کی شرح بتایا اور ایک ضعیف قول ذکر کیا کہ وہ مصفی ہی ہے اور یہ درست نہیں ---- تو یہ معلوم رہے ۱۲ (ت)

[1] بحرالرائق فصل السلطان احق بصلوٰتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۲

وبهذا حاول البحر التوفيق فحمل ما في
النهاية والعناية على ما اذا تقدم
الولي بمحضر السلطان من دون
اذنه وما في السراج والمستصفى على
ما اذا تقدم وهم غيب ثم حضروا
ونازعه في النهر بان كلماتهم
متفقة على ان لاحق للسلطان
فمن دونه قبل الولي الا عند
حضورهم فالخلاف انما هو اذا
حضروا۔

اقول كيفما كان الامر فالذي
يقول باعادة السلطان انما يقول
اذا حضر وتقدم الولي بلا اذنه قال
في الحلية[1] في تصوير هذا الخلاف
صلى الولي والسلطان او امام الحي
ومن بينهما حاضر ولم يتابعه الخ
وكذلك قيد في النافع بقوله
ان حضر قال في شرحه
المستصفى انما قدم السلطان
بعارض ولهذا قال ان حضر[2] اه
وفي المجتبى صلى الولي
لم يجز ان يصلي احد بعده

اسی سے صاحبِ بحر نے تطبیق دینا چاہا ہے، انھوں
نے نہایہ وغیرہ کی عبارت کو اس صورت پر محمول کیا ہے،
جب سلطان کے موجود ہوتے ہُوئے اس کی اجازت
کے بغیر ولی پڑھا دے —— اور سراج و مستصفی کے
کلام کو اُس صورت پر محمول کیا ہے جب ولی ان کی
غیر موجودگی میں پڑھا دے بعد میں وُہ آجائیں ——
صاحبِ نہر نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ کلماتِ علماء
اس بارے میں متفق ہیں کہ سلطان وغیرہ کو ولی پر
حقِ تقدم اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ موجود
ہوں تو اختلاف موجودگی ہی کی صورت میں ہوگا۔

اقول جیسا بھی ہو جو سلطان کے لئے
دوبارہ پڑھنے کا حق مانتا ہے وُہ یہی کہتا ہے کہ جب
سلطان موجود ہو اور ولی اس کی اجازت کے بغیر
پڑھا دے تو وُہ پھر پڑھ سکتا ہے — حلیہ میں اس
اختلاف کی صورت یوں پیش کی ہے "ولی نے نماز
پڑھائی اور سلطان یا امامِ محلّہ یا وُہ جن کا درجہ
ان کے مابین ہے موجود ہیں اور انھوں نے ولی کی
متابعت نہ کی" الخ۔ اسی طرح "نافع" میں یہ قید
لگائی ہے کہ "اگر وُہ موجود ہو"۔ اس کی شرح مستصفٰی
میں فرمایا: سلطان کو تقدم عارض کی وجہ سے ہے
اسی لئے فرمایا: "اگر وُہ موجود ہو" اھ مجتبٰی میں ہے،
"ولی نے پڑھ لی تو اس کے بعد کوئی نہیں پڑھ سکتا

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] المستصفٰی شرح الفقہ النافع للنسفی

هذا اذا لم یحضر السلطان اما اذا حضر وصلی الولی یعید السلطان[1] اھ ومثلہ فی الفاتح وفی الدر لو صلی الولی بحضرۃ السلطان مثلا اعاد السلطان[2] اھ وفی المعراج والحاوی عن المجتبی، للسلطان الاعادۃ اذا صلی الولی بحضرتہ[3] اھ وفی ط علی المراقی صلی ولی واراد السلطان ان یصلی علیہ فلہ ذلک جوھرہ یعنی اذا کان حاضرا وقت الصلوۃ ولم یصل مع الولی ولم یاذن لاتفاق کلمتھم ان لاحق للسلطان عند عدم حضورہ نھر[4] اھ فظھر سقوط ماوقع لعبد الحلیم علی الدرر من قولہ ان السلطان اذا لم یحضر فصلی من دونہ فحضر السلطان یعیدھا ان شاء[5] اھ فلیتنبہ وباللہ التوفیق۔

یہ اُس صورت میں ہے جب سلطان موجود نہ ہو، اگر اس کی موجودگی میں ولی پڑھ لے تو وہ پھر پڑھ سکتا ہے اھ — اسی کے مثل فاتح شرح قدوری میں ہے — درمختار میں ہے: اگر ولی نے مثلاً سلطان کی موجودگی میں پڑھ لیا تو سلطان دوبارہ پڑھ سکتا ہے اھ معراج اور حاوی میں مجتبٰی کے حوالے سے ہے، سلطان کو حقِ اعادہ حاصل ہے اگر ولی اس کی موجودگی میں پڑھ لے اھ — حاشیۂ طحطاوی علی المراقی میں ہے: ولی نے نماز پڑھ لی اور سلطان چاہتا ہے کہ وہ بھی پڑھے تو اسے اس کا حق حاصل ہے، جوہرہ — یعنی جب سلطان وقتِ نماز موجود رہا ہو اور ولی کے ساتھ نہ پڑھا ہو نہ ہی اجازت دی ہو اس لئے کہ عباراتِ علما اس بارے میں متفق ہیں کہ سلطان کو غیر موجودگی کی حالت میں کوئی حق نہیں، نہر اھ — اس سے واضح ہے کہ وہ کلام ساقط الاعتبار ہے جو عبدالحلیم رومی کے قلم سے حاشیۂ درر میں درج ہوا کہ سلطان کی غیر موجودگی میں اس سے کم درجہ والے نے جنازہ پڑھ لیا پھر سلطان آیا تو وہ اگر چاہے تو پھر پڑھ سکتا ہے اھ۔ اس سے آگاہ رہنا چاہئے اور توفیق خدا ہی سے ہے۔ (ت)

---

[1] المجتبٰی

[2] درمختار | باب صلوۃ الجنائز | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۲۳

[3] المعراج

[4] طحطاوی علی مراقی الفلاح | فصل فی السلطان احق بصلوتہ | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۴

[5] حاشیۃ الدرر علی الغرر عبدالحلیم | باب الجنائز | مطبعۃ عثمانیہ ترکی | ۱/۱۰۸

نوع دہم ۱۰: حدیہ کہ جنازہ ہوا اور بے وضو کو وضو کرنے یا جنب یا حیض یا نفاس سے فارغ ہونے والی کو نہانے میں فوتِ نماز کا اندیشہ ہو تو شرع نے اجازت فرمائی کہ تیمم کرکے شریک ہوجائے کہ ہوچکی تو پھر نہ پڑھ سکے گا جیسے نمازِ عید، ولہذا سلطان وغیرہ جو ولی سے مقدم ہیں جب وہ حاضر ہوں تو ولی کو بھی تیمم جائز ہے، بلکہ اگر ولی نے دوسرے کو اجازتِ امامت دے دی تو اب ولی بھی تیمم کرسکے گا کہ اجازت دے کر اختیارِ اعادہ نہ رہا، یونہی اگر وضو یا غسل کے تیمم سے ایک جنازہ پڑھا گیا کہ دُوسرا آگیا اور وضو یا غسل کی مہلت نہ پائی تو اسی تیمم سے دوسرا اور تیسرا جہاں تک ہوں پڑھ سکتے ہو۔

(۱۴۶) کنز[۱] (۱۴۷) تنویر (۱۴۸) ملتقی (۱۴۹) نورالایضاح (۱۵۰) محیط میں ہے:
صَحّ لخوف فوت الجنازۃ (اندیشہ فوتِ جنازہ کے لئے تیمم جائز ہے) (۱۵۱) مختصر قدوری (۱۵۲) ہدایہ (۱۵۳) وقایہ (۱۵۴) نقایہ (۱۵۵) اصلاح (۱۵۶) وافی (۱۵۷) غرر (۱۵۸) غنیہ میں ہے:

واللفظ للاصلاح والوقایۃ ھو لمحدث وجنبٍ حائض ونفساء عجزوا عن الماء لخوف فوت صلٰوۃ الجنازۃ لغیر الولی[۲] اھ ومثلہ فی الغرر غیرانہ قال لغیر الاولی[۳]۔

(اصلاح اور وقایہ میں ہے۔ ت) مرد یا عورت جسے وضو یا غسل کی حاجت ہو اور اس میں نمازِ جنازہ فوت ہوجانے کا خوف کریں ان کو تیمم جائز ہے سوا اس کے جو اس نماز کا احق ہو کہ اُسے خوفِ فوت نہیں۔ اور اسی طرح غرر میں ہے مگر وہاں غیر ولی کی بجائے غیر اولیٰ کہا۔ (ت)

مختصر وقایہ کے لفظ یہ ہیں:

مایفوت لا الی خلف کصلٰوۃ الجنازۃ لغیر الولی[۴]۔

جوازِ تیمم کے عذروں سے ہے ایسے واجب کا فوت جس کا بدل نہ ہوسکے جیسے غیر ولی کے لئے نمازِ جنازہ۔

---

[۱] کنز الدقائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷
[۲] غرر الاحکام مع شرح الدرر الحکام باب التیمم مطبعۃ احمد کامل الکائنۃ فی دارالسعادۃ بیروت ۱/ ۲۹ و ۳۰
[۳] " " " "
[۴] النقایۃ مختصر وقایۃ فصل التیمم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶

(۱۵۹) منتقی امام حاکم شہید (۱۶۰) فتاوٰی غیاثیہ میں ہے:

لایجوز التیمم لمن ینتظرہ الناس فلو لم ینتظروہ اجزاہ[1]

جس کا انتظار ہوگا یعنی ولی واولٰی اسے تیمم جائز نہیں اور جس کا انتظار نہ ہوگا یعنی غیر اولٰی اسے تیمم جائز ہے۔

(۱۶۱) طحطاوی علی الدر میں ہے: یعتبر الخوف بغلبۃ الظن[2] خوفِ فوت میں غالب گمان کا اعتبار ہے (۱۶۲) امام اجل طحاوی شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں:

قد رخص فی التیمم فی الامصار خوف فوت الصلٰوۃ علی الجنازۃ وفی صلٰوۃ العیدین لان ذلک اذا فات لم یقض[3]

نماز جنازہ یا عید فوت ہونے کے خوف سے پانی ہوتے ہوئے شہروں میں تیمم کی اجازت ہے اس لئے کہ ان دونوں نمازوں کی قضا نہیں۔

(۱۶۳) ہدایہ (۱۶۴) مجمع الانہر میں ہے: لانہ لاتقضی فیتحقق العجز[4] اس لئے کہ نماز جنازہ کی قضا نہیں تو پانی سے عجز ثابت ہوا (۱۶۵) حلیہ (۱۶۶) برجندی (۱۶۷) مراقی الفلاح (۱۶۸) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

انہا تفوت بلاخلف (زاد البرجندی) بالنسبۃ الی غیر الولی[5]

نماز ہوچکے تو غیر ولی کے لئے اس کا بدل نہیں۔

(۱۶۹) کافی میں دونوں لفظ جمع فرمائے کہ:

صلٰوۃ الجنازۃ والعید تفوتان لا الی بدل لانہما لاتقضیان فیتحقق العجز[6]

نماز جنازہ وعید فوت ہوجائیں تو ان کا بدل نہیں کہ وہ قضا نہیں کی جاتیں تو پانی سے عجز ثابت ہوا۔

---

[1] فتاوٰی غیاثیہ فصل فی التکفین مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۴۴
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر باب التیمم دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۲۹
[3] طحاوی شرح معانی الآثار باب ذکر الجنب والحائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۴
[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۱
[5] شرح النقایہ للبرجندی " نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۶
مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی " نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۳
[6] کافی شرح وافی

(۱۷۰) عنایہ میں ہے:

کل ما یفوت لا الی بدل جاز اداؤہ بالتیمم مع وجود الماء وصلٰوۃ الجنازۃ عندنا کذلك لانھا لا تعاد[1]	ہر واجب کہ فوت پر بدل نہ رکھتا ہو پانی ہوتے ہوئے اُسے تیمم سے ادا کرسکتے ہیں اور نمازِ جنازہ ہمارے نزدیک ایسی ہی ہے کہ وُہ دوبارہ نہیں ہوسکتی۔

(۱۷۱) تبیین (۱۷۲) ارکان میں ہے:

صلٰوۃ الجنازۃ تفوت لا الی خلف فصار الماء معدوما بالنسبۃ الیھا[2]	نمازِ جنازہ کا بدل نہیں تو اس کے لئے پانی معدوم ٹھہرا۔

(۱۷۳) ظہیریہ (۱۷۴) عالمگیریہ (۱۷۵) سراجیہ (۱۷۶) شرح نور الایضاح (۱۷۷) درمختار (۱۷۸) رحمانیہ میں ہے:

والنظم للدر ولوجنبا او حائضا[3] اس کے لئے جنب وحائض کو بھی تیمم روا ــــ اور یہ مسئلہ وقایہ و اصلاح و غرر سے واضح تر گزرا۔ (۱۷۹) بحر (۱۸۰) ہندیہ (۱۸۱) طحطاوی علی المراقی (۱۸۲) حلیہ (۱۸۳) غنیہ میں ہے:

واللفظ للبحر یجوز التیمم للولی اذا کان من ھو مقدم علیہ حاضرا اتفاقا لانہ یخاف الفوت[4]	سلطان وحکام کہ ولی سے مقدم ہیں وہ حاضر ہوں تو ولی کو بھی تیمم جائز ہے کہ اب اسے بھی خوفِ فوت ہوسکتا ہے۔

(۱۸۴) جوہرہ (۱۸۵) بحر (۱۸۶) عالمگیریہ میں ہے:

واللفظ لھذین یجوز للولی اذا اذن لغیرہ بالصلٰوۃ ولا یجوز لمن امرہ الولی کذا فی الخلاصۃ[5]	(ان دونوں کے الفاظ ہیں کہ۔ت) ولی دوسرے کو اذنِ نماز دے جب بھی اُسے تیمم روا ہے (کہ اب اُسے خوفِ فوت ہوگیا) اور جسے ولی نے اذن دیا اب اسے تیمم جائز نہیں جیسا کہ خلاصہ میں تصریح فرمائی (کہ اب اُسے خوفِ فوت نہیں)۔

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر — باب التیمم — نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۲
[2] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق — " — مطبعۃ کبرٰی امیریۃ مصر ۱/۴۲
[3] درمختار — " — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۲
[4] بحرالرائق — " — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۸
[5] فتاوٰی ہندیہ — الفصل الثالث فی المتفرقات — نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۱

(۱۸۷) فتاوٰی کبرٰی (۱۸۸) فتاوٰی قاضی خاں (۱۸۹) خزانۃ المفتین (۱۹۰) جامع المضمرات شرح قدوری (۱۹۱) فتاوٰی ہندیہ (۱۹۲) فتح القدیر (۱۹۳) جواہر اخلاطی (۱۹۴) شرح تنویر میں ہے:

تیمم فی المصر وصلی علی جنازۃ ثم اتی باخری فان کان بینھما مدۃ یقدر علی الوضوء (قال فی الدر ثم زال تمکنہ) یعید التیمم وان لم یقدر صلی بذلک التیمم اھ قال فی الدر بہ یفتی اھ قال فی المضمرات و الجواھر والھندیۃ علیہ الفتوٰی۔[1]

پانی ہوتے ہوئے بخوفِ فوت تیمم سے نمازِ جنازہ پڑھی اب دُوسرا جنازہ آیا اگر بیچ میں اتنی مہلت پائی تھی کہ وضو کرلیتا اور نہ کیا اور اب وضو کرے تو یہ دوسرا جنازہ فوت ہو تو اس صورت میں دوبارہ تیمم کرے، اور مہلت نہ پائی تھی تو اسی پہلے تیمم سے یہ بھی پڑھے اسی پر فتوٰی ہے۔

(۱۹۵) برہان شرح مواہب الرحمٰن (۱۹۶) شرح نظم الکنز للعلامۃ المقدسی (۱۹۷) حاشیۂ علامہ نوح آفندی (۱۹۸) حاشیہ علامہ ابن عابدین میں ہے:

مجرد الکراھۃ لایقتضی العجز المقتضی لجواز التیمم لانھا لیست اقوٰی من فوات الجمعۃ والوقتیۃ مع عدم جوازہ لھما۔[2]

یعنی صرف کراہت کے سبب تیمم کی اجازت نہیں کہ جمعہ یا پنجگانہ فوت ہونے کے خوف سے تیمم کی اجازت نہیں،

یہ اس سے زائد تو نہ ہوگی، بلکہ اجازت اس لئے ہے کہ جنازہ فوت ہو تو بدل ناممکن ہے۔

تنبیہ: ماذکرنا من عدم جوازہ للولی نسبوہ لروایۃ الحسن عن الامام الاعظم وعزاہ فی الجوھرۃ للنوادر وصححہ فی الھدایۃ والخانیۃ والکافی والتبیین وکذا نقل تصحیحہ فی الجوھرۃ والھندیۃ

تنبیہ: ہم نے جو ذکر کیا کہ ولی کے لئے تیمم جائز نہیں، اسے علماء نے امام اعظم سے حسن بن زیاد کی روایت بتایا ہے، اور جوہرہ میں اسے روایت نوادر کہا ہے۔ ہدایہ، خانیہ، کافی اور تبیین میں اسی حکم کو صحیح کہا، اسی طرح جوہرہ، ہندیہ، مستخلص

---

[1] فتاوٰی ہندیہ — الفصل الثالث فی المتفرقات — نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۱
درمختار — باب التیمم — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۳
جواہر الاخلاطی — فصل فی صلٰوۃ الجنازہ قلمی نسخہ موجود لائبریری جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۴۲
فتاوٰی قاضی خاں — فصل فیما یجوز بہ التیمم — نولکشور لکھنؤ ۱/۳۰
[2] ردالمحتار — باب التیمم — داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۶۱

22

والمستخلص والمراقی وعلیہ مشی فی الخلاصۃ والعنایۃ والمنیۃ والھندیۃ والکافی والدرر والمجتبٰی وجامع الرموز وقال الصدر الشھید بہ ناخذ کما فی الخلاصۃ وکذا صححہ الامام شمس الائمۃ الحلوانی کما فی الغیاثیۃ عن منتقی الشھید وفی الغنیۃ عن الذخیرۃ۔

اور مراقی میں اس کی تصحیح نقل کی، اسی پر خلاصہ، عنایہ، منیہ، ہندیہ، کافی، درر، مجتبٰی اور جامع الرموز میں مشی کی اور صدر شہید نے فرمایا "بہ ناخذ" (ہم اسی کو لیتے ہیں) جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ اسی طرح شمس الائمہ حلوانی نے اس کو صحیح کہا، جیسا کہ غیاثیہ میں صدر شہید کی منتقی اور غنیہ میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے۔

اقول فما وقع فی ابن کمال پاشا من نسبۃ تصحیح خلافہ لشمس الائمۃ وتبعہ عبدالحلیم علی الدرر والشامی علی الدر فکانہ سبق نظر۔

اقول تو علامہ ابن کمال پاشا سے جو اس کے خلاف کی تصحیح کا انتساب شمس الائمہ کی طرف ہوا اور حاشیہ درر میں عبدالحلیم رومی نے اور حاشیہ درمختار میں علامہ شامی نے اس کی پیروی کی گویا یہ سبقت نظر ہے۔

قالوا وفی ظاھر الروایۃ یجوز للولی ایضًا لان الانتظار فیھا مکروہ[1] وجوابہ ما نقلنا انفا عن البرھان فما بعدہ وعزاہ فی الخلاصۃ للاصل و الفتاوی الصغرٰی وعلیہ مشی فی الظھیریۃ وخزانۃ المفتین و صححہ فی جواھر الاخلاطی وعزا تصحیحہ فی عبدالحلیم لخواھر زادہ فی الرحمانیۃ لحاشیۃ شیخ الاسلام عن النصاب والغیاثیۃ وفتاوی الغرائب والظھیریۃ۔

علماء نے کہا: ظاہر الروایۃ میں ولی کے لئے بھی تیمم جائز ہے اس لئے کہ جنازہ میں انتظار مکروہ ہے۔ اس کا جواب وہ ہے جو ابھی ہم نے برہان اور اس کے بعد ذکر شدہ کتابوں سے نقل کیا۔ اور اسے (ولی کے لئے جواز تیمم کو) خلاصہ میں اصل (مبسوط) اور فتاوٰی صغرٰی کے حوالے سے بیان کیا اور اسی پر ظہیریہ و خزانۃ المفتین میں مشی کی، اور جواہر الاخلاطی میں اسے صحیح کہا اور حاشیہ عبدالحلیم میں اس کی تصحیح خواہر زادہ کی طرف، اور رحمانیہ میں نصاب، غیاثیہ، فتاوٰی غرائب اور ظہیریہ کے حوالے سے حاشیہ شیخ الاسلام کی طرف منسوب کی۔

---

[1] ردالمحتار باب التیمم دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۶۱

اقول لکن الذی رأیت فی الغیاثیة ماقدمت ان قال الحلوانی الصحیح روایة الحسن ونفتی بھذا[1] اھ فلعلھا العتابیة بمھملة فتاء قرشت فموحدة۔

اقول وقد اسمعناک التنصیص علی استثناء الولی عن المختصر والبدایة والوقایة والنقایة والاصلاح والوافی والغرر والھدایة وقصر الاجازة علی خوف الفوت عنھا وعن الطحاوی والکنز والتنویر والملتقی ونور الایضاح وھذہ کلھا متون المذھب المعتمد علیھا الموضوعة لنقل المذھب فلا اقل من ان یکون ایضا ظاھر الروایة وقد تظافرت علیہ تصحیحات الجلة ولایذھب علیک ما لہ من قوة الدلیل فعلیہ یجب الاعتماد والتعویل۔

وقد اشار فی الحلیة الی التوفیق بان عدم الجواز للولی اذا لم یحضر من ھو اقدم منہ والجواز اذا حضر والیہ یومی کلام الغنیة والبحر۔

اقول ولقد کان احسن توفیقا لولا ان نص الاصل والصغری سواء کان

اقول لیکن غیاثیہ میں جو میں نے دیکھا وہ جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا یہی ہے کہ حلوانی نے فرمایا صحیح روایت حسن ہے اور ہم اسی پر فتوٰی دیتے ہیں اھ۔ تو ہو سکتا ہے یہ عین مہملہ پھر تائے قرشت پھر ایک نقطے والی ب سے "عتابیہ" ہو۔

اقول ہم جواز تیمم سے استثنائے ولی کی تصریح مختصر قدوری، بدایہ، وقایہ، نقایہ، اصلاح، وافی، غرر اور ہدایہ کے حوالے سے پیش کر آئے اور صرف اندیشۂ فوت کے وقت اجازت تیمم ہونے کو کتب مذکورہ اور طحاوی، کنز، تنویر، ملتقی اور نور الایضاح کے حوالے سے بیان کیا ـــ یہ سب متون مذہب ہیں جن پر اعتماد ہے اور جو نقل مذہب کے لئے ہی لکھے گئے ہیں تو کم سے کم اتنا ضرور ہے کہ یہ (ولی کے لئے عدم جواز تیمم بھی ظاہر الروایہ ہوگا ـــ اس پر جلیل القدر علماء کی تصحیحات بھی مجتمع ہیں اور اس میں دلیل کی جو قوت ہے وہ بھی عیاں ہے تو اسی پر اعتماد ضروری ہے حلیہ میں تطبیق کی جانب اشارہ کیا ہے کہ ولی کے لئے عدم جواز اس وقت ہے جب اس سے زیادہ تقدم رکھنے والا موجود نہ ہو اور جواز اس وقت ہے جب اس پر تقدم والا موجود ہو ـــ اسی کی طرف غنیہ اور بحر کی عبارتوں میں بھی اشارہ ملتا ہے۔

اقول یہ بہت عمدہ تطبیق تھی اگر مبسوط اور صغرٰی کی یہ تصریح نہ ہوتی کہ خواہ وہ مقتدی ہو یا

---

[1] فتاوٰی غیاثیہ فصل فی التکفین مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۴۴

مقتدیا اواماما ونص الظھیریۃ والخزانۃ لوکان اماما ونص الجواھر مقتدیا اواماما اومن لہ حق الصلوۃ علیہ ونص النصاب یجوز التیمم للامام ومن لہ حق الصلوۃ فالصواب ابقاء الخلاف وتحقیق ان الحق ھو ھذا التفصیل واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

امام، اور ظہیریہ وخزانہ کی یہ تصریح کہ اگر وُہ امام ہو اور جواہر کی یہ تصریح کہ مقتدی ہو یا امام یا وُہ ہو جسے اس پر حق تقدم ہے اور نصاب کی یہ تصریح کہ تیمم جائز ہے امام کے لئے اور اس کے لئے جسے حقِ نماز ہے ـــــ تو صحیح یہ ہے کہ خلاف باقی رکھا جائے اور تحقیق یہ کی جائے کہ حق یہ تفصیل ہے (یعنی ولی کے لئے جواز جب اس سے زیادہ تقدم والا ہو ورنہ نہیں) اور خدائے پاک و برتر خوب جاننے والا ہے۔

نوع یازدہم: (۱۹۹) ہدایہ (۲۰۰) کافی (۲۰۱) تبیین (۲۰۲) فتح القدیر (۲۰۳) غنیہ (۲۰۴) سراج وہاج (۲۰۵) امداد الفتاح (۲۰۶) مستخلص (۲۰۷) طحطاوی علی المراقی:

واللفظ للفتح ترك الناس عن اٰخرھم الصلوۃ علٰی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولوکان مشروعا لما اعرض الخلق کلھم من العلماء والصالحین والراغبین فی التقرب الیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بانواع الطرق عنہ فھذا دلیل ظاھر علیہ فوجب اعتبارہ[1]۔

(فتح کے الفاظ ہیں۔ ت) تمام جہان کے مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزار اقدس پر نماز چھوڑ دی۔ اگر یہ نماز بطور نفل جائز ہوتی تو مزار انور پر نماز سے تمام مسلمان اعراض نہ کرتے جن میں علماء اور صلحاء وہ بندے ہیں جو طرح طرح سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں تقرب حاصل کرنے کی رغبت رکھتے ہیں، تو یہ نمازِ جنازہ کی تکرار نا جائز ہونے پر کھُلی دلیل ہے جس کا اعتبار لازم۔

حاشیہ نور الایضاح کے لفظ سراج وغنیہ وامداد سے یُوں ہیں:

والا یصلے علٰی قبرہ الشریف الی یوم القیمۃ لبقائہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما دفن طریا بل ھو حی یرزق ویتنعم لسائر الملاذ والعبادات وکذا سائر الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام وقد اجتمعت

اس نماز کی تکرار جائز ہوتی تو مزار اقدس پر قیامت تک نماز پڑھی جاتی کہ حضور ہمیشہ ویسے ہی تر و تازہ ہیں جیسے وقتِ دفن مبارک تھے بلکہ وہ زندہ ہیں روزی دیے جاتے ہیں اور تمام لذتوں اور عبادتوں کے نازو نعم میں ہیں اور ایسے ہی باقی انبیاء علیہم الصلوۃ

---

[1] فتح القدیر فصل فی الصلوۃ علی المیت نوریہ رضویہ سکھر ۲/۸۴

الامۃ علی ترکھا[1] والثناء، حالانکہ تمام امت نے اس نماز کے ترک پر اجماع کیا۔

النھی الحاجز میں چالیس کتابوں کی اکاون[5] عبارتیں تھیں، یہ پچاسی کتب متون وشروح وفتاوٰے کی دوسوسات[207] عبارات ہیں۔ غرض صورت مذکورہ استثناء کے سوا نماز جنازہ کی تکرار ناجائز وگناہ ہونے پر مذہب حنفی کا اجماع قطعی ہے اور اس کا مخالف مخالف مذہب حنفی ہے۔ بعض نام کے حنفی برائے جہالت یا مغالطۂ عوام ان تمام روشن وقاہر تصریحات مذہب کو چھوڑ کر یہاں دو کتب تاریخ تصنیف شافعیہ سے سند لیتے ہیں:

اوّل: تبییض الصحیفہ امام جلال الدین سیوطی شافعی میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازہ مبارک پر چھ دفعہ نماز ہوئی اور کثرتِ ازدحام خلائق سے عصر تک ان کے دفن پر قدرت نہ پائی۔

دوم: سیر النبلا شمس الدین ذہبی شافعی میں ہے کہ شیخ تاج الدین ابوالیمن زید بن حسن کندی حنفی نے ۶ شوال ۶۱۳ھ میں وفات پائی۔ قاضی القضاۃ جمال ابن الحرستانی نے نماز پڑھائی، پھر شیخ الحنفیہ جمال الدین حصیری نے باب الفرادیس میں، پھر شیخ موفق الدین شیخ الحنبلیہ نے پہاڑ میں یعنی جبل قاسیون کو دمشق میں ہے۔ اوّلاً جمیع کتب مذہب کے صریح خلاف میں دو کتاب تاریخ پر کیسی جہالت شدیدہ ہے، ثانیاً دنیا میں صرف حنفی ہی مذہب کے لوگ نہیں، خصوصاً پہلی صدیوں میں کہ خود مجتہدین بکثرت تھے اور ہر ایک کے لئے اتباع تھے۔ اس حکایت میں یہ کہاں ہے کہ حنفیہ نے چھ بار پڑھی، بلکہ ہجوم خلائق تھا ہر مذہب ومسلک کے لوگ جوق درجوق آتے تھے، غیر حنفیہ نے اگر سو بار پڑھی تو حنفی مذہب میں اس میں کیا حجت ہوسکتی ہے، اللہ اکبر! امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ وہ عظیم الشان جلیل البرہان امام ہیں کہ امام مستقل مجتہد مطلق سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ نے جب اس امام الائمہ سراج الامہ کے مزارِ پُرانوار کے پاس نمازِ صبح پڑھائی بسم اللہ آواز سے نہ پڑھی نہ رفع یدین کیا نہ قنوت پڑھی، کسی نے سبب پوچھا، فرمایا: ان صاحب قبر کے ادب سے کما فی الخیرات الحسان للامام ابن حجر المکی الشافعی (جیسا کہ خیرات الحسان للامام ابن حجر مکی شافعی میں ہے۔ت) اور ایک روایت میں ہے مجھے حیا آتی ہے کہ اس امام جلیل کے سامنے اس کا خلاف کروں کما فی المسلک المتقسط للمولی علی قاری (جیسا کہ المسلک المتقسط لمولی علی قاری میں ہے۔ت) سبحان اللہ مجتہد مستقل تو ادبِ امام سے حضور امام میں اتباعِ امام اختیار کریں اور خود حنفیہ خاص جنازہ امام پر مخالفتِ امام و

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل السلطان احق بصلوٰتہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۴

ترکِ مذہب کرتے یہ کیونکر متصور ہو سکتا ہے ۔

ثالثاً : پہلی نمازیں غیر ولی نے پڑھیں تو ولی کو اختیار اعادہ تھا امام کے ولی صاحبزادۂ جلیل حضرت سیدنا حماد ابن ابی حنیفہ تھے جب انھوں نے پڑھی پھر جنازۂ مبارک پر کسی نے نہ پڑھی ۔ امام ابن حجر مکی خیرات الحسان میں فرماتے ہیں :

ما فرغوا من غسلہ الا وقد اجتمع من اھل بغداد خلق لا یحصیھم الا اللہ تعالیٰ کانھم نودی لھم بموتہ وحزر من صلی علیہ فقیل بلغوا خمسین الفا ، وقیل : اکثر واعیدت الصلوٰۃ علیہ ستۃ مرات اٰخرھا ابنہ حماد [1]

ادھر امام ابو حنیفہ کے غسل سے فارغ ہوئے تھے کہ ادھر بغداد کی اتنی خلقت جمع ہو گئی جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے گویا کسی نے انتقالِ امام کی خبر پکار دی تھی ، نماز پڑھنے والوں کا اندازہ کیا گیا تو کوئی کہتا ہے پچاس ہزار تھے اور کوئی کہتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ تھے ، اور ان پر چھ بار نماز ہوئی ۔ آخر مرتبہ صاحبزادۂ امام حضرت حماد نے پڑھی ۔

رابعاً : یوں ہی واقعہ دوم میں کیا ثبوت ہے کہ پہلی نماز باذنِ ولی تھی ، بلکہ ظاہر یہی ہے کہ نمازِ دوم ہی باذنِ ولی ہوئی کہ جنازہ ایک عالم حنفی کا تھا اور وہاں اس وقت حنفیہ کے رئیس الرؤسا یہی امام جلال الدین محمود بن احمد حصیری تلمیذ خاص امام جلیل قاضی خان تھے جن کی تصانیف میں جابجا تصریح ہے کہ نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں ۔ تیسری نماز والے حنبلی مذہب تھے ، حنبلیہ کے یہاں جواز ہے جو ہم پر حجت نہیں ۔ بالجملہ علماء وعقلاء کا اتفاق ہے کہ واقعۃ عین لا عموم لھا خاص واقعے محل ہر گونہ احتمال ، ان سے استدلال محض خام خیال نہ کہ وہ بھی اجماع قطعی تمام ائمہ مذہب کے رد کرنے کو ، جس پر جرأت نہ کرے گا مگر نا اہل شدید الجہل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔

جواب سوالِ دوم : مذہب مہذب حنفی میں جنازہ غائب پر بھی محض ناجائز ہے ۔ ائمہ حنفیہ کا اس کے عدمِ جواز پر بھی اجماع ہے خاص اس کا جزئیہ بھی مصرح ہونے کے علاوہ تمام عبارات مسئلہ اولیٰ بھی اس سے متعلق کہ غالباً نمازِ غائب کو تکرار صلوٰۃ جنازہ لازم ۔ بلادِ اسلام میں جہاں مسلمان انتقال کرے نماز ضرور ہوگی ، اور دوسری جگہ خبر اس کے بعد ہی پہنچے گی ، ولہذا امام اجل نسفی نے کافی میں اس مسئلہ کو اس کی فرع ٹھہرایا ، اگرچہ حقیقۃً دونوں مستقل مسئلے ہیں ۔ اب اس مسئلہ کی نصوص خاصہ لیجئے ، اور بہ نظر تعلق مذکور سلسلہ عبارات بھی وہی رکھئے ۔

---

[1] الخیرات الحسان فصل ۳۵ فی تجہیزہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۷

(۲۰۸) فتح القدیر (۲۰۹) حلیہ (۲۱۰) غنیہ (۲۱۱) شلبیہ (۲۱۲) بحر الرائق (۲۱۳) ارکان میں ہے:

و شرط صحتها اسلام المیت وطہارتہ و وضعہ امام المصلی فلھذا القید لاتجوز علی غائب[1]

صحتِ نمازِ جنازہ کی شرط یہ ہے کہ میّت مسلمان ہو طاہر ہو، جنازہ نمازی کے آگے زمین پر رکھا ہو۔ اسی شرط کے سبب کسی غائب کی نمازِ جنازہ جائز نہیں۔

حلیہ کے لفظ یہ ہیں:

شرط صحتها کونہ موضوعا امام المصلی و من ھنا قالوا لاتجوز الصلوٰۃ علی غائب مطلقا[2]

نمازِ جنازہ کی شرائطِ صحت سے ہے جنازہ کا مصلّی کے آگے ہونا۔ اسی لیے ہمارے علماء نے فرمایا کہ مطلقاً کسی غائب پر نماز جائز نہیں۔

(۲۱۴) متن تنویر الابصار میں ہے:

شرطها وضعہ امام المصلی[3]

جنازہ کا نمازی کے سامنے حاضر ہونا شرطِ نمازِ جنازہ ہے۔

(۲۱۵) برہان شرح مواہب الرحمٰن طرابلسی (۲۱۶) نہر الفائق (۲۱۷) شرنبلالیہ علی الدرر (۲۱۸) خادمی (۲۱۹) ہندیہ (۲۲۰) ابو السعود (۲۲۱) درمختار میں ہے:

شرطها حضورہ فلا تصح علی غائب[4]

جنازہ کا حاضر ہونا شرطِ نماز ہے لہذا کسی غائب پر نمازِ جنازہ صحیح نہیں

(۲۲۲) متن نور الایضاح میں ہے:

شرائطها اسلام المیت وحضورہ[5]

صحتِ نمازِ جنازہ کی شرطوں سے ہے میّت کا مسلمان ہونا اور نمازیوں کے سامنے حاضر ہونا۔

(۲۲۳) متن ملتقی الابحر میں ہے: لا یصلی علی عضو ولا علی غائب[6] میّت کا کوئی عضو کسی جگہ ملے تو

---

[1] فتح القدیر فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۸۰
غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۸۳
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[3] و [4] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۱
[5] نور الایضاح فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مطبع علیمی لاہور ص ۵۶
[6] ملتقی الابحر " " " موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۱۶۱

اُس پر نماز جائز نہیں، نہ کسی غائب پر نماز جائز ہے۔ (۲۲۴) شرح مجمع (۲۲۵) مجمع شرح ملتقی میں ہے:

محل الخلاف فی الغائب عن البلد اذ لو کان فی البلد لم یجزان یصلی علیہ حتی یحضر عندہ اتفاقا لعدم المشقۃ فی الحضور۔[1]

امام شافعی رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ میں ہم سے خلاف بھی اس صورت میں ہے کہ میت دوسرے شہر میں ہو اور اگر اسی شہر میں ہو تو نماز غائب امام شافعی کے نزدیک بھی جائز نہیں کہ اب حاضر ہونے میں مشقت نہیں۔

(۲۲۶) فتاوٰی خلاصہ میں ہے: لا یصلی علٰی میت غائب عندنا۔[2] ہمارے نزدیک کسی میت غائب پر نماز نہ پڑھی جائے۔ (۲۲۷) متن وافی میں ہے:

من استہل صلی علیہ و الا لا کغائب۔[3]

جو بچہ پیدا ہو کر کچھ آواز کرے جس سے اس کی حیات معلوم ہو پھر مر جائے اس پر نماز پڑھی جائے ورنہ نہیں جیسے غائب کے جنازہ پر نماز نہیں۔

(۲۲۸) کافی میں ہے:

لا یصلی علٰی غائب وعضو خلافا للشافعی بناء علی ان صلاۃ الجنازۃ تعاد ام لا۔[4]

کسی غائب یا عضو پر نماز ہمارے نزدیک ناجائز ہے اور اس میں امام شافعی کا خلاف ہے اس بناء پر کہ نماز جنازہ ان کے نزدیک دوبارہ ہوسکتی ہے ہمارے نزدیک نہیں۔

(۲۲۹) فتاوٰی شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی میں ہے:

ان اباحنیفۃ لا یقول بجواز الصلاۃ علی الغائب۔[5]

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جنازہ غائب پر نماز جائز نہیں مانتے۔

(۲۳۰) منظومہ امام مفتی الثقلین میں ہے: ؎

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر — فصل فی الصلوٰۃ علی المیت — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۱/۱۸۵

[2] خلاصۃ الفتاوٰی — الصلوٰۃ علی الجنازۃ اربع تکبیرات — مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ — ۱/۲۲۴

[3] وافی

[4] کافی شرح وافی

[5] فتاوٰی امام غزی تمرتاشی — کتاب الطہارۃ والصلوٰۃ — مطبع اہل السنۃ والجماعۃ بریلی — ص ۴

باب فتاوی الشافعی وحدہ وما بہ قال قلنا ضدہ
وھی علی الغائب والعضو تصح وذاک فی حق الشہید قد طرح [1]

صرف امام شافعی قائل ہیں کہ غائب اور عضو پر نماز صحیح ہے اور شہید کی نماز نہ ہو اور ان سب مسائل میں ہمارا مذہب اس کے خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک غائب وعضو پر نماز صحیح نہیں اور شہید کی نماز پڑھی جائے گی۔

یہ ۸۶ کتابوں کی ۲۳۰ عبارتیں ہیں، وللہ الحمد مسئلہ اولٰی پر بحث دلائل النہی الحاجز میں بحمد اللہ تعالٰی بروجہ کافی ہوچکی، یہاں بہت اختصار واجمال کے ساتھ مسئلہ ثانیہ کے دلائل پر کلام کریں۔

فنقول وباللہ التوفیق حکم شرع مطہر کے لیے ہے اور اس پر زیادت ناروا۔

اقول ای ماکان بدون اذنہ الخاص او العام ولو فی ضمن الارسال او السکوت فانہ بیان ولیس یسکت عن نسیان فھذہ ھی الزیادۃ حقیقۃ لاغیرہ اذ المستند ولو الی سکوتہ مستند الیہ لازائد علیہ والمتبع الکف دون الترک فانہ لیس بفعل العبد ولا مقدور کما نص علیہ الاجلۃ الصدور بل ھو فی العقل مدلل فان الاعدام لاتعلل فافھم ان کنت تفھم۔

اقول یعنی وہ زیادتی جو شرع کے اذنِ خاص یا عام کے بغیر ہو اگرچہ وہ ارسال یا سکوت کے ضمن میں ہو اس لیے کہ وُہ بھی بیان ہے اس کا سکوت نسیان سے نہیں ہوتا، یہی زیادتی حقیقۃً زیادتی ہے، اس کے علاوہ نہیں، اس لیے کہ جس کا استنادِ شرع سے ہو گو سکوت ہی سے ہو وہ شریعت کی طرف مستند ہے اُس پر زائد نہیں۔ اور اتباع کف (قصداً باز رہنے) میں ہوتی ہے نہ ہونے میں نہیں (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قصداً کسی کام سے باز رہے تو اس میں ان کی پیروی ہوگی اور یُوں کوئی کام سرکار کے عمل میں نہ آیا تو وہ ممنوع نہ ہوگا نہ اس سے بچنا ضروری ہوگا) اس لیے کہ ترک بندے کا فعل ہی نہیں، نہ ہی اس کی قدرت میں ہے جیسا کہ اجلّہ بزرگانِ دین نے اس کی تصریح فرمائی ہے، بلکہ عقل کے نزدیک بھی یہ دلیل رکھتا ہے کیونکہ عدم کی تعلیل نہیں ہوتی، اسے سمجھو اگر سمجھ والے ہو۔ (ت)

حضور پُرنور سیّد یوم النشور بالمؤمنین رؤف رحیم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو نمازِ جنازہ مسلمین کا کمال اہتمام تھا۔ اگر کسی وقت رات کی اندھیری یا دوپہر کی گرمی یا حضور کے آرام فرما ہونے کے سبب صحابہ نے حضور

---

[1] منظومہ امام مفتی الثقلین عمر النسفی

کو اطلاع نہ دی اور دفن کردیا تو ارشاد فرماتے :

لا تفعلوا ادعونی لجنائزکم[1] رواہ ابن ماجۃ عن عامر بن ربیعۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ایسا نہ کرو، مجھے اپنے جنازوں کے لیے بلا لیا کرو۔ اسے ابن ماجہ نے عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اور فرماتے :

لا تفعلوا لا یموتن فیکم میت ما کنت بین اظھرکم الا اذنتمونی بہ فان صلٰوتی علیہ رحمۃ[2] رواہ الامام احمد عن یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ ورواہ ابن حبان و الحاکم عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حدیث اٰخر۔

ایسا نہ کرو جب تک میں تم میں تشریف فرما ہوں ہرگز کوئی میت تم میں نہ مرے جس کی اطلاع مجھے نہ دو کہ اُس پر میری نماز موجبِ رحمت ہے۔ اسے امام احمد نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور اسے ابن حبان اور حاکم نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث کے آخر میں روایت کیا۔

اور فرماتے :

ھذہ القبور مملوۃ ظلمۃ علی اھلھا و انی انورھا بصلٰوتی علیھم[3] صلی اللہ تعالٰی

بیشک یہ قبریں اپنے ساکنوں پر تاریکی سے بھری ہیں اور بیشک میں اپنی نماز سے انھیں روشن فرمادیتا ہوں۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل — حدیث عامر بن ربیعہ — دار الفکر بیروت ۳/ ۴۴۴
التمہید — اباحۃ الصلوٰۃ علی القبر الخ — المکتبۃ القدوسیہ اردو بازار لاہور ۶/ ۱۶۷
[2] مسند احمد بن حنبل — حدیث یزید بن ثابت — دار الفکر بیروت ۴/ ۳۸۸
[3] صحیح مسلم — کتاب الجنائز — نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۱۰
مسند احمد بن حنبل — مروی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ — دار الفکر بیروت ۲/ ۳۸۸
الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان — فصل فی الصلوٰۃ الجنائز — موسسۃ الرسالۃ بیروت ۵/ ۳۵

ف۱ : یہ حدیث "تمہید" میں بھی منقول ہے اس پر تحقیق والے نے جنائز ابن ماجہ کا حوالہ دیا ہے لیکن مجھے یہ حدیث ابن ماجہ میں ان الفاظ کے ساتھ نہیں مل سکی البتہ مسند احمد بن حنبل میں انہی الفاظ سے یہ حدیث منقول ہے حوالہ ملاحظہ ہو۔ نذیر احمد

ف۲ یہی حدیث ابن ماجہ نے یزید بن ثابت کے حوالہ سے نقل کی اور مسند احمد بن حنبل میں بھی یزید کے حوالے سے منقول ہے اور یزید زید کے بڑے بھائی ہیں۔ نذیر احمد

وبارك وسلم عليه وعلى اٰله قدر نوره و جماله وجاهه وجلاله وجوده ونواله ونعمه وافضاله رواه مسلم وابن حبان عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه ـ

اللہ تعالٰی رحمت وبرکت اور سلامتی نازل فرمائے ان پر اور ان کی آل پر ان کے نور وجمال، جاہ وجلال، جُود ونوال، نِعَم وافضال کے حساب سے۔ حدیث مذکور کو مسلم اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

بااین ہمہ حالانکہ زمانہ اقدس میں صدہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے دوسرے مواضع میں وفات پائی، کبھی کسی حدیث صحیح صریح سے ثابت نہیں کہ حضور نے غائبانہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ کیا وہ محتاجِ رحمت والا نہ تھے، کیا معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان پر یہ رحمت وشفقت نہ تھی، کیا ان کی قبور اپنی نماز پاک سے پُرنور نہ کرنا چاہتے تھے، کیا جو مدینہ طیبہ میں مرتے انھیں کی قبور محتاجِ نُور ہوتیں اور جگہ اس کی حاجت نہ تھی۔ یہ سب باتیں بداہۃً باطل ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عام طور پر ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا ہی دلیل روشن واضح ہے کہ جنازہ غائب پر نماز ناممکن تھی ورنہ ضرور پڑھتے کہ مقتضی بکمال وفور موجود اور مانع مفقود۔ لاجرم نہ پڑھنا قصداً باز رہنا تھا اور جس امر سے مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم بے عذر مانع بالقصد احتراز فرمائیں وہ ضرور امر شرعی ومشروع نہیں ہوسکتا دوسرے شہر کی میت پر صلوٰۃ کا ذکر صرف تین واقعوں میں روایت کیا جاتا ہے۔ واقعہ نجاشی وواقعہ معٰویہ لیثی وواقعہ امرائے موتہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ان میں اوّل ودوم بلکہ سوم کا بھی جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے حاضر تھا تو نماز غائب پر نہ ہوئی بلکہ حاضر پر، اور دوم وسوم کی سند صحیح نہیں، اور سوم میں صلوٰۃ بمعنی نماز میں صریح نہیں۔ ان کی تفصیل بعونہ تعالٰی ابھی آتی ہے۔ اگر فرض ہی کرلیجئے کہ ان تینوں واقعوں میں نماز پڑھی تو باوصف حضور کے اس اہتمام عظیم وموفور اور تمام اموات کے اس حاجت شدیدہ رحمت ونور قبور کے صدہا پر کیوں نہ پڑھی وہ بھی محتاج حضور وحاجتمند رحمت ونور، اور حضور ان پر بھی رؤف ورحیم تھے۔ نماز سب پر فرض عین نہ ہونا اس اہتمام عظیم کا جواب نہ ہوگا، نہ تمام اموات کی اس حاجت شدیدہ کا علاج۔ حالانکہ حریصٌ علیکم ان کی شان ہے۔ دو ایک کی دستگیری فرمانا اور صدہا کو چھوڑنا کب ان کے کرم کے شایان ہے۔ ان حالات واشارات کے ملاحظہ سے عام طور پر ترک اور صرف دو ایک بار وقوع خود ہی بتادے گا کہ وہاں خصوصیتِ خاصہ تھی جس کا حکم عام نہیں ہوسکتا۔ حکم عام وہی عدم جواز ہے جس کی بنا پر عام احتراز ہے۔ اب واقعہ بئر معونہ ہی دیکھئے۔ مدینہ طیبہ کے ستّر جگر پاروں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص پیاروں، اجلّہ علمائے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو کفار نے دغا سے شہید کردیا۔ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کا سخت وشدید غم والم ہوا۔ ایک مہینہ کامل خاص نماز کے اندر کفار نابکار پر لعنت فرماتے رہے، مگر ہرگز منقول نہیں کہ ان پیارے محبوبوں پر نماز پڑھی ہو۔

ع آخر ایں ترک و بایں مرتبہ بے چیزے نیست

(آخر اجلّہ صحابہ کرام کے شہید ہونے پر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ان کی نماز جنازہ کو ترک فرمانا بغیر کسی وجہ کے نہیں ہوسکتا)

اہل انصاف کے نزدیک کلام تو اسی قدر سے تمام ہُوا مگرہم ان وقائع ثلٰثہ کا بھی باذنہ تعالٰی تصفیہ کریں۔

واقعہ اُولٰی: جب اصحمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بادشاہ حبشہ نے حبشہ میں انتقال کیا۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں صحابہ کو خبر دی اور مصلّی میں جاکر صفیں باندھ کر چار تکبیریں کہیں[۱]۔ رواہ الستۃ عن ابی ھریرۃ وللشیخان عن جابر کنت فی الصف الثانی او الثالث[۲] رضی اللہ تعالٰی عنہما (اسے اصحاب ستہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا اور بخاری ومسلم میں حضرت جابر سے یہ بھی ہے کہ میں دوسری یا تیسری صف میں تھا، رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ ت)

اوّلاً صحیح ابن حبان میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن الصحابہ جمیعا سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا فصلوا علیہ فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصفوا خلفہ فکبر اربعا وھم لایظنون الا ان جنازتہ بین یدیہ[۳]۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا بھائی نجاشی مرگیا، اٹھو اس پر نماز پڑھو۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھڑے ہوئے صحابہ نے پیچھے صفیں باندھیں، حضور نے چار تکبیریں کہیں صحابہ کو یہی ظن تھا کہ ان کا جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہے۔

صحیح ابوعوانہ میں انھیں سے ہے:

فصلینا خلفہ ونحن لانری الا ان الجنازۃ قدامنا[۴]۔

ہم نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم یہی اعتقاد کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے موجود ہے۔

اقول ھذا فی فتح الباری ثم المواھب ثم شرحھا وکذلک فی

اقول ابوعوانہ وابن حبان کے حوالے سے فتح الباری پھر مواہب پھر شرح مواہب میں یہی الفاظ

---

[۱] صحیح البخاری　باب الصفوف علی الصفوف علی الجنازہ　قدیمی کتب خانہ کراچی　۱/۱۷۶

[۲] 〃　باب من صف صفین الخ　〃　〃

[۳] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان　فصل فی الصلٰوۃ علی الجنائز　مؤسسۃ الرسالہ بیروت　۵/۴۰

[۴] فتح الباری بحوالہ ابی عوانہ　باب الصفوف علی الجنازہ　مصطفی البابی مصر　۳/۴۳۲

عمدۃ القاری وغیرھا من الکتب ووقع فی نصب الرایۃ فی روایۃ ابن حبان وھم لایظنون ان جنازتہ بین یدیہ باسقاط الا فاحتاج المحقق علی الاطلاق الی التقریب بان قال فھذا اللفظ یشیر الی ان الواقع خلاف ظنھم لانہ ھو فائدۃ المعتد بھا فاما ان یکون سمعہ منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او کشف لہ[1] اھ وتبعہ فی الغنیۃ والمرقاۃ وھو کما تری کلامہ نفیس لکن لاحاجۃ الیہ بعد ثبوت الا فی الکتابین الصحیحین فانہ ح اظھر وازھی وللّٰہ الحمد وبالجملۃ اندفع بہ ما قال الشیخ تقی الدین ان ھذا یحتاج الی نقل یثبتہ ولا یکتفی فیہ بمجرد الاحتمال[2]۔

مذکورہ آئے ہیں اور ایسے ہی عمدۃ القاری وغیرہ کتابوں میں نقل ہے ـــ نصب الرایہ کے اندر روایت ابنِ حبان میں وھم لایظنون ان جنازتہ بین یدیہ (اور لوگ نہیں سمجھ رہے تھے کہ ان کا جنازہ حضور کے آگے رکھا ہُوا ہے) الا (مگر) کے اسقاط کے ساتھ واقع ہُوا تو محقق علی الاطلاق نے حدیث کو مدعا کے مطابق ثابت کرنے کی ضرورت محسوس کی اور فرمایا: اس لفظ سے یہ اشارہ ہو رہا ہے کہ واقع ہیں ان حضرات کے گمان کے برخلاف تھا کیونکہ اس جملے کا قابلِ شمار و لحاظ فائدہ یہی ہے (تو معنی یہ ہوا کہ وُہ ایسا نہیں سمجھ رہے تھے مگر واقع میں جنازہ حضورؐ کے آگے موجود تھا) اب یہ ان کو حضور سے سن کر معلوم ہوا ہو یا ان پر انکشاف ہوا ہو اھ ـــ اس کلام میں حضرت محقق کا اتباع صاحبِ غنیہ و صاحبِ مرقات نے بھی کیا ہے۔ اور واقعی یہ نفیس کلام ہے۔ مگر دونوں صحیح کتابوں (صحیح ابن حبان و صحیح ابی عوانہ) میں لفظ الا ثابت ہو جانے کے بعد اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جو الا کے ساتھ ہے وہ زیادہ ظاہر اور روشن ہے۔ اور خدا ہی کے لیے ساری حمد ہے۔ الحاصل اس سے وُہ اعتراض دفع ہو گیا جو شیخ تقی الدین نے لکھا کہ اس پر کوئی دلیل لانے کی ضرورت ہے محض احتمال کافی نہیں۔ (ت)

یہ دونوں روایت صحیح عاضد قوی ہیں اس حدیث مرسل اصولی کی کہ امام واحدی نے اسبابِ نزولِ قرآن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کی کہ فرمایا:

کشف للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن سریر النجاشی حتی راٰہ

نجاشی کا جنازہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ظاہر کر دیا گیا تھا حضور نے اسے دیکھا اور

---

[1] فتح القدیر فصل فی الصلوٰۃ علی المیت نوریہ رضویہ سکھر ۲/۸۰

[2] نصب الرایۃ بحوالہ تقی الدین احادیث الصلوٰۃ علی الغائب المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا ریاض الشیخ ۲/۲۸۳

وصلّی علیہ[1]

اُس پر نماز پڑھی۔

ثانیاً بلکہ جب تم مستدل ہو ہمیں احتمال کافی نہ کہ جب خود باسانید صحیحہ ثابت ہے۔ یہ جواب خود ایک شافعی امام قسطلانی نے مواہب شریفہ میں نقل کیا اور مقرر رکھا۔

اقول ای لما تقرر من کفہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فالظاہر معناہ الاحتمال عن دلیل ثم من العجب قول الکرمانی کان غائبا عن الصحابۃ[2] وارتضاہ فی الفتح قائلا سبقہ الٰی ذلک ابو حامد[3] الخ وکذا استحسنہ الرؤیانی وابعتہم شافعیۃ وھذا المانص علیہ الحنفیۃ والمالکیۃ من الاتفاق علی جواز الصلوۃ علی غائب عن القوم والامام یراہ۔ **اقول** علی ان فی حدیث عمران نحن لا نُری الا

اقول یعنی جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا غائبوں کی نماز سے باز رہنا ثابت ہے تو حضرت اصحمہ نجاشی کی نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا جنازہ سامنے تھا، تو ظاہر یہ ہے کہ احتمال سے مراد احتمال بدلیل ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ کرمانی نے لکھا، نجاشی کا جنازہ صرف نظر صحابہ سے غائب تھا، اسی کو فتح الباری میں پسند کیا یہ کہتے ہوئے کہ اس سے پہلے ابو حامد یہ فرما چکے ہیں۔ اسی طرح رویانی نے اسے عمدہ سمجھا، یہ چاروں حضرات شافعی ہیں۔ تعجب کی چیز یہ ہے کہ اس پر تو حنفیہ و مالکیہ کا بھی اتفاق ہے کہ

عہ قلدھم فیہ تقلیدا جامدا مجتہد الوھابیۃ الشوکانی فی نیل الاوطار والبوفالی فی عون الباری غافلین عما ردہ بہ الحنفیۃ وھذا دیدن ھؤلاء المدعین للاجتہاد یقلدون المقلدین فی الغلط المبین و یحرمون تقلید الائمۃ المجتہدین ۱۲ منہ (م)

اس میں ان کی تقلید جامد کی ہے مجتہد وہابیہ شوکانی نے نیل الاوطار میں اور بھوپالی نے عون الباری میں۔ اور اس کلام سے غافل رہے جس کے ذریعے حنفیہ نے اس جواب کو رَد کر دیا ہے۔ یہی ان مدعیانِ اجتہاد کی عادت ہے کہ کھلی ہوئی غلط باتوں میں مقلدین کی تقلید کرتے ہیں اور ائمہ مجتہدین کی تقلید کو حرام ٹھہراتے ہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب بحوالہ الواحدی النوع الرابع فی صلوٰتہ الخ دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۸۷
[2] فتح الباری بحوالہ الکرمانی باب الصفوف علی الجنازہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۲
[3] فتح الباری شرح البخاری " " " "

ان الجنازۃ قد امنا[1] کما قدمنا اما حدیث مجمع بن جاریۃ رضی اللہ عنہ فصففنا خلفہ صفین ومانری شیئا[2] رواہ الطبرانی (وھم من نسبہ لابن ماجۃ مغترا بقول الحافظ اصلہ فی ابن ماجۃ غافلا ان لیس عندہ "وما نری شیئا" وھو المقصود) ففیہ حمران بن اعین رافضی ضعیف علی ان کلا حکی عن حالہ فلا تعارض ولا یعقل من عاقل اشتراط ان یری المیت الکل والالما صحت لما عدا الصف الاول۔

ایسے کی نماز جنازہ جائز ہے جو لوگوں سے غائب ہو اور امام اسے دیکھ رہا ہو **اقول** علاوہ ازیں حدیث عمران میں یہ ہے کہ "ہم یہی اعتقاد کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے موجود ہے" جیسا کہ ہم پیش کرچکے۔ رہی مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، ہم نے حضور کے پیچھے دو صفیں لگائیں اور ہم کچھ نہ دیکھ رہے تھے اسے طبرانی نے روایت کیا (جس نے ابن ماجہ کا حوالہ دیا اُسے وہم ہوا، در اصل ابن حجر کی اس عبارت سے کہ "اس کی اصل ابن ماجہ میں ہے" وہ فریب خوردہ ہوگیا اور اس سے غافل رہا کہ ابن ماجہ میں یہ لفظ "ہم کچھ نہ دیکھ رہے تھے" موجود نہیں جبکہ وہی مقصود ہے۔ اس میں حمران بن اعین رافضی ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں ہر راوی نے اپنا حال بیان کیا ہے، اس لیے کوئی تعارض نہیں، ورنہ پہلی صف کے علاوہ کسی کی نماز ہی صحیح نہ ہو۔ (ت)

ثالثاً نجاشی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا انتقال دار الکفر میں ہوا وہاں اُن پر نماز نہ ہوئی تھی لہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہاں پڑھی۔ اسی بنا پر امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس حدیث کے لیے یہ باب وضع کیا،

الصلوۃ علی مسلم یلیہ اھل شرک فی بلد اخر[3]

دوسرے شہر میں ایسے مسلم کی نماز جنازہ جس کے قریب صرف اہل شرک ہیں۔ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب بحوالہ عمران بن حصین النوع الرابع فی صلوتہ الخ دار المعرفۃ بیروت ۸/۸۷

[2] شرح الزرقانی " " بحوالہ طبرانی " " " " " "

فتح الباری شرح البخاری باب الصلوۃ علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۳/۴۳۲

[3] سنن ابی داؤد باب الصلوۃ علی المسلم یموت فی بلاد الشرک آفتاب عالم پریس، لاہور ۲/۱۰۱

ف: معجم کبیر میں مجمع بن جاریہ کی احادیث کے تحت بحوالہ ابن ابی شیبہ حدیث کے الفاظ یُوں ہیں: "فصففنا خلفہ صفین" اس میں "وما نری شیئا" کے الفاظ نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو معجم کبیر حدیث ۱۰۸۶ جلد ۱۹ ص ۴۴۶۔ نذیر احمد

2.
2

قال الحافظ فی الفتح هذا محتمل الا انی لم اقف فی شیئ من الاخبار علی انه لم یصل علیه فی بلده احد اھ[1] قال الزرقانی وھو مشترک الالزام فلم یرو فی الاخبار انه صلی علیه احد فی بلده کما جزم به ابوداؤد و محله فی اتساع الحفظ معلوم[2] اھ **اقول** ای فقد کفانا المؤنة بقوله هذا محتمل **ثم اقول** قد یومی له ما اخرج احمد و ابن ماجة عن حذیفة بن اسید رضی الله تعالٰی عنه ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم خرج بهم فقال صلوا علی اخ لکم مات بغیر ارضکم قالوا من هو قال النجاشی[3] ثم رأیته[عہ] فی مسند ابی داؤد الطیالسی

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا یہ احتمال تو ہے مگر کسی حدیث میں یہ اطلاع میں نے نہ پائی کہ نجاشی کے اہلِ شہر میں سے کسی نے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی اھ علامہ زرقانی نے لکھا: یہ الزام دونوں طرف سے مشترک ہے کیونکہ کسی حدیث میں یہ بھی مروی نہیں کہ ان کے اہلِ شہر میں سے کسی نے ان کی نماز جنازہ پڑھی تھی ___ جیسا کہ ابوداؤد نے اس پر جزم کیا ہے اور وسعتِ حفظ میں ان کا مقام معلوم ہے اھ۔ **اقول** یعنی یہ احتمال مان کر ہمارا بوجھ اُنھوں نے خود ہی اتار دیا **ثم اقول** اس کا کچھ اشارہ اس سے ملتا ہے جو امام احمد اور ابن ماجہ نے حذیفہ بن اُسید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لوگوں کو لے کر باہر آئے پھر فرمایا: اپنے ایک بھائی کی

عہ ثم رأیت الشوکانی ذکرہ عن شیخ مذهبه الفاسد ابن تیمیة انه اختار التفصیل بجواز الصلٰوة علی الغائب ان لم یصل علیه حیث مات والا لا قال واستدل له بما اخرجه الطیالسی و احمد و ابن ماجة و ابن قانع و الطبرانی و الضیاء[4] فذکر الحدیث **اقول** اما الاستئناس فنعم واما کونه دلیلا علیه حجة فیه فلا کما لا یخفی ۱۲ منه (م)

پھر میں نے دیکھا کہ شوکانی نے اپنے فاسد مذہب کے پیشوا ابن تیمیہ سے متعلق ذکر کیا کہ اس نے یہ تفصیل اختیار کی ہے کہ غائب کی نماز جائز ہے اگر وہاں اس کی نماز نہ ہوئی جہاں انتقال کیا ورنہ جائز نہیں۔ اور کہا کہ اس پر دلیل میں وُہ حدیث پیش کی ہے جو طیالسی، امام احمد، ابن ماجہ، ابن قانع، طبرانی اور ضیاء نے روایت کی پھر حدیث بالا ذکر کی **اقول** اس حدیث سے رائے مذکور پر استیناس تو ہو رہا ہے مگر یہ کہ اس پر یہ دلیل اور اس بارے میں حجت ہو تو ایسا نہیں جیسا کہ واضح ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الصفوف علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۲
[2] شرح الزرقانی علی المواہب النوع الرابع دارالمعرفۃ بیروت ۸/ ۸۷
[3] سنن ابن ماجہ باب ما جاء فی الصلٰوۃ علی النجاشی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۱
[4] نیل الاوطار للشوکانی الصلٰوۃ علی الغائب بالنیۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷

قال حدثنا المثنیٰ بن سعید عن قتادۃ عن ابی طفیل عن حذیفۃ بن اسید ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتاہ موت النجاشی فقال ان اخاکم مات بغیر ارضکم فقوموا فصلوا علیہ[1] فہذا یقوی الاستئناس لمکان الفاء فی فقوموا۔

نماز ادا کرو جو تمہاری سرزمین کے علاوہ میں فوت ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا، وہ کون؟ فرمایا: نجاشی۔ پھر میں نے اسے مسند ابوداؤد طیالسی میں دیکھا، انھوں نے کہا ہم سے مثنیٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، وہ قتادہ سے وہ ابوالطفیل سے وہ حذیفہ بن اُسید سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس نجاشی کی وفات کی خبر آئی تو فرمایا، تمہارا بھائی تمہاری سرزمین کے علاوہ میں انتقال کرگیا تو اٹھو اس کی نماز پڑھو۔ یہ روایت استیناس کو قوت دے رہی ہے اس لیے کہ اس کے اندر فقوموا (تو اٹھو) میں فا (تو) ہے۔ (ت)

والہذا خود امام شافعی المذہب ابوسلیمان خطابی نے یہ مسلک لیا کہ غائب پر نماز جائز نہیں سوا اس صورت خاص کے کہ اس کا انتقال ایسی جگہ ہُوا ہو جہاں کسی نے اس کی نماز نہ پڑھی ہو۔ **اقول** اب بھی خصوصیتِ نجاشی ماننے سے چارہ نہ ہوگا، جبکہ اور موتیں بھی ایسی ہُوئیں اور نمازِ غائب کسی پر نہ پڑھی گئی۔

رابعاً بعض[ع] کو ان کے اسلام میں شبہ تھا یہاں تک کہ بعض نے کہا: حبشہ کے ایک کافر پر نماز پڑھی۔[2]

رواہ ابن ابی حاتم فی التفسیر عن ثابت و الدارقطنی فی الافراد والبزار عن حمید معاً عن انس ولہ شاہد فی کبیر الطبرانی عن وحشی و اوسط عن ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

اسے ابن ابی حاتم نے تفسیر میں ثابت سے، دارقطنی نے افراد میں اور بزار نے مسند میں حمید سے، دونوں حضرات نے حضرت انس سے روایت کیا۔ اور اس حدیث کی ایک شاہد طبرانی کبیر میں حضرت وحشی سے اور معجم اوسط میں حضرت ابوسعید سے ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم (ت)

اس نماز سے مقصود اُن کی اشاعتِ اسلام تھی۔ **اقول** یعنی بیان بالفعل اقوی ہے والہذا مصلّی میں تشریف لے گئے کہ جماعت کثیر ہو[4]

ع روایتِ طبرانی میں ہے اس کا قائل ایک منافق تھا[3] ۱۲ منہ (م)

---

[1] مسند ابوداؤد الطیالسی حدیث ۱۰۶۸ دار المعرفۃ بیروت ۴/۱۴۴

[2] فتح الباری بحوالہ ابن ابی حاتم والدارقطنی والبزار باب الصفوف علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۳/۴۳۱

[3] " " ابن بزیزہ " " " " " " "

[4] فتح الباری بحوالہ طبرانی اوسط باب الصفوف علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۳/۴۳۱

23 قاله ابن بزیزة وغیرہ من الشافعیة القائلین بجواز صلوٰۃ الجنازة فی المسجد معتلین لعدم صلوٰۃ صلی اللہ علیه وسلم فی المسجد مع انه حین نعاه کان فیه ھذا ولایذھب عنك ان الظاھر ان المعلم ھما الاولان۔

یہ ابن بزیزہ وغیرہ شافعیہ نے کہا جو اس کے قائل ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ جائز ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب رحلتِ نجاشی کی اطلاع دی تو اُس وقت مسجد ہی میں تشریف فرما تھے مگر جنازہ کیلئے باہر تشریف لے گئے اس کی علت ان حضرات نے یہ بتائی کہ اس سے مقصود تکثیر جماعت کے ذریعہ ان کے اسلام کا اعلان کرنا تھا۔ (اس واقعہ پر ہم نے چار کلام کئے مگر) خیال رہے کہ نقش زرنگار کی حیثیت صرف پہلے دو کو حاصل ہے۔ (ت)

تنبیہ: غیر مقلدوں کے بھوپالی امام نے عون الباری میں حدیثِ نجاشی کی نسبت کہا۔ اس سے ثابت ہوا کہ غائب پر نماز جائز ہے اگرچہ جنازہ غیر جہت قبلہ میں ہو اور نمازی قبلہ رُو۔

اقول یہ اس مدعیِ اجتہاد کی کورانہ تقلید اور اس کے ادعا پر مثبت جہل شدید ہے۔ نجاشی کا جنازہ حبشہ میں تھا اور حبشہ مدینہ طیبہ سے جانب جنوب ہے اور مدینہ طیبہ کا قبلہ جنوب ہی کو ہے تو جنازہ غیر جہت قبلہ کو کب تھا!

لاجرم لما نقل الحافظ فی الفتح قول ابن حبان انه انما یجوز ذلك لمن فی جهة القبلة، قال حجته الجمود علی قصة النجاشی اھ

جب حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری میں ابن حبان کا یہ قول نقل کیا کہ صرف اسی غائب کی نماز جنازہ ہوسکتی ہے جو سمتِ قبلہ میں ہو تو اس پر یہ کہا کہ: ان کی دلیل واقعۂ نجاشی پر جمود ہے اھ (ت)

تو ان مجتہد صاحب کا جہل قابلِ تماشا ہے جن کو سمتِ قبلہ تک معلوم نہیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے جنازہ پر نماز ان کی غیر سمت پڑھنے کا ادعا دُوسرا جہل ہے۔ حدیث میں تصریح ہے کہ حضور نے جانبِ حبشہ نماز پڑھی۔ رواہ الطبرانی عن حذیفة بن اسید رضی اللہ عنه (اسے طبرانی نے حذیفہ بن اُسید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

واقعہ دوم: معاویہ بن معاویہ مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مدینہ طیبہ میں انتقال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تبوک میں ان پر نماز پڑھی۔

ل فتح الباری بحوالہ ابن بزیزہ باب الصفوف علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۱
ل معجم کبیر مروی از حذیفہ بن اُسید حدیث ۳۰۴۸ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۳/ ۱۷۹

23
23

اوّلاً ائمہ حدیث عقیلی وابن حبان وبیہقی وابوعمر ابن عبدالبر وابن الجوزی ونووی وذہبی وابن الہمام وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف بتایا، اسے طبرانی نے معجم اوسط ومسند الشامیین میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی سے روایت کیا

بطریق نوح بن عمرو السکسکی ثنا بقیہ بن الولید عن محمد بن زیاد الالھانی عن ابی امامۃ۔

اس کی سند اس طرح ہے: نوح بن عمرو سکسکی نے ___ کہا ہم سے حدیث بیان کی بقیہ بن ولید نے ___ عن محمد بن زیاد الالہانی ___ عن ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

قلت ومن ھذا الطریق رواہ ابواحمد الحاکم فی فوائدہ والخلال فی فوائد سورۃ الاخلاص وابن عبدالبر فی الاستیعاب وابن حبان فی الضعفاء و اشار الیہ ابن مندۃ۔

قلت (میں کہتا ہوں) اسی طریق سے اس کو ابواحمد حاکم نے فوائد میں، خلال نے فوائد سورۃ اخلاص میں، ابن عبدالبر نے استیعاب میں، اور ابن حبان نے ضعفاء میں روایت کیا۔ اور اسی کی طرف ابن مندہ نے اشارہ کیا۔ (ت)

اس کی سند میں بقیہ بن ولید مدلس ہے اور اس نے عنعنہ کیا یعنی محمد بن زیاد سے اپنا سُننا نہ بیان کیا بلکہ کہا کہ ابن زیاد سے روایت ہے معلوم نہیں راوی کون ہے!

بہ اعلہ المحقق فی الفتح **اقول** لکن سند ابی احمد الحاکم ھکذا اخبرنا ابوالحسن احمد بن عمیر بدمشق ثنا نوح بن عمرو بن حری ثنا بقیۃ ثنا محمد بن زیاد عن ابی امامۃ فذکرہ۔

حضرت محقق نے فتح القدیر میں اسی سے اس کو معلول ٹھہرایا۔ **اقول** مگر ابواحمد حاکم کی سند اس طرح ہے، ہمیں خبر دی ابوالحسن احمد بن عمیر نے دمشق میں، انھوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی نوح بن عمرو بن حری نے، کہا ہم سے حدیث بیان کی محمد بن زیاد نے، وہ ابوامامہ سے راوی ہیں۔ اس کے بعد حدیث ذکر کی۔ (ت)

ذہبی نے کہا کہ حدیث منکر ہے نیز اس کی سند میں نوح ابن عمرو ہے۔ ابن حبان نے اسے حدیث کا چور بتایا، یعنی ایک سخت ضعیف شخص اسے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا تھا اس نے اس سے چُرا کر بقیہ کے سر باندھی۔

قال الذھبی فی ترجمۃ نوح قال ابن حبان یقال انہ سرق ھذا الحدیث[1] **اقول**

ذہبی نے نوح کے حالات میں لکھا: ابن حبان نے بیان کیا کہ "کہا جاتا ہے اس نے یہ حدیث چُرا لی اھ **اقول**

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۹۱۳۹ نوح بن عمرو بن نوح دار المعرفۃ بیروت ۴/۲۷۸

لفظ الحافظ فی الاصابۃ قال ابن حبان فی ترجمۃ العلاء الثقفی من الضعفاء بعد ان ذکر لہ ھذا الحدیث سرقہ شیخ من اھل الشام، فرواہ عن بقیۃ فذکرہ[1] اھ ولیس فیہ یقال وقد نقل عنہ ھکذا الذھبی فی العلاء اما قول الحافظ فما ادری عنی نوحًا اوغیرہ فانہ لم یذکر نوحًا فی الضعفاء[2] **فاقول** ظاھران نوحا ھو الشیخ الشامی الذی رواہ عن بقیۃ ولا مثار للشک حتی یثبت شامی اخر یرویہ عنہ لاجرم ان جزم الذھبی بانہ عنی بہ نوحا۔

اصابہ میں حافظ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں: ابن حبان نے علاء ثقفی ضعیف کے ترجمہ میں اس کی یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا، اسے شام کے ایک شیخ نے چرا کر اسے بقیہ سے روایت کردیا۔ پھر حدیث ذکر کی اھ ــــ اصابہ کی اس عبارت میں ابن حبان کے حوالہ میں لفظ یقال (کہا جاتا ہے) نہیں ہے ــــ اور خود ذہبی نے علاء کے بارے میں ابن حبان سے اسی طرح نقل کیا ہے ــــ اب رہا حافظ ابن حجر کا یہ کلام کہ "پتا نہیں ابن حبان نے نوح ہی کو مراد لیا ہے یا کسی اور کو؟ کیونکہ انہوں نے نوح کو ضعفاء میں ذکر نہیں کیا ہے" ــــ **فاقول** (تو میں کہتا ہوں) ظاہر ہے کہ نوح ہی وہ شامی شیخ ہے جس نے یہ حدیث بقیہ سے روایت کی ہے۔ اس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں کہ یہ ثابت کیا جائے کہ کوئی اور شامی شیخ اُس سے روایت کرنے والا ہے۔ لامحالہ ذہبی نے بلزوم کہا کہ ابن حبان نے اس سے نوح ہی کو مراد لیا ہے۔ (ت)

انس[ع] رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت طبقات ابن سعد میں دو طریق سے ہے، ایک طریق میں محبوب بن ہلال مزنی ہے۔

ع تنبیہ: لم یرد الحدیث عن صحابی غیر انس وابی امامۃ اما ماوقع فی نسختی فتح القدیر المطبوعتین بمصر والھند من قولہ بعد ذکر قصۃ النجاشی فان قیل بل قد صلی علی غیرہ من الغیب وھو معاویۃ بن معاویۃ المزنی، ویقال اللیثی رواہ الطبرانی من حدیث ابی امامۃ

تنبیہ: یہ حضرت انس اور ابو امامہ کے علاوہ کسی اور صحابی سے وارد نہیں ــــ رہی فتح القدیر کی یہ عبارت جو اس کے مصر اور ہند کے طبع شدہ دونوں نسخوں میں ہے کہ "واقعہ نجاشی ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں، اگر اعتراض ہو کہ حضور نے نجاشی کے علاوہ دوسرے پر بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے۔ وہ معاویہ بن معاویہ مزنی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ لیثی" ــــ اسے طبرانی نے حضرت ابو امامہ سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ نمبر ۸۰۸۰ معاویہ بن معاویہ مزنی دار صادر بیروت ۳/۴۳۷

[2] " " " " " " " "

قلت ومن هذا الوجه اخرجه الطبرانی وابن الضریس وسمویة فی فوائدہ وابن مندة والبیھقی فی الدلائل[1]

قلت (میں کہتا ہوں) اسی طریق سے اُسے طبرانی، ابن ضریس، فوائد میں سمویہ، ابن مندہ، اور دلائل میں بیہقی نے روایت کیا۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وابن سعد من حدیث انس وعلی وزید وجعفر لما استشھدا بموتہ علی ما فی مغازی الواقدی[2] فصحیف وصوابہ وابن سعد من حدیث انس وعلی زید وجعفر ای وصلی علیھما فقد اخذ کلام الفتح ھذا برمتہ الحلبی فی الغنیة فقال وابن سعد من حدیث انس وکذا صلی علی زید وجعفر[3] وکذا اخذہ بتمامہ القاری فی المرقاة فقال وابن سعد من حدیث انس وصلی علی زید وجعفر[4] وقد جمع الحافظ طرق الحدیث فی الاصابة فلم یذکرہ عن علی ولا عن غیرہ من الصحابة سوی انس و ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنھم ۱۲ منہ (م)

سے روایت کیا ہے اور ابن سعد نے حضرت انس اور علی سے، اور زید وجعفر پر بھی نماز پڑھی جب یہ دونوں حضرات موتہ میں شہید ہوئے جیسا کہ مغازی واقدی میں ہے ــــ تو اس عبارت (من حدیث انس و علی وزید وجعفر) میں تصحیف (کتابت کی غلطی) ہے۔ صحیح عبارت اس طرح ہے (وابن سعد من حدیث انس وعلی زید وجعفر) یعنی اور اسے ابن سعد نے حضرت انس سے روایت کیا، اور حضور نے حضرت زید وحضرت جعفر کی بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ــ اس خطائے کتابت کی دلیل یہ ہے کہ فتح القدیر کا پورا کلام لے کر علامہ حلبی نے غنیہ میں یوں لکھا: وابن سعد من حدیث انس، وکذا صلی علی زید وجعفر (اور ابن سعد نے اسے حضرت انس سے روایت کیا، اور اسی طرح حضور نے حضرت زید وحضرت جعفر کی نماز پڑھی) یُوں ہی علامہ علی قاری نے اسے مکمل اخذ کرکے مرقات میں یُوں لکھا: وابن سعد من حدیث انس، وصلی علی زید و جعفر (اور ابن سعد نے حضرت انس کی حدیث میں اسے روایت کیا اور حضور نے حضرات زید وجعفر کی نماز پڑھی) ــــ اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اس حدیث کے تمام طُرق جمع کیے ہیں مگر ان میں حضرت علی یا کسی اور صحابی سے روایت کا ذکر نہیں صرف حضرت انس و ابو امامہ کا ذکر ہے۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم (ت)

---

[1] الاصابة ترجمہ ۸۰۸۰ ۳/ ۳۳۶
[2] فتح القدیر ۲/ ۸۱
[3] غنیة المستملی ص ۵۸۴
[4] مرقات المفاتیح ۴/ ۱۴۰

ذہبی نے کہا یہ شخص مجہول ہے اور اس کی یہ حدیث منکر۔[1]
دوسرے طریق میں علاء بن یزید ثقفی ہے۔

قلت ومن ھذا الطریق اخرجہ ابن ابی الدنیا ومن طریقہ ابن الجوزی فی العلل المتناھیۃ والعقیلی وابن سنجر فی مسندہ وابن الاعرابی وابن عبد البر وحاجب الطوسی فی فوائدہ۔[3]

قلت (میں کہتا ہوں) اسی طریق سے اس کو ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے اور اسی کے طریق سے ابن الجوزی نے العلل المتناہیہ میں، اور عقیلی اور ابن سنجر نے اپنی مسند میں اور ابن الاعرابی، ابن عبد البر نے اور فوائد میں حاجب طوسی نے روایت کیا ہے۔ (ت)

امام نووی نے خلاصہ میں فرمایا: اس کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ امام بخاری و ابن عدی و ابوحاتم نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے۔ ابوحاتم و دارقطنی نے کہا: متروک الحدیث ہے۔ امام علی بن مدینی استاذِ امام بخاری نے کہا: وہ حدیثیں دل سے گھڑتا تھا۔ ابن حبان نے کہا: یہ حدیث بھی اسی کی گھڑی ہوئی ہے، اس سے چرا کر ایک شامی نے بقیہ سے روایت کی۔[2] ذکرہ فی المیزان (اسے میزان الاعتدال میں ذہبی نے ذکر کیا۔) ابوالولید طیالسی نے کہا، علاء کذاب تھا۔[3] عقیلی نے کہا: العلاء بن یزید ثقفی لایتابعہ احد علی ھذا الحدیث الامن ھو مثلہ اودونہ علاء کے سوا جس جس نے یہ حدیث روایت کی سب علاء ہی جیسے ہیں یا اس سے بھی بدتر، ذکرہ فی العلل المتناھیۃ (ابن الجوزی نے اسے علل متناہیہ میں ذکر کیا۔ ت) ابوعمر بن عبد البر نے کہا: اس حدیث کی سب سندیں ضعیف ہیں اور دربارۂ احکام اصلاً حجت نہیں۔ صحابہ میں کوئی شخص معاویہ بن معاویہ نام معلوم نہیں۔[5] قالہ فی الاستیعاب ونقلہ فی الاصابۃ (ابن عبد البر نے یہ استیعاب میں کہا اور حافظ نے اسے اصابہ میں نقل کیا۔ ت) یونہی ابن حبان نے کہا کہ مجھے[عہ] اس نام کے

عہ وہابیہ کے امام شوکانی نے نیل الاوطار میں یہاں عجیب تماشہ کیا ہے،
اوّلاً استیعاب سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے معٰویہ بن معٰویہ لیثی پر نماز پڑھی۔ پھر کہا
(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۰۸۵ محبوب بن ہلال دارالمعرفۃ بیروت ۳/۴۴۲
[2] و [3] " " ۵۷۳۰ العلاء بن زید الثقفی " " ۳/۹۹
[4] العلل المتناھیۃ حدیث فی فضل معاویۃ بن معاویۃ دارالنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۲۹۹
[5] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ترجمہ ۸۰۸۰ معاویۃ بن معاویۃ دارصادر بیروت ۳/۴۳۷

کوئی صاحب صحابہ میں یاد نہیں[1] اثرہ فی المیزان (اسے ذہبی نے میزان میں نقل کیا۔ ت)

ثانیاً فرض کیجئے کہ یہ حدیث اپنے طُرق سے ضعیف نہ رہے کما اختارہ الحافظ فی الفتح (جیسا کہ حافظ ابن حجر نے اسے فتح الباری میں اختیار کیا ہے۔ ت) یا بفرض غلط لذاتہٖ صحیح سہی پھر اس میں کیا ہے خود اسی میں تصریح ہے کہ جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیشِ نظرِ انور کردیا گیا تھا تو نمازِ جنازہ حاضر پر ہُوئی نہ کہ غائب پر۔ حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لفظ طبرانی کے یہاں یہ ہیں۔ جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والسلام نے حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! معاویہ بن معاویہ مزنی نے مدینہ میں انتقال کیا۔

اتحب ان اطوی لک الارض، فتصلی علیہ قال نعم، فضرب بجناحہ علی الارض فرفع لہ سریرہ فصلی علیہ، وخلفہ صفان من الملئکۃ کل صف سبعون

کیا حضور چاہتے ہیں کہ حضور کے لیے زمین لپیٹ دوں تاکہ حضور ان پر نماز پڑھیں۔ فرمایا: ہاں۔ جبریل نے اپنا پَر زمین پر مارا جنازہ حضور کے سامنے ہوگیا اس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی، اور فرشتوں کی دو صفیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

استیعاب میں اس قصہ کا مثل معاویہ بن مقرن کے حق میں ابوامامہ سے روایت کیا۔ پھر کہا نیز اس کا مثل انس سے ترجمہ معاویہ بھی معاویہ مزنی میں روایت کیا[2]۔ اس میں یہ وہم لاتا ہے کہ گویا تین صحابی جدا جدا ہیں جن پر نماز غائب مروی ہے، حالانکہ یہ محض جہل یا تجاہل ہے وہ ایک ہی صحابی ہیں معاویہ نام جن کے نسب ونسبت میں راویوں سے اضطراب واقع ہُوا، کسی نے مزنی کہا، کسی نے لیثی، کسی نے معاویہ بن معاویہ، کسی نے معاویہ بن مقرن، ابوعمر نے معاویہ بن مقرن مزنی کو ترجیح دی کہ صحابہ میں معاویہ بن معاویہ کوئی معلوم نہیں، اور حافظ نے اصابہ میں معاویہ بن معاویہ مزنی کو ترجیح دی اور لیثی کہنے کو علاء ثقفی کی خطا بتایا اور معاویہ بن مقرن کو ایک اور صحابی مانا جن کے لیے یہ روایت نہیں، بہرحال صاحبِ قصہ شخص واحد ہیں۔ اور شوکانی کا ایہام تثلیث محض باطل۔ ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں فرمایا: معاویۃ بن معاویۃ المزنی ویقال اللیثی ویقال معاویۃ بن مقرن المزنی قال ابوعمر وھو اولٰی بالصواب[3] اھ یعنی معاویہ بن معاویہ مزنی، اور کوئی کہتا ہے معاویہ بن مقرن مزنی، ابوعمرو نے کہا یہی صواب سے نزدیک تر ہے۔ پھر حدیث انس کے طریق اوّل سے پہلے طور پر نام ذکر کیا اور طریق دوم سے دوسرے طور پر اور حدیث ابوامامہ سے تیسرے طور پر۔ ۱۲ منہ۔

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۷۳۰ العلاء بن زید الثقفی دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۹۹

[2] نیل الاوطار الصلٰوۃ علی الغائب بالنیۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷

[3] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ترجمہ معاویہ بن معاویہ مزنی المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۴/ ۳۸۸

الف ملک[1]۔

حضور کے پیچھے تھیں، ہر صف میں ستر ہزار فرشتے۔

ابو احمد حاکم کے یہاں یوں ہے:

وضع جناحہ الایمن علی الجبال، فتواضعت ووضع جناحہ الایسر علی الارضین فتواضعت حتی نظرنا الی مکۃ والمدینۃ فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وجبریل والملٰئکۃ[2]۔

جبریل نے اپنا داہنا پَر پہاڑوں پر رکھا وہ جُھک گئے بایاں زمینوں پر رکھا وہ پست ہوگئیں یہاں تک کہ مکّہ و مدینہ ہم کو نظر آنے لگے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ان پر نماز پڑھی۔

حدیث انس بطریق محبوب کے لفظ یہ ہیں: جبریل نے عرض کی کیا حضور اس پر نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔

فضرب بجناحہ الارض فلم تبق شجرۃ ولا اکمۃ الا تضعضعت ورفع لہ سریرہ حتی نظر الیہ فصلی علیہ[3]۔

پس جبریل نے زمین پر اپنا پَر مارا کوئی پیڑ اور ٹیلہ نہ رہا جو پست نہ ہوگیا، اور ان کا جنازہ حضور کے سامنے بلند کیا گیا یہاں تک کہ پیشِ نظرِ اقدس ہوگیا، اس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی۔

بطریق علاء کے لفظ یوں ہیں:

هل لك ان تصلی علیہ فاقبض لك الارض قال نعم فصلی علیہ[4]۔

جبریل نے عرض کی حضور ان پر نماز پڑھنی چاہیں تو میں زمین سمیٹ دوں۔ فرمایا: ہاں۔ جبریل نے ایسا ہی کیا، اُس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی۔

اقول بلکہ طرزِ کلام مشیر ہے کہ نماز پڑھنے کے لیے جنازہ سامنے ہونے کی حاجت سمجھی گئی، جب تو جبریل نے عرض کی کہ حضور نماز پڑھنی چاہیں تو میں زمین لپیٹ دوں تاکہ حضور نماز پڑھیں۔ فافہم

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ بحوالہ الطبرانی باب المشی بالجنازۃ الخ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۴۶
فتح القدیر بحوالہ الطبرانی فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۸۱
[2] مجمع الزوائد 〃 باب الصلوٰۃ علی الغائب دار الکتاب العربی بیروت ۳/۳۸
[3] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ ۸۰۸۰ معاویہ بن معاویہ دار صادر بیروت ۳/۴۳۶
[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۳/۴۳۷

واقعہ سوم: واقدی نے مغازی میں عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کی:

لما التقی الناس بموتۃ، جلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر وکشف لہ ما بینہ وبین الشام، فھو ینظر الی معرکتھم، فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اخذ الرایۃ زید بن حارثۃ، فمضی حتی استشھد، وصلی علیہ ودعا لہ وقال استغفروا لہ وقد دخل الجنۃ وھو یسعٰی ثم اخذ الرایۃ جعفر بن ابی طالب فمضی حتی استشھد فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ودعا وقال استغفروا لہ وقد دخل الجنۃ فھو یطیر فیھا بجناحین حیث شاء[1]۔ (ملخصاً)

جب مقام موتہ میں لڑائی شروع ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ عزوجل نے حضور کے لیے پردے اٹھا دئے کہ ملک شام اور وہ معرکہ حضور دیکھ رہے تھے، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زید بن حارثہ نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا حضور نے انھیں اپنی صلٰوۃ و دعا سے مشرف فرمایا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لیے استغفار کرو بیشک وُہ دوڑتا ہُوا جنت میں داخل ہوا۔ حضور نے فرمایا پھر جعفر بن ابی طالب نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا حضور نے ان کو اپنی صلٰوۃ و دعا سے شرف بخشا اور صحابہ کو ارشاد ہُوا اس کے لیے استغفار کرو وہ جنت میں داخل ہُوا اور اس میں جہاں چاہے اپنے پروں سے اڑتا پھرتا ہے۔

اوّلاً یہ دونوں طرق سے مرسل ہے **اقول** عاصم بن عمر اوساط تابعین سے ہیں۔ قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی کے پوتے اور یہ عبداللہ ابن ابی بکر عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم ہیں۔ صغار تابعین سے عمرو بن حزم صحابی رضی اللہ عنہ کے پرپوتے۔

ثانیاً خود واقدی کو محدثین کب مانتے ہیں، یہاں تک کہ ذہبی نے ان کے متروک ہونے پر اجماع کا ادعا کیا[2]

اقول وزدت ھذہ مشایعۃ للاوّل وکلاھما الزام فالمرسل نقبلہ والواقدی نوثقہ۔

اقول (میں کہتا ہوں) یہ نقد پہلے نقد کی روش پر میں نے بڑھا دیا ہے اور دونوں اعتراض الزامی ہیں ورنہ ہمارے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہے اور واقدی ثقہ ہیں۔ (ت)

---

[1] کتاب المغازی بیان غزوۂ موتہ موسسۃ العلمی بیروت ۲/ ۷۶۲

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۹۹۳ محمد بن عمر واقدی دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۶۶۶

ثالثاً، اقول عبداللہ بن ابی بکر سے راوی شیخ واقدی عبدالجبار بن عمارہ مجہول ہے[1] کما فی المیزان (جیساکہ میزان میں ہے۔ت) تو مرسل نامعتضد ہے۔ (یعنی رواۃ ثقہ ہو تو یہ مرسل قوی ومقبول ہوتی، جہالتِ راوی کے باعث اس میں قوت نہ رہی ۱۲ مترجم)

رابعاً خود اسی روایت میں صاف تصریح ہے کہ پردے اٹھادئے گئے تھے، معرکہ حضرت اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیش نظر تھا۔

اقول لکن موتۃ بالشام علی مرحلتین من بیت المقدس وغزوتہا سنۃ ثمان وقد حولت القبلۃ قبلہا بزمان[ع] فکیف یکفی الرؤیۃ مع اشتراط کونہا امام المصلی الا ان یقال انما ارید الرد علی الاحتجاج لصلٰوۃ الغیب وقد تم واذا ثبت فیہا قولنا ثبت ذلک الشرط لنا لان الرؤیۃ مع الاستدبار لاتمکننا۔

اقول لیکن مقام موتہ سرزمین شام میں بیت المقدس سے دو منزل پر واقع ہے (تو مدینہ سے سمتِ قبلہ میں نہیں بلکہ قبلہ کی سمت مخالف شمال میں ہوا۔ مترجم) اور غزوہ موتہ ۸ھ ہجری میں ہُوا جس سے بہت پہلے تحویلِ قبلہ ہوچکی تھی۔ پھر یہ رؤیت کیسے کافی ہوگی جبکہ جنازہ کا مصلّی کے آگے ہونا شرط ہے۔ جواباً کہا جاسکتا ہے کہ غائبانہ نماز پر استدلال کا رَد کرنا مقصود تھا وُہ پُورا ہوگیا، اور اس بارے میں جب ہمارا قول ثابت ہوجائیگا تو وُہ شرط بھی ہمارے حق میں ثابت ہوگی اس لیے کہ پُشت کی جانب جنازہ ہوتے ہُوئے دیکھ لینا ہمارے لیے ناممکن ہے۔(ت)

خامساً، اقول کیا دلیل ہے کہ یہاں صلٰوۃ بمعنی نماز معہود ہے بلکہ بمعنی درود ہے اور دعا لہ عطفِ تفسیری نہیں بلکہ تعمیم بعد تخصیص ہے اور سوق روایت اسی میں ظاہر کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اس وقت منبر اطہر پر تشریف فرما ہونا مذکور اور منبر انور دیوارِ قبلہ کے پاس تھا اور معتاد یہی ہے کہ منبر پر رُو بحاضرین ولپشت بہ قبلہ جلوس ہو۔ اور اس روایت میں نماز کے لیے منبر پر سے اُترنے پھر تشریف لے جانے کا کہیں ذکر نہیں، نیز برخلاف روایت نجاشی اس میں نماز صحابہ بھی نہیں، نہ یہ کہ حضور نے ان کو نماز کیلئے فرمایا۔ اگر یہ نماز تھی تو صحابہ کو شریک نہ فرمانے کی کیا وجہ۔ نیز اسی معرکہ میں تیسری شہادت عبداللہ بن رواحہ

[ع] لان تحویلہا فی السنۃ الثانیۃ ۱۲ منہ (م) اس لیے کہ تحویلِ قبلہ ۲ھ میں ہوئی ہے۔(ت)

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۴۷۴۲ عبدالجبار بن عمارہ دارالمعرفۃ بیروت ۵۳۳/۲

رضی اللہ عنہ کی ہے ان پر صلٰوۃ کا ذکر نہیں ، اگر نماز ہوتی توان پر بھی ہوتی ، ہاں درود کی ان دو کے لیے تخصیص وجہ وجیہ رکھتی ہے اگرچہ وجہ کی حاجت بھی نہیں کہ وہ احکامِ عامہ سے نہیں ۔ وجہ اس حدیث سے ظاہر ہوگی کہ جس میں ان دو کرام کا حضرت ابن رواحہ سے فرق ارشاد ہُوا ہے اور یہ کہ ان کو جنّت میں منہ پھیرے ہُوئے پایا کہ معرکہ میں قدرے اعراض واقع ہو کر اقبال ہُوا تھا ،

وھوفی اٰخرھٰذین المرسلین رواہ البیھقی عن طریق الواقدی بسندیہ والیہ اشار فی حدیث ابن سعد عن ابی عامر الصحابی رضی اللہ عنہ مرفوعا رأیت فی بعضھم اعراضا کانہ کرہ السیف[1]

وہ بات ان ہی دونوں مرسل کے آخر میں ہے اسے بیہقی نے بطریق واقدی اس کی دونوں سندوں سے روایت کیا ہے اور اسی کی طرف طبقات ابن سعد کی حدیث میں اشارہ ہے جو حضرت ابو عامر صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ سرکار نے فرمایا ان میں سے ایک کے اندر میں نے کچھ اعراض دیکھا گویا شمشیر سے اسے ناگواری ہُوئی ۔ (ت)

اور سب سے زائد یہ کہ وہ شہدائے معرکہ ہیں ۔ نمازِ غائب جائز ماننے والے شہیدِ معرکہ پر نماز نہیں مانتے تو باجماعِ فریقین یہاں صلٰوۃ بمعنی دُعا ہونا لازم ۔ جس طرح خود امام نووی شافعی ، امام قسطلانی شافعی ، امام سیوطی شافعی رحمہم اللہ تعالٰی نے صلٰوۃ علٰی قبورِ شہداءِ اُحد میں ذکر فرمایا کہ یہاں صلٰوۃ بمعنے دعا ہونے پر اجماع ہے کما اثرناہ فی النھی الحاجز (جیسا کہ ہم نے اسے النھی الحاجز میں نقل کیا ہے ۔ ت) حالانکہ وہاں توصلی علٰی اھل احد صلٰوتہ علی المیت[2] (اہلِ اُحد پر ویسے ہی صلٰوۃ پڑھی جیسے میّت پر صلٰوۃ ہوتی ہے ۔ ت) ہے یہاں اس قدر بھی نہیں ۔ وہابیہ کے بعض جاہلان بیخرد مثل شوکانی صاحبِ نیل الاوطار ایسی جگہ اپنی اُصول دانی یُوں کھولتے ہیں کہ صلٰوۃ بمعنے نماز حقیقتِ شرعیہ ہے اور بلادلیل حقیقت سے عدول ناجائز ۔

اقول ، اوّلاً ان مجتہد بننے والوں کو اتنی خبر نہیں کہ حقیقتِ شرعیہ صلٰوۃ بمعنی ارکانِ مخصوصہ ہے ۔ یہ معنی خود نمازِ جنازہ میں کہاں کہ اس میں نہ رکوع ہے نہ سجود ، نہ قرأت نہ قعود ۔ الثالث عندنا والبواقی اجماعا (قرأت ہمارے نزدیک اور باقی تینوں بالاجماع کسی کے یہاں نہیں ۔ ت) ولہٰذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ صلٰوۃ مطلقہ نہیں ، اور تحقیق یہ کہ وہ دعائے مطلق و صلٰوۃِ مطلقہ

---

[1] الطبقات الکبرٰی — بیان سریہ موتہ — دار صادر بیروت — ۲/ ۱۳۰

[2] صحیح البخاری — بالصلٰوۃ علی الشہید — قدیمی کتب خانہ کراچی — ۱/ ۱۷۹

یں برزخ ہے کما اشار الیہ البخاری فی صحیحہ واطال فیہ (جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے اور اس بارے میں طویل کلام کیا ہے۔ ت) محمود عینی نے تصریح فرمائی کہ نمازِ جنازہ پر اطلاقِ صلوٰۃ مجاز ہے۔ صحیح بخاری میں ہے، سماھا صلوٰۃ لیس فیھا رکوع ولا سجود[1] (اس کا نام رکھا ایسی نماز جس میں رکوع و سجود نہیں۔ ت)۔ عمدۃ القاری میں ہے:

لکن التسمیۃ لیست بطریق الحقیقۃ ولا بطریق الاشتراک ولکن بطریق المجاز[2]

لیکن تسمیہ بطور حقیقت نہیں، نہ بطور اشتراک بلکہ بطریق مجاز ہے۔ (ت)

ثانیاً: صلوٰۃ کے ساتھ جب علٰی فلاں مذکور ہو ہرگز اس سے حقیقتِ شرعیہ مراد نہیں ہوتی، نہ ہوسکتی ہے،

قال اللہ تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما[3]۔ اللھم صل وسلم وبارک علیہ وعلی اٰلہ کما تحب وترضی وقال وصل علیھم ان صلوٰتک سکن لھم[4]۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم اللھم صل علی اٰل ابی اوفی[5]۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اے ایمان والو! ان پر صلوٰۃ بھیجو اور خُوب سلام بھیجو۔ اے اللہ! اُن پر اور اُن کی آل پر رحمت و سلامتی و برکت نازل فرما جیسی تجھے محبوب و پسندیدہ ہے۔ اور ارشادِ باری ہے: ان پر صلوٰۃ بھیج بیشک تیری صلوٰۃ ان کے لیے سکون ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! آلِ ابی اوفی پر صلوٰۃ نازل فرما۔ (ت)

کیا اس کے یہ معنٰی ہیں کہ الٰہی! تو آلِ ابی اوفی پر نماز پڑھ یا اُن کا جنازہ پڑھ؟ کیا صلوٰۃ علیہ شرع میں بمعنی درود نہیں؟ ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون (لیکن وہابیہ نادان قوم ہے۔ ت)

تنبیہ: بعض حنفی بننے والے یہاں یہ عذر بے معنی پیش کرتے ہیں کہ مدارج النبوۃ میں ہے:

والآن در حرمین شریفین متعارف ست کہ چوں خبر

اور اس وقت حرمین شریفین میں متعارف ہے کہ

---

[1] صحیح البخاری باب سنۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۶

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری " " ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/۱۲۲

[3] القرآن ۳۳/۵۶

[4] القرآن ۹/۱۰۳

[5] صحیح البخاری باب ھل یصلی علی غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۴۱

می رسد کہ فلاں مرد صالح در بلدے از بلادِ اسلام فوت کردہ است شافعیہ نماز برفے میکنند و بعضے حنفیہ با ایشاں شریک می شوند از قاضی علی بن جار اللہ کہ شیخ حدیث ایں فقیر بود پُرسیدہ شد کہ حنفیہ چوں شریک می شوند در گزاردن ایں نماز، گفت دُعائے است کہ میکنند فلا باس بہ۔[1]

جب اطلاع ملتی ہے کہ فلاں مرد صالح بلادِ اسلام میں کسی شہر میں فوت ہوگیا تو شافعیہ اس کی نماز پڑھتے ہیں اور کچھ حنفی بھی ان کے ساتھ شریک ہوجاتے ہیں قاضی علی بن جار اللہ سے جو فقیر کے شیخ حدیث تھے پُوچھا گیا کہ حنفیہ اس نماز کی ادائیگی میں کیسے شریک ہوتے ہیں؟ اُنھوں نے فرمایا کہ ایک دُعا ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ت)

تمام نصوص صریحہ کتب معتمدہ و اجماع جمیع ائمہ مذہب کے مقابل گیارھویں صدی کے ایک فاضل قاضی کی حکایت پیش کرتے ہُوئے شرم چاہئے تھی۔

(۱) امام محقق علی الاطلاق کمال الملۃ والدین ابن الہمام رحمہ اللہ تعالٰی کہ متاخرین تو متاخرین خود ان کے معاصرین ان کے لیے مرتبۂ اجتہاد کی شہادت دیتے۔ ان امام جلیل کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی مسئلہ مذہب پر بحث کرنا چاہیں تو ڈرتے ڈرتے یُوں فرماتے ہیں:

لوکان الی شیئ لقلت کذا[2] مجھے کچھ اختیار ہوتا تو یُوں کہتا۔ (دیکھو فتح القدیر مسئلہ آمین و کتاب الحج باب الجنایات مسئلہ حلق وغیرہما)

پھر جو بحث وُہ کرتے ہیں علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں مسموع نہ ہوگی، اس پر عمل جائز نہیں، مذہب ہی کا اتباع کیا جائے گا۔ رد المحتار نواقض مسح الخف میں ہے:

قد قال العلامۃ قاسم لاعبرۃ بابحاث شیخنا یعنی ابن الہمام اذا خالف المنقول۔[3]

علامہ قاسم نے فرمایا: ہمارے استاد امام ابن الہمام کی بحثوں کا کچھ اعتبار نہیں جب وہ مسئلہ منقولہ مذہب کے خلاف ہوں۔

اسی طرح جنایات الحج میں ہے۔ نکاح الرقیق میں علامہ نور الدین علی مقدسی سے ہے:

الکمال بلغ رتبۃ الاجتہاد وان کان البحث لایقضی علی المذہب۔[4]

امام ابن الہمام رتبۂ اجتہاد تک پہنچے ہُوئے ہیں اگرچہ بحثِ مذہب پر غالب نہیں آسکتے۔

---

[1] مدارج النبوۃ انتقال شاہ حبشہ نجاشی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۷۷

[2] فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ و باب الجنایات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۵۷ و ۲/ ۴۴۸

[3] رد المحتار باب المسح علی الخفین ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۱۸۴

[4] " نکاح الرقیق " " " ۲/ ۳۷۸

پھر جسے ادنٰی لیاقتِ اجتہاد بھی نہیں جمیع ائمہ مذہب کے خلاف اُس کی بات کیا قابلِ التفات! طحطاوی باب العدت میں ہے:

النص ھو المتبع فلا یعول علی البحث معہ[1] | نقل ہی کا اتباع ہے تو مسئلہ منقول ہوتے ہوئے بحث کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۲) تصریح ہے کہ خلاف مذہب بعض مشائخ مذہب کے قول پر بھی عمل نہیں، ہم نے العطایا النبویہ میں اس کی بہت نقول ذکر کیں۔ حلبی علی الدر باب صلوۃ الخوف میں ہے:

لایعمل بہ لانہ قول البعض[2] | اس پر عمل نہ کیا جائے کہ یہ بعض کا قول ہے۔

تو جو ایک کا بھی قول نہ ہو اُس پر کیونکر عمل ہو سکتا ہے۔

(۳) نصوص جلیہ ہیں کہ متون کے مقابل شروح، شروح کے مقابل فتاوٰی پر عمل نہیں۔ ہم نے ان کی نقول متوافرہ اپنی کتاب فصل القضا فی رسم الافتاء میں روشن کیں اور علامہ ابراہیم حلبی محشی در کے قول میں مذکور ہے:

لایعمل بہ لمخالفتہ لاطلاق سائر المتون[3] | اس پر عمل نہیں کہ اطلاق جملہ متون کے خلاف ہے۔

جب نہ متون بلکہ صرف اطلاق عبارات متون کا مخالف ناقابلِ عمل، تو جو متون و شروح و فتاوٰی سب کے خلاف ہے اس پر عمل کیونکر محتمل!

(۴) پھر وہ بحث کچھ ہستی بھی رکھتی ہو، نمازِ جنازہ مجرد دعا کے مثل زنہار نہیں۔ دُعا میں طہارتِ بدن، طہارتِ جامہ، طہارتِ مکان، استقبالِ قبلہ، تکبیرِ تحریمہ، قیام تحلیل، استقرار علی الارض کچھ بھی ضرور نہیں، اور نمازِ جنازہ میں یہ اور ان سے زائد اور بہت باتیں سب فرض ہیں، کیا اگر کچھ لوگ اسی وقت پیشاب کرکے بے استنجا، بے وضو، بے تیمم جنازہ کے پاس آئیں اور ان میں ایک شخص قبلہ کو پشت کرکے جنازہ کی پٹی سے پیٹھ لگا کر بیٹھے اور باقی کچھ اس کے آگے کچھ برابر لیٹے بیٹھے، کچھ گھوڑوں پر چڑھے اور اُتر دکھن پورب مختلف جہتوں خلافِ قبلہ کو منہ کئے ہوں وہ پشتوں میں کہے، الٰہی! اس میت کو بخش دے اور یہ سب انگریزی وغیرہ میں آمین کہیں، تو کوئی

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب العدۃ فصل فی ثبوت النسب دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۴۱
[2] رد المحتار بحوالہ حلبی باب صلوٰۃ الخوف ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۶۸
[3] ایضاً

عاقل کہہ سکتا ہے کہ نمازِ جنازہ ادا ہُوئی اور اس طرح کی نماز میں حرج نہیں۔ دُعائے ست کہ می کنند فلا باس بہ (ایک دُعا ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ت) اجماع ائمۂ مذہب کے خلاف ایسی بے معنی استناد کیسی جہالتِ شدیدہ ہے۔ شک نہیں کہ قاضی ممدوح گیارھویں صدی کے ایک عالم تھے مگر عالم سے لغزش بھی ہوتی ہے، پھر اس کی لغزش سے بچنے کا حکم ہے نہ کہ اتباع کا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتقوا زلۃ العالم وانتظروا فیئتہ[1] رواہ الحسن بن علی الحلوانی استاذ مسلم و ابن عدی والبیھقی والعسکری فی الامثال عن عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

عالم کی لغزش سے بچو اور اس کے رجوع کا انتظار رکھو۔ اسے استاذِ امام مسلم حسن بن علی حلوانی، ابن عدی، بیہقی اور امثال میں عسکری نے حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں، عالم سے لغزش ہوتی ہے تو وہ اس سے رجوع کرلیتا ہے اور اس کی خبر شہروں شہروں پہنچ کر لغزش اس سے منقول رہ جاتی ہے[2] ذکرہ المناوی فی فیض القدیر (اسے علامہ مناوی نے فیض القدیر میں لکھا۔ ت)

خدارا انصاف! ذرا یُوں فرض کر دیکھئے کہ کتبِ مذہب میں جوازِ نمازِ غائب وتکرارِ جنازہ کی عام تصریحات ہوتیں۔ اور ایک قاضی ممدوح نہیں ان جیسے دوسو قاضی اسے ناجائز بتاتے اور کوئی شخص کتبِ مذہب کے مقابل ان دوسو سے سند لاتا تو دیکھیے یہ حضرات کس قدر غل مچاتے، اُچھل اُچھل پڑتے کہ دیکھو کتبِ مذہب میں تو جواز کی صاف تصریح ہے اور یہ شخص ان سب کے خلاف گیارھویں صدی کے دوسو قاضیوں کی سند دیتا ہے ہم ان کی مانیں یا کتبِ مذہب کو حق جانیں اور اب جو اپنی باری ہے تو تمام ائمۂ مذہب کا اجماع، تمام کتبِ مذہب کا اتفاق سب بالائے طاق، اور تنہا قاضی ممدوح کو تقلید کا استحقاق۔ اس ظلم صریح وجہل قبیح کی کوئی حد ہے، مگر یہ ہے کہ جب کہیں کچھ نہ پایا الغریق یتشبث بالحشیش ڈوبتا سوار (تنکا) پکڑتا ہے وباللہ العصمۃ۔

مدارج النبوۃ نہ کوئی فقہ کی کتاب ہے نہ اس میں یہ حکایت بغرض استناد، نہ شیخ کو اس پر تعویل واعتماد۔ وُہ حنفی ہیں اور مذہب حنفی خود اسی کتاب میں اسی عبارت سے اوپر یوں بتا رہے ہیں۔ مذہب امام ابوحنیفہ

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الشہادات دارصادر بیروت ۱۰/ ۲۱۱

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۱۴۷ اتقوا الخ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۴۰

وما لکیہ رحمہم اللہ تعالٰی آنست کہ جائز نیست[1] (امام ابوحنیفہ و مالکیہ رحمہم اللہ تعالٰی کا مذہب یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔ت) پھر اس پر دلیل بنا کر مخالفین کے جواب دئے ہیں، نیز اس حکایت کے متصل ہی حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہر روز بہ نیت جملہ اموات مسلمین نماز غائب پڑھنے کی وصیت نقل کرکے اس پر سکوت نہ کیا کہ کہاں قاضی علی بن ظہیرہ اور کہاں حضور پُرنور غوثیت مآب۔ مبادا غلامانِ حضور اس سے حنفیہ کے لئے جواز خیال کریں لہذا معاً اس پر تنبیہ کو فرمادیا کہ ایشاں حنبلی اندو نزد امام احمد بن حنبل جائز است (وہ حنبلی ہیں اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک جائز ہے۔ت) اگر شیخ کو اس حکایت سے استناد مقصود ہوتا تو یہاں استدراک دفع وہم نہ فرماتے بلکہ اسے اس کا مؤید ٹھہراتے کما لا یخفی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (جیسا کہ پوشیدہ نہیں، اور خدائے پاک و برتر خوب جاننے والا ہے۔ت)

جواب سوالِ سوم: اوّلاً جبکہ آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ نماز غائب وتکرارِ نماز جنازہ دونوں ہمارے مذہب میں ناجائز ہیں اور ہر ناجائز گناہ ہے اور گناہ میں کسی کا اتباع نہیں۔ تو امام کا شافعی المذہب ہونا اس ناجائز کو ہمارے لیے کیونکر جائز کرسکتا ہے! رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی[2]۔ رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی عن امیرالمؤمنین علی ونحوہ احمد والحاکم بسند صحیح عن عمران بن حصین وعن عمرو بن الحکم الغفاری رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

ناجائز بات میں کسی کی اطاعت نہیں۔ اسے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے امیرالمومنین علی سے اور اسی کے ہم معنی امام احمد اور حاکم نے بسندِ صحیح عمران بن حصین سے اور عمرو بن حکم غفاری سے روایت کیا۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم (ت)

ثانیاً: یہاں اطاعتِ امام کا حیلہ عجیب یاد رہا ہے۔ بھائیو! وہ تمہارا امام تو جب ہو کہ تم اس کی اقتدا کرو۔ پیش از اقتدا اس کی اطاعت تم پر کیوں ہوئی اور جب تمہارے مذہب میں وہ گناہ و ناجائز ہے تو تمہیں ایسے امر میں اس کی اقتدا ہی کب روا ہے! یہ وہی مثل ہے کہ کسی کودن نے کچھ اشعار قبیح و شنیع اغلاط پر مشتمل لکھ کر کسی شاعر کو سنائے، اس نے کہا یہ الفاظ غلط باندھے ہیں، کہا بضرورت

---

[1] مدارج النبوۃ انتقال شاہِ حبشہ نجاشی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٢/٣٧٧

[2] صحیح البخاری کتاب الاحکام قدیمی کتب خانہ کراچی ٢/٥٨-١٠٥٧

صحیح مسلم کتاب السلام نور محمد اصح المطابع کراچی ٢/١٢٥

مسند احمد بن حنبل مروی از عمران بن حصین دارالفکر بیروت ٥/٦٦ و ٦٢

شعری کہا یا باشعر گفتن چہ ضرور۔

ثالثاً: جائز یا فرض و واجب نمازیں جن میں حنفی حسبِ شرائط مذکور بحر الرائق وغیرہا اہلسنت کے کسی دوسرے مذہب والے مثلاً شافعی وغیرہ کی اقتدا کرے اس میں ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ جو امور ہمارے مذہب میں اصل سے محض ناجائز ہیں ان میں اس کی پیروی نہ کرے اگرچہ اس کے مذہب میں جائز ہوں۔ مثلاً صبح کی نماز میں وہ قنوت پڑھے تو یہ نہ پڑھے۔ نماز جنازہ میں امام پانچویں تکبیر کہے تو یہ نہ کہے۔ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

انما یتبعہ فی المشروع دون غیرہ[1]۔

اس کی پیروی صرف مشروع میں کرے گا غیر مشروع میں نہیں۔ (ت)

تنویر میں ہے:

یاتی المأموم بقنوت الوتر لا الفجر بل یقف ساکتا[2]۔

مقتدی قنوتِ وتر پڑھے قنوتِ فجر نہ پڑھے بلکہ خاموش کھڑا رہے۔ (ت)

بحر میں ہے:

لوکبر خمسا فی الجنازۃ حیث لایتابعہ فی الخامسۃ[3]۔

اگر امام نے جنازہ کے اندر پانچ تکبیریں کہیں تو پانچویں میں اس کی پیروی نہ کرے۔ (ت)

جب بعد اقتدا یہ حکم ہے تو قبل اقتدا امر ناجائز و نامشروع میں اقتدا کی اجازت کیونکر ممکن۔ بغرض مذہب مہذب حنفی کا حکم تو یہ ہے، باقی جو کوئی غیر مقلد بننا چاہے تو آج کل آزادی و بے لگامی کی ہوا چل رہی ہے ہر شخص کو شتر بے مہار ہونے کا اختیار ہے اور اس کے رد میں بحمد اللہ تعالٰی ہمارے رسائل النہی الاکید وغیرہ کافی۔

واللہ المستعان علی اھل طغیان، واٰخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین وافضل الصلٰوۃ واکمل

سرکشی والوں کے خلاف خدا ہی سے مدد طلبی ہے، اور ہماری آخری پکار یہ ہے کہ تمام حمد خدا کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور بہتر

---

[1] العنایۃ علٰی ہامش فتح القدیر باب صلٰوۃ الوتر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۸۰

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

[3] بحر الرائق " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۵

24

السلام علی سید المرسلین محمد و اٰلہ واصحابہ اجمعین اٰمین و اللہ تعالٰی اعلم۔

درود، کامل تر سلام رسولوں کے سردار حضرت محمد پر اور ان کی آل و اصحاب سب پر۔ الٰہی! قبول فرما۔ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ مرسلہ عبدالغفار بن عثمان سرش والہ مقام احمد آباد گجرات محلہ کالوپور خشکلاکی بول

جامع علوم مولٰنا مولوی احمد رضا خان صاحب بعد از سلام نیاز اینکہ یہاں میرے اور ایک شخص کے درمیان تقریر ہوئی ہے کہ مقولہ میرا یہ ہے کہ حضرت اُم المؤمنین خدیجۃ الکبرٰی کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی، اگر پڑھی گئی ہے تو پیش امام کون تھا؟ بنظرِ عنایت جواب باصواب مع حوالہ کتبِ معتبرہ ارقام فرمائیں کہ یہاں کے علماء سے تشفی نہیں ہوئی۔

الجواب

فی الواقع کتبِ سِیَر میں علماء نے یہی لکھا ہے کہ اُم المؤمنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کے جنازہ مبارکہ کی نماز نہ ہوئی کہ اُس وقت یہ نماز ہوئی ہی نہ تھی، اس کے بعد اس کا حکم ہوا ہے۔ زرقانی علی المواہب میں ہے:

فی رمضان بعد البعث بعشر سنین ماتت الصدیقۃ الطاہرۃ خدیجۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا و دفنت بالحجون و نزل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حفرتہا ولم تکن یومئذ الصلوٰۃ علی الجنازۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

صدیقہ طاہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے بعثت کے دس سال بعد ماہِ رمضان میں وفات پائی اور مقامِ حجون میں دفن کی گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کی قبر میں اُترے اُس وقت نمازِ جنازہ نہ تھی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۹ از شہر بریلی، مدرسہ اہلسنت و جماعت مسئولہ مولوی رجب الدین۔ یکے از طلبائے مدرسہ مذکور ۴ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ قبر شق اکثر ملک میں جو اہلِ اسلام بناتے ہیں، خلاف اور ناجائز طریقے سے بناتے ہیں جس کا نقشہ یہ ہے: ←

بلکہ قبر شق کی صورت وُہ یہ بتاتا ہے کہ نقشہ مذکورہ کے درمیان اور

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب وفاتِ خدیجہ و ابی طالب دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۹۶

ایک بہت چھوٹی سی مثل نہر کے شق بنا کر۔ اُس نہر صغیر میں نعش قبلہ رُخ دائیں کروٹ پر رکھیں، اور شق اسی کو کہتے ہیں۔ نقشہ یہ ہے: ←

جائے مُردہ

آیا یہ صورت ثانی جو شخص مذکور نے ایجاد کی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور شق سے یہی مراد ہے؟ اور عبارت عالمگیری میں ہے: ان تحفر حفیرۃ کالنھر وسط القبر[1] (قبر کے درمیان میں نہر کی طرح ایک گڑھا کھودا جائے۔ ت) اس حفیرہ سے یہی صورت ثانیہ مراد ہے یا اول اُس کا یہ قول جو اکثر ملکوں میں مروج ہے یہ حفیرہ ہے یعنی قبر اور بعد کھودنے قبر کے نہر صغیر بنا کر مُردہ کو اس میں رکھے اسی کو شق کہتے ہیں جو کہ نہر کے نیچے آدھ گز سے بھی کم ہوگی۔ پس حضرات مفتیانِ عظام و علمائے کرام کثرہم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں غور فرما کر موافق مذہب حنفی بحوالہ کتب فتوٰی دیں عنداللہ اجرِ عظیم پائیں۔

الجواب

شق کے معنی یہ ہیں کہ اوّل ایک مستطیل زیادہ عریض و طویل کھودیں پھر اس کے وسط میں دوسرا مستطیل اُس سے چھوٹا اور طول میں قامت میت سے کچھ زائد اور عرض میں نصف قامت کے برابر اور عمق میں سینہ تک یا قدِ آدم کھودیں۔ اس دوسرے مستطیل میں میت کو قبلہ رُو رکھیں اور اس کے اوپر مستطیل اول کے اندر تختوں وغیرہ سے بند کرکے مستطیل اوّل کی جگہ مٹی سے بھردیں اور سطحِ زمین سے پاؤ گز بلند مٹی رکھیں۔ یہی طریقہ شق کا ہے اور یہی ہندوستان میں معمول ہے، اور یہی عبارت عالمگیریہ کا مفہوم ہے۔ پہلی صورت کہ صرف ایک مستطیل کھودیں اور اس میں میت کو رکھ کر مٹی بھردیں یا تختے رُوئے زمین پر رکھ کر اُن میں مٹی ڈال دیں۔ نہ شق ہے نہ ہندوستان خواہ کسی ملک میں رائج ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

صفة الشق ان تحفر حفیرۃ کالنھر وسط القبر ویبنی جانباہ باللبن او غیرہ ویوضع المیت فیہ ویسقف کذا فی معراج الدرایۃ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

شق کی صورت یہ ہے کہ قبر کے بیچ میں نہر کی طرح مستطیل ایک گڑھا کھودا جائے جس کے دونوں کنارے کچی اینٹوں یا کسی اور چیز سے بنادیں اور اس میں میت کو رکھ کر اُوپر سے چھت کی طرح بند کر دیں۔ ایسا ہی معراج الدرایۃ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السادس فی القبر والدفن الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶۶
[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

مسئلہ ۹۰ از قصبہ مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ مدرسہ دار العلوم مرسلہ عبدالرحیم صاحب ۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مُردہ کو قبر کے پچھم جانب سے گور میں ڈالنا چاہئے اور بعض کہتے ہیں کہ دکھن جانب سے ڈالے۔

الجواب

ہمارے نزدیک مستحب یہی ہے کہ میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں لے جائیں۔ دُرمختار میں ہے:

ویستحب ان یدخل من قبل القبلۃ بان یوضع من جہتہا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مستحب یہ ہے کہ میت کو قبلہ کی طرف سے داخل کریں اس طرح کہ اسی سمت سے اتاریں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۱ از اپربرہا ضلع کھتا پوسٹ لین مسئولہ امیر خان دکاندار ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتب فقہیہ میں لکھتے ہیں کہ میت کا منہ قبلہ کی طرف کیا جائے، اس سے کیا مراد ہے، اس میں پانچ صورتیں ہیں، پہلی صورت تو یہ ہے کہ میت کو صندوقی قبر میں اس طرح سے داہنی کروٹ پر لٹائیں کہ تمام بدن کا بوجھ داہنی کروٹ پر اور داہنی کروٹ کا تمام بوجھ داہنے بازو پر گرے اور میت کی پیشانی، ناک، گھٹنا صندوق کی داہنی طرف کی دیوار سے لگاکر پشت کی طرف پتھر اور ڈھیلے رکھ دئے جائیں۔ اور دُوسری صورت یہ ہے کہ میت کے بائیں پہلو کو اٹھاکر اس کے نیچے ڈھیلے دے کر میت کو بائیں پہلو بل رکھیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ میت کو چت لٹایا جائے اور فقط منہ ہی قبلہ کی طرف پھیر دیا جائے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ قبر کھودتے وقت قبر کی داہنی طرف تھوڑا نیچا اور بائیں طرف تھوڑا اونچا کرکے کھودی جائے۔ لاش رکھنے کے بعد داہنے پہلو پر ہو کر قبلہ رُخ ہوجاتی ہے۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ میت کا پاؤں قبلہ کی طرف اور منہ پورب کی طرف کیا جائے جیسا کہ حالتِ نزع میں ہے۔ کتبِ فقہ میں ان صورتوں میں کون صورت مراد ہے اور اگر سب جائز ہیں تو اعلٰی و افضل کون ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

پانچویں صُورت تو محض ناجائز ہے کہ سنت متواترہ مسلمین کے محض خلاف ہے اور افضل طریقہ یہ ہے کہ میت کو دہنی کروٹ پر لٹائیں، اس کے پیچھے نرم مٹی یا ریتے کا تکیہ سا بنا دیں اور ہاتھ کروٹ سے الگ رکھیں، بدن کا بوجھ ہاتھ پر نہ ہو اس سے میت کو ایذا ہوگی۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

^1^ درمختار باب صلوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۴

ان المیت یتاذی مما یتاذی بہ الحی[1] بے شک مُردے کو اس سے ایذا ہوتی ہے جس سے زندے کو ایذا ہوتی ہے۔ (ت)

اور اینٹ پتھر کا تکیہ نہ چاہیے کہ بدن میں چُبھیں گے اور ایذا ہوگی اور ناک وغیرہ اعضاء دیوارِ قبر سے ملادینے کی اجازت نہیں، نہ اس کی کوئی وجہ۔ اور جہاں اس میں وقت ہو تو چت لٹا کر منہ قبلہ کو کردیں۔ اب اکثر یہی معمول ہے۔ اور اگر معاذ اللہ منہ غیر قبلہ کی طرف رہا اور ایسا سخت ہوگیا کہ پھر نہیں سکتا تو چھوڑ دیں اور زیادہ تکلیف نہ دیں۔ چوتھی صورت بھی بالکل خلافِ سنّت ہے اور اس میں بھی میت کے لیے اذیت ہے کہ بیٹھنے میں دقت ہوگی، ملائکہ کہ سوال کے لیے آتے ہیں، میت کو بٹھاتے ہیں، ایسی ڈھلوان جگہ پر بیٹھنا بہت دشوار ہوگا۔ اور دُوسری صورت بھی ناقص ہے۔ بہتر پہلی صورت ہے، مگر ان اصلاحوں کے بعد جو ہم نے لکھیں۔ دُرِمختار میں ہے:

ویوجہ الیہا وجوبًا وینبغی کونہ علی شقہ الایمن[2] واللہ تعالٰی اعلم واجب ہے کہ اسے قبلہ رُو کیا جائے اور اسے داہنی کروٹ پر ہونا چاہیے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۲ تا ۹۳ (۱) قبر میں سے جس قدر مٹی نکلی وُہ سب اس پر ڈال دینا چاہیے یا صرف بالشت یا سوا بالشت قبر کو اونچا کرنا چاہیے؟

(۲) میت کو دفن کرتے ہی آدمیوں کو منتشر ہوجانا چاہیے یا گھر پر آن کر فاتحہ پڑھ کر پھر منتشر ہونا چاہیے، جیسا کہ آج کل رواج ہے؟

الجواب

(۱) صرف بالشت بھر۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) بہتر یہ ہے کہ منتشر ہوجائیں، پھر میت کے گھر جانے کو لازم نہ سمجھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴ از شاہجہان پور، محلہ رنگی چوپال مسئولہ سلامت اللہ رضوی ۲۴ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ پُرانی قبر ہو یا جدید (جدید سے مراد جسے بنے ہُوئے تھوڑا زمانہ گزرا ہو مگر اس یوم عاشورہ سے پہلے کی ہو)، اس خاص کر عاشورہ کے دن پانی چھڑکنا بہتر ہے، یہ قولِ زید کیسا ہے؟ اور عمرو کا سوال یہ ہے کہ یوم عاشورہ سے علاوہ دنوں میں قبروں پر پانی چھڑکنا کیا حکم

---

[1] ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۲۲۹

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۵

رکھتا ہے اور بعد دفن میت کے قبر پر پانی چھڑکنا کیا حکم رکھتا ہے؟ مفصل مدلل بحوالہ کتب جواب باصواب مرحمت فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بعد دفن قبر پر پانی چھڑکنا مسنون ہے اور اگر مرورِ زمان سے اس کی خاک منتشر ہوگئی ہو اور نئی ڈالی گئی یا منتشر ہوجانے کا احتمال ہو تو اب بھی پانی ڈالا جائے کہ نشانی باقی رہے اور قبر کی توہین نہ ہونے پائے **بہ علل** فی الدر وغیرہ ان لایذھب الاثر فیمتھن (درمختار وغیرہ میں یہی علت بیان فرمائی ہے کہ نشانی مٹ جانے کے سبب بے حُرمتی نہ ہو۔ ت) اس کے لیے کوئی دن معین نہیں ہوسکتا ہے جب حاجت ہو اور بے حاجت پانی کا ڈالنا ضائع کرنا ہے اور پانی ضائع کرنا جائز نہیں، اور عاشورہ کی تخصیص محض بے اصل و بے معنی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۵ از شہر علی گڑھ محلہ مدار دروازہ مرسلہ عمر احمد صاحب سوداگر پارچہ بنارسی ۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ہندہ کو قبر میں اتارنے اور تختے لگانے کے بعد مٹی کچھ ہی دی گئی کہ بارانِ رحمت شروع ہوگئی۔ ہندہ کی قبر پر بارش کے پانی کے علاوہ اور پانی ڈالنے کی ضرورت نہ ہوئی۔ کچھ اشخاص کہتے ہیں جس مُردہ کی قبر پر بجائے پانی دنیا کے بارانِ رحمت ہو وہ مُردہ جنتی ہے، اس کی کچھ اصلیت شرع شریف میں ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب

بارشِ رحمت فالِ حسن ہے خصوصاً اگر خلافِ عادت ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۶ از شہر کہنہ ۱۱ جمادی الاخرٰی ۱۳۱۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین کہ بعد مُردنِ میت تا دفنِ میت از کدام چہل سوال از میت می پرسند۔ بینوا توجروا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ میت کے مرنے کے بعد سے دفن ہونے تک کون سے چالیس سوال میت سے ہوتے ہیں؟ بینوا توجروا۔ (ت)

الجواب

سوال از میت بعد دفن ست پیش ازاں ہیچ سوالے درحدیث نیامدہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

میت سے سوال دفن کے بعد ہوتا ہے اُس سے پہلے کوئی سوال حدیث میں نہ آیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۷ از موضع شمس آباد ضلع کیمبل پور پنجاب مسئولہ مولوی غلام ربانی صاحب ۱۱ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین، خصوصاً حضرت عالمِ اہلسنّت وجماعت مجدّدِ مائۃ حاضرہ زید مجدہم اس مسئلہ میں کہ ضلع کیمبل پور کے پچاس ساٹھ موضع میں اور ایسا پشاور کے ضلع میں دس بیس موضع میں لگا ہے

امام مسجد بعد دفن میت کے آلات کندیدنی گورقبر کے سر سے لے کر قبر کی پاؤں کی طرف کو ڈلواتا ہے اور اس کو موجب امن گورجانتا ہے اور یہ حدیث پیش کرتا ہے :

من رش الماء علی القبر والقی آلتہ التی حفر بہا القبر امن من عذاب القبر اھ

جس نے قبر پر پانی چھڑکا اور جس سامان سے قبر کھودی گئی تھی اسے ڈال دیا تو عذابِ قبر سے مامون ہوا۔ (ت)

کسی کتاب کے اندر سے یہ مسئلہ نہیں دکھا سکتے، فقط کسی کتاب کے وقایہ پر لکھا ہوا دکھاتے ہیں جو کہ خود انھوں نے یا ان کے باپ دادا نے لکھا ہوگا۔ مُنیۃ المریدین اور خزانۃ الروایات کا حوالہ دیتے ہیں مگر وہ بھی غلط ہے کیونکہ عرصہ تین سال سے چند کتب خانے تلاش کر چکے، نہ وہ کتابیں اُن کو ملیں نہ اور کسی کتاب سے اُس کا شاہد پایا۔ کسی اپنے باپ دادا اور کسی مولوی اخوندزادہ کا قول و فعل ثابت کرتے ہیں اور یہ رواج بھی ابھی پچاس ساٹھ سال کا ہے اور علمائے کرام پنجاب و افغانستان کہ جو اس فعل کے مانع ہیں وہ کہتے ہیں کہ اول جملہ اس عبارت کا تو بیشک منصوص ہے مگر جملہ القائے آلات کا مخترعہ ہے۔ ابتداء یُوں ہوئی ہوگی کہ بعد دفن میت کے آلاتِ قبر کو بطور شمار کرنے کے سرہانے والے نے پاؤں والے کی طرف کو (جو کہ عادۃً بعد دفن کھڑے ہو کر جانا چاہتے ہیں تو اُس وقت بیلچے گروں معول شمار کرکے اپنا اپنا لے جاتے ہیں) دینے یا شمار کرنے کے لئے پھینک دیا ہوگا۔ کسی نے نادانی سے اس کا اس صورت سے ڈالنا ہی سمجھ لیا ہوگا۔ بعد کو جب نزاع ہوا ہوگا تو مروّج نے عزت بچانے کے لیے یہ عبارت بنا کر حدیث کی عبارت سے مناسبت دیکھ کر ملالی ہوگی۔ اور واقعی ایسا بہت جگہ ہُوا ہے کہ پہلے زمانہ کے بعض کم علموں نے اپنی کسی بات کی تحقیق و تاکید کے لئے قلمی کتابوں میں بوجہ مضمون بڑھا دیا کیا اب وہ چھاپے ہو جانے کے بعد ان کا پتا چل رہا ہے۔ مانعین کہتے ہیں کہ اس کام کو ثواب سے کیا علاقہ ہے ایک مولوی اس فعل بے اصل کے فاعل نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ جیسا کہ ان آلات کو میت کی قبر کھودنے میں تکلیف ہُوئی ہے اب مناسب ہے کہ یہ آلات بھی میت کے اُوپر سے گزریں تاکہ بدلہ ہو جائے اس کا جواب بھی ترکی بہ ترکی دیا گیا کہ چاہیے کہ گورکن لوگ بھی میت یا اس کی قبر سے کُود کر پاؤں کی طرف کو چلے جایا کریں۔ عجیب جہالت ہے۔ بعدہٗ علمائے مانعین نے اشتہار دے دیا کہ فعل بدعت سیئہ معلوم ہوتا ہے۔ ہزاروں کتابیں تلاش کی گئیں پتا نہ ملا اور مجوزین بھی نہیں دکھا سکتے۔ لہذا ترک کرنا چاہیے۔ زید امام مسجد کہتا ہے کہ عدم ذکر فی الکتب کے ساتھ دلیلِ عدمِ جواز اس فعل پر لانا درست نہیں۔ عبارت اُس کے مکتوب کی یہ ہے :

عدم وجود المسئلۃ فی کتب الفقہ واصول الفقہ والتفسیر والحدیث وغیرھا نفی الذکر والذکر فی الکتب من الدلیل

(۱) مسئلہ کا فقہ، اصولِ فقہ، تفسیر، حدیث وغیرہ کی کتابوں میں موجود نہ ہونا نفی ذکر ہے۔ اور دلیل کتابوں میں مذکور ہونا ہے، تو نفی ذکر سے تمسک بلادلیل ہے

فالتمسك بنفي الذكر بلا دليل والتمسك
بلا دليل من الوجوه الفاسدة التي لا عبرة
بها عند الحنفية كما ذكره صاحب غاية
التحقيق شرح الحسامي وصاحب نور الانوار
شرح المنار، وايضًا ان الحرمة والكراهة
حكمان شرعيان لا بد لهما من الدليل
كما هو مصرح في ردالمحتار في قوله و
المتن الذي الخ والاصل في الاشياء الاباحة
الاصلية كما هو مسطور في الاشباه وههنا
لا دليل عليهما فبقي امر الالقاء المذكور في
الافتاء على الاباحة الاصلية مع انضمام تعامل
العلماء من المواضع المتعددة الذي هو
قسم من الاجماع كما هو مذكور في فصول
الحواشي لاصول الشاشي وايضًا ان البدعة
السيئة ما تكون رافعة لسنة مثلها كما صرح
في مشكوٰة المصابيح واذا لم يثبت سنية
عدم الالقاء بالدليل المعتبر فكيف
يتفوه ببدعة الالقاء وايضًا الذكر المنفي
في الكتب المعتبرة اعم من الايجاب
والسلب فكيف رجح المانع السلب على
الايجاب وايضًا ان الكتب ساكتة من
منع الالقاء وفعله ولا حكم في الساكت كما
ذكره في عدة من كتب اصول الفقه في
تعليق ومن لم يستطع منكم طولا الآية

اور تمسک بلا دلیل ان وجوہ فاسدہ سے ہے جن کا حنفیہ کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں، جیسا کہ صاحبِ غایۃ التحقیق شرح حسامی اور صاحبِ نور الانوار شرح منار نے ذکر کیا ہے۔

(۲) حرمت اور کراہت ایسے حکم شرعی ہیں جن کے لیے دلیل ضروری ہے جیسا کہ ردالمحتار کی عبارت والمتن الذی الخ میں اس کی صراحت ہے، اور اشیاء میں اصل اباحتِ اصلیہ ہے، جیسا کہ اشباہ میں لکھا ہوا ہے۔ اور یہاں ان دونوں پر کوئی دلیل نہیں تو فتوے کی رُو سے القائے مذکور کا حکم اباحتِ اصلیہ پر باقی رہا۔ اس کے ساتھ متعدد مقامات کے علماء کا تعامل بھی شامل ہے جو ایک قسم اجماع ہے جیسا کہ فصول الحواشی لاصول الشاشی میں مذکور ہے۔

(۳) بدعتِ سیئہ وُہ ہے جو ویسی ہی سنت کو ختم کرنے والی ہو جیسا کہ مشکوٰۃ المصابیح میں صراحت ہے۔ اور جب معتبر دلیل سے عدمِ القاء کا مسنون ہونا ثابت نہیں تو القاء کو بدعت کیسے کہا جارہا ہے!

(۴) کتبِ معتبرہ کا سکوت (ذکرِ منفی) ایجاب و سلب سے اعم ہے تو مانع سلب کو ایجاب پر ترجیح کیسے دے دی گئی!

(۵) کتابیں القاء کے منع و فعل سے ساکت ہیں، اور ساکت کا کوئی حکم نہیں ہوتا جیسا کہ متعدد کتب اصول فقہ میں ارشاد باری تعالٰی ومن لم یستطع منکم طولا الخ کی تعلیق کے تحت مذکور ہے (ت)

تمام ہوئی مولوی مجوز کی جس رسم خط سے کہ اس نے لکھی تھی۔ عریضہ نیاز فقیر خادمِ دربار محمد غلام ربانی

الجواب

بیشک فعل مذکور بروجہ مذکور بدعت سیئہ شنیعہ واجب الترک ہے۔ فی نفسہٖ وہ ایک فعل عبث تھا جس میں عقلاً ونقلاً کوئی فائدہ نہیں اور اس کی وجہ کہ مجوزنے بیان کی محض مضحکہ ہے۔ آلات کو تکلیف ہونا کیا معنی! اور ہو بھی تو اس گزار دینے میں ان کو کیا آرام، یہ بھی حرکت ہے کہ باعثِ کلفت ہے اور میت پر کیا تکلیف کہ بدلہ ہو، اور ہو بھی تو میت کا کیا قصور! تکلیف حفاروں نے دی یا حفر کرانے والوں نے، تو اُن پر سے آلات گزارے جائیں، اور بالفرض میت مجرم ہے کہ اُس کے سبب تکلیف ہوئی تو اجیار بدرجۂ اولیٰ، تو عمارت بنوانے والا اگرچہ بادشاہ کہ قلعہ بنوائے روز شام کو تمام آلات معماران ومزدوران اس پر سے گزارے جائیں، نہیں نہیں، یہ خود اس پر سے اتریں کہ حقیقۃً تکلیف تو انھی کو ہوئی۔ اور میت پر سے چارپائی کیوں نہیں اُتاری جاتی جو اُس نے راستے بھر توڑی، آلات اس کا شکر نہیں کرتے کہ اُن سے اقامت فرض کی اُٹھے شاکی ہوتے ہیں۔ اور فرض میں جب یہ بدلہ ہے تو خطیب کہ محض ادائے سنت کے لیے منبر پر بوجھ ڈالتا ہے وہاں تو سر سے منبر اتار دینا کافی بھی نہ ہوگا بلکہ بعد خطبہ خطیب کے سر پر منبر لاد دینا چاہیے۔ غرض جہل عجیب چیز ہے اس کے رد میں اطاعت سے زیادہ وقت عزیز ہے، ہاں اس سے اس کا عبث ہونا زیادہ واضح ہو گیا کہ اُس کے حامی بھی کوئی فائدہ نہ بتاسکے، ناچار مضحکہ تراشا، اور عبث بجائے خود بیہودہ ہے نہ کہ قبر ومیت کے ساتھ کہ محل تذکر واعتبار ہیں، نہ کہ جائے لغویات بیکار۔ ایسی ہی جگہ کے لیے ارشاد ہدایہ و درر وغنیہ وتقریر کفایہ وعنایہ وفتح القدیر ہے:

العبث خارج الصلوٰۃ حرام فما ظنك فی الصلوٰۃ[1]

عبث نماز کے باہر ہو تو حرام ہے پھر نماز کے اندر ہو تو کیسا ہوگا۔ (ت)

پھر اس عبث مبغوض کو دین میں نافع اور میت سے عذاب کا دافع سمجھ کر کرتے ہیں، یہ قطعاً شرع میں زیادت اختراع وشنیع ابتداع ہے، اور حدیث کے نام سے جو عبارت پیش کی ساختہ کذاب وضاع ہے، جاہل کو عبارت بنانی بھی نہ آئی، یا اجہلوں نے اپنی جہالت بڑھائی القی اللّٰہ التی حفر بھا القبر سے یہ مضمون کیونکر ادا ہوا کہ قبر پر سے اتاریں، خصوصاً یُوں کہ سرہانے سے پائنتی پھینکیں اور من کی جزا میں امن من عذاب القبر تو اس کا مفید کہ ایسا کرنے والا عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔ نہ کہ میت۔ بالجملہ اس بدعت عبث عند القبر بلکہ عبث مع القبر نے سنیتِ تذکر واعتبار کا رفع کیا اور اس ادعائے امن من عذاب

---

[1] الہدایۃ فصل ویکرہ للمصلی الخ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۱۸

القبر نے سنت ولا تقف ما لیس لك بہ علم (اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔ت) رفع کرکے اس کی جگہ کبیرۂ تقولون علی اللہ ما لا تعلمون (خدا پر تم وہ بولتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ت) رکھ دیا اس کے بدعتِ شنیعہ قبیحہ ہونے میں کیا شک رہا۔ دلائل منع یہ ہیں۔ نہ یہ کہ سکوت کتب و لادلیل سے استدلال کیا ہو۔ وہ مدعی نفع نہ دفع عذاب پر رد کو تھا کہ تلك کلمۃ ھو تجاھلھا ما انزل اللہ بھا سلطان (وہ ایسی بات ہے جس سے وہ نادان بنا خدا نے اس کی کوئی سند نہ اتاری۔ت) اور یہ رد قطعاً صحیح ہے۔ بلا شبہہ دعوٰی بے دلیل، قطعاً باطل و ذلیل۔ فواتح الرحموت میں جس صفحہ میں لادلیل سے فسادِ استدلال کا ذکر ہے اُس میں چند سطر کے بعد ذکرِ استصحاب میں ہے: الحکم بلا دلیل باطل[1] (حکم بلا دلیل باطل ہے۔ت) خصوصاً یہاں کہ ایسا ہونا ضرور امرِ تعبدی غیر معقول المعنٰی ہوتا جس کے لیے خاص نصِ شارع درکار۔ اور وہ قطعاً مفقود۔ تو ادعائے مخالفت یقیناً مردود۔ اور محدود مواضع کے محدود اشخاص کا پچاس ساٹھ برس سے کوئی فعل تراش لینا اسے تعامل و قسمِ اجماع قرار دینا کس درجہ علم سے بعید و مطرود۔

وقد فرغنا من ابانتہ فی کتابنا شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر، ھذا وقد اندفعت بما ذکرنا قعاقع المجوزین بامرھا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہم اسے اپنی کتاب "شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر" میں بیان کرچکے ہیں، یہ ذہن نشین رہے۔ اور ہمارے بیان سے اس کام کو جائز کہنے والوں کی بے معنی آوازیں دفع ہوگئیں۔ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۹۸ از دلیر گنج پرگنہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ خلیفہ الٰہی بخش ۸ ارجب ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ یا شبِ جمعہ کے سوا کسی اور دن میں مسلمان کا انتقال ہو تو اس کو جمعہ کے سپرد کرنا یعنی جمعہ تک قبر پر بیٹھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

بعد دفن اتنی دیر بیٹھنا کہ ایک اونٹ ذبح کیا جائے، مسنون ہے۔ صحیح مسلم شریف میں اس بارے میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث وارد ہے[2] اور زیادہ دیر یا دنوں تک بیٹھنا بھی ممنوع نہیں بلکہ وہاں لغو و بیہودہ باتیں کرنے، ہنسنے وغیرہ غفلت و قسوت کی حرکات سے بچیں اور تلاوت و درود خوانی اور اعمالِ حسنہ میں مشغول رہیں کہ یہ امور موجبِ نزولِ رحمت ہوتے ہیں، اور احیاء کے پاس ہونے سے مُردے کا دل بہلتا ہے کما بیناہ فی حیاۃ الموات (جیسا کہ ہم نے اسے حیات الموات میں بیان کیا ہے۔ت) جمعہ تک بیٹھنے کا منشاء غالباً وہ روایت ہے

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی ۲/ ۳۵۹

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۷۶

جو امام نسفی نے بحر الکلام میں ذکر فرمائی کہ مسلمان پر معاذ اللہ عذابِ قبر اگر ہوتا ہے تو صرف جمعہ تک ہوتا ہے شبِ جمعہ آتے ہی اٹھالیا جاتا ہے اور پھر عود نہیں کرتا۔ امام سیوطی و علامہ علی قاری کو اگرچہ اس روایت میں توقف ہے مگر عقلاً و شرعاً امرِ نافع محض کو صرف احتمال کافی ہوتا ہے۔ اگر یہ روایت مطابق واقع ہے تو جب تک معاذ اللہ اندیشہ تھا۔ ایصالِ ثواب و استنزالِ برکات ذکر و قرآن سے اس کی مدد کی گئی، جب جمعہ آگیا خود رحمتِ الٰہی اس کی متکفل ہوئی۔ اور اگر نا مطابق ہے تو اتنے دنوں آخر مسلمان محتاج کی مدد و نفع رسانی ہی ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ[1]۔ رواہ مسلم عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

تم میں جو اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچا سکے پہنچائے۔ اسے مسلم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

بہر حال یہ کام خیر سے خالی نہیں جبکہ نیۃً یا عملاً اس کے ساتھ کوئی محذورِ شرعی نہ ہو۔ شرح الصدور شریف میں ہے:

عمم النسفی فی بحر الکلام فقال ان الکافر یرفع عنہ العذاب یوم الجمعۃ و لیلتھا وجمیع شھر رمضان، قال واما المسلم العاصی فانہ یعذب فی قبرہ لکن یرفع عنہ العذاب یوم الجمعۃ ولیلتھا ثم لایعود الیہ الٰی یوم القیٰمۃ وان مات یوم الجمعۃ اولیلۃ الجمعۃ یکون لہ العذاب ساعۃ واحدۃ وضغطۃ القبر کذٰلک ثم ینقطع عنہ العذاب ولایعود الیہ الٰی یوم القیٰمۃ انتھی وھذا یدل علٰی ان عصاۃ المسلمین لا یعذبون سوی جمعۃ واحدۃ اودونھا وانھم اذا

امام نسفی نے بحر الکلام میں عام حکم لگاتے ہوئے کہا کہ روز و شبِ جمعہ اور پورے ماہِ رمضان میں کافر سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے اور گنہگار مسلمان کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے مگر اس سے روز و شبِ جمعہ کو اٹھالیا جاتا ہے۔ پھر قیامت تک دوبارہ عذاب نہیں ہوتا۔ اور اگر روزِ جمعہ یا شبِ جمعہ کو انتقال کیا ہے تو صرف ایک ساعت عذاب ہوتا ہے۔ قبر کے دبانے کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ پھر اس سے عذاب بند ہوجاتا ہے اور قیامت تک پھر نہیں لوٹتا۔ انتہی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ گنہگار مسلمانوں کو ایک جمعہ تک یا اس سے بھی کم عذاب ہوگا اور جب

---

[1] صحیح مسلم باب استحباب الرقیۃ الخ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۲۲۴

وصلوا الیٰ یوم الجمعۃ انقطع ثم لایعود وھو محتاج الیٰ دلیل[1] انتھی۔	جمعہ کا دن آجائے گا تو بند ہوجائے گا پھر دوبارہ نہ ہوگا۔ اس بارے میں دلیل کی ضرورت ہے انتہی (ت)

اسی طرح منح الروض الازہر میں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۹۹ تا ۱۰۲ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) میت کا دفن بلا اجازت کسی شخص کی اراضی میں کوئی قابلِ مواخذہ فعل ہے؟

(۲) کیا ایسا کرنے والے گنہ گار نہ ہوں گے؟

(۳) کیا میت کے حق میں یہ فعل اَولیٰ ہے؟

(۴) اگر میت وصیت اس کے متعلق کرے تو کیا پسماندگانِ میت اس پر اس طور سے عمل کریں کہ بلا اجازت مالک زمین کے میت کو دفن کردیں تو کیا عندالشرع یہ فعل میت یا پسماندگان کے واسطے موجبِ ثواب ہوگا؟

بینوا توجروا۔

الجواب

بے اجازت مالک اس کی زمین میں دفن کرنا حرام ہے۔ ایسا کرنے والے گنہ گار ہیں۔ میت اگر اس کی وصیت یُوں کر گیا کہ چاہئے مالک اجازت دے یا نہ دے مجھے وہیں دفن کرنا تو وُہ بھی سخت گنہ گار رہے میت یا پسماندگان کے لئے ثواب کیسا! اس میں استحقاق عذاب ہے، مالک کو اختیار ہے کہ میت کی نعش نکال دے اور اپنی زمین خالی کرلے یا نعش رہنے دے اور قبر برابر کرکے اس پر جو چاہے بنائے، چلے پھرے، تصرف کرے کہ قبر کی جو حدیثیں ہیں ایسی ناجائز قبر کے لیے نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس لعرق ظالم حق[2] (کسی ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔ ت)

درمختار میں ہے:

لایخرج منہ بعد اھالۃ التراب الالحق ادمی کان تکون الارض مغصوبۃ ویخیر المالک بین اخراجہ ومساواتہ بالارض[3]	مٹی ڈالنے کے بعد میت کو قبر سے نہ نکالا جائے گا مگر کسی آدمی کے حق کے باعث مثلاً یہ کہ زمین غصب کی ہُوئی ہو اور مالک کو اختیار ہوگا کہ مُردہ کو باہر نکالے یا قبر زمین کے برابر کردے (ت)

---

[1] شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور باب عذاب القبر خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۷۶

[2] سنن ابی داؤد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۸۱/۲

[3] درمختار باب صلوٰۃ الجنازہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۶/۱

یہ اصل حکم فقہی ہے، مگر مسلمان نرم دل اور دوسرے مسلمان خصوصاً میت پر رحم دل ہوتا ہے۔ قال اللہ تعالٰی رحماء بینھم[1] (اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وہ آپس میں رحم دل ہیں۔ ت) اگر وہ درگزر کرے گا اللہ عزوجل اس کی خطاؤں سے درگزر فرمائے گا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم[2] (کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ خدا تمھیں بخشے؟۔ ت) اگر وہ اپنے مُردہ بھائی پر احسان کرے گا اللہ اس پر احسان کریگا کما تدین تدان[3] (جیسا تم کرو گے ویسا ہی تمھارے ساتھ کیا جائے گا۔ ت) اگر وہ اپنے مردہ بھائی کا پردہ فاش نہ کرے گا اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا من ستر ستر اللہ[4] (جو کسی کی پردہ پوشی کرے خدا اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ ت) اگر وہ اپنے مُردہ بھائی کی قبر کا احترام کرے گا اللہ اس کی زندگی وموت میں اسے احترام بخشے گا۔ اللہ فی عون العبد ماکان العبد فی عون اخیہ[5] (اللہ بندے کی مدد فرماتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳: از حیدرآباد دکن شہر سکندرآباد محلہ نلاگٹہ مکان سید محمد اکبر صاحب ماسٹر ریلوے۔ مرسلہ سید غلام غوث صاحب ۶ صفر ۱۳۱۷ھ

زمین جو دوامی پٹے کی ہو اس میں دفن جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دفن کے لیے ملکی زمین چاہیے، پھر اس بنا پر تو جاگیرات میں دفن جائز نہ ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب

بلاشبہ جائز ہے جبکہ باجازت مستاجر ہو۔ ملکِ غیر ہونا منافی جوازِ دفن نہیں۔ غایت یہ کہ مالک کو ازالہ قبر کا اختیار ہوگا۔ مگر جب اس کا اجارہ دوامی ہو تو مالک کی طرف سے یہ اندیشہ بھی نہیں یہاں تک کہ علماء نے دوامی اجارہ کی زمین میں مسجد بنانے کی اجازت دی اور اُس میں وقف صحیح مانا اسی بنا پر کہ وہ ہمیشہ رہے گی تو تائید حاصل ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی الاسعاف وذکر فی اوقاف الخصاف اسعاف میں ہے کہ اوقاف خصاف میں مذکور ہے

---

[1] القرآن ۴۸/۲۹
[2] القرآن ۲۴/۲۲
[3] الاسرار المرفوعۃ حرف الجیم حدیث ۳۴۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۱۰۳
[4] مشکوٰۃ المصابیح باب الشفقۃ علی الخلق مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۲۲
[5] صحیح مسلم باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۳۴۵

ان وقف حوانیت الاسواق یجوز ان کانت الارض باجارۃ فی ایدی الذین بنوھا لایخرجھم السلطان عنہا من قبل انا رأیناھا فی ایدی اصحاب البناء توارثوھا وتقسم بینھم لایتعرض لھم السلطان فیھا ولایزعجھم وانما لہ غلۃ یاخذھا منھم وتداولھا خلف عن سلف ومضی علیھا الدھور وھی فی ایدیھم یتبایعونہا ویؤجرونہا وتجوز فیھا وصایاھم ویھدمونہا بنائھا ویعیدونہ ویبنون غیرہ فذلک الوقف فیھا جائز انتہی واقرہ فی الفتح وقد علمت وجھہ وھو بقاء التابید[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

کہ دکانوں کا وقف جائز ہے اگر زمین اجارہ کے ذریعہ ان لوگوں کے قبضے میں ہو کہ سلطان ان کو اس سے نہ نکالے، اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تعمیر کرنے والوں کے ہاتھ میں رہتی ہیں ان کے درمیان ان میں وراثت اور تقسیم جاری ہوتی ہے سلطان ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا، نہ ہی ان کو پریشان کرتا ہے۔ بس اس کے لیے کچھ مقررہ آمدنی ہوتی ہے جو ان سے وصول کرتا ہے۔ یہ دستور پشت ہا پشت سے چلا آرہا ہے اور یہ ان کے ہاتھ میں اُس طرح ہیں کہ یہ ان کی خرید و فروخت اور اجارہ پر دینے کا تصرف کرتے رہتے ہیں، ان کی وصیتیں ان میں نافذ ہوتی ہیں، عمارت گراتے بناتے رہتے ہیں۔ تو اسی طرح ان کا وقف بھی جائز ہوگا۔ (عبارت ختم ہوئی) اسے فتح القدیر میں بھی برقرار رکھا ہے۔ اور اس کی وجہ، جیسا کہ معلوم ہوا وہی بقائے تابید ہے ــــ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۴: از گورکھپور ۱۲ شوال ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میونسپلٹی مسلمانوں سے چاہتی ہے کہ تم اپنے مردے باہر شہر کے دفن کرو اور اگر کوئی امر مانع ہو تو اُس قطعۂ زمین میں دفن کرو جو اس کام کے لیے میونسپلٹی اپنے ہاتھ میں رکھے گی اور تم سے بابت دفن اُن مُردہ مسلمانوں کے جن کی فیس ناداری کی وجہ سے کسی طرح ادا نہیں ہوسکتی ایک فیس مقررہ لے گی، اور خام و پختہ میں فرق ہوگا۔ اور زمین خریدنے کا قاعدہ یہ ہے کہ گو بیچنے والا راضی نہ ہو، بیچنا نہ چاہتا ہو۔ یہ کتنی ہی تعداد میں قیمت مانگتا ہو مگر اس کی پروا نہیں کی جائے گی نہ وہ راضی کیا جائیگا بلکہ قاعدہ سرکاری کی مقررہ قیمت اس کو دے دی جائے گی اور اُس زمین پر مالکانہ قبضہ کرلیا جائے گا۔ ایسی صورت میں میونسپلٹی کی آمدنی سے اس طرح زمین کا معاوضہ جبر کے ساتھ خریدنا جیسا کہ بیان کیا گیا شرعاً

[1] ردالمحتار کتاب الوقف ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۳/ ۳۹۱

ناجائز وغصب ہے یا نہیں اور اُس میں مسلمان مُردوں کا دفن ہونا غیر مذہب والوں کو فیس ادا کرکے جائز ہے یا ناجائز؟ مکروہ ہے یا حرام؟ اور مُردے دفن کرنے والا مسلمان داخلِ معصیت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

چونگی کا روپیہ درکنار، اگر کوئی مسلمان ہی اپنے خاص مملوک بملک حلال وطیب سے زمین اُس طریقہ جبر پر خریدے وہ قطعاً حرام ہوگی اور زمین حکماً مغصوب، اور اس میں بروجہ مذکور مُردوں کا دفن کرنا حرام و معصیت، یہاں تک بعدِ دفن مُردہ کا قبر سے نکالنا حرام مگر اسکے باوجود ایسی جگہ قبر کھود کر دوسری جگہ دفن کرنا چاہئے فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لاینبغی اخراج المیت من القبر بعد مادفن الااذاکانت الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

بعد دفن میّت کو قبر سے نہ نکالنا چاہئے مگر جب زمین غصب کی ہوئی یا حقِ شفعہ سے دوسرے نے لے لی ہو واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵ تا ۱۰۹ از فتحپور ہسورہ، محلہ جری ٹولہ مرسلہ محمود علی صاحب اہلمد کلکٹری ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) قبرستان باشندگانِ قرب وجوار کے لیے مضرِ صحت ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) تبدیلی قبرستان بلاعذرِ شرعی جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جدید قبرستان ایسی اراضی میں کہ جس میں پہلے غلیظ دفن ہورہا ہے جاری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) جدید قبرستان ایسی اراضی میں کہ جس کے قرب میں اب غلیظ دفن ہورہا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

(۵) مُردہ کو کس طرح کے قبر میں دفن کرنا چاہیے؟ جواب بحوالہ کتبِ معتبرہ مرحمت ہو۔

الجواب

(۱) شریعتِ مطہرہ نے قبر کا گہرا ہونا اسی واسطے رکھا ہے کہ احیاء کی صحت کو ضرر نہ پہنچے درمختار میں ہے:

حفر قبرہ مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن[2]

میت کی قبر نصف قد کے برابر کھودی جائے، اگر زیادہ ہو تو اچھا ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السادس فی القبر والدفن نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶۷

[2] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۴

ردالمحتار میں ہے:

وان زاد الی مقدار قامۃ فھو احسن کما فی الذخیرۃ وھذا حد العمق والمقصود منہ المبالغۃ فی منع الرائحۃ ونبش السباع[1]

اگر قدر برزیادہ کیا تو زیادہ اچھا ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اور یہ گہرائی کی حد ہے، اس کا مقصد بُو روکنے اور درندوں کے اکھاڑنے سے بچانے میں مبالغہ ہے۔ (ت)

ہزاروں لاکھوں آدمی مقابر کے قریب بستے ہیں بلکہ ہزاروں وہ ہیں جن کا پیشہ ہی تکیہ داری یا قبور کی مجاورت ہے ان کی صحت میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا، جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) تبدیلی سے اگر یہ مراد کہ قبرستان کو کوئی اور مکان کسی کے رہنے بسنے کا یا مسجد یا مدرسہ کرلیا جائے اور قبور کے لیے دُوسری زمین دے دی جائے تو یہ قطعی حرام اور بوجوہ حرام ہے کہ وقف میں تصرف بیجا ہے اور وقف نہ بھی ہو تو قبورِ مسلمین کی توہین و بیحرمتی ہے۔ قبر پر چلنا پھرنا، پاؤں رکھنا حرام ہے چہ جائیکہ اُنھیں پامالی کے لیے مقرر کرلینا ـــ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ اھلاک الوھابیین فی توھین قبور المسلمین میں ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیئتہ[2]

وقف کی ہیأت بدلنا جائز نہیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

فی غایۃ القبح ان یقبر فیہ الموتی سنۃ ویزرع سنۃ[3]

بہت زیادہ بُرا یہ ہے کہ اس میں ایک سال مردے دفن ہوں اور ایک سال کھیتی ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

انھم نصوا علی ان المرور فی سکۃ حادثۃ فیھا حرام[4]

علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبرستان کے اندر نوپیدا راستے میں چلنا حرام ہے۔ (ت)

اسی طرح طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ مقبرہ بدستور رکھا جائے گا، اس میں

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب العاشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۹۰

[3] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۶۱۸

[4] ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ العربیۃ مصر ۱/۲۲۹

کوئی تصرف نہ کیا جائے گا۔ مگر اس میں دفن کرنا روک دیا جائے گا اور اُس کے عوض دُوسری زمین میں دفن کرنے لگیں، تو یہ اگر یوں ہے کہ پرانا مقبرہ بالکل بھر گیا اور اس میں کہیں قبر کی جگہ نہ رہی تو بے شک مناسب ہے اگر دُوسری جگہ معقول و قابلِ قبورِ مسلمین مل سکے اور اگر یہ بھی نہیں بلکہ قبور کے لیے جگہ موجود ہے اور پھر منع کیا جائے تو دُوصورتیں ہیں اگر وُہ جگہ جہاں اموات دفن ہوتے تھے کسی شخص خاص کی ملک ہے کہ اس کی اجازت سے دفن ہوتے تھے تو بلاشبہ اُسے اختیار ہے کہ میّت کو نکلوا دے۔ درمختار میں ہے:

لا یخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق آدمی کان تکون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة و یخیر المالك بین اخراجه و مساواته بالارض[1]

مٹی ڈال دینے کے بعد قبر سے مردے کو نکالا نہ جائیگا مگر کسی انسان کے حق کی وجہ سے، مثلاً زمین غصب کی ہو یا شفعہ کی وجہ سے لی گئی ہو اور مالک کو اختیار ہوگا کہ مردے کو نکال دے یا قبر زمین کے برابر کردے (ت)

اور اگر وُہ کسی کا مملوک نہیں بلکہ وقف ہے تو وقف میں دست اندازی کا کسی کو حق نہیں الوقف لا یملك (وقف کسی آدمی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) یہ حرام اور سخت توہینِ اموات اہلِ اسلام ہے۔ مقابر میں پاخانہ پھرنا حرام ہے حالانکہ وُہ اوپر ہی رہے گا اموات تک نہ پہنچے گا تو یہ صورت کیونکر حلال ہوسکتی ہے، درمختار میں ہے:

یکرہ بول و غائط فی المقابر[2] (قبرستان میں پیشاب اور پاخانہ مکروہ ہے۔ ت)

طحطاوی و ردالمحتار میں ہے: الظاهر انها تحریمیة[3] (ظاہر یہ ہے کہ مکروہِ تحریمی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) اس سے بھی شرعاً منع کیا جائے گا، جو لوگ دفن کے لیے جائیں انھیں ایذا ہوگی۔ جو فاتحہ کو جائیں اُنھیں ایذا ہوگی۔ اور ان سے قطع نظر کیجئے اُن کی ایذا تو اتنی دیر کے لیے ہوگی جب تک وہاں رہیں گے اموات کے لیے یہ آٹھ پہر کی ایذا ہوگی۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

ان المیت یتاذی مما یتاذی منه الحی[4]

جس چیز سے زندہ کو ایذا پہنچتی ہے اُس سے مردہ کو بھی ایذا ہوتی ہے۔

---

[1] درمختار | باب صلوٰۃ الجنائز | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۲۶
[2] درمختار | فصل الاستنجاء | " " " | ۱/۵۷
[3] ردالمحتار | " | ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر | ۱/۲۲۹
[4] " | " | " " " " | "

علامہ طحطاوی وعلامہ شامی نے اُسی مسئلہ کی دلیل میں کہ مقابر میں پیشاب کرنا ممنوع ہے، فرمایا:
لان المیت یتأذی بمایتأذی بہ الحی[1] (جس چیز سے زندہ کو ایذا پہنچتی ہے اُس سے مردہ کو بھی ایذا ہوتی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۵) صالحین کے قریب دفن کرنا چاہئے کہ اُن کے قُرب کی برکت اُسے شامل ہوتی ہے۔ اگر معاذ اللہ مستحقِ عذاب بھی ہوتا ہے تو وُہ شفاعت کرتے ہیں، وُہ رحمت کہ اُن پر نازل ہوتی ہے اُسے بھی گھیر لیتی ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:
ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین[2] اپنے اموات کو اچھے لوگوں کے درمیان دفن کرو۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ھم القوم لایشقی بھم جلیسھم[3] ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔ اور اگر صالحین کا قرب میسر نہ ہو تو اس کے عزیزوں قریبوں کے قریب دفن کریں کہ جس طرح دنیا کی زندگی میں آدمی اپنے اعزا کے قرب سے خوش ہوتا ہے اور ان کی جدائی سے ملول، اسی طرح بعد موت بھی۔ ہم ابھی حدیث وفقہ کو ذکر کر آئے کہ مُردے کو ہر اُس بات سے ایذا ہوتی ہے جس سے زندہ کو۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل (اور ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶: از گیا محلہ مراد پور مرسلہ شیخ علی صاحب ۲۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

جس گورستان کی بوجہ کمی زمین وکثرتِ دفنِ مُردگان سے یہ حالت ہوگئی کہ نئی قبریں کھودنے پر کثرت سے مُردوں کی ہڈیاں نکلتی ہوں اور بصورت موجود رہنے دوسرے گورستان متصل اس کے جو کہ ان سب شکایتوں سے پاک وصاف ہو اُس کو چھوڑ کر خواہ مخواہ صرف بخیال مدفن ہونے آباء واجداد اپنے ایسے گورستان میں دوسرے مُردوں کی ہڈیاں اُکھاڑ کر مُردہ دفن کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

صورتِ مذکورہ محض ناجائز وحرام ہے صرح بہ علماؤنا قاطبۃ فی غیرما کتاب (ہمارے علماء نے متعدد کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷: از گیا محلہ مراد پور مرسلہ شیخ علی صاحب ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

جناب مولانا قبلہ ہادی صراط مستقیم دام افضالکم، بعد سلام مسنون ملتمس خدمت ہے کہ حضور نے بجواب

---

[1] رد المحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۲۲۹
[2] الموضوعات لابن جوزی باب دفن المیت فی جوار الصالحین دار الفکر بیروت ۳/۲۳۷
[3] المدخل لابن الحاج صفۃ القبور دار الکتاب العربیۃ بیروت ۳/۲۶۹

استفتائے ہذا ارشاد فرمایا ہے کہ صورتِ مذکورہ بالا محض ناجائز و حرام ہے اور مدرسہ دیوبند کا فتوٰی بجنسہٖ ارسالِ خدمت کرکے امیدوار کہ کس حکم پر عمل کرنے کا حضورِ والا سے ارشاد ہوتا ہے اور جناب مولانا سجاد حسین صاحب بہاری مدرس اول و ناظم مدرسہ انوار العلوم کا فتوٰی بموجب اقوالِ فقہاء حضور کی مطابقت میں ہے۔

سوال: جس گورستان میں بوجہ کمی زمین و کثرتِ دفنِ مُردگان یہ حالت ہوگئی کہ نئی قبریں کھودنے پر کثرت سے مُردوں کی ہڈیاں نکلتی ہوں بصورت موجود رہنے دوسرے گورستان متصل اُس کے جو ان سب شکایتوں سے پاک اور صاف ہو اُس کو چھوڑ کر خواہ صرف بخیال ہونے جائے مدفن آباء و اجداد اپنے ایسے گورستان میں دوسرے مُردے کی ہڈیاں اکھاڑ کر مردہ کا دفن کرنا شرعاً جائز و درست ہے یا نہیں؟ راقم استفتاء ھذا بندہ عاصی شیخ علی عفا عنہ الباری ساکن مراد پور گیا۔

الجواب: دفن کرنا اُس گورستان میں درست ہے اگر ہڈیاں ظاہر ہوں، اُن کو ایک طرف کردیا جائے لیکن اگر دوسری جگہ صاف اور خالی ہو تو وہاں دفن کرنا اولٰی ہے۔ فقہاء نے اس بارے میں یہ تفصیل کی ہے کہ کہنہ قبور میں دوسرے میت کو دفن کرنا درست ہے اور قبر جدید کھود کر اُس میں دوسری میت کو دفن کرنا درست نہیں ہے۔ شامی میں ہے:

وقال الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ الخ	اگر میت بوسیدہ ہوکر مٹی ہوجائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا، وہاں کھیتی باڑی کرنا اور اس پر عمارت بنانا جائز ہے الخ (ت)

اس کے بعد تاتارخانیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ باوجود دوسری جگہ خالی ملنے کے ایسا کرنا بلا ضرورت اچھا نہیں ہے پس مدار ضرورت و عدمِ ضرورت پر ہے، اگر ضرورت ہو پرانی قبر میں میت کو دفن کرنا بلا کراہت درست ہے اور اگر ضرورت کچھ نہ ہو بلکہ دُوسری جگہ صاف و خالی ہو تو اگرچہ پھر بھی درست ہے مگر غیر اولٰی مکروہِ تنزیہی۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۲۶ ج ۱ ۱۳۳۶ھ

الجواب

حکمِ شریعتِ مطہرہ وہی ہے کہ فقیر نے فتوٰیِ سابقہ میں لکھا یعنی بحالتِ مذکورہ اُس قبرستان میں دفن کرنا محض ناجائز و حرام ہے۔ فتوٰیِ دیوبند صریح باطل و مردود ہے اور خیانت و تحریف و افتراء و تناقض و سفاہت سے مملو۔ مسئلہ بہت ظاہر و واضح ہے لہذا ہم نے کسی خاص کتاب کا حوالہ نہ دیا تھا بلکہ اتنا لکھ دیا

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۹۹

کہ ہمارے علمائے متعدد کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی۔ اب اوہامِ جہال مدعیانِ علم وکمال کے ازالہ کو چند نصوص ذکر کریں۔ امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

لایدفن اثنان فی قبر واحد الا لضرورۃ ولا یحفر قبر لدفن اٰخر الا ان بلی الاول فلم یبق لہ عظم الا ان لا یوجد بد فیضم عظام الاول و یجعل بینھما حاجز من تراب[1]۔

یعنی بلا مجبوری ایک قبر میں دو کا دفن جائز نہیں، نہ بلا مجبوری دوسرے کے دفن کے لیے قبر کھودنے کی اجازت، مگر جبکہ پہلا بالکل خاک ہوگیا ہو کر اس کی ہڈی تک نہ رہی، ہاں مجبوری ہو تو ہڈیاں ایک طرف جمع کرکے انھیں اور اس میت میں مٹی کی آڑ قائم کردیں۔ (ت)

تاتارخانیہ وامداد الفتاح میں ہے:

اذا صار المیت ترابا فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمۃ باقیۃ وان جمعوا عظامہ فی ناحیۃ ثم دفن غیرہ فیہ تبرکا بالجیران الصالحین و یوجد موضع فارغ یکرہ ذٰلک[2]۔

یعنی اگر میت بالکل خاک ہوجائے جب بھی اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا ممنوع ہے کہ حرمت اب بھی باقی ہے، اور اگر مزارات صالحین کے قرب کی برکت حاصل کرنے کی غرض سے میت کی ہڈیاں ایک کنارے جمع کردیں تو اب بھی ممنوع ہے جبکہ فارغ جگہ دفن کو مل سکتی ہے۔ (ت)

امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج رحمہ اللہ تعالٰی حلیہ میں فرماتے ہیں:

یکرہ ان یدفن فی القبر الواحد اثنان الا لضرورۃ وبھذا تعرف کراھۃ الدفن فی الفساقی خصوصا ان کان فیھا میت لم یبل، واما مایفعلہ جھلۃ اغبیاء من الحفارین وغیرہ فی المقابر المسبلۃ العامۃ وغیرھا من نبش القبور التی لم یبل اربابھا

یعنی بلا مجبوری ایک قبر میں دو کا دفن جائز نہیں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ تہ خانوں میں دفن منع ہے خصوصاً جبکہ وہاں کوئی میت موجود ہو جو ابھی خاک نہ ہوا، اور وہ جو بعض گورکن وغیرہ جاہلان بدعقل کرتے ہیں کہ وقفی یا غیر وقفی قبرستان میں وہ قبر جس کا مُردہ ہنوز خاک نہ ہوا کھود کر دوسرا دفن کردیتے ہیں، یہ

---

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲

[2] فتاوٰی تاتارخانیہ الجنائز، القبر والدفن ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۲/ ۱۷۲

وادخال اجانب علیھم فھو من المنکر الظاھر الذی ینبغی لکل واقف علیہ انکار ذلک علی متعاطیہ بحسب الاستطاعۃ فان کف والادفع الی اولیاء الامور وفقھم اللہ تعالٰی لیقابلوہ بالتادیب، ومن المعلوم ان لیس من الضرورۃ المبیحۃ جمع میتین ابتداء فی قبر واحد لقصد دفن الرجل مع قریبہ اوضیق محل الدفن فی تلک المقبرۃ مع وجود غیرھا وان کانت تلک المقبرۃ مما یتبرک بالدفن فیھا لبعض من بھا من الموتٰی فضلا عن کون ھذہ الامور وماجری مجرھا مبیحۃ للنبش وادخال البعض علی البعض قبل البلی مع ما یحصل فی ضمن ذلک من ھتک حرمۃ المیت الاول وتفریق اجزائہ فالحذر من ذلک[1]

صریح معصیت ہے، ہر مسلمان کو چاہیے کہ حتی الامکان انھیں ایسا کرنے سے خود روکے اور اس کے روکے نہ رکیں تو حکام کو اطلاع دیں کہ وہ ان لوگوں کو سزا دیں، اور شریعت سے معلوم ہے کہ کسی کو اس کے عزیز یا تبرک کے لیے کسی مزار کے پاس دفن کرنے کی غرض سے ابتداءً دو جنازے ایک قبر میں رکھنا حلال نہیں جبکہ وہاں دوسرا مقبرہ موجود ہو، نہ کہ ان وجوہ کے لیے اگلی قبر کھودنا، اور ایک کے خاک ہونے سے پہلے دوسرے کا اس میں داخل کرنا، یہ کیسے حلال ہوسکتا ہے حالانکہ اس میں پہلے میت کی ہتک حرمت اور اس کے اجزاء کا متفرق کرنا ہے تو خبردار اس حرکت سے بچو۔

ان نفیس عبارات کے بعد زیادہ کی حاجت نہیں۔ طرفہ یہ کہ دیوبندی نے جہاں سے شامی کی عبارت نقل کی ہے وہیں وہ فتح القدیر کا کلام منقول تھا اُسے چھوڑ دیا، یہ خیانت ہے۔ وہیں حلیہ کا یہ قاہر کلام ملخصاً مذکور تھا اُسے بھی اُڑا دیا، یہ دوسری بھاری خیانت ہے۔ وہیں تاتارخانیہ کی وہ عبارت مسطور تھی جس کا ترجمہ یہ کیا کہ "بلاضرورت ایسا کرنا اچھا نہیں" جس کا حاصل خود یہ نکلا کہ "غیر اولٰی یعنی مکروہ تنزیہی" حالانکہ تاتارخانیہ میں دو جگہ یکرہ فرمایا جس کا اطلاق مفید کراہت تحریم ہے اور اس کی دلیل فرمائی تھی کہ حرمت اب بھی باقی ہے جس سے صاف ممانعت روشن تھی، کیا مسلمان میت کی بیحرمتی درست ہے، صرف غیر اولٰی ہے۔ اس تعلیل کو اُڑا جانا تیسری خیانت ہے۔ یہیں شامی نے اُس پر اپنی بحث میں کہا تھا کہ مگر اس میں بہت مشقت ہے تو اولٰی یہ ہے کہ جواز کا مدار میت کے خاک ہونے پر رکھیں، جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ تاتارخانیہ میں خاک

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الحلیہ ملخصاً باب صلوٰۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۹۸

ہونے کے بعد بھی ناجائز فرمایا ہے نہ کہ صرف غیر اولیٰ۔ یہ دیکھ کہ وہ معنی بنانا تحریف ہے۔ وہیں عبارت امام محمد حلبی میں یہ دیکھنا کہ اپنے عزیز یا کسی مزار کے قریب میں دفن کا قصد وہ ضرورت نہیں جس کے باعث ابتداءً ایک قبر میں دو کا دفن مباح ہو جائے۔ صاف ثابت ہُوا کہ ایسا کرنا حلال نہیں۔ پھر اُسے غیر اولیٰ پر ڈھالنا دوسری تحریف نیز اسی عبارت میں ارشاد ہوا تھا کہ پھران وجوہ سے اگلی قبر کھود کر دوسرے کا دفن کرنا کیونکر حلال ہو سکتا ہے۔ اس سے آنکھ بند کر کے وُہ گھڑت تیسری تحریف ہے، پھر وہیں یہ دیکھنا کہ اس میں مسلمان میت کی بےحرمتی ہے اور اس پر وہ تراش چوتھی تحریف ہے۔ وہیں یہ دیکھنا کہ اُس میں مسلمان میت کی ہڈی علیحدہ کرنا ہے اور اس پر وُہ اختراع پانچویں تحریف ہے۔ پھر اپنے اس معنی تراشیدہ کو فقہاء کی طرف نسبت کرنا صریح افترا ہے۔ طرفہ یہ کہ عبارت شامی نقل کی جس میں امام زیلعی سے ہے کہ میت خاک ہو جائے تو اس کے بعد دوسرے کو اس کی قبر میں دفن کر دینا جائز ہے۔ صاف ثابت ہُوا کہ قبل اس کے ناجائز ہے، پھر اس اپنے رَد کو اپنی سند بنانا کیسی کھلی سفاہت ہے۔ فقہائے کرام نے نقل کیا کہ کہنہ قبور میں دوسرے میت کو دفن کرنا درست ہے جدید کھود کر اُس میں دُوسرے کو دفن کرنا درست نہیں۔ پھر کہنہ وجدید ایجاد بندہ ہے جس کے معنی یہ ٹھہرا سکے کہ دو چار مہینے یا سال دو سال گزر سکے تو اب جدید قبر ہی نہ رہی، مسلمان کی ہڈیاں کھودنا حلال ہو گیا حالانکہ خود اس کی عبارت نقل کردہ میں ارشادِ فقہا یہ ہے کہ میت خاک ہو جائے تو جائز ورنہ نہیں۔ اب کہنہ وجدید کے یہ معنی متعین ہو گئے اس پر اسے گورستان کی نسبت جسے سائل نے صاف لکھا تھا کہ نئی قبریں کھودنے پر کثرت سے مُردوں کی ہڈیاں نکلتی ہیں اور اُس پر گورستان صاف و پاک اُس کے متصل موجود ہے۔ یہ حکم لگانا کہ دفن کرنا دوسرے گورستان میں درست ہے صریح تناقض۔ فقہائے کرام نے بحالِ ضرورت اجازت دی خود اسی فتویٰ میں کہا مدار ضرورت اور عدمِ ضرورت پر ہے۔ پھر بلا ضرورت صرف غیر اولیٰ رکھنا کیسی شدید سفاہت ہے؟ غیر اولیٰ کی اجازت کو ضرورت کیا درکار، وُہ بلا ضرورت بھی جائز ہوتا ہے، ہاں ناجائز بات کی اجازت کو ضرورت کی ضرورت ہوتی ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں منع کردہ چیزوں کو جائز کر دیتی ہیں۔ ت) اُس فتوے کے کاتب کے قلم سے چھوٹی آٹھ سطریں ہیں اُن میں یہ بارہ کمالات بنگاہِ اوّلیں حاضر ہیں، تحریفیں، خیانتیں، افترا، تناقض، سفاہتیں، معاذ اللہ کہ شرع ایسوں کو قابلِ افتا ٹھہرائے، یہ سب درکنار علمائے حرمین شریفین نے دیوبند کے پیشواؤں پر نام بنام حکمِ ارتداد دیا اور فرمایا:

من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔ جو اُن کے اقوال پر مطلع ہو کر ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی مسلمان نہیں۔

---

[1] دُرمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶

پھران لوگوں کو عالمِ دین سمجھا یا اُن سے کوئی شرعی فتوٰی طلب کرنا کیسے حلال ہوسکتا ہے، حرام حرام سخت حرام ہے، اس مسئلہ کی تحقیق میں کلام طویل ہے۔ ہمارے رسالہ اھلاك الوھابیین سے ثابت ہے کہ میت اگرچہ خاک ہوگیا ہو بلاضرورتِ شدیدہ اس کی قبر کھود کر دوسرے کا دفن کرنا جائز نہیں جیسا کہ تاتارخانیہ وغیرہا میں فرمایا، مگر کسی کی مملوک زمین ہے تو خاک ہوجانے کے بعد وہ اپنی ملک میں تصرف کرسکتا ہے، عبارتِ تبیین کا یہی محمل ہے، بہرحال خاک ہوجانے سے پہلے بلامجبوری کسی کے نزدیک جائز نہیں۔ رہی بحث شامی کی مشقت عظیمہ اقوال مدفوع ہے کہ محلِ ضرورت مستثنٰی ہے، مگر صورتِ سوال کہ نئی قبریں کھودنے سے بکثرت ہڈیاں نکلتی ہیں اور دوسرا صاف قبرستان اُس کے متصل موجود ہے۔ اس میں تو وہابیہ کے سوا جن کی نگاہ میں امواتِ مسلمین کی اصلاً عزت نہیں، کوئی مسلمان قائلِ جواز نہیں ہوسکتا۔ شامی کا علاوہ بھی اس کی طرف ناظر نہیں ہوسکتا۔

فانه فی المنع من الحفر ان لایبقی عظم اصلا لا فی هذا علی انه بحث فیه علی خلاف المنصوص **اقول** وقد یکون عظم امرأة فکیف یحل للاجانب النظر الیه و مسه کشعرها المقطوع کما نصوا علیه فافهم۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

اس لئے کہ وہ کھودنے سے ممانعت کے بارے میں ہے۔ مگر یہ کہ اصلاً کوئی ہڈی باقی نہ رہ جائے ـــــ اس کے بارے میں نہیں ـــــ علاوہ ازیں وہ نص کے خلاف ان کی ایک بحث ہے ـــــ **اقول** ایسا بھی ہوگا کہ ہڈی کسی عورت کی ہو تو نامحرموں کا اُسے دیکھنا چھونا کیسے حلال ہوگا، جیسے عورت کا کٹا ہوا بال دیکھنا چھونا حلال نہیں، علمائے کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے ـــــ تو اسے سمجھو ـــــ اور خدائے بزرگ و برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۸: از موضع سنیا ضلع بریلی مسئولہ امیر علی صاحب رضوی ۱۶ شوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر دیکھا گیا مرا ہوا بچہ کسی کے پیدا ہوتا ہے اس کو ہانڈی میں رکھ کر گورستان سے علیحدہ دفن کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ پکا مسان ہے، اس سے اہل ہنود کی طرح بچتے ہیں، یہ کیونکر ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

یہ شیطانی خیال ہے اسے مسلمانوں کے گورستان ہی میں دفن کریں۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۹: از مونگیر، محلہ دلاور پور مکان شیخ رحمت علی صاحب مرسلہ مولوی سید عطاء الحق صاحب ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کافر کے مُردہ کو جس کا کوئی وارث نہیں، کیا کیا جائے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اُس کے مذہب وملّت والوں کو دے دیا جائے کہ جو چاہیں کریں، اور اگر کفار میں بھی کوئی نہ ملے تو جیفۂ سگ کی طرح دفعِ عفونت کے لیے کسی گڑھے میں دبادیں۔ تفصیلِ مسئلہ یہ ہے کہ کافر دو قسم ہے، اصلی و مرتد۔ اصلی وہ کہ ابتداسے کافر ہے، اور مرتد وہ کہ معاذ اللہ بعد اسلام کافر ہوا، یا باوصف دعوٰی اسلام عقائدِ کفر رکھے، جیسے آج کل نیچری مرتد کے لیے تو اصلاً نہ غسل، نہ کفن، نہ دفن، نہ مسلمان کے ہاتھ سے کسی کافر کو دیا جائے، اگرچہ وہ اُسی کے مذہب کا ہو، اگرچہ اُس کا باپ یا بیٹا ہو، بلکہ اس کا علاج وہی مردار کتے کی طرح دبادینا ہے، اور کافر اصلی سے اگر مسلمان کو قرابت نہیں تو اُس کے بھی کسی کام میں شریک نہ ہو بلکہ چھوڑ دیا جائے کہ اُس کا عزیز قریب یا مذہب والے جو چاہے کریں، اور وہ بھی نہ ہوں تو علاج مثل علاجِ مرتد ہے، اور اگر مسلمان کو اس سے قرابتِ قریبہ ہے تاہم جب کوئی قریب کافر موجود ہو بہتر یہی ہے کہ اس کی تجہیز میں شرکت نہ کرے، ہاں ادائے حقِ قرابت کے لیے اگر اس کے جنازہ کے ساتھ جنازہ سے دُور دُور چلا جائے تو مضائقہ نہیں۔ اور اگر مسلمان ہی قریب ہے کوئی کافر قرابت دار نہیں جب بھی مسلمان پر اُس کی تجہیز و تکفین ضروری نہیں۔ اگر اُس کے ہم مذہب کافروں کو دے دے یا بے غسل و کفن کسی گڑھے میں پھنکوادے، جائز ہے۔ اور اگر بلحاظ قرابت غسل و کفن و دفن کرے تو بھی اجازت ہے مگر کسی کام میں رعایتِ طریقۂ مسنونہ نہ کرے، نجاست دھوتے کی طرح پانی بہادے، کسی چیتھڑے میں لپیٹ کر تنگ گڑھے میں دبادے۔ ربّ انّی اعوذبک من الکفر والکافرین، (اے رب! میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر اور کافروں سے۔ ت) درمختار میں ہے:

(یغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبہ کخالہ (الکافر الاصلی) اما المرتد فیلقی فی حفرۃ کالکلب (عند الاحتیاج) فلولہ قریب فالاولٰی ترکہ لھم (من غیر مراعاۃ السنۃ) فیغسلہ غسل الثوب النجس ویلفہ فی خرقہ ویلقیہ فی حفرۃ اھ[1]

(مسلمان اپنے قرابت دار) جیسے ماموں (کافر اصلی) کو غسل و کفن و دفن کرے رہا مرتد تو اسے کسی گڑھے میں کتے کی طرح ڈال دے (ضرورت کے وقت) تو اگر اس کا کوئی اور قرابتدار ہے تو بہتر یہ ہے کہ انھیں دے دے (بلغیر رعایت سنّت کے غسل اور کفن دفن کرے) تو کسی ناپاک کپڑے کی طرح دھوئے اور کسی چیتھڑے میں لپیٹ کر کسی گڑھے میں ڈال دے اھ

اقول ولفظ البحر حفیرۃ[2] اھ قال الطحطاوی

اقول بحر کی عبارت میں

---

[1] درمختار | باب صلوٰۃ الجنائز | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۲۳

[2] بحرالرائق | کتاب الجنائز | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/۱۹۳

فی حاشیۃ المراقی ای بدون لحد ولا توسعۃ[1] اھ وفی الایضاح ومراقی الفلاح غسلہ کخرقۃ نجسۃ وکفنہ فی خرقۃ، والقاہ فی حفرۃ من غیر وضع کالجیفۃ مراعاۃ لحق القرابۃ او دفع القریب الی اھل ملتہ، ویتبع جنازتہ من بعید، وفیہ اشارۃ الی ان المرتد لایمکن منہ احد لغسلہ لانہ لاملۃ لہ فیلقی کجیفۃ کلب فی حفرۃ[2] اھ مختصرا وفی رد المحتار قولہ یغسل المسلم ای جوازا لان من شروط وجوب الغسل کون المیت مسلما[3] الخ۔

حفرۃ (تنگ گڑھا) ہے۔ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں کہا یعنی لحد اور کشادگی کے بغیر اھ ایضاح اور مراقی الفلاح میں ہے اسے کسی ناپاک کپڑے کی طرح دھوئے اور کسی معمولی کپڑے میں کفن دے کر کسی گڑھے میں مردار کی طرح ڈال دے تاکہ حقِ قرابت کی رعایت ہوجائے یا قرابت دار اس کے اہلِ مذہب کو دے دے اور خود دُور سے جنازے کے پیچھے چلا جائے۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مرتد کو غسل کے لیے کسی کو نہ دے اس لیے کہ اس سے کوئی رشتہ وتعلق نہیں، تو کتّے کی طرح کسی گڑھے میں ڈال دے گا اھ مختصراً۔ ردالمحتار میں ہے مسلمان کا کافر اصلی قرابت دار کو غسل دینا صرف جوازاً ہے اس لیے کہ وجوب غسل کی شرطوں میں یہ ہے کہ میت مسلم ہو الخ (ت)

کشف الغطاء میں جامع صغیر امام صدر شہید سے ہے:

اگر قریب مسلمان نباشد دفع کردہ شود باہل دین او تاہرچہ خواہند بوے کنند[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر کوئی مسلمان قرابت دار نہ ہو تو اس کے اہل مذہب کو دے دیا جائے گا کہ اس کے ساتھ جو چاہیں کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۰

لوگوں میں رسم ہے کہ میّت کو دفن کرکے اس کے مکان میں آتے ہیں اور کہتے ہیں فاتحہ پڑھ لو، پھر کچھ پڑھتے ہیں اور ہاتھ اٹھاتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اصل اس فعل میں کوئی حرج نہیں کہ ایصالِ ثواب سے اموات کی اعانت اور اُن کیلئے دعائے مغفرت

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل السلطان احق بصلوٰتہ نورمحمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۰
[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی " " " " " " " " "
[3] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۵۹۷
[4] کشف الغطاء فصل دفنِ میت مطبع احمدی دہلی ص ۴۷

اور پسماندوں کو تسکین وتعزیت سب باتیں شرعاً محمود وروا۔

فقد روی الترمذی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن عزی مصابا فلہ مثل اجرہ[1] وایضا عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من عزی ثکلٰی کسی بردا فی الجنۃ[2] وابن ماجۃ والبیھقی باسناد حسن قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما من مومن یعزی اخاہ بمصیبۃ الا کساہ اللہ تعالٰی من حلل الکرامۃ یوم القیٰمۃ[3]۔

ترمذی کی روایت نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے: جو کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے تو اُسے بھی اسی کی طرح اجر ملے۔ امام ترمذی ہی کی دوسری روایت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ ہے: جو مرگِ فرزند کی مصیبت زدہ کسی عورت کو تعزیت کرے اُسے جنت میں عمدہ چادر پہنائی جائے۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے بسندِ حسن روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو مومن بھی کسی مصیبت پر اپنے بھائی کی تعزیت کرے خدا تعالٰی اسے قیامت کے دن عزت وکرامت کا لباس پہنائے گا(ت)

علامہ ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

التعزیۃ مستحب قد ندب الیہ الشارع فی غیر ما حدیث ومن ذٰلک ما روی ابن ماجۃ والبیھقی باسناد حسن الٰی ان قال وحسن ان یقرن معہ الدعاء لہ بجزیل الثواب علی مصابہ لمیتہ بالرحمۃ والمغفرۃ وقد نبھنا الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علٰی ھذا المقصود فی غیر ما حدیث[4] الخ اھ ملخصا۔

تعزیت مستحب ہے شارع علیہ السلام نے متعدد حدیثوں میں اس کی ترغیب دی ہے، ان میں سے ایک حدیث وُہ ہے جسے ابنِ ماجہ و بیہقی نے بسندِ حسن روایت کیا (حدیث مذکور پیش کرنے کے بعد فرمایا) اور اچھا یہ ہے کہ مصیبت زدہ کے لیے عظیم ثواب کی دُعا کرنے کے ساتھ اس کے مردے کیلئے رحمت ومغفرت کی دُعا بھی کرے۔ اس خاص مقصد پر بھی شارع علیہ السلام نے متعدد حدیثوں میں ہمیں متنبہ اور خبردار کیا ہے الخ اھ تلخیص (ت)

---

[1] جامع الترمذی | ابواب الجنائز | کتب خانہ رشیدیہ دہلی | ۱/ ۱۲۷

[2] " " "

[3] سنن ابن ماجہ | باب ماجاء فی ثواب من عزی مصابا | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ص ۱۱۶

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اور میاں اسحٰق صاحب دہلوی کو تسلیم ہے کہ ہاتھ اٹھانا مطلقاً دعا کے آداب سے ہے، تو اس وقت بھی کچھ مضائقہ نہیں رکھتا۔ اربعین میں ہے:

مسئلہ ۳۲ در تعزیتِ میت رفتن و ہر دو دست برداشتہ سورۂ فاتحہ خواندن جائز است یا نہ؟

جواب: رفتن برائے تعزیتِ میت جائز است و دعائے مغفرت برائے او نمودن مستحب است وہمچنیں دعائے خیر برائے اہلِ میت اما دست برداشتن برائے دعا وقت تعزیت ظاہراً جواز است زیراکہ در حدیث شریف رفع یدین در دعا مطلقاً ثابت شدہ پس دریں وقت ہم مضائقہ نہ دارد لیکن تخصیص آں برائے دعا وقتِ تعزیت ماثور نیست[1] انتہی ملخصا۔

مسئلہ ۳۲ میت کی تعزیت میں جانا اور دونوں ہاتھ اٹھاکر سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: میت کی تعزیت کے لیے جانا جائز ہے اور اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنا مستحب ہے اسی طرح اہلِ میت کے لیے دعائے خیر کرنا بھی مستحب ہے۔ رہا تعزیت کے وقت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا، تو ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے، اس لیے کہ حدیث شریف کے اندر دعا میں ہاتھ اٹھانا مطلقاً ثابت ہے تو اس وقت بھی مضائقہ نہیں مگر خاص وقت تعزیت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا حدیث میں منقول نہیں ہے انتہی ملخصاً (ت)

اور تعزیت بعد دفن کے اولٰی ہے:

فی الجوھرۃ ثم رد المحتار ھی بعد الدفن افضل منہا قبلہ[2] الخ وبمثلہ ذکر الطحطاوی فی حاشیۃ مراقی الفلاح۔

جوہرہ پھر ردالمحتار میں ہے: قبل دفن تعزیت سے بہتر بعد دفن تعزیت ہے الخ اسی کے مثل سید طحطاوی نے حاشیۂ مراقی الفلاح میں ذکر کیا ہے (ت)

اور قبر کے پاس مکروہ ہے،

فی الدرالمختار وتکرہ التعزیۃ ثانیا و عند القبر[3]

درمختار میں ہے: دوسری بار تعزیت کرنا یوں ہی قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

یشھد لہ ما اخرج ابن شاھین

اس پر شاہد اثر ہے جو ابن شاہین نے ابراہیم نخعی

---

[1] اربعین میاں اسحاق دہلوی

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنازۃ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۶۰۴

[3] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۶

عن ابراھیم التعزیۃ عند القبر بدعۃ[1] انتھی۔

سے روایت کیا کہ قبر کے پاس تعزیت بدعت ہے انتہی (ت)

مدخل ابن الحاج میں ہے:

موضع التعزیۃ علی تمام الادب اذا رجع ولی المیت الی بیتہ[2]

کمال ادب کے طور پر تعزیت کا موقع اُس وقت ہے جب ولیِ میت گھر واپس آجائے۔ (ت)

اور پہلے ہی دن ہونا بہتر و افضل ہے،

فی الدر المختار اولھا افضلھا[3] الخ یعنی ایام تعزیت۔

درمختار میں ہے: ایامِ تعزیت میں پہلا دن افضل ہے الخ (ت)

اور تعزیت کے لیے اولیائے میت کے مکان پر جانا بھی سنّت سے ثابت،

روی ابوداؤد والنسائی فی حدیث قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لسیدتنا البتول الزھراء رضی اللہ تعالٰی عنہا ما اخرجک من بیتک یا فاطمۃ قال اتیت اھل ھذا المیت فترحمت الیھم وعزیتھم بمیتھم[4] وفی السنن الصحاح لابن سکن عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اوذن بجنازۃ فاتی اھلھا فعزاھم کتب اللہ لہ قیراطا[5] الحدیث وللنسائی عن معٰویۃ بن قرۃ عن ابیہ

ابوداؤد اور نسائی نے ایک حدیث میں روایت کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سیدہ بتول زہراء رضی اللہ تعالٰی عنہا سے فرمایا: فاطمہ تم اپنے گھر سے باہر کس لئے گئی تھیں؟ عرض کی: اس میت والوں کے یہاں گئی تھی ان کے لیے رحمت کی دعا اور میت کی مصیبت پر تعزیت کی۔ اور ابن سکن کی سنن صحاح میں حضرت ابوہریرہ کی روایت نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے: جسے کسی جنازہ کی خبر ملے وہ اہلِ میت کے پاس جا کر ان کی تعزیت کرے اللہ تعالٰی اس کے لیے ایک قیراط ثواب لکھے الحدیث۔

---

[1] ردالمحتار بحوالہ حلیہ — باب صلٰوۃ الجنائز — ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۶۰۴

[2] المدخل لابن الحاج — صفۃ القبر — دارالکتاب العربی بیروت ۳/۲۷۷

[3] درمختار — باب صلٰوۃ الجنائز — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۶

[4] سنن ابی داؤد — باب التعزیۃ — آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۸۹
سنن النسائی — کتاب الجنائز باب النہی — نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۶۵

[5] السنن الصحاح، امام ابن سکن

کان نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس یجلس الیہ نفر من اصحابہ فیھم رجل لہ ابن صغیر ففقدہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال مالی لا اری فلانا قالوا یارسول اللہ بنیہ الذی رأیتہ ھلک فلقیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فسألہ عن بنیہ فاخبرہ انہ ھلک فعزاہ علیہ الحدیث اھ ملخصا۔[1]

نسائی نے معاویہ بن قرہ سے انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب تشریف فرما ہوتے تو ان کے پاس ان کے صحابہ میں سے چند حضرات بیٹھتے، ان میں ایک صاحب تھے جن کا ایک کم سن فرزند تھا ایک روز مجلس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کو نہ دیکھا، ارشاد فرمایا: کیا بات ہے فلاں نظر نہیں آرہا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کا چھوٹا سا لڑکا جسے حضور نے دیکھا تھا فوت ہوگیا تو اس سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ملاقات کرکے اس کے فرزند کے بارے میں پوچھا، اس نے موت کی خبر سنائی، حضور نے اس پر اس کی تعزیت فرمائی، الحدیث، اھ تلخیص (ت)

اور مولوی اسحق کا قول پہلے مذکور ہوا کہ رفتن برائے تعزیتِ میت جائز ست (تعزیتِ میت کے لیے جانا جائز ہے۔ ت)، اور تین روز تک اولیائے میت کو بھی رخصت و اجازت ہے کہ بے ارتکابِ منکرات و اتباعِ رسومِ کفار اپنے مکان میں تعزیت کے لیے بیٹھیں تاکہ لوگ ان کے پاس آئیں اور رسمِ تعزیت بجالائیں،

فی الدرالمختار لاباس بتعزیۃ اھلہ و ترغیبھم فی الصبر و باتخاذ طعام لھم و بالجلوس لھا فی غیر مسجد ثلثۃ ایام و اولھا افضلھا الخ۔[2]

درمختار میں ہے: اس میں حرج نہیں کہ اہلِ میت کو تعزیت کریں اور صبر کی ترغیب دیں اور ان کے لیے کھانا پکوائیں اور تعزیت کے لیے اگر اہلِ میت مسجد کے علاوہ کسی جگہ بیٹھیں تو اس میں بھی حرج نہیں اور ایامِ تعزیت میں پہلا دن افضل ہے الخ (ت)

حاشیہ طحطاویہ علی مراقی الفلاح میں ہے:

قال فی شرح السید ولاباس بالجلوس لھا الی ثلثۃ ایام من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط والاطعمۃ من

شرح سید میں ہے: تین دن تک تعزیت کے لیے بیٹھنے میں حرج نہیں مگر کسی ممنوع کام کا ارتکاب نہ ہو جیسے مکلف فرش بچھانا، اہلِ میت کی جانب سے

---

[1] سنن النسائی کتاب الجنائز باب فی التعزیۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۹۶

[2] درمختار باب صلوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۶

اھل المیت[1] انتھی۔ | کھانے کا اہتمام ہونا۔ (ت)

نہر الفائق میں تجنیس سے منقول:

لاباس بالجلوس لھا ثلثۃ ایام وکونہ علی باب الدار مع فرش بسط علی قوارع الطریق من اقبح القبائح[2] انتھی۔

تین دن تک تعزیت کے لیے بیٹھنے میں حرج نہیں۔ مگر گھر کے دروازے پر عام راستوں میں فرش فروش بچھا کر یہ کام ہو تو بہت برا ہے انتھی (ت)

عالمگیریہ میں ظہیریہ سے نقل کیا:

لاباس لاھل المصیبۃ ان یجلسوا فی البیت اوفی مسجد ثلثۃ ایام والناس یاتونھم ویعزونھم[3] الخ

اس میں حرج نہیں کہ اہلِ میت گھر میں یا مسجد میں تین دن بیٹھیں اور لوگ ان کے پاس آتے اور تعزیت کرتے رہیں الخ (ت)

بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی کہ زید وجعفر وابن رواحہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی خبر شہادت سُن کر مغموم ومحزون مسجد میں تشریف رکھی، صحابہ حاضر ہوتے اور تعزیت کرتے جاتے[4] کما ذکرہ العلامۃ زین فی البحر الرائق (جیسا کہ علامہ زین بن نجیم نے اسے بحر الرائق میں ذکر کیا۔ ت) اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں اس امر سے منع نہ فرمایا،

واخرج الشیخان عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھا لما جاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قتل ابن حارثۃ وجعفر وابن رواحۃ لما جلس یعرف فیہ الحزن[5] الحدیث۔

بخاری ومسلم نے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی ہے جب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو زید بن حارثہ، جعفر اور عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی اطلاع ہوئی جب تشریف رکھی سرکار پر غم کا اثر نمایاں تھا، الحدیث (ت)

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی شرح میں فرماتے ہیں: جلس نشست آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح فصل فی حملھا ودفنھا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۹

[2] " " " " بحوالہ النہر الفائق " " " "

[3] فتاوٰی ہندیۃ ومما یتصل بذالک مسائل التعزیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۶۷

[4] بحر الرائق کتاب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۲

[5] صحیح البخاری باب من جلس عند المصیبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۳

وسلم یعنی درمسجد برائے عزائے ایشان[۱] انتہی (یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد میں ان حضرات کی تعزیت لینے کے لیے تشریف فرما ہوئے۔ت)

پس اب فعل مذکور فی السوال میں کوئی امر ایسا نہ رہا جس کا ثبوت حدیث و فقہ سے نہ ہو۔ صرف اتنی بات باقی ہے کہ بعد دفن کے پلٹ کر سیدھے اُس کے مکان پر جاتے ہیں اور بعد فاتحہ اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے ہیں۔ اس کے لیے کسی ثبوتِ خاص کی حاجت نہیں کہ جب تعزیت و ایصالِ ثواب و دعا محمود ٹھہری اور افضل یہ قرار پایا کہ دفن کے بعد ہو اور پہلے ہی دن ہو اور قبر سے پلٹ کر ہو، اور اس کے لیے مکانِ میت پر جانا بھی جائز ہُوا۔ تو اُسی وقت جاکر ادائے تعزیت میں کیا مضائقہ ہے۔ ہاں اگر سرے سے اُس کے مکان پر جانا ہی روا نہ ہوتا تو بیشک محل منع ہوتا۔ اور جب ایسا نہیں تو اس کی کیا ضرورت ہے کہ اپنے اپنے گھر جاکر پھر وہاں جائیں، کوئی دلیل شرع اس پر قائم نہیں بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت کہ جب ایک صحابی کو دفن کرکے پلٹے اور صحابہ کرام حاضرِ رکابِ سعادت تھے، میت مرحوم کی زوجہ مطہرہ کا بھیجا ہوا آدمی ملا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کے مکان پر تشریف لے گئے،

فقد اخرج الامام احمد بسند صحیح و ابوداؤد عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی جنازۃ فلما رجع استقبلہ داعی امرأتہ فجاء وجیئ بالطعام[۲] الحدیث ملخصا۔

امام احمد نے بسند صحیح اور ابوداؤد نے عاصم بن کلیب سے انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے ایک انصاری صحابی سے روایت کی وُہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے جب سرکار واپس ہُوئے تو مرنے والے کی عورت کا داعی سامنے آیا حضور اس کے گھر تشریف لے گئے اور کھانا حاضر کیا گیا۔ الحدیث بہ تلخیص (ت)

اگر دفن سے پلٹ کر مکانِ میت پر جانا منع ہوتا تو حضور کیوں قبول فرماتے، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یہ تو اصل فعل کا حکم تھا، مگر ہُوا یہ کہ جُہّال نے اس رسمِ شرعی میں بہت رسومِ جاہلیت و اختراعاتِ بیہودہ کو دخل دیا، مثلاً گانے باجے، شمعیں، قندیلیں، عمدہ عمدہ فرش، طرح طرح کے کھانے، ریا و ناموری کے اسباب، میت کی تعریف میں حد سے غلو، تعزیت کے وقت اُلٹی وُہ باتیں جو غم و الم کو زیادہ کریں اور میت

---

[۱] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۰۹

[۲] مسند احمد بن حنبل حدیث رجل من انصار دارالفکر بیروت ۵/۲۹۳

کو بھولی ہوئی باتیں یاد دلائیں،

کمایشکو بعد ذلك العلامة الشامی حیث یقول یحصل عند ذلك غالباً من المنکرات الکثیرة کایقاد الشموع والقنادیل التی لاتوجد فی الافراح وکدق الطبول والغناء بالاصوات الحسان واجتماع النساء والمردان واخذ الاجرة علی الذکر وقراءة القرأن وغیر ذلك مما هو مشاهد فی هذا الزمان وماکان کذلك فلاشك فی حرمته[1]۔

جیسا کہ اس کے بعد علامہ شامی یُوں شکایت فرماتے ہیں، زیادہ تر اس وقت بہت سی بُری باتیں ہوتی ہیں جیسے بیش قیمت شمعیں اور قندیلیں روشن کرنا جو شادیوں میں بھی نہیں ملتیں، ایسے ہی طبل بجانا، خوش آوازی سے گیت سنانا، عورتوں امردوں کا جمع ہونا، ذکر اور تلاوتِ قرآن پر اُجرت لینا اور ان کے علاوہ وہ ساری باتیں جو اس زمانے میں دیکھنے میں آتی ہیں، جس کام کا یہ حال ہو اس کے حرام ہونے میں کیا شک ہے! (ت)

معہذا خاص اس قصد سے یعنی تعزیت لینے کے لیے بیٹھنا بھی اگرچہ رخصت ہے مگر افضل نہ کرنا ہے

کما فی الهندیة من معراج الدرایة عن خزانة الفتاوٰی الجلوس للمصیبة ثلثة ایام رخصة وترکه احسن[2]۔

جیسا کہ ہندیہ میں معراج الدرایہ سے، اس میں خزانۃ الفتاوٰی سے منقول ہے موت کے سبب تین دن بیٹھنے کی اجازت ہے اور اس کا ترک بہتر ہے۔ (ت)

لہذا بہت علمائے متاخرین نے میت کے گھر اس ہجوم و اجتماع کو پسند نہ فرمایا اور یہی مناسب جانا کہ لوگ دفن کرکے متفرق ہوجائیں اولیائے میت اپنے کام میں مشغول ہوں اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف،

کما فی مراقی الفلاح للعلامة الشرنبلالی قال کثیر من متاخری ائمتنا رحمهم الله تعالٰی یکرہ الاجتماع عند صاحب المصیبة حتی یاتی الیه من یعزی بل اذا رجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغلوا

جیسا کہ علامہ شرنبلالی کی مراقی الفلاح میں ہے کہ ہمارے بہت سے ائمہ متاخرین رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ میّت والے کے یہاں اس مقصد سے اجتماع کہ اس کے یہاں تعزیت کرنے والے آئیں مکروہ ہے۔ لوگ جب دفن سے واپس ہوں تو

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ ومایتصل بذلك مسائل التعزیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۷

بامورھم وصاحب المیت بامرہ[1] | متفرق ہوجائیں، لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں اہلِ میت اپنے کام میں مصروف ہوں۔ (ت)

بالجملہ قولِ فیصل جس سے اختلاف زائل، اور توفیق حاصل ہو یہ ہے کہ نفس تعزیت ودعا و ایصالِ ثواب بیشک محمود و مندوب، اور وقتِ دُعا ہاتھ اٹھانا بھی جائز، اور اگر کوئی شخص اولیائے میت کے مکان پر جاکر تعزیت کرآئے تو بھی قطعاً روا۔ مگر اولیاء کا خاص اس قصد سے بیٹھنا اور لوگوں کا ان کے پاس ہجوم و مجمع کرنا خواہ قبل دفن ہو یا بعد اُسی وقت اگر ہو یا کبھی مکانِ میت پر ہو یا کہیں اور، بہر طور جائز و مباح ہے جبکہ منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو، مگر اُس کا نہ کرنا افضل ہے، نہ یہ کہ مطلقاً حرام اور گناہ اور فاعل مبتدع و گمراہ ٹھہرے۔

سبحانك ھذا بھتان عظیم **قلت** وبھذا تتفق الکلمات من قول قوم لاباس به وقوم اٰخرین انه یکرہ ویکون ما ثبت بالحدیث المذکور بیانا للجواز فاتقن ھذا التحریر الفرید فانه ان شاء اللہ التحقیق الوسیط وان خالف نزعم الفریقین من اھل الافراط و التفریط، واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔

تجھے پاکی ہے، یہ بڑا بہتان ہے۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) اور اس تفصیل سے کلماتِ علماء میں تطبیق بھی ہوجاتی ہے کہ کچھ لوگوں نے کہا ہے اس میں کوئی حرج نہیں، اور دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ یہ مکروہ ہے ـــــ اور حدیث مذکور سے جو ثابت ہُوا وُہ بیانِ جواز کے لیے ہوگا ـــــ تو اس منفرد تنقیح کو اچھی طرح محفوظ کرلو کہ ان شاء اللہ یہ درمیانہ تحقیق ہے اگرچہ دونوں فریق کے افراط و تفریط والوں کے برخلاف ہو ـــــ اور خدائے پاک و برتر درستی کو خُوب جاننے والا ہے اور اسی کی جانب رجوع و مآب ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۱
۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت کی تعزیت بعد دفن ہی چاہیے یا پیش از دفن بھی جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

افضل یہ ہے کہ بعد دفن قبر سے پلٹ کر ہو کما فی الجوھرۃ وغیرھا (جیسا کہ جوھرہ

---

[1] مراقی الفلاح علی ہامش حاشیۃ الطحطاوی فصل فی حملہا ودفنہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۶

وغیرہا میں ہے۔ت) اور قبلِ دفن بھی بلاکراہت جائز ہے،

فی صحیح الامام ابن السکن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اوذن بجنازۃ فاتی اھلھا فعزاھم کتب اللہ تعالٰی قیراطا فان تبعھا کتب اللہ لہ قیراطین فان صلی علیھا کتب اللہ لہ ثلثۃ قراریط فان شھد دفنھا کتب اللہ لہ اربعۃ قراریط القیراط مثل احد[1]

صحیح امام ابن سکن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے (ت) جسے کسی جنازہ کی خبر ملے وہ اہلِ میت کے پاس جاکر اُن کی تعزیت کرے اللہ تعالٰی اُس کے لیے ایک قیراط ثواب لکھے، پھر اگر جنازہ کے ساتھ جائے تو اللہ تعالٰی دو قیراط اجر لکھے، پھر اس پرنماز پڑھے تو تین قیراط، پھر دفن میں حاضر ہو تو چار، اور ہر قیراط کوہِ اُحد کے برابر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲ ازشہر بھڑونچ، لال بازار، چناواڑ مرسلہ مولوی عباس میاں ولد مولوی علی میاں ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت مکان میں موجود ہے اس کو دفن نہیں کیا، اس کے پہلے اہلِ میت کے لوگوں کو کھانا درست ہے یا نہیں؟ احمد سعید کا کہنا کہ درست ہے اور کوئی بُرا نہیں۔ فقہ کی کتاب منافع میں تو لکھا ہے کہ دفن کرنے کے پہلے کھانا حرام ہے، بلکہ ہمسایہ کے چالیس مکان تک حرام ہے۔ اب حق کون ہے وہ بیان کریں۔

الجواب

کھانا حرام نہیں، غفلت حرام ہے، اور چالیس گھر تک حرام ہونا بے اصل محض۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۳ ازخیرآباد ضلع سیتاپور محلہ میانسرائے قدیم مدرسہ عربیہ مرسلہ مولوی سید فخرالحسن صاحب ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو طفل زنا سے متولد ہو کر چار پانچ سال کی عمر میں فوت ہوجائے اور اس کی مادر بخوف پابندی حکم شریعت اس سانحہ پر صبر اختیار کرے تو طفلِ متوفی مادر صابر کا فرط ہوگا یا نہیں؟ اور اس کے دلائل کیا ہیں؟ اور اگر پدر زانی کے قلب پر بھی اس سانحہ کا صدمہ زیادہ ہوا ہو اور وہ بھی بلحاظ امر شریعت صبر کو ملحوظ رکھے تو وہ بھی مستحق ہوگا کہ طفلِ متوفی اس کے لئے فرط ہو یا مستحق نہ ہوگا، امید کہ مفصل جواب بحوالہ عباراتِ کتب تحریر فرمایا جائیگا تاکہ کسی کو سُن کر بمقابلہ دلائل نقلیہ انکار کا موقع نہ ملے اور شخص مقر کو اطمینان کامل حاصل ہوجائے۔ فقط

---

[1] صحیح امام ابن سکن

الجواب

ولد الزنا کے لیے شرعاً کوئی باپ نہیں، شرع مطہر نے زانی سے اُس کا نسب قطع فرمادیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاھر الحجر[1] بچہ بچھونے والے کا اور زانی کے لیے پتھر۔

تو وہ اس کا فرط کیونکر ہوسکتا ہے۔ رہا ماں کے لیے فرط ہونا، یہ اس پر موقوف ہے کہ ولد الزنا کو منصب شفاعت دیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم بہ۔

احادیث سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مطبوع علی الشر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ولد الزنا شر الثلثۃ[2] (ولدِ زنا تین میں سب سے بُرا ہے۔ ت) دوسری حدیث میں ہے:

لایدخل الجنۃ ولد زانیۃ[3] ای مع السابقین کما فی نظائرہ۔ زانیہ کا بچہ جنت میں نہ جائے گا اھ یعنی سابقین کے ساتھ، جیسے اس طرح کی دیگر حدیثوں میں یہ تاویل ہے۔ (ت)

تیسری حدیث میں ہے:

لایبغی علی الناس الا ولد بغی والا من فیہ عرق منہ[4] لوگوں پر ظلم نہ کرے مگر زنا کی اولاد اور وہ جس میں اس کی کوئی رگ ہو (ت)

چوتھی حدیث میں ہے:

من لم یعرف حق عترتی والانصار والعرب فھو لاحدی ثلاث امامنافق واما لزنیۃ واما امرء حملت بہ امہ لغیر طھر[5]۔ رواہ الدیلمی ورواہ البیھقی من حدیث زید بن جبیر عن داؤد بن حصین عن ابن رافع جو میری اولاد اور انصار اور عرب کا حق نہ پہچانے وہ تین میں سے ایک ہے، منافق ہے یا زانیہ کا بچہ یا ایسا شخص جسے اس کی ماں نے بحالتِ حیض حمل میں لیا۔ اسے دیلمی نے روایت کیا اور اسے بیہقی نے زید بن جبیر کی حدیث میں داؤد بن حصین سے، انھوں نے

---

[1] صحیح البخاری باب الولد للفراش حرۃ کانت او امۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹
[2] سنن ابوداؤد کتاب العتق باب فی عتق ولد الزنا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۹۶
[3] تاریخ بغداد ترجمہ ۵۹۰۰ عبدالرحمٰن ابوحفص دارالکتاب العربیہ بیروت ۱۱/۱۹۱
شعب الایمان حدیث ۷۸۴۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/۱۹۱
[4] کنز العمال بحوالہ طب عن ابی موسٰی رضی اللہ عنہ حدیث ۱۳۰۹۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۵/۳۲۳
[5] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۵۹۵۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/۶۲۶

عن ابیہ عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولفظہ اما منافق واما ولد مزنیۃ واما لغیر طھور[1]

ابو رافع سے، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے، انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا اس کے الفاظ یہ ہیں: یا تو منافق ہے یا مزنیہ کا بچہ یا بے طہارت کا۔(ت)

بایں ہمہ اللہ عزوجل پر حکم نہیں کرسکتے یفعل اللہ من یشاء[2] ان اللہ یحکم مایرید[3] (اللہ جو چاہے کرتا ہے بیشک خدا جو چاہے حکم فرماتا ہے۔ت) ہاں صبر بجائے خود ایک حسنہ جمیلہ ہے واللہ لا یضیع اجر المحسنین[4] (اور اللہ تعالٰی نیکی کرنے والوں کا اجر رائگاں نہیں کرتا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۴: ازشہر محلہ کٹرہ چاندخاں مسئولہ جمال احمد ۱۲ شعبان ۱۳۳۶ھ

سائل کے بڑے لڑکے کی اہلیہ نے جو عرصہ سے بعارضہ دق علیل تھی اور اس کے والدین اسے اپنے گھر لے گئے تھے وہیں انتقال کیا، سائل مع پسر خبر انتقال سن کر مع چند دیگر اشخاص وجملہ سامان تجہیز وتکفین لے کر پہنچے، انھوں نے ہمیں نہایت ترش روئی سے شریک میت نہ ہونے دیا اور مٹی تک نہ دینے دی۔ یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب

بہت برا کیا، اگر بلاوجہ شرعی صحیح معتبر تھا کہ مسلمان کو ناحق ایذا دی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ[5]۔

جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالٰی کو ایذا دی۔

واللہ تعالٰی اعلم۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قدیم قبر اگر کسی وجہ سے کھل جائے یعنی اس کی مٹی الگ ہوجائے اور مردہ کی ہڈیاں وغیرہ ظاہر ہونے لگیں تو اس صورت میں قبر کو مٹی دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس صورت سے دینا چاہئے؟ بینوا توجروا بالدلیل۔

الجواب

اس صورت میں اسے مٹی دینا فقط جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کہ ستر مسلم لازم ہے۔

---

[1] شعب الایمان باب فی تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۱۶۱۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۳۲

[2] القرآن ۱۴/ ۲۷ [3] القرآن ۵/ ۱ [4] القرآن ۹/ ۱۲۰

[5] کنز العمال بحوالہ طب۔ عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۴۳۷۰۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۱۰

وقد انکشفت قدم لما انهدم جدار الحجرة الشریفة فی زمان الولید ففزع الناس وظنوا انہا قدم النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فما وجدوا احدا یعلم ذٰلک حتی قال لہم عروۃ لا واللّٰہ ماھی قدم النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ماھی الا قدم عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ[1] کما فی صحیح البخاری عن ھشام عن ابیہ واخرج ابن زبالۃ وغیرہ ان قال عمر بن عبد العزیز رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ لمن امرہ ببناء الحائط ان غط مارأیت ففعلہ۔

ولید کے زمانے میں جب روضۂ پاک کی دیوار منہدم ہوئی تو ایک قدم کُھل گیا جس سے لوگ گھبرا اُٹھے، انھیں گمان ہوا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قدم مبارک ہے۔ کسی ایسے آدمی کو تلاش کیا جو اس سے آگاہ ہو یہاں تک کہ حضرت عروہ نے کہا بخدا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم نہیں یہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہی قدم ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہشام بن عروہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے راوی ہیں اور ابن زبالہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جس کو دیوار تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا اُس سے فرمایا جو تم نے دیکھا اُسے چھپا دو۔ اس نے تعمیل کی۔ (ت)

اور اس بارے میں کوئی صورت بیان میں نہ آئی ستر لازم ہے اور کشف ممنوع۔ اس طرح چھپائیں کہ زیادہ نہ کھولنا پڑے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۶ از کلکتہ زکریا اسٹریٹ نمبر ۲۲ مسئولہ مولوی عبدالحق و مولوی کریم صاحبان بمعرفت حاجی لعل خاں صاحب ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک پیر نے اپنے مرض الموت میں اپنے وطن سے دُور ایک مرید سعید و رشید کے شہر میں اپنے دفن کی خواہش کی، بعد وصیت اور اسی مرض الموت میں وہاں پہنچ گئے اور بعد انتقال وہیں دفن ہوئے، اب چار برس چند ماہ کے بعد اُس پیر کا فرزند جس کے سامنے اس کے باپ نے اپنے مرید کو وصیت کی تھی کہ ہم تمہارے شہر میں دفن ہوں بسبب نزاع کے اُس مرید سے چاہتا ہے کہ نعش کو اُس حجرے سے اکھاڑ کر وطنِ شیخ یا اُسی شہر میں جہاں اب مزار ہے دوسری جگہ لے جا کر دفن کرے، آیا یہ امر ممکن ہے کہ نبش مسلم کیا جائے جس سے سراسر توہینِ میت متصور ہے اور وصیت متوفی کو جو اس اہتمام کے ساتھ کی، توڑ دیا جائے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۶

جواب از لکھنؤ: ھو المصوب، مالکِ زمین وحجرہ نے اپنی خوشی واجازت سے نعشِ شیخ کو دفن کیا، پس اب نبش قبر کا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، جیسا کہ شامی میں مصرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبدالمجید۔

الجواب

صورتِ مذکورہ میں نبش حرام، حرام، سخت حرام، اور میت کی اشد توہین وہتک ستر رب العلمین ہے اور جو بیٹا باپ کے ساتھ ایسا چاہے عاق وناخلف ہے، اگرچہ وصیت دربارہ دفن واجب العمل نہیں، نہ یہاں دفن بے رضائے مالک کے مسئلہ کو کچھ دخل تھا کہ رضا پر تفریع حکم ہو۔ بالفرض اگر وقتِ دفن رضائے مالک نہ ہوتی تو اختیار نبش اُسے ہوتا نہ کہ اجنبی کو جس کا زمین میں کوئی حق نہیں۔ التجنیس والمزید میں ہے:

اذا دفن فی ارض غیرہ بغیر اذن مالکھا فالمالک بالخیار ان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوی الارض و زرع فیھا[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر دوسرے کی زمین میں اس کے مالک کی اجازت کے بغیر دفن کردیا جائے تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے میت کو نکلوادے اور اگر چاہے تو زمین کے برابر کردے اور اس میں کھیتی کرے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۷ روز دو شنبہ ۲۳ صفر ۱۳۲۲ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی امرأۃ حاملۃ ماتت فی مدۃ کاملۃ ودفنت بدستور العمل فرأی رجل صالح فی المنام انھا ولدت ولدا احیا ایجوزان یحفر قبرھا ویخرج الولد معھا اویخرج ولدھا فقط باعتماد منام الرجل المذکور ام لا، بینوا بالبرھان توجروا من الرحمٰن۔

اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت پوری مدتِ حمل کے بعد بحالتِ حمل انتقال کرگئی، دستور کے مطابق اسے دفن کردیا گیا، ایک مرد صالح نے خواب دیکھا کہ اس عورت کو زندہ بچہ پیدا ہوا ہے، اب شخص مذکور کے خواب پر اعتماد کرکے قبر کھود کر بچے کو عورت کے ساتھ نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ دلیل کے ساتھ بیان فرمائیں خدا سے اجر پائیں (ت)

الجواب

لا، الا بدلیل جائز والستر مصون

جائز نہیں، مگر جب کوئی روشن دلیل ہو، پردہ محفوظ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ التجنیس الفصل السادس فی القبر والدفن الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۷

والرؤیا فنون[1] فی السراجیۃ ثم الھندیۃ حامل أتت علی حملھا سبعۃ اشھر وکان الولد یتحرک فی بطنھا ماتت فدفنت ثم رؤیت فی المنام انھا قالت ولدت لاینبش القبر[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہے، اور خواب طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ سراجیہ پھر ہندیہ میں ہے ایک عورت کے حمل کو سات مہینے ہوئے بچہ اس کے پیٹ میں حرکت کرتا تھا وہ مرگئی اور اسے دفن کردیا گیا، پھر کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ کہتی ہے میں نے بچہ جنا ہے تو قبر نہ کھودی جائے گی اھ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۸ ازجو ہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

مسافران را عادت است کہ در سفر بمیرند ہمانا دفن میکنند ولیکن امان میکنند بعد از مدت مقررہ از نجا بیرون کنانیدہ از مشرق بہ مغرب واز شمال بجنوب وعلی العکس می برند، آیا این فعل جائز است یا ناجائز؟

مسافروں کی عادت یوں ہے کہ جو سفر میں مرتے ہیں ان کو ویسے ہی دفن کردیتے ہیں لیکن امانت رکھتے ہیں، ایک مقررہ مدت کے بعد یہاں سے نکال کر مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب اور اس کے برعکس لے جاتے ہیں، یہ فعل جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

ایں حرام ست، بعد از دفن کشودن حلال نیست، و نقل بمسافتِ بعیدہ نیز روا نیست۔ واللہ تعالٰی اعلم

یہ حرام ہے، دفن کے بعد کھولنا جائز نہیں، اور دُور مسافت تک لے جانا بھی روا نہیں۔ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۹ و ۱۲۰ از جالندھر چوک حضرت امام ناصر الدین صاحب مسئولہ ملک محمد امین صاحب ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) قبرستان بوجہ بہت ویرانہ کے میت کی ہڈیاں باہر نکل پڑیں تو ایسی حالت میں پختہ اینٹوں سے قبر از سرِ نو بنانی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایسے قبرستان میں جُوتی پہن کر جانا اور چارپائی پر سونا، گھوڑا باندھنے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) اُن ہڈیوں کو دفن کرنا واجب ہے اور قبر میت کے گرد پکی نہ ہو اوپر سے پکی کرسکتے ہیں۔

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

(۲) قبروں پر چلنے کی ممانعت ہے نہ کہ جُوتا پہننا، سخت توہینِ اموات مسلمین ہے۔ ہاں جو قدیم راستہ قبرستان میں ہو جس میں قبر نہیں اس میں چلنا جائز ہے اگرچہ جُوتا پہنے ہو۔ قبروں پر گھوڑے باندھنا، چارپائی بچھانا، سونا، بیٹھنا سب منع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۱ ازشہر بریلی کہنہ محلہ کانکر ٹولہ مسئولہ مولوی حضور احمد صاحب ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے صحن میں، بعد تعمیر مسجد، ایک عرصہ کے بعد، اتفاق سے تین میت دفن ہوگئیں۔ قبروں کے میل میں شمال کی جانب ایک حجرہ بھی تھا کہ اس کو وارثان میت موصوفہ نے توڑ کر دُوسری جگہ حجرہ بنوادیا اور اراضی حجرہ سابق کو شامل قبروں کے حدود قائم کردئے۔ وارثان میت کا ایسا قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی حجرہ سابق بغرض آئندہ قبروں کے شامل کی گئی ہے، علاوہ اُس کے قبروں کے تین رُخ یعنی جانب مشرق و مغرب جنوب بوقت بنوانے حدود کے تھوڑی تھوڑی اراضی صحن مسجد قبروں میں اور شامل ہوگئی ہے۔ ایسی صورت میں شرعاً کیا ہونا چاہئے؟ اور چونکہ اس وقت فرش صحنِ مسجد کا پختہ اور درست ہو رہا ہے اراضی حجرہ سابق و نیز او رجو اراضی کسی قدر قبروں کے حصہ میں دب گئی ہے اُس کو نکال کر اور تینوں قبروں میں جس قدر اراضی ہے حدود بنادئے جائیں یا نہیں یا کیا کرنا چاہئے؟ چونکہ تعمیر فرش زیر تعمیر ہے اس کے جواب کی جلد ضرورت ہے۔

الجواب

اگر صورتِ واقعہ یہ ہے کہ صحنِ مسجد میں بعد تعمیر مسجد وارثان بانی مسجد خواہ کسی نے قبریں بنالیں تو وہ قبریں محض ظلم ہیں اور اُن کا باقی رکھنا ظلم ہے نہ کہ آئندہ قبروں کے لیے ایک حد بندی اور اس میں حجرۂ مسجد اور صحنِ مسجد سے اور زمین شامل کرنا یہ سب ظلم و حرام ہے اور اس کا دفع کرنا فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس لعرق ظالم حق[1] واوقع ھھنا فی ابن عابدین ایھام ازلناہ فیما علیہ علقناہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔ یہاں شامی میں کچھ ایہام واقع ہے جس کا ازالہ ہم نے اس کے حاشیہ میں کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۲

مسجد کے محاذی مسجد کے دروازے سے ملحق اگر پرانا قبرستان ہو جس میں قبروں کے نشان نمایاں ہوں اُس کی اراضی کو مسجد کے صحن کو وسعت دینے کی غرض سے ہموار کر کے شامل صحنِ مسجد کرلیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے تو

---

[1] سنن ابو داؤد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

حرام، حرام، حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۳: از بنگالہ ضلع سلہٹ موضع شوبیدپور مرسلہ مولانا انوار الدین صاحب ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان وقف میں کسی کو اپنی سکونت یا ذاتی منفعت کے لیے مکان بنانا، یا مقبرہ غیر وقف میں مالک کا خاص قبور پر یا قبروں سے جدا مکان تعمیر کرنا، خصوصاً اس قبر پر جو بلا اجازتِ مالک اس کی زمین میں بنالی ہو، اس میں سے میت کو نکال کر یا بے نکالے ہوئے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مقبرہ وقف میں اپنا مکانِ سکونت بنانا یا خلافِ وقف اپنے کسی تصرف و انتفاع میں لانا حرام ہے۔

فان الوقف لایملك ولایخالف (اس لیے کہ وقف کو نہ اپنی ملک بنایا جاسکتا ہے نہ اس کے مقررہ مقصد کے خلاف کیا جاسکتا ہے۔ ت) اور مالک کو اپنی زمین مملوک میں قبروں سے جدا مکان بنانا روا،

فان الملك مطلق له والمالك لایحجر (اس لیے کہ ملک اس کے لیے مطلق ہے اور مالک روکا نہیں جاسکتا۔ ت) اور قبور پر کہ اس کی اجازت سے بنی ہوں نا روا،

لما فیه من استهانة بالمسلمین وقد حققنا مایتعلق بهذا فی فتاوٰنا بما لامزید علیه ومن سعی فی نقض ماتم من جهته فسعیه مردود علیه۔ (اس لیے کہ اس میں مسلمان کی اہانت ہے اس سے متعلق تمام باتوں کی کامل تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کردی ہے۔ اور جو اس عہد کو توڑنے کی کوشش کرے جو اسی کی جانب سے تمام ہوا تو اس کی کوشش اس پر رد کردی جائیگی۔ ت)

مگر جو قبر ظلماً بلا اجازت مالک بنالی جائے اُس کے لیے کچھ حق نہیں۔

لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لیس لعرق ظالم حق۔[1] (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔ ت)

علماء اجازت دیتے ہیں کہ چاہے میت کو نکلوادے چاہے یونہی زمین اپنے تصرف میں لائے۔ درمختار میں ہے:

---

[1] سنن ابوداؤد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

یخیر المالك بین اخراجه و مساواته بالارض۔[1] مالک کو اختیار ہے کہ اسے نکال دے یا زمین کے برابر کردے۔ (ت)

صفوفِ نماز کی شرعاً کس قدر حرمت و تعظیم ہے، مگر جو صفیں قبل تمامی صف اول کرلی جائیں حدیث و فقہ حکم فرماتے ہیں کہ ان صفوں کو چیرتے ہُوئے جاکر صفِ اوّل پُوری کریں کہ خلافِ شرع قائم ہونے کے سبب ان کی حرمت نہیں، یہ حق اللہ میں ہے، حق العبد تو اشد ہے۔ پھر بھی اگر صاحبِ حق اس میّتِ مسلم کا لحاظ کرکے اپنے حق سے درگزر کرے کہ مردہ بدست زندہ اس نے خود قصور نہ کیا۔ تو امید ہے کہ حق سبحٰنہ وتعالٰی اُسے اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۴ از بمبئی، محلہ نل بازار، دکان سیٹھ شمس الدین و امیر الدین مرسلہ امیر الدین معرفت سید محمد مہدی حسن میاں صاحب ۸ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص قبرستان خاص یا قربِ قبرستان مکان تعمیر کرے، اور پاخانہ بھی تعمیر کرے۔ پاخانہ کی موری کا غلیظ پانی قبروں پر ہوکر جائے تو ایسی جگہ مکان بغرضِ سکونت رہائش بنانا جائز ہے یا ناجائز؟ ایسی جگہ کہ جہاں کپڑوں کے دھونے سے غلیظ پانی کپڑوں کا قبروں پر سے جاری رہے وہاں دھوبی کپڑے دھو سکتا ہے اور اگر وہ جگہ بقبضۂ مسلمان ہے یا ملکیت مسلمان ہے تو مسلمان اگر مانع نہ آئے، یا بطمع کرایہ دھوبی کے اس عمل مذکور کو جاری رہنے دے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

قبرستان وقف ہے اور وقف میں اپنی سکونت کا مکان بنانا وقف بیجا ہے اور اُس میں تصرف بیجا حرام ہے پھر اگر اس قطعہ میں قبور بھی ہوں اگرچہ نشان مٹ کر ناپید ہوگئی ہوں جب تو متعدد حراموں کا مجموعہ ہے، قبروں پر پاؤں رکھنا ہوگا، چلنا ہوگا، بیٹھنا ہوگا، پیشاب پاخانہ ہوگا، اور یہ سب حرام ہے۔ اس میں مسلمانوں کو طرح طرح ایذا ہے اور مسلمان بھی کون، اموات کہ شکایت نہیں کرسکتے، دنیا میں عوض نہیں لے سکتے، بے وجہ شرعی مسلمانوں کی ایذا اللہ و رسول کی ایذا ہے۔ اللہ و رسول کو ایذا دینے والا مستحق جہنم۔ اسی طرح اگر قبرستان کے قریب مکان بنایا، پاخانے یا دھوبیوں کے غلیظ پانی کا بہاؤ قبور پر رکھا تو یہ بھی سخت حرام ہے اور جو باوصفِ قدرت اُسے منع نہ کرے وہ بھی مرتکبِ حرام ہے اور بطمع کرایہ اُسے روا رکھنا سستے داموں دوزخ مول لینا ہے۔ یہ کام اُسی شخص کے ہوسکتے ہیں جس کے دل میں نہ اسلام کی قدر، نہ مسلمانوں کی عزت، نہ خدا کا خوف، نہ موت کی ہیبت، والعیاذ

---

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶

باللہ تعالٰی۔ امام ابن امیر الحاج حلیہ میں نوادر وتحفۃ الفقہاء وبدائع ومحیط وغیرہ سے نقل فرماتے ہیں،

ابا حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ کرہ وطء القبر والقعود اوالنوم اوقضاء الحاجۃ الیہ[1]۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قبر پر چلنا، بیٹھنا، سونا، قضائے حاجت کرنا مکروہ قرار دیا ہے (ت)

حدیقہ ندیہ میں جامع الفتاوٰی سے ہے:

انہ والتراب الذی علیہ حق المیت فلا یجوز ان یوطأ[2]۔

وُہ اور اس پر کی مٹّی حقِ میت ہے تو اس پر چلنا جائز نہیں۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری میں امام علی ترجمانی سے ہے:

یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیت[3]۔

قبروں پر چلنے سے گنہگار ہوگا اس لیے کہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے، یکرہ بول وغائط فی مقابر[4] (قبرستان میں پیشاب پاخانہ مکروہ ہے۔ ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان المیت یتأذی بما یتاذی بہ الحی والظاھر انھا تحریمۃ لانھم نصوا علی ان المرور فی سکۃ حادثۃ فیھا حرام فھذا اولٰی[5]۔

اس لیے کہ مُردے کو بھی اس چیز سے اذیت ہوتی ہے جس سے زندے کو اذیت ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اس لئے کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبرستان کے اندر نوپیدا راستے سے گزرنا حرام ہے تو یہ بدرجۂ اولٰی حرام ہوگا۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان امشی علی جمرۃ اوسیف احب الیّ من ان

مجھے آگ یا تلوار پر چلنا قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی مسئلۃ الدفن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۲۰
تحفۃ الفقہاء باب الدفن وحکم الشہداء دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۵۷

[2] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الصنف الثامن نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۵۰۴

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵۱

[4] درمختار فصل فی الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۷

[5] ردالمحتار " ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۲۲۹

امشی علی القبر[1] رواہ ابن ماجۃ عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند جید۔

اسے ابن ماجہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بسند جید روایت کیا۔

نیز نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کسر عظم المیت یوذیہ فی قبرہ ما یوذیہ فی بیتہ[2] وقال عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اذی المومن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ[3] وعن عمارۃ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ قال رانی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جالسا علی قبر فقال یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب القبر[4]

مُردے کی ہڈیاں توڑنا اور اسے ایذا دینا ایسا ہی ہے جیسے زندے کی ہڈی توڑنا۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: میّت کو قبر کے اندر بھی اس چیز سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر کے اندر ایذا ہوتی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: بحالتِ وفات مومن کو ایذا دینا ایسے ہے جیسے اسے زندگی میں ایذا دینا۔ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر سے لگنے والے! قبر سے اُتر جا، صاحبِ قبر کو ایذا نہ دے۔ (ت)

ان تمام صحیح حدیثوں اور ان کے سوا اور احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ قبر پر بیٹھنا یا پاؤں رکھنا بلکہ صرف اُس سے تکیہ لگانے سے میّت کو ایذا ہوتی ہے۔ اور مردہ مسلمان کی ایذا ایسی ہے جیسے زندہ مسلمان کی۔ تو اس پر تجھے پانی بہانا کس قدر باعثِ ایذا ہوگا۔ جب زندہ مردہ اس میں برابر ہیں تو کیا یہ شخص روا رکھے گا کہ پاخانے کے بدرو کا پانی اس پر بہایا جائے یا لوگ اس کے سینے اور مُنہ پر پیشاب کیا کریں، یا دھوبی ناپاک کپڑے دھو کر وہ پانی اُس کے منہ اور سر پر چھڑک دیا کریں، ہرگز کوئی مسلمان بلکہ کوئی کافر اسے اپنے لیے روا نہ رکھے گا، تو میّت مسلمانوں کے لیے ایسی سخت ایذا کس دل سے روا رکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ[5] رواہ الطبرانی عنہ

جس نے کسی مسلمان کو بلاوجہ شرعی ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ما جاء فی النہی عن المشی علی القبر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۳
[2] سنن ابو داؤد کتاب الجنائز آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۰۲
[3] مرقاۃ شرح مشکوۃ بحوالہ ابن ابی شیبہ باب دفن المیت مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۷۹
[4] ″ ″ ″ الطبرانی والحاکم ″ ″ ۴/۶۹
[5] کنز العمال بحوالہ طب عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۴۳۷۰۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/۱۰

فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن۔

ایذادی۔ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں بسندِ حسن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا (ت)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعدلھم عذابا مھینا[1]

بیشک جو لوگ اللہ و رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں، اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵ از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

قبر پر درخت لگانا، دیوار کھینچنا یا قبرستان کی حفاظت کے لیے اس کے چاروں طرف کھود کر، جس میں قدیم قبریں بھی ہیں، محاصرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

حفاظت کے لیے حصار بنانے میں حرج نہیں، اور درخت اگر سایۂ زائرین کے لیے ہو اچھا ہے، مگر قبر سے جدا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۶ از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ غلام جان صاحب طالبعلم ۱۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان کی کوئی چیز مثلاً لکڑی و اینٹیں وغیرہ مسجد میں صرف کرنا یا اُن کی قیمت لے کر مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہ؟

الجواب

قبرستان میں پیڑ جس نے لگائے اُن کی لکڑی اور مقبرہ جس نے بنوایا اس کی اینٹیں اس لگانے بنوانے والے کی ملک ہے وہ جو چاہے کرے، اور اگر مالک کا پتا نہیں یا درخت خودرو ہیں تو مسجد میں صرف کرسکتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۷ از سہارنپور مرسلہ مولوی امیر یار خاں صاحب امام مسجد جامع ۳۰ شوال ۱۳۱۱ھ

ماقولکم رحمکم اللہ (اللہ آپ پر رحم کرے، آپ کا کیا فرمان ہے۔ ت) اس مسئلہ میں کہ ایک بزرگ کی قبر خام ہے اور اُس اہلِ قبر سے اُس کے معتقدین کے لیے کمال درجہ کا فیض مثل اولیسیہ کے اور حصولِ تسکین قلب و مراقبہ و اشغال متصور ہے۔ مگر چونکہ موسم برسات میں بباعث آب و سیلاب کے اور دیگر مواسم گرما وغیرہ

---

[1] القرآن ۳۳/ ۵۷

میں معتقدین کو وہاں بیٹھنے کی بہت تکلیف رہتی ہے پس اگر معتقدین مذکورین واسطے اپنے استفاضۂ طریقت کے اُس قبر کے گرد اگرد چبوترہ پختہ اور چار دیواری پختہ بنادیں اور اُوپر سے کُھلی ہُوئی رکھیں اور قبر کو خام رہنے دیں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صورت مذکورۂ فی السوال جائز ہے۔ ائمہ دین نے مزاراتِ حضرات علماء و مشائخ قدست اسرارہم کے گرد زمین جائز التصرف میں اس غرض سے کہ زائرین و مستفیدین راحت پائیں عمارت بنانا جائز رکھا، اور تصریحات فرمائیں کہ علت منع نیت فاسدہ یا عدم فائدہ ہے تو جہاں نیت محمود اور نفع موجود منع مفقود۔ تفصیل صورو تحقیق اغراس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر پہلے عمارت بنالی جائے بعدہٗ اس میں دفن واقع ہو جب تو مسئلہ بناء علی القبر سے متعلق ہی نہیں کہ یہ اقبار فی البناء ہے، نہ بناء علی القبر۔ علامہ طرابلسی برہان شرح مواہب الرحمٰن، پھر علامہ شرنبلالی غنیہ ذوی الاحکام، پھر علامہ سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین، پھر علامہ سید احمد مصری حاشیتین درر و مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

واللفظ للغنیۃ قال قال فی البرھان یحرم البناء علیہ للزینۃ ویکرہ للاحکام بعد الدفن لا الدفن فی مقام بنی فیہ قبلہ لعدم کونہ قبرحقیقۃ بدونہ[1] اھ

الفاظ غنیہ کے ہیں کہا کہ برہان میں ہے کہ قبر پر زینت کے لیے عمارت بنانا حرام ہے اور دفن کے بعد پختگی مضبوطی کے لیے بنانا مکروہ ہے، جہاں پہلے سے عمارت تھی وہاں دفن مکروہ نہیں کیونکہ بغیر دفن کے وُہ جگہ حقیقۃً قبر نہیں اھ (ت)

اور اگر دفن کے بعد تعمیر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ خود نفسِ قبر پر کوئی عمارت چُنی جائے اس کی ممانعت میں اصلاً شک نہیں کہ سقفِ قبر و ہوائے قبر حقِ میّت ہے، معہذا اس فعل میں اس کی اہانت و اذیت، یہاں تک کہ قبر پر بیٹھنا، چلنا ممنوع ہُوا نہ کہ عمارت چُننا۔ ہمارے بہت علمائے مذہب قدست اسرارہم نے احادیث و روایاتِ نہی عن البناء سے یہی معنیٰ مراد لیے اور فی الواقع بناء علی القبر کے حقیقی معنیٰ یہی ہیں۔ گرد قبر کوئی مکان بنانا حول القبر ہے نہ کہ علی القبر۔ جیسے صلوٰۃ علی القبر کی ممانعت بجنب القبر کو شامل نہیں کما نص علیہ العلماء قاطبۃ وبیناہ فی فتاونا (جیسا کہ علماء نے بالاتفاق اس کی تصریح کی ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے بیان کیا ہے۔ ت) امام فقیہ النفس فخر الملۃ والدین اوزجندی خانیہ میں فرماتے ہیں:

---

[1] غنیہ ذوی الاحکام فی بغیہ درر الاحکام باب الجنائز مطبعۃ احمد کامل الکائنہ دار السعادت بیروت ۱/ ۱۶۷

لا یجصص القبر لما روی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ نہی عن التجصیص و التقضیض وعن البناء فوق القبر، قالوا اراد بالبناء السفط الذی یجعل علی القبور فی دیارنا لما روی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال لا یجصص القبر ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء وسفط۔[1]

قبر کو گچ سے پکا نہ کیا جائے گا اس لیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نے گچ اور چُونے سے پختہ کرنے سے اور قبر کے اوپر عمارت بنانے سے ممانعت فرمائی ہے۔ علماء نے فرمایا عمارت سے مراد وہ سفط ہے جو ہمارے دیار میں قبر پر بنایا جاتا ہے اس لیے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: قبر کو گچ اور گارے سے پختہ نہ کیا جائے اور نہ اس پر عمارت اور سفط بلند کیا جائے۔ (ت)

امام طاہر بن عبدالرشید بخاری خلاصہ میں فرماتے ہیں:

لا یرفع علیہ بناء قالوا اراد بہ السفط الذی نجعل فی دیارنا علی القبور وقال فی الفتاوی الیوم اعتادوا السفوط۔[2]

اس پر کوئی عمارت اونچی نہ کی جائے، علماء نے فرمایا: اس سے وُہ سفط مراد ہے جو ہمارے دیار میں قبروں پر بنایا جاتا ہے۔ اور فتاوٰی میں ہے کہ اس زمانے میں سفطوں کی عادت ہو چکی ہے۔ (ت)

رحمانیہ میں نصاب الاحتساب سے ہے:

لا یجوز لاحد ان یبنی فوق القبور بیتا او مسجدا لان موضع القبر حق المقبور فلا یجوز لاحد التصرف فی ہواء قبرہ۔[3]

قبر کے اوپر گھر یا مسجد بنانا جائز نہیں اس لیے کہ قبر کی جگہ میت کا حق ہے تو کسی کے لیے اس قبر کی فضا میں تصرف روا نہ ہوگا۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیت۔[4]

قبروں پر چلنے سے گنہگار ہوگا اس لیے کہ قبر کی چھت حقِ میت ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب غسل المیت الخ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹۲

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۶

[3] رحمانیہ

[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

دوسرے یہ کہ گردِ قبر کوئی چبوترہ یا مکان بنایا جائے، یہ اگر زمین ناجائز تصرف میں ہو جیسے ملک غیر بے اذن مالک یا ارض وقف بے شرط واقف، تو اس وجہ سے ناجائز ہے کہ ایسی جگہ تو مسجد بنانی بھی جائز نہیں اور عمارت تو اور ہے،

ولذا نقل فی المرقاۃ عن الازھار ان النھی للحرمۃ فی المقبرۃ المسبلۃ ویجب الھدم وان کان مسجدا[1]۔

اسی لئے مرقات میں ازہار سے نقل ہے کہ عام وقفی قبرستان میں تعمیر حرام ہونے کی وجہ سے نہی ہے اور اسے ڈھا دینا ضروری ہے اگرچہ مسجد ہی ہو۔ (ت)

یُوں ہی اگر بہ نیت فاسدہ ہو مگر زینت وتفاخر جیسے امراء کی قبور پر ابنیۂ رفیعہ بمصارفِ وسیعہ اس غرض سے بنائے جاتے ہیں، تو یہ بوجہ فسادِ نیت ممنوع،

کما مرعن البرھان ومثلہ فی نور الایضاح وغیرہ۔

جیسا کہ برہان کے حوالے سے گزرا اور اسی کے مثل نور الایضاح وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اسی طرح جہاں بے فائدہ محض ہو، جیسے کوئی قبر کسی بَن میں واقع ہو جہاں لوگوں کا گزر نہیں یا عوام غیر صلحا کی قبور جن سے نہ کسی کو عقیدت کہ بجہت تبرک واستفاع اُن کی مقابر پر جائیں نہ اُن کے دنیادار ورثہ سے امید کہ وہی جاڑے، گرمی، برسات مختلف موسموں میں بقصدِ زیارتِ قبر ونفع رسانی میت وہاں جاکر بیٹھا کریں گے، قرآن وذکر میں مشغول رہیں گے یا بروجہ جائز قراء وذاکرین کو وہاں مقرر رکھیں گے۔ ایسی صورت میں بوجہ اسراف واضاعت مال نہی ہے۔ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں: ماانھی لعدم الفائدۃ فیہ[2] (ممنوع ہے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ ت) مجمع بحار الانوار میں ہے: منھی عنہ لعدم الفائدۃ[3] (بے فائدہ ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ ت) مرقاۃ میں ہے:

وقال بعض الشراح من علمائنا ولاضاعۃ المال[4]۔

اور ہمارے بعض علمائے شارحین نے فرمایا اور اضاعت مال کی وجہ سے بھی۔ (ت)

جہاں ان سب محذورات سے پاک ہو وہاں ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ ولہٰذا مولانا علی قاری نے بعد نقل کلام

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب دفن المیت مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹

[2] " " " " " بحوالہ تورپشتی "

[3] مجمع بحار الانوار لفظ "شرف" کے تحت مذکور ہے منشی نولکشور لکھنؤ ۲/ ۱۸۷

[4] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب دفن المیت فصل اول مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹

مذکور توربشتی فرمایا،

قلت فیستفاد منہ انہ اذا کانت الخیمۃ لفائدۃ مثل ان یقعد القراء تحتہا فلا تکون منہیۃ، قال ابن الہمام و اختلف فی اجلاس القارئین لیقرؤا عند القبر والمختار عدم الکراھۃ[1]

میں کہتا ہوں تو اس سے مستفاد ہوا کہ جب خیمہ کسی فائدہ کے تحت ہو مثلاً یہ کہ قرآن پڑھنے والے اس کے نیچے بیٹھیں گے تو ممنوع نہ ہوگا۔ ابن ہمام نے فرمایا: قبر کے پاس بیٹھ کر پڑھنے کے لیے جو ٹاٹ بچھتے ہیں ان سے متعلق اختلاف ہے، مختار یہ ہے کہ کراہت نہیں۔ (ت)

شیخ الاسلام کشف الغطاء میں فرماتے ہیں،

اگر غرضے صحیح داشتہ باشد، دراں باک نیست بآں چنانکہ در بنائے قبر بہ نیت آسائش مردم وچراغ افروختن در مقابر بقصد دفع ایذائے مردم از تاریکی راہ و نحو آں گفتہ اند۔ کذا یفہم من شرح الشیخ[2]

اگر کوئی صحیح غرض ہو تو اس میں حرج نہیں جیسے لوگوں کے آرام کے لیے قبر کے پاس عمارت بنانے اور راستے کی تاریکی سے لوگوں کی تکلیف دفع کرنے کے لیے قبرستان میں چراغ جلانے اور اس طرح کے کاموں میں علماء نے فرمایا ہے ــــ شیخ کی شرح سے ایسا ہی سمجھ میں آتا ہے۔ (ت)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی مات فیہ لعن اللہ الیہود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءھم مسجدا قالت ولولا ذٰلک لابرزوا قبرہ[3]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ حضور نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا: یہود و نصارٰی پر خدا کی لعنت ہو انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ اگر یہ ارشاد نہ ہوتا تو حضور کی قبر انور نمایاں رکھی جاتی۔ (ت)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ   باب دفن المیت   فصل اول   مکتبہ امدادیہ ملتان   ۴/ ۶۹
[2] کشف الغطاء   باب دفن میت   مطبع احمدی دہلی   ص ۵۵
[3] صحیح البخاری   کتاب الجنائز   باب مایکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور   قدیمی کتب خانہ کراچی   ۱/ ۱۷۷

علامہ قسطلانی ارشاد الساری میں زیرِ حدیث مذکور لکھتے ہیں:

لکن لم یبرزوہ ای لم یکشفوہ بل بنوا علیہ حائلا۔[1]

لیکن اسے نمایاں اور منکشف نہ رکھا بلکہ اس پر ایک حائل بنا دیا۔ (ت)

جذب القلوب میں فرمایا:

چوں دفن سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وسلم بموجب حکمِ الٰہی ہم در حجرۂ شریفہ شد۔ عائشہ صدیقہ نیز در خانۂ خود ساکن می بود و میان او و قبر شریف پردہ نہ بود، و در آخر بسبب جرأت و عدم تحاشی مردم از در آمدن بر قبر شریف و برداشتن خاک ازاں خانہ را دو قسم ساخت و دیوارے درمیان مسکن خود و قبر شریف کشید و بعد ازاں کہ امیر المومنین عمر در مسجد زیادت کردہ حجرہ را از خشت خام بنا کرد و تا زمان حدوث عمارت ولید ایں حجرہ ظاہر بود، عمر بن عبدالعزیز بحکم ولید بن عبدالملک آں را ہدم کرد و بحجارۂ منقوشہ بر آورد۔ بر ظاہر آں حظیرۂ دیگر بنا کرد و ہیچکدام ازیں دو درے نگذاشت از عروہ روایت می کنند کہ وے بہ عمر بن عبدالعزیز گفت، اگر حجرۂ شریفہ را بر حالِ خود گزارند و عمارتے گرد آں بر آرند احسن باشد الخ[2] (ملخصاً)

جب سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وسلم کو حکمِ الٰہی کے باعث حجرۂ شریفہ ہی میں دفن کر دیا گیا عائشہ صدیقہ بھی اپنے گھر میں سکونت پذیر تھیں ان کے اور قبر شریف کے درمیان پردہ نہ تھا، آخر میں قبر شریف کے پاس بیباکی سے لوگوں کے بے تحاشا آنے اور وہاں کی خاک لے جانے کی وجہ سے گھر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور اپنے مسکن اور قبر شریف کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی۔ جب امیر المومنین حضرت عمر نے مسجد میں اضافہ کیا تو حجرہ کی عمارت کچی اینٹوں کی بنا دی۔ ولید کے زمانہ کی تعمیرِ جدید تک یہ حجرہ ظاہر تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے ولید بن عبدالملک کے حکم سے اسے منہدم کر کے منقش پتھروں سے بنایا اور اس کے بیرونی حصّہ پر ایک اور حظیرہ بنایا اور ان دو دروازوں میں سے کوئی نہ چھوڑا۔ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا اگر حجرہ شریف کو اپنے حال پر رکھتے اور اس کے گرد ایک عمارت بنا دیتے تو بہتر ہوتا الخ (ملخصاً) (ت)

لاجرم ائمہ کرام نے گردِ قبورِ علماء و مشائخ قدست اسرارہم اباحتِ بنا کی تصریح فرمائی۔ علامہ طاہر فتنی

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کتاب الجنائز دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۳۰
[2] جذب القلوب باب ہفتم در بیان تغیرات الخ نولکشور لکھنؤ ص ۱۲۱

27
27

بعد عبارت مذکورہ فرماتے ہیں :

وقد اباح السلف ان یبنی علی قبر المشایخ و العلماء المشاھیر لیزورھم الناس و یستریحوا بالجلوس فیہ۔[1]

سلف نے مشہور علماء و مشایخ کی قبروں پر عمارت بنانے کی اجازت دی ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کو آئیں اور اس میں بیٹھ کر آرام پائیں۔ (ت)

بعینہٖ اسی طرح علامہ علی قاری مکی نے بعد عبارت مسطورہ ذکر فرمایا کہ وقد اباح السلف البناء[2] الخ (سلف نے علماء و مشائخ کی قبور پر عمارت بنانے کی اجازت دی ہے۔ت) کشف الغطاء میں ہے :

در مطالب المؤمنین گفتہ کہ مباح کردہ اند سلف بناء را بر قبر مشایخ و علمائے مشہور تا مردم زیارت کنند و استراحت نمایند بجلوس دراں ولیکن اگر برائے زینت کنند حرام است و در مدینہ مطہرہ بنائے قبہا بر قبور اصحاب در زمان پیشین کردہ اند ظاہر آنست کہ آں بتجویز آں وقت باشد و بر مرقد منور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نیز قبہ عالی ست۔[3]

مطالب المؤمنین میں لکھا ہے کہ سلف نے مشہور علماء و مشایخ کی قبروں پر عمارت بنانا مباح رکھا ہے تاکہ لوگ زیارت کریں اور اس میں بیٹھ کر آرام لیں۔ لیکن اگر زینت کے لیے بنائیں تو حرام ہے مدینہ منورہ میں صحابہ کی قبروں پر اگلے زمانے میں قبے تعمیر کیے گئے ہیں ظاہر یہ ہے کہ اُس وقت جائز قرار دینے سے ہی یہ ہُوا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مرقدِ انور پر بھی ایک بلند قبہ ہے۔ (ت)

نور الایمان میں ہے :

قد نقل الشیخ الدھلوی فی مدارج عن مطالب المؤمنین ان السلف اباحوا ان یبنی علی قبر المشایخ والعلماء المشھورین قبۃ لیحصل الاستراحۃ للزائرین و یجلسون فی ظلھا وھکذا فی المفاتیح شرح المصابیح وقد جوزہ اسمٰعیل الزاھدی الذی من مشاھیر الفقہاء۔[4]

شیخ محقق دہلوی نے مدارج النبوۃ میں مطالب المؤمنین سے نقل کیا ہے کہ سلف نے مشہور مشائخ و علماء کی قبروں پر قبے تعمیر کرنا جائز و مباح رکھا ہے تاکہ زائرین کو آرام ملے اور اس کے سائے میں بیٹھ سکیں۔ اسی طرح مفاتیح شرح مصابیح میں بھی ہے اور مشاہیر فقہا میں سے اسمٰعیل زاہدی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ (ت)

---

[1] مجمع بحار الانوار تحت لفظ "شرف" منشی نولکشور لکھنؤ ۲/۱۸۷

[2] مرقاۃ شرح مشکوۃ باب دفن المیت مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۶۹

[3] کشف الغطاء باب دفن میت مطبع احمدی دہلی ص ۵۵

[4] مدارج النبوۃ بحوالہ مطالب المؤمنین وصل در نماز جنازہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۲۰

علامہ سید طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں صراحۃً فرمایا کہ اس میں کچھ کراہت بھی نہیں۔

حیث قال فی مسألۃ الدفن فی الفساقی ان فی نحو قرافۃ مصر لایتأتی اللحد و دفن الجماعۃ لتحقق الضرورۃ واما البناء فقد تقدم الاختلاف فیہ، واما الاختلاط فللضرورۃ، فاذا فعل الحاجز بین الاموات فلاکراھۃ۔[1]

تہ خانوں کے اندر تدفین کے مسئلہ میں لکھتے ہیں: قرافۂ مصر جیسی جگہ میں لحد نہیں بن پاتی اور کئی ایک آدمیوں کو ایک ساتھ دفن کرنا مجبوری کی وجہ سے ہے۔ رہی تعمیر تو اس بارے میں اختلاف گزر چکا ہے، اور اختلاط تو مجبوراً ہے، اگر مُردوں کے درمیان آڑ کردی جائے تو کوئی کراہت نہیں۔ (ت)

نہایت یہ کہ امام اجل ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی نے تنویر الابصار و جامع البحار پھر علامہ محقق علاء الدین محمد دمشقی نے شرح تنویر پھر فاضل جلیل سیّدی احمد مصری نے حاشیہ مراقی میں تصریح و تقریر فرمائی کہ قولِ جواز ہی مختار و مفتی بہ ہے۔

وھذا لفظ العلامۃ الغزی لایرفع علیہ بناء، وقیل لاباس بہ وھو المختار اھ[2]

یہ علامہ غزّی کی عبارت ہے: اس پر کوئی عمارت بلند نہ کی جائے اور کہا گیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی مختار ہے اھ (ت)

بعد تصریح صریح افتاء و ترجیح مجال کلام کیا ہے،

ھذا ینبغی تحقیق المقام بتوفیق الملک المنعم العلام وبہ یحصل التوفیق بین کلمات الاعلام واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اس مقام کی تحقیق اسی طرح ہونی چاہئے بادشاہ محسن علام کی توفیق سے۔ اور اسی سے علمائے اَعلام کے کلمات میں تطبیق بھی ہوجاتی ہے ــــ اور خدائے پاک و برتر خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم زیادہ کامل و استحکام والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۲۸ تا ۱۲۹: از پنڈول بزرگ، ڈاک خانہ رائے پور، ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اِن مسائل میں:

(۱) بزرگوں کے مزار پر فاتحہ، قرآن پڑھنے اور کھڑے ہو کر وسیلہ چاہنے کے لیے عمارت بنادے اور عُرس

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی حمل المیت و دفنہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۵

کرے کرائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کسی بزرگ کے روضے کے سامنے قبریں ہیں اور وسعتِ جگہ کے لیے اس قبہ سے لگا کر اس گرد کی قبر پر مثل سائبان کے پایہ زینہ دیگر چھپر ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) جائز ہے کما فی مجمع بحار الانوار (جیسا کہ مجمع بحار الانوار میں ہے۔ ت) ہاں منکراتِ شرعیہ مثل رقص و مزامیر سے بچنا لازم ہے۔

(۲) کسی قبر پر کوئی پایہ چُننا جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۰ از موضع شرشدی، ڈاکخانہ رفینی، ضلع نواکھالی، مرسلہ سید حمید الدین صاحب ۹ شعبان ۱۳۳۸ھ

ماقول علمائنا رحمہم اللہ تعالٰی (ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کا کیا ارشاد ہے۔ ت) ایک نہایت مشہور و معروف بزرگ کا انتقال ہوا اُس کے وارث نے بایں نیت اس پر گھاس کی چھت بنوادی ہے کہ زائرین اطمینان کے ساتھ صیف و شتا میں قرآن مجید پڑھ کر ثواب رسانی کرسکیں اور اس بزرگ کی قبر کا نشان باقی رہے تاکہ لوگ اس سے فیض حاصل کرسکیں، اس میں نہ چراغ جلایا جاتا ہے نہ چاندنی تانی گئی ہے نہ کسی کو قبر پرستی اور نہ قدمبوسی کی اجازت ہے، اصل قبر و متصل زمین خام ہے۔

الجواب

صورتِ مذکورہ میں وہ بلاشبہہ جائز ہے، اور بنوانے والا اپنی نیک نیتی پر ثواب کا مستحق ہے، اور اس میں زائروں اور تلاوت کرنے والوں کے لیے چراغ بھی روشن کریں۔ یہ قبر پر چراغ نہیں۔ مجمع بحار الانوار جلد ثالث میں ہے،

قد اباح السلف البناء علٰی قبور الفضلاء الاولیاء والعلماء لیزورھم الناس ویستریحون فیہ۔[۱] واللہ تعالٰی اعلم۔

سلف نے اہلِ فضل، اولیاء و علماء کی قبروں پر عمارت بنانا مباح قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور اس میں آرام لیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۱ از بجنور مرسلہ شیخ معین الدین صاحب ماسٹر پٹواری اسکول ضلع بجنور ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بلحاظ نرمی زمین وحفظِ نعش اپنے پیرِ طریقت کی قبر کو پختہ بنوایا اور سالیانہ تاریخِ وفاتِ شیخ پر قرآن شریف اور درود و کلمہ پڑھوا کر شیخ مذکور کی رُوح پُرفتوح کو ایصالِ ثواب کرتا ہے اور بامیدِ فیضان وحلِ مشکلاتِ شیخ کی قبر پر جاکر بیٹھتا ہے اور وساطۃً اس سے استمداد کرتا ہے تو یہ

---

[۱] تکملہ مجمع بحار الانوار تحت لفظ "قبر" منشی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۱۴۰

ایصالِ ثواب اور استمداد عن الاموات زید کا جائز ہے یا نہیں اور ارتکاب عمل ہذا زید کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اموات مسلمین کو ایصالِ ثواب بے قیدِ تاریخ خواہ بحفظِ تاریخ معین مثلاً روزِ وفات جبکہ اُس کا التزام بنظرِ تذکیر وغیرہ مقاصد صحیحہ ہو، نہ اس خیالِ جاہلانہ سے کہ تعیین شرعاً ضرور یا وصولِ ثواب اسی میں محصور۔ یونہی عرسِ مشائخ کہ منکرات شرعیہ مثلاً رقص و مزامیر وغیرہ سے خالی ہو۔ اسی طرح اولیائے کرام وسائلِ بارگاہ و نوابِ حضرت احیائے معنی و اموات صورۃً قدست اسرارہم سے استعانت و استمداد جبکہ بطور توسل و توسط و طلبِ شفاعت ہو، نہ معاذ اللہ بظنِ خبیث استقلال و قدرت ذاتیہ، جس کا توہم نہ کسی مسلم سے معقول نہ مسلمان ہونے پر سوئے ظن مقبول۔ یہ سب امور شرعاً جائز و روا و مباح ہیں جن کے منع پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی نے متعدد مسائل و رسائل مندرجہ فتاوٰی فقیر مسمّٰی بہ البارقۃ الشارقۃ علٰی مارقۃ المشارقۃ میں ان سب مسئلوں کی تحقیق انیق بروجہ کافی ذکر کی۔ اور در بارۂ استعانت خاص ایک رسالہ مسمّٰی بہ برکات الامداد لاھل الاستمداد تالیف کیا۔ ان کے بعد تفصیل تازہ کی حاجت نہیں۔ اور قبر پختہ بنانے میں حاصل ارشاد علمائے امجاد رحمہم اللہ تعالٰی یہ ہے کہ اگر پکی اینٹ میت کے متصل یعنی اُس کے آس پاس کسی جہت میں نہیں کہ حقیقۃً قبر اُسی کا نام ہے بلکہ گڑھا کچا اور بالائے قبر پختہ ہے تو مطلقاً ممانعت نہیں، یہاں تک کہ امام اجل فقیہہ مجتہد اسمٰعیل زاہد نے خاص لحد میں پکی اینٹ پر نص فرمایا جبکہ نیچے کچّی کے کی تہ ہو اور اپنی قبر مبارک میں یُونہی کرنے کی وصیت فرمائی اور متصل میت ممنوع و مکروہ، مگر جبکہ بضرورت تری و نرمی زمین ہو تو اس میں بھی حرج نہیں۔ درمختار میں ہے:

یسوی اللبن علیہ والقصب لا الاٰجر المطبوخ والخشب لوحولہ اما فوقہ فلا یکرہ ابن ملک، وجاز ذلک حولہ بارض رخوۃ کالتابوت[1]

اس پر کچّی اینٹیں اور بانس چُن دے، پکی اینٹیں اور لکڑی اس کے گرد نہ لگائے، اُوپر ہو تو مکروہ نہیں، ابن الملک۔ اور نرم زمین ہو تو اس کے گرد بھی جائز ہے جیسے تابوت۔ (ت)

حلیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

کرھوا الاٰجر والواح الخشب وقال الامام

علماء نے پکی اینٹوں اور لکڑی کے تختوں کو مکروہ کہا ہے

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۵

التمرتاشی ھذا ان کان حول المیت وان کان فوقہ لایکرہ لانہ یکون عصمۃ من السبع و قال مشائخ بخارا لایکرہ الاجر فی بلدتنا لمساس الحاجۃ لضعف الاراضی[1]

اور امام تمرتاشی نے فرمایا: یہ اُس وقت ہے جب میت کے گرد ہو، اور اگر اس کے اوپر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ یہ درندے سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا۔ مشائخ بخارا نے فرمایا کہ ہمارے دیار میں پکی اینٹیں مکروہ نہیں کیونکہ زمین کمزور ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت ہے (ت)

خانیہ وخلاصہ وہندیہ میں ہے:

یکرہ الاٰجر فی اللحد اذا کان یلی المیت اما فیما وراء ذٰلک لاباس بہ ویستحب اللبن و القصب[2]

لحد میں پکی اینٹ مکروہ ہے جبکہ میت سے متصل ہو۔ اس کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں، اور مستحب کچی اینٹ اور بانس ہے۔ (ت)

حسامی پھر امداد الفتاح پھر طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وقد نص اسمٰعیل الزاھد بالاٰجر خلف اللبن علی اللحد واوصٰی بہ[3]

اسمٰعیل زاہد نے لحد پر کچی اینٹ کے پیچھے پکی اینٹ لگانے کی صراحت فرمائی اور اس کی وصیت کی (ت)

منافع ومبسوط پھر غنیہ میں ہے:

اختاروا الشق فی دیارنا لرخاوۃ الاراضی فیتعذر اللحد فیہا حتی اجازوا الاٰجر ورفوف الخشب والتابوت ولوکان من حدید[4]

ہمارے دیار میں شق اختیار کی گئی ہے اس لیے کہ زمین نرم ہونے کی وجہ سے اس میں لحد متعذر ہے یہاں تک کہ علماء نے پکی اینٹ، لکڑی کے صندوق اور تابوت کی اجازت دی ہے اگرچہ لوہے کا ہو۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

قیدہ الامام السرخسی بان لایکون الغالب علی الاراضی النزوالرخاوۃ فان کان

امام سرخسی نے اس حکم کو اس سے مقید کیا ہے کہ زمین پر تری اور نرمی غالب نہ ہو۔ اگر ایسی ہو تو پکی اینٹ

---

[1] ردالمحتار | باب صلٰوۃ الجنائز | داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں | کتاب الصلٰوۃ | منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹۲

[3] الطحطاوی علی مراقی الفلاح | فصل فی حملہا ودفنہا | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۵

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی | فصل فی الجنائز | سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۹۵

فلاباس بھما کاتخاذ تابوت من حدید لھذا[1]

اور لکڑی لگانے میں کوئی حرج نہیں، جیسے اس بناء پر لوہے کا تابوت لگانے میں حرج نہیں۔ (ت)

نیز بحر وحاشیہ ابی السعود الازہری علی الکنز میں ہے:

وقیدہ فی شرح المجمع بان یکون حولہ امالوکان فوقہ لایکرہ لانہ یکون عصمۃ من السبع[2]

شرح مجمع میں یہ قید لگائی ہے کہ اس کے گرد ہو لیکن اگر اُوپر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ اس سے درندوں سے حفاظت رہے گی۔ (ت)

کافی پھر غرر و درر میں ہے:

یسوی اللبن والقصب لاالخشب والاٰجر وجوز فی ارض رخوۃ[3]

کچی اینٹ اور بانس چُنا جائے، لکڑی اور پکی اینٹ نہ ہو، اور نرم زمین میں اس کی بھی اجازت ہے (ت)

شرح نقایہ برجندی میں ہے:

انما یکرہ الاٰجرفی اللحد ان کان یلی المیت اما فی وراء ذلک فلاباس بہ کذا فی الخلاصۃ وقال الامام علی السغدی اتخاذ التابوت فی دیارنا افضل من ترکہ[4]

لحد میں پکی اینٹ اسی صورت میں مکروہ ہے کہ میت سے متصل ہو، اس کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں، ایسا ہی خلاصہ میں ہے۔ امام علی سغدی نے فرمایا: ہمارے دیار میں تابوت لگانا نہ لگانے سے بہتر ہے۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

یکرہ الاٰجر والخشب ای کرہ ستراللحد بھما وبالحجارۃ والجص لکن لوکانت الارض رخوۃ جاز استعمال ماذکر[5]

پکی اینٹ اور لکڑی مکروہ ہے صرف لحد کو ان سے اور پتھروں سے اور گچ سے چھپانا مکروہ ہے لیکن اگر زمین نرم ہو تو ان سب کا استعمال جائز ہے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوٰتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۴

[2] فتح المعین علی شرح الکنز لمنلا مسکین باب الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[3] الدررالحکام فی شرح غررالاحکام مطبعۃ احمد کامل الکائنۃ دارسعادت بیروت ۱/ ۱۶۷

[4] شرح نقایہ برجندی فصل فی صلوٰۃ الجنازۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۸۲

[5] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی الصلوٰۃ علی المیت داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۸۶

کشف الغطاء میں ہے:

الان در دیار ما نیز بسبب رخاوت زمین ہمیں متعارف است حتی کہ تجویز کردہ اند مشائخ در امثال ایں دیار بایں علت خشت پختہ وچوب وگرفتن تابوت را کہ از آہن باشد[1]

اب ہمارے دیار میں بھی زمین کے ڈھیلے پن کی وجہ سے یہی متعارف ہے یہاں تک کہ مشائخ نے اس طرح کے دیار میں، اُسی علت کی وجہ سے پکی اینٹ اور لکڑی اور آہنی تابوت لگانے کو جائز کہا ہے (ت)

اُسی میں ہے:

در تجنیس گفتہ رخصت دادہ است۔ امام اسمٰعیل زاہد کہ گردانیدہ شوند خشت ہائے پختہ خلف خشتہائے خام بہ لحد وتحقیق وصیت کردہ بود بوے ومشائخ بخارا گفتہ اند در زمین ما خشت پختہ اگر بنہند مکروہ نباشد از برائے نرمی زمین پس بہرجا کہ زمین نرم باشد باک نیست بنہادن خشت پختہ ومانند آں از چوب[2]

تجنیس میں ہے کہ امام اسمٰعیل زاہد نے اس کی رخصت دی ہے کہ لحد میں کچی اینٹوں کے پیچھے پکی اینٹیں لگائی جائیں اور اور اس کی وصیت بھی فرمائی تھی۔ مشائخ بخارا نے فرمایا ہے کہ اگر ہماری زمین میں پکی اینٹ لگائیں تو مکروہ نہ ہوگا اس لیے کہ زمین نرم ہے تو جہاں بھی زمین نرم ہو پکی اینٹ اور اسی طرح لکڑی کے تختے لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ (ت)

ان عبارات متظافرہ سے واضح ہوا کہ فعل زید بالفرض مذکور ہرگز کسی طرح قابلِ مواخذہ نہیں **وانا اقول** (اور میں کہتا ہوں۔ ت) بالفرض کراہت ہی مانیئے تو مسئلہ خصوصاً ایسے تصریحات جماعات کثیرہ ائمہ کے بعد زنہار حدِ تفسیق تک بھی نہیں پہنچ سکتا کہ اُس کی اقتدار کو مکروہ ہی کہا جائے، نہ کہ عدم جواز، یہ محض جہل بعید و تعصب شدید ہے، معہذا نصوص سابقہ سے واضح ہُوا کہ پکی اینٹ اور لکڑی کا ایک حکم ہے۔ اصل سنّت کچی اینٹ اور نرکل سے چھپانا ہے، لکڑی کے تختے اڑانے عام طور پر ان بلاد میں حضرات معترضین بھی استعمال کر رہے ہیں، اپنے اور مولویوں کے پیچھے نماز ناجائز کیوں نہیں کہتے، مگر تحکم ان صاحبوں کا داب قدیم ہے، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۳۲ از بانی اسکول نجیب آباد ضلع بجنور، معرفت حمید حسن خاں طالبعلم درجہ نہم مسئولہ اللہ رکھا مستری ۲۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبر کا پختہ کرانا بہتر ہے یا نہ کرانا؟ اگر پختہ بنانا بہتر ہے تو

---

[1] کشف الغطاء فصل دفن میت مطبع احمدی دہلی ص ۵۰

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ص ۵۳

اُس کی تعمیر میں کن کن خاص اور ضروری باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے، مثلاً طول عرض بلندی اور صورت وغیرہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب

قبر پختہ نہ کرنا بہتر ہے، اور کریں تو اندر سے کڑا کچا رہے، اُوپر سے پختہ کرسکتے ہیں، طول وعرض موافق قبرِ میت ہو، اور بلندی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو، اور صورت ڈھلوان بہتر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۳ تا ۱۳۴ از بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ سید صفدر علی صاحب ۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کسی ولی اللہ کا مزار شریف فرضی بنانا اور اس پر چادر وغیرہ چڑھانا، اور اس پر فاتحہ پڑھنا اور اصل مزار کا سا ادب ولحاظ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی مرشد اپنے مریدوں کے واسطے بنانے اپنے فرضی مزار کے خواب میں اجازت دے تو وُہ قول مقبول ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر جنازہ میت کا واسطے دفن کے جانب پچھم لے جائیں تو کس طرح سے لے جانا چاہئے سر جانبِ غرب ہو یا جانبِ پورب؟

الجواب

(۱) فرضی مزار بنانا اور اُس کے ساتھ اصل کا سا معاملہ کرنا ناجائز وبدعت ہے اور خواب کی بات خلافِ شرع امور میں مسموع نہیں ہوسکتی۔

(۲) میت کو کسی طرف لے جانا ہو بہرحال سر آگے کی طرف رہے۔ عالمگیری میں ہے:

فی حالۃ المشی بالجنازۃ یقدم الراس کذا فی المضمرات[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم

جنازہ لے جانے میں سر آگے رکھا جائے گا۔ ایسا ہی مضمرات میں ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۵ از نوشتہ ضلع علی گڑھ ڈاک خانہ دتاولی مرسلہ محمد عمر خاں ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے ایک قبر فرضی اور مصنوعی جس کا پہلے سے کوئی وجود نہ تھا، بنوا کر یہ بات مشہور کی کہ اس قبر میں امروہہ کے زین العابدین تشریف لائے ہیں مجھ کو خواب میں بشارت ہوئی ہے۔ ایسی روایات کاذبہ سے اس قبر کی عظمت لوگوں کے سامنے بیان کرکے قبر پرستی کی طرف بلانے لگا۔ حتی کہ اس میں اس کو کامیابی ہونے لگی اور بہت سی مخلوق اس کی طرف متوجہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الرابع فی حمل الجنازۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۲

ہوگئی۔ اس قبر پر چادریں اور مرغ اور بکری اور مٹھائیاں، روپیہ اور پیسہ چڑھانے لگے۔ اور اپنی مرادیں اور منتیں اس قبر سے مانگنے لگے۔ اور زید اس آمدنی سے متمتع ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے واسطے شریعت کیا حکم لگاتی ہے؟ ------- آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ کیا ایسا شخص فاجر و فاسق کافر ہے؟ کیا ایسے شخص کا نکاح باطل ہوتا ہے؟ کیا ایسے شخص کے جلسوں میں شریعت شرکت کی اجازت دیتی ہے؟ آیا ایسے شخص سے رشتہ قرابت رکھا جائے؟ نیز اس شخص کے متعلق بھی استفسار کیا جاتا ہے جو زید کے اس معاملہ سے خوش ہے اور اس کا ممد و معاون اس معاملہ میں ہے یا ایک ایسا شخص ہے جو زید کو اس معاملہ سے باز رکھ سکتا ہے مگر ساکت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

قبر بلا مقبور کی طرف بلانا اور اس کے لیے وہ افعال کرانا گناہ ہے، اور جبکہ وہ اس پر مصر ہے اور باعلان اسے کر رہا ہے تو فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور پھیرنی واجب۔ اس جلسہ زیارت قبر بے مقبور میں شرکت جائز نہیں۔ زید کے اس معاملہ سے جو خوش ہیں خصوصاً وہ جو ممد و معاون ہیں سب گنہگار و فاسق ہیں، قال تعالٰی،

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[1] گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ (ت)

بلکہ وہ بھی جو باوصف قدرت ساکت ہے، قال تعالٰی:

کانوا لایتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون[2] وہ بُرے کام سے ایک دوسرے کو روکتے نہ تھے، کیا ہی بُرا کام وہ کرتے تھے (ت)

مگر ان میں سے کوئی بات کفر نہیں کہ اس سے نکاح باطل ہوسکے۔ قرابت اپنے اختیار کی نہیں کر چاہے رکھی چاہے توڑی۔ یونہی مرد سے رشتہ کہ اختیاری رشتہ بذریعہ نکاح ہوتا ہے اس کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے، قال تعالٰی، بیدہ عقدۃ النکاح[3] (اسی کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ت) ہاں عزیزداری کا برتاؤ اگر یہ سمجھیں کہ اس کے چھوڑنے سے اس پر اثر پڑے گا تو چھوڑ دیں یہاں تک کہ باز آئے اور اگر سمجھیں کہ اسے قائم رکھ کر سمجھانا مؤثر ہوگا تو یوں کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۶ از قصبہ اوریا ضلع اٹاوہ مرسلہ عبدالحی صاحب مدرسہ اسلامیہ ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے بعض جگہ مزار بنا لیا گیا ہے بعض

---

[1] القرآن ۵/۲ [2] القرآن ۵/۷۹
[3] القرآن ۲/۲۳۷

لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے مزار کی اینٹ دفن ہے۔ اس مزار میں ایسی جگہ جاکر عرس کرنا، چادر چڑھانا کیسا ہے؟ وُہ قابلِ تعظیم ہے یا نہیں؟

الجواب

جھُوٹا مزار بنانا اور اس کی تعظیم جائز نہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۷: از شہر محلہ کانکر ٹولہ مرسلہ عبدالرحیم خاں ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بچپن میں حافظِ قرآن ہُوا اور تمام عمر بدافعالی میں گزاری۔ ایک شوہر دار عورت سے جس کا شوہر نامرد تھا برسوں تعلق رہا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہُوئی۔ ان حرکات پر ماں باپ نے گھر سے نکال دیا۔ وُہ اُسی عورت کے گھر جارہا۔ پھر بیمار ہو کر واپس آیا اور مرگیا۔ اب زید کے والدین نے کوشش کرکے مسجد میں ایک بزرگ کی قبر پُرانی تھی لیکن خام تھی اس کے برابر دفن کردیا، اور دونوں قبروں کو بہت اچھا پختہ بنوادیا۔ اب اس کے والدین نے دنیا والوں کے خیالات بدلنے کی غرض سے اُس قبر پر بہت کثرت سے ہار پھُول چڑھانا شروع کردیا۔ اور مسجد میں کُوڑا وغیرہ ہو اُن کو کچھ مطلب نہیں۔ لیکن قبر پر دن میں دو ایک مرتبہ جھاڑو دینا اور دلوانا اور لوگوں سے یہ کہنا کہ دیکھو کیسی رونق ہے، اور بعض جاہل لوگ نے قبر پر سے مراد مانگنے کی ترغیب دینا شروع کیا۔ چنانچہ اسی قبر کو ابھی بیس پچیس دن گزرے ہوں گے کہ چادر بہن اور بھائی چڑھانے لگے اور قبر کو تعظیم کے ساتھ بوسہ دینا شروع کیا۔ اور آئندہ کو خدا جانے کیا حالت کو اُن کے والدین پہنچادیں۔ ایسی حالت میں قبر کو پُوجنے والے اور شہرت کرنے والے اور مسجد میں جھاڑو کو نہ دینے والے اور قبر پر بلاناغہ چڑھاوا دینا اور مشہور کرنا، شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

اسے پُوجنا نہیں کہتے۔ یہ سائل کی بہت زیادتی ہے۔ تکریم قبور کو وہابیہ پُوجنا کہتے ہیں۔ اور وہابیہ خود شیطان کو پُوجتے ہیں۔ باقی ایسے شخص کی قبر کو ولی کا مزار ٹھہرانا اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے اُس کے یہ اہتمام کرنا اور لوگوں کو وہاں مراد مانگنے کی ترغیب یہ ضرور مکر و زُور ہے۔ حدیث میں فرمایا: من غشنا فلیس منا[1] (جو ہمیں دھوکا دے وُہ ہم میں سے نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۸: از دہلی مدرسہ نعمانیہ محلہ بُلّی ماراں مرسلہ مولوی عبدالرشید صاحب مہتمم مدرسہ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ہے اور اس کے متصل قبرستان ہے جس میں کہ

---

[1] صحیح مسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غش فلیس منا نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۷۰

آثارِ قبور ظاہر ہیں، اب مسلمان چاہتے ہیں کہ ان قبروں کے آثار کو محو کرکے اس زمین پر گودام وغیرہ بنائیں اور اُس پر مسجد بنائیں۔ پس ایسا فعل یعنی قبور کو محو کرکے اوپر مسجد نیچے گودام بنانا اور اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ جائز کہتے ہیں اور دلیل حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جو حضرت علی کرم اللہ تعالٰی کو حکم دیا تھا پیش کرتے ہیں لاتدع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سویته[1] (کوئی مورت مٹائے بغیر اور کوئی قبر برابر کیے بغیر نہ چھوڑنا۔ت) اور دُوسری حدیث جس میں مسجد نبوی کے بنا کے وقت قبور توڑنے کا ذکر ہے بھی پیش کرتے ہیں اور کہتا ہے کہ اس حکم کے مطابق ہم قبور کو برابر کریں گے اور اُن کے آثار کو مٹا دیں گے اور مسجد و مکان اُس قبرستانِ موقوفہ میں بنائیں گے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ احناف کا اس میں قول مفتی بہ کیا ہے؟

الجواب

قول مفتی بہ امر خلافی میں ہوتا ہے۔ یہ حرکتِ شنیعہ ہمارے ائمہ کے اجماع سے ناجائز و حرام ہے۔ توہینِ قبورِ مسلمین ایک اور قبور پر نماز کا حرام ہونا دو، اور وقف کی تغییر تین۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن هیأته[2] فکیف عن اصله۔

وقف کی ہیأت تبدیل کرنا جائز نہیں اور پھر سرے وقف ہی کو بدلنا کیسے جائز ہوگا!

کہاں قبر کی بلندی کہ حدِ شرعی سے زائد ہو اس کے دُور کرنے کا حکم اور کہاں یہ کہ قبورِ مسلمین مسمار کرکے ان پر چلیں، اموات کو ایذا دیں، اُس پر نماز پڑھ کر گناہ کے مرتکب ہوں، نماز خراب کریں، ارشادِ اقدس لا تصلوا علی قبر[3] (قبر پر نماز نہ پڑھو۔ت) کی مخالفت کریں اور کہاں قبورِ مشرکین کھود کر اُن کی نجاست سے زمین پاک کرکے مسجد اقدس کا اس پر بنا فرمانا اور کہاں قبورِ مسلمین کی توہین۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون[4]

کیا ہم مسلموں کو مجرموں کی طرح کردیں، تم کیسا حکم رکھتے ہو؟ (ت)

اس مسئلہ کی تمام تفصیل ہمارے رسالہ اهلاک الوهابیین علی توهین قبور المسلمین میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] صحیح مسلم — کتاب الجنائز — نور محمد اصح المطابع کراچی ۳۱۲/۱
[2] فتاوٰی ہندیۃ — الباب الرابع عشر فی المتفرقات — نورانی کتب خانہ پشاور ۴۹۰/۲
[3] صحیح مسلم — کتاب الجنائز — نور محمد اصح المطابع کراچی ۳۱۲/۱
[4] القرآن ۶۸/ ۳۵ و ۳۶

رسالہ

اھلاک الوھابیین علٰی توھین قبور المسلمین

۱۳۲۲ھ

(قبورِ مسلمین کی توہین کی بنا پر وہابیوں کی سرکوبی)

مسئلہ ۱۳۸-ب: علمائے دین اور مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک گورستان (اہلسنت) قدیم کی (ویرانی) قبروں کو عمداً کھود کر اپنے رہنے کے لیے مکان بنانا موافق مذہب حنفی کے جائز ہے یا نہیں؛ اور ایسا کرنے میں اہلِ قبور کی توہین و اہانت ہوگی یا نہیں؛ بینوا توجروا۔

الجواب

ومنہ الھدایۃ الی الحق والصواب

جاننا چاہیے کہ انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و عامۂ مومنینِ اہلسنت کے ساتھ جو قلبی عداوت فرقۂ نجدیہ وہابیہ کو ہے ایسی اور کسی فرقۂ مبتدعہ کو نہیں ہے، اسی وجہ سے اس فرقۂ محدثہ کے اکابر ملاعنہ کی تصانیفِ اباطیل اہانتِ محبوبانِ خدا سے بھری پڑی ہیں۔ جس کا جی چاہے وہ نجدی و اسمٰعیل دہلوی و صدیق حسن بھوپالی و خرم علی و رشید گنگوہی وغیرہ کی تالیفاتِ باطلہ اٹھا کر دیکھ لے کہ قسم قسم کی اہانتوں سے پُر ہیں۔ منجملہ ان کے ایک اہانت قبورِ انبیاء و شہداء و اولیاء علیہم السلام کا منہدم و نابود تا بمقدور کرنا اس فرقے کا شعار ہوگیا ہے۔

شیخ نجدی نے روضۂ اقدس کو گرانے کا ارادہ کیا تھا

علامہ احمد بن علی بصری کتاب فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب میں فرماتے ہیں:

منہا انہ صرح انہ یقول لو اقدر علی حجرۃ الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لھدمتھا۔[1]

ان میں سے ایک یہ بات صحیح ہے کہ وہ کہتا ہے میں اگر قدرت پاؤں تو روضۂ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو توڑ دوں۔ (ت)

شیخ نجدی نے شہداء وصحابہ کرام کے مزار توڑے

اور یہی علامہ بصری ایک دوسرے مقام میں لکھتے ہیں :

اقول تھدیمہ قبور شہداء الصحابۃ المذکورین لاجل البناء علی قبورھم ضلالۃ ای ضلالۃ انتہی مختصرًا۔[2]

یعنی نجدی کا شہداء صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی قبور کو قبّوں کی وجہ سے توڑ ڈالنا بڑی ضلالت اور گمراہی اس نجدی کی ہے (باختصار)۔ (ت)

اور یہی علامہ مذکور تیسرے مقام میں لکھتے ہیں :

قال بعضھم ولو کان المبنی علیہ مشھورا بالعلم والصلاح او کان صحابیا وکان المبنی علیہ قبۃ وکان البناء علی قدر قبرہ فقط ینبغی ان لایھدم لحرمۃ نبشہ وان اندرس اذا علمت ھذا فھذا البناء علی قبور ھؤلاء الشھداء من الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم لایخلو اما ان یکون واجبًا او جائزًا بغیر کراھۃ وعلی کل فلا یقدم علی الھدم الا رجل مبتدع ضال لاستلزامہ انتھاک حرمۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الواجب علی کل مسلم محبتھم ومن محبتھم وجوب توقیرھم وای توقیر ھم عند من ھدم قبورھم حتی بدت ابدانھم واکفانھم کما ذکر بعض

بعض علماء نے فرمایا کہ صاحبِ قبہ اگر کوئی مشہور عالم، متقی یا صحابی ہے اور قبہ صرف قبر کے برابر ہو تو اسے منہدم نہ کرنا چاہئے کیونکہ خواہ اس کا نشان بھی کیوں نہ مٹ جائے مگر اس کا کھولنا جائز نہیں۔ اب آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان شہید صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی قبور پر عمارات بنانا یا تو واجب ہوگا یا بلاکراہت جائز، اور بہرصورت منہدم کرنا جائز نہیں، اور یہ صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو بدعتی اور گمراہ ہو کیونکہ اس سے اصحابِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بے حُرمتی ہوتی ہے حالانکہ ان کی تعظیم اور توقیر ہر مسلمان پر واجب ہے، اب وہ لوگ تعظیم کرنے والے کیسے قرار پاسکتے ہیں جنھوں نے شہداء کی قبور کھود ڈالیں جبکہ بعض کے جسم

---

[1] و [2] فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب

علماء نجد فی سوال ارسلہ الی انتہی مختصراً۔ اور کفن بھی ظاہر ہوگئے ، جیساکہ بعض علماء نجد نے اس سوال کے جواب میں ذکر کیا اھ مختصراً

وہابیہ رُوسیاہ کے نزدیک انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معاذاللہ منہا مرکر مٹی ہوگئے ہیں

ان بدبختوں کے نزدیک ظاہری موت کے بعد یہ بالکل بے حس و بے شعور ہوجاتے ہیں اور مرکر معاذاللہ (پناہ بخدا) مٹی میں مل جاتے ہیں ۔ ملا اسمٰعیل دہلوی اپنی کتاب تقویت الایمان کے صفحہ ۶۰ میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ ارفع و اعلیٰ میں بکتا ہے کہ :

"میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں"[2]۔

جب سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ان ملاعنہ کا ایسا ناپاک خیال ہے اور ان کے روضۂ اطہر اور شہداء و صحابہ کرام علیہم الرضوان کی قبور کو منہدم کرنے کا بیہودہ خیال ہے تو باقی اموات عامہ مومنین صالحین کی نسبت پوچھنا کیا ہے ۔ جب قبور مومنین بلکہ اولیاء علیہم السلام اجمعین کا توڑنا اور منہدم کرنا شعارِ نجدیہ وہابیہ ہوا تو کسی کو جائز نہیں ہے کہ وہ صورتِ مسئولہ میں قبورِ مومنینِ اہلسنّت کو توڑ کر بلکہ ان کو کھود کر ان پر اپنی رہائش و آسائش کے مکان بنا کر ان میں لذاتِ دنیا میں مشغول و منہمک ہو جو قطعاً و یقیناً اصحابِ قبور کو ایذا دینا اور ان کی اہانت اور توہین کرنا ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔

اہلسنّت کے نزدیک انبیاء و شہداء و اولیاء اپنے ابدان مع اکفان کے زندہ ہیں

اہلسنّت کے نزدیک انبیاء و شہداء علیہم التحیۃ والثناء اپنے ابدان شریفہ سے زندہ ہیں بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ابدانِ لطیفہ زمین پر حرام کئے گئے ہیں کہ وہ ان کو کھائے ۔ اسی طرح شہداء و اولیاء

؎ سابقاً علامہ بصری علیہ الرحمۃ کے قول میں گزرا کہ نجدی نے جب قبورِ شہداء صحابہ کرام علیہم الرضوان کو شہید کیا تو ان میں ان کے کفن اور بدن شریف سب سلامت تھے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مدفون ہوئے تخمیناً بارہ سو سال گزر چکے تھے ، پس ہزار تف ہے ملا اسمٰعیل اور اس کے مقلدین وہابیہ رُوسیاہ پر کہ ان کا ایسا ناپاک عقیدہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس و اطہر کے ساتھ کہ جو مسلمان کی شان کے خلاف ہے ۔ اللہ تعالیٰ اہلسنّت کو ان کی صحبتِ بد سے بچائے ۔ آمین !

---

[1] فصل الخطاب فی ردِّ ضلالاتِ ابن عبدالوہاب

[2] تقویۃ الایمان مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ ، لاہور ص ۴۲

علیھم الرحمۃ والثناء کے ابدان وکفن بھی قبور میں صحیح وسلامت رہتے ہیں وہ حضرات روزی ورزق دیئے جاتے ہیں، علامہ سبکی شفاء السقام میں لکھتے ہیں:

وحیاۃ الشھداء اکمل واعلیٰ فھذا النوع من الحیاۃ والرزق لایحصل لمن لیس فی رتبتھم، وانما حیاۃ الانبیاء اعلیٰ واکمل واتم من الجمیع لانھا للروح والجسد علی الدوام علی ماکان فی الدنیا۔[1]

شھداء کی زندگی بہت اعلیٰ ہے، زندگی اور رزق کی یہ قسم ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوتی جو ان کے ہم مرتبہ نہیں، اور انبیاء کی زندگی سب سے اعلیٰ ہے اس لیے کہ وہ جسم وروح دونوں کے ساتھ ہے جیسی کہ دنیا میں تھی اور ہمیشہ رہے گی۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تذکرۃ الموتیٰ میں لکھتے ہیں:

"اولیاء اللہ گفتہ اند ارواحنا اجسادنا یعنی ارواحِ ایشاں کار اجساد مے کنند، وگاہے اجساد از غایت لطافت برنگِ ارواح مے برآید، می گویند کہ رسولِ خدا راسایہ نبود (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) ارواحِ ایشاں از زمین وآسمان وبہشت ہر جا کہ خواہند مے روند، وبسبب ایں ہمیں حیات اجساد آنہارا در قبر خاک نمی خورد بلکہ کفن ہم می ماند۔ ابن ابی الدنیا از مالک روایت نمود ارواحِ مومنین ہر جا کہ خواہند سیر کنند، مراد از مومنین کاملین اند، حق تعالیٰ اجسادِ ایشاں راقوتِ ارواح مے دہد کہ در قبور نماز میخوانند (ادا کنند) وذکر می کنند وقرآن کریم مے خوانند۔"[2]

اولیاء اللہ کا فرمان ہے کہ ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں۔ یعنی ان کی ارواح جسموں کا کام دیا کرتی ہیں اور کبھی اجسام انتہائی لطافت کی وجہ سے ارواح کی طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ ان کی ارواح زمین آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہیں آتی جاتی ہیں، اس لیے قبروں کی مٹی ان کے جسموں کو نہیں کھاتی ہے بلکہ کفن بھی سلامت رہتا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے مالک سے روایت کی ہے کہ مومنین کی ارواح جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں، مومنین سے مراد کاملین ہیں، حق تعالیٰ ان کے جسموں کو روحوں کی قوت عطا فرماتا ہے تو وہ قبروں میں نماز ادا کرتے اور ذکر کرتے ہیں اور قرآن کریم پڑھتے ہیں۔

اور شیخ الہند محدث دہلوی علیہ الرحمۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

اولیائے خدا تعالیٰ نقل کردہ شدند ازیں دار فانی بدار بقا | اللہ تعالیٰ کے اولیاء اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف

---

[1] شفاء السقام الفصل الرابع من الباب التاسع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۰۶

[2] تذکرۃ الموتیٰ والقبور اردو ارواح کے ٹھہرنے کی جگہ نوری کتب خانہ نوری مسجد اسلام گنج لاہور ص ۷۵

28

وزندہ اند نزد پروردگار خود، ومرزوق اند وخوشحال اند، ومردم را ازاں شعور نیست[1]

کُوچ کر گئے ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں، انھیں رزق دیا جاتا ہے، وُہ خوش حال ہیں، اور لوگوں کو اس کا شعور نہیں۔

اور علامہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

لافرق لهم فی الحالین ولذا قیل اولیاء اللّٰه لایموتون ولکن ینتقلون من دارٍ الی دارٍ[2]

اولیاء اللہ کی دونوں حالتوں (حیات وممات) میں اصلاً فرق نہیں، اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں تشریف لے جاتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے شرح الصدور میں اولیائے کرام علیہم الرضوان کی حیات بعد ممات کے متعلق چند روایات مستندہ لکھی ہیں جو یہاں نقل کی جاتی ہیں:

امام عارف باللہ استاذ ابو القاسم قشیری قدس سرہٗ اپنے رسالے میں بسندِ خود حضرت ولی مشہور سیّدنا ابوسعید خراز قدس اللہ سرہ الممتاز سے راوی کہ میں مکہ معظمہ میں تھا، بابِ بنی شیبہ پر ایک جوان مُردہ پڑا پایا، جب میں نے اس کی طرف نظر کی تو مجھے دیکھ کر مسکرایا اور کہا:

یاابا سعید اماعلمت ان الاحباء احیاء وان ماتوا وانما ینقلون من دارٍ الی دارٍ[3]

اے ابوسعید! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالٰی کے پیارے زندہ ہیں اگرچہ مر جائیں، وہ تو یہی ایک گھر سے دوسرے گھر میں بدلائے جاتے ہیں۔

وہی عالی جناب حضرت سیّدی ابو علی قدس سرہٗ سے راوی ہیں:

میں نے ایک فقیر کو قبر میں اتارا، جب کفن کھولا ان کا سر خاک پر رکھ دیا کہ اللہ تعالٰی ان کی غربت پر رحم کرے۔ فقیر نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے فرمایا: یا ابا علی اتذللنی بین یدی من یدللنی (اے ابو علی! تم مجھے اس کے سامنے ذلیل کرتے ہو جو میرے ناز اُٹھاتا ہے) میں نے عرض کی: اے سردار میرے! کیا موت کے بعد زندگی ہے؟ فرمایا: بل انا حیّ وکل محب اللّٰه حی لانصرنك بجاهی غداً[4] (میں زندہ ہوں، اور خدا کا ہر پیارا زندہ ہے، بیشک وُہ وجاہت وعزت جو مجھے روزِ قیامت ملے گی اس سے میں تیری مدد کروں گا)

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الجہاد باب حکم الاسراء مطبع تیج کمار لکھنؤ ۳/ ۴۰۲

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الجمعۃ فصل الثالث ” امدادیہ ملتان ۳/ ۲۴۱

[3] شرح الصدور باب زیارۃ القبور وعلم الموتٰی خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۸۶

[4] ” ” ” ” ” ” ” ” ”

وہی جناب مستطاب حضرت ابراہیم بن شیبان قدس سرہٗ سے راوی :

"میرا ایک مرید جوان فوت ہوگیا، مجھ کو سخت صدمہ ہُوا، نہلانے بیٹھا، گھبراہٹ میں بائیں طرف سے ابتداء کی، جوان نے وُہ کروٹ ہٹا کر اپنی دہنی کروٹ میری طرف کی، میں نے کہا: جانِ پدر! تو سچا ہے مجھ ہی سے غلطی ہُوئی۔"[1]

وہی امام، حضرت ابو یعقوب سوسی نہر جوری قدس سرہٗ سے راوی :

"میں نے ایک مرید کو نہلانے کے لیے تختے پر لٹایا اُس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا۔ میں نے کہا: جانِ پدر! میں جانتا ہُوں کہ تو مردہ نہیں یہ تو صرف مکان بدلنا ہے، لے میرا ہاتھ چھوڑ دے۔"[2]

جناب ممدوح انھیں عارف موصوف سے راوی،

"مکہ معظمہ میں ایک مرید نے مجھ سے کہا: پیر و مرشد! میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا، حضرت ایک اشرفی لیں، آدھی میں میرا دفن اور آدھی میں میرا کفن کریں۔ جب دُوسرا دن ہُوا اور ظہر کا وقت آیا مرید مذکور نے آکر طواف کیا، پھر کعبے سے ہٹ کر لیٹا تو رُوح نہ تھی۔ میں نے قبر میں اتارا۔ آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا: کیا موت کے بعد زندگی؟ کہا: اَنَا حَیٌّ وَکُلُّ مُحِبُّ اللّٰہِ حَیٌّ[3] (میں زندہ ہُوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر دوست زندہ ہے)۔

نامناسب افعال کرنے سے امواتِ مسلمین کو ایذا ہوتی ہے

اور بعض عامۂ مومنین اور بقیہ اموات کے ابدان گو سلامت نہ رہتے ہوں تاہم ان کی قبور پر بیٹھنے بلکہ ان پر تکیہ لگانے اور قبرستان میں جُوتوں کی آواز کرنے سے ان کو ایذا ہوتی ہے۔ احادیثِ صحیحہ سے یہ امر ثابت بلاریب ہے۔ حاکم و طبرانی عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے راوی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا، فرمایا:

یاصاحب القبر، انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب القبر و لا یؤذیک[4]	او قبر والے! قبر سے اُتر آ، نہ تو صاحبِ قبر کو ایذا دے نہ وُہ تجھے۔

سعید بن منصور اپنی سُنن میں راوی: کسی نے حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پُوچھا، فرمایا:

کما اکرہ اذی المؤمن فی حیاتہ فانی	مجھ کو جس طرح مسلمان زندہ کی ایذا ناپسند ہے

---

[1] و [2] و [3] شرح الصدور باب زیارۃ القبور و علم الموتیٰ خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۶

[4] شرح الصدور بحوالہ الطبرانی والحاکم باب تأذیہ بسائر وجوہ الاذی " " " ۱۲۶

اکرہ اذاہ بعد موتہ[1] یوں ہی مُردہ کی۔

امام احمد علیہ الرحمۃ بسندِ حسن انھیں حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا: لا تؤذ صاحب ھذا القبر (اس قبر والے کو ایذا نہ دے) یا فرمایا: لا تؤذہ[2] (اسے تکلیف نہ پہنچا)

اس ایذا کا تجربہ بھی تابعینِ عظام اور دوسرے علماءِ کرام نے جو صاحبِ بصیرت تھے کرلیا ہے۔

ابن ابی الدنیا ابوقلابہ بصری سے راوی: میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اُترا، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی، پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سوگیا، جب جاگا تو صاحبِ قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے: لقد اذیتنی منذ اللیلۃ[3] (اے شخص! تُونے مجھ کو رات بھر ایذا دی)۔

امام بیہقی دلائل النبوۃ میں اور ابن ابی الدنیا حضرت ابوعثمان نہدی سے، وہ ابن مینا تابعی سے راوی: میں مقبرے میں گیا، دو رکعت پڑھ کر لیٹ گیا، خدا کی قسم میں خوب جاگ رہا تھا کہ سُنا کوئی شخص قبر میں سے کہتا ہے: قم فقد اذیتنی[4] (اُٹھ کہ تُونے مجھ کو اذیت دی)۔

حافظ ابن مندہ امام قاسم بن مخیمرہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے راوی: "اگر میں تپائی بھال پر پاؤں رکھوں کہ میرے قدم سے پار ہوجائے تو یہ مجھ کو زیادہ پسند ہے اس سے کہ قبر پر پاؤں رکھوں۔" پھر فرمایا: ایک شخص نے قبر پر پاؤں رکھا، جاگتے میں سُنا: الیک عنی یا رجل لا تؤذینی[5] (اے شخص! الگ ہٹ مجھے ایذا نہ دے)۔

اور علامہ شرنبلالی مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں:

اخبرنی شیخی العلامۃ محمد بن احمد الحموی الحنفی رحمہ اللہ تعالٰی بانھم یتأذون بخفق النعال[6]

مجھ کو میرے استاذ علامہ محمد ابن احمد حنفی رحمہ اللہ تعالٰی نے خبر دی کہ جُوتے کی پہچل سے مُردے کو ایذا ہوتی ہے۔

---

[1] شرح الصدور بحوالہ سعید بن منصور باب تأذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶

[2] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ احمد عن عمرو بن حزم باب دفن المیت مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۴۹

[3] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا عن ابی قلابۃ باب ما ینفع المیت فی قبرہ خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۸

[4] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی الرجل سمع صاحب القبر دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۴۰

[5] شرح الصدور بحوالہ ابن مندہ عن القاسم فصل تأذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶

[6] مراقی الفلاح علی ہامش حاشیۃ الطحطاوی فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۲

اسی واسطے ہمارے فقہائے کرام احناف علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

"قبر پر رہنے کو مکان بنانا، یا قبر پر بیٹھنا، یا سونا، یا اس پر یا اس کے نزدیک بول و براز کرنا یہ سب امور اشد مکروہ قریب بحرام ہیں۔"

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ویکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام علیہ او یطاء علیہ او یقضی حاجۃ الانسان من بول او غائط[1] الخ	قبر پر عمارت بنانا، بیٹھنا، سونا، روندنا، بول و براز کرنا مکروہ ہے۔

علامہ شامی اس کی دلیل میں حاشیۂ درمختار میں فرماتے ہیں:

لان المیت یتاذی بما یتاذی بہ الحی[2]	یعنی اس لیے کہ جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے مُردے بھی ایذا پاتے ہیں۔

بلکہ دیلمی نے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کلیے کی تصریح روایت کی کہ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

المیت یؤذیہ فی قبرہ ما یؤذیہ فی بیتہ[3]	میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی ہے قبر میں بھی اس سے ایذا پاتا ہے۔

ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

اذی المومن فی موتہ کاذاہ فی حیوتہ[4]	مسلمان کو بعد موت وینی ایسی ہی ہے جیسے زندگی میں اسے تکلیف پہنچانی۔

اور اظہر من الشمس ہے کہ قبور کو کھود کر اُن پر رہنے کو مکان بنایا تو اس میں یہ سب امور موجود ہیں، جس سے یقیناً اہلِ قبور کی توہین ہوتی ہے اور ان کو ایذا دینا ہے، جو ہرگز ہمارے حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی معترض کہے کہ شرح کنز میں علامہ زیلعی لکھتے ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ — الفصل السادس فی القبر والدفن — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۱۶۶

[2] رد المحتار — فصل الاستنجاء — ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر — ۱/۲۲۹

[3] الفردوس بماثور الخطاب — حدیث ۷۵۰۴ — دار الکتب العلمیۃ بیروت — ۱/۱۹۹

[4] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی شیبہ — باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی — خلافت اکیڈمی سوات — ص ۱۲۶

ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ[1]

اگر میت پرانی ہوجائے اور مٹی میں مل جائے تو دوسرے کو اس قبر میں دفن کرنا، کھیتی باڑی کرنا اور اس پر عمارت بنانا جائز ہے۔

تو جواب اس کا اوّلاً یہ ہے کہ یہ قول علامہ زیلعی کا احادیثِ مذکورہ اور روایاتِ مسطورہ کے معارض ہے لہٰذا قابلِ قبول نہیں ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ علامہ شرنبلالی نے امداد الفتاح میں علامہ زیلعی کے اس قول کو رَد کردیا ہے دوسری روایت معارضہ سے، پس قابلِ تعمیل نہیں۔

قال فی الامداد ویخالفہ ما فی التاتارخانیۃ اذا صار المیت ترابا فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمۃ باقیۃ[2] الخ۔

امداد الفتاح میں فرمایا اور تاتارخانیہ میں اس کے برعکس ہے، یعنی جب قبر میں میت گل کر مٹی بھی ہوجائے تب بھی اس کی قبر میں غیر کو دفن کرنا مکروہ ہے کہ اس کی تعظیم وحُرمت کے خلاف ہے کہ اس میت کی تعظیم وحرمت اب بھی باقی ہے۔ الخ

اور مؤید ہے اس کی وُہ جو علامہ نابلسی علیہ الرحمۃ نے حدیقۂ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ میں لکھا ہے:

معناہ ان الارواح تعلم بترک اقامۃ الحرمۃ وبالاستہانۃ فتاذی بذلک[3]

یعنی قبر پر تکیہ لگانے سے جو اہلِ قبور کو ایذا ہوتی ہے اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ رُوحیں جان لیتی ہیں کہ اس نے ہماری تعظیم میں قصور کیا، لہٰذا ایذا پاتی ہیں۔

اور شیخ الہند علیہ الرحمۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

شاید کہ مراد آنست کہ رُوحِ وے ناخوش میدارد و راضی نیست بتکیہ کردن بر قبروے از جہت تضمن وے اہانت واستخفاف را بوے[4]

اس سے مراد غالباً یہ ہے کہ اس کی روح قبر پر تکیہ لگانے سے ناخوش ہوتی ہے کیونکہ اس میں اس کی توہین ہے۔

جب قبر پر تکیہ لگانے سے اہلِ قبور کی اہانت اور ان کی توہین اور ان کی ترک تعظیم ہوتی ہے، تو اس پر کھیتی کرنے سے اور اس پر مکان بنانے سے تو بطریقِ اولیٰ ان کی توہین ہوگی، اور ثالثاً یہ کہ ہم میاں معترض

---

[1] تبیین الحقائق فصل السلطان احق بصلٰوتہ مطبعۃ کبرٰی امیریۃ مصر ۱/۲۴۶

[2] رد المحتار بحوالہ الامداد باب صلٰوۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۹۹

[3] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النصف الثامن الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۵۰۵

[4] اشعۃ اللمعات باب الدفن فصل الثالث ؍؍ ؍؍ ؍؍ سکھر ۱/۶۹۹

نجدی شعار سے پوچھتے ہیں کہ تجھ کو کیسے معلوم ہوا کہ میّت بالکل مٹی ہوگئی ہے اور اس کی ہڈی بھی باقی نہیں رہی ہے۔ اس واسطے کہ قبر ابھی تک کھودی نہیں گئی ہے اور نہ میّت کے مٹی ہونے کا قرآن اور حدیث میں کوئی وقت مقرر ہوا ہے کہ اتنی مدّت کے بعد میّت کی ہڈیاں بھی مٹی ہوجاتی ہیں، بلکہ تجربے سے بارہا مشاہدہ ہوا ہے کہ کسی بہت پرانی بستی کے اطراف میں کوئی جگہ کھودی جائے تو اس میں قبور نکلیں جن میں ہڈیاں (بلکہ بعض کے ابدان) اب تک باقی صحیح وسلامت تھیں، کتنوں سے تین تین چار چار صدیوں کی قبور معلوم ہوتی تھیں تو بلا دلیل بلا ضرورت شرعی کے کسی ممنوع امر کا کسی مبہم روایت کی بنا پر مرتکب ہونا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اگر معترض پھر عود کرے اور کہے کہ بمبئی وغیرہ عظیم شہروں میں قبور کھود کر ان میں دُوسرے اموات دفن کیے جاتے ہیں، تو اگر قبور کھودنے سے اموات کی توہین ہوتی ہے تو ان شہروں میں یہ کام کیوں ہوتا ہے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ ان شہروں میں جگہ بہت تنگ ہے، قبرستانوں میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ میّت کے لیے الگ الگ قبر ہو، لہٰذا اس ضرورتِ شدیدہ سے یہ جائز ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات (بوقتِ ضرورت منع کردہ چیزیں بھی جائز ہوجاتی ہیں۔ت) قاعدۂ متفقہ ہے۔ کبیری شرح منیہ میں ہے:

ولایحفر قبرلدفن اٰخرمالم یبل الاول فلم یبق له عظم الّا عند الضرورۃ بان لم یوجد مکان سواہ[1] الخ۔

دوسرے مُردہ کو دفن کرنے کے لیے قبر نہ کھودی جائے جب تک پہلا مُردہ بوسیدہ نہ ہوجائے یہاں تک کہ اس کی ہڈیاں باقی نہ رہیں مگر بوقتِ ضرورت قبر کھودنا جائز ہے جبکہ اس کے بغیر کوئی دوسری جگہ میسر نہ ہو الخ(ت)

بالجملہ صورت مسئولہ میں قبور کو کھود کر ان پر مکانات بنانا ہمارے حنفی مذہب میں جائز نہیں اور بلا شبہہ وشک ایسا کرنے سے اہلِ قبور کی توہین ہوگی جو جائز نہیں ہے۔

ھذا ما عندی والعلم الاتم عند ربّی قالہ بفمه وامربرقمه العبد الفقیر محمد عمر الدین السنی الحنفی القادری الهزاروی عفا اللّٰه تعالٰی عنه۔

یہ میری تحقیق ہے اور علم کامل میرے رب کے پاس ہے، یہ فتوٰی بزبانِ خود کہا ہے اور اس کے لکھنے کا حکم دیا ہے بندۂ فقیر محمد عمر دین سنّی حنفی قادری ہزاروی نے (عفا اللہ تعالٰی عنہ)۔(ت)

جو کچھ مجیب لبیب نے لکھا ہے حق اور صواب ہے۔ چنانچہ خزانۃ الروایۃ میں ہے:

فی مفید المستفید عن مفاتیح المسائل

مفاتیح المسائل سے مفید المستفید میں ہے جب قبر

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۰۷

واذا صار المیت ترابا فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمۃ باقیۃ[1] انتھی۔

میں میّت گل کر مٹی بھی ہو جائے تب بھی اس کی قبر میں غیر کو دفن کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میّت کی تعظیم و حُرمت اب بھی باقی ہے انتہی (ت)

اور یہ بھی خزانۃ الروایۃ میں ہے:

لایجوز لاحد ان یبنی فوق القبور بیتا اومسجدا لان موضع القبر حق المقبور ولھذا لایجوز نبشہ[2] انتھی مختصرا۔

قبروں پر کسی کو گھر یا مسجد بنانا جائز نہیں کیونکہ قبر والی جگہ صاحبِ قبر کا حق ہے، اسی وجہ سے قبر کو کھودنا جائز نہیں ہے اھ مختصراً۔ (ت)

نمقہ الراجی الی رحمۃ ربہ الشکور عبدالغفور صانہ اللہ عن الآفات والشرور۔

اسے لکھا ہے اپنے رب شکور کی رحمت کے امیدوار عبدالغفور نے، اللہ تعالٰی اسے آفات اور برائیوں سے بچائے۔ (ت)

للہ در المجیب حیث اجاب فاجاد واصاب فیما افاد حررہ المسکین محمد بشیرالدین عفی عنہ۔

اللہ تعالٰی مجیب کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے عمدہ جواب دیا اور صحیح افادہ فرمایا، اسے لکھا ہے مسکین محمد بشیرالدین عفی عنہ نے۔ (ت)

اس فتوے کو دیکھا، فتوٰی صحیح ہے، جواب درست ہے۔

حررہ محمد عبدالرشید دہلوی عفی عنہ

الجواب صحیح (جواب صحیح ہے۔ ت)

محمد افضل المجید عفی عنہ

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الامداد ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۹۹

[2] خزانۃ الروایۃ

۱۳۱۷ الرسول قادری حنفی محمد عبد المقتدر مطیع

الجواب صحیح وصواب (جواب صحیح اور درست ہے۔ ت)
حررہ العبد المفتقر مطیع الرسول عبد المقتدر القادری البدایونی عفی عنہ۔

ذلک کذلک (یہ جواب بے مثال ہے۔ ت) محمد فضل احمد البدایونی عفی عنہ

۱۳۱۸ قادری محمد ابراھیم

المجیب مصیب (جواب درست ہے۔ ت)

بخش حنفی محمد حافظ

اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب (جواب درست دیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ ت)
محمد حافظ بخش المدرس بالمدرستہ المحمدیہ بلدہ بدایوں

محب احمد قادری عبد الرسول

صح الجواب (جواب صحیح ہے۔ ت)
حررہ عبد الرسول محب احمد عفی عنہ المدرس بالمدرستہ الشمسیۃ الکائنۃ بجامع بدایوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل الارض کفاتا ۝ و اکرم المومنین احیاء و امواتا ۝ و جعل موتھم راحۃً وسباتا ۝ وحرم اھانتھم تحریما بتاتا ۝ والصلوۃ والسلام علی من سقانا من فضلہ و فضلتہ ماء فراتا ۝ واعطانا فی کل محجۃ ابلج حجۃ نقضا واثباتا ۝ وابد تعظیم المؤمنین ابد الابدین ولم یوقت لہ میقاتا ۝ فجعلھم عظاما وان صاروا عظاما ۝ وحرم ایذاءھم ولو کانوا رفاتا ۝ وعلی الہ وصحبہ و

تمام تعریفیں اس اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے زمین کو جمع کرنیوالی بنایا، زندہ اور مُردہ مومنوں کو عزت بخشی اور ان کی موت کو سکون و آرام بنایا اور ان کی توہین کو قطعی طور حرام کیا، درود و سلام ہو اس ذات پر جس نے اپنے احسان اور بقیہ سے ہمیں خوب میٹھا پانی پلایا، اور ہر میدان میں ہمیں نقض و اثبات کے لیے بھاری حجت عطا فرمائی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مومنوں کو عزت بخشی اور اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہ فرمایا اور مومنوں کو عظمت والا بنایا اگرچہ وہ ہڈیاں ہوجائیں، اور ان کو ایذا دینا حرام کیا اگرچہ وہ ریزہ ریزہ ہوجائیں، اور آپ کے

اھلہ وحزبہ المکرمین عند اللہ جمیعا و اشتاتا۔ جزی اللہ المجیب خیرًا ویثیب۔

آل، اصحاب، اہل اور آپ کے گروہ پر جو عند اللہ مکرم ہیں اجتماعی و متفرق طور پر، اللہ مجیب کو جزائے خیر اور ثواب عطا فرمائے۔ (ت)

جامع الفضائل، قامع الرذائل، ماحی الفتن، حامی السنن، مولٰنا مولوی محمد عمرالدین جعلہ اللہ کاسمہٖ عمرالدین ولبسیہ ورعیہ عمرالدین کا جواب ناہج مناہج صواب کافی ووافی ہے، مگر بحکم المامور معذور بنظر تکثیر افاضہ دو وصل مفید کا اضافہ منظور۔ وصلِ اوّل اس بیانِ مجیب کی تائید وتصویب میں کہ قبورِ مسلمین کی تعظیم ضرور اور اہانت محظور، اور یہ کہ کیا کیا امور موجب ایذائے اصحابِ قبور۔ یہاں اگر سلسلۂ سخن میں بعض امور مذکورہ جواب کا اعادہ ہو تو غیر محذور کہ تکرر فرع موجب مزید تاکید واوقع فی الصدور ع

والمسک ماکررتہ یتضوع

وصلِ دوم میں احقاقِ مرام وازہاقِ اوہام وتبکیت مخطیان تجاریہ لیام، اور اس امر کا بیانِ کامل و تام کہ مقابر عام مسلمین میں کوئی وقفی مکان بنانا بھی حرام نہ کہ اپنی سکونت وآرام کا مقام، نیز روایت علامہ زیلعی کی تحقیقِ انیق۔ اس وصل میں دو فتوے فقیر کی نقل پر قناعت ہے کہ ان میں بحمد اللہ تعالٰی کفایت ہے، و باللہ التوفیق۔

وصلِ اوّل

عُلمائے کرام کا اتفاق ہے کہ مسلمان کی عزت مُردہ وزندہ برابر ہے۔ محقق علی الاطلاق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الاتفاق علٰی ان حُرمۃ المسلم میتا کحرمتہ حیا[1]۔

اس بات پر اتفاق ہے کہ مردہ مسلمان کی عزت وحرمت زندہ مسلمان کی طرح ہے۔ (ت)

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

کسر عظم المیت واذاہ ککسرہ حیا[2]
رواہ الامام احمد وابوداؤد وابن ماجۃ

مُردے کی ہڈی کو توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔ اسے امام احمد و

---

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲
[2] سنن ابی داؤد کتاب الجنائز آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۲

باسناد حسن عن اُمّ المؤمنین عائشۃ الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

وابوداؤد وابن ماجہ نے بسندِ حسن ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

یہ حدیث مسند الفردوس میں ان لفظوں سے ہے: سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

المیت یؤذیہ فی قبرہٖ مایؤذیہ فی بیتہٖ[1]۔

مُردے کو قبر میں بھی اس بات سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر میں اسے اذیت ہوتی۔

علامہ مناوی شرح میں فرماتے ہیں:

افادان حرمۃ المؤمن بعد موتہٖ باقیۃ[2]۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہُوا کہ مسلمان کی حُرمت بعد موت کے بھی ویسے ہی باقی ہے۔

سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اذی المؤمن فی موتہٖ کاذاہ فی حیاتہٖ[3]۔
رواہ ابی بکر بن ابی شیبۃ۔

مسلمان مُردہ کو ایذا دینا ایسا ہے جیسے زندہ کو۔ اسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

علماء فرماتے ہیں:

المیت یتاذی بمایتاذی بہ الحی[4]۔
کذا فی ردالمحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار۔

جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے مُردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں۔ جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ معتمد کتب میں مذکور ہے۔ (ت)

علامہ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اشعۃ اللمعات میں امام علامہ ابوعمر یوسف بن عبدالبر سے نقل فرماتے ہیں:

ازیں جا مستفاد میگردد کہ میت متألم میگردد بجمیع آنچہ متألم میگردد بداں حی ولازم اینست کہ متلذذ گردد بتمام آنچہ متلذذ میشود بداں زندہ[5]، انتہی۔

اس جگہ یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو درد پہنچتا ہے ان تمام سے مردہ کو بھی الم پہنچتا ہے، اور یہ لازم ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو لذت حاصل ہو ان سب سے میت کو بھی لذت حاصل ہوتی ہے انتہی۔ (ت)

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۷۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۹۹
[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۹۲۳۱ دارالمعرفۃ بیروت ۴/۱۵۵
[3] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی شیبہ فصل تأذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶
[4] ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۲۲۹
[5] اشعۃ اللمعات باب دفن المیت فصل ثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۹۶

یہاں تک ہمارے علماء نے تصریح فرمائی، قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس میں آدمیوں کو چلنا حرام ہے،

فی الشامیۃ عن الطحطاویۃ آخر کتاب الطہارۃ نصوا علی ان المرور فی سکۃ حادثۃ فیہا حرام[1]۔

آخر کتاب الطہارۃ شامی میں طحطاوی سے ہے علمائے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس پر چلنا حرام ہے۔

اور فرماتے ہیں:

"مقبرے کی گھاس (سبز) کاٹنا مکروہ ہے کہ جب تک وہ (گھاس سبز) تر رہتی ہے اللہ تعالٰی کی تسبیح کرتی ہے۔ اس (سبز گھاس) سے اموات کا دل بہلتا ہے اور ان پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، ہاں خشک گھاس کاٹ لینا جائز ہے مگر وہاں سے تراش کر جانوروں کے پاس لے جائیں، اور یہ ممنوع ہے کہ انھیں گورستان میں چرنے چھوڑ دیں۔"

فی جنائز رد المحتار یکرہ ایضا قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرۃ دون الیابس کما فی البحر والدرر وشرح المنیۃ وعللہ فی الامداد بانہ مادام رطبا یسبح اللہ تعالٰی فیونس المیت وتنزل بذکرہ الرحمۃ ونحوہ فی الخانیۃ انتہی[2]، وفی العلمگیریۃ عن البحر الرائق لوکان فیہا حشیش یحش ویرسل الی الدواب ولاترسل الدواب فیہا[3] اھ۔

ردالمحتار کے جنائز میں ہے کہ تر گھاس کا مقبرے سے کاٹنا مکروہ ہے خشک کا نہیں، جیسا کہ بحر، درر اور شرح منیہ میں ہے، اور امداد میں اس کی یہ وجہ بتائی گئی ہے کہ جب تک وہ تر رہتی ہے اللہ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذکر کی وجہ سے رحمت نازل ہوتی ہے، اور خانیہ میں بھی اسی طرح ہے انتہی، اور علمگیریہ میں بحر الرائق سے ہے کہ اگر قبرستان میں خشک گھاس ہو تو کاٹ کر لائی جاسکتی ہے مگر جانور اس میں نہ چھوڑے جائیں اھ۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کو مقابر میں جوتا پہنے چلتے دیکھا، ارشاد فرمایا:

"ہائے کم بختی تیری اے طائفی جوتے والے! پھینک اپنی جوتی۔"

---

[1] ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصریہ ۱/۲۲۹

[2] و [3] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۶۰۶

[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الرباطات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۷۱

اخرج الائمۃ ابوداؤد والنسائی والطحاوی وغیرھم عن بشیر بن الخصاصیۃ واللفظ للامام الحنفی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأی رجلا یمشی بین القبور فی نعلین، فقال ویحک یاصاحب السبتیتین الق سبتیتیک[1] اھ۔ السبتۃ بکسر المھملۃ وسکون الموحدۃ ھی التی لاشعر فیھا۔ قال القاضی عیاض کان من عادۃ العرب لبس النعال بشعرھا غیر مدبوغۃ وکانت المدبوغۃ تعمل بالطائف وغیرہ[2] الخ۔

ابوداؤد، نسائی اور طحاوی وغیرہم نے بشیر بن خصاصیہ سے روایت کی اور لفظ امام حنفی کے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جُوتیاں پہن کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: خرابی ہو تیری اے جُوتیوں والے اپنی جُوتیاں اتار دے۔ سبتہ مہملہ کے کسرہ اور سکون باء سے مراد وُہ چمڑا ہے جس میں بال نہ ہوں۔ قاضی عیاض نے فرمایا: عرب والے کچّے چمڑے کے مع بالوں کے جُوتے پہنا کرتے تھے اور پکائے ہوئے چمڑے کے جُوتے طائف وغیرہ میں بنائے جاتے تھے الخ۔

فاضل محقق حسن شرنبلالی اور ان کے استاذ علامہ محمد بن احمد حموی فرماتے ہیں "چلنے میں جو آوازِ کفش پا سے پیدا ہوتی ہے اموات کو رنج دیتی ہے"۔

حیث قال فی مراقی الفلاح اخبرنی شیخی العلامۃ محمد بن احمد الحموی الحنفی رحمہ اللہ تعالٰی بانھم یتاذون بخفق النعال انتہی[3] اھ۔ اقول وجھہ ماسیأتی عن العارف الترمذی رحمہ اللہ تعالٰی۔

اس لیے کہ مراقی الفلاح میں کہا کہ مجھے خبر دی میرے شیخ علامہ محمد بن احمد حموی حنفی رحمہ اللہ تعالٰی نے کہ مُردے جُوتیوں کی پہچل سے تکلیف محسوس کرتے ہیں اھ میں کہتا ہوں اس کی دلیل عنقریب عارف ترمذی سے منقول ہو کر آئے گی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ حتی تخلص الی جلدہ خیرلہ من ان یجلس علی قبر[4]۔ رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی

بیشک آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وُہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک توڑ جائے، اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے۔ اسے مسلم وابوداؤد و

---

[1] شرح معانی الآثار باب المشی بین القبور بالنعال ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۴۲

[2] تاریخ سبتۃ للقاضی عیاض

[3] مراقی الفلاح علی ھامش حاشیۃ الطحطاوی فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۲

[4] سنن ابی داؤد کتاب الجنائز آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۴

وابن ماجۃ عن سیدنا ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

نسائی وابن ماجہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

۔ عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں، مجھے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا، ارشاد فرمایا: او قبر پر بیٹھنے والے! قبر سے اُتر آ، صاحبِ قبر کو ایذا نہ دے، نہ وہ تجھے ایذا دے۔"

اخرج الطحاوی فی معانی الآثار والطبرانی فی المعجم الکبیر بسند حسن والحاکم وابن مندۃ عن عمارۃ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال رانی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جالسا علی قبر فقال یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب القبر ولا یؤذیک[1] ولفظ امام الحنفی فلا یؤذیک[2]۔

طحاوی نے معانی الآثار میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں بسندِ حسن اور حاکم اور ابن مندہ نے عمارہ بن حزم سے روایت کی کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اُتر اور قبر والے کو تکلیف نہ دے اور وہ تجھے تکلیف نہ دے۔ اور امام حنفی کے لفظ یہ ہیں فلا یؤذیک (پس وہ تجھے تکلیف نہ دے۔ ت)

اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی مسند میں یوں روایت کیا، عمرو بن حزم کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا:

لا تؤذ صاحب القبر[3] کما فی المشکوٰۃ قلت و ھذا الحدیث لا یلائم تاویل الامام ابی جعفر والنھی عن شیئ لاینا فی النھی عن اعم منہ فافھم۔

صاحبِ قبر کو ایذا نہ دے، جیسے مشکوٰۃ میں ہے۔ میں کہتا ہوں اس حدیث سے امام ابوجعفر کی تاویل مناسبت نہیں رکھتی ہے اور کسی چیز سے روکنا اس چیز سے عام کے روکنے کو مستلزم نہیں، تو غور کیجئے۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ شرح میں فرماتے ہیں:

شاید کہ مراد آنست کہ روح وے ناخوش می دارد وراضی نیست بہ تکیہ کردن بر قبر وے جہت تضمن وے اہانت واستخفاف را بوئے[4] اھ۔

شاید مراد یہ ہے کہ اس کی رُوح ناراض ہوتی ہے اپنی قبر پر تکیہ لگانے کی وجہ سے اہانت محسوس کرتی ہے۔ اھ

---

[1] شرح الصدور بحوالہ الطبرانی والحاکم وابن مندۃ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۹

[2] شرح معانی الآثار باب الجلوس علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۴۶

[3] مشکوٰۃ المصابیح باب دفن المیت فصل ثالث مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

[4] اشعۃ اللمعات باب دفن المیت نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹۹

اقول اس توجیہ پر امام علامہ محدث عارف باللہ حکیم الامۃ سیدی محمد بن علی ترمذی قدس سرہٗ نے جزم فرمایا۔ تصریح فرماتے ہیں کہ:

"ارواح کو ان کی بے حرمتی و تنقیصِ شان معلوم ہوجاتی ہے لہذا ایذا پاتی ہیں۔"

قال سیدی عبد الغنی فی الحدیقۃ عن نوادر الاصول معناہ ان الارواح تعلم بالترک اقامۃ الحرمۃ وبالاستھانۃ فتتأذی بذلک[1] اھ۔

سیدی عبد الغنی نے حدیقہ میں نوادر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: اس کے یہ معنی ہیں کہ ارواح اپنی اہانت و ذلت کو محسوس کرتی ہیں اور اس سے انھیں ایذا ہوتی ہے اھ

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان امشی علی جمرۃ او سیفٍ او اخصف نعلی برجلی احب الی من ان امشی علی قبر[2] رواہ ابن ماجۃ عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ واسنادہ جید کما افادہ المنذری۔

البتہ چنگاری یا تلوار پر چلنا یا جوتا پاؤں سے گانٹھنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی قبر پر چلوں۔ اسے ابن ماجہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اس کی سند عمدہ ہے جیسا کہ منذری نے افادہ کیا۔ (ت)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لان اطأ علی جمرۃ احب الی من ان اطأ علی قبر مسلم۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد حسن[3] قالہ امام عبد العظیم۔

بے شک مجھے آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ پیارا ہے مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھنے سے۔ اسے طبرانی نے معجم کبیر میں بسندِ حسن روایت کیا۔ جیسا کہ امام عبد العظیم نے کہا ہے۔ (ت)

ان ہی صحابی اجل سے کسی نے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا، فرمایا:

کما اکرہ اذی المؤمن فی حیاتہ فانی اکرہ اذاہ بعد موتہ[4]۔ اخرجہ سعید بن منصور

میں جس طرح مسلمان کی ایذا اس کی زندگی میں مکروہ جانتا ہوں یونہی بعد موت اس کی ایذا کو ناپسند

---

[1] حدیقہ ندیہ الصنف الثامن من الاصناف القسمۃ فی آفات الرجل مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۵۰۵

[2] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی النہی عن المشی علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

[3] الترغیب والترھیب الترھیب من الجلوس علی القبر الخ مصطفٰی البابی مصر ۴/۳۷۲

[4] شرح الصدور باب تأذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۲۶

فی سننه کما فی شرح الصدور۔

کرتا ہوں۔ اسے سعید بن منصور نے اپنی سنن میں بیان کیا جیسا کہ شرح الصدور میں ہے۔

اقول وھذہ الاحادیث تؤید ما اخترنا وتؤذن ان تاویل ابی جعفر رحمه الله تعالٰی لیس فی محله فبما فی عامة الکتب نأخذ لاعتضادھا بنصوص الاحادیث، ولانه علیه الاکثر وقد نصوا ان العمل بما علیه الاکثر، وانه لایعدل عن روایة ما وافقتها درایة فکیف اذا کان ھو الاشھر الاظھر الاکثر الانص وبھذا یضعف ما زعم العلامة البدر فی العمدة فتبصر۔

میں کہتا ہوں ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جو بات ہم نے اختیار کی ہے وہ درست ہے، اور ابوجعفر رحمہ اللہ تعالٰی کی تاویل برمحل نہیں۔ لہٰذا ہم وہ مسلک اختیار کرتے ہیں جو عام کتب میں ہے، کیونکہ اسے احادیث کی صراحت سے تقویت حاصل ہے، اور اس لیے بھی اکثر کا یہی قول ہے کیونکہ علماء نے صراحت کر دی ہے کہ عمل اس پر ہوگا جس پر اکثریت ہوگی اور یہ کہ اس روایت سے عدول نہیں کیا جاتا ہے جو درایت کے مطابق ہو، تو پھر اس سے عدول کا جواز کیا ہوگا جو اشہر، اظہر، اکثر اور واضح ہے، اور اسی سے علامہ بدر کا زعم عمدہ میں ضعیف قرار پاتا ہے، تو غور کیجئے۔

ان ہی احادیث سے ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے بے ضرورت[عہ] قبر پر چلنے اور اس پر بیٹھنے اور پاؤں رکھنے سے منع فرمایا کہ یہ سب حرمتِ مومن کے خلاف ترکِ ادب وگستاخی ہے،

ففی النوادر والتحفة والبدائع والمحیط وغیرھا

تو نوادر، تحفہ، بدائع اور محیط وغیرہ میں ہے کہ

عہ قولہ بے ضرورت، ضرورت کی صورت مثلاً قبرستان میں میت کے لیے قبر کھودنے یا دفن کرنے جانا چاہتے ہیں بیچ میں قبریں حائل ہیں اس حاجت کیلئے اجازت ہے پھر بھی جہاں تک بن پڑے بچتے ہوئے جائیں اور ننگے پاؤں ہوں، ان اموات کیلئے دعا واستغفار کرتے جائیں،

فی حاشیة العلامة الطحطاوی علی مراقی الفلاح عن شرح المشکوٰة الوطء لحاجة کدفن المیت لایکرہ اھ وعن السراج فان لم یکن له طریق الاعلی القبر جاز له المشی علیه للضرورة[1]۔ ۱۲ منہ

علامہ طحطاوی کے حاشیہ علی مراقی الفلاح میں شرح مشکوٰۃ سے ہے کہ ضرورت کے پیشِ نظر مثلاً میت کو دفن کرنے جانا ہو تو قبروں پر سے گزرنا مکروہ نہیں اھ اور سراج سے ہے کہ اگر قبر پر ہی گزرنے کا راستہ ہو تو اس پر چلنا ضرورتاً جائز ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۰

ان اباحنیفۃ کرہ وطء القبر والقعود او النوم او قضاء الحاجۃ علیہ[1] کذا نقل العلامۃ ابن امیر الحاج فی الحلیۃ۔

ابوحنیفہ نے قبر کا روندنا، بیٹھنا، سونا، اس پر قضائے حاجت کرنا مکروہ کہا ہے۔ اسی طرح ابن امیر الحاج نے حلیہ میں نقل کیا۔

اقول والکراھۃ عند الاطلاق کراھۃ تحریم کما صرحوا بہ مع ما یفیدہ من النھی الوارد فی الاحادیث معللا بالایذاء والایذاء حرام فھذا ما ندین اللہ تعالٰی بہ وان قیل وقیل۔

میں کہتا ہوں جب کراہت مطلق ہو تو مراد کراہتِ تحریم ہوتی ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے، پھر اس نہی سے بھی تائید ہوتی ہے جو احادیث میں ایذاء کی علت سے معلل وارد ہے اور ایذا حرام ہے، پس دیانتداری کی بات یہی ہے اب خواہ کوئی کچھ کہتا رہے۔

حاشیہ طحطاوی علی شرح نور الایضاح میں سراج وہاج سے ہے:

ان لم یکن لہ طریق الا علی القبر جاز لہ المشی علیہ للضرورۃ[2] اھ **اقول** وھذا ایضا دلیل علی ما اخترنا من کراھۃ التحریم فان المفہوم المخالف معتبر فی الروایات وکلام العلماء بالاتفاق فافاد ان المشی لایجوز بلا ضرورۃ وما لایجوز فادناہ کراھۃ التحریم۔

اگر قبر ہی سے راستہ ہو تو اس پر چلنا ضرورتاً جائز ہے۔ اھ **اقول** (میں کہتا ہوں۔ ت) اس سے بھی ثابت کہ ہمارا قول کراہتِ تحریمی کا درست ہے، کیونکہ مفہوم مخالف روایات اور کلام علماء میں بالاتفاق معتبر ہے، تو معلوم ہُوا کہ بلا ضرورت قبر پر چلنا ناجائز ہے اور جو ناجائز ہو اس کا ادنٰی درجہ مکروہِ تحریمی ہے۔

سیدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

قال الوالد رحمہ اللہ تعالٰی فی شرحہ علی الدرر ویکرہ ان یوطأ القبر لما روی عن ابن مسعود[3] الخ وذکر الاثر الذی رویناہ۔

والد صاحب نے درر کی شرح میں فرمایا کہ قبر کا روندنا مکروہ ہے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے الخ، پھر آپ نے وہی اثر ذکر کیا جو ہم روایت کرچکے ہیں۔

---

[1] بدائع الصنائع | فصل فی سنۃ الدفن | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۳۲۰
تحفۃ الفقہاء | باب الدفن وحکم الشہداء | دار الکتب العلمیۃ بیروت | ۲/۲۵۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح | فصل فی زیارۃ القبور | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی | ص ۳۴۰

[3] حدیقہ ندیہ | الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ فی آفات الرجل | نوریہ رضویہ فیصل آباد | ۲/۵۰۴

29

اور محیط سے نقل فرمایا:

یکرہ ان یطأ علی القبر یعنی بالرجل ویقعد علیہ[1] اھ قولہ یعنی بالرجل قلت فسرہ بذلك لئلا یحمل علی الجماع۔

قبر کو پیروں سے روندنا اور اس پر بیٹھنا مکروہ ہے اھ قلت پیروں سے روندنے کی تشریح اس لیے کر دی کہ جماع پر محمول نہ کیا جائے۔

اقول ویکرہ ایضًا بل اشد لما فیہ من زیادۃ الاستخفاف کالوطأ علی سطح المسجد مع الدلالۃ علی تناھی القلب فی تناسی الموت، فکان الحمل علی الوطأ بالرجل لیکون ادخل فی النھی عن الوطأ بمعنی الجماع بطریق دلالۃ النص لا لانہ غیر مکروہ ھکذا ینبغی ان یفھم۔ اور جامع الفتاوٰی سے لائے: انہ والتراب الذی علیہ حق المیت فلا یجوز ان یوطأ[2]۔ اور مجتبٰی سے لائے: ان المشی علی القبور یکرہ[3]۔ اور شرعۃ الاسلام و شرح شرعہ سے: من السنۃ ان لا یطأ القبور فی نعلیہ فان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یکرہ ذلك الخ[4] اور امام شمس الائمہ حلوانی سے: انہ قال یکرہ[5]۔ اور امام علی ترجمانی سے: قال یأثم بوطئ القبور لان سقف القبر حق المیت[6] اھ۔

اقول (میں کہتا ہوں۔ ت) جماع بھی مکروہ ہے بلکہ اس کی کراہت زائد ہے کیونکہ اس میں زیادہ توہین ہے جیسے مسجد کی چھت پر وطی کرنا، پھر اس میں موت کا بھول جانا بھی شامل ہے۔ لہذا پیروں سے روندنے پر محمول کرنا اس لیے ہے تاکہ جماع کی ممانعت پر بطریق دلالۃ النص دلالت کرے۔ یہ مطلب نہیں کہ وطی مکروہ نہیں، اس طرح سمجھنا چاہیے۔ اور جامع الفتاوٰی سے نقل کیا کہ یہ وُہ مٹی ہے جس پر میّت کا حق ہے لہذا اس کو روندنا جائز نہیں۔ اور مجتبٰی میں ہے: قبروں پر چلنا مکروہ ہے۔ شرعۃ الاسلام اور اس کی شرح میں ہے: سنّت یہ ہے کہ جُوتوں سمیت قبریں نہ روندی جائیں کیونکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسے مکروہ سمجھتے تھے۔ اور شمس الائمہ حلوانی نے کہا کہ یہ مکروہ ہے۔ اور امام علی ترجمانی سے ہے کہ قبروں کے روندنے سے گنہگار ہوگا کیونکہ قبر کی چھت میّت کا حق ہے۔

اقول وھذا نص علی ما اخترنا من کراھۃ التحریم اذ لا اثم فی المکروہ تنزیھا، لان مرجعہ الی خلاف الاولٰی، ولانہ

اقول (میں کہتا ہوں۔ ت) یہ بھی ہمارے اختیار کردہ قول کراہت تحریمہ کی صراحت کرتا ہے کیونکہ مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلافِ اولٰی ہے نیز

---

[1] و [2] و [3] حدیقہ ندیہ الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ فی آفات الرجل نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۰۴
[4] و [5] و [6] " " " " " " " " " " " ۲/ ۵۰۵

ربما تعمدہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیاناً للجواز والنبی معصوم عن تعمد الاثم ولان المؤثم لایجوز فلا معنی لبیان الجواز ولانهم صرحوا انه یجامع الاباحة کما فی اشربة رد المحتار ابی السعود ، والمعصیة لاتجامعها ولانهم یعبرون عنها بنفی الباس وای باس اعظم من الاثم ولان المؤثم واجب الترك وما وجب ترکه کان فعله مقارباً بالحرام وهذا معنی کراهة التحریم، ولانهم نصوا ان فاعل المکروه تنزیها لایعاقب اصلاً کما فی التلویح مع ما اعتقدنا ان اللہ تعالیٰ ان یعاقب علی کل جریرة ولو صغیرة فهذه بحمد اللہ تعالیٰ سبعة دلائل ناطقة بان ماوقع عن بعض[عه] ابناء الزمان فی رسالة شرب الدخان من ان المکروه تنزیها من الصغائر غلط فاحش وخطاء عظیم نعم قد صرح صاحب البحر فی بحره ان المکروه تحریما منها فتثبت ولا تخبط۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیانِ جواز کے لیے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے، اور گناہ میں مبتلا کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہوتا تو بیانِ جواز کے کیا معنی؟ پھر یہ اباحت کے ساتھ مجتمع ہوتا ہے جیسا کہ اشربہ رد المحتار میں ابی السعود سے ہے اور معصیت اباحت کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی ہے، پھر علماء اس کی تعبیر نفی باس سے کرتے ہیں اور گناہ سے بڑھ کر کون باس عظیم ہوگا، اور اس لیے کہ گنہگار بنانے والی چیز واجب الترک ہے اور جس چیز کا ترک واجب ہو اس کا فعل حرام کے قریب ہوگا اور یہی معنی کراہت تحریم کے ہیں، اور اس لیے بھی کہ فقہاء نے تصریح کردی ہے، کہ مکروہ تنزیہی کے فاعل پر بالکل گناہ نہ ہوگا جیسا کہ تلویح میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ چھوٹے سے چھوٹے جرم پر سزا دے سکتا ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہ سات دلائل ہیں جن سے معلوم ہوا کہ بعض ابنائے زمانہ[عه] نے رسالہ شرب الدخان میں مکروہ تنزیہی کو صغائر سے بتا کر فاحش غلطی اور خطاء عظیم کی ہے، البتہ صاحبِ بحر نے اپنی بحر میں تصریح کی ہے کہ مکروہ تحریمی صغائر سے ہے، پس اسے سمجھ اور دیوانہ نہ بن۔

نور الایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے:

فصل فی زیارة القبور ندب زیارتها من غیر ان یطأ القبور[1]

"فصل زیارتِ قبور کے بیان میں" زیارتِ قبور مستحب ہے مگر قبریں نہ روندی جائیں۔

[عه] هو المولوی عبد الحی اللکنوی ۱۲

[عه] وہ مولوی عبد الحی لکھنوی ہے ۱۲ (ت)

[1] مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی فصل فی زیارة القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۰

اسی میں ہے :

کرہ وطؤھا بالاقدام لما فیہ من عدم الاحترام، وقال قاضی خان لو وجد طریقا فی المقبرۃ وھو یظن انہ طریق احدثوہ لایمشی فی ذالك وان لم یقع فی ضمیرہ لاباس بان یمشی فیہ[1] اھ ملخصا۔

قبروں کو پیروں سے روندنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں بےحرمتی ہے۔ قاضی خاں نے کہا کہ اگر کسی شخص نے قبرستان میں کوئی راستہ دیکھا جس کے بارے میں اسے گمان ہے کہ یہ لوگوں نے نیا بنالیا ہے تو وہ اس پر نہ چلے اور اگر اس کے دل میں اس قسم کا خیال پیدا نہ ہو تو چلنے میں مضائقہ نہیں اھ ملخصاً۔

اقول وھذا ایضا دلیل ما اخترناہ فانہ علق نفی الباس ان لایقع فی قلبہ انہ طریق علٰی قبر فافاد وجود الباس فیما اذا وقع ذلك فی نفسہ وایضا قد تقدم التصریح بالحرمۃ عن الشامی والطحطاوی عن علمائنا رحمھم اللہ تعالٰی۔

اقول (میں کہتا ہوں۔ت) یہ بھی ہمارے قول کی دلیل ہے کیونکہ اس میں جواز کی صورت دل میں اس خیال کا نہ آنا ہے کہ یہ راستہ قبروں پر بنایا گیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اگر اس کے دل میں اس قسم کا خیال پیدا ہو تو پھر مضائقہ ہوگا، نیز شامی اور طحطاوی جو ہمارے علماء ہیں رحمہم اللہ تعالٰی اُن سے منقول شدہ حرمت کی تصریح پہلے گزر چکی ہے۔

علامہ سمعیل نابلسی حاشیہ درر و غرر میں فرماتے ہیں :

لاباس بزیارۃ القبور والدعاء للاموات ان کانوا مومنین[عہ] من وطئ القبور۔ کما فی البدائع والملتقط[2] اھ۔

قبروں کی زیارت اور مُردوں کے حق میں دُعا کرنے میں حرج نہیں بشرطیکہ قبریں نہ روندی جائیں، جیسا کہ بدائع اور ملتقط میں ہے۔

طریقہ محمدیہ میں ہے :

من اٰفات الرجل المشی علی المقابر[3] اھ۔

پیر کی آفتوں میں سے قبروں کا روندنا ہے۔اھ

امام علامہ محقق علی الاطلاق ان لوگوں پر اعتراض فرماتے ہیں جن کے اعزاء واقرباء کے گرد مخلوق دفن ہے،

عہ علٰی صیغۃ المفعول ای اٰمنین ۱۲ — مؤمنین صیغہ مفعول ہے یعنی جب وہ محفوظ رہیں ۱۲ (ت)

[1] مراقی الفلاح علٰی ہامش حاشیۃ الطحطاوی فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۲

[2] الحدیقۃ الندیۃ بحوالہ شرح الدرر الصنف الثامن فی آفات الرجل مکتبہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۰۵

[3] طریقہ محمدیہ الصنف الثامن فی آفات الرجل مطبع ہندو پریس دہلی ۲/ ۲۵۹

وہ ان قبروں کو روندتے ہوئے اپنے عزیزوں کی گور تک جاتے ہیں، انھیں چاہئے کنارِ گورستان سے زیارت اور دُعا کرلیں اور ان کی قبروں کے قریب نہ جائیں۔

فقد قال فی الفتح یکرہ الجلوس علی القبر و وطؤہ فما یصنعہ الناس ممن دفنت اقاربہ ثم دفن حوالیھم خلق من وطأ تلک القبور الی ان یصل الٰی قبر قریبہ مکروہ[1]۔

چنانچہ فتح میں کہا: قبر پر بیٹھنا اور اس کو روندنا مکروہ ہے تو وُہ لوگ جن کے رشتہ داروں کے گرد دوسروں کی قبریں ہوں ان کا ان قبروں کو روندنا اپنے قریبی رشتہ دار کی قبر تک پہنچنے کے لیے مکروہ ہے۔

امام محدّث حافظ الحدیث ابوبکر بن ابی الدنیا حضرت ابوقلابہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

اقبلت من الشام الی البصرۃ فنزلت الخندق فتطھرت وصلیت رکعتین باللیل ثم وضعت راسی علٰی قبر فنمت۔ ثم انتبھت فاذا بصاحب القبر یشتکی ویقول لقد اٰذیتنی منذ اللیلۃ[2] الخ۔

یعنی میں ملک شام سے بصرہ کو آتا تھا۔ رات کو خندق میں اُترا، وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو رہا، جب جاگا تو ناگاہ سُنا کہ صاحبِ قبر شکایت کرتا اور فرماتا ہے کہ تو نے رات بھر مجھے ایذا پہنچائی الخ۔

ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی دلائل النبوۃ میں حضرت عثمان نہدی سے وہ ایک تابعی سے راوی: "میں مقبرے میں گیا، دو رکعت پڑھ کر لیٹ رہا، خدا کی قسم! میں خوب جاگ رہا تھا کہ سُنا، صاحبِ قبر کہتا ہے: قم فقد اٰذیتنی[3] (اُٹھ کر تُو نے مجھے ایذا دی)"۔

امام حافظ ابن مندہ قاسم بن مخیمرہ سے راوی: "کسی شخص نے ایک قبر پر پاؤں رکھا، قبر سے آواز آئی: الیک عنی ولا تؤذنی[4] (اپنی طرف ہٹ (دُور ہو اے شخص میرے پاس سے) اور مجھے ایذا نہ دے)"۔

ذکرھما العلامۃ السیوطی فی شرح الصدور اقول وفیھما تائید لما علیہ عامۃ علمائنا خلافًا للامام ابی جعفر ومن تابعہ من

ان دونوں کو علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے شرح الصدور میں درج فرمایا **اقول** ان دونوں روایتوں میں اس کی تائید ہوتی ہے جس پر ہمارے عام علماء ہیں، بخلاف

---

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲
[2] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب ما ینفع المیت فی قبرہ خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۲۸
[3] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی الرجل الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۴۰
[4] شرح الصدور بحوالہ ابن مندہ عن القاسم بن مخیمرہ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶

بعض المتاخرین۔ امام ابوجعفر اور ان کے تابع بعض متاخرین کے۔

اور اس فقیر غفر اللہ تعالٰی لہٗ نے حضرت سیدی ابوالحسین نوری مدظلہ العالی سے سنا کہ ہمارے بلاد میں مارہرہ مطہرہ کے قریب ایک جنگل میں گنج شہیداں ہے، کوئی شخص اپنی بھینس لیے جاتا تھا، ایک جگہ زمین نرم تھی، ناگاہ بھینس کا پاؤں جا رہا، معلوم ہوا یہاں قبر ہے، قبر سے آواز آئی: "اے شخص! تو نے مجھے تکلیف دی، تیری بھینس کا پاؤں میرے سینے پر پڑا۔" فیھا قصۃ لطیفۃ تدل علٰی عظیم قدرۃ اللہ تعالٰی وعجیب صنعہ فی الشھداء (اس میں لطیف قصہ ہے جو شہداء کے بارے میں اللہ تعالٰی کی قدرت عظیمہ اور عجیب صناعی پر دلالت کرتا ہے۔ ت)

اب بحمد اللہ تعالٰی حکمِ مسئلہ مثل آفتاب روشن ہوگیا، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے قبر پر بیٹھنے اور اس سے تکیہ لگانے اور مقابر میں جوتا پہن کر چلنے والوں کو منع فرمایا، اور علماء نے اس خیال سے کہ قبور پر پاؤں نہ پڑے گورستان میں جو راستہ جدید نکالا گیا ہو اس میں چلنے کو حرام بتایا اور حکم دیا کہ قبر پر پاؤں نہ رکھیں بلکہ اس کے پاس نہ سوئیں، سنّت یہ ہے کہ زیارت میں بھی وہاں نہ بیٹھیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ بلحاظِ ادب پاس بھی نہ جائیں، دُور ہی سے زیارت کرآئیں اور قبرستان کی خشک گھاس اگر جانوروں کو کھلانا جائز فرمایا مگر یُوں کہ یہاں سے کاٹ کر لے جائیں نہ کہ جانوروں کو مقابر میں چرائیں اور تصریح فرمائی کہ مسلمان زندہ و مردہ کی عزّت برابر ہے، اور جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے مُردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں اور انھیں تکلیف دینا حرام، تو خود ظاہر ہُوا کہ یہ فعل مذکور فی السوال کس قدر بے ادبی و گستاخی و باعثِ گناہ اور استحقاق عذاب ہے۔ جب مکان سکونت بنایا گیا تو چلنا پھرنا بیٹھنا لیٹنا، قبور کو پاؤں سے روندنا، ان پر پاخانہ، پیشاب، جماع سب ہی کچھ ہوگا اور کوئی دقیقہ بے حیائی اور اموات مسلمین کی ایذا رسانی کا باقی نہ رہے گا والعیاذ باللہ رب العالمین۔

علماء فرماتے ہیں: جہاں چالیس مسلمان جمع ہوتے ہیں ان میں ایک ولی اللہ ضرور ہوتا ہے کما صرح بہ العلامۃ المناوی رحمہ اللہ تعالٰی فی التیسیر شرح الجامع الصغیر (جیسا کہ علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالٰی نے تیسیر شرح جامع صغیر میں تصریح کی۔ ت)

اور ظاہر ہے کہ مقابر مسلمین میں صدہا مسلمانوں کی قبریں ہوتی ہیں بلکہ خدا جانے ایک ایک قبر میں کس کس قدر دفن ہیں، تو بالضرورت ان میں بندگانِ مقبول بھی ضرور ہوں گے بلکہ اس امر کی اموات میں زیادہ امید ہے کہ بہت بندے خدا کے جو زندگی میں آلودہ گناہ تھے بعد موت پاک وطیب ہوگئے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: الموت کفارۃ لکل مسلم[1] موت کفارۂ گناہ ہے ہر سُنّی مسلمان کے لیے۔

؏ فائدہ جلیلہ: محاورۂ قرآن وحدیث میں مومن ومسلم خاص اہلسنت کو کہتے ہیں کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] شعب الایمان حدیث ۹۸۸۶ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۱۷۱

اخرجہ ابو نعیم والبیھقی فی شعب الایمان عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال السیوطی صححہ ابن العربی۔

اسے ابونعیم اور بیہقی نے شعب الایمان میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور علامہ سیوطی نے فرمایا کہ ابن عربی نے اس کی تصحیح کی۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ فاجر معلن کے فسق وفجور کا اس کی زندگی میں اعلان کیا جائے تاکہ لوگ اس سے احتراز کریں۔

اخرج ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ والترمذی فی النوادر والحاکم فی الکنی والشیرازی فی الالقاب وابن عدی فی الکامل والطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی السنن والخطیب فی التاریخ، کلھم عن الجارود عن بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اترعون عن ذکر الفاجر متی یعرفہ الناس اذکروا الفاجر بما فیہ یحذرہ الناس[1]۔

ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ میں اور ترمذی نے نوادر میں اور حاکم نے کنی میں اور شیرازی نے القاب میں اور ابن عدی نے کامل میں اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے سنن میں اور خطیب نے تاریخ میں، سب نے جارود سے، جارود نے بہز بن حکیم سے، انھوں نے اپنے باپ سے اور ان کے دادا نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی کہ کیا تم فاجر کا ذکر کرنے سے ڈرتے ہو، لوگ اسے کب پہچانیں گے، فاجر کی برائیاں بیان کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) زمانۂ نزولِ قرآنِ عظیم وارشادِ حدیث کریم میں صرف اہلِ حق اہلِ سنت وجماعت ہی تھے۔ اس زمان برکت نشان میں کسی بدمذہب ومبتدع کا ہونا محال تھا کہ بدمذہبی شبہہ وتاویل سے پیدا ہوتی ہے جسے یقین قطعی سے بدلنے والے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دنیا میں جلوہ فرما تھے۔ اگر شبہہ گزرتا حضور کشف فرماتے۔ شبہہ الا مانتا تو سُنّی ہوتا، نہ مانتا تو کافر ہو جاتا۔ یہ بیچ کی شق وہاں ممکن ہی نہ تھی ولہذا آیۂ کریمہ "ویتبع غیر سبیل المؤمنین" سے جب علماء نے حجیتِ اجماع پر استدلال کیا تصریح فرما دی کہ مبتدعین کا اتفاق اجماع میں ملحوظ نہیں کہ مومنین سے مراد اُمّتِ اجابت ہیں۔ مبتدعین اُمّتِ اجابت نہیں اُمّتِ دعوت ہیں۔ دیکھو توضیح وتلویح بحث اجماع وغیرہ۔ یہ فائدہ نفیسہ یاد رکھنے کا ہے کہ "انما المؤمنون اخوۃ" وغیرہا آیات واحادیث میں مومنین سے اہلسنت ہی مراد ہیں۔ انھیں کے باہم اتفاق واتحاد کا حکم ہے۔ ندوۃ خذلہا اللہ تعالٰی کی تعمیم اور تمام گمراہوں، بدمذہبوں سے اتحاد وداد کی تعلیم سب بے دینوں کی تکریم وتعظیم پر ان نصوص کو پیش کرنا محض بددینی اور ضلالت ہے والعیاذ باللہ تعالٰی ۱۲ منہ

---

[1] نوادر الاصول اصل ۹۶ فی ذکر الفاجر الخ دار صادر بیروت ص ۲۱۳

تاریخ بغداد ترجمہ ۳۷۴۵ و ۳۷۵۱ دار الکتاب العربی بیروت ۷/۲۶۲ و ۲۶۸ و ۱/۳۸۲

اور بعد موت کیسا ہی فاسق فاجر ہو اس کے بُرا کہنے اور اس کی بُرائیاں ذکر کرنے سے منع فرمایا کہ وہ اپنے کئے کو پہنچ گیا۔

اخرج الامام احمد والبخاری والنسائی عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لاتسبوا الاموات فانھم قد افضوا الی ماقدموا۔[1]

امام احمد، بخاری اور نسائی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے، فرمایا: "تم مُردوں کو بُرا نہ کہو کیونکہ اُنھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ اس کی جزا کو پہنچے"۔

واخرج ابوداؤد والترمذی والحاکم والبیہقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذکرو محاسن موتاکم وکفوا عن مساویھم[2] واخرج النسائی بسند جید عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتذکروا ھلکاکم الا بخیر۔[3]

اور ابوداؤد، ترمذی، حاکم اور بیہقی نے ابن عمر سے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ "تم اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کرو اور اُن کی برائیوں سے درگزر کرو"۔ اور نسائی نے بسند جید عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی اور انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کہ "تم اپنے مُردوں کو بھلائی سے ہی یاد کرو۔"

بعد اس اطلاع کے بھی اگر ایسے اشخاص اپنی حرکت سے باز نہ آئیں تو اب ان کی گستاخیاں عوام مومنین کے ساتھ ہی نہیں بلکہ حضرات اولیائے کرام کے ساتھ بھی ہوں گی، اور اشد و اعظم مصیبت اس کی جو اولیاء کی جناب رفیع میں گستاخ ہو۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:

من عادی لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب۔[4] رواہ الامام البخاری عن سیدنا ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو میرے کسی ولی سے دشمنی باندھے میں نے اس سے لڑائی کا اعلان کردیا۔ اسے امام بخاری نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اقول وکفی بالجامع الصحیح حجۃ وان کان فی قلب الذھبی ماکان۔

اقول دلیل کے طور پر جامع صحیح کا حوالہ کافی ہے اگرچہ مریب کے دل میں کچھ شک گزرے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماینہی من سب الاموات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۷
[2] سنن ابی داؤد باب فی النہی عن سب الموتٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۱۵
[3] سنن النسائی النہی عن ذکر الھلکٰی الا بخیر مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۲۲۲
[4] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب التواضع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۶۳

غرض ان لوگوں پر ضرور ہے کہ اپنے حالِ سقیم پر رحم کریں اور خدائے جبار قہار جل جلالہٗ کے انتقام سے ڈریں اور مسلمانوں کے اموات کو ایذا نہ پہنچائیں، آخر انہیں بھی اپنے امثال کی طرح ایک دن زمین میں جانا اور بیکس بے بس ہو کر پڑنا ہے۔ جیسا آج یہ لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں ویسا ہی اور لوگ کل ان کے ساتھ کریں گے۔

عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما تدین تدان[1]۔ اخرجہ ابن عدی فی الکامل عن ابن عمر واحمد فی المسند عن ابی الدرداء و عبدالرزاق فی الجامع عن ابی قلابۃ مرسلاً وھو عند الاٰخرین قطعۃ حدیث، قلت ولہ شواھد جمۃ، وھو من جوامع کلمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے: جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ اسے ابن عدی نے کامل میں ابن عمر سے، احمد نے مسند میں ابی الدرداء سے اور عبدالرزاق نے جامع میں ابو قلابہ سے مرسلاً روایت کیا ہے، اور آخری دو کے نزدیک یہ حدیث کا ٹکڑا ہے، قلت (میں کہتا ہوں) اس کے لیے شواہد کثیر ہیں اور یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جامع کلمات میں سے ہے (ت)

اللہ تعالٰی کی طرف شکوے کہ یہ بلا ان جاہلوں میں ان اجہلوں کی پھیلائی ہوئی ہے جنہوں نے اموات کو بالکل پتھر سمجھ لیا کہ مر گئے اور خاک ہوگئے۔ نہ اب کچھ سنیں نہ سمجھیں، نہ کسی چیز سے ایذا یا راحت پائیں اور جہاں تک بن پڑا قبورِ مسلمین کی عظمت قلوبِ عوام سے چھیل (سلب کر) ڈالی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

وصل دوم

تنقیحِ مقام وتفضیحِ اوہامِ نجدیہ لیام، نقل در فتوٰی فقیر غفرلہ ملک الانعام

فتوٰی اولٰی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ از کلکتہ امرتلا لین نمبر ۸ مرسلہ حاجی لعل خاں صاحب و بار دوم بلفظہٖ از کانپور بازار نیا گنج کمپنی دادو جی دادا بھائی سورتی، مرسلہ عبدالرحیم صاحب ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی اس مسئلے میں کہ ایک طرف چند پرانی قبریں پائی جاتی ہیں اور باقی ایک تہائی سطح میدان پڑا ہوا ہے اور وہاں کے عمر رسیدہ قریب اسّی سے سَو برس کے بزرگوں سے تحقیق کرنے پر وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ہوش سے ہم لوگوں کے جاننے میں کسی حصہ اس سطح زمین میں کوئی میت دفن نہیں ہوا ہے،

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عدی عن ابن عمر حدیث ۴۳۰۳۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۷۲

اس پر چند مسلمانانِ عالی ہمت نے اس تہائی خالی سطح زمین پر مدرسہ اور کتب خانہ بنانے کے لیے حاکمِ وقت سے درخواست کی تھی۔ تحقیق کرنے کے بعد کہ وہاں کوئی قبر نہیں ہے، حاکم نے اجازت دے دی۔ ان حضرات نے مدرسہ و کتب خانہ بنانے کے لیے تمام سامان فراہم کیا ہے۔ اس صورت میں ایسے مقام پر مدرسہ و کتب خانہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور مدرسہ کی نیو (بنیاد) کھودتے وقت اگراحیاناً وہاں مُردے کی بوسیدہ ہڈی نکلے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

وقف کی تبدیل جائز نہیں۔ جو چیز جس مقصد کے لیے وقف ہے اسے بدل کر دوسرے مقصد کے لیے کردینا روا نہیں۔ جس طرح مسجد یا مدرسہ کو قبرستان نہیں کرسکتے یونہی قبرستان کو مسجد یا مدرسہ یا کتب خانہ کر دینا حلال نہیں۔

سراج وہاج پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لایجوز تغیر الوقف عن ھیأتہ فلا یجعل بستانا ولا الخان حماما ولا الرباط دکانا الا اذا جعل الواقف الی الناظر ما یری فیہ مصلحۃ الوقف[1] اھ

وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں لہذا گھر کا باغ بنانا اور سرائے کا حمام بنانا اور رباط کا دکان بنانا جائز نہیں، ہاں جب واقف نے نگہبان پر معاملہ چھوڑ دیا ہو کہ وہ ہر وہ کام کر سکتا جس میں وقف کی مصلحت ہو تو جائز ہے اھ

قلت فاذا لم یجز تبدیل الھیأۃ فکیف بتغییر اصل المقصود۔

میں کہتا ہوں (ت) جب ایک ہیئت کی تبدیلی جائز نہیں تو اصل مقصود کی تغیر کیونکر جائز ہوگی!

اور اس پارہ قبرستان میں سو برس سے کوئی قبر نہ ہونا اسے قبرستان ہونے سے خارج نہیں کرسکتا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول مفتٰی بہ پر تو واقف کے صرف اتنا کہنے سے کہ میں نے یہ زمین دفنِ مسلمان کیلئے وقف کی یا اس زمین کو مقبرہ مسلمین کردیا، وہ تمام زمین قبرستان ہوجاتی ہے اگرچہ ہنوز ایک مُردہ بھی دفن نہ ہُوا، اور امام محمد کے قول پر ایک شخص کے دفن سے ساری زمین قبرستان ہوجاتی ہے۔

اسعاف پھر ردالمحتار میں ہے:

تسلیم کل شیئ بحسبہ ففی المقبرۃ بدفن واحد وفی السقایۃ بشربہ وفی الخان

ہر چیز کا سپرد کرنا اس کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے تو مقبرے میں ایک شخص کو دفن کرنا ہے اور سقایہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

بنزولہ[1] ۔ میں ایک گھونٹ پانی پینا ہے اور سرائے میں اترنا ہے۔

ہدایہ و ہندیہ میں ہے:

وعند ابی یوسف رحمہ اللّٰہ تعالٰی یزول ملکہ بالقول کما ھو أصلہ، وعند محمد رحمہ اللّٰہ تعالٰی اذا استقی الناس من السقایۃ وسکنوا الخان والرباط ودفنوا فی المقبرۃ زال الملك ویکتفی بالواحد لتعذر فعل الجنس کلہ وعلی ھذا البئر والحوض[2]۔

اور ابو یوسف کے نزدیک اس کی ملک کہنے سے زائل ہوجائیگی جیسی کہ یہ وقف کی اصل ہے اور امام محمد کے نزدیک جب لوگ سقایہ سے سیراب ہوں اور سرائے اور رباط میں رہیں، اور مقبرہ میں دفن کریں تو ملک زائل ہوجائیگی اور ایک پر اکتفار کیا جائے گا کیونکہ تمام جنس کا فعل متعذر ہے اور کنویں اور حوض کا حکم بھی ایسا ہی ہے۔

درمنتقی اور شامی میں ہے:

قدم فی التنویر والدرر والوقایۃ وغیرھا قول ابی یوسف وعلمت ارجحیتہ فی الوقف و القضاء اھ[3]۔

تنویر، درر اور وقایہ وغیرہا میں ابو یوسف کا قول مقدم رکھا اور تم اس کی ارجحیت وقف اور قضا میں جان چکے ہو۔

پس صورتِ مستفسرہ میں وہاں مدرسہ وکتب خانہ بنانا ہی جائز نہیں اگرچہ مُردے کی ہڈی نہ نکلے، اور نکلنے کی حالت میں ممانعت اور اشد ہوجائے گی کہ قبرِ مسلم کی بے حُرمتی ہُوئی کما بیناہ فی الامر باحترام المقابر (جیسا کہ ہم نے اسے رسالہ الامر باحترام المقابر میں بیان کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

فتوٰی ثانیہ

مسئلہ از کانپور مسجد رنگیاں، مرسلہ مولوی شاہ احمد حسن صاحب مرحوم بوساطت جناب مولانا مولوی وصی احمد صاحب ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

بخدمت سراپا برکت مولنا مولوی صاحب مجدد مائۃ حاضرہ، صاحب حجتِ قاہرہ، امام جماعتِ عالم سنت مولنا وسیدنا المولوی محمد احمد رضا خاں صاحب تمت فیوضاتہم وعمت سکنۃ المشارق والمغارب، السلام علیکم

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۰۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۵

[3] ردالمحتار کتاب الوقف مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۰۵

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کانپوری مولوی احمد حسن صاحب سے ملاقات ہوئی، کہتے تھے کہ بالفعل ایک اشد ضرورت ہے وہ یہ کہ جامع العلوم والوں نے ایک فتوٰی لکھا، مستفتی میرے پاس لایا، میں نے ان کے خلاف جواب لکھا۔ جامع العلوم والوں نے اس کو دیوبند بھیجا۔ انھوں نے اپنے ہم مذہبوں کے جواب کی تصدیق کی۔ مستفتی پھر میرے پاس آیا کہ اب میں کس کے قول پر عمل کروں، میں نے کہا کہ جو فیصلہ حکم کرے اُس پر عمل کرو۔ حضرت مولٰنا سے بڑھ کر حکم کون ہے، لہٰذا اصل استفتاء کو اپنے ہمراہ لیتے جاؤ اور مولانا سے جواب لکھوالاؤ اور فوراً روانہ کردو۔ چونکہ میرا ارادہ حاضری کا تھا، میں نے استفتاء لے لیا اور اتفاق کہ میں حاضر نہ ہوسکا، اور یہ بہت ضروری ہے لہٰذا اس عریضے میں ہمراہ سید عبدالشکور صاحب حاضر خدمت کرتا ہوں، اسی وقت فیصلہ لکھ دیجئے اور سید صاحب ہی کے ہمراہ واپس فرمائیے کہ میں روانہ کردوں، مولوی احمد حسن صاحب انتظار میں ہوں گے۔

نقل استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک سطح وقف زمین کہ قبرستان کے نام سے مشہور ہے جس کی ایک طرف چند پرانی شکستہ قبریں پائی جاتی ہیں الخ بعینہٖ سوال آمدہ از کلکتہ امرتلا لین واز کانپور بازار نیا گنج، ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ کہ عنقریب فتاوٰی میں گزرا۔

جواب اہل مدرسہ جامع العلوم

ایسے مقام پر کتب خانہ اور مدرسہ بنانا جائز ہے لعدم المانع (کہ مانع معدوم ہے۔ ت) اور اگر بوسیدہ ہڈی اتفاقی طور پر نکل آئے تو اس کو کہیں دفن کردے۔

وقال الزیلعی ولوبلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ[1] اھ شامیۃ ص ۵۹۹ واللہ اعلم۔

امام زیلعی نے فرمایا اگر میت بوسیدہ ہوکر مٹی ہوجائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا اور اس کی قبر پر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے اھ شامیہ ص ۵۹۹ واللہ اعلم (ت)

الاحقر محمد رشید مدرس دوم مدرسہ جامع العلوم کانپور

محمد رشید دو عالم ز فیض		
۱۳	ھ	۱۳

من اجاب فقد اصاب (جو جواب دیا گیا درست ہے۔ ت) محمد عبداللہ عفی عنہ

---

[1] ردالمحتار مطلب فی الدفن داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۹۹

هذا الجواب غیر صحیح لانه مخالف لعبارۃ الفقہاء۔

یہ جواب نادرست ہے کیونکہ یہ فقہاء کی عبارات کے خلاف ہے (ت)

محمد عبدالرزاق مدرس مدرسہ امداد دارالعلوم کانپور

محمد عبدالرزاق

خلاصۂ جواب جناب مولوی احمد حسن صاحب

صورتِ مسئولہ میں اس مقام پر کتب خانہ و مدرسہ بنانا ناجائز ہے اس لیے کہ یہ جگہ جب مقبرے کے نام سے مشہور اور وقف ہے تو شرعًا یہ مقبرہ سمجھا جائے گا اور اس مقبرے کے لیے یہ زمین وقف ہوگی اور اس کی شہرت اس کے ثبوت کے لیے دلیل کافی ہے۔ درمختار میں ہے:

تقبل فیہ الشھادۃ بالشھرۃ الخ[1] ملخصًا (اس میں شہرت کی بنا پر شہادت قبول کی جاتی ہے الخ۔ ت)

اسی طرح ردالمحتار میں ہے عالمگیریہ میں ہے:

الشھادۃ علی الوقف بالشھرۃ تجوز الخ[2] (وقف پر شہادت شہرت کی بنا پر جائز ہے الخ۔ ت)

اور اس کے مندرس ہوجانے سے دوسرا کوئی نفع لینا درست نہ ہوگا۔ قاضی خاں مطبوعہ مصر جلد ثالث ص ۳۱۴ پر ہے:

مقبرۃ قدیمۃ بمحلۃ لم یبق فیھا اثار المقبرۃ ھل یباح لاھل المحلۃ الانتفاع بھا قال ابونصر رحمہ اللہ تعالٰی لایباح[3]۔

ایک محلے میں پرانا قبرستان ہے جس کے نشانات باقی نہیں رہے، کیا اہلِ محلہ اس سے نفع حاصل کرسکتے ہیں؟ ابونصر رحمہ اللہ تعالٰی نے کہا کہ مباح نہیں ہے۔

عالمگیری جلد ثانی مطبوعہ مصر صفحہ ۴۷۰ و ۴۷۱:

سئل القاضی الامام شمس الائمۃ محمود الاوزجندی عن المقبرۃ اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر الموتی لا العظم ولاغیرہ ھل یجوز زرعھا واستغلالھا قال لا ولھا

قاضی امام شمس الائمہ محمود اوزجندی سے ایسے قبرستان کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کے نشانات مٹ گئے ہوں اور اس میں ہڈیاں تک نہ رہی ہوں کیا اس میں کھیتی باڑی کرنا اور اسے کرائے پر دینا جائز ہے؟

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ " الفصل الثانی فی الشھادۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۸

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المقابر والرباطات ۴/ ۷۲۵

حکم المقبرۃ۔ کذا فی المحیط[1]

فرمایا: نہیں، وُہ قبرستان کے حکم میں ہے۔ جیسا کہ محیط میں ہے۔

نہ عدم جواز انتفاع بالمقبرہ امام زیلعی کی اس عبارت ہی کے خلاف ہے اس لئے کہ انھوں نے "جواز" میّت کے بوسیدہ اور خاک ہوجانے پر مرتب فرمایا ہے، اور یہاں عدم جواز اس وجہ سے نہیں بلکہ بسبب مقبرے کے وقف ہونے میں ہے، جیسا کہ مصحح نے عالمگیریہ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے، عبارت منقولہ عالمگیریہ پر یہ عبارت لکھی ہے:

قولہ قال لاھذا لاینافی ماقالہ الزیلعی، لان المانع ھنا کون المحل موقوفا علی الدفن فلا یجوز استعمالہ فی غیرہ فلیتامل ولیحرر اھ مصححہ[2]

ان کا قول "انھوں نے کہا نہیں" یہ زیلعی کے قول کے منافی نہیں کیونکہ یہاں مانع محل کا دفن کے لیے موقوف ہونا ہے تو اس کا استعمال غیر میں جائز نہیں، غور کرنا چاہیے اور اسے محفوظ کرنا چاہیے اھ مصحح۔

اور مسائل سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ غیر جنس کی طرف وقف جائز نہیں۔ عالمگیریہ جلد ثانی ص ۴۷۸ میں ہے:

سئل شمس الائمۃ الحلوانی عن مسجد اوحوض خرب لایحتاج الیہ لتفرق الناس ھل للقاضی ان یصرف اوقافہ الی مسجد اٰخر اوحوض اٰخر۔ قال نعم، ولولم یتفرق الناس ولکن استغنی الحوض عن العمارۃ وھناک مسجد محتاج الی العمارۃ اوعلی العکس ھل یجوز للقاضی صرف وقف ما استغنی عن العمارۃ الی عمارۃ ماھو محتاج الی العمارۃ فقال لا، کذا فی المحیط[3]۔

شمس الائمہ حلوانی سے مسجد یا حوض کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ویران ہوں اور ان کی ضرورت نہ رہی ہو کیونکہ وہاں آبادی نہیں رہی، کیا قاضی اس کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دُوسرے حوض میں صرف کرسکتا ہے؟ فرمایا: ہاں اور اگر لوگ وہیں رہتے ہوں مگر اس حوض کی ضرورت نہ رہی ہو اور وہاں مسجد عمارت کی محتاج ہو یا بالعکس تو کیا قاضی اس وقف کی آمدنی جس کی ضرورت نہ ہو دوسرے محتاج وقف کی تعمیر پر خرچ کرسکتا ہے؟ تو فرمایا نہیں۔ محیط میں اسی طرح ہے۔

لہذا اس زمین میں جو دفن کے لیے وقف ہو مدرسہ وغیرہ بنانا جائز نہ ہوگا گو خالی ہی کیوں ہو۔ اور دوسرے اس کا خالی ہونا فقط اتنی شہادت سے کہ ہماری عمر میں ہمارے علم میں کوئی میّت دفن نہ کی گئی، ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۴۷۰-۴۷۱

[2] حاشیۃ فتاوٰی ہندیۃ " " " " " ۲ /۴۷۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثالث عشر فی الاوقاف الخ " " " ۲ /۴۷۸

بلکہ اس قدیم مقبرے کا پُر ہونا سمجھا جاتا ہے کہ جب دو تہائی زمین میں قبریں اس قدر پُرانی ہیں کہ سَو برس کے لوگوں کے ہوش سے قبل کی ہیں تو ایک ثلث میں اس سے بھی پہلے کی ہوں گی اور وُہ بالکل منہدم ہوگئی ہوں اور زمین صاف معلوم ہوتی ہو زمین بھر جانے کی وجہ سے دفن کرنا چھوڑ دیا گیا ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص بیان کرے کہ جب سے یہ زمین مقبرے کے لیے وقف ہُوئی کوئی میّت اس تہائی میں نہ دفن کی گئی تو البتہ خالی ہونا ثابت ہو سکتا ہے پھر بھی مدرسہ وغیرہ سوائے دفن کے دُوسرے کام میں لانا ناجائز ہے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

کتبہ عبدہ العاصی فضل الٰہی عفی عنہ

وھذا الجواب صحیح (یہ جواب صحیح ہے۔ ت) کتبہ عبدالرزاق عفی عنہ

الجواب الثانی صحیح (جواب ثانی صحیح ہے۔ ت) کتبہ احمد حسن عفی عنہ

جواب مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ دیوبندیاں

الجواب

یہ جواب صحیح نہیں ہے اور مجیب صاحب نے جو روایت نقل کی ہے اس سے بھی مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ الاصل وُہ قبرستان وقف نہیں ہے تو کچھ کلام نہیں ہے، اور قبرستان کو جو وقف مشہور کر دیتے ہیں یہ سب جگہ جاری نہیں۔ اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ گورستان وقف نہیں ہوتا اور بعد تسلیم اس بات کے کہ وُہ وقفی ہے اس صورت میں کہ وہاں دفن اموات کا ایک مدّتِ دراز سے بند ہے تو اس میں دوسرا امکان وقفی بنا دینا درست ہے، لہٰذا مدرسہ وقفی بنانا اس گورستان میں جائز ہے، چنانچہ اس روایت سے واضح ہے، یعنی عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۵۹:

فان قلت ھل یجوز ان تبنی المساجد علی قبور المسلمین قلت قال ابن القاسم لوان مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیھا مسجدا لم ار بذالك باسا، و ذالك لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاھم لایجوز لاحد ان یملکھا فاذا درست واستغنی عن الدفن فیھا جاز صرفھا الی المسجد لان المسجد ایضا وقف من اوقاف المسلمین لایجوز

اگر تم کہو، کیا مسلمانوں کی قبروں پر مساجد کا بنانا جائز ہے؟ میں کہوں گا: ابنِ قاسم نے کہا اگر مسلمانوں کا کوئی قبرستان ختم ہو جائے اور وہاں کچھ لوگ مسجد بنالیں تو میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا، کیونکہ قبرستان بھی مسلمانوں کا ایک وقف ہے ان کے مُردوں کو دفن کرنے کے لیے، کسی کے لیے اس کا مالک بننا جائز نہیں۔ اب جبکہ وہ مِٹ گیا اور اس میں دفن کی ضرورت نہیں رہی تو اسے مسجد کے استعمال میں لانا جائز ہُوا کیونکہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے کسی کو اس کا

تملیکہ لاحد فمعناھما علی ھذا واحد۔[1] مالک بنانا جائز نہیں لہٰذا ان دونوں کا مقصد ایک ہے۔

اور کتبِ فقہیہ میں بھی روایاتِ جواز موجود ہیں مگر بندے کو مہلت نہیں، فقط،

واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

رشید احمد ۱۳۰۱ھ

الجواب صحیح۔ بندہ محمود عفی عنہ

الجواب صحیح۔ بندہ مسکین محمد یٰسین عفی عنہ

محمد یٰسین عفی عنہ

الجواب صحیح۔ غلام رسول عفی عنہ

جبکہ وہ مقبرہ نہایت کہنہ ہے اور اس وقت دفن کرنا وہاں متروک ہوگیا ہے تو بناءِ مدرسہ اس جگہ میں خصوصًا حصّہ خالی میں درست ہے، البتہ اگر وہ مقبرہ فی الحال دفنِ اموات میں کام آتا ہو تو کوئی اور بناء اس میں درست نہیں ہے۔

قال فی علمگیریۃ ولوبلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ۔ کذا فی التبیین۔[2]

علمگیریہ میں ہے کہ اگر میت پرانی ہوجائے اور مٹی ہوجائے تو دوسرے کو اس قبر میں دفن کرنا جائز ہے اور اس میں کھیتی کرنا اور اس پر عمارت بنانا بھی جائز ہے جیسا کہ تبیین میں ہے۔

فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ

فتوکلی علی العزیز الرحمٰن

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

جواب اوّل غلط صریح، اور حکم ثانی حق وصحیح اور تحریر ثالث جہلِ قبیح ہے۔

گنگوہی صاحب کا بے محل شقشقہ

اوّلًا سوال میں صاف تصریح تھی کہ "ایک سطح وقف زمین"، پھر مجیب سوم کی تشقیق کہ "اگر وہ قبرستان نہیں" الخ محض شقشقہ بے معنی ہے۔

وقف میں شہرت کافی ہے اور گنگوہی صاحب کی جہالت

ثانیًا قبرستان کو جو وقف مشہور کردیتے ہیں یہ سب جگہ جاری نہیں، اس لیے کا مشارٌ الیہ شہرت ہے

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب ھل تنبش قبور المشرکین الخ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۴/ ۱۷۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السادس فی القبر والدفن نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۷

یا واقفیت، اوّل صحیح ہے مگر مہمل ونذائے بے محل، سوال اس صورتِ خاصہ سے ہے جہاں شہرت موجود ہے، اس پر حکم کے لیے ہر جگہ شہرت کیا ضرور، یوں ہی دوم بھی اگر مقصود سلب واقفیت بحال انتفائے شہرت ہو، اور ان ہی دونوں صورتوں میں یہ قول کہ "اکثر جگہ دیکھا گیا کہ گورستان وقف نہیں ہوتا" رُو بصحت رکھتا ہے، اگرچہ کثیر واکثر میں فرق نہ کرنا ضیق نطاق بیان اور اگر نفی واقفیت شہرت مراد تو محض مردود ظاہر انفساذ اور اب وُہ شہادت مشاہدۂ اکثر بلاد صراحۃً حکایت بے محکی عنہ ہے۔ متون وشروح وفتاوائے مذہب میں تصریحات جلیہ ہیں کہ شہرت مثبت واقفیت ومسوغ شہادت ہے۔

کلام مجیب دوم سلمہ میں بھی اس کی بعض نقول منقول، پھر باوصف تسلیم دلیل شرعی نفی مدلول جہل قطعی، یہاں شہادت شہرت کو نہ ماننا نہ اسی مقبرے بلکہ عامہ اوقاف قدیمہ کو یکسر مٹا دینا ہے طول عہد کے بعد شہود معاینہ کہاں، اور مجرد خط حجت نہیں۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایعمل بمجرد الدفتر ولا مجرد الحجۃ لما صرح بہ علماؤنا من عدم الاعتماد علی الخط وعدم العمل بہ کمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ الماضین وانما العمل فی ذلک بالبینۃ الشرعیۃ۔[1]

صرف تحریر پر عمل نہ ہوگا اور نہ صرف دلیل پر کیونکہ ہمارے علماء نے تصریح کردی ہے کہ خط پر اعتماد نہیں اور اس پر عمل نہیں، جیسے وہ وقف نامہ جس پر گزشتہ قاضیوں کی تحریریں ہوں۔ اس معاملے میں شرعی گواہوں پر ہی عمل ہوگا۔

اسی میں ہے:

کتاب الوقف انما ھو کاغذ بہ خط وھو لایعتمد علیہ ولا یعمل بہ کما صرح بہ کثیر من علمائنا والعبرۃ فی ذالک للبینۃ الشرعیۃ و فی الوقف یسوغ للشاھد ان یشھد بالسماع ویطلق ولا یضر فی شھادتہ قولہ بعد شھادتہ لم اعاین الوقف ولکن اشتھر عندی او اخبرنی بہ من اثق بہ۔[2]

وقف کی تحریر تو ایک کاغذ ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عمل کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ہمارے بہت سے علماء نے تصریح کی ہے، اعتبار اس معاملہ میں شرعی گواہوں کا ہے اور وقف میں گواہ کے لیے جائز ہے کہ سُن کر گواہی دے اور اطلاق رکھے اور اس کی شہادت میں ادائے شہادت کے بعد یہ کہنا کہ میں نے وقف کا معاینہ نہیں کیا، لیکن میرے نزدیک مشہور ایسا ہی ہے یا مجھے قابلِ اعتماد شخص نے خبر دی ہے کچھ مضر نہیں۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۱۸

[2] " " " ۱/۲۰۳

ab agar shuhrat —

اب اگر شہرت بھی مقبول نہ ہو تو ہزاروں وقف سوا اس کے کہ محض بے ثبوت و باطل قرار پائیں اور کیا نتیجہ ہے۔

30

وقف میں تبدیلی حرام ہے اور گنگوہی صاحب کی سفاہت

ثالثًا مقبرے کے لیے وقف تسلیم کرکے اس میں مدرسہ وغیرہ دوسرے مکان وقفی بنانے کو درست بتانا ظلم واضح وجہل فاضح ہے کہ اس میں صراحۃً تغیر وقف ہے اور وہ حرام ہے حتی کہ متولی بھی جو وقف پر ولایت رکھتا ہے نہ کہ اجنبی حتی کہ علمائے تغیر ہیأت کی بھی بے اذن واقف اجازت نہ دی نہ کہ تغیر اصل وقف۔ عقود الدریہ میں ہے:

لایجوز للناظر تغیر صیغۃ الواقف کما افتی بہ الخیر الرملی والحانوتی وغیرھما۔[1]

وقف کے نگہبان کے لئے واقف کے صیغے کی تبدیلی جائز نہیں، جیسا کہ خیر رملی اور حانوتی وغیرہما نے فتوٰی دیا ہے۔

سراج الوہاج وہندیہ میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ فلا یجعل الدار بستانا ولا الخان حماما ولا الرباط دکانا الا اذا جعل الواقف الی الناظر مایری فیہ مصلحۃ الوقف۔[2]

وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں، لہذا گھر کو باغ اور سرائے کو حمام اور رباط کو دکان بنانا جائز نہیں، ہاں واقف نے اگر نگرانِ وقف کو اجازت دے رکھی ہے کہ وُہ ہر وہ کام کرسکتا ہے جس میں وقف کی مصلحت ہو تو ٹھیک ہے۔

فتح القدیر و ردالمحتار و شرح الاشباہ للعلامۃ البیری میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیہ دون زیادۃ اخری۔[3]

وقف کو اپنی اصلی حالت پر باقی رکھنا واجب ہے بغیر اس کے کہ اس پر کوئی دوسری زیادتی کی جائے۔ (ت)

وقف کرنے کے لئے مالک ہونا شرط ہے، شئی ایک بار وقف ہوکر دوبارہ وقف نہیں ہوسکتی
(اور گنگوہی صاحب کی ناواقفی)

رابعًا مدرسہ یا کتب خانہ یا کوئی مکان کیا خالی دیواروں کا نام ہے۔ ہر عاقل ادنٰی عقل والا بھی جانتا ہے کہ زمین ضرور اس میں داخل، تنہا دیواروں کو بناء و عملہ کہتے ہیں، نہ بیت و خانہ ومدرسہ جائے درس،

---

[1] العقود الدریۃ لایجوز للناظر تغیر الوقف حاجی عبدالغفار و پسران قندھار افغانستان ۱/ ۱۱۵
[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰
[3] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

محلِ درس زمین ہے یا دیواروں پر بیٹھ کر درس ہوگا؛ اور یُوں بھی ہو تاہم قرار استقرار کو انتہا علی الارض سے کیا چارہ، اور یہ زمین ایک بار ایک جہت کے لیے وقف ہوچکی دوبارہ وقفیت کیونکر معقول کہ واقف کا وقتِ وقف مالک موقوف ہونا شرطِ وقف ہے ہمارے مذہب میں بالاتفاق اہلِ وقوف اس پر صحت وقف موقوف اور وقف بعد تمامی کسی کی ملک نہیں تو پھر اصل واقف بھی اگر دوبارہ اسے وقف کرنا چاہے محض باطل ہوگا، نہ کہ زید و عمرو بلکہ یہ حکم عام ہے، خواہ وقف دوبارہ جہتِ اُخریٰ پر ہو یا اسی جہتِ اولیٰ پر کہ علی الاول تحویل باطل ہے اور علی الثانی تحصیل حاصل والکل باطل۔

بحرالرائق و عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

اما شرائطہ فمنہا العقل والبلوغ ومنہا ان یکون قربۃ ومنہا الملك وقت الوقف ویتفرع علی اشتراط الملك انہ لایجوز وقف الاقطاعات ولا وقف ارض الحوز للامام[1] ملتقطا۔

بہرحال وقف کی شرائط تو ان میں سے بلوغ اور عقل ہے اور ان میں سے اس کا عبادت کیلئے ہونا ہے اور وقتِ وقف ملک کا ہونا ہے ملک کی شرط پر یہ بھی متفرع ہے کہ جاگیر کا وقف جائز نہیں، اور امام کی گھیری ہوئی زمین کا وقف بھی جائز نہیں۔ ملتقطاً

اسعاف میں ہے:

اتفق ابویوسف و محمد رحمہما اللہ تعالٰی ان الوقف یتوقف جوازہ علی شروط بعضہا فی المتصرف کالملك فان الولایۃ علی المحل شرط الجواز والولایۃ تستفاد بالملك او ھی نفس الملك[2]

ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی نے اتفاق کیا ہے کہ وقف کا جواز بعض شرائط پر موقوف ہے، کچھ تو اس میں سے متصرف میں ہیں جیسے ملک، کیونکہ ولایت محل شرطِ جواز ہے اور ولایت یا تو ملک سے مستفاد ہے یا وُہ خود ملک ہے۔

اسی میں ہے:

لو وقف ارضا اقطعہ ایاھا السلطان فان کانت ملکا لہ او مواتا صح وان کانت من بیت المال لایصح[3]۔

اگر کسی شخص نے بادشاہ کی دی ہُوئی جاگیر وقف کردی تو اگر وہ اس کی ملک ہے یا مُردہ زمین ہے تو صحیح ہے اور اگر بیت المال سے ہے تو صحیح نہیں۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف باب الاول فی تعریف الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۳۵۲تا۳۵۴
[2]، [3] اسعاف

زمینِ وقف میں کوئی عمارت دُوسری غرض کے لئے وقف نہیں ہوسکتی
(اور گنگوہی صاحب کی نادانی)

خامسًا تنہا عمارت وقف ہوگی یا تنہا زمین یا دونوں، ثانی بدیہی البطلان ہے لان الوقف لایوقف (کیونکہ وقف کا دوبارہ وقف جائز نہیں۔ ت) یوں ہی ثالث لانہ علیہ یتوقف (کیونکہ وہ وقف پر موقوف ہے۔ ت) اوّل کا جواز ارض غیر محتکرہ میں اس صورت میں ہے کہ یہ عمارت اسی کام پر وقف ہو جس پر اصل زمین کا وقف ہے، ھوالصحیح بل ھوالتحقیق وبہ التوفیق (یہ صحیح ہے بلکہ یہی تحقیق ہے اللہ تعالٰی کی توفیق ہے۔ ت) تو زمین مقبرہ اور دیواریں مدرسہ یہ محض وسوسہ۔

فتاوٰی علامہ خیر الدین رملی میں ہے:

سئل فی کرم مشتمل علٰی عنب وتین وارضہ وقف سیدنا الخلیل علیہ وعلٰی نبینا و سائر الانبیاء افضل الصلٰوۃ واتم السلام من الملک الجلیل ادعٰی رجل بانہ وقف جدہ ھل تسمع دعواہ اجاب لاتسمع و لاتصح اذا الکرم اسم للارض والشجر، وان ارید بہ الشجر فوقف الشجر علٰی جہۃ غیر جہۃ الارض مختلف فیہ وقد قال صاحب الذخیرۃ وقف البناء من غیر وقف الارض لم یجز ھو الصحیح وان ارید کل من الارض والشجر فبطلانہ بدیھی التصور وان ارید الارض فبدیھیۃ البطلان اولٰی اھ ملتقطا۔

اب باغ کے بارے میں دریافت کیا گیا جس میں انگور اور انجیر ہیں اور اس کی زمین جس کو حضرت ابراہیم علٰی نبینا وسائر الانبیاء افضل الصلٰوۃ واتم السلام من الملک الجلیل نے وقف کیا تھا، ایسے باغ پر ایک شخص نے دعوٰی کردیا کہ یہ اس کے دادا نے وقف کیا تھا، کیا اس کا دعوٰی سُنا جائے گا؟ جواب دیا، نہیں، کیونکہ باغ زمین اور درختوں کے مجموعہ کا نام ہے اور اگر اس سے مراد درخت ہوں تو درختوں کا زمین کی جہت کے بغیر وقف کرنا مختلف فیہ ہے۔ صاحب ذخیرہ نے کہا ہے کہ عمارت کا وقف کرنا زمین کے بغیر جائز نہیں، یہی صحیح ہے۔ اور اگر زمین اور درخت سب مراد ہوں تو اس کا باطل ہونا ظاہر ہے اور اگر صرف زمین مراد ہو تو اس کا باطل ہونا اور بھی ظاہر ہے اھ ملتقطا۔

اسی میں اس کے متصل ہے:

کیف یصح للواقف وقفہا علٰی نفسہ و

واقف اس کو اپنے اوپر کیونکر وقف کرسکتا ہے حالانکہ

لہ فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۶۹

ھی وقف الخلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام[1] اھ و هذا معنی قوله فبطلانه بدیھی التصور۔

یہ وقف ابراہیم علیہ السلام کا ہے اھ یہی معنی ہیں ان کے قول کے کہ اس کا بطلان ظاہر ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

الذی حررہ فی البحر اخذا من قول الظھیریۃ واما اذا وقفه علی الجھۃ التی کانت البقعۃ وقفا علیھا جاز اتفاقا تبعا للبقعۃ وان قول الذخیرۃ لم یجز ھو الصحیح مقصور علی ماعدا صورۃ الاتفاق وھو ما اذا کانت الارض ملکا او وقفا علی جھۃ اخری اھ[2] علی ھذا فینبغی ان یستثنی من ارض الوقف ما اذا کانت معدۃ للاحتکار وبه یتضح الحال ویحصل التوفیق بین الاقوال اھ ملخصا وقد اوضحناہ فیما علقناعلیه۔

جو بحر میں تحریر کیا ہے وہ ظہیریہ کے قول سے ماخوذ ہے اور اگر اسی جہت پر وقف کیا جس پر وہ خطہ وقف تھا تو وقف اسکی اتباع میں بالاتفاق جائز ہے اور ذخیرہ کا قول "جائز نہیں" صحیح ہے اور یہ اتفاق کی صورت کے غیر پر مقصور ہے اور یہ اس وقت ہے جبکہ زمین ملک یا وقف ہو کسی دوسری جہت پر، اس بناء پر زمین وقف سے اس صورت کا استثنا ضروری ہے جبکہ وہ زمین احتکار کے لیے تیار کی گئی ہو، اس سے صورتِ حال واضح ہوجاتی ہے اور تمام اقوال میں توفیق حاصل ہوجاتی ہے اھ ملخصا اور ہم نے ردالمحتار کی تعلیقات میں اس کی خوب وضاحت کی ہے۔

گنگوہی صاحب کی سخت نافہمی، متعلقہ روایتوں کو بے علاقہ بتانا

سادسًا مدرسہ یا کتب خانہ جو بنایا جائے گا جبکہ شرعًا وقف نہیں ہوسکتا، لاجرم ملک بانیان پر رہے گا اور اب یہ صراحۃً وقف میں تصرف مالکانہ اور اپنے انتفاع کے لیے اس میں عمارت بنانا ہوگا، تو آفتاب کی طرح واضح ہے کہ قاضی خاں وعلمگیری ومحیط کی عبارات جو مجیب دوم سلمہ نے نقل کیں کہ مقبرہ اگرچہ مندرس ہوجائے اس میں قبر کا نشان درکنار، اموات کی ہڈی تک نہ رہے، جب بھی اس سے انتفاع حرام، اور ہمیشہ اس کے لیے حکمِ مقبرہ رہے گا۔ اسی طرح فتاوٰی ظہیریہ وخزانۃ المفتین واسعاف کی عبارات کہ:

مقبرۃ قدیمۃ بمحلۃ لم یبق فیھا آثار المقبرۃ

جو قبرستان پرانا ہو اور اس میں مقبرے کے آثار باقی

---

[1] فتاوٰی خیریۃ | کتاب الوقف | دار المعرفۃ بیروت | ۱/ ۱۷۷

[2] ردالمحتار | ؍؍ | مصطفی البابی مصر | ۳/ ۴۲۸

لئیباح لاهل المحلة الانتفاع بها و ان کان فیها حشیش یحش منها و یخرج الحشیش الی الدواب و لا ترسل الدواب فیھا[1]۔

نہ رہے ہوں تو اس سے اہلِ محلہ نفع حاصل نہیں کر سکتے ہیں، اگر اس میں گھاس ہو تو وہ بھی کاٹی جاسکتی ہے کاٹ کر باہر لائی جائے مگر جانور قبرستان میں چھوڑے جائیں۔

قطعاً مفیدِ مدعا تھیں۔

اور مجیب صاحب سوم کا یہ زعم کہ "مجیب صاحب نے جو روایت نقل کی ہے اس سے بھی مدعا ثابت نہیں ہوتا، محض سوءِ فہم اور جہل مبین"۔

(گنگوہی صاحب کی سخت بے علمی، نصوصِ مذہب کو چھوڑ کر ایک مالکی عالم سے استناد)

گنگوہی صاحب پر گرفت

سابعًا مجیب سوم کو جب فقہ میں کوئی راہ نہ ملی ناچار متون و شروح و فتاوائے مذہب سب بالائے طاق رکھ کر نصوص اصول و فروعِ فقہ حنفی سب سے آنکھ بند کر کے شرح صحیح بخاری سے ایک روایت خارج عن المذہب پر قناعت کی کہ ابن القاسم نے کہا کہ میری رائے میں جب مقبرے کے آثار مٹ جائیں اور اس کی حاجت نہ رہے تو وہاں مسجد بنا لینا جائز ہے۔

عربی لفظوں کا ترجمہ دیکھ لیا، اب یہ ادراک کسے کہ یہ ابن القاسم کون ہیں؟ کس مذہب کے عالم ہیں؟ ان کا قول مذہبِ حنفی میں کہاں تک سُنا جاسکتا ہے؟ اور وہ بھی خاص ان کی اپنی رائے، اور وہ بھی اصول و فروعِ مذہب کے صریح خلاف۔ مجیب صاحب علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرح جامع صحیح میں صرف اقوالِ مذہب پر اقتصار نہیں کرتے، بلکہ ائمہ اربعہ اور ان سے بھی گزر کر بعض دیگر سابق و لاحق بلکہ بعض بدمذہبوں مثلاً داؤد ظاہری و ابنِ حزم تک کے اقوال نقل کر جاتے ہیں، بلکہ بارہا ابن و آن ہی کے قول پر قناعت فرماتے اور ائمہ مذہب کا مذہب بیان میں نہیں لاتے، جاہل کہ تراجم علماء سے آگاہ نہیں آپ کی طرح دھوکا کھاتا ہے اور خادمِ علم بحمداللہ تعالٰی فرقِ مراتب و تفرقۂ مذاہب کی خبر رکھتا ہے۔ علامہ عینی یہاں کسی کتابِ فقہ کی تحریر میں نہیں یہ استطرادی بالائی فوائد ہیں جن سے اقاویلِ ناس پر اطلاع مقصود اور مذہب تو اصلاً و فرعاً کتبِ مذہب میں مضبوط ہو چکا۔ ان کی ان نقول کا اکثر مادہ تصانیف ابن المنذر و ابن بطال وغیرہما شافعیہ وغیرہم ہیں ان کی عادت ہے کہ محلِ نقل میں سطریں کی سطریں بلکہ کہیں صفحے کے صفحے بلا عزو بے تغیر لفظ نقل فرما جاتے ہیں، جس پر ان کے امام عصری امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالٰی نے الدرر الکامنہ میں تنبیہ کی، یہاں بھی صدر کلام

---

[1] فتاوٰی ظہیریہ

ذکر مایستنبط منہ من الاحکام سے آپ کی منقولہ حکایت تک اسی قسم کی عبارت ہے۔ عالم تو متعدد وجہ سے پہچانے گا کہ یہ کلام حنفیہ نہیں۔ آپ نے اتنا ہی دیکھا ہوتا کہ اس عبارت میں ہے: الی جواز نبش قبورھم للمال ذھب الکوفیون والشافعی واشھب بھذا الحدیث (کوفہ والے، شافعی اور اشہب اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اس طرف گئے ہیں کہ حصول مال کیلئے انکی قبروں کو اکھاڑنا جائز) حنفیہ کا محاورہ نہیں کہ اپنے ائمہ کا مذہب یُوں بیان کریں کہ کوفے والے ادھر گئے ہیں، قائل حنفی ہوتا تو "ذھب ائمتنا یا اصحابنا یا علماؤنا و امثال ذٰلک" لکھتا۔ یہ ابن القاسم واشہب دونوںعہ حضرات مالکی المذہب عالم ہیں۔ خود امام ہمام کے شاگرد، اور ان کے مذہب میں اہلِ روایت و درایت جیسے ہمارے ہاں زفر وحسن بن زیاد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم، آپ کی مقدس بزرگی کہ مذہبِ حنفی کے صریح خلاف ایک مالکی عالم کی رائے پر فتوٰی دیتے، اور اپنے زعم میں اسے مذہبِ حنفی کی روایت سمجھ رہے ہیں حالانکہ ہمارے ائمہ تو ہمارے ائمہ وہ اس مذہب کے بھی امام مجتہد سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ یہ ابن القاسم ہمارے علماء سے نہیں، مگر ہاں جب نافہمی کی ٹھہری تو آپ کو کیا لگتا کہ اس ذکر اصحابنا کو بھی قال ابن القاسم کے تحت میں داخل اور انھیں کے مقولے میں شامل مانتے۔

گنگوہی صاحب کی تین چالاکیاں اور اُن کا اُلٹا پڑنا

ثامنًا مجیب صاحب نے ناحق اس حکایت غیر مذہب پر قناعت کی کہ فقط بیچارے مُردہ مسلمانوں کی قبریں، طلبہ اور مدرسہ کے بھنگی بہشتی سے پامال کرانے کی گنجائش ملی۔ اس ذکر اصحابنا کو کیوں نہ لیا کہ مسجدوں میں ہل چلانے، گھوڑے یا گدھے باندھنے کی راہ چلتی۔

بل ھو اشنع واخنع وھو اتخاذ موضع المسجد حشا وکنیفا لقولہ وذکر اصحابنا ان المسجد اذا خرب ودثر ولم یبق حولہ جماعۃ والمقبرۃ اذا عفت ودثرت تعود ملکا لاربابھا۔ "قال" فاذا عادت ملکا یجوزان یبنی موضع المسجد دارًا وموضع

بلکہ یہ زیادہ بُرا ہے کہ مسجد کو اصطبل یا باڑہ بنا لیا جائے کیونکہ انھوں نے کہا، ہمارے اصحاب نے ذکر کیا کہ مسجد جب ویران ہوجائے اور اس کے گرد کوئی جماعت نہ رہے اور قبرستان جب مٹ جائے تو ان پر ان کے سابق مالک کی ملک لوٹ آتی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ جب یہ چیزیں ملک میں آگئیں تو مسجد کی جگہ کو گھر اور قبرستان کی جگہ

عہ دونوں حضرات کے مزار فائض الانوار قرافہ میں یکجا ہیں۔ علماء فرماتے ہیں ان دونوں مزاروں کے بیچ میں دُعا قبول ہوتی ہے ۱۲ منہ حفظہ ربہ

لہ عمدۃ القاری باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ الخ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۴/ ۱۷۹

المقبرة مسجدًا او غیر ذٰلك لان الدار لابد لها من تلك الاشیاء۔[1]

کو مسجد وغیرہ بنانا درست ہُوا، کیونکہ گھر کے لیے ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

مگر آپ نے ضرور ہوشیاری برتی،

اولًا جانتے تھے کہ کتب معتمدہ مذہب مشہورہ متداولہ میں اسے صراحۃً رَد کیا اور اس کے خلاف پر بشدّ و مد فتوٰی دیا ہے۔ تنویر الابصار و دُرمختار میں ہے:

ولو خرب ماحوله واستغنٰی عنه یبقی مسجدًا عند الامام والثانی ابدًا الٰی قیام الساعة وبه یفتی۔[2]

اور اگر اس کا ارد گرد ویران ہوگیا اور اس کی ضرورت نہ رہی تو مسجد باقی رہے گی، امام صاحب اور امام ثانی (امام ابو یوسف) کے نزدیک ہمیشہ قیامت تک، اور اسی پر فتوٰی ہے۔

حاوی القدسی و بحرالرائق و ردالمحتار میں ہے:

واکثر المشائخ علیه مجتبٰی وھو الاوجه فتح۔[3] اھ

اسی پر اکثر مشائخ ہیں، مجتبٰی۔ اور یہی اوجہ ہے، فتح۔ (ت)

ثانیًا یہ قولِ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جسے علامہ عینی نے اصحابنا کی طرف نسبت کیا، خاص اسی حالت میں ہے جب وہ شئے موقوف اس غرض کی صلاحیت سے بالکل خارج ہوجائے جس کے لیے واقف نے وقف کی تھی اصلًا کسی طرح اس کے قابل نہ رہے۔ ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی الفتح ما معناہ انه یتفرع علی الخلاف المذکور ما اذا انهدم الوقف ولیس له من الغلة ما یعمر به فیرجع الی البانی او ورثته عند محمد خلافًا لابی یوسف لکن عند محمد انما یعود الٰی ملکه ماخرج عن الانتفاع المقصود للواقف بالکلیة۔[4]

فتح میں ذکر کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلافِ مذکور پر یہ متفرع ہوتا ہے کہ جب وقف عمارت منہدم ہوجائے اور اس کی آمدنی نہ ہو جس سے اسے تعمیر کیا جائے تو وہ بنانے والے یا اس کے ورثاء کی طرف لوٹ جائے گا امام محمد کے نزدیک، اس میں ابو یوسف کے خلاف ہے، لیکن محمد کے نزدیک اس کی ملک میں صرف وہی لوٹے گا جس سے بالکل نفع ممکن نہ ہو۔

یہ بات مقبرہ مذکور میں کیونکر متصور ہو کہ ہنوز تہائی میدان حسبِ بیانِ سائل بالکل خالی پڑا ہے۔

ثالثًا شاید یہ بھی کچھ اندیشہ گزرا کہ اس مقبرے کے ساتھ مسجد کی بھی خیر نہیں، مبادا عوام بھڑک جائیں۔ ان وجوہ سے ذکرِ اصحابنا چھوڑ کر قال ابن القاسم کا یہ سرا پکڑا، مگر غافل کہ جن تین اندیشوں سے

[1] عمدۃ القاری باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة الخ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۴/ ۱۷۹
[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹
[3] و [4] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۰۶

گریز فرمایا وہی تینوں یہاں بھی آپ پر عائد بلکہ مع شیٔ زائد :

اوّل تو وجہ سابع میں دیکھ چکے کہ خلافِ مفتٰی بہ ہونا تو درکنار وُہ سرے سے مذہب کا کوئی قول ضعیف بھی نہیں ۔

اور ثانی یُوں کہ کلام ابن القاسم میں عفت و درست ہے۔ عفا و دروس نیست و نابود و ناپیدا و بے نشان ہونا ہے۔ یہ اس مقبرے پر کہاں صادق کہ سائل کہتا ہے، پرانی شکستہ قبریں پائی جاتی ہیں تو ابھی نیست و نابود و ناپدید نہ ہوا اور اس روایتِ خارجہ نے بھی آپ کو کام نہ دیا۔

اور ثالث یُوں کہ جب ان کی رائے میں مجرد وقفیت موجب اتحاد معنی و جواز اقامت بجائے یک دگر ہے تو جیسے مقبرے کو مسجد کرنا روا، یُوں ہی مسجد کو مقبرہ، یُوں ہی مسجد کو سرائے اور سرائے میں بیت الخلا۔ فان الکل وقف من اوقاف المسلمین لایجوز تملیکہ لاحد فمعنی الکل علی ھذا واحد (کیونکہ یہ سب مسلمانوں کے اوقاف میں سے وقف کی صورتیں ہیں تو کسی کو اس کا مالک بنانا جائز نہیں اس اعتبار سے سب کا معنی ایک ہے) پھر مفر کدھر!

تاسعاً ذرا براہِ مہربانی تھوڑی دیر کو ہوش میں آکر فرمائیے کہ ابن القاسم نے کہا مقبرے کو بعد بے نشانی مسجد کردینا روا، اور ابوالقاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مقابر پر مسجد بنانا حرام۔ آپ کے نزدیک یہ دونوں حکم حالتِ واحد پر وارد، جب تو آپ کا ایمان ہے کہ ابن القاسم کی بات کو حق جانیں اور ابوالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد نہ مانیں، اور اگر حالت مختلف ہے تو پہلے وُہ فرق معین کیجئے جس پر ان دونوں احکام کا انقسام ہوگا، کیا فقط نَو و کُہن کا تفرقہ ہے کہ نئی قبروں پر مسجد بنانا حرام، اور جہاں ذرا پُرانی پڑیں اب ان پر نماز جائز ہوگئی یا فقط اُوپر کا نشان مٹ جانا چاہئے یا ضرور ہے کہ لاشوں کے تمام اجزاء، ساری ہڈیاں بالکل خاک ہوجائیں، مردے بجمیع اجزاء تراب خالص کی طرف استحالہ کریں، اس کے بعد روا ہے۔

اوّل تو بداہۃً باطل، اور شاید بعلتِ وہابیت آپ کے یہاں تو شرک ہو، اور ثانی بھی اسی کی مثل ہو کہ نشان بالا نہ قبر ہے نہ قبر کے لیے رکن و شرط، تو اس کا عدم و وجود یکساں۔ معہذا اس مقبرے میں یہ صورت بھی ہنوز متحقق نہ ہُوئی کہ نشان قبر موجود ہیں اور آپ کا حکم بے تخصیص ثلث خالی صاف مطلق ہے کہ "مدرسہ وقفی بنانا گورستان میں درست ہے"۔ اور آپ کے مقلد نے اس اطلاق کی صریح تصریح کردی کہ "بنانا مدرسہ اس جگہ میں خصوصاً حصہ خالی میں درست ہے" اس خصوص نے عموم کو واضح کردیا، لاجرم ثالث لیجئے گا، اب یہ آپ پر لازم تھا کہ دلیل شرعی سے اس مدت کی تعیین کرتے، جس میں مُردوں کی ہڈی پسلی کا اصلاً نام و نشان نہیں رہتا۔ سب سے پچھلی جو میت دفن ہُوئی اسے اتنی مدت گزر چکی۔ ان دو مرحلوں کو بغیر طے کئے حکمِ جواز لگادینا محض جہل تھا۔ اتنا یاد رکھئے کہ مجرد شک یہاں کام نہ دے گا کہ "الیقین لایزول بالشک" (شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔) عقل ونقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے۔ وجود مانع یعنی بعض اجزائے اموات پر یقین نہ ہو حکمِ حرمت و ممانعت ہی رہے گا اور آپ کے لیت و لعل سے کام نہ چلے گا،

تو ظاہر ہُوا کہ اس روایت خارجہ عن المذہب کا دامن پکڑنا بھی محض سوءِ فہم و بندگی وہم تھا و باللہ العصمۃ۔

عاشراً لطف یہ ہے کہ اس روایت خارجہ میں شرط استغناء عن الدفن لگائی گئی ہے، آیا اس سے یہ مراد کہ اس کے سوا دوسری جگہ دفن ہو سکتا ہو، جب تو یہ شرط محض لغو وعبث ہے۔ وہ کون سا گورستان ہے جس کی طرف احتیاج دفن بمعنی لولاہ لامتنع (اگر وہ نہ ہو تو منع ہے۔ت) ہے، نہ ہرگز تعطل و ویرانی، اوقاف میں صرف اس قدر ملحوظ ہوتا ہے بلکہ یہاں مطمح النظر دو امر ہوتے ہیں، ایک عدم محتاجین یعنی وہاں آبادی نہ رہی، لوگ متفرق ہوگئے، اب حاجت کسے ہو، جیسے جواب دوم میں عالمگیری ومحیط سے در بارۂ مسجد وحوض گزرا کہ خرب ولایحتاج الیہ لتفرق الناس (جو ویران ہوجائے لوگوں کے وہاں سے چلے جانے کی وجہ سے اس کی احتیاج نہ رہے۔ت) دوسرے عدم حاجت بوجہ عدم صلوح، یعنی وہ شے کسی مانع وقصور ونقص کے سبب اب اس کام کی نہ رہی، مثلاً زمین پر پانی نے غلبہ کیا کہ دفن کی گنجائش نہ رہی۔

فتاوٰی کبرٰی وجامع المضمرات وہندیہ واسعاف وغیرہا میں ہے:

امرأۃ جعلت قطعۃ ارض لہا مقبرۃ واخرجتہا من یدہا ودفنت فیہا ابنہا وتلک القطعۃ لاتصلح للمقبرۃ لغلبۃ الماء عندہا فیصیبہا فساد فارادت بیعہا، ان کانت الارض بحال لایرغب الناس عن دفن الموتٰی لقلۃ الفساد لیس لہا البیع وان کانت یرغب الناس عن دفن الموتٰی لکثرۃ الفساد فلہا البیع۔[1]

ایک عورت نے اپنی زمین کے ایک ٹکڑے کو قبرستان بنادیا اور اسے اپنے ہاتھ سے نکالا اور اس میں اپنے بیٹے کو دفن بھی کردیا، مگر یہ ٹکڑا غلبۂ پانی کی وجہ سے قبرستان کے لیے درست نہ رہا تو اس نے اسے بیچنے کا ارادہ کیا، اگر زمین ایسی ہے کہ لوگ اس میں اپنے مردوں کو دفن کرنے سے پہلو تہی نہیں کرتے ہیں کیونکہ فساد زائد نہ تھا تو وہ عورت اس ٹکڑے کو بیچ نہیں سکتی اور اگر لوگ اس میں زیادہ خرابی کی وجہ سے مُردے دفن نہیں کرتے ہیں تو وُہ عورت بیچ سکتی ہے۔

پر ظاہر کہ صورت مستفسرہ میں ہرگز نہ عدم محتاجین ہے نہ عدم صلوح، پھر شرطِ استغنا، کب متحقق ہُوئی اور تغیرِ وقف کی اجازت کس گھر سے ملی، تو روشن ہُوا کہ مجیب سوم کا اس روایت خارجہ سے تمسک محض تشبث الغریق بالحشیش (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ت) تھا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی بالتوفیق۔

تنبیہ: یہ مجیب سوم پر تلک عشرۃ کاملۃ ہیں اور ان کا رُدان کے سب اتباع واذناب کے رد سے مغنی۔

ع وکل الصید فی جوف الفرا

(یہ عرب کا قول بطور مثل اس وقت بولا جاتا ہے جب بہت سی حاجتوں میں سے بڑی حاجت پوری ہوجائے)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۷۱

اوراذناب کے پاس ہے ہی کیا سوا امام زیلعی کی تحقیق کے۔ روایت امام زیلعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جسے خود مولوی گنگوہی صاحب نے کچھ سوچ سمجھ کر چھوڑ دیا اور روایت فقہیہ نہ لکھنے کے لیے بے مطلق کا بہانہ لیا۔ مجیب اوّل نے لکھی، مجیب دوم سلمہ نے جواب دیا۔ بعض اذناب سوم نے بے تعرض جواب پھراسی کا اعادہ کیا، مگر جناب گنگوہی صاحب چرکے کہ یہاں مقبرۂ وقف میں کلام ہے۔ مجھے خاص دوسرے مکان وقفی کی اجازت نکالنی مشکل پڑی ہے۔ ہل چلانا، کھیتی کرنا کر اس روایتِ امام زیلعی میں جائز ہو رہا ہے، کس گھر سے جائز کرسکوں گا لہذا ہوشیارانہ اس سے عدول کیا جو اذناب کی سمجھ میں نہ آیا۔ غالباً اب تو ناظرین نے اس روایت کا محل ومحصل سمجھ لیے ہوں گے۔

صاحبو! اس سے مقصود زمین مملوک ہے، یعنی اگر کسی کی ملک میں کوئی میّت دفن کردی گئی ہو، تو جب وُہ بالکل خاک ہوجائے مالک کو روا ہے کہ وہاں کھیتی کرے، گھر بنائے، جو چاہے کرے،

لان الملک مطلق والمانع زال وھذا ایضا اذا کان ذلک باذنہ والا ففی الغصب لہ اخراج المیّت وتسویۃ الارض کما ھی لحدیث لیس لعرق ظالم حق[1]۔

کیونکہ ملک مطلق ہے اور مانع زائل ہوگیا اور یہ بھی اس صورت میں ہے جبکہ اس کی اجازت سے ہو، ورنہ غصب کی صورت میں اسے حق ہے کہ میّت کو نکالے اور زمین برابر کرے جیسے کہ تھی، کیونکہ حدیث میں ہے کہ زمین پر ظالم کا حق نہیں۔

علامہ مدقق علائی قدس سرہ نے دُرمختار میں اسے ایسے نفیس سلسلے میں منسلک کیا جس نے معنی مرادی کو کھول دیا۔ مجیب اوّل نے یہ روایت وہیں سے اخذ کی مگر علامہ مدقق کے اشارات تک ہر فہم کی دسترس کہاں!

درمختار میں فرمایا:

لا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الا لحق اٰدمی کان تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ ویخیر المالک بین اخراجہ ومساواتہ بالارض کما جاز زرعہ والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا زیلعی[2]۔

مُردے کو مٹی ڈالنے کے بعد صرف حقوق العباد کی وجہ سے نکالا جائیگا جیسے زمین مغصوبہ ہو یا شفعہ سے لی گئی ہو، اور مالک کو اختیار ہوگا کہ اسے نکالے یا زمین برابر کرے جیسے کہ اس پر عمارت بنانا اور کھیتی باڑی کرنا مُردوں کے گلنے سڑنے اور مٹی ہوجانے کے بعد درست ہے زیلعی (ورنہ مقبرہ وقفی میں کھیتی کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں)

ہدایہ میں ہے:

---

[1] المعجم الکبیر　　حدیث ۵　　مکتبہ فیصلیہ بیروت　　۱۷/ ۱۴

[2] درمختار　　باب صلوٰۃ الجنائز　　مطبع مجتبائی دہلی　　۱/ ۱۲۶

فی غایۃ القبح ان یقبر فیہ الموتٰی سنۃ و یزرع سنۃ۔[1] | یہ بات انتہائی قبیح ہے کہ ایک سال اس میں مُردے دفن کیے جائیں اور ایک سال کھیتی باڑی کی جائے۔ (ت)

بات یہ ہے کہ وہابیہ کی نگاہ میں قبورِ مسلمین بلکہ خاص مزاراتِ اولیائے کرام علیہم الرضوان ہی کی کچھ قدر نہیں، بلکہ حتی الوسع ان کی توہین چاہتے ہیں اور جس حیلے سے قابو چلے انھیں نیست و نابود و پامال کرانے کی فکر میں رہتے ہیں ان کے نزدیک انسان مرا اور پتھر ہوا، جیسے وہ خود اپنی حیات میں ہیں کہ لایسمع و لایبصر و لایغنی عنك شیئًا (جو نہ سُنے نہ دیکھے اور نہ تیرے کچھ کام آئے۔ ت) حالانکہ شرعِ مطہر میں مزاراتِ اولیاء تو مزاراتِ عالیہ عام قبورِ مسلمین مستحقِ تکریم و ممتنع التوہین، یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں: "قبر پر پاؤں رکھنا گناہ ہے کہ سقفِ قبر بھی حقِ میت ہے۔"

قنیہ میں امام علائے ترجمانی سے ہے:

یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیت۔[2] | قبر پر پاؤں رکھنا گناہ ہے کہ سقفِ قبر بھی حقِ میت ہے۔

حتّٰی کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم جن کی نعلین پاک کی خاک اگر مسلمان کی قبر پر پڑ جائے تو تمام قبر جنت کے مشک و عنبر سے مہک اُٹھے، اگر مسلمان کے سینے اور منہ اور سر اور آنکھوں پر اپنا قدمِ اکرم رکھیں اس کی لذت و نعمت و راحت و برکت میں ابد الآباد تک سرشار و سرفراز رہے۔ وہ فرماتے ہیں:

لان امشی علٰی جمرۃ او سیف احب الیّ من ان امشی علٰی قبر مسلم[3]۔ رواہ ابن ماجۃ بسند جید عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ | بے شک چنگاری یا تلوار پر چلنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی مسلمان کی قبر پر چلوں۔ اسے ابنِ ماجہ نے سندِ جید کے ساتھ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اور وہابیہ کو اس کی فکر ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کی قبروں پر مکان بنیں، لوگ چلیں پھریں، قضائے حاجت کریں، بھنگی اپنے ٹوکرے لے کر چلیں ع

اگر ایں ست پسند تو نصیبت بادا
(اگر یہی تجھے پسند ہے تو تجھے نصیب ہو۔ ت)

---

[1] الہدایۃ | کتاب الوقف | المکتبۃ العربیۃ کراچی | ۲/ ۶۱۸
[2] فتاوٰی قنیہ | کتاب الکراہیۃ والاستحسان | مکتبہ مشتہرہ بالمہانندیہ کلکتہ بھارت | ص ۱۶۷
[3] سنن ابن ماجۃ | باب ماجاء فی النہی عن المشی علی القبور | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ص ۱۱۲

ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ○ واذ اخذت المسئلۃ حقھا من البیان ولنکف عنان القلم حامدین للہ سبحنہ وتعالٰی علی ما علم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد و اٰلہ واصحابہ وسلم واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عز شانہ احکم۔

طاقت وقوت صرف اللہ تعالٰی کے لیے ہے، جب میں نے مسئلہ کماحقہٗ بیان کردیا تو اب چاہیے اللہ تعالٰی کی حمد کرتے ہوئے قلم کو روکیں کہ اسی نے علم دیا، اور درود و سلام ہو ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے صحابہ پر، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عز شانہ احکم۔ (ت)

تمت

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ و اٰلہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱
عبدالمصطفٰی احمد رضا خاں

ان ھٰذا لھو الحق والحق بالاتباع احق۔

(بے شک حق یہی ہے اور حق ہی اتباع کے زیادہ لائق ہے۔ ت)

محمد
سلطان

اس میں جو کچھ بیان ہے سب مطابق احکام شریعت وسلف صالحین ہے۔ مسلمان ان سب کو تمسک کریں۔ مؤلف علام کو خدائے برتر جزائے خیر دے اور مقبولِ خاص و عام کرے اور مجھ کو بھی ثواب سے محروم نہ فرمائے۔ والصلٰوۃ والسلام علٰی خیر الانام واٰلہ واصحابہ الکرام۔

المذنب المدعو محمد عبداللہ عفی عنہ

مسائلِ بالا کہ علمائے دین متین وفضلائے امت (رسولِ مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم) تحریر و تقریر فرمودند ہمہ حق وراست ودرست اند۔ شاکی اینہا مردود وفاسق اند۔

اُوپر والے مسائل جن کو علمائے دین متین فضلائے امتِ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لکھا ہے اور بیان کیا ہے سب درست اور صحیح ہیں، ان میں شک کرنے والے مردود اور فاسق ہیں (ت)

العبد الضعیف الراجی الٰی رحمۃ اللطیف محمد نعیم پشاوری عفی اللہ عنہ وعن والدیہ والمومنین والمومنات، آمین ثم آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۃ حامداً و مصلیاً و مسلّماً علیٰ رسولہ سیدنا محمدٍ و آلہ و اصحابہ واولیاء امتہ و متبعیھم اجمعین ○ جو کچھ مولانائے مجیب جامع المعقول والمنقول حلّالِ مہمات فروع و اصول مولوی محمد عمر الدین صاحب الحنفی القادری جزاہ اللہ تعالیٰ خیرالجزاء نے صورت مسئولہ میں تحریر فرمایا ہے وہ سب حق و صواب ہے، جواب لاجواب ہے، پسندیدہ اولی الالباب ہے۔ حنفی مذہب کے مطابق قبروں کو کھود کر صاف میدان کردینا اور اس پر مکان وغیرہ بنانا ہرگز درست نہیں۔ اس کی تحقیق مولائے مجیب نے عمدہ طور سے فرمائی ہے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، معترضوں کے کل اعتراض نہایت خوش اسلوبی سے اٹھادئے ہیں اور منکروں کے سب خدشات دفع کردئے ہیں پھر تحریر مہر تنویر فاضل کامل، عالم عامل، محقق علوم عقلیہ، مدقق فنون نقلیہ، قالع اصول مبتدعین، قامع اوہام نجدیین، حامی سُنن، ماحی فتن، مجدد مائۃ حاضرہ، حجۃ قاہرہ مولنا الحاج احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ تعالیٰ فیوضاتہم کی تو منکروں پر بجلی سی کڑک پڑی، رشید گنگوہی کی تحریر پر تزویر کے تو خوب پرخچے اڑائے۔ ایسا امر کوئی فروگذاشت نہ ہوا کہ جس کے لکھنے کی کسی کو تکلیف ہو۔ پس فقیر نے طول دینا مناسب نہ سمجھا، لہذا اختصار سے کام لیا گیا۔ ان فتووں کا انکار بجز فرقہ نجدیہ وہابیہ، اسمٰعیلیہ، ہندیہ، اسحاقیہ، رشیدیہ گنگوہیہ شیطانیہ خذلہم اللہ تعالیٰ فی الدنیا والآخرۃ کے کوئی نہ کرے گا۔ اہل سنت و جماعت کو ان دجاجلہ ضلالت کیش وابالسۃ بطالت اندیش کی صحبت سے پرہیز کرنا لازم ہے اور سلام و کلام قطع کرنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

حررہ الراجی الیٰ لطف ربہ القوی عبدالنبی الامی السید حیدر شاہ القادری الحنفی تجاوز اللہ تعالیٰ عن ذنبہ الجلی والخفی وحفظ عن موجبات الکی والغی بحرمۃ النبی الہاشمی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم متوطن کچھ بھوج المعروف بہ پربھروالنزیل بمبئی۔

عبدالنبی الامی الحنفی ۔ سیّد حیدر شاہ قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی رزق الانسان علماً وسمعاً وبصراً فی الحیاۃ وبعد الممات، فالموتیٰ یعرفون الزوار ویسمعون الاصوات والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علیٰ من ھدانا الی الصراط المستقیم ووقانا بہا من نار الجحیم التی اعدت للکفرین والماردین من الناشرۃ

سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے انسان کو زندگی میں اور بعد از موت جاننے، سُننے اور دیکھنے کی قوت بخشی، اتم واکمل درود وسلام ہو اس ذات پر جس نے ہمیں سیدھی راہ دکھائی اور ہمیں نارِ جہنم جو کافروں، سرکشوں، رب العالمین کو جھٹلانے والوں شیطان لعین کو اولین و آخرین کے علم پر فضیلت

والمکذبین لرب العالمین، والمفضلین للشیطان اللعین علیٰ علم الاولین و الاٰخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و ابنہ وحزبہ اجمعین، وعلینا بھم یاارحم الراحمین ، وبعد فلما رأیت جواب ناصر الدین المتین و مولٰنا المولوی محمد عمر الدین وجدتہ موافقا للسنۃ دافعا للفتنۃ، ونظرت تحریر المولوی رشید احمد الگنگوھی فماھو الاضلال مبین و ھتک لحرمۃ المومنین، ومارد بہ علیہ خاتم المحققین عمدۃ المدققین عالم اھل السنۃ مجدد المائۃ الحاضرۃ سیدی و مرشدی و کنزی و ذخری لیومی و غدی مولٰنا المولوی محمد احمد رضاخاں ابد ہ اللہ تعالیٰ بالفیض والمواھب فلا اجد لسانا ثناء علیہ غیران اقول لا شک انہ الصدق الصراح و الحق القراح فجزاھم اللہ خیرا الجزاء عن الاسلام و المسلمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب، قالہ بفمہ ورقمہ بقلمہ محمد المدعو بظفر الدین المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی الرضوی المجددی البھاروی العظیم اٰبادی۔

محمدی سنی حنفی قادری
ابوالبرکات محمد ظفر الدین

دینے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے سے بچایا ، درود وسلام ہو آپ پر اور آپ کے آل ، اصحاب ، بیٹے ، گروہ سب پر اور ان کے وسیلہ سے ہم پر یا ارحم الراحمین بعدازیں جب میں نے دین متین کے ناصر مولٰنا مولوی محمد عمر دین کے جواب کو غور سے دیکھا تو اسے سنّت کے موافق اور فتنہ سے مدافع پایا ، اور مولوی رشید احمد گنگوہی کی تحریر پر نظر کی تو اسے گمراہ کن اور توہینِ مومنین سے مملو پایا ، اور خاتم المحققین ، عمدۃ المدققین ، عالمِ اہل سنت ، مجدد مائۃ حاضرہ ، میرے سردار ، میرے مرشد ، میرے کل اور آج کے لیے ذخیرہ و خزانہ مولٰنا احمد رضا خاں (اللہ تعالیٰ اس کی عطاؤں اور فیض کو ہمیشہ جاری رکھے) نے جو اس پر رَد فرمایا میرے پاس ایسی زبان نہیں کہ اس کی تعریف کرسکوں ، ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ بے شک وہ صاف سچ اور خالص حق ہے ، اللہ تعالیٰ سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے انھیں جزائے خیر عطا فرمائے ، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے ۔ محمد ظفر الدین محمدی سنّی حنفی قادری برکاتی رضوی مجددی بہاری عظیم آبادی نے اسے بزبانِ خود کہا ہے اور اپنے قلم سے لکھا ہے ۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۹ ازشہر کہنہ مسئولہ رحمت علی خادم مزار شاہدانہ رحمۃ اللہ تعالیٰ ۹ رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اراضی مذبح جس پر دُکاندار لوگ خوانچہ لگاکر بیٹھ جاتے ہیں بذریعہ ٹھیکہ مالک تھا اور دُکانداروں پر دو دو چار چار پیسے روزانہ کے حساب سے مقرر کرلیے تھے بعد چند روز کے اندرون میعاد ٹھیکہ زید سے عمرو نے ٹھیکہ لگایا اور دکانداروں پر اول سے زیادہ کرایہ مقرر کرلیا، مگر دکان دار لوگ کرایہ زیادہ حسبِ منشاء عمرو کو نہ دے سکے اور مجبور ہوکر اراضی تکیہ جو متصل مذبح کے ہے حسبِ رضامندیِ فقیر جا بیٹھے اور فقیر کو دو پیسے روز ہر دُکان دار دینے لگا۔ عمرو کو یہ بات ناپسندِ خاطر ہوئی اور دینی برادرون قصابان سے اپنا عذر کیا، چنانچہ عمرو ٹھیکیدار و نیز اکثر برادرانِ عمرو کہ جو وہاں کی اشیاء کے خریدار بھی ہیں باتفاق سب نے فقیر پر دباؤ ڈالا اور کہا کہ منجملہ دو پیسے کے ڈیڑھ پیسہ عمرو کو اور نصف فقیر کو ہر دکاندار دے، ایسی صورت میں عمرو کو ڈیڑھ پیسہ لینا کہ جو عمرو کی زمین سے کسی دُکاندار کو کچھ تعلق نہیں ہے چاہئے یا نہیں، دوم تکیہ کی اراضی میں دُکان داروں کو خوانچہ لگاکر بیٹھنا اور کرایہ فقیر کو دینا اور فقیر کو لینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

دونوں باتیں حرام ہیں، نہ تکیہ کی زمین دُکان داروں کو کرایہ پر دی جاسکتی ہے نہ اُن کا کرایہ فقیر کو حلال ہوسکتا ہے، اور اگر فقیر کی اپنی مملوک کوئی زمین ہوتی تو اس پر دباؤ ڈال کر کوئی کوڑی عمرو کو دلوانا قطعاً حرام تھا تو یہ حرام در حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۴۰ تا ۱۴۵ از شیر کوٹ مسئولہ مظہر الحسن صاحب ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) از روئے شریعتِ اسلام قبرستان کا بیع و رہن وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) قبرستان کی زمین کسی کی ذاتی ملکیت ہوسکتی ہے یا نہیں، اور مخصوص قبرستان بنانا کیسا ہے اور اس کی نسبت کیا احکامِ شرعی ہیں؟

(۳) قبروں کو منہدم یا مسمار کرکے اُس میں کھیتی وغیرہ کرنا کیسا ہے، اور اگر کوئی شخص مسلمان ہوکر ایسا کرے تو اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۴) قبروں کو منہدم یا ویران کرتے یا کھودتے ہُوئے دیکھ کر کوئی مسلمان ایسا کرنے والے کو روکنے کا شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟

(۵) قبرستان میں یا اُس کی متعلقہ زمین میں بول و براز، گندگی وغیرہ پھینکنا یا قبرستان کو گندگی کا مخزن

بنانا کیسا اور اس کی نسبت کیا حکم ہے ؟
(۶) مسلمانوں پر قبرستان کی حرمت کس حد تک واجب ہے ؟

الجواب

(۱ و ۲) عامۂ قبرستان وقف ہوتے ہیں، اور وقف کی بیع و رہن حرام ہے، اور جو خاص قبرستان کسی کی ملک ہو جس میں اس نے مردے دفن کیے ہوں مگر اس کام کے لیے وقف نہ کیا ہو، وہ بھی مواضع قبور کو نہ بیچ سکتا ہے نہ رہن کر سکتا ہے کہ اس میں توہینِ اموات مسلمین ہے، اور اُن کی توہین حرام ہے۔

(۳) حرام ہے مگر یہ کہ کسی کی مملوک زمین میں بے اس کی اجازت کے کسی نے مردہ دفن کر دیا ہو اور اس نے اُسے جائز نہ رکھا تو اُسے اس کے نکلوا دینے اور اپنی زمین خالی کر لینے اور کھیتی و عمارت ہر شئے کا اختیار ہے۔

(۴) جو شخص ایسے جرم شدید کا مرتکب ہو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ بقدرِ قدرت اسے روکے، جو اس میں پہلو تہی کرے گا اُسے فاسق کی طرح عذابِ نار ہوگا۔

قال تعالیٰ کانوا لایتناھون عن منکر فعلوہ بئس ما کانوا یفعلون[1]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وہ ایک دوسرے کو بُرے کام سے روکتے نہ تھے، وہ سب کیا ہی بُرا کام کرتے تھے۔ (ت)

(۵) حرام، حرام، سخت حرام ہے اور اس کا مرتکب مستحقِ عذابِ نار و غضبِ جبار ہے۔

(۶) قبورِ مسلمین پر چلنا جائز نہیں، بیٹھنا جائز نہیں، اُن پر پاؤں رکھنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ ائمہ نے تصریح فرمائی کہ قبرستان میں جو نیا راستہ پیدا ہوا اس میں چلنا حرام ہے، اور جن کے اقربا ایسی جگہ دفن ہوں کہ ان کے گرد اور قبریں ہو گئیں اور اسے اُن قبور تک اور قبروں پر پاؤں رکھے بغیر جانا ناممکن ہو، دُور ہی سے فاتحہ پڑھے اور پاس نہ جائے زیادہ تفصیل ہمارے رسالہ اھلاک الوھابیین میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۴۶: از سکندر پور ضلع بلیا پانی گلی مسئولہ محمد حسین و عطا حسین ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زینب نے اپنے نواسہ بکر کو اپنی زمینداری ہبہ کی اور لکھ دیا کہ توابع لواحق اس کے جو کچھ ہے ہبہ کر دیا، بکر نے عمرو کے ہاتھ اس زمینداری کو مع جملہ حقوق توابع لواحق بیع کر دیا اور اس کے اندر قبرگاہ واہبہ کا بھی ہے تو اس کے اندر عمرو مشتری کی قبر بنانا جائز ہے یا نہیں یا اُس قبرگاہ پر متصرف ہونا مشتری عمرو کا درختان انبہ وغیرہ کا پھل کھانا یا لکڑی لینا جائز ہے یا نہیں ؟ اور وہ قبرگاہ بغیر دیوار بے مرمت اور خراب ہو تو عمرو بنوا سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

---

[1] القرآن ۵/۷۹

الجواب

ہبہ و بیع سے قبرستان وقف مستثنیٰ ہیں۔ مشتری کی قبر بھی اس میں بن سکتی ہے۔ و اہبہ وغیرہ کی قبر کی مرمّت بھی وہ کرسکتا ہے، جو درخت اس میں ہیں وہ مشتری کی ملک ہیں جو چاہے کرے۔ قبرستان اگرچہ وقف ہو اس کے درخت وقف نہیں ہوتے کما بینہ فی الھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ ہندیہ وغیرہا میں بیان کیا گیا ہے ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷ از کلکتہ زکریا اسٹریٹ نمبر ۲۲ مسئولہ مولوی عبدالحق صاحب و مولوی مبارک کریم صاحب بمعرفت حاجی لعل خاں صاحب ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس مرید خاص نے مزار کے قریب کچھ زمین و مکانات اپنے خرچ اور آفس و مال گودام کے لیے نیز اس لیے کہ زائرین قیام کریں اور مجالس اس میں قائم ہوں تیار رکھتے تھے، نہ وہ زمین و مکانات وقف کئے نہ کبھی حالتِ حیاتِ شیخ میں شیخ نے نامزد کئے نہ بعد وفاتِ شیخ بنام مقبرہ اس نے بضرورتِ تجارت اُس اراضی و مکانات کو مبلغ کثیر پر رہن رکھا ہے۔ اب فرزندِ شیخ کہتے ہیں کہ یہ سب مکانات وغیرہ ہمارے نام کردو، تو کیا فرزندِ شیخ کا یہ دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے اور کیا مرید کو اختیار ہے کہ قبل فک رہن اُس جائداد کو فرزندِ شیخ کے نام کردے، اور کیا وہ فرزندِ شیخ اس مرید کی جائداد بجبر و اکراہ اپنے نام کرواسکتا ہے، آیا شریعت میں مرید پر کچھ استحقاقِ مالی شیخ یا وارثانِ شیخ کا ہے؟

جواب از لکھنؤ: ھو المصوب صورتِ مذکورہ میں زمین و مکانات و انتظام مقبرہ پر دعویٰ فرزندِ شیخ کا باطل ہے، مرید پر مالی استحقاق شیخ کا یا وارثانِ شیخ کا شرعاً نہیں ہے اور مرید جائداد مرہون بغیر فک رہن کسی شخص کو دے نہیں سکتا، نہ فرزندِ شیخ مرید پر کوئی جبر کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ محمد عبدالمجید

الجواب

فرزندِ شیخ کا دعویٰ باطل، اور اسے جبر کا کوئی اختیار نہیں۔

قال تعالیٰ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[1]۔ باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اپنے مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے کوئی سودا ہو۔ (ت)

زمین و مکانات و مقبرہ سب ملکِ مرید ہیں اس کے ورثاء کے قبضے میں رہیں گے۔ مرید پر شیخ کا مالی استحقاق بمعنی وجوب شرعی بحیثیت شیخیت نہیں، اگرچہ طریقۃً وہ اور اس کا مال سب گویا اس کے شیخ کا ہے، یا شریعۃً بوجوہ

[1] القرآن ۴/ ۲۹

دیگر وجوب ہو سکتا ہے۔ فرزندِ شیخ کا یہ مطالبہ کرنا سوال ہے اور سوال بلاضرورت حرام ہے۔ ہاں اگر مرید رضائے خود چاہے تو اپنا مال اُس کے نام کرسکتا ہے اگرچہ قبل ادائے دین مرتہن باذن مرتہن۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۸ از جوناگڑھ کاٹھیاواڑ سرکل مدارالمہام مرسلہ مولوی امیرالدین صاحب ۱۰ ذی القعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی بزرگ کے مزار پر لوبان جلانا شرع شریف میں کیا حکم رکھتا ہے؟ اور جو شخص جلانے والے کو فاسق اور بدعتی کہے اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

عُود لوبان وغیرہ کوئی چیز نفسِ قبر پر رکھ کر جلانے سے احتراز چاہئے اگرچہ کسی برتن میں ہو لما فیہ من التفاؤل القبیح بطلوع الدخان علی القبر والعیاذ باللہ (کیونکہ اس میں قبر کے اوپر سے دُھواں نکلنے کا بُرا فال پایا جاتا ہے، اور خدا کی پناہ۔ ت) صحیح مسلم شریف میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

انہ قال لابنہ وھو فی سیاق الموت اذا انا مت فلا تصحبنی نائحۃ ولا نار[1] الحدیث۔

انھوں نے دمِ مرگ اپنے فرزند سے فرمایا جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ نہ کوئی نوحہ کرنے والی جائے نہ آگ جائے۔ الحدیث (ت)

شرح المشکوٰۃ للامام ابن حجر المکی میں ہے، لانہا من التفاؤل القبیح[2] (کیونکہ آگ میں فالِ بد ہے۔ ت)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: انہا سبب للتفاؤل القبیح[3] (یہ فالِ بد کا سبب ہے۔ ت) اور قریب قبر سلگانا کہ اگر وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوں نہ کوئی تالی یا ذاکر ہو بلکہ صرف قبر کے لیے جلا کر چلا آئے تو ظاہر منع ہے کہ اسراف و اضاعتِ مال ہے۔ میّت صالح اُس غرفے کے سبب جو اس کی قبر میں جنت سے کھولا جاتا ہے اور بہشتی نسیمیں بہشتی پھولوں کی خوشبوئیں لاتی ہیں، دنیا کے اگر لوبان سے غنی ہے اور معاذ اللہ جو دُوسری حالت میں ہو اُسے اس سے انتفاع نہیں۔ تو جب تک سندِ مقبول سے نفعِ معقول نہ ثابت ہو سبیلِ احتراز ہے۔

ولا یقاس علی الورد والریاحین المصرح باستجابہ فی غیر ما کتاب کما اوردنا علیہ

اس کا قیاس پھولوں پر نہیں ہو سکتا جن کے مستحب ہونے کی صراحت متعدد کتابوں میں موجود ہے جیسا کہ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۷۶

[2] مرقاۃ بحوالہ الامام ابن حجر مکی کتاب الجنائز مکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۱۹۶

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ " " " "

تصریحات کثیرۃ فی کتابنا حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات، فان العلۃ فیہ کما نصوا علیہ انہا ما دامت رطبۃ تسبح اللہ تعالٰی فتؤنس المیت لا طیبہا۔

اس پر کثیر تصریحات ہم نے اپنی کتاب حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات میں نقل کی ہیں اس لیے کہ حسب تصریحِ علماء ان کے استحباب کی علت یہ ہے کہ وہ پھول جب تک تر رہیں گے اللہ کی تسبیح کرتے اور میت کا دل بہلاتے رہیں گے ـــــ خوشبودار ہونا علت نہیں (ت)

اور اگر بغرضِ حاضرین وقت فاتحہ خوانی یا تلاوت قرآن عظیم وذکر الٰہی سلگائیں تو بہتر و مستحسن ہے۔

وقد عہد تعظیم التلاوۃ والذکر وتطییب مجالس المسلمین بہ قدیما وحدیثا۔

اور تلاوت وذکر کی تعظیم اور اس سے مسلمانوں کی مجلسوں میں خوشبو پھیلانا زمانۂ قدیم وجدید میں متعارف ہے۔ (ت)

جو اسے فسق وبدعت کہے محض جاہلانہ جرأت کرتا ہے یا اصول مردودۂ وہابیت پر مرتا ہے۔ بہرحال یہ شرع مطہر پر افترا ہے، اس کا جواب انھیں دو آیتوں کا پڑھنا ہے:

قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین[1] قل اللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

تم کہو اپنی دلیل لاؤ اگر سچے ہو ـــــ تم کہو کیا خدا نے تمھیں اذن دیا ہے یا اللہ پر افترا کرتے ہو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن ۲/ ۱۱۱

[2] القرآن ۲/ ۱۱۷

رسالہ

بَرِیقُ المَنارِ بِشُمُوعِ المَزار

(منارے کی چمک مزار کی شمعوں سے) ۱۳۳۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم۔

مسئلہ ۱۴۹ از لکھنؤ محلہ سرائے معالی خاں ٹولہ چوپٹیاں مرسلہ مولوی محمد احمد صاحب علوی خلف مولوی حبیب علی صاحب مرحوم ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مزاراتِ اولیاء اللہ پر روشنی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ روشنی مزاراتِ اولیاء اللہ پر ناجائز ہے کیونکہ اس میں تعبد منظور رہتا ہے، چنانچہ زید کی تحریر بجنسہٖ ذیل میں نقل کی جاتی ہے، آیا یہ مسلک زید کا نزدیک علمائے دین ومفتیانِ شرع متین قابلِ قبول وعمل ہے یا نہیں؟

نقلِ تحریرِ زید یہ ہے:

میں بقسمِ شرعی اس کو باور کراتا ہوں کہ میں نے کوشش کی کہ چراغانِ قبور کا کسی تاویل سے استحسان ثابت ہوجائے تو میں رسمِ قدیم کی مخالفت نہ کروں۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری کو دیکھا اس میں نکلا کہ اخراج الشموع الی المقابر بدعۃ لا اصل لہ (مزارات پر چراغاں کرنا بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ ت) اسی طرح

31
31

فتاوی بزازیہ میں ہے۔ دُرمختار میں بھی یہی نکلا۔ پھر میں نے حدیث شریف کو دیکھا۔ مشکوۃ شریف میرے پاس تھی، اس میں یہ حدیث نکلی:

لعن رسول اللہ تعالیٰ زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج[1] رواہ الترمذی والنسائی۔

لعنت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زائراتِ قبور پر اور جو بنائیں قبروں پر مسجدیں (یعنی قبروں کی طرف سجدہ کریں) اور قبروں پر چراغ کو روشن کریں۔ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔

اس کے بعد میں نے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی برادر شاہ عبدالعزیز صاحب ختم المحدثین کے فتوے مطبوعہ مطبع مجتبائی ص۱۲۱ کو دیکھا اس میں لکھا ہے:

پس امداد بدعاء وختم واطعام بدعتے مباح است (یعنی در عرس سالانہ بزرگان دین اگر صلحائے وقت جمع شدہ قرآن شریف خوانند وخیرات کردہ ثواب رسانند مضائقہ ندارد۔ ایں را بدعتِ مباح باید گفت) وجہِ قبح ندارد۔ اما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغ یا ملبوس ساختن قبور وسرود باد نواختن معازف بدعات شنیعہ اند۔ حضور چنیں مجالس ممنوع اگر مقدور باشد محلِ حدیث من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ وان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذٰلک اضعف الایمان[2] عمل باید کرد از مقام زجر پراگندہ کردن اسباب بدعت کافی[3]۔

دعا، ختم قرآن اور کھانا کھلانے کے ذریعے مدد کرنا ایک جائز بدعت ہے (یعنی بزرگانِ دین کے سالانہ عرس میں اگر اس زمانے کے نیک لوگ جمع ہو کر قرآن شریف پڑھیں اور خیرات کرکے ثواب پہنچائیں تو کوئی مضائقہ نہیں اسے بدعتِ مباحہ کہا جاسکتا ہے) قبیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن حرام باتوں کا ارتکاب جیسے چراغ روشن کرنا، قبروں کو ملبوس کرنا، گانے، باجے بجانا شنیع بدعتیں ہیں، ایسی مجلسوں میں شرکت منع ہے اگر قدرت ہو تو حدیث پاک "جو تم میں کوئی برائی دیکھے تو اپنے ہاتھ سے روک دے، یہ نہ ہوسکے تو زبان سے، یہ بھی نہ ہوسکے تو دل سے بُرا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے" پر عمل کرنا چاہیے۔ زجر کی جگہ اسباب بدعت کو منتشر کردینا کافی ہے (ت)

---

[1] الجامع للترمذی باب کراہۃ ان یتخذ علی القبر مسجداً نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۴۳

[2] ؎ ابواب الفتن " " " ص ۳۱۶

[3] فتاوٰی شاہ رفیع الدین

اس کے علاوہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مالا بدمنہ میں اور ارشاد الطالبین میں لکھا ہے کہ:

"چراغاں کردن بدعت است، پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان لعنت گفتہ" ارشاد الطالبین ص۲۱

(قبور پر) چراغاں کرنا بدعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر کے نزدیک چراغاں کرنے اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ت)

خلاصہ یہ کہ چراغاں جو بغرض خاص تقرب کیا جاتا ہے یا بغرض زینت۔ یہاں تک کہ بعض لوگ منت مانتے ہیں اور اس کا ایفاء کرتے ہیں اور اہل اللہ کے مزار پر کرتے ہیں معمولی آدمی کی قبر پر نہیں کرتے ہیں۔ اس طرح جب کتب حدیث وفقہ و تحریرات علماء میں نکلا تو میں نے بلا خوف وخطر اس کو ترک کردیا اور جس قدر رقم کا تیل آتا تھا وہ میں نے شربت و برف میں صرف کردیا۔ نظر انصاف سے دیکھا جائے کہ یہ کیا سنگین جرم ہے، نماز نہ پڑھے، جماعت کا پابند نہ ہو، ڈاڑھی منڈائے، وہ سب قابل عفو ہے لیکن چراغاں نہ کرنا جس کے لیے اس قدر شدید وعید آئی ہے وہ ایسا جرم ہے کہ فوراً وہابیت کا فتوٰی دے دیا جائے۔ چونکہ اس کے کہنے والے اکثر جاہل ناخواندہ لوگ تھے میں نے اس کی طرف توجہ بھی نہیں کی، میں نے یہ سمجھا تھا کہ اگر صاحب فتاوٰی بزازیہ وعلمگیریہ و صاحب مشکوٰۃ اور شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی یہ سب وہابی ہیں تو میں الحمد للہ وہابی ہوں۔ یہ امر بھی قابل گزارش ہے کہ میں نے مولوی احمد رضا خاں صاحب کو ایک عریضہ بھیجا اور اس میں استفتاء چراغاں کا کہا اور جواب کے لیے ٹکٹ بھی رکھ دیے لیکن خاں صاحب موصوف نے اس کا جواب نہیں دیا۔ مشکل یہ ہے کہ اگر حق جواب لکھا جائے تو پیرزادے ناخوش ہوتے ہیں اگر ناحق لکھا جائے تو قرآن وحدیث وفقہ کے خلاف ہوتا ہے۔ بہت تلاش سے بعض لوگوں کی تحریرات سے ایک آدھ چراغ کا جواز اس طرح سے نکلتا ہے کہ کسی دوسری مصلحت سے چراغ جلایا جائے۔ لیکن چراغاں کا جواز اگر آج بھی کسی مستند عالم کی کتاب سے نکل آئے تو مجھ کو اس معاملہ میں کد نہ ہوگی صرف دو امور ہیں جس کی وجہ سے لوگوں کو خلجان ہوتا ہے:

اول یہ کہ پیرزادے اس کو کرتے چلے آتے ہیں مگر پیرزادوں کا فعل ناسخ قول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں ہے، پیرزادگان کچھ معصوم نہیں ہیں، صالح ہوں، اہل اللہ ہوں، لیکن معصوم نہیں، جہاں ہزاروں نیک مشائخ زمانہ کرتے ہیں وہاں ایک امر ناجائز بھی کسی مصلحت سے اُنھوں نے کرلیا۔ خدا تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔ غور سے دیکھا جائے کہ غیر محارم کے سامنے آنا شرعاً جائز ہوجائے گا۔

دوسرا امر باعث خلجان یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں قبر مبارک پر روشنی ہوتی ہے اس خطرے کے جواب حسب ذیل ہیں:

(۱) تعامل حرمین شریفین کا بعد قرون ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر کے سند نہیں ہے۔

۱؎ مالا بدمنہ (فارسی) کتاب الجنائز مکتبہ شرکت علمیہ ملتان ص ۷۰ و ۷۱

(۲) قبر شریف حجرۂ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں واقع ہے جس کے چاروں طرف مسجد نبوی ہے اور مسجد میں روشنی کرنے کا ثواب احادیث میں موجود ہے۔

(۳) قبر شریف درحقیقت روپوش ہے آج ہفت اقلیم کا بادشاہ بھی اُس کو نہیں دیکھ سکتا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے سیڑھی لگا کر دیکھنا چاہا ناکامیاب رہا۔

(۴) مدینہ منورہ میں روشنی منجانب سُلطان ٹرکی ہوتی ہے۔ گورنمنٹ ٹرکی نے عثمانیہ بینک قائم کر کے سود کا لین دین شروع کر دیا ہے، کیا گورنمنٹ کے بھی فعل سے سُود جائز ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

(۵) نزدیک اہلسنت والجماعت کے حجتِ شرعی صرف چار ہیں: قرآن وحدیث و اجماع وقیاس مجتہدین۔ صرف تعاملِ حرمین کوئی سند نہیں۔

(۶) بڑا حصہ حرمین شریفین کا داڑھی کترواتا ہے۔ کیا داڑھی کتروانے کے جواز میں کوئی شخص یہ سند پیش کر سکتا ہے کہ وہاں کے لوگ داڑھی کترواتے ہیں، لہٰذا یہ فعل جائز ہے، وہاں کے علماء سے خود فتویٰ لیا جائے وہ داڑھی کتراتے چراغاں کرنے کو یقیناً ناجائز کہیں گے۔

(۷) اب ایک تاویلِ ضعیف اور ایجاد ہوئی ہے کہ متقدمین ومتاخرین کسی کو بھی نہیں سُوجھی، یعنی قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے لیکن قبر کے گرد جلانے میں ممانعت نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں لفظ علیٰ بمعنی پر واقع ہے۔ اردو میں کیا قبر پر چڑھاوا صرف اسی کو کہتے ہیں جو خاص اُس جگہ پر کیا جائے جتنے حصّہ کو قبر کہتے ہیں، بعض قبر کی صورت کوہانِ شتر کے مانند ہوتی ہے اس پر چڑھاوا غالباً ممکن ہی نہ ہوگا۔ لیکن قبر پر چڑھاوا تو اتنا وسیع ہے کہ گرد قبر سے بلکہ دروازے کے آس پاس بھی کوئی رکھ دے تو وہ قبر کا چڑھاوا سمجھا جائے گا اور رسول خدا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم) کے فرمانے کی یہ تاویل ضعیف ہے۔ قرآن شریف سُورۂ کہف میں لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا[۱] (قسم ہے کہ ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے۔ ت) کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ اصحابِ کہف کے سینہ پر سنگِ بنیاد مسجد کا رکھیں گے، استغفر اللہ۔ ایک صاحب نے یہ کمال کیا کہ مُلّا علی قاری کی نسبت کہہ دیا کہ انھوں نے گرد قبر کے چراغ جلانے کو جائز کہا ہے حالانکہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۷۰ میں حدیث مندرجہ مشکوٰۃ شریف مذکورہ بالا کی شرح میں اُنھوں نے صرف مسجد کو اطرافِ قبر میں بنانے کی اجازت اس بنیاد پر دی ہے کہ عادتِ یہود ونصارٰی یہ تھی کہ وہ قبر پر مسجد بناتے تھے، اور چونکہ مشابہت یہود ونصارٰی کی وجہ سے ممانعت ہوئی تھی لہٰذا جب مشابہت نہ رہی تو یہ فعل جائز ہوگیا۔ لیکن چراغ کی ممانعت کے وجوہ حضرت مُلّا علی قاری نے

---

[۱] القرآن ۱۸/ ۲۱

ع: زید کی اصل عبارت میں تتخذون ہے۔

تین لکھے ہیں :

اوّلاً تضییع مال۔

دوم چراغ کا آثارِ جہنم سے ہونا بوجہ ناریت۔

سوم تعظیم قبور۔

ہرگز ہرگز ملا علی قاری نے گردِ قبر کے چراغ جلانے کی اجازت نہیں دی ہے، یہ ان پر اتہام ہے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ جو انھوں نے وجوہِ ممانعت لکھے ہیں کیا وہ گرد قبر کے چراغ جلانے سے جاتے رہیں گے جو وہ اجازت دیتے ہیں۔ بقسمِ شرعی باور کراتا ہوں کہ اگر کسی عالم مستند نے چراغان قبر کے لیے جلانے کو جائز کر دیا ہو تو میں پہلا شخص اس تاویل پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں گا۔ سچ یہ ہے کہ مجاوروں نے جن کے لیے قبور ذریعۂ معاش ہیں انھوں نے ان باتوں کی ایجاد کی ہے۔ یہ سب بحث چراغ جلانے میں ہے نہ کہ چراغاں میں، جو محض تعبداً یعنی ازراہِ تقرب کیا جاتا ہے، لوگ تیل بتی کی منت مانتے ہیں، سال کے سال شب عرس کو کرتے اور اس کو مذہبی فعل سمجھتے ہیں۔ اگر تقرب یعنی تعبد منظور نہیں ہوتا تو لوگ چراغاں بزرگوں کی قبر پر کیوں کرتے ہیں، کسی فاسق فاجر کی قبر پر کیوں نہیں کرتے! اس سے ظاہر ہے کہ منشاءِ چراغاں محض تقرب یعنی تعبد ہے، اگر ایسی تاویل جائز سمجھی جائے تو کوئی شخص قبر کے نیچے یا قبر کے بیچ چراغ جلائے کیونکہ حدیث میں قبر پر کی ممانعت ہے، استغفر اللہ! یہ تو حدیث کے ساتھ مضحکہ کرنا ہے۔ اگر اس وعید کے بعد بھی کوئی شخص پھر اس میں خلاف کرے یا کٹ حجتی کرے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات قبر میں تصفیہ کے قابل ہے، موسٰی بدین خود، عیسٰی بدین خود۔ انتہی تحریر زید۔

اب جو کچھ ازراہِ انصاف و تتبع کتب حضرات اہلسنت والجماعت محقق ہووے اس سے معزز فرمائیے، اور کیا یہ اقوال زید کے صحیح اور موافق سلف کے ہیں، بہ تشریح و تفصیل تام ارشاد ہو۔ اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ سَرْمَدًا، صَلِّ عَلٰی سِرَاجِکَ الْمُنِیْرِ وَاٰلِہٖ اَبَدًا یَانُوْرُ یَا نُوْرَ النُّوْرِ یَانُوْرُ قَبْلَ کُلِّ نُوْرٍ یَانُوْرُ بَعْدَ کُلِّ نُوْرٍ، لَکَ النُّوْرُ وَبِکَ النُّوْرُ وَمِنْکَ النُّوْرُ وَاِلَیْکَ النُّوْرُ وَاَنْتَ النُّوْرُ وَنُوْرُ النُّوْرِ صَلِّ عَلٰی

اے اللہ! تیرے لیے دائمی حمد ہے، اپنے سراج منیر اور ان کی آل پر ہمیشہ رحمت نازل فرما، اے نور، اے نور کے نور، اے ہر نور سے قبل نور، اے نور کے بعد نور، تیرے لیے نور ہے، تجھ سے نور ہے، تیری طرف نور ہے تو نور اور نور کا نور ہے اپنے نور انوار پر، اور ان کی آل پر

نُوْرِكَ الْاَنْوَرِ وَ اٰلِهِ السُّرُجِ الْغُرِّ وَصَحْبِهِ الْمَصَابِيْحِ الزُّهْرِ صَلٰوۃً تُنَوِّرُ بِهَا وُجُوْهَنَا وَصُدُوْرَنَا وَ قُلُوْبَنَا وَ قُبُوْرَنَا اٰمِیْنَ۔

جو روشن چراغ ہیں اور ان کے اصحاب پر جو تابناک مصباح ہیں درود نازل فرما ایسا درود جس سے ہمارے چہرے، ہمارے سینے، ہمارے دل اور ہماری قبریں روشن ہوجائیں۔ الٰہی! قبول فرما۔ (ت)

امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی بن اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی قدسنا اللہ بسرہ القدسی کتاب مستطاب حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبع مصر جلد دوم ص ۴۲۹ میں فرماتے ہیں:

قال الوالد رحمہ اللہ تعالٰی فی شرحہ علٰی شرح الدرر من مسائل متفرقۃ اخراج الشموع الی القبور بدعۃ اتلاف مال کذا فی البزازیۃ اھ وھذا کلہ اذا خلا عن فائدۃ واما اذا کان موضع القبور مسجدا او علٰی طریق اوکان ھناك احد جالس اوکان قبر ولی من الاولیاء او عالم من المحققین تعظیما لروحہ المشرقۃ علٰی تراب جسدہ کاشراق الشمس علی الارض اعلاما للناس انہ ولی لیتبرکوا بہ و یدعوا اللہ تعالٰی عندہ فیستجاب لھم فھو امر جائز لامنع منہ و الاعمال بالنیات[1]

یعنی والد رحمہ اللہ تعالٰی نے حاشیہ درر و غرر میں فتاوٰی بزازیہ سے نقل فرمایا کہ قبروں کی طرف شمعیں لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ بالکل فائدہ سے خالی ہو، اور اگر شمعیں روشن کرنے میں فائدہ ہو کہ موضع قبور میں مسجد ہے یا قبور سرِراہ ہیں یا وہاں کوئی شخص بیٹھا ہے یا مزار کسی ولی اللہ یا محققین علماء میں سے کسی عالم کا ہے وہاں شمعیں روشن کریں اُن کی رُوح مبارک کی تعظیم کے لیے جو اپنے بدن کی خاک پر ایسی تجلی ڈال رہی ہے جیسے آفتاب زمین پر، تاکہ اس روشنی کرنے سے لوگ جانیں کہ یہ ولی کا مزارِ پاک ہے تاکہ اس سے تبرک کریں اور وہاں اللہ عزوجل سے دُعا مانگیں کہ اُن کی دُعا قبول ہو تو یہ امر جائز ہے اس سے اصلاً ممانعت نہیں، اور اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

روی ابوداؤد والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ

ابوداؤد اور ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ — ایقاد الشموع فی القبور — نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۳۰

تعالٰی علیہ وسلم لعن زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج ای الذین یوقدون السرج علی القبور عبثا من غیر فائدۃ[1] کما ذکرنا۔

نے قبروں پر جانے والی عورتوں اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ رکھنے والوں پر لعنت فرمائی یعنی اُن لوگوں پر جو کسی فائدہ کے بغیر قبروں پر چراغ جلاتے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے (ت)

یعنی یہ مذکورہ بالا حدیث کہ روایت کی گئی ہے، اس سے بھی مراد وہی صورت ہے کہ محض عبث بلا فائدہ قبور پر شمعیں روشن کریں ورنہ ممانعت نہیں۔ ملاحظہ ہو وہی حدیث ہے وُہ ہی عبارت فتاوٰی بزازیہ ہے۔ ان علامہ جلیل القدر عظیم الفخر رحمہ اللہ تعالٰی نے اُن کے معنی روشن فرمادئے، اور تصریحًا ارشاد کیا کہ مقابر میں شمعیں روشن کرنا جب کسی فائدہ کے لیے ہو ہرگز منع نہیں۔ فائدہ کی متعدد مثالیں فرمائیں:

(۱) وہاں کوئی مسجد ہو کہ نمازیوں کو بھی آرام ہوگا اور مسجد میں بھی روشنی ہوگی۔

(۲) مقابر بر سرِ راہ ہوں روشنی کرنے سے راہ گیروں کو نفع پہنچے گا اور اموات کو بھی کہ مسلمان مقابرِ مسلمین دیکھ کر سلام کریں گے، فاتحہ پڑھیں گے، دُعا کریں گے، ثواب پہنچائیں گے۔ گزرنے والوں کی قوت زائد ہے تو اموات برکت لیں گے، اور اگر اموات کی قوت زائد ہے تو گزرنے والے فیض حاصل کریں گے۔

(۳) مقابر میں اگر کوئی بیٹھا ہو کہ زیارت یا ایصالِ ثواب یا افادہ یا استفادہ کے لیے آیا ہے تو اسے روشنی سے آرام ملے گا، قرآن عظیم دیکھ کر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکے گا۔

(۴) وُہ تینوں منافع مزارات اولیائے کرام قدست اللہ تعالٰی باسرارہم کو بھی بروجہ اولٰی شامل تھے کہ مزاراتِ مقدسہ کے پاس غالبًا مساجد ہوتے ہیں، گزرگاہ بھی بہت جگہ ہے اور حاضرین زائرین خواہ مجاورین سے تو نادرًا خالی ہوتے ہیں مگر امام ممدوح ان پر اکتفاء نہ فرماکر خود مزارات کریمہ کے لیے بالتخصیص روشنی میں فائدہ جلیلہ کا افادہ فرماتے ہیں کہ اُن کی ارواحِ طیبہ کی تعظیم کے لیے روشنی کی جائے۔

اقول ظاہر ہے کہ روشنی دلیلِ اعتناء ہے اور اعتناء دلیلِ تعظیم۔ اور تعظیم اہل اللہ دلیلِ ایمان و موجبِ رضائے رحمان عزجلالہٗ۔ قال اللہ عزوجل:

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ[2]

جو الٰہی نشانیوں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ ایقاد الشموع فی القبور نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۳۰

[2] ۲۲/ ۳۲

وقال اللہ تبارک وتعالٰی :

وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰہِ فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ[1] | جو الٰہی آداب کی چیزوں کی تعظیم کرے تو اس کے لیے اُس کے رب کے یہاں بہتری ہے۔

(۱) اس کی نظیر مصحف شریف کا مطلّا و مذہّب کرنا ہے کہ اگرچہ سلف میں نہ تھا، جائز و مستحب ہے کہ دلیلِ تعظیم و ادب ہے۔ دُرِمختار میں ہے :

جاز تحلیۃ المصحف لما فیہ من تعظیمہ کما فی نقش المسجد[2] | مصحف شریف مطلا و مذہب کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہے جیسا کہ مسجد کو منقش کرنے میں (ت)

یُوں ہی مساجد کی آرائش اُن کی دیواروں پر سونے چاندی کے نقش و نگار کہ صدرِ اول میں نہ تھے، بلکہ حدیث میں تھا :

لتزخرفنھا کما زخرفت الیھود والنصارٰی[3] | تم مسجدوں کی آرائش کروگے جیسے یہود و نصارٰی نے آرائش کی۔

رواہ ابوداؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔ | اسے ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

مگر اب ظاہری تزک و احتشام ہی قلوبِ عامہ پر اثرِ تعظیم پیدا کرتا ہے لہٰذا ائمۂ دین نے حکمِ جواز دیا۔ تبیین الحقائق میں ہے :

ولا یکرہ نقش المسجد بالجص وماء الذھب[4] | گچ اور سونے کے پانی سے مسجد میں نقش بنانا مکروہ نہیں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قولہ کما فی نقش المسجد ای ماخلا محرابہ ای بالجص وماء الذھب[5] | اس کا قول، جیسا کہ مسجد کی آرائش میں، یعنی محراب کے علاوہ۔ یعنی گچ اور سونے کے پانی سے۔ (ت)

---

[1] القرآن ۲۲/ ۳۰

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[3] سنن ابوداؤد باب فی بناء المسجد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۵

[4] تبیین الحقائق فصل کرہ استقبال القبلۃ مطبعۃ کبرٰی امیریہ مصر ۱/ ۱۶۸

[5] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب فی البیع ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۵/ ۲۴۷

(۳) یونہی مسجدوں کے لیے کنگرے بنانا کہ مساجد کے امتیاز اور دُور سے اُن پر اطلاع کا سبب ہیں، اگرچہ صدرِ اول میں نہ تھے۔ بلکہ حدیث شریف میں ارشاد ہُوا تھا:

اِبْنُوا الْمَسَاجِدَ وَاتَّخِذُوْھَا جُمًّا[1] رواہ ابن ابی شیبۃ والبیھقی فی السنن عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

مسجدیں مُنڈی بناؤ۔ اسے ابن ابی شیبہ نے اور سنن میں بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

دوسری حدیث میں ہے:

اِبْنُوْا مَسَاجِدَکُمْ جُمًّا وَابْنُوْا مَدَآئِنَکُمْ مُشْرِفَۃً[2] رواہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

یعنی مسجدیں مُنڈی بناؤ اُن میں کنگرے نہ رکھو، اور اپنے شہر اونچے کنگرے دار بناؤ ـــ اسے مصنف میں ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا (ت)

مگر اب بلانکیر مسلمانوں میں رائج ہے۔

وَمَا رَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ۔[3]

اور جسے مسلمان اچھا سمجھیں وُہ خدا کے یہاں بھی اچھا ہے (ت)

امام ابن المنیر شرح جامع صحیح میں فرماتے ہیں:

استنبط کراھیۃ زخرفۃ المسجد لاشتغال قلب المصلی بذلك اولصرف المال فی غیر وجھہ نعم اذا وقع ذلك علی سبیل تعظیم المساجد ولم یقع الصرف علیہ من بیت المال فلاباس بہ ولو اوصی بتشیید مسجد وتحمیرہ وتصفیرہ نفذت وصیتہ لانہ قد حدث للناس

یعنی حدیث سے مستنبط کیا گیا ہے کہ مسجدوں کی آرائش مکروہ ہے کہ نمازی کا خیال بٹے گا یا اس لیے کہ مال بیجا خرچ ہوگا، ہاں اگر تعظیم مسجد کے طور پر آرائش واقع ہو اور خرچ بیت المال سے نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، اور اگر کوئی شخص وصیت کر جائے کہ اس کے مال سے مسجد کی گچ کاری اور اس میں سُرخ و زرد رنگ کریں تو وصیت نافذ ہوگی کہ لوگوں میں جیسی

---

[1] السنن الکبرٰی باب فی کیفیۃ بناء المسجد دار صادر بیروت ۲/ ۴۳۹
[2] المصنف لابن ابی شیبہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۹
[3] مسند احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۱/ ۳۷۹

فتاوی بقدر ما احدثوا وقد احدث الناس مؤمنهم وکافرھم تشیید بیوتھم وتزیینھا ولو بنینا مساجدنا باللبن وجعلناھا متطامنۃ بین الدور الشاھقۃ وربما کانت لاھل الذمۃ لکانت مستھانۃ۔[1]

نئی نئی باتیں پیدا ہوتی گئیں ویسے ہی ان کے لیے فتوے نئے ہوئے کہ اب مسلمانوں کافروں سب نے اپنے گھروں کی گچکاری اور آرائش شروع کر دی۔ اگر ہم ان بلند عمارتوں کے درمیان جو مسلمین تو مسلمین کافروں کی بھی ہوں گی کچی اینٹ اور نیچی دیواروں کی مسجدیں بنائیں تو نگاہوں میں ان کی بے وقعتی ہوگی۔

(۴) اسی قبیل سے ہے مزاراتِ اولیائے کرام وعلمائے عظام قدست اسرارھم پر عمارات کی بنا، کہ باوصف حدیث صحیح مسلم وابوداؤد ونسائی ومسند احمد:

عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وسلم ان یقعد علی القبر وان یجصص وان یبنی علیہ۔[2]

حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے قبر پر بیٹھنے، اسے گچ سے پکی کرنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا۔ (ت)

جس میں صراحۃً اس کی ممانعت ارشاد ہوئی ہے سلفاً وخلفاً ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے جائز رکھی تکملہ مجمع بحار الانوار جلد ثالث صفحہ ۱۴۰ میں ہے:

قد اباح السلف البناء علی قبور الفضلاء الاولیاء والعلماء لیزورھم ویستریحون فیہ۔[3]

بیشک ائمہ سلف صالحین نے اہلِ فضل اولیاء وعلماء کے مزارات طیبہ پر عمارات بنانا مباح فرمادیا کہ لوگ ان کی زیارت کریں اور اُن میں راحت پائیں۔

جواہر اخلاطی میں ہے:

ھو وان کان احداثا فھو بدعۃ حسنۃ وکم من شیئ کان احداثا وھو بدعۃ حسنۃ وکم من شیئ یختلف باختلاف

یعنی یہ اگرچہ نو پیدا ہے پھر بھی بدعتِ حسنہ ہے، اور بہت سی چیزیں ہیں کہ نئی پیدا ہوئیں اور رہیں اچھی بدعت، اور بہت احکام ہیں کہ زمانے یا مقام کی تبدیلی سے

---

[1] ارشاد الساری شرح البخاری باب بنیان المساجد دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۴۰
[2] صحیح مسلم کتاب الجنائز البناء علی القبر نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۱۲
[3] تکملہ مجمع بحار الانوار تحت لفظ قبر منشی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۴۰

الزمان والمکان[1] بدل جاتے ہیں۔

یعنی ایسی جگہ احکامِ سابقہ سے سند لانا حماقت ہے، جو حاجت اب واقع ہوئی اگر زمانہ سلف میں واقع ہوتی تو وہ بھی یہی حکم کرتے جو اس وقت ہم کرتے ہیں، جیسے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا:

لو رأی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مااحدث النساء لمنعھن المساجد کما منعت نساء بنی اسرائیل[2]

یعنی اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب نکالی ہیں، تو انھیں مسجدوں سے منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجدوں سے منع کیا گیا تھا۔ (ت)

اور آخر ائمہ دین نے عورات کو مسجدوں سے منع فرما ہی دیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ[3] رواہ احمد و مسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اللہ تعالٰی کی باندیوں کو اللہ تعالٰی کی مسجدوں سے نہ روکو۔ اسے امام احمد و مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

کیا ائمہ دین نے نظر بحالِ زمانہ جو حکم فرمایا اُسے حدیث کی مخالفت کہا جائے گا؟ حاش للہ! ایسا نہ کہے گا مگر احمق، کج فہم۔ یوں ہی یہ تازہ تعظیموں کے احکام ہیں۔ سلف صالحین کے قلوب تعظیم شعائر اللہ سے مملو تھے، ظاہری تزک و احتشام کے محتاج نہ تھے۔ تو ان کے وقت میں یہ باتیں بےسود و بےفائدہ تھیں اور ہر عبث مکروہ۔ اور اس میں مال صرف کرنا ممنوع۔ اب کہ بے تزک و احتشام ظاہری قلوبِ عوام میں وقعت نہیں آتی ان باتوں کی حاجت ہوئی۔ مصحف شریف پر سونا چڑھانے کی اجازت ہوئی، مسجدوں میں سونے کے کلس، سونے چاندی کے نقش نگار کی اجازت ہوئی۔ مزارات پر قبّہ بنانے، چادر ڈالنے، روشنی کرنے کی اجازت ہُوئی۔ ان تمام افعال پر بھی احادیث و احکامِ سابقہ پیش نہ کرے گا مگر سفیہ و نافہم۔ یہ مختصر شرح ہے اس ارشادِ امام ممدوح قدس سرہٗ کی۔ اور اس کی تفصیل بازغ و تحقیق بالغ ہمارے رسالہ طوالع النور فی حکم السراج علی القبور میں ہے وباللہ التوفیق۔

یہی امام جلیل کشف النور میں، پھر علامہ شامی رد المحتار فصل اللبس اور عقود الدریہ مسائل شتّی میں مزاراتِ اولیائے کرام پر غلاف ڈالنے کی نسبت بھی اسی تعظیم سے استدلال فرماتے ہیں کما بیناہ فی فتاونا (جیسا کہ ہم نے

---

[1] جواہر الاخلاطی کتاب الاحسان والکراہیۃ قلمی نسخہ ص ۱۶۸-ب

[2] صحیح مسلم باب خروج النساء الی المساجد نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۸۳/۱

[3] " " " " " " " "

اپنے فتاوٰی میں اسے بیان کیا ہے۔ت) اس کے علاوہ خاص روشنی مزار کریم کی نسبت ان سے بھی بہت اقدم امام اجل واعظم کا ارشاد لعونہ تعالٰی عنقریب آتا ہے۔ زید نے تو ایک ہی عالم مستند کا قول ملنے پر قبول وسرنہادن کا وعدہ کیا تھا۔ ان تحقیقات ائمہ مستندین واجلہ معتمدین ووعدہ زید کے بعد زیادہ کی حاجت نہیں۔ مگر اجمالاً بعض جملے اور گزارش ہوں کہ عوام بھائی شبہہ میں نہ پڑیں۔ واللہ الموفق :

(۱) امام ممدوح قدس سرہ نے جس طرح اصل مسئلہ کا فیصلہ فرمایا۔ زید کے اس بے معنی اعتراض کی بھی کہ "اہل اللہ کے مزار پر کرتے ہیں معمولی آدمی کی قبر پر نہیں کرتے" غلطی ظاہر فرمادی کہ ان پہلے تین فوائد عامہ کے بعد چوتھے فائدہ میں خاص مزاراتِ اولیاء کرام کی تخصیص فرمائی، نیز اس کا جواب ائمہ سلف دے چکے جن کا ارشاد مجمع بحار الانوار سے گزرا کہ مزاراتِ اولیاء کرام وعلمائے عظام پر بنائے عمارت جائز ہے، عوام وفساق کی قبور پر کیوں نہ اجازت دی!
اقول آدمی اگر آیۂ کریمہ ذٰلك ادنٰی ان یعرفن فلا یؤذین[1] (وہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ ان کی پہچان ہو جائے تو انھیں ایذا نہ دی جائے۔ت) کی حکمتِ جلیلہ سے آگاہ ہو جس سے وجہ استنباط طوالع النور میں مذکور تو ایسا مہمل اعتراض ہرگز خیال میں بھی نہ آئے۔

(۲) امام ممدوح قدس سرہ نے زید کے اس سوال کا کہ "بزرگوں کی قبروں پر کیوں کرتے ہیں، کسی فاسق وفاجر کی قبر پر کیوں نہیں کرتے" جواب ارشاد فرمایا کہ تعظیماً لروحہ المشرقۃ علٰی تراب جسدہ[2] الخ یعنی ان کی رُوح کی تعظیم کی جاتی ہے اور لوگوں کو دکھایا جاتا ہے کہ یہ مزار محبوب کا ہے اس سے تبرک وتوسل کرو کہ تمھاری دُعا مستجاب ہو۔

(۳) امام ممدوح قدس سرہ نے زید کے اس توہم وتعبد کا بھی علاج فرمادیا کہ تعظیماً لروحہ (ان کی روح کی تعظیم کے لیے۔ت) معاذ اللہ! یہ اُن کی عبادت نہیں ان کی روح پاک کی تعظیم ہے، ہر تعظیم عبادت ہو تو تعظیم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو نصوصِ قطعیہ قرآن عظیم سے فرض ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالٰی :
لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ[3] ہم نے اپنے رسول کو اس لیے بھیجا کہ اے لوگو! تم اللہ ورسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔

وقال تبارک وتعالٰی :

---

[1] القرآن ۳۳/ ۵۹
[2] الحدیقۃ الندیۃ ایقاد الشموع فی القبور مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۳۰
[3] القرآن ۴۸/ ۹

32

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الٰی قولہ عزوجل والذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ھم المفلحون[1]

وہ جو پیروی کریں گے اس رسول نبی اُمّی یعنی بے پڑھے غیب کے علوم جاننے بتانے والے کی، تو جو اُس نبی پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس کے ساتھ جو نور اُترا اس کے پیرو ہوں وہی لوگ مراد کو پہنچیں گے۔

وقال اللہ تبارک وتعالٰی:

لئن اقمتم الصلٰوۃ واٰتیتم الزکٰوۃ واٰمنتم برسلی وعزرتموھم واقرضتم اللہ قرضا حسنا لاکفرن عنکم سیاٰتکم ولادخلنکم جنٰت تجری من تحتھا الانھٰر[2]

بیشک اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور میرے رسولوں کی تعظیم کرو اور اللہ کے لیے قرضِ حسن دو تو ضرور میں تمھارے گناہ تم پر سے اتار دوں گا اور ضرور تمھیں بہشتوں میں داخل فرماؤں گا جن کے نیچے نہریں بہیں۔

بلکہ قرآنِ عظیم نے تو ماں باپ کی تعظیم بھی فرض کی۔ قال اللہ تبارک وتعالٰی:

واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ۔[3]

اور جھکا دو تم اُن (ماں باپ) کے واسطے نرمی کے بازو رحمت سے۔

کیا معاذ اللہ قرآنِ عظیم نے انبیا و والدین کی عبادت کا حکم فرمایا ہے؟

(۴) امام ممدوح قدس سرہٗ نے شبہہ تعظیمِ قبر کا بھی جواب فرمادیا کہ:

تعظیما لروحہ الٰی قولہ قدس سرہٗ و الاعمال بالنیات[4]

یعنی تعظیمِ خشت وگل نہیں بلکہ رُوحِ محبوب کی تعظیم مقصود ہو جو بلاشبہہ محمود ہے اور اعمال کا مدار نیت پر ہے۔

اللہ اللہ! کیسے نفیس وجامع کلمات ارشاد فرمائے، گویا اپنے نورِ باطن سے ادراک فرمالیا تھا کہ زید و امثالہ کو یہ شبہات عارض ہوں گے، سب کا جواب ان ۲ دو لفظوں میں فرمادیا کہ تعظیما لروحہ۔

---

[1] القرآن ۷/ ۱۵۷

[2] القرآن ۵/ ۱۲

[3] القرآن ۱۷/ ۲۴

[4] الحدیقۃ الندیۃ ایقاد الشموع فی القبور مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۳۰

(۵) زید نے کبھی تعبد کو تقرب سے تعبیر کیا کہ "محض تعبداً یعنی ازراہِ تقرب کیا جاتا ہے" اور کبھی تقرب کو تعبد سے تفسیر کیا کہ "اگر تقرب بمعنی تعبد منظور نہیں تقرب یعنی تعبد ہے" گویا اُس کے خیال میں تقرب و تعبد شیئ واحد یعنی ایک ہی چیز ہے، یہ محض باطل ہے بلکہ تقرب تعبد کے اعم سے اعم ہے، تعبد سے تعظیم اعم ہے کما علمت (جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا۔ ت) اور تعظیم سے تقرب اعم ہے کہ بنائے رباط و ارسال ہدایا، تقرب ہے تعظیم نہیں و تفصیل المقام فی تعلیقاتنا علٰی رد المحتار (اور اس مقام کی تفصیل ہمارے حاشیۂ رد المحتار میں ہے۔ ت)

(۶) اسے تقرب بروجہ تعبد بتانا مسلمانوں پر کیسی سخت بدگمانی اور اس پر جزم کرنا مسلمانوں پر کیسا صریح ظلم و افتراء ہے۔ درمختار میں منیۃ المفتی و ذخیرہ و شرح وہبانیہ سے ہے:

انا لا نسیئ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الاٰدمی بھذا النحو[1] | کسی مسلمان کے متعلق ہم یہ بدگمانی نہیں کر سکتے کہ وہ کسی انسان کی طرف اس طرح کا تقرب کرے گا۔ (ت)

رد المحتار میں ہے:

ای علی وجہ العبادۃ لانہ المکفر وھذا بعید من حال المسلم[2] | یعنی عبادت کے طور پر تقرب اس لیے کہ اس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور یہ مسلمان کے حال سے بعید ہے۔ (ت)

(۷) طرفہ یہ کہ زید نے کہا "پیرزادے اس کو کرتے چلے آئے ہیں مگر پیرزادگان صالح ہوں، اہل اللہ ہوں معصوم نہیں، جہاں ہزاروں نیک کام مشائخ زمانہ کرتے ہیں، ایک یہ ناجائز بھی کسی مصلحت سے کرلیا، خدا معاف کرنے والا ہے" سبحان اللہ! صالح بھی ہیں، اہل اللہ بھی ہیں اور غیر خدا کے عابد بھی ہیں، اس سے بڑھ کر محال کیا ہوگا!

(۸) جب زید کے نزدیک وہ تعبد ہے تو قطعاً شرک ہوا اور شرک ہرگز معاف نہ ہوگا ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ[3] (بیشک اللہ شرک کو نہیں بخشتا۔ ت) پھر اس جملہ کا کیا محل رہا کہ "خدا معاف کرنے والا ہے"۔

(۹) جب ہزارہا بندگان صالحین و اہل اللہ پر یہاں تک بدگمانی ہے کہ تعبد غیر کا الزام ان کے سر تھوپا جاتا ہے، اور نہ صرف ظن بلکہ اس پر جزم کیا جاتا ہے۔ تو اس کی کیا شکایت کہ فقیر کے پاس سے جواب مسئلہ نہ پہنچنے کو پیرزادوں کی رعایت کے سبب سکوت عن الحق پر محمول کیا۔ فتاوٰی فقیر میں اس سوال کے جواب میں متعدد مقامات پر مذکور رسالہا سال سے اس پر مستقل فتوٰی مرقوم۔ خاص اس باب میں چھبیس برس سے رسالہ "طوالع النور" مکتوب،

---

[1] درمختار | کتاب الذبائح | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۲۳۰
[2] رد المحتار | " | ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر | ۵/۱۹۷
[3] القرآن ۴/۴۸

پھر رعایت وخوف سے سکوت کیا معنی! فقیر کے یہاں علاوہ ردّ وہابیہ خذلہم اللہ تعالٰی و دیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کارِ فتوٰی اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے۔ شہر و دیگر بلاد و امصار جملہ اقطار ہندوستان و بنگال و پنجاب و ملیبار و برہما و ارکان وچین و غزنی و امریکہ و افریقہ حتی کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتاء آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہوجاتے ہیں۔ اس میں اگر جواب میں تاخیریں ہوں یا بعض استفتاء تحریر جواب سے رہ جائیں تو کیا جائے شکایت ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا[1] (خدا کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا۔ ت) ان صاحب کا استفتاء باوصف تلاش کاغذات میں نہ نکلا، ممکن ہے کہ ہجوم انبار میں نہ ملا ہو یا آیا ہی نہ ہو یا بھیجا ہی نہ ہو، اور جس طرح اہل اللہ پر تعبدِ غیر کا خیال بندھ گیا اس کا بھیجنا متخیل ہوا ہو۔ بہرحال رعایت کی صورت یہ نہیں ہوتی۔ ہاں ہاں کھلی کھلی رعایت و اغماض اور اپنے ساختہ متبوع کی خاطر حق سے صریح اعراض وہ ہے جو حضرات دیوبند کرتے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی صاحب نے اپنی کتاب مسمّی بہ "ایضاح الحق" میں زمان و مکان و جہت سے اللہ عزوجل کو منزّہ ماننا اور اس کا دیدار بلاکیف و جہت و محاذات حق جاننا بدعت حقیقیہ کے قبیل سے بتایا جبکہ اس عقیدہ کو کوئی دینی عقیدہ تصور کرے جس سے صاف روشن کہ مذہبی طور پر اللہ عزوجل کو زمان و مکان و جہت سے پاک جاننا اور اس کا دیدار بلاکیف ماننا ضلالت و گمراہی و فی النار ہے۔ اور اہل سنت کے تمام ائمہ سلف و خلف معاذ اللہ سب بدعتی و گمراہ تھے۔ ایک مسلمان نے دہلوی صاحب کے اس قول کا دیوبندی صاحبوں سے استفتاء کیا اور حسبِ دستور مسائل کہ زید، عمرو، بکر کہہ کر دریافت کرتے ہیں دہلوی صاحب کا نام نہ لکھا اس پر عالیجناب شیخ الگنگوہ جناب مولوی (رشید احمد) گنگوہی صاحب نے یہ جواب تحریر فرمایا:

الجواب: "یہ شخص اہلسنت وجماعت سے جاہل اور بے بہرہ ہے اور یہ اعتقاد اور مقولہ جو درج سوال ہے کفر ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔ حضرات سلف صالحین اور ائمہ دین کا یہی مذہب ہے اور یہی احادیثِ صحیحہ و کلام اللہ شریف کی آیات سے ثابت ہے کہ حق تعالٰی جل شانہٗ زمان و مکان وجہت سے پاک ہے، اور دیدار اس کا بہشت میں مسلمانوں کو نصیب ہوگا، چنانچہ کتبِ عقاید اس سے مشحون ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ بندہ رشید احمد گنگوہی۔" اور اس پر حضرات دیوبند مولوی محمود حسن صاحب و عزیز الرحمان صاحب وغیرہما نے مُہریں کیں، اور جناب اسمٰعیل صاحب دہلوی پر بددین، ملحد، زندیق کی چوٹیں جڑیں، علی الخصوص ہمارے ذکر کے قابل عالیجناب مولوی اشرفعلی تھانوی صاحب ہیں جنھوں نے اس حکمِ کفر دہلوی صاحب پر یوں تصدیق فرمائی: "الجواب صحیح۔ اشرفعلی عفی عنہ۔"

---

[1] القرآن ۲/۲۸۶

جب حضرات یہ فتویٰ دے چکے، اب مسلمانوں نے پندرہ سوال کا استفتاء ان حضرات سے کیا اور اسمٰعیل دہلوی صاحب اوران کی ناقص کتاب "ایضاح الحق" کا نام وکلام کھول کر دکھایا کہ مفتی صاحبو! وہ شریعت کا حکم اب بھی مانو گے یا طائفہ کے پیرجی کو خدا کی حکومت سے باہر جانو گے؟ ۲۸ صفر ۱۳۲۹ھ کو یہ استفتاء طبع ہو کر شائع ہوا، تین برس ہونے کو آئے ہیں سب صاحب ساکت و خاموش درخوابِ خرگوش۔ مشکل تو یہ ہے کہ بولیں تو کیا بولیں، قسمت کا لکھا کیونکر دھولیں، اپنے مُنہ اپنے امام الطائفہ پر کفر کا فتویٰ لگا چکے ہیں اب اس سے پھریں تو کیونکر، اور امام الطائفہ پر حکم کفر کریں تو کیونکر؟ اب وُہ فتویٰ سانپ کے منہ کی چھچھوندر ہوگیا کہ اُگلے تو اندھا نگلے تو کوڑھی۔ چار ناچار سکوت کی اوڑھی، اسے حق پوشی کہتے ہیں' اسے ناحق کوشی کہتے ہیں، اسے پیرجی پرستی کہتے ہیں، اسے بادۂ خیانت کی بدمستی کہتے ہیں، بلا سے ہو، جواب نہ دیتے دل میں پشیمان تو ہوتے کہ جسے خود اپنے فتووں میں کفر بکنے والا، بددین' ملحد، زندیق لکھ چکے، اب تو اس کی غلامی چھوڑیں، اسے پیشوا ماننے سے منہ موڑیں، مگر حاشا ؎

چھُٹتی کہاں ہے مُنہ سے یہ کافر لگی ہُوئی

اب تک وُہ ویسا ہی چنیں وچناں، ویسا ہی امام، یہ اس کے ویسی ہی چناں چنیں، ویسے ہی غلام۔

مسلمانو! انصاف، یہ کون سا دین ہے، کون سی دیانت ہے، اور اس پر ادعائے ایمان وامانت ہے، ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

مسلمانو! اس کا تعجب نہیں کہ اللہ واحد قہار و محمد رسول اللہ سیدالابرار جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وسلم کی سخت سے سخت توہینیں کرنے والے کیوں اپنے باطل پر ایسے اڑے ہیں؟ کیوں چاہِ ضلالت میں اُوپر تلے یُوں اوندھے پڑے ہیں؟ عجب تو یہ ہے کہ دیکھنے والے یہ کچھ ان کے کوتک دیکھیں اور پھر اُن کے جُبّہ و دستار کے دام میں پھنسیں، گویا یہ حرکات ایک سہل سی بات، ناقابلِ التفات، کوئی کسی کا دس پانچ روپے کا مال چُرالے یا دغا سے دبالے ہمیشہ کو نظروں سے گرجائے، چور دغاباز نام قرار پائے۔ اور معاذاللہ! اگر کسی مشہور بنام علم پر ایسا الزام عائد ہو تو اس کی تشہیر حد سے زائد ہو، دس پانچ روپے کا جُرم یُوں ناقابلِ تلافی' اور خاص دین و مذہب وعقائد میں ایسی چوری خیانت سب معاف۔ معافی کیسی خطا ہی نہیں، وضوئے تمیز کبھی ٹوٹا ہی نہیں۔ یہ کیا ظلم ہے، کیا بے پروائی ہے، کیسی آنکھوں پر چربی چھائی ہے۔ مسلمانو! آنکھ کھولو، ورنہ پیشیِ فردا کے لیے مستعد ہولو۔

بروزِ حشر شود ہمچو صبح معلومت   کہ باکہ باختہ عشق در شبِ دیجور

(حشر کے دن صبح کی طرح تجھ پر واضح ہوگا کہ تُو نے اندھیری رات میں کس سے عشق بازی کی ہے۔ ت)

اس تمام شرمناک واقعہ کی تفصیل اور وہ پندرہ سوال ایک مختصر رسالے "دیوبندی مولویوں کا ایمان" میں ہے،

اُسے ملاحظہ کیجئے کہ حق واضح ہے اور خیانت وحق پوشی دونوں کی پُوری پہچان ہے۔ جن صاحب کو انکار ہو۔ گنتے گنتے بھُول گئے، پھر گن لو۔ جناب مولوی تھانوی صاحب سے ان سوالوں کے جواب دلوا لو۔ بہادری تو جب ہے کہ اُن کے مُنہ کی مُہر کھُلوا لو۔ کچھ ایسا بہت سا قضیہ نہیں، کچھ علمی مباحث دقیقہ نہیں۔ حق گوئی وحق پوشی کا سیدھا سا امتحان ہے کہ دہلوی صاحب کا جب تک نام معلوم نہ تھا کفر والحاد کا حکم مرقوم تھا، اب کہ قائل معلوم ہوا کہ وہ حکم کس لیے معدوم ہُوا، کیا کوئی نئی شریعت آگئی؟ تحذیر الناس نئی نبوت کا سکّہ جما گئی جس نے شریعتِ مصطفویہ علٰی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ منسوخ کردی۔ امام جی کی قبراَمْ لَکُمْ بَرَآءَۃٌ فِی الزُّبُرِ (کیا تمہارے لیے کتابوں میں کوئی برات ہے؟ ۔ت) سے بھردی۔ اور اگر نہیں تو کیوں نہیں اپنے ہونٹ کھولتے؟ کیوں نہیں وہ حکمِ کفروالحاد بولتے؟ بیّنوا توجروا، بیّنوا توجروا، بیّنوا توجروا (بیان کرکے اجر پاؤ۔ت) اور نہیں تو زید صاحب ہی اتنا ثواب لیں۔ اس فتوے کے ساتھ وہ سوال بھی حاضر ہوتے ہیں حضرت تھانوی صاحب سے اب جواب لیں۔ زید صاحب کی تحریر پکار رہی ہے کہ اُن کو انصاف وحق جوئی سے دلچسپی ہے وہ ضرور تھانوی صاحب کی خبر لیں گے اور اب جواب نہ ملنے پر انصاف کرلیں گے۔ اے رب توفیق دے، ہدایتِ طریق دے، آمین آمین! والحمد للہ رب العالمین۔

(۱۰) اب زید صاحب کے حوالوں پر نظر ڈالئے۔ درمختار کا حوالہ محض غلط ہے۔

(۱۱) علمگیری کی عبارت میں لا اصل لہٗ (اس کی کوئی اصل نہیں۔ت) اپنی طرف سے بڑھالیا۔

(۱۲) بزازیہ کی عبارت سے واتلاف مال (مال کا ضیاع ۔ت) کم کردیا جس سے علتِ منع ظاہر ہوتی کہ جہاں بے فائدہ محض ہے وہاں ممانعت ہے۔

(۱۳) پھر اس کی کیا شکایت کہ علمگیری میں اِلٰی رَأْسِ الْقُبُوْرِ (قبروں کے سرہانے۔ت) تھا، اسے اِلَی الْمَقَابِر (قبروں کی طرف۔ت) بنالیا تاکہ عموم بڑھ جائے۔

(۱۴) ہاں پُوری چالاکی یہ ہے کہ عبارت علمگیری سے فِی اللَّیَالِی الْاَوَّلِ (پہلی چند راتوں میں۔ت) کا لفظ اُڑادیا، علمگیری کی اصل عبارت یہ ہے:

اِخْرَاجُ الشُّمُوْعِ اِلٰی رَأْسِ الْقُبُوْرِ فِی اللَّیَالِی الْاُوَلِ بِدْعَۃٌ کَذَا فِی السِّرَاجِیَّۃِ[1]

یعنی موت کی پہلی چند راتوں میں شمعیں گھروں سے قبروں کے سرہانے لے جانا بدعت ہے۔ ایسا ہی فتاوٰی سراجیہ میں ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵۱

فتاوٰی سراجیہ دیکھیے اس میں بھی یہ عبارت بعینہٖ اسی طرح ہے۔ اس کے بعد اتنا زائد ہے :

ذکرہ الشیخ الامام الزاھد الصفار البخاری رحمہ اللہ تعالٰی فی کتاب الاعتقاد[1] — یہ مسئلہ شیخ امام زاہد صفار بخاری رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الاعتقاد میں ذکر فرمایا۔

ظاہر ہے کہ یہاں قبورِ عوام ہی کا ذکر ہے کہ اعراسِ طیبہ یا مزاراتِ اولیاء کی روشنی فقط پہلی چند راتوں میں نہیں ہوتی، اور ظاہر ہے کہ وہ ایک عادتِ خاصہ کا بیان ہے ورنہ لیالی اوّل کی تخصیص بے وجہ تھی، اب جس طرح یہاں جُہّال میں رواج ہے کہ مُردہ کو جہاں کچھ زمین کھود کر نہلاتے ہیں جسے عوام لحد کہتے ہیں۔ چالیس رات چراغ جلاتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ چالیس شب رُوح لحد پر آتی ہے اندھیرا دیکھ کر پلٹ جاتی ہے۔ یوں ہی اگر وہاں جُہّال میں رواج ہو کہ موت سے چند رات تک گھروں سے شمعیں جلا کر قبروں کے سرہانے رکھ آتے ہوں اور یہ خیال کرتے ہوں کہ نئے گھر میں بے روشنی کے گھبرائے گا، تو اس کے بدعت ہونے میں کیا شبہہ ہے، اور اس کا پتا یہاں بھی قبروں کے سرہانے چراغ کے لیے طاق بنانے سے چلتا ہے۔ اور بیشک اس خیال سے جلانا فقط اسراف و تضییعِ مال ہی نہیں کہ محض بدعتِ عمل ہو، بلکہ بدعتِ عقیدہ ہوئی کہ قبر کے اندر روشنی و اموات کا اس سے دل بہلنا سمجھا، ولہٰذا امام صفار رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو کتاب الاعتقاد میں ذکر فرمایا۔ اب ملاحظہ ہو کہ اس روایت کو ہمارے مسئلہ سے کیا تعلق رہا! وَالِاحْتِمَالُ یَقْطَعُ الِاسْتِدْلَالَ (اور احتمال، استدلال ختم کر دیتا ہے۔ ت)

(۱۵) اس روایت میں اخراج کا لفظ بھی قابلِ لحاظ ہے۔ قبورِ عوام ہی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہاں نہ کوئی مکان ہوتا ہے نہ حاضر رہنے والے، نہ کوئی سامانِ روشنی۔ گھر ہی سے چراغ لے جانا پڑتا ہے بخلاف مزاراتِ طیبہ کے کہ وہاں گھر سے لے جانے کی حاجت نہیں ہوتی، تو ذکر قبورِ عوام ہی کا ہے، اور اگر زید نہ مانے اور اسے چراغانِ مزاراتِ طیبہ کی نسبت جانے تو آٹھ سو برس سے تو اس روشنی کا ثبوت ہو گیا جسے زید نے مشائخِ زمانہ کا فعل کہا کہ امام زاہد صفار رحمہ اللہ تعالٰی کی وفات ۵۳۴ھ میں ہے[2] کما فی الطبقات الکبرٰی و کشف الظنون (جیسا کہ طبقاتِ کبرٰی اور کشف الظنون میں ہے۔ ت)

(۱۶) سب سے زیادہ خوفناک تحریف یہ ہے تَتَّخِذُوْنَ عَلَیْھِمْ مَّسَاجِدَ کو قرآنِ عظیم کا لفظ کریم بنالیا، حالانکہ یہ جملہ قرآنِ عظیم میں کہیں نہیں۔ یہ تینوں لفظ متفرق طور پر ضرور قرآنِ عظیم میں آئے ہیں مثلاً تتخذون مصانع[3] انعمت علیھم[4] و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ[5]۔ مگر اس ترکیب و ترتیب سے کہیں نہیں۔

---

[1] فتاوٰی سراجیہ — کتاب الکراہیۃ — منشی نولکشور لکھنؤ — ص ۷۳

[2] کشف الظنون

[3] القرآن ۲۶/ ۱۲۹

[4] القرآن ۱/ ۷

[5] القرآن ۲/ ۱۱۴

سورۂ کہف میں یوں ہے :

قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا۔[1] وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے تھے قسم ہے کہ ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے۔ (ت)

پھر بھی دیوبندی صاحبوں کے حال سے غنیمت ہے کہ وہ تو انوکھی کتابیں دل سے گھڑ لیتے ہیں، اُن کے صفحے بنالیتے ہیں، اُن کی عبارتیں دل سے تراش لیتے ہیں، اور اکابر اولیائے کرام وعلمائے عظام کی طرف نسبت کردیتے ہیں۔ دیکھو دیوبندیوں کی لال کتاب "سیف النقی" اور اس کے رد میں العذاب البئیس وغیرہ تحریراتِ کثیرہ۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۱۷) زید کو اقرار ہے کہ فعلِ مشائخ سے قدیم چلا آتا ہے اگرچہ کہیں تو انھیں مشائخ زمانہ لکھا، کہیں پیرزادے اور کہیں مجاور، جن کے لیے قبور ذریعۂ معاش ہیں، مگر شروع میں تحریر فرما چکے ہیں کہ "میں بقسم شرعی باور کراتا ہوں کہ میں نے کوشش کی کہ چراغانِ قبور کا کسی تاویل سے استحسان ثابت ہوجائے تو میں رسمِ قدیم کی مخالفت نہ کروں"۔ اور اس کا جواب وُہ دیا کہ "پیرزادگان صالح ہوں، اہل اللہ ہوں، معصوم نہیں"۔ زید صاحب معصوم کے سوا کسی کی نہیں مانتے۔ مگر افسوس، جب وہ صالحین ہیں، اہل اللہ ہیں تو یہی عالمگیری جس کی سند سے آپ انھیں بدعتی بنانا چاہتے ہیں اُن کے افعال کو دین میں سند وحجت بتاتی ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں مشائخ کرام ہی کے ذکر میں ہے،

یتمسك بافعال اھل الدین کذا فی جواھر الفتاوٰی۔[2] تمسک کیا جائے اہلِ دین کے افعال سے۔ ایسا ہی جواہر الفتاوٰی میں ہے۔

(۱۸) سرکارِ اعظم حضور پُرنور مدینہ طیبہ صلی اللہ تعالٰی علٰی من طیبہا وآلہٖ وبارک وسلم میں وہ جلیل وجمیل روشنی، وہ جانفزا دلکشا روشنی، وُہ دل افروز وبابی سوز روشنی کہ نہایت تزک واحتشام سے ہوتی ہے اس کے جواب میں زید نے یہ تاویل گھڑی کہ وہ روشنی مسجد کریم کے لیے ہے، نہ کہ مزارِ اقدس کے واسطے صلی اللہ تعالٰی علٰی صاحبہٖ وآلہٖ وبارک وسلم۔ شاید زید کو زیارت سراپا طہارت نصیب نہ ہُوئی۔ اپنے قصبہ کی کسی مسجد پر قیاس کیا جہاں دمڑی کے چراغ میں دھیلے کا تیل، وہاں کے فرشی جھاڑوں اور کثیر التعداد فانوسوں اور ہزار ہا روپے کے شیشہ آلات اور اُن کی دل نواز جگمگاہٹ دیکھو تو آپ کی خشن بے ذوق طبیعت کے طور پر یہ مسجد کے لیے کب جائز ہو، وہی بزازیہ جس سے یہ سند لائے اُسی کی دربارۂ مسجد بھی سُنیے، اس کی کتاب الوصایا فصل اوّل میں ہے :

---

[1] القرآن ۱۸/ ۲۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب السابع عشر فی الغناء واللھو الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

قال ثلث مالی فی سبیل اللّٰہ ففی النوازل لو صرف الی سراج المسجد یجوز لکن الی سراج واحد فی رمضان وغیرہ[1]

یعنی اگر کوئی اپنے تہائی مال کی وصیت راہِ خدا کے لیے کرے تو اس سے مسجد کا چراغ بھی جلا سکتے ہیں مگر صرف ایک چراغ، رمضان ہو یا غیر رمضان۔

(۱۹) زید صاحب کو چاہیے ذرا حج وزیارت سے مشرف ہوں وہاں اُن کو مسجد الحرام شریف میں کچھ ہانڈیاں گردِ مطاف نظر آئیں گی کہ ساری مسجد کریم کو پُوری روشنی نہیں دیتیں، اور سرکارِ اعظم میں وہ نظر آئے گا جس سے آنکھیں چُندھیا جائیں۔ اگر یہ روشنی مسجد کے لیے ہوتی تو مسجد الحرام شریف زیادہ مستحق تھی کہ وہ مسجد مدینہ طیبہ سے افضل بھی ہے اور وسعت میں بھی کئی حصے زیادہ، نہیں نہیں، بالیقین وُہ تجمل روضہ پُرانوار حضور سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لیے ہیں، جسے ہر سمجھ والا بنگاہِ اولیں ادراک کرلیتا ہے۔ میرے دل سے اُن لفظوں کا ذوق نہیں جاتا جو ایک مسلمان زائر نے حج کے بعد شان وتجمل روضۂ انور دیکھ کر کہے تھے کہ یہاں شانِ محبوبیت کھلتی ہے، اس نے کہ گھر سے پاک ہے اپنا گھر یُوں سادہ رکھا ہے اور کاشانۂ محبوب کے یہ سازو سامان ہیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ دیکھیے نگاہِ ظاہر پر اس شان وشکوہ کا کیسا اثر پڑا کہ اُس ناظر کے دل میں ایمان جگمگا اُٹھا۔ اسی حکمت کے لیے تو علمائے کرام نے تجمل ظاہر پسند فرمایا ہے ورنہ حاشا للہ ع

حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

(دل کو سکون دینے والے چہرے کے لیے آرائش کی ضرورت نہیں۔ ت)

اللّٰھم ارزقنا الایمان الکامل وامتنا علیہ بجاہ حبیبک وعروس مملکتک صلی اللّٰہ علیہ وعلٰی اٰلہ وبارك وسلم۔ اٰمین۔

اے اللہ! ہمیں ایمانِ کامل نصیب کر اور اسی پر ہمیں موت دے اپنے حبیب اور اپنے عروس مملکت کے طفیل، اللہ تعالٰی ان پر اور ان کی آل پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے۔ الٰہی قبول فرما! (ت)

(۲۰) مسجد میں روشنی خشت وگِل کی ذات کے لیے نہیں ہوتی بلکہ نمازیوں کے واسطے، بلکہ نماز میں بھی اصل نظر صرف فرائض پر مقصور ہے کہ اصالۃً بنائے مسجد انہی کے لیے ہے، ولہٰذا جہاں تہجد وغیرہ نوافل خواں وذاکرین شب بھر مسجد میں رہتے یا رات کے سب حصوں میں ان کی آمد ورفت مسجد میں رہتی ہو، اور اس وجہ سے وہاں شب بھر روشنی رکھنے کی عادت ہو یا واقف نے خود اس کی تصریح کردی ہو، ایسی جگہ کے علاوہ باقی تمام مساجد میں تہائی رات کے بعد روشنی گُل کردینے کا حکم ہے کہ اب اسراف وتضییعِ مال ہے۔

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علٰی حاشش فتاوٰی ہندیہ کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۴۳۵

فتاوٰی خانیہ وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہ میں ہے:

لاباس بان یترك سراج المسجد الی ثلث اللیل ولایترك اکثرمن ذٰلك الااذا شرط الواقف ذٰلك اوکان ذٰلك معتادًا فی ذٰلك الموضع[1]

مسجد کا چراغ مسجد میں تہائی رات تک جلتا چھوڑ دینے میں حرج نہیں اور اس سے زیادہ نہ جلایا جائے، لیکن جبکہ واقف نے اس کی شرط رکھی ہو یا وہاں اس کا رواج ہو۔(ت)

سراج وہاج پھر ہندیہ میں ہے:

لو وقف علی دھن السراج للمسجد لایجوز وضعہ جمیع اللیل بل بقدر حاجۃ المصلین ویجوز الی ثلث اللیل اونصفہ اذا احتیج الیہ للصلوٰۃ فیہ[2]

اگر مسجد کے چراغ کے لیے وقف کیا تو پوری رات چراغ جلانا جائز نہیں بلکہ تہائی رات تک جواز ہے یا نصف شب تک جبکہ نماز کے لیے اس کی ضرورت ہو۔(ت)

اور مسجد اکرم سرکار اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں نمازِ عشاء کے بعد کوئی رہنے نہیں پاتا، لوگوں کو باہر کرکے سحر تک دروازے بند رکھتے ہیں، اور یہ عادت آج سے نہیں صدہا سال سے ہے۔ امام جلیل ابوالحسن سمہودی کتاب وفاء الوفاء میں جس کی تصنیف ۸۸۶ھ میں فرمائی، پھر اس کے خلاصہ خلاصۃ الوفاء میں فرماتے ہیں:

یطاف لاخراج الناس من المسجد بعد العشاء الاخرۃ بفوانیس ستۃ رتبہا شیخ الخدام شبل الدولۃ کافور المظفری الحریری وکان الطواف قبلہ بشعل من السعف[3]

نمازِ عشاء کے بعد لوگوں کو مسجد کریم سے باہر کرنے کیلئے اب چھ فانوس لے کر دورہ کرتے ہیں جن کو خدام کے شیخ شبل الدولۃ کافور المظفری الحریری نے بنایا ہے جبکہ قبل ازیں کھجور کی شاخ کی شمع سے دورہ ہوتا تھا۔(ت)

نیز اس پر اس سے بہت پہلے کی وہ جلیل القدر معجزہ خسف بدخواہانِ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی عظیم حکایت دال ہے جو اسی کتاب وفاء الوفا تصنیف ۸۸۶ ہجری، اور اس سے پہلے کتاب ریاض النضرۃ

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف منشی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الحادی عشر فی المسجد الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۹

[3] وفاء الوفاء فصل ۳۱ عدد قنادیل المسجد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۲-۶۸۱

امام محب الدین طبری متوفی ۶۹۴ ہجری، و کتاب تاریخ المدینہ للامام الجلیل ابی محمد عبداللہ المرجانی میں مذکور و ماثور ہے، اور ان سب سے پہلے خادمِ روضۂ مطہرہ نے امام ابوعبداللہ قرطبی کے سامنے اسے روایت کیا، اس کی اصل خود امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت۔ بلاذری نے ابوسعید مولٰی ابی اسید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

قال کان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ یعس فی المسجد بعد العشاء فلا یری احدا الا اخرجہ الا رجلا قائما یصلی[1]

فرمایا، امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نمازِ عشاء کے بعد مسجد کریم میں دیکھ بھال کے لیے دَورہ فرماتے جسے دیکھتے مسجد سے باہر فرما دیتے، مگر جو شخص کھڑا نماز پڑھ رہا ہو۔

باایں ہمہ مسجد کریم میں صبح تک روشنی رہتی ہے اور فقہائے کرام نے اس کے جواز کی تصریح فرمائی۔ وہی بزازیہ کتاب الوقف فصل رابع ملاحظہ کیجئے:

یجوز ترك سراج المسجد فیہ من المغرب الی العشاء لا کل اللیل الا اذا اجرت العادۃ بذلك کمسجد سیدنا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]

جائز ہے مسجد کے چراغ کا مسجد میں چھوڑنا مغرب سے عشاء تک نہ کہ تمام شب۔ مگر جب کہ اس کی عادت ہو جیسے کہ مسجد نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم۔

اس سے بھی روشن کہ یہ روشنی نمازیوں کے لیے نہیں ہے بلکہ روضۂ اقدس کے لیے ہے اور ہم عنقریب کلام ائمہ سے اس کی تصریح نقل کریں گے، وباللہ التوفیق۔

(۲۱) زید صاحب نے یہ روشنی مزار اطہر کے لیے نہ ہونے کی وُہ بھاری دلیل گھڑی جس کے بوجھ میں خود ہی دب کر رہے۔ ذرا یہ نئی منطق جہان بھر سے بھی جُدا منطق الطیر سے بھی سوا ملاحظہ ہو کہ "قبر شریف درحقیقت رُوپوش ہے بھلا پھر روشنی اُس کے لیے ہو سکتی ہے" گویا جو شئے نظر نہ آئے اُس سے اعتناء اس کی تکریم ہو ہی نہیں سکتی۔ اہل اللہ پر عبادتِ قبور کا الزام رکھا تھا جس کی تکذیب کو اُن کا اہل اللہ ہونا ہی بس تھا مگر کہیں یہ مسئلہ عباد صنم کی تائید نہ کرے۔ وُہ یہی کہتے ہیں کہ بے دیکھے تعظیم کیسی؟

(۲۲) حجرۂ مطہرہ کی آرائشیں اور اُس پر وہ ہزار ہا روپے کی تیاری کا غلاف شریف یہ بھی شاید مسجد ہی کے لیے ہو کہ مزار کریم تو مستور ہے۔

---

[1] وفاء الوفا فصل ۳۰ فی تحصیب المسجد احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی هامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۶۹

(۲۳) غنیمت ہے کہ اس مسئلہ میں تعظیم قبور کا الزام تو قطع ہوا۔ مزاراتِ اولیائے کرام عموماً جہاں جہاں روشنی ہوتی ہے خصوصاً ایامِ اعراس میں غلافوں سے روپوش ہوتے ہیں تو بطورِ زید بھی یہ روشنی تعظیمِ قبور کے لیے نہیں ہو سکتی۔

(۲۴) دوسری بات یہ کہ روشنی منجانب سلطان ہوتی ہے جس نے بنک قائم کیا۔ اس کہنے کا محل جب تھا کہ فعلِ سلطان سے کسی نے استناد کیا ہوتا کہ یہ روشنی اس لیے جائز ہوتی ہے کہ سلطان کی طرف سے ہوتی ہے، اور جب ایسا نہیں تو بے محل محض سلطان ترکی کو باتباع لہجہ نصارٰی بکروہ لفظ ٹرکی سے تعبیر کرکے بلاوجہ سلطانِ اسلام کی عیب چینی کیا مصلحت ہوئی۔ حدیث میں ہے،

السلطان ظل اللّٰہ فی الارض فمن اکرمہ اکرمہ اللّٰہ ومن اھانہ اھانہ اللّٰہ[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی الشعب عن ابی بکرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم۔

سلطان زمین میں اللہ تعالٰی کا سایہ ہے جو اس کی عزت کرے اللہ تعالٰی اس کو عزت دے، اور جو اس کی توہین کرے اللہ تعالٰی اسے ذلت دے۔ اسے طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کیا۔

لاجرم یہ اپنی طرف سے عدمِ جوازِ روشنی پر اقامت دلیل ہے، بہ ضرورت اس کے ذکر کی طرف ہوئی اگرچہ اب بھی شرع مطہر مسئلہ کی روش سے دُور ہے کہ اس کی سند کتابت بعض اخبارات ہی ہوگی اور اخباری بیانات جیسے ہوتے ہیں معلوم ہیں۔ امام حجۃ الاسلام نے احیاء العلوم میں تصریح فرمائی کہ کسی مسلمان کی طرف نسبتِ کبیرہ حرام ہے، جب تک تواتر سے یقینی الثبوت نہ ہو، نہ کہ محض اخباری گپتیں۔ اگر صحیح بھی ہو تو ممکن بلکہ مظنون کہ وہ اس نئی جماعت حریت کی طرف سے ہوگا تو سلطان کے سر اس کبیرہ کا باندھنا محض جزاف ہے پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ "بینک سود دینے کے لیے ہے یا معاذ اللہ سُود لینے کے لیے، سلطنت میں اس وقت وُہ وسعت کہاں کہ لوگوں کو کثیر المقدار قرض دے، وُہ خود اپنی ضروریات شدیدہ کے لیے روپے کی حاجتمند ہے اور حاجتِ شرعیہ کے وقت سود دینے کی اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح[2]

نفع دینے کی شرط پر حاجتمند کو قرض لینا جائز ہے (ت)

بہرحال اب حاصل دلیل یہ ہے کہ یہ سلطان کی طرف سے ہے اور سلطان فاسق ہیں، اور جو فاسق کی طرف

---

[1] شعب الایمان باب فی طاعۃ اولی الامر حدیث ۷۳۷۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۱۷

[2] الاشباہ والنظائر بحوالہ القنیہ والبغیہ القاعدۃ السادسہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۲۶

سے ہو سب ناجائز ہے۔ اس دلیل کی خوبی اس کے کبریٰ کی کلیت سے ظاہر قرآن پر اعراب لگانا تو شاید سخت ہی بدتر کام ہوگا کہ حجاج جیسے ظالم اظلم کی طرف سے ہے۔

(۲۵) سلطانِ اسلام سے فارغ ہو کر حرمین طیبین کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہاں کا بڑا حصہ ڈاڑھی کترواتا ہے الحمدللہ کہ کلیہ نہ کہا، ہر جگہ ہمیشہ بڑا حصہ عوام کا ہوتا ہے۔ اگر عام طور پر عوام صدہا سال سے ایک فعل کریں اور وہ بھی مسجد میں، اور وہ بھی مسجد اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں، اور وہ بھی کارِ خیر و موجب اجر و تعظیم شعائر اللہ و اجلال حرمات اللہ جان کر۔ باایں ہمہ جماہیر علماء روزانہ دیکھیں اور منع نہ فرمائیں تو استناد تقریر علماء سے ہوگا نہ کہ فعلِ عوام سے۔

(۲۶) خود ہی سمجھ کر کہ تعامل ہے نہ مجرد عمل عوام اس کا یہ علاج کیا کہ تعامل حرمین شریفین کا بعد قرونِ ثلٰثہ کے سند نہیں۔ قرونِ ثلٰثہ کی تخصیص کا قضیہ ہمارے رسالہ ردّ وہابیہ میں جابجا رد ہو چکا اور مسئلہ تعامل حرمین شریفین بھی کتاب مستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" قاعدہ یازدہم میں واضح فرما دیا گیا، یہاں اسی قدر کافی کہ شیخ محقق جذب القلوب شریف میں حدیث صحیح بخاری: انہا طیبۃ تنفی الذنوب کما تنفی الکیر خبث الفضۃ (بیشک وُہ طیبہ ہے، گناہوں کو دُور کرتا ہے جیسے بھٹی چاندی کا میل دور کرتی ہے۔ ت) وغیرہ بیان کرکے فرماتے ہیں:

"مراد نفی و ابعاد اہلِ شر و فساد است از ساحت عزت ایں بلدہ طیبہ و بقول اکثر علمائے دین خاصیت مذکورہ در وے در جمیع ازمان و دہور پیداست"۔[1]

اس شہر پاک کی سرزمین سے شر و فساد والوں کو دور کرنا مراد ہے اور اکثر علمائے دین کے بقول اس میں یہ خاصیت ہر دَور اور ہر زمانے میں ہے۔ (ت)

صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الایمان لیارز الی المدینۃ کما تارز الحیۃ الی جحرھا۔[2]

بیشک ایمان مدینہ کی طرف سمٹتا ہے جیسے سانپ اپنے بل کی طرف۔

امام قرطبی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

فیہ تنبیہ علی صحۃ مذھبھم وسلامتھم من البدع وان عملھم حجۃ فی زمانہ۔[3]

اس حدیث شریف میں تنبیہ ہے اس پر کہ اُن کا مذہب صحیح ہے اور وُہ بدعتوں سے پاک ہیں اُن کا عمل ہمارے زمانہ میں حجت ہے۔

---

[1] جذب القلوب باب دوم در ذکر فضائل منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۵
[2] صحیح البخاری باب الایمان یارز الی المدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۲
[3] عمدۃ القاری شرح البخاری بحوالہ قرطبی دار الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۰/۲۴۰

(۲۷) آگے ترقی کرکے تعامل حرمین شریفین کو بالکل ساقط و نامعتبر کردیا۔ قرونِ ثلثہ کا استثنا بھی اُڑ گیا، اور دلیل یہ کہ حجت صرف قرآن وحدیث و اجماع و قیاس مجتہدین ہیں۔ ابھی کہا تھا کہ "چراغاں کا جواز اگر آج بھی کسی عالم مستند کی کتاب سے نکل آئے تو مجھ کو کد نہ ہوگی"۔ اور ممانعت کے لیے شاہ رفیع الدین صاحب کے فتوے اور قاضی صاحب پانی پتی کی مالابد وارشاد الطالبین سے استناد کیا۔ یہ لوگ اور ان کا کلام بھی نہ قرآن ہے، نہ حدیث، نہ اجماع، نہ قیاسِ مجتہدین۔ پھر یہ پانچویں حجت کہاں سے نکل آئی!

(۲۸) ابھی جواہر الفتاوٰی وفتاوٰی عالمگیریہ سے گزرا کہ دینداروں کے افعال سند ہوتے ہیں، یہ چھٹی حجت ہوئی۔

(۲۹) اب بفضل اللہ عزوجل ہم وہ عبارات جانفزا ذکر کریں جن سے یہ ثابت ہو کہ روضۂ انور میں کیسی روشنی ہوتی ہے اور کے سو برس سے رائج ہے، جب سلطنت عثمانیہ کی بنیاد بھی نہ پڑی تھی، اور یہ کہ وہ خاص روضۂ اطہر ہی کے واسطے ہے نہ کہ بہ نیتِ مسجد۔ اور یہ کہ وہ بمنظوریٔ علمائے کرام ہے نہ کہ صرف فعلِ سلاطین۔ اور یہ کہ کیسے امام جلیل نے اُس کے جواز کا روشن فتوٰی دیا، نہ فتوٰی بلکہ خاص اس باب میں مستقل رسالہ تصنیف فرمایا، والحمدللہ۔ عالم مدینہ طیبہ امام اجل سید ابوالحسن علی نورالدین بن عبداللہ سمہودی مدنی قدس سرہ، معاصر امام اجل جلال الملۃ والدین سیوطی رحمہما اللہ تعالٰی نے (کہ دونوں حضرات کی وفات شریف ۹۱۱ھ میں ہوئی) کتاب مستطاب خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم تصنیف ۸۹۳ ہجری کے باب رابع کی شانزدہ گانہ فصلوں میں فصل ۱۱ روضۂ اقدس کے تزک واحتشام وشیشہ آلات وسامان روشنی کے بیان میں وضع فرمائی، اور فصل ۱۴ مسجد مقدس کے ستونوں، چراغوں وغیرہ کے بیان میں جُدا لکھی، اس فصل مسجد میں فرمایا:

بصحن مسجد اربع مشاعل تشعل فی لیالی الزیارات المشہورۃ وما علمت اول من احدثہا وبالمسجد سلاسل کثیرۃ للقنادیل عملت بعد الحریق والمرتب للوقود منہا یزید وینقص لما لا یخفی۔[1]

مسجد کریم کے صحن میں چار مشعلیں ہیں کہ زیارت کی مشہور راتوں میں روشن کی جاتی ہیں اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ اوّل اوّل یہ مشعلیں کس نے رکھیں، اور مسجد میں قندیلوں کی بہت سی زنجیریں ہیں کہ آتشزدگی کے بعد بنیں اور اُن کی روشنی کا راتب گھٹتا بڑھتا ہے جس کا سبب ظاہر ہے۔

---

[1] وفاء الوفاء فصل ۳۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۸۱

اور اسی فصل روضۂ انور میں فرمایا :

اما معالیق الحجرۃ الشریفۃ التی تعلق حولہا من قنادیل الذھب والفضۃ و نحوھما فلا اقف علی ابتداء احدثہا الا ان ابن النجار قال مالفظہ فی سقف المسجد الذی بین القبلۃ والحجرۃ علی رأس الزوار اذ وقفوا معلق نیف واربعون قندیلا کبارا وصغارا من الفضۃ المنقوشۃ والساذجۃ وفیہا اثنان من بلور وواحد من ذھب وفیہما قمر من فضۃ مغموس فی الذھب وھذہ تنفذ من البلدان من الملوک وارباب الحشمۃ انتہی۔ وعمل من ذکر مستمر بذلک لم تزل ھذہ القنادیل فی زیادۃ ومن احسن ما رأیت من معالیق الحجرۃ قندیل من فولاد کبیر احسن التکوین مخرما مکفتا بذھب یضئ اذا اسرج فیہ وعلیہ مکتوب ان الناصر محمد بن قلادون علقہ بیدہ ھناک[1] انتہی ملتقطا۔

حاصل یہ کہ روضۂ انور کا سامان روشنی ، سونے کی قندیلیں اور چاندی کی ' اور ان کے مثل اور قیمتی چیزوں کی کہ روضۂ مطہر کے گرد آویزاں کی جاتی ہیں ' مجھے معلوم نہ ہوا کہ ان کی ابتدا کب سے ہے ' ہاں امام حافظ الحدیث محمد بن محمد بن النجار متوفی ۶۴۲ھ نے اپنی کتاب الدرالثمینہ فی اخبار المدینہ میں فرمایا کہ سقف مسجد کریم کے اتنے ٹکڑے میں کہ دیوار قبلہ سے حجرۂ مقدسہ تک ہے ، جب زائرین مواجہہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم میں کھڑے ہوں ، اُن کے سروں پر چالیس سے زائد قندیلیں آویزاں ہیں ۔ بڑی بڑی اور چھوٹی چاندی کی نقشی اور سادی اور ان میں دو بلور کی ہیں ، ایک سونے کی ' اور ایک چاندی کا چاند ہے سونے میں مغرق ، اور یہ شہروں شہروں سے سلاطین و اُمرار حاضر کیا کرتے ہیں انتہی ، اور یہ دستور برابر چلا آتا ہے ہمیشہ ان قندیلوں میں ترقی ہوتی رہی ، اور روضہ مطہرہ کی تمام آویزاں روشنیوں میں سب سے زیادہ خوبصورت جو میں نے دیکھی وہ فولادی بڑی قندیل ہے کہ نہایت خوبصورت بنی ہوئی ہے اُس کے پیٹ اور کناروں پر سونا چڑھا ہوا ہے کہ اُس میں روشنی کرنے سے دمکنے لگتا ہے اس پر لکھا ہوا ہے کہ ناصر الدین محمد بن قلادون نے اُسے یہاں اپنے ہاتھ سے لٹکایا ۔ انتہی ملتقطاً

یہاں تو آپ کو یہ معلوم ہُوا کہ روشنی خاص روضہ منورہ کے لیے ہے اور یہ کہ کتنی کثیر و شاندار ہے اور یہ کہ صدہا سال سے ہے اور یہ کہ عثمانی سلطنت سے بھی بہت پہلے سے ہے ۔ اب مجمع علمائے کرام کا ذکر سُنئے

---

[1] وفاء الوفاء فصل ۲۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸۳ تا ۵۸۹

علامہ قطب الدین مکی حنفی معاصر امام ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالیٰ کتاب الاعلام باعلام بیت الحرام ص ۳۰ میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں: جب سلطان مراد خان بن سلطان سلیم خان بن سلیمان خان رحمہم الرحمٰن نے ۹۸۴ھ میں باب عالی سے سونے کی تین قندیلیں بیش بہا جواہرات سے مرصع محمد چادلیش خان کے ہاتھ حاضر کی ہیں کہ وہ کعبہ معظمہ کے اندر آویزاں کی جائیں اور ایک حجرۂ مزار اطہر میں چہرۂ انور کے مقابل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

جب مکہ معظمہ میں آئے حضرت شریف مکہ سیدی حسن بن ابی نمی حسنی اور ناظر حرم محترم قاضی مدینہ منورہ شیخ الاسلام سید العلماء سیدی حسین حسینی مکی اور قاضی مکہ معظمہ مولانا مصلح الدین لطفی بیگ زادہ مع جملہ اعیان واکابر حرم محترم حاضر ہوئے، فرماتے ہیں: وکافۃ العلماء والفقہاء والموالی[1] یعنی مکہ معظمہ کے تمام علماء وفقہاء وسردار گرد کعبہ معظمہ جمع ہوئے۔ پھر آستانہ عالیہ کی طرف سے حضرت شریف و دیگر عظماء کو خلعت پہنائے گئے۔ کعبہ معظمہ کا دروازہ کھولا گیا۔ سیدنا الشریف نے خلعت پہنا اور طواف کعبہ معظمہ کیا۔ اِدھر وہ طواف میں ہیں اُدھر رئیس مؤذنان قبہ زمزم پر سلطنت وشریف کے لیے باآواز بلند دعا کر رہا ہے اور تمام حاضرین دعا و آمین میں مشغول ہیں۔ بعد فراغ طواف ورکعتین طواف حضرت شریف کعبہ معظمہ کے اندر حاضر ہوئے اور اپنے دست مبارک سے قندیلیں آویزاں کیں۔ سب حاضرین جملہ علماء وفقہاء وامراء وعظماء نے فاتحہ پڑھی اور دعائیں کیں، اور جلسہ ختم ہوا۔ علامہ ممدوح فرماتے ہیں:

وکان یوما شریفا مشھودا ووقتا مبارکا متیمنا مسعودا۔[1]

اور وہ دن بزرگ اور تمام اعیان مکہ کی حاضری کا تھا اور وہ وقت مبارک اور فرخندہ باسعادت تھا۔

پھر محمد چادلیش باقی قندیل لے کر سرکار اعظم مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، علامہ فرماتے ہیں:

واجتمعت لہ اکابر المدینۃ الشریفۃ و اعیانھا وعلماؤھا وصلحاؤھا۔[2]

اُن کے پاس مدینہ طیبہ کے اکابر وعمائد وعلماء وصلحاء سب جمع ہوئے۔

وعمل محفل شریف فی الحرم الشریف النبوی[3]

حرم کریم میں محفل عظیم منعقد کی گئی۔

وفتحت الحجرۃ الشریفۃ النبویۃ علی ساکنھا افضل الصلٰوۃ وعلی ذلک

حجرۂ طاہرہ مزار پُر انوار حضرت سید ابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھولا گیا اور وہ سونے کی قندیل جواہر

---

[1] تا [3] الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام

القندیل تجاه وجہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]

بے بہا سے مرصع رُوئے انور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مواجہ اقدس میں آویزاں کی گئی۔

وقرئت الفواتح وحصل الدعاء[2] حاضرین نے فاتحہ پڑھی اور دعا کی۔ اور مجلس بخیر و خوبی ختم ہوئی۔

علامہ ممدوح اس حکایت کا خاتمہ ان لفظوں میں فرماتے ہیں:

وھواول من علق قنادیل الذھب فی الحرمین الشریفین من سلاطین اٰل عثمان خلد اللہ تعالٰی سلطنتھم وقد سبق بھذہ المنقبۃ الشریفۃ اٰباءہ السلاطین العظام[3]

یعنی سلاطین آل عثمان میں کہ اللہ عزوجل اُن کی سلطنت کو ہمیشہ رکھے، سلطان مراد خاں نے اس کی پہل کی کہ حرمین محترمین میں سونے کی قندیلیں آویزاں کیں، وہ اس عظیم منقبت میں اپنے باپ دادا سلاطین پر سبقت لے گئے۔

اس خاتمہ سے دو فائدے ظاہر ہوئے: ایک[1] یہ کہ سلاطین عثمانیہ سے پہلے سلاطین بھی سونے کی قندیلیں حاضر کرتے۔ سلاطین عثمانیہ میں پہلے یہ سعادت سلطان محمد مراد خاں نے پائی۔ دوسرے[2] یہ کہ علامہ ممدوح اس کا استحسان فرماتے، اور اسے منقبت شریفہ بتاتے ہیں۔

اب پھر عبارات سابقہ خلاصۃ الوفاء کی طرف رجوع کیجئے اور وُہ سُنیے جو امام ممدوح سیدی نور الدین سمہودی اس عبارت کے اثناء میں اُس جانفزا روشنی کے بیان میں حکم فرماتے ہیں وُہ عبارت یہ ہے:

وقد الف السبکی تالیفا سماہ تنزل السکینۃ علٰی قنادیل المدینۃ وذھب فیہ الٰی جوازھا وصحۃ وقفھا وعدم جواز صرف شیئ منھا لعمارۃ المسجد[4]

بیشک امام اجل تقی الملۃ والدین علی بن عبد الکافی متوفی ۷۵۶ھ رحمہ اللہ تعالٰی نے خاص اس باب میں ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا نام "تنزل السکینۃ علٰی قنادیل المدینۃ" رکھا۔ اور اس کتاب میں اُن کا وقف صحیح ہونا بیان فرمایا اور یہ کہ اُن کو مسجد کی عمارت میں صرف کرنا جائز نہیں۔

یہ امام اجل وُہ ہیں جن کی نسبت امام ابن حجر فرماتے ہیں، الامام المجمع علٰی جلالتہ واجتہادہ[5] وہ امام کہ ان کی جلالتِ شان و قابلیت اجتہاد پر اجماع ہے۔

---

[1] تا [3] الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام فصل ۲۵

[4] وفاء الوفاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۹۵-۵۹۱

[5] امام ابن حجر

33

صلاح صفدی نے کہا:

الناس یقولون ماجاء بعد الغزالی مثلہ و عندی انھم یظلمونہ وماھو عندی الامثل سفین الثوری[1]

لوگ کہتے ہیں امام حجۃ الاسلام کے بعد کوئی امام تقی الدین سبکی کے مثل پیدا نہ ہوا اور میرے نزدیک وہ ان کی شان گھٹاتے ہیں۔ میرے نزدیک تو وہ امام سفیان ثوری کے ہمسر ہیں۔

جو اجلہ اکابر تابعین سے تھے وہ اس روشنی کو فقط جائز ہی نہیں بتاتے بلکہ فرماتے ہیں کہ اس پر رحمتِ الٰہی کا سکینہ اُترتا ہے، غالباً اب تو زید صاحب اپنے تمام وساوس سے باز آکر اپنی قسم پوری کریں گے۔

(۳۰) حدیث مذکور کو زید نے بالجزم رسولِ خدا کا ارشاد بتایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم۔ یہ سخت بیباکی وجرأت ہے۔ وہ حدیث صحیح نہیں۔ اس کی سند کا مدار ابوصالح باذام پر ہے، باذام کو ائمہ فن نے ضعیف بتایا۔ تقریب امام ابنِ حجر عسقلانی میں ہے:

باذام بالذال المعجمۃ ویقال اٰخرہ نون ابوصالح مولٰی ام ھانی ضعیف مدلس[2]

باذام ذال معجمہ سے، اور کہا جاتا ہے کہ آخر میں نون۔ یعنی باذان۔ ابوصالح۔ اُم ہانی کا آزاد کردہ غلام ضعیف تدلیس کرنے والا ہے۔ (ت)

(۳۱) یہیں سے ظاہر ہوا کہ یہ حدیث قابلِ احتجاج نہیں کہ حدیث ضعیف دربارۂ احکام حجت نہیں ہوتی۔ تحسین ترمذی باعتبار ترجمہ باب ہے کہ اس باب ماجاء فی کراھیۃ ان یتخذ علی القبر مسجدا میں وارد کیا اور قبور پر مسجد نہ بنانے میں بیشک احادیث متعددہ وارد۔ خود جامع ترمذی میں ہے: وفی الباب عن ابی ھریرۃ وعائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما[3] (اس باب میں حضرت ابوہریرہ و حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی روایت ہے۔ ت) بخلاف چراغ کہ اس کی ممانعت میں یہی حدیث ضعیف باذام ہے۔ اس کا یہ ٹکڑا حسن نہیں۔ خود امام ترمذی اپنی اصطلاح میں بتاتے ہیں:

ماذکرناہ فی ھذا الکتاب حدیث حسن فانما اردنا حسن اسنادہ عندنا کل حدیث یروی لایکون

اس کتاب میں ہم نے جسے حدیث حسن بتایا اس سے یہی مراد ہے کہ وہ ہمارے نزدیک حسن ہے جس حدیث کی

---

[1] صلاح صفدی

[2] تقریب التہذیب حرف الباء الموحدہ ترجمہ ۶۳۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۲۱

[3] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی کراھیۃ ان یتخذ علی القبر امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۴۳

فی اسنادہ من یتھم بالکذب ولا یکون الحدیث شاذا ویروی من غیر وجہ نحو ذاک فھو عندنا حدیث حسن[1] | سند میں کوئی متہم بالکذب نہ ہو، نہ ہی وہ حدیث شاذ ہو، اور ایسے ہی متعدد طرق سے مروی ہو، وہ ہمارے نزدیک حدیث حسن ہے۔ (ت)

(۳۲) حدیثِ مانعین سے تین جواب ہیں:

پہلا یہ کہ حدیث سرے سے صحیح ہی نہیں اور سب میں اخیر تنزل کا جواب وُہ کہ امام نابلسی کے ارشاد سے گزرا۔

اور اوسط جواب یہ ہے کہ حدیث میں لفظ علٰی ہے اس سے قبر پر چراغ رکھنے کی ممانعت ہُوئی، اسے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ علٰی کے معنی حقیقی یہ ہیں، اور حقیقت سے بلاضرورت عدول نامقبول، وہ عدول ہی تاویل ٹھہرے گا۔ اور اگر وجہ مُوجّہ نہ رکھتا ہو مردود رہے گا۔

تاویل یہ ہے کہ لفظ کو اس کے معنی ظاہر سے پھیرا جائے۔ مگر طرفہ یہ کہ زید نے معنی حقیقی مراد لینے کا نام تاویل رکھا اور تاویل بھی کیسی ضعیف، اور نہ صرف ضعیف بلکہ معاذ اللہ حدیث کے ساتھ مضحکہ، اس ظلم شدید کی کوئی حد ہے اور نہ دیکھا کہ امام علامہ نابلسی قدس سرہ القدسی اس حدیث کی شرح میں کیا فرماتے ہیں:

المتخذین علیھا ای القبور یعنی فوقھا[2] | قبروں پر یعنی اُن کے اُوپر۔ (ت)

دیکھو اس معنی حقیقی کی تصریح فرمائی جسے زید نے معاذ اللہ مضحکہ بنایا۔

(۳۳) کریمۂ لنتخذن علیھم مسجدا میں ضمیر جانب اصحاب کہف ہے، اور آدمی کے جسم کے اوپر مسجد بنانے کے کوئی معنی نہیں تو بناء متعین نہیں سبب بخلاف حدیث کہ اس میں ضمیر جانب قبور ہے اور قبر پر چراغ رکھنا ممکن، بلکہ بعض جگہ عوام سے واقع ہے تو اسے آیت پر قیاس کرنا محض سُوئے فہم ہے۔ وہ چمک کر کہا تھا کہ "کیا اس کے یہ معنی ہیں اصحابِ کہف کے سینہ پر سنگِ بنیاد مسجد کا رکھیں گے"۔ وہ خود اپنے شبہہ کے پاؤں میں تیشہ ہے۔ یہ معنی صحیح نہ ہونا ہی تو حقیقت سے صارف اور مجاز کا قرینہ ہُوا، یہاں کہ بے تکلف معنی حقیقی بن رہے ہیں اُن سے پھیرنے والا کون، اور مجاز کے لیے قرینہ کیا۔

(۳۴) دوسری مثال قبر پر چڑھاوا چڑھانے کی دی، اور نہ سمجھا کہ یہاں مجاز لفظ "پر" میں نہیں کہ علٰی بمعنی عند ہو، جس طرح تم حدیث میں لے رہے ہو، قبر کے نزدیک کسی چیز کے چڑھانے کے کیا معنی، بلکہ مجاز خود یہاں چڑھاوے کے لفظ میں ہے۔ صدقہ کہ جُہّال کسی مریض وغیرہ کے لیے چورا ہے میں رکھتے ہیں اسے

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ما جاء فی کراہیۃ ان یتخذ علی القبر الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۴۳

[2] الحدیقۃ الندیۃ ایقاد الشموع فی القبور مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۳۰

اوتارا کہتے ہیں کہ اسے ذلیلوں خبیثوں شیطانوں کے لیے کرتے ہیں، اور نذور کہ مزاراتِ طیبہ کے حضور لاتے ہیں اسے چڑھاوا کہتے ہیں کہ بلند مرتبہ معظموں کے حضور پیش کرتے ہیں، یہ اتار چڑھاؤ باعتبارِ مرتبہ ہے، نہ باعتبارِ جہت تحت و فوق۔ اور نہ سہی اگر ایک جگہ کوئی لفظ معنیٰ مجازی میں مستعمل ہو تو اُس کے حوالے سے دوسری جگہ بھی خواہی نخواہی اسے حقیقت سے توڑ کر مجاز پر ڈھالنا کون سی منطق ہے!

(۳۵) ملّا علی قاری نے جو اس حدیث میں علیٰ کو معنیٰ حقیقی پر لیا، زید صاحب اس کی توجیہ یہ فرماتے ہیں کہ وجہِ ممانعت یعنی مشابہتِ یہود و نصاریٰ معنیٰ مجازی یعنی قریب قبر میں نہیں رہتی۔ اس بنا پر معنیٰ حقیقی لیے۔ یعنی معنیٰ حقیقی ہی لینا محتاجِ وجہ خارجی ہے، اگر خارج سے کوئی وجہ اس کی نہ ملے تو معنیٰ حقیقی نہ لیں گے۔ اس اُلٹی سمجھ کا کیا ٹھکانا ہے! علامہ ملّا علی قاری کی عبارت دیکھیے:

قیدُ علیہا یُفید اتخاذ المساجد بجنبہا لا بأس بہ[1]۔ "علیہا" (قبروں پر) کی قید یہ افادہ کر رہی ہے کہ ان کے پہلو میں مسجد بنائیں تو کوئی حرج نہیں (ت)

ملاحظہ ہو لفظِ "علیٰ" سے یہ ثابت کیا کہ برابر ہو تو حرج نہیں، یا برابر میں حرج نہ ہونے سے علیٰ کو اپنے معنیٰ حقیقی پر لیا۔

(۳۶) علی قاری جب یہاں دربارۂ مسجد علیٰ کو معنیٰ حقیقی پر لے چکے، جو آپ کو بھی مسلّم ہے۔ اور یہاں ایک ہی لفظ علیٰ ہے جس سے مساجد و سرج کا یکساں علاقہ ہے کہ والمتخذین علیہا المساجد والسرج[2] (قبروں پر مسجدیں اور چراغ بنانے والے)

اب اگر دربارۂ قبور علیٰ کو معنیٰ مجازی پر لیجئے تو کھُلا ہُوا جمع بین الحقیقۃ والمجاز ہے اور وہ باطل ہے۔ لاجرم دربارۂ قبور بھی علیٰ کو معنیٰ حقیقی ہی پر رکھیں گے، تو جس نے ان کی طرف اسے نسبت کیا ان کے لازم کلام سے استدلال کیا یہ اُن پر اتہام کدھر سے ہوجائے گا۔

(۳۷) علی قاری نے دربارۂ سُرجِ قبور جو تین وجہِ ممانعت نقل کرکے لکھا: کذا قال بعض علمائنا[3] (ایسا ہی ہمارے بعض علماء نے فرمایا۔ ت) قطع نظر اس کے کہ یہ نقل عن المجہول ہے اور ہمارے فقہاء نے اُسی وجہِ اوّل پر اقتصار فرمایا کہ اسراف و اتلافِ مال ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہُوا اور یہی وجہ خود آپ کی مستند بزازیہ میں

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۴۴۳

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ ان یتخذ علی القبر مسجدًا امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۴۳

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۴۴۴

مصرح تھی جسے آپ نے حذف کردیا۔ اور اوپر روشن ہولیا کہ یہ وجہ صرف قبور عوام میں پائی جاتی ہے جبکہ وہاں نہ مسجد ہو نہ قبر، سرراہ، نہ کوئی تلاوت وغیرہ میں مشغول۔ باقی دو وجہوں میں تعظیم قبور بھی عوام میں متحقق ہوگی خصوصاً قبورِ فساق میں جن کی نسبت آپ فرق پوچھ رہے ہیں کہ "بزرگوں کی قبر پر کیوں کرتے ہیں، فاسق فاجر کی قبر پر کیوں نہیں کرتے۔" فاسق فاجر کی قبر پر کریں تو نفسِ قبر کی تعظیم ٹھہرے کہ مقبور معظم نہیں، بخلاف مزاراتِ کرام کہ وہاں قبر یعنی خشت وگل کی تعظیم نہیں بلکہ اُن کی رُوحِ کریم کی تعظیم ہے، جیساکہ امام نابلسی نے فرمایا: تعظیما لروحه المشرفة الخ[1] (ان کے روح مبارک کی تعظیم کے لیے الخ۔ ت) تعظیم قبور معظمین کہ حقیقۃً تعظیم معظمین ہے۔ کس نے منع کی؟ اختیار شرح مختار اور اُسی آپ کی مستند عالمگیری میں ہے:

ثم ینھض فیتوجه الی قبرہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ولایضع یدہ علٰی جدار التربة فھو اھیب واعظم للحرمة ویقف کما یقف فی الصلٰوۃ اھ[2] قدر الحاجة۔

یعنی پھر کھڑا ہو کر قبرِ اکرم حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف متوجہ ہو، اور تربتِ کریمہ کی دیوار پر ہاتھ نہ رکھے کہ اس میں زیادہ ہیبت وتعظیم حرمت کریمہ ہے، اور یُوں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جیسا نماز میں کھڑا ہوتا ہے اھ بقدرِ ضرورت (ت)

منسک متوسط اور اس کی شرح مسلک متقسط علی قاری میں ہے:

ولیغتنم ایام مقامه بالمدینة المشرفة فیحرص علی ملازمة المسجد وادامة النظر الی الحجرۃ الشریفة ان تیسرا والقبة المنیفة ان تعسر مع المھابة والخضوع والخشیة والخشوع ظاھرًا وباطنًا فانه عبادۃ کالنظر الی الکعبة الشریفة[3]۔

یعنی مدینہ طیبہ میں حاضری کے دنوں کو غنیمت جانے۔ اکثر اوقات مسجد کریم میں حاضر رہے اور ہو سکے تو مزار اطہر کے حجرۂ مقدسہ ورنہ اس کے گنبد مبارک ہی کو دیکھتا رہے۔ خوف وادب اور خشوع وخضوع کے ساتھ کہ اس پر نگاہ ہی عبادت ہے جیسے کعبہ معظمہ پر نظر۔ (ت)

علامہ عبدالقادر فاکہی مکی تلمیذ امام ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالٰی حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم میں فرماتے ہیں: ومنھا ان لایستدبر القبر الشریف[4] یعنی آداب میں سے ہے

---

[1] الحدیقة الندیة الفصل الاول الشموع فی القبور نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۳۰

[2] فتاوٰی ہندیہ خاتمہ فی زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۵

[3] المسلک المتقسط شرح منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم ایام مقامہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۱

[4] حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل

کہ قبرِ اقدس کو پشت نہ کرے۔ سید اقدس قدس سرہٗ نے خلاصۃ الوفاء میں فرمایا: فی الصلٰوۃ ولا فی غیرھا[1] نہ نمازمیں اُدھر پیٹھ کرے نہ غیر نماز میں۔ پھر امام عزالدین بن عبدالسلام سے نقل فرمایا:

اذا اردت صلٰوۃ فلا تجعل حجرتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وراء ظھرك ولا بین یدیك والادب معہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد وفاتہ مثلہ فی حیاتہ فما کنت صانعہ فی حیاتہ فاصنعہ بعد وفاتہ من احترامہ والاطراق بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[2]

جب تُو نماز پڑھنا چاہے تو حجرۂ مطہرہ مزار اطہر کو پیٹھ نہ کر، نہ نماز میں اپنے سامنے رکھ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ادب بعد وفات بھی ویسا ہی ہے جیسا عالم حیات ظاہر میں تھا، تو جیسا تُو اس وقت ادب کرتا اور حضور کے سامنے سر جھکاتا ایسا ہی مزار اطہر کے حضور کر۔

یہ سب تعظیم نہیں تو اور کیا ہے۔ اس قسم کے ارشادات ائمہ اگر جمع کیے جائیں تو ایک دفتر ہو، اور خود اس سے زیادہ اور کیا تعظیم قبر اطہر ہوگی، جو حدیث میں ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں جمالِ جہان آرا کی زیارت سے مشرف ہونے کے لیے تعلیم فرمائی۔ درمنظم امام ابوالقاسم محمد لولوی لبستی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

من صلی علٰی روح محمد فی الارواح وعلٰی جسدہٖ فی الاجساد وعلٰی قبرہٖ فی القبور رأنی فی منامہ ومن رأنی فی منامہ رأنی یوم القیٰمۃ ومن رأنی یوم القیامۃ شفعت لہ ومن شفعت لہ شرب من حوضی وحرم اللہ جسدہٗ علی النار۔[3]

جو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وسلم کی روح اقدس پر ارواح میں اور جسم اطہر پر اجسام میں، اور قبر انور پر قبور میں درود بھیجے وہ مجھے خواب میں دیکھے، اور جو خواب میں دیکھے مجھے قیامت میں دیکھے گا، اور جو مجھے قیامت میں دیکھے گا میں اس کی شفاعت فرماؤں گا، اور جس کی میں شفاعت فرماؤں گا وہ میرے حوضِ کریم سے پئے گا اور اللہ عزوجل اس کے بدن پر دوزخ کو حرام فرمائے گا۔

اللھم ارزقنا بجاھہٖ عندك اٰمین (اے اللہ! ہمیں نصیب فرما ان کی اس وجاہت کے طفیل جو تیرے حضور ان کے لیے ہے، الٰہی قبول فرما۔ ت)

---

[1] وفاء الوفاء الفصل الرابع من الباب الثامن احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۱۰

[2] (ایضاً)

[3] درمنظم امام ابوالقاسم محمد لولوی لبستی

علماء فرماتے ہیں یعنی یُوں درود شریف پڑھو:

اللّٰھم صل علٰی روح سیدنا محمد فی الارواح اللّٰھم صل علٰی جسد سیدنا محمد فی الاجساد اللّٰھم صل علٰی قبر سیدنا محمد فی القبور۔

قبر کریم پر درود بھیجنے کا حکم ہُوا، اور درود وُہ تعظیم ہے کہ بالاستقلال انبیاء و ملائکہ علیہم الصلاۃ والسلام کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔

(۳۸) رہی تیسری وجہ کہ وہ آثارِ جہنم سے ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

اقول اس کی غایت ایک تفاول ہے۔ وہ اس قابل نہیں جس کے لحاظ نہ کرنے پر مسلمان لعنت کا مستحق ہو، تو یہ اُس کی توجیہ نہیں ہوسکتی، شرع کو ایسی فالوں کا اتنا عظیم لحاظ ہوتا تو میت کو گرم پانی سے نہلانے کا حکم نہ ہوتا کہ وُہ بھی آثارِ جہنم سے ہے، قال اللہ تعالٰی:

یصب علیہ من فوق رءوسھم الحمیم[1] — اس (جہنمی) پر انکے سروں کے اوپر سے گرم پانی بہایا جائے گا۔ (ت)

حالانکہ وُہ شرعاً مطلوب ہے، دُرمختار میں ہے:

یصب علیہ ماء مغلی بسدر ان تیسر والا فماء خالص[2] — اس (میت) پر بیری میں جوش دیا ہُوا پانی بہایا جائے اگر میسر ہو، ورنہ سادہ پانی۔ (ت)

ردالمحتار و نہر الفائق میں ہے:

افاد ان الحار افضل سواء کان علیہ وسخ اولا[3] — اس سے مستفاد ہوا کہ گرم پانی بہتر ہے میت کے جسم پر میل ہو یا نہ ہو۔ (ت)

اور بالفرضِ تسلیم اُس کا محل وُہی ہے کہ خاص قبروں پر چراغ رکھیں کہ فال ہے تو اس میں ہے نہ کہ اس کے گرد یا مناروں یا احاطہ کی دیواروں پر علماء نے تفاول کے سبب جب پکی اینٹ قبر میں لگانی مکروہ بتائی کہ وہ آگ دیکھے ہُوئے ہے والعیاذ باللہ تعالٰی۔ تصریح فرمائی کہ یہ اُس صورت میں ہے کہ خاص لحد پر پختہ اینٹیں لگائیں جو قریب میت ہے ورنہ بالائے قبر اُس میں حرج نہیں، یہ خود آگ ہے۔ اُس میں بالائے قبر بھی حرج ہے مگر حول میں حرج

---

[1] القرآن ۲۲/ ۱۹

[2] درمختار — باب صلوٰۃ الجنائز — مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۰

[3] ردالمحتار — 〃 〃 — ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۵۷۵

مسلم نہیں۔ درمختار میں ہے :

یسوی اللبن علیہ والقصب لا الاجر المطبوخ والخشب لوحولہ اما فوقہ فلا یکرہ[1]

اس پر کچی اینٹ اور بانس چن دیں، پکی اینٹ اور لکڑی اس کے گرد نہ رکھیں، ہاں اوپر ہو تو حرج نہیں۔ (ت)

ابن ملک بدائع میں ہے :

لانہ مما مستہ النار فیکرہ ان یجعل علی المیت تفاولا[2]

اس لیے کہ اس پر آگ کا اثر پہنچا ہوا ہے تو تفاول کے سبب میت پر چننا مکروہ ہے (ت)

حلیہ میں ہے :

قال الامام التمرتاشی ھذا اذا کان حول المیت فلو فوقہ لا یکرہ[3]

امام تمرتاشی نے فرمایا، یہ اُس وقت ہے جب خاص میت کے گرد ہو، اوپر ہو تو مکروہ نہیں۔ (ت)

(۳۹) کس نادانی کا اعتراض ہے کہ علیٰ معنی حقیقی پر لیں تو کوئی شخص قبر کے نیچے یا قبر کے بیچ میں چراغ جلائے تو وہ جائز ہو جائے۔ دربارۂ مسجد تو آپ کو بھی مسلّم کہ علیٰ معنی حقیقی پر ہے تو کوئی شخص قبر کے نیچے یا قبر کے بیچ میں مسجد بنائے یا نماز پڑھے تو وہ جائز ہو جائے، کیونکہ حدیث میں قبر پر کی ممانعت ہے۔ اب بھی کہئے کہ استغفر اللہ۔ یہ تو حدیث کے ساتھ مضحکہ کرنا ہے۔

(۴۰) کثرتِ چراغاں کا ذکر روشنیٔ روضۂ انور میں گزرا اور اس کے متعلق احیاء العلوم شریف کی ایک عبارت اور لکھیں کہ موافقین کے دل روشن ہوں اور مخالفین کی آنکھیں چکاچوند سے جلیں۔ امام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی قبیل کتاب آداب النکاح میں فرماتے ہیں :

حکی ابو علی الرودباری رحمہ اللہ تعالٰی عن رجل انہ اتخذ ضیافۃ فاوقد فیہا الف سراج وقال لہ رجل قد اسرفت۔ فقال لہ ادخل فکلما اوقدتہ لغیر اللہ

یعنی امام اجل عارفِ اکمل، سند الاولیاء حضرت سیدنا امام ابو علی رودباری رضی اللہ تعالٰی عنہ (کہ اجلہ اصحاب سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہیں ۳۲۲ ہجری میں وصال شریف ہے،

---

[1] درمختار | باب صلوٰۃ الجنائز | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۲۵

[2] بدائع الصنائع | فصل فی سنۃ الحفر | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۳۱۸

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فاطفئه فدخل الرجل فلم یقدر علی اطفاء واحد منها فانقطع[1]

امام عارف باللہ استاذ ابوالقاسم قشیری قدس سرہ نے رسالہ مبارکہ میں اُن کی نسبت فرمایا اظرف المشائخ واعلمهم بالطریقۃ (مشائخ میں سب سے زیادہ عقلمند اور طریقت کے سب سے بڑے عالم) حکایت فرماتے ہیں کہ ایک بندۂ صالح نے احباب کی دعوت کی اس میں ہزار باچراغ روشن کیے، کسی نے کہا آپ نے اسراف کیا، صاحبِ خانہ نے فرمایا: اندر آئیے جو چراغ میں نے غیرِ خدا کے لیے روشن کیا ہو وہ گُل کردیجئے۔ معترض اندر گئے، ہرچند کوشش کی ایک چراغ بھی نہ بجھا سکے، آخر قائل ہوگئے وللہ الحمد۔

بالجملہ حاصل حکم یہ ہے کہ قبورِ عامہ ناس پر روشنی جب کہ خارج سے کوئی مصلحت مصالح مذکورہ کے امثال سے نہ ہو ضرور اسراف ہے اور اسراف بیشک ممنوع۔ فقہاء اسی کو منع فرماتے ہیں کہ یہی علتِ منع بتاتے ہیں، اور اگر زینتِ قبر مطلوب ہو تو قبر محلِ زینت نہیں، اب بھی اسراف ہُوا، بلکہ کچھ زائد، یوں ہی اگر تعظیمِ قبر مقصود ہو کہ یہاں تعظیم نسبت نہیں، رہے مزاراتِ محبوبانِ الٰہ، ان میں اگر زینتِ قبر یا تعظیمِ نفسِ قبر کی نیت ہو یہاں بھی وہی ممانعت رہے گی کہ یہ نیتیں شرعاً محمود نہیں، اور اگر اُن کی رُوحِ کریم کی تعظیم و تکریم مقصود ہو اب نہ اسراف ہے کہ نیتِ صالحہ موجود ہے، نہ تعظیمِ قبر، بلکہ تعظیمِ رُوحِ محبوب، اور وہ شرعاً بلاشبہہ مطلوب۔ امام اجل تقی الدین سبکی و امام نور الدین سمہودی و امام عبدالغنی نابلسی رحمہم اللہ تعالٰی اسی کو جائز بتاتے ہیں اور کسی کے قلب پر حکم لگانا کہ اُسے تعظیمِ قبر ہی مقصود ہے نہ کہ تعظیمِ رُوحِ ولی ـــ محض خراف و بدگمانی و حرام بنصِ قرآنی ہے۔ قال اللہ تبارک و تعالٰی:

ولا تقف مالیس لك به علم ان السمع و البصر کل اولئك کان عنه مسئولا[2]۔

اور اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔ بیشک کان، آنکھ ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔ (ت)

وقال اللہ تبارک و تعالٰی:

یاایها الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم[3]

اے ایمان والو! زیادہ گمان سے بچو، بلاشبہہ بعض گمان گناہ ہیں (ت)

وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] احیاء العلوم والدین الباب الرابع من آداب الضیافۃ مکتبہ و مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۲/ ۲۰

[2] القرآن ۱۷/ ۳۶

[3] القرآن ۴۹/ ۱۲

افلا شققت عن قلبہ[1] — تو تُو نے اس کا دل کیوں نہ چاک کیا ؟ (ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[2] — اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: گمان سے بچو کہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے (ت)

اور تعظیم رُوح اور تعظیم قبر میں فرق نہ کرنا سخت جہالت ہے۔ عارف نابلسی کا ارشاد گزرا۔ اور امام سمہودی فرماتے ہیں:

لیس القصد تعظیم بقعۃ القبر بعینھا بل من حل فیھا[3] — خاص زمینِ قبر کی تعظیم مقصود نہیں بلکہ اس کی تعظیم مقصود ہے جو اس میں فروکش ہے۔ (ت)

بلکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مسند شریف میں بسندِ حسن روایت فرماتے ہیں:

اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجھہ علی القبر فاخذ مروان برقبتہ ثم قال ھل تدری ما تصنع فاقبل علیہ فقال نعم انی لم اٰت الحجر انما جئت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولم اٰت الحجر سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول لَا تَبْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَہٗ اَھْلُہٗ وَلٰکِنِ ابْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَہٗ غَیْرُ اَھْلِہٖ[4]

یعنی مروان نے اپنے زمانۂ تسلط میں ایک صاحب کو دیکھا کہ قبرِ اکرم سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں، مروان نے ان کی گردن مبارک پکڑ کر کہا: جانتے ہو کیا کر رہے ہو؟ اس پر ان صاحب نے اُس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ہاں، میں سنگ و گِل کے پاس نہیں آیا ہُوں میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور حاضر ہُوا ہُوں، میں اینٹ پتھر کے پاس نہ آیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا دین پر نہ روؤ جب اس کا اہل اس پر والی ہو، ہاں اس وقت دین پر روؤ جبکہ نا اہل والی ہو۔

یہ صحابی سیدنا ابو ایوب انصاری تھے رضی اللہ تعالٰی عنہ ـــــ تو تعظیم قبر و رُوحِ مطہر میں فرق نہ کرنا مروان کی جہالت ہے اور اسی کے ترکہ سے وہابیہ کو پہنچی، اور تعظیمِ قبر سے جدا ہو کر تعظیمِ رُوحِ کریم کی برکت لینا

---

[1] مسند احمد بن حنبل — حدیث اسامہ بن زید — دار الفکر بیروت — ۵/۲۰۷

[2] صحیح البخاری — باب قول اللہ تعالٰی من وصیۃ الخ — قدیمی کتب خانہ کراچی — ۱/۳۸۴

[3] وفاء الوفا — الفصل الثانی من الباب الثامن — دار احیاء التراث العربی بیروت — ۴/۱۳۶۶

[4] مسند احمد بن حنبل — حدیث ابی ایوب الانصاری — دار الفکر بیروت — ۵/۴۲۲

صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی سنّت ہے اور اہلسنّت کو اُن کی میراث ملی، وللہ الحمد۔

تنبیہ : سب سے زائد اہم بات یہ ہے کہ زید صاحب سمجھیں تو بہت کچھ حق مانیں، ہدایت کے شکرگزار ہوں یہ کہ تحریرِ زید کا خاتمہ اس کلمہ سخت شنیع و شتم فظیع پر ہوا کہ " اس قدر وعید کے بعد بھی کوئی شخص اس میں کٹ حجتی کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات قبر میں تصفیہ کے قابل ہے موسٰی بدین خود، عیسٰی بدین خود۔" زید نے دو فریق بنائے، ایک کو حق پر بتایا اور دوسرے کو کٹ حجتی کرنے والا، وعیدِ الٰہی کے مقابل ہٹ دھرمی سے پیش آنے والا۔ اور اُس پر مثال وہ ڈھادی کہ موسٰی بدین خود اور عیسٰی بدین خود۔ اس تمثیل کی تطبیق کی جائے تو معاذاللہ جو حاصل نکلے اس کے قہر و خباثت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے، ایسی جگہ انبیائے کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر سخت جرأت و گستاخی و بدزبانی و دریدہ دہنی ہے، توبہ فرض ہے اور اللہ تعالٰی ہادی،

وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولٰنا محمد وآلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وبارك وسلم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی ہمارے آقا و مولٰی حضرت محمد، ان کی آل، ان کے اصحاب، ان کے فرزند اور ان کی جماعت پر درود و سلام اور برکت نازل فرمائے۔ اور خدائے پاک و برتر خوب جاننے والا ہے (ت)

مسئلہ ۱۵۰: از بنارس تھانہ بھیلوپورہ محلہ احاطہ روہیلہ مرسلہ حافظ عبدالرحمن رفوگر ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

حضرت کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ بزرگوں کے مزار پر جائیں تو فاتحہ کس طرح سے پڑھا کریں اور فاتحہ میں کون کون سی چیزیں پڑھا کریں؟

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط حافظ صاحب کرم فرما سلمکم، مزارات شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ پر مواجہہ میں کھڑا ہو اور متوسط آواز با ادب سلام عرض کرے السلام علیك یا سیدی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ پھر درودِ غوثیہ تین بار، الحمد شریف ایک، آیۃ الکرسی ایک بار، سورۂ اخلاص سات بار، پھر درودِ غوثیہ سات بار، اور وقت فرصت دے تو سورۂ یٰسٓ اور سورۂ ملک بھی پڑھ کر اللہ عزوجل سے دعا کرے کہ الٰہی! اس قرأت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے، نہ اُتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اُسے میری طرف سے اس بندۂ مقبول کو نذر پہنچا۔ پھر اپنا جو مطلب جائز شرعی ہو اُس کے لیے دعا کرے اور صاحبِ مزار کی روح کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے، پھر اُسی طرح سلام کرکے واپس آئے۔ مزار کو نہ ہاتھ لگائے نہ بوسہ دے

اور طواف بالاتفاق ناجائز ہے اور سجدہ حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵۱ و ۱۵۲ از شہر علی گڑھ، محلہ مداردروازہ مرسلہ عمر احمد سوداگر پارچہ بنارسی ۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) قبر پر جانے سے مُردہ کو معلوم ہوتا ہے کہ میرا کوئی عزیز آیا یا کوئی شخص آیا، یا نہیں معلوم ہوتا اور زندہ کو مُردہ کی قبر پر جانے سے مُردہ کو کسی قسم کی تکلیف یا راحت ہوتی ہے یا نہیں، اور وہ کچھ پڑھ کر ثواب بخشے تو مُردہ کو علم ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) زید قبر پر کسی عزیز کی روز جاتا تھا پھر جانا بند کردیا، یہ دریافت طلب ہے کہ اُس مُردہ کو زید کے آنے اور جانے سے کسی قسم کی تکلیف یا راحت ہوتی تھی یا نہیں؟

الجواب

(۱) قبر پر جو کوئی جائے مُردہ دیکھتا ہے اور جو کچھ کلام کرے وہ سُنتا ہے اور جو ثواب پہنچائے مُردہ کو پہنچتا ہے، اگر کوئی عزیز یا دوست جائے تو اس کے جانے سے مُردہ کو راحت اور فرحت ملتی ہے جیسے دنیا میں۔ یہ سب مضامین صحاح احادیث میں وارد ہیں، وقد فصلناها فی حیاة الموات فی بیان سماع الاموات (ہم نے حیاة الموات فی بیان سماع الاموات میں ان کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ت)

(۲) اس کا جواب سوال سابق کے جواب میں آگیا بیشک اعزہ واحباب کے جانے سے اموات کو فرحت ہوتی ہے اور دیر لگانے سے اُن کا انتظار رہتا ہے۔ وفیہ حکایة نفیسة فی شرح الصدور (اس سلسلے میں شرح الصدور (للسیوطی) کے اندر ایک نفیس حکایت ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵۳ از شہر ممباسہ ضلع شرقی افریقہ دکان حاجی قاسم اینڈ سنز مسئولہ حاجی عبداللہ حاجی یعقوب ۲۶ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں ماں باپ کی زیارت کرنا بعد نمازِ فجر افضل یا بعد نمازِ عصر یا مغرب؟ اور بعد مغرب زیارت کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زیارت ہر وقت جائز ہے، مگر شب میں تنہا قبرستان نہ جانا چاہئے۔ اور زیارت کا افضل وقت روزِ جمعہ بعد نمازِ صبح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵۴ و ۱۵۵ از بہیڑی ضلع بریلی۔ جناب ریاض الدین صاحب خلف حکیم مقیم الدین صاحب مصنف سلام کھنڈ۔ ۱ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید قبرستان میں جاکر اس طرح پر فاتحہ پڑھتا ہے کہ اول قبرستان کے دروازے پر کھڑے ہوکر تمام اہل قبر کی ارواح کو ثواب بخشتا ہے پھر اپنے کسی عزیز خاص یا کسی اہل اللہ کی قبر پر کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھ کر ایک ایک کو جُدا جُدا ثواب بخشتا ہے تو کیا جدا جدا قبر پر کھڑے ہوکر پڑھنے سے اُس کے عزیز جیسے والدین وبھائی بہن وغیرہ کو کچھ ثواب یا فرحت بہ نسبت دیگر اہل قبور کے زیادہ ہوگا یا نہیں؟ اور اس جدا جدا قبر پر جانے سے والدین کا حق اور ولی کا مرتبہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) دوسرے یہ کہ قرآن مجید پڑھ کر بخشنے والے کو بھی کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟ کیونکہ زید کہتا ہے کہ جب پڑھ کر بخش چکے تو پھر ہمارے پاس کیا رہ گیا، آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان[1] تو کیا احسان کا بدلہ احسان بھی جاتا رہا۔ توجروا۔

الجواب

(۱) بلاشبہہ اس صورت میں جس جس کے لیے جُدا فاتحہ پڑھے گا اُسے ثواب زائد پہنچے گا اور فرحت زیادہ ہوگی، اور والدین واعزہ کی قبر پر جُدا جُدا جانے سے انس حاصل ہوگا جیسے حیات میں۔ اور ولی کے مزار پر جدا حاضر ہونے میں اس کی خاص تعظیم ہے جو ایک عام بات میں شامل کرنے سے نہیں ہوسکتی۔ زید کا یہ فعل بہت حسن ہے مگر اس کا لحاظ لازم ہے کہ جس قبر کے پاس بالخصوص جانا چاہتا ہے اُس تک قدیم راستہ ہو، اگر قبروں پر سے ہوکر جانا پڑے تو اجازت نہیں۔ سرِ راہ دُور کھڑے ہوکر ایک قبر کی طرف متوجہ ہوکر ایصالِ ثواب کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) زید غلط کہتا ہے وہ دنیا کی حالت پر قیاس کرتا ہے کہ ایک چیز دُوسرے کو دے دیں تو اپنے پاس ہی نہ رہے۔ وہاں کی باتیں یہاں کے قیاس پر نہیں، صحیح حدیث میں فرمایا کہ جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے اُن کی رُوحیں شاد ہوں، اور یہ اُن کے ساتھ نیکو کار لکھا جائے اور دونوں کو پُورے حج کا ثواب ملے اور اُس کے ثواب سے کچھ کم نہ ہو۔ اس کی نظیر دنیا میں علم ہے کہ جتنا تقسیم کیجئے اوروں کو ملتا ہے اور اپنے پاس سے کچھ نہیں گھٹتا بلکہ بڑھ جاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۶ ـ ۱۵۷: از منجان مرسلہ علی محمد عیسٰے برادرز ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

(۱) قبرستان میں کلام شریف یا پنج سورہ قبر کے نزدیک بیٹھ کر تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) قبر پر سبزی یا پھول یا اگربتی رکھنا، جلانا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن ۵۵/۶۰

الجواب

(۱) قبر کے پاس تلاوت یاد پر خواہ دیکھ کر ہر طرح جائز ہے جبکہ لوجہ اللہ ہو اور قبر پر نہ بیٹھے، نہ کسی قبر پر پاؤں رکھ کر وہاں پہنچا ہو۔ اور اگر بے اس کے وہاں تک نہ جا سکے تو قبر کے نزدیک تلاوت کے لیے جانا حرام ہے، بلکہ کنارے ہی سے جہاں تک بے کسی قبر کو روندے جا سکتا ہے، تلاوت کرے۔ درمختار میں ہے:

یکرہ المشی فی طریق ظن انہ محدث حتی اذا لم یصل الی قبرہ الا بوطئ قبر ترکہ لا یکرہ الدفن لیلا ولا اجلاس القارئین عند القبر وھو المختار[۱]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

قبرستان کے اندر ایسے راستے پر چلنا ممنوع ہے جس کے بارے میں گمان ہو کہ وہ نیا بنا لیا گیا ہے یہاں تک جب اپنی میّت کی قبر تک کسی دوسری قبر کو پامال کیے بغیر نہ پہنچ سکتا ہو تو وہاں تک جانا ترک کرے۔ رات کو دفن کرنا اور قبر کے پاس تلاوت کرنے والوں کو بٹھانا مکروہ نہیں، یہی مختار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) قبر پر سبزی پھول ڈالنا اچھا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

وضع الورد والریاحین علی القبور حسن[۲]۔

قبروں پر گلاب وغیرہ کے پھول رکھنا اچھا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یؤخذ من ذلک ای من انہ ما دام رطبا یسبح اللہ تعالٰی فیونس المیت وتنزل بذکرہ الرحمۃ) ومن الحدیث ندبا وضع ذلک للاتباع ویقاس علیہ ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الآس ونحوہ[۳]۔

پھول جب تک تر رہتا ہے اللہ تعالٰی کی تسبیح کرکے میّت کا دل بہلاتا ہے، اور خدا کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ اس بات سے اور حدیث پاک کے اتباع کے لحاظ سے اس کا مندوب ہونا اخذ ہوتا ہے۔ اسی پر اس کا قیاس بھی ہوگا جو ہمارے زمانے میں آس وغیرہ کی شاخیں رکھنے کا دستور ہے۔ (ت)

اگر بتی قبر کے اوپر رکھ کر نہ جلائی جائے کہ اس میں سوءِ ادب اور بدفالی ہے۔ عالمگیری میں ہے: ان سقف القبر حق المیت[۴] (قبر کی چھت حقِ میّت ہے۔ ت) ہاں قریب قبر زمین خالی پر رکھ کر سلگائیں کہ خوشبو محبوب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[۱] درمختار — باب صلٰوۃ الجنائز — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۶

[۲] فتاوٰی ہندیہ — الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ — نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۳۱

[۳] ردالمحتار — مطلب وضع الجرید ونحو الآس علی القبور — ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۶۰۷

[۴] فتاوٰی ہندیہ — الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ — نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵۱

مسئلہ ۱۵۸ از مراد آباد محلہ اصالت پورہ مسئولہ کار دعلی صاحب ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پڑھنا قرآن شریف کا قبر پر بیٹھ کر جائز ہے یا نہیں؟ و نیز قرآن شریف سامنے رکھ کر پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

قبر کے سامنے بیٹھ کر تلاوت کی جائے، حفظ خواہ قرآن مجید دیکھ کر، اُس کی رحمت اُترتی ہے اور مُردہ کا دل بہلتا ہے مگر قبر پر بیٹھنا جائز نہیں کہ میّت کی توہین و ایذا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۹ تا ۱۶۱ از موضع بکہ جیبی والا علاقہ چاکل تھانہ بری پور ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد خان ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) بوسہ قبر کا کیا حکم ہے؟ (۲) قبر کا طواف کرنا کیسا ہے؟

(۳) قبر کس قدر بلند کرنی جائز ہے؟

الجواب

(۱) بعض علماء اجازت دیتے ہیں اور بعض روایات بھی نقل کرتے ہیں۔ کشف الغطاء میں ہے:

درکفایۃ الشعبی اثرے در تجویز بوسہ دادن قبر والدین رانقل کردہ وگفتہ دریں صورت لاباس است وشیخ اجل ہم در شرح مشکوٰۃ بوردآں در بعضے اشارت کردہ بے تعرض بجرح آں[1]

کفایۃ الشعبی میں قبر والدین کو بوسہ دینے کے بارے میں ایک اثر نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔ اور شیخ بزرگ نے بھی شرح مشکوٰۃ میں بعض آثار میں اس کے وارد ہونے کا اشارہ کیا اور اس پر کوئی جرح نہ کی۔ (ت)

مگر جمہور علماء مکروہ جانتے ہیں، تو اس سے احتراز ہی چاہئے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے:

مسح نکند قبر را بدست و بوسہ نہ دہد آں را[2] قبر کو ہاتھ نہ لگائے، نہ ہی بوسہ دے۔ (ت)

کشف الغطاء میں ہے: کذا فی عامۃ الکتب[3] (ایسا ہی عامہ کُتب میں ہے۔ ت)

---

[1] کشف الغطاء فصل دہم زیارت قبور مطبع احمدی دہلی ص ۷۹

[2] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱۶

[3] کشف الغطاء فصل دہم زیارت قبور مطبع احمدی دہلی ص ۷۹

مدارج النبوۃ میں ہے،

دربوسہ دادن قبر والدین روایت بیہقی می کنند و صحیح آنست کہ لایجوز است[1] واللہ تعالٰی اعلم

قبرِ والدین کو بوسہ دینے کے بارے میں ایک روایت بیہقی ذکر کرتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ ناجائز ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) بعض علماء نے اجازت دی۔ مجمع البرکات میں ہے،

ویمکنہ ان یطوف حولہ ثلث مرات فعل ذلک[2] گردِ قبر تین بار طواف کرسکتا ہے۔ (ت)

مگر راجح یہ کہ ممنوع ہے۔ مولانا علی قاری منسک متوسط میں تحریر فرماتے ہیں:

الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء[3]

طواف کعبہ کی خصوصیات سے ہے تو انبیاء و اولیاء کی قبروں کے گرد حرام ہوگا۔ (ت)

مگر اسے مطلقاً شرک ٹھہرادینا جیسا کہ طائفہ وہابیہ کا مزعوم ہے محض باطل و غلط اور شریعتِ مطہرہ پر افترا ہے۔

(۳) ایک بالشت یا کچھ زائد،

فی الدر المختار یسنم قدر شبر[4] فی رد المحتار او اکثر شیئا قلیلا بدائع[5]

ایک بالشت کی مقدار کوہان کی طرح بنادی جائے (درمختار) یا کچھ زیادہ کردی جائے، بدائع (ردالمحتار) (ت)

زیادہ فاحش بلندی مکروہ ہے۔ حلیہ میں ہے:

تحمل الکراھۃ علی الزیادۃ الفاحشۃ و عدمھا علی القلیلۃ المبلغۃ لہ مقدار اربع اصابع اوما فوقہ قلیلا[6] واللہ تعالٰی اعلم۔

کراہت بہت زیادہ اُونچی کرنے پر محمول ہے۔ اور عدمِ کراہت قلیل زیادتی پر جو ایک بالشت کی مقدار ہو یا اس سے کچھ زائد۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مدارج النبوۃ ذکر نماز گزاردن آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خلف ابوبکر الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۴۲۴

[2] مجمع البرکات

[3] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم ایام مقامہ الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۲

[4] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۵

[5] ردالمحتار " " ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۶۰۱

[6] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

مسئلہ ۱۶۲ از قادری گنج ضلع بیربھوم ملک بنگال مرسلہ سید ظہور الحسن صاحب قادری رزاقی مرشدی کرنالی ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

پیر مرشد کے مزار کا طواف کرنا، اور مزار اور مزار کی چوکھٹ کو بوسہ دینا اور آنکھوں سے لگانا اور مزار سے اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹ کے ہاتھ باندھے ہوئے واپس آنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مزار کا طواف کہ محض بہ نیتِ تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے۔ مزار کو بوسہ دینا نہ چاہئے۔ علماء اس میں مختلف ہیں۔ اور بہتر بچنا، اور اسی میں ادب زیادہ ہے۔ آستانہ بوسی میں حرج نہیں۔ اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع میں ممانعت نہ آئی، اور جس چیز کو شرع نے منع نہ فرمایا منع نہیں ہوسکتی قال اللہ تعالیٰ ان الحکم الا للہ[1] (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حکم نہیں مگر اللہ کا۔ ت) ہاتھ باندھے اُلٹے پاؤں واپس آنا ایک طرزِ ادب ہے، اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا اس میں حرج نہیں۔ ہاں اگر اس میں اپنی یا دوسرے کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اُس سے احتراز کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۶۳ مزاراتِ اولیائے کرام علیہم رحمۃ المنعام کے چُومنے کو کفر یا شرک کہنا کیسا ہے؟

الجواب

فی الواقع بوسۂ قبر میں علماء مختلف ہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ایک امر ہے جو دو چیزوں داعی ومانع کے درمیان دائر، داعی محبت ہے اور مانع ادب، تو جسے غلبۂ محبت ہو اُس پر مواخذہ نہیں کہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ اور عوام کے لیے منع ہی احوط ہے۔ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مزارِ اکابر سے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو، پھر تقبیل کی کیا سبیل! عالمِ مدینہ علامہ سید نور الدین سمہودی قدس اللہ سرہٗ خلاصۃ الوفاء شریف میں جدارِ مزارِ انور کے لمس وتقبیل وطواف سے ممانعت کے اقوال نقل کرکے فرماتے ہیں:

وفی کتاب العلل والسؤالات لعبد اللہ بن احمد بن حنبل سألت ابی عن الرجل یمس منبر النبی صلی اللہ تعالیٰ

یعنی امام احمد بن حنبل کے صاحبزادہ امام عبداللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے باپ سے پُوچھا کوئی شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے منبر کو چھُوئے

---

[1] القرآن ۱۲/۴۰

34 علیہ وعلٰی اٰلہٖ وسلم تبرک بمسہ وتقبیلہ ویفعل بالقبر مثل ذٰلک جاء ثواب اللہ تعالٰی فقال لاباس بہ[1]

اور بوسہ دے، اور ثوابِ الٰہی کی امید پر ایسا ہی قبر شریف کے ساتھ کرے، فرمایا: اس میں کچھ حرج نہیں۔ (ت)

امام اجل تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی سبکی قدس اللہ سرہ الملکی شفاء السقام، پھر سید نور الدین خلاصۃ الوفا میں بروایۃ یحیٰی بن الحسن عن عمر بن خالد عن ابی بناتۃ عن کثیر بن یزید عن المطلب بن عبداللہ بن حنطب ذکر فرماتے ہیں کہ مروان نے ایک صاحب کو دیکھا کہ مزارِ اطہر سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے لپٹے ہوئے ہیں اور قبر شریف پر اپنا منہ رکھے ہیں، مروان نے ان کی گردن پکڑ کر کہا جانتے ہو یہ تم کیا کر رہے ہو۔ انھوں نے اس کی طرف منہ کیا اور فرمایا:

نعم انی لم اٰت الحجر انما جئت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول لَا تَبْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَہٗ اَھْلُہٗ وَلٰکِنْ اِبْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَہٗ غَیْرُ اَھْلِہٖ[2]

ہاں میں کسی پتھر کے پاس نہ آیا میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وسلم کے حضور حاضر ہوا ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا: دین پر نہ روؤ جب اس کا والی اس کا اہل ہو، ہاں دین پر روؤ جب نا اہل اس کا والی ہو۔

سید قدس سرہ فرماتے ہیں: رواہ احمد بسند حسن[3] امام احمد نے یہ حدیث بسندِ حسن روایت فرمائی۔

نیز فرماتے ہیں:

روی ابن عساکر بسند جید عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ ان بلالا رای النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہٖ وسلم وھو یقول لہ ماھذہ الجفوۃ یابلال اما ان لک ان تزورنی فانتبہ حزینا خائفا فرکب راحلتہ وقصد المدینۃ فاتی قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہٖ وسلم فجعل یبکی

یعنی ابن عساکر نے بسندِ صحیح ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ شام کو چلے گئے تھے ایک رات خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُن سے فرماتے ہیں: اے بلال! یہ کیا جفا ہے کیا وہ وقت نہ آیا کہ ہماری زیارت کو حاضر ہو؟ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ غمگین اور ڈرتے ہوئے جاگے اور بقصدِ زیارتِ اقدس سوار ہوئے، مزارِ پُر انوار پر

---

[1] وفاء الوفا الفصل الرابع فی آداب الزیارۃ والمجاورۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۴۰۴

[2] و [3] " " الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ " " " ۴/۱۳۵۹

عندہ ویمرغ وجہہ علیہ[1]

حاضر ہوکر رونا شروع کیا اور منہ قبر شریف پر ملتے تھے۔

امام حافظ عبدالغنی وغیرہ اکابر فرماتے ہیں:

لیس الاعتماد فی السفر للزیارۃ علی مجرد منامہ بل علٰی فعلہ ذٰلک والصحابۃ متوفرون ولاتخفی عنہم ھذہ القصۃ۔[2]

یعنی زیارتِ اقدس کے لیے شدّ الرحال کرنے میں ہم فقط خواب پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اس پر کہ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ کیا اور صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بکثرت موجود تھے اور انھیں معلوم ہُوا اور کسی نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

عالم مدینہ (سید نور الدین سمہودی علیہ الرحمۃ) فرماتے ہیں:

ذکر الخطیب بن حملۃ ان بلالا رضی اللہ تعالٰی عنہ وضع خدیہ علی القبر الشریف وان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کان یضع یدہ الیمنی علیہ ثم قال ولاشك ان الاستغراق فی المحبۃ یحمل علی الاذن فی ذٰلک والقصد بہ التعظیم والناس تختلف مراتبھم کما فی الحیٰوۃ فمنہم من لایملك نفسہ بل یبادر الیہ ومنہم من فیہ اناۃ فیتاخر ونقل عن ابن ابی الصیف والمحب الطبری جواز تقبیل قبور الصالحین وعن اسمٰعیل التیمی قال کان ابن المنکدر یصیبہ الصمات فکان یقوم فیضع خدہ علی قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فعوتب فی ذٰلک فقال انہ یستشفی بقبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و علٰی اٰلہ وسلم۔[3]

یعنی خطیب بن حملہ نے ذکر کیا کہ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قبرِ انور پر اپنے دونوں رخسارے رکھے اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنا دہنا ہاتھ اس پر رکھتے۔ پھر کہا شک نہیں کہ محبت میں استغراق اس میں اذن پر باعث ہوتا ہے اور اس سے مقصود تعظیم ہے، اور لوگوں کے مرتبے مختلف ہیں، جیسے زندگی میں، تو کوئی بے اختیارانہ اس کی طرف سبقت کرتا ہے اور کسی میں تحمل ہے وہ پیچھے رہتا ہے۔ اور ابن ابی الصیف اور امام محب طبری سے نقل کیا کہ مزاراتِ اولیاء کو بوسہ دینا جائز ہے۔ اور اسمٰعیل تیمی سے نقل کیا کہ ابن المنکدر تابعی کو ایک مرض لاحق ہوتا کہ کلام دشوار ہوجاتا وہ کھڑے ہوتے اور اپنا رخسارہ قبرِ انورِ سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وسلم پر رکھتے، کسی نے اس پر اعتراض کیا، فرمایا میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزارِ اقدس سے شفا حاصل کرتا ہوں۔

---

[1] وفاء الوفا، الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۳۵۶
[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۴/۱۳۵۷
[3] ؍؍ ؍؍ الفصل الرابع فی آداب الزیارۃ والمجاورۃ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۴/۱۴۰۶

علامہ شیخ عبدالقادر فاکہی مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب مستطاب حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل میں فرماتے ہیں:

تمریغ الوجه والخد واللحية بتراب الحفرة الشريفة واعتابها فی زمن الخلوة المامون فيها توهم عامی محذورا شرعيا بسببه، امر محبوب حسن لطالبها وامره لاباس به فيما يظهر لكن لمن كان له فی ذلك قصد صالح وحمله عليه فرط الشوق والحب الطافح[1]

یعنی خلوت میں جہاں اس کا اندیشہ نہ ہو کہ کسی جاہل کا وہم اس کے سبب کسی ناجائز شرعی کی طرف جائے گا، ایسے وقت بارگاہِ اقدس کی مٹی اور آستانہ پر اپنا منہ اور رخسارہ اور داڑھی رگڑنا مستحب اور مستحسن ہے جس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اس کے لیے جس کی نیت اچھی ہو اور افراطِ شوق اور غلبۂ محبت اسے اس پر باعث ہو۔

پھر فرماتے ہیں:

علا انی اتحفك بامر يلوح لك منه المعنی بان الشيخ الامام السبكی وضع حر وجهه علی بساط دار الحديث التی مسها قدم النووی لينال بركة قدمه وينوه بمزيد عظمته كما اشار الی ذلك بقوله وفی دار الحديث لطيف معنی الی بسط له اصبو واوی لعلی ان انال بحر وجهی مكانا مسه قدم النواوی وبان شيخنا تاج العارفين امام السنة خاتمة المجتهدين كان يمرغ وجهه ولحيته علی عتبة البيت الحرام بحجر اسمٰعيل[2]

یعنی علاوہ بریں میں تجھے یہاں ایک ایسا تحفہ دیتا ہوں جس سے معنی تجھ پر ظاہر ہو جائیں وُہ یہ کہ امام اجل تقی الملۃ والدین سبکی دارالحدیث کے اس بچھونے پر جس پر امام نووی قدس اللہ سرہ العزیز قدم مبارک رکھتے تھے ان کے قدم کی برکت لینے اور ان کی زیارت تعظیم کے شہرہ دینے کو اپنا چہرہ اس پر ملا کرتے تھے جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ دارالحدیث میں ایک لطیف معنی ہیں جن کے ظاہر کرنے کا مجھے عشق ہے کہ شاید میرا چہرہ پہنچ جائے اس جگہ پر جس کو قدم نووی نے چھُوا تھا۔ اور ہمارے شیخ تاج العارفین امامِ سنت خاتمۃ المجتہدین آستانہ بیت الحرام حطیم شریف پر جہاں سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کا مزار کریم ہے اپنا چہرہ اور داڑھی ملا کرتے تھے۔

بالجملہ یہ کوئی امر ایسا نہیں جس پر انکار واجب کہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اور اجلۂ ائمہ رحمہم اللہ تعالٰی سے ثابت ہے تو اس پر شورش کی کوئی وجہ نہیں۔ اگرچہ ہمارے نزدیک عوام کو اس سے بچنے ہی میں احتیاط ہے۔

[1] و [2] حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل

امام علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

المسئلة متی امکن تخریجها علی قول من الاقوال فی مذھبنا او مذھب غیرنا فلیست بمنکر یجب انکارہ والنھی عنه وانما المنکر ماوقع الاجماع علٰی حرمته والنھی عنه[1]. واللہ تعالٰی اعلم۔

جب کسی مسئلہ کا ہمارے مذہب یا دیگر ائمہ کے مذہب پر جواز نکل سکتا ہو تو وہ ایسا گناہ نہیں کہ اس پر انکار اور اس سے منع کرنا واجب ہو، ہاں گناہ وہ ہے کہ اس کے حرام ہونے اور اس کے منع ہونے پر اجماع ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)۔

مسئلہ ۱۶۴

۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبروں کا بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ زیارتِ قبور کی نشست و برخاست کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب

قبروں کا بوسہ لینا نہ چاہئے۔ زیارتِ قبرِ میّت کے مواجہ میں کھڑے ہوکر ہو، اور اس کی پائنتی کی طرف سے جائے کہ اس کی نگاہ کے سامنے ہو، سرہانے سے نہ آئے کہ اُسے سر اُٹھا کر دیکھنا پڑے، سلام وایصالِ ثواب کے لیے اگر دیر کرنا چاہتا ہے رُو بقبر بیٹھ جائے اور پڑھتا رہے، یا ولی کا مزار ہے تو اُس سے فیض لے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۵ و ۱۶۶

(۱) قبورِ شہداء یا اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم پر جاکر اور قبر شریف ہی پر مالیدہ یا شیرینی مع پھول وغیرہ نیاز کرنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟

(۲) جس شہید یا اولیاء اللہ کے مزار کا حال ہم کو معلوم نہیں ہے کہ آیا کسی کی مزار ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس کی ہے؟ مرد اہلِ اسلام، یہودی یا نصارٰی یا عورت یہود، یا نصارٰی یا مسلمان کی، تو اس مزار پر فاتحہ پڑھنا یا بطریق مذکور نیاز وغیرہ کرنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

(۱) قبورِ مسلمین کی زیارت سنّت اور مزاراتِ اولیاءِ کرام و شہداء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی حاضری سعادت برسعادت اور اُنھیں ایصالِ ثواب مندوب و ثواب۔ اور مالیدہ و شیرینی خصوصیاتِ عرفیہ میں اگر وجوب

---

[1] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ نوع ۳۳ الکلام فی حال الخطبۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۳۰۹

نہ جانے حرج نہیں، اور قبر پہ لے جانے کی نہ ضرورت نہ اس میں معصیت۔ ہاں اُسے شرعاً لازم جانے بغیر اُس کے فاتحہ کا قبول نہ سمجھے تو یہ اعتقاد فاسد ہے، اس اعتقاد سے احتراز لازم ہے۔ قبورِ مسلمین خصوصاً قبورِ اولیاء پر پھول چڑھانا حسن ہے، عالمگیری وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی، مگر شیرینی وغیرہ جو اس قسم کی چیزیں لے جائے اس کو قبر پر نہ رکھے، یہ ممنوع ہے۔

(۲) جس قبر کا یہ بھی حال معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمان کی ہے یا کافر کی، اُس کی زیارت کرنی، فاتحہ دینی ہرگز جائز نہیں کہ قبرِ مسلمان کی زیارت سنّت ہے اور فاتحہ مستحب، اور قبرِ کافر کی زیارت حرام ہے اور اسے ایصالِ ثواب کا قصد کفر،

قال اللہ تعالٰی ولا تقم علٰی قبرہٖ[1] وقال تعالٰی ومالہ فی الاٰخرۃ من خلاق[2] وقال تعالٰی ان اللہ حرمھما علی الکافرین[3]

اللہ تعالٰی نے فرمایا اُس کی قبر پر کھڑے بھی نہ ہونا۔ اور فرمایا: اُس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور فرمایا: بیشک اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کیا۔ (ت)

تو جو امر سنّت و حرام یا مستحب و کفر میں متردد ہو وہ ضرور ممنوع و حرام ہے۔

مسئلہ ۱۶۷ کسی اولیاء اللہ یا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر پھول یا کپڑے کی چادر منت مان کر چڑھانا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟

الجواب

یہ منت کوئی شرعی نہیں اذلیس من جنسہ واجب (اس لیے کہ اس کی جنس سے کوئی واجب نہیں۔ ت) ہاں پھول چڑھانا حسن ہے کما تقدم (جیسا کہ گزر چکا۔ ت) اور قبورِ اولیائے کرام قدسنا اللہ باسرارہم پر چادر بقصد تبریک ڈالنا مستحسن ہے۔ قال اللہ تعالٰی،

ذٰلک ادنٰی ان یعرفن فلا یؤذین[4]

وہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ پہچان ہو جائے تو انہیں ایذا نہ دی جائے۔ (ت)

امام عارف باللہ علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے کشف النور عن اصحاب القبور[5] میں اس کی تصریح فرمائی، پھر علامہ شامی نے عقود الدریہ میں اسے نقل کیا اور مقرر رکھا۔

---

[1] القرآن ۹/۸۴
[2] القرآن ۲/۱۰۲ و ۲۰۰
[3] القرآن ۷/۵۰
[4] القرآن ۳۳/۵۹
[5] کشف النور عن اصحاب القبور مع الحدیقۃ الندیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۴

مسئلہ ۱۶۸ از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۲۲ مسئولہ مولوی عبدالحق صاحب و مولوی مبارک کریم صاحب بمعرفت حاجی لعل خاں صاحب ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ نے مرید کو وصیت کی تھی کہ میری قبر کا کل سامانِ روشنی و قرآن خوانی و لنگرخانہ و عرس وغیرہ کا تم انتظام کرنا۔ چنانچہ مرید نے بموجب وصیت تمام سامان کیا۔ کل اخراجات کا متکفل ہُوا۔ اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ چادر و شیرینی و نقد و جنس مزار پر چڑھاتے ہیں وہ کس کا حق ہے؟ اُس مرید کا جس نے یہ سب سامان اور اخراجات کیے اور جو خادم ہے یا وُہ فرزندِ شیخ کا؟

الجواب

چادر جو مزار پر ڈالی جائے وُہ کسی کا حق نہیں، نہ اس مرید خادمِ مزار کا، نہ فرزندِ صاحبِ مزار کا۔ نہ وُہ وقف ہو، بلکہ وُہ ڈالنے والے کی مِلک پر رہتی ہے، جیسے کفن کہ تبرعاً کسی نے میت کو دیا۔ درمختار میں ہے:

لایخرج الکفن عن ملك المتبرع[1] کفن تبرع کرنے والے (بطور احسان دینے والے) کی ملک سے نہیں نکلتا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لو افترس المیت سبع کان للمتبرع لا للورثۃ نھر[2] اگر میت کو کسی درندے نے کھا لیا تو کفن جو رہ گیا وہ تبرع کرنے والے کا ہوگا ورثہ کا نہیں، نہر۔ (ت)

باقی اور چڑھاوے اگرچہ وُہ چادریں ہی ہوں جو مزار پر نہ ڈالیں نہ اس پر ڈالنے کو دیں، بلکہ دیگر نذور کی طرح سمجھیں، ان میں عرف عام یہ ہے کہ خادمِ مزار ہی ان کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ اسی قصد سے لوگ لاتے اور اُس کا انتفاع و تصرف دیکھتے، جانتے، روا رکھتے ہیں والمعروف کالمشروط (معروف، مشروط کی طرح ہے۔ ت) تو وُہ خدمت والا ہی اُن کا مالک ہے، ترکہ نہیں کہ فرزند کو جائے۔ اور اس قسم کے چڑھاوے شرع میں کہیں مطلقاً منع نہیں، نہ یہ نذورِ شرعی، بلکہ عرف ہے کہ اکابر کے حضور جو کچھ لے جاتے اسے نذر کہتے ہیں، جیسے بادشاہ کی نذریں گزریں۔ بعض متاخرین نے کہ منع کیا میت کے لیے منت ماننے کو منع کیا ہے، وہ صورت یہاں عام مواقع میں نہیں، اکثر چڑھاوے منت ہی نہیں ہوتے، نہ یہ نذر شرعی نذر۔ اور یہاں مباحث نفیسہ ہیں کہ ہم نے تعلیقاتِ ردالمحتار میں ذکر کیں۔ معہذا امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی ابن سیدی اسمٰعیل بن عبدالغنی قدس سرہ القدسی

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

[2] ردالمحتار " " ادارۃ الطباعۃ المصریۃ، مصر ۱/ ۵۷۱

حدیقہ ندیہ شریف میں فرماتے ہیں :

ومن هذا القبيل زيارة القبور والتبرك بضرائح الاولياء والصالحين والنذر لهم بتعليق ذلك على حصول شفاء او قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين بقبورهم كما قال الفقهاء فيمن دفع الزكوٰة لفقير وسماها قرضا صح لان العبرة بالمعنى لا باللفظ وكذلك الصدقة على الغنى هبة والهبة للفقير صدقة۔[1]

اسی قبیل سے ہے قبروں کی زیارت اور اولیاء و صالحین کے مزارات سے برکت لینا اور کسی بیمار کی شفایابی یا کسی غائب کی آمد کی شرط کرکے ان کے لیے نذر پیش کرنا کہ دراصل یہ قبروں کے خدام پر صدقہ سے مجاز ہے جیسا کہ فقہا نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو فقیر کو زکوٰۃ دے اور اسے قرض کہے تو زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے اس لیے کہ اعتبار معنی کا ہے لفظ کا نہیں۔ اسی طرح غنی پر صدقہ ہو تو ہبہ وعطیہ ہے اور فقیر کو ہبہ ہو تو صدقہ ہے۔ (ت)

نذرِ اولیاء کا نفیس بیان ہمارے فتاوٰی افریقہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶ تا ۱۲۹: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) مُردہ کے نام کا کھانا جو امیر وغریب کو کھلاتے ہیں کس کو کھانا چاہئے اور کس کو نہیں ؟ اور یُوں بھی کہتے ہیں کہ مُردہ کے نام کا کھانا مصلّی امیر وغریب سب کو کھلاتے ہیں جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) بزرگوں کے مزار پر عُرسوں میں یا اس کے علاوہ میں عورتیں جاتی ہیں یا ناپاکی کی حالت میں بھلائی کی طلب میں حاجت برآری کے لیے، اور وہاں ٹھہرتی ہیں اور اُن کے لیے ٹھہرنے کے لیے وہی قبرستان ہے، آیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟ اگر یہ باتیں بُری ہیں تو اُس بزرگ میں تصرف اور قوت اس کے روکنے کی ہے یا نہیں ؟ اور یہ کہا جاتا ہے کہ دربارِ بزرگان میں آنے والے اُن کے مہمان ہیں، یہ صحیح ہے یا نہیں۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ بزرگ لوگ اپنے مزار سے تصرف نہیں کرسکتے، اور یہ دلیل لاتے ہیں کہ اگر وہ تصرف کرسکتے تو وہاں رنڈیاں گاتی ہیں، ناچتی ہیں، بجاتی ہیں، عورتیں غیر محرم رہتی ہیں، اُن کے نیچے پیشاب وغیرہ کرتے ہیں تو کیوں نہیں روکتے، یہ کہنا اور اس کی یہ دلیل صحیح ہے یا نہیں ؟ اس کا کیا جواب ؟

(۳) بزرگوں کے مزار سے جو چراغ کی روشنی غیبی ہوتی ہے یہ کیسی ہے اور اس سے اس صاحبِ مزار کی بزرگی ثابت ہوتی ہے یا نہیں ؟

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ فی الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الثانی والاربعون الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۵۱

(۴) بزرگوں کے مزار پر فاتحہ، قرآن پڑھنے اور کھڑے ہو کر وسیلہ چاہنے کے لیے عمارت بنادے اور عرس کرے کرائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۵) قبر پر درخت لگانا، دیوار کھینچنا یا قبرستان کی حفاظت کے لیے اُس کے چاروں طرف کھود کر جس میں جدید قدیم قبریں بھی ہیں محاصرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) کسی بزرگ کے روضہ کے گرد قبریں ہیں اور وسعت جگہ کے لیے اُس قبہ سے لگا کر اُسی گرد کے قبر پر مثل سائبان کے پایہ زینہ دے کر چھپر ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

(۷) ظاہر ولی اللہ یعنی زندہ اور صاحبِ مزار ولی اللہ سے ظاہر طریقہ سے ہمکلام ہونے کی کوئی خبر ہے یا نہیں؟

(۸) کوئی شخص اپنی زندگی میں قُل کرائے، فاتحہ پڑھوائے، آیا جائز ہے نہیں، اور اُس کا ثواب اپنے لیے بعد وفات رکھے۔ یعنی یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد مجھے اُس کا ثواب ملے۔

الجواب

(۱) مُردے کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہو، عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے، غنی نہ کھائے، کما فی فتح القدیر و مجمع البرکات (جیسا کہ فتح القدیر اور مجمع البرکات میں ہے۔ ت)

(۲) عورتوں کو مقابر اولیاء و مزارات عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔ اولیاء کرام کا مزارات سے تصرف کرنا بیشک حق ہے، اور وہ بیہودہ دلیل محض باطل ہے۔ اصحابِ مزارات دارِ تکلیف میں نہیں وہ اس وقت محض اہلِ تکوینیہ کے تابع ہیں۔ سیکڑوں ناحفاظیاں لوگ مسجدوں میں کرتے ہیں اللہ عزوجل تو قادرِ مطلق ہے کیوں نہیں روکتا؟ حاضرانِ مزار مہمان ہوتے ہیں مگر عورتیں ناخواندہ مہمان۔

(۳) اگر منجانب اللہ ہے تو ضرور بزرگی ثابت ہوتی ہے اور اگر بزرگی ثابت ہے تو منجانب اللہ ہے ورنہ امر محتمل ہے، شیطان بھی بہت کرشمے دکھاتا ہے۔ حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ازواجِ مطہرات سے ایک بی بی جب اندھیرے میں جاتیں ایک شمع روشن ہو جاتی، ایک روز حضور نے ملاحظہ فرمایا اُسے بجھادیا اور فرمایا کہ یہ شیطان کی جانب سے ہے پھر ایک ربانی نوران کے ساتھ فرمادیا کما فی بھجۃ الاسرار و معدن الانوار (جیسا کہ بہجۃ الاسرار اور معدن الانوار میں ہے۔ ت)

(۴) جائز ہے کما فی مجمع بحار الانوار (جیسا کہ مجمع بحار الانوار میں ہے۔ ت) ہاں منکراتِ شرعیہ مثل رقص و مزامیر سے بچنا لازم ہے۔

(۵) حفاظت کے لیے حصار بنانے میں حرج نہیں۔ اور درخت اگر سایۂ زائرین کے لیے ہوں تو اچھا ہے

مگر قبر سے جدا ہوں۔

(۶) کسی قبر پر کوئی پایہ چُننا جائز نہیں۔

(۷) بکثرت ہیں کہ امام جلال الدین (سیوطی) کی شرح الصدور وغیرہ میں مذکور۔

(۸) جائز ہے اور قبول ہوا تو ثواب ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۷ از گوالیار مرسلہ مولوی محمود الحسن صاحب ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کو قبروں پر فاتحہ کو جانا درست ہے یا نادرست؟

الجواب

اصح یہ ہے کہ عورتوں کو قبروں پر جانے کی اجازت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۸ از نصیر آباد تعلقہ جل گاؤں ضلع خانداس مرسلہ بسم اللہ منشی ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زیارتِ قبور میں عورتوں کے واسطے کیا حکم ہے؟ دیگر کسی کے بزرگوں کے پاس سے پشت در پشت کسی اولیاء اللہ کی مجاوری اور خدمت گزاری ملی ہے تو فاتحہ دینا اس قبر پر یا صندل چڑھانا، غلاف چڑھانا، مجاور مرد لوگ موجود ہو کر عورت کو جائز ہے؟ اس مزار پر ہمیشہ مرد مجاور رہا کرتے ہیں، وہ عورت مجاوروں کے خاندان سے ہے مگر نہایت بدچلن ہے؛ اس عورت کو کیا اختیار ہے؟

الجواب

عورتوں کو زیارتِ قبور منع ہے۔ حدیث میں ہے: لعن اللہ زائرات القبور[1] اللہ کی لعنت اُن عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں۔ مجاور مردوں کو ہونا چاہیے۔ عورت مجاور بن کر بیٹھے اور آنے جانے والوں سے اختلاط کرے یہ سخت بد ہے۔ عورت کو گوشہ نشینی کا حکم ہے، نہ یوں مردوں کے ساتھ اختلاط کا، جس میں بعض اوقات مردوں کے ساتھ اسے تنہائی بھی ہوگی اور یہ حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۹ از پٹنہ مرسلہ ابوالمساکین مولوی ضیاء الدین ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کے واسطے زیارتِ قبور درست ہے یا نہیں؟

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لعن اللہ زوارات القبور[2] (قبروں کی زیارت

---

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب زیارۃ القبور ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/ ۶۹

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث حسان بن ثابت دار الفکر بیروت ۳/ ۴۴۲

کو جانے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ت) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا۔[1] میں نے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، سن لو اب ان کی زیارت کرو۔(ت)

علماء کو اختلاف ہوا کہ آیا اس اجازت بعد النہی میں عورات بھی داخل ہوئیں یا نہیں، اصح یہ ہے کہ داخل ہیں کما فی البحر الرائق (جیسا کہ بحرالرائق میں ہے۔ت) مگر جوانیں ممنوع ہیں جیسے مساجد سے اور اگر تجدید حزن مقصود ہو تو مطلقاً حرام۔

اقول قبور اقرباء پر خصوصاً بحال قرب عہد ممات تجدید حزن لازم نساء ہے، اور مزارات اولیاء پر حاضری میں احدی الشناعتین کا اندیشہ یا ترک ادب یا ادب میں افراط ناجائز، تو سبیل اطلاق منع ہے ولہذا غنیہ میں کراہت پر جزم فرمایا البتہ حاضری وخاکبوسی آستان عرش نشان سرکار اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعظم المندوبات بلکہ قریب واجبات ہے، اس سے نہ روکیں گے اور تعدیل ادب سکھائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۰: از ترپول سولول ڈاکخانہ ہرول ضلع دربھنگہ بلگرام چرسہ مرسلہ عبدالحکیم صاحب
۸ جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

کوئی آدمی کسی قبرستان میں ایک مسلمان قبر پر بزرگ سمجھ کر اس کی قبر پر درگاہ بنا کر کوئی تاریخ مقرر کرکے ہر سال میلہ لگاتا ہے، ہر پیر وجوان عورت واسطے عرض اپنے وہاں جمع ہوتی ہیں، بلکہ عورت مرد کا مجمع کثیر ہوتا ہے اور بڑے بڑے عہدہ دار یا ہندو کو دعوت دے کر بلاتے ہیں جس میں ڈھول باجے اور فونوگرام وغیرہ بھی بجتا ہے اور عورت لوگ اس بزرگ کی قبر پر پھول، خصی مرغ، سرنی وغیرہ چڑھاتے ہیں، اور اس قبرستان پر پیشاب پاخانہ کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا ہے اس درگاہ کی شرکت کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز یا ناجائز، اور شرکت کرنے والے کو برا سمجھیں یا اچھا، اور اس درگاہ کا متولی چھوٹی قوم ہے مونچھ داڑھی سے زیادہ رکھتا ہے اور ہاتھ میں لوہے کا مالا پہنتا ہے اور ہاتھ میں لوہے کا چھڑا رکھتا ہے اور لوگوں کو گالی فحش دیتا ہے اور لوگ جو شرکت کرتے ہیں اسے بزرگ اور پیر سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ کی نماز پڑھنا جائز یا ناجائز، اس لیے دور رہنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

اولیائے کرام کے مزارات پر ہر سال مسلمانوں کا مجمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت یا اور مجالس کرنا اور اس کا

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ثواب ارواحِ طیبہ کو پہنچانا جائز ہے، جبکہ منکرات شرعیہ مثل رقص ومزامیر وغیرہا سے خالی ہو۔ عورتوں کو قبور پر دیسے جانا نہ چاہیے نہ کہ مجمع میں بے حجابانہ اور تماشے کا میلہ کرنا، اور فونو وغیرہ بجوانا۔ یہ سب گناہ وناجائز ہیں، جو شخص ایسی باتوں کا مرتکب ہو اُسے امام نہ بنایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رسالہ

جُمَلُ النّور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور ۱۳۳۹ھ

(نُور کے جُملے، عورتوں کو زیارتِ قبور سے روکنے کے بارے میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۱۸۱: مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب مدرس اوّل مدرسہ قادریہ احمد آباد گجرات محلہ جمال پور ۲۸ صفر ۱۳۳۹ھ

مولانا موصوف نے ایک رجسٹری بھیجی جس میں بحرالرائق و تصحیح المسائل مولانا فضل رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کو جانے کی اجازت پر زور دیا گیا تھا، ان کو یہ جواب بھیجا گیا۔

الجواب

مولانا المکرم مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب زید کرمہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کی دو رجسٹریاں آئیں، تین مہینے سے زائد ہوئے کہ میری آنکھ اچھی نہیں تھی، میری رائے اس مسئلہ میں خلاف پر ہے۔ مدت ہوئی اس بارے میں میرا فتوٰی تحفہ حنفیہ میں چھپ چکا، میں اس رخصت کو جو بحرالرائق میں لکھی ہے مانِ کر نظر بحالات نساء سوائے حاضریِ روضۂ انور کہ واجب یا قریب بواجب ہے، مزاراتِ اولیاء یا دیگر قبور کی زیارت کو عورتوں کا جانا باتباع غنیہ علامہ محقق ابراہیم حلبی ہرگز پسند نہیں کرتا، خصوصًا اس طوفانِ بے تمیزی رقص ومزامیر وسرود

میں جو آج کل جہّال نے اعراسِ طیبہ میں برپا کر رکھا ہے اس کی شرکت تو میں عوام رجال کو بھی پسند نہیں رکھتا نہ کہ وہ جن کو انجشہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حُدی خوانی با لحان خوش پر عورتوں کے سامنے ممانعت فرما کر انھیں نازک شیشیاں فرمایا۔ والسلام

مولوی صاحب نے دوبارہ رجسٹری بھیجی، جس پر جواب ارسال ہُوا۔

مسئلہ از احمد آباد گجرات محلہ جمال پور مرسلہ مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

مخدومی مکرمی معظمی جناب مولانا صاحب دام مجدکم، بعد سلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، کے واضح رائے عالی ہو کہ محبت نامہ موصول ہو۔ فتوٰی کو آپ کے دیکھا۔ حضرت مولانا! مجھے آپ اس مسئلہ میں سمجھائیے کہ مسجد نبوی میں تین سَو مرد اور ایک سَو ستّر عورتیں تھیں، یہ منافقین آخری صف میں کھڑے ہُوئے تھے اور عورتوں کو جھانکتے تھے، نمازِ فجر و عشاء میں عورتیں توجہ انوارِ حقیقتِ محمدی و حقیقتِ قرآن کے لیے حاضر ہوتی تھیں تو منافقین کی نالائق حرکت کا انتظام خدائے تعالٰی اور قرآنِ عظیم نے یہ نہ کیا کہ منافقین اور فیض لینے والی عورتوں کو یہ حکم دیا ہو تاکہ دونوں مسجد نبوی میں جمع نہ ہوں، اور فیض رسانی عورتوں کی اس بہانے سے بند نہ ہُوئی بلکہ انتظام فیض رسانی یہ ہُوا کہ

لقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستاخرین ۝ وان ربك هو یحشرهم انه حکیم علیم ۝[1]

بیشک ہمیں معلوم ہیں تم میں کے آگے والے اور پیچھے والے اور بیشک تمہارا رب ان کو جمع کرے گا، بلاشبہہ وہ حکمت والا علم والا ہے۔ (ت)

اور انتظام حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کیا:

خیر صفوف الرجال اولها وشرها اٰخرها و خیر صفوف النساء اٰخرها وشرها اولها[3]

مردوں کی صفوں میں سب سے بڑھ کر اگلی ہے اور سب سے کم تر پچھلی، اور عورتوں کی صفوں میں سب سے بہتر پچھلی ہے اور سب سے کم تر اگلی ہے۔ (ت)

مسجد میں عورتوں کی نماز بند ہُوئی اس کو بندہ مانتا ہے، فیضِ حقیقتِ محمدی و حقیقتِ قرآن لینے کو باپردہ پانچ دس عورتیں محلہ کی مل کر مرشد کے مکان پر جائیں اور مرشدِ طریقت مرتعش اور شیخ فانی پردہ میں بٹھا کر ان کو توجہ حقیقتِ محمدی اور قرآن کی دے اُس پر حکم حرمت لگانا غلط اور فیضِ محمدی کا مقابلہ اور موردِ یریدون ان

---

[1] القرآن ۱۵ / ۲۴

[2] القرآن ۱۵ / ۲۵

[3] صحیح مسلم باب تسویۃ الصفوف الخ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱ / ۱۸۲

یطفئوا نور اللہ بافواھھم[1] (اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھانا چاہتے ہیں۔ ت) بننا ہے۔ شیخ طریقت تو انا عرضنا الامانۃ الاٰیۃ[2] (بیشک ہم نے امانت پیش کی الآیۃ۔ ت) میں جو امانت ہے اس کو ذاکرات کے سینہ میں باپردہ بٹھا کر توجہ دے کر جاتا ہے، اور یہ اس امانت کی جڑ اُکھاڑتا ہے، یہ فیض بیڑا اُکھاڑنے والے کو بے وقار کرکے اُکھاڑ دے گا۔ محمدی المشرب سنّتِ حضرت نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام پر عمل کرتا ہے۔ حضرت نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے عورتوں کو توجہ دی، اول مرید کرکے، یہ بھی عورتوں کو مرید کرکے توجہ دیتا ہے، طریقہ عالیہ قادریہ کی توجہ کلمہ طیبہ کے ذکر کی ہوگی، اب عورتوں کو پردہ میں بٹھا کر ذکر کلمہ طیبہ کا بتایا جائے گا ضربِ الااللہ قلب پر مارنا سکھایا جائے گا۔ پردہ میں عورت خلیفہ مرشد طریقت کی بیٹھ کر ذکر کلمہ طیبہ کا سکھاتی ہے اور مرشدِ طریقت اونچ نیچ سمجھاتے ہیں۔ پردہ میں ایک عورت نہیں محلّہ کی دس پندرہ عورتیں بیٹھی ہیں، یہاں خلوتِ اجنبیہ کا حکم نہیں لگتا۔ یہ جلوت ہے، جلوت میں فیض رسانی طریقۂ عالیہ قادریہ کی ہوتی ہے۔ اور اسی طرح اس مجلس میں طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کی توجہ بھی عورتوں کو دی جاتی ہے۔ بریلی میں حاضری کا کئی بار موقع ہُوا ہے، وہاں یہ عمل دیکھنے میں نہیں آیا، نہ وہاں سُنا کہ کوئی مشائخ یہ کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں ڈولی میانہ مشکل سے ملتا ہے، غربا ومساکین میں قدرت ان سواریوں میں بیٹھنے کی نہیں، اور نہ قرآن عظیم نے ڈولی ومیانہ کا حکم دیا ہے۔۔۔ یدنین علیھن من جلابیبھن[3] (ان پر اپنی چادریں ڈال دیں۔ ت) اور قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم[4] وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھن[5] (ایمان والے مردوں سے فرماؤ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور ایمان والی عورتوں سے فرماؤ اپنی نظریں پست کریں۔ ت) اور ولیضربن بخمرھن علٰی جیوبھن[6] (اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔ ت) اس پردہ پر احمد آباد کی ذاکرات کا عمل ہے۔ عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۴ ص ۸۷:

حاصل الکلام من ھذا کلہ ان زیارۃ القبور مکروھۃ للنساء بل حرام فی ھذا الزمان لاسیما نساء مصرلان خروجھن علٰی وجہ الفساد والفتنۃ وانما رخصت الزیارۃ لتذکر امر الاٰخرۃ

حاصل یہ کہ عورتوں کے لیے زیارتِ قبور مکروہ ہے بلکہ اس زمانے میں حرام ہے خصوصاً مصر کی عورتوں کے لیے، اس لیے کہ ان کا جانا فتنہ اور خرابی کے طور پر ہوتا ہے، زیارت کی رخصت تو صرف اس لیے ہوئی تھی کہ امر آخرت کو

---

[1] القرآن ۹/۳۲
[2] القرآن ۳۳/۷۲
[3] القرآن ۳۳/۵۹
[4] القرآن ۲۴/۳۰
[5] القرآن ۲۴/۳۱
[6] القرآن ۲۴/۳۱

وللاعتبار بمن مضی وللتزھد فی الدنیا۔[1] یاد کریں، وفات پانے والوں سے عبرت لیں اور دنیا سے بے رغبت ہوں۔ (ت)

یہ حکم مصر کی بغایہ مغنیہ دلالہ کا ہے اس حکم کو نیک بخت عورتوں پر لگانا غلط ہے۔ لوادرک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما احدثت النساء (اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہ دیکھتے جو عورتوں نے اب پیدا کیا۔ ت) کی شرح عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۰ میں ہے:

بعضھن یغنین باصوات عالیۃ مطربۃ ومنھن صنف بغایا۔[2] ان میں کچھ ایسی ہوتی ہیں جو طرب انگیز بلند آوازوں سے گاتی ہیں اور کچھ بدکار قسم کی ہیں۔ (ت)

احمد آباد میں تین کوس درگاہ حضرت گنج احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی ہے، مکان بہت پُرفضا ہے اور تالاب سنگین ہے، وہاں دھنے کی قوم کی اور لکڑ بیچنے والی قوم کی عورتیں لہنگا ساڑھی پہن کر جاتی ہیں اور گربے گاتی ہیں اور ان کی قوم کی ضیافتیں ہوتی ہیں اس میں وہ عورتیں گربے گاتی ہیں، حلقہ عورتوں کا بن جاتا ہے اور تالی بجاتی ہیں اور پھرتی جاتی ہیں رنڈیوں کی طرح گیت گاتی جاتی ہیں اُن پر بل حرام فی ھذا الزمان لاسیما نساء مصر (بلکہ اس زمانے میں خصوصاً زنانِ مصر کے لیے حرام ہے۔ ت) کا حکم برابر عمدہ طور پر چسپاں ہے۔ اور غنیۃ المستملی کے صفحہ ۵۹۵ میں وان یکون فی زماننا التحریم لما فی خروجھن من الفساد[3] اھ (ہمارے زمانے میں تحریم کے لیے ہوگا کیونکہ ان کے جانے میں خرابیاں ہیں اھ۔ ت) اور جو عورتیں قوالی رنڈیوں کی اور قوالی مردوں کی سننے جاتی ہیں اُن کو زیارت القبور کو جانا حرام ہے، ان کے حرام ہونے سے ذاکرات اور فیض لینے جانے والی عورتوں کو کیا نقصان، اگرچہ ایسی عورت ہزاروں میں ایک ہو۔ دس ہزار آدمیوں نے کتّے اور خنزیر کے گوشت کی بریانی پکائی ہے اور ایک نے بکری کے گوشت کی بریانی پکائی، دونوں بریانیوں پر حکم حرمت اور حکم حلت غلط اور کتّے کی بریانی پر حکم حرمت اور بکری کی بریانی پر حکم حلت صحیح، دونوں کا حکم جُدا مفتی کو بیان کرنا پڑے گا۔

افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا لایستون۔[4] تو کیا جو مومن ہے فاسق کی طرح ہوگا؟ دونوں برابر نہیں۔

ام نجعل المتقین کالفجار۔[5] یا پرہیزگاروں کو ہم بدکاروں کی طرح کر دیں؟ (ت)

---

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب زیارت القبور حدیث ۴۲ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/۷۰

[2] " " " باب خروج النساء الی المساجد حدیث ۲۵۰ " " " ۶/۱۵۸

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز البحث الخامس سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۹۴

[4] القرآن ۳۲/۱۸ [5] القرآن ۳۸/۲۸

35

اساف اور نائلہ نے جاہلیت میں (خانہ کعبہ کے اندر) زنا کیا اور قدرتِ الٰہیہ نے دونوں کو مسخ کر دیا ایسے متبرک مکان میں دونوں نے خباثت کی یا کوئی سفر حرمین طیبین میں خبیث عمل سے پیش آئے تو کیا اُس خبیث کی خباثت کو دیکھ کر اور اسی سے استناد کر کے عورتوں کے حج و زیارت حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عدمِ جواز کا فتویٰ جاری کر دیا جائے گا، ہرگز نہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس میں غربی دیوار میں کلام مجید رکھا ہے، اُس دیوار کے پیچھے عورتیں بیٹھ کر توجہ لیتی ہیں، ذکر فکر مراقبہ کرتی ہیں، بُرقع اوڑھ کر آتی ہیں، اختلاط مردوں اور عورتوں کا یہاں بالکل نہیں۔ اب یہ عورتیں نور اللہ دل میں بھرنے کے لیے حاضر ہوتی ہیں۔ یہ فیض رسانی حقیقتِ محمدی کی عورتوں کو خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز کرتے ہیں، اور اس فیض میں وُہ قوت ہے کہ لاکھوں کوسوں سے فیض لینے والیوں کو آپ بُلا لیتے ہیں۔ یہ جگہ مقامِ قوالی سے دُور ہے اور نمازِ فجر سے اشراق تک اور مغرب اور عشاء کے بیچ میں اس پردے والے مکان میں عورتیں جمع ہو کر فیض لیتی ہیں اور اس وقت نقصان قوالی کا بالکل نہیں، اور یہ عورتیں نیک بخت پردہ نشین بُرقع اوڑھ کر آنے والی ہیں، آپ نے ذاتی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور میں نے اس کو آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بندہ اس کو شہادت کے طور پر بیان کر سکتا ہے اور آپ کو آنکھوں سے دکھا کر تسلی کر سکتا ہے اب ان عورتوں پر حکمِ حُرمت لگانا غلط ہے۔ سرخیز قصبہ احمد آباد میں جو عورتیں گربے گانے والیاں فاحشات مغنیات اور رنڈیں اور باپردہ سوالاکھ کلمہ طیب کا ختم پڑھنے والی ذکر خفی، مراقبہ، فیضِ حقیقتِ محمدی لینے والی ذاکرات پر رنڈیوں کا حکم لگا کر دونوں کو ایک پھانسی میں لٹکا دینا غلط ہے۔ حقوقِ اولیاء و خیر خواہیٔ اولیاء و خیر خواہیٔ سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ نہیں الدین النصیحۃ للّٰہ ولرسولہ وللمؤمنین[1] (دین خیر خواہی ہے اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے۔ ت) یہ کہاں ہُوئی، اولیاء فیض حقیقتِ محمدی کا دینے کو ذاکرات کو بلاتے ہیں، وُہ باپردہ اور شریعت کے احکام کو سر پر رکھ کر حاضر ہوتی ہیں اور مفتی اُن پر حکمِ عدمِ جواز لگائیں۔ اس صورت میں فیضِ حقیقتِ محمدی کو روکنا ہے۔ اس کا نام دوستیٔ حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں۔ ہم آپ سے چھوٹے اور آپ کے اقدام کو اپنے سروں پر رکھنے والے ہیں مگر آپ کا قدم صراطِ مستقیم سے پھسل گیا تو عرض کرنا چاہئے ہُدہُد دو پیسے کی چڑیا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے:

احطت بما لم تحط بہ وجئتك من سبا بنبا یقین[2]

میں نے وہ دیکھا جو آپ نے نہ دیکھا اور میں آپ کے شہر سبا سے یقینی خبر لایا ہُوں۔ (ت)

---

[1] السنن للنسائی کتاب البیعۃ النصیحۃ للامام نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۱۸۵

[2] القرآن ۲۷/۲۲

اوّل تو ایک مدت سے آنکھیں آپ کی رمد میں مبتلا ہیں اور ہاتھ بڑوں بڑوں سے ملایا ہے، طبیعت پریشان ہے، یہ قلم اس وقت میرا نہ سمجھئے، آپ کے ہم غلام ہیں تو دست بستہ عرض کرتے ہیں، اس کو آپ بغاوت نہ سمجھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو زیارتِ قبور کے وقت سلام کرنا حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا مشکوٰۃ شریف، مسلم شریف، نسائی جز ۱ صفحہ ۲۳۵ میں ہے:

اس دلالت وارد بر جواز مرنساء را ئے[1] اس میں عورتوں کے لیے جوازِ زیارت کی دلیل ہے۔ (ت)

امام نووی شرح مسلم کی جلد ۱ صفحہ ۳۱۴ میں فرماتے ہیں:

فیہ دلیل لمن جوز للنساء زیارۃ القبور[2] الخ اس میں عورتوں کے لیے زیارتِ قبور جائز ماننے والوں کے لیے دلیل ہے (ت)

فتح الباری پارہ ۵ مطبع انصاری دہلی ص ۶۶۲ میں ہے:

اختلف فی النساء فقیل دخلن فی عموم الاذن وھو قول الاکثر و محلہ اذا امنت الفتنۃ[3] عورتوں کے بارے میں اختلاف ہوا، کہا گیا کہ اجازت کے عموم میں یہ بھی داخل ہیں، اور یہی اکثر کا قول ہے، اور اس حکم کا موقع فتنہ سے امن کی حالت میں ہے (ت)

اب تطبیق سمجھ لیجئے کہ گربے گانے والی، قوالی سننے والی عورتوں کے لیے زیارتِ قبور ادلیا، کو جانا حرام اور فیضِ الٰہی لینے والی عورتوں کو باپردہ شریعت کے احکام کو بجالا کر جانا کہ میں نے مسئلہ اس طرح مشرح بیان کیا ہے، اس کو آپ صحیح سمجھتے ہیں یا میری سمجھ میں کوئی غلطی ہے مجھے سمجھایئے، آپ میرے مربّی اور قبلہ و کعبہ حاجات ہیں۔ خدا تعالٰی آپ کو صحتِ کلیہ عاجلہ عطا فرمائے، آمین ثم آمین!

رقیمہ حکیم عبدالرحیم عفی عنہ مدرس اوّل مدرسہ قادریہ احمد آباد گجرات دکن جمالپور مسجد کانچ ۱۵ ربیع الاول شریف اور مصطفٰے میاں کو پاس بٹھا کر اس کا جواب ان سے لکھوا کر میری تسلی کر دیجئے، میں غلط سمجھا ہوں تو صحیح سمجھایئے، اور وہ فتوٰی جو تحفہ حنفیہ میں عدم جواز زیارتِ قبورِ نساء کے بارے میں ہے اس کی نقل بھی کروا کر روانہ فرمایئے، اس کے دلائل سے بھی واقف ہونا بندہ چاہتا ہے۔

---

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور فصل ثالث نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۹

[2] شرح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی اذنہ الی زیارۃ القبور نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۱۴

[3] فتح الباری شرح البخاری باب زیارۃ القبور مصطفٰے البابی مصر ۳/ ۳۹

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط

مولانا المکرم اکرمکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کی رجسٹری ۵ ا ربیع الاول شریف کو آئی، میں ۱۲ ربیع الاول شریف کی مجلس پڑھ کر شام ہی سے ایسا علیل ہُوا کہ کبھی نہ ہُوا تھا، میں نے وصیت نامہ بھی لکھوا دیا تھا، آج تک یہ حالت ہے کہ دروازہ سے متصل مسجد ہے چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد لے جاتے اور لاتے ہیں۔ میرے نزدیک وہی دو حرف کہ اول گزارش ہوئے کافی تھے اب قدرے تفصیل کروں۔

(ا) پہلے گزارش کر چکا کہ عبارات رخصت میری نظر میں ہیں۔ مگر نظر بحالِ زمانہ میرے نہ میرے بلکہ اکابر متقدمین کے نزدیک سبیل ممانعت ہی ہے اور اسی کو اہلِ احتیاط نے اختیار فرمایا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ منافقین کے باعث عورتوں کو مسجد کریم میں حاضری سے اللہ جل وعلا ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت نہ فرمائی بلکہ منافقوں کو تہدید وترہیب اور مردوں کو تقدم عورتوں کو تاخر کی ترغیب فرمائی اور میں اتنا اور زائد کرتا ہوں کہ صرف یہی نہیں بلکہ نساء کو حضور نے عیدین کی سخت تاکید فرمائی، یہاں تک حکم فرمایا کہ برکتِ جماعت ودعاءِ مسلمین لینے کو حیض والیاں بھی نکلیں، مصلّے سے الگ بیٹھیں، پردہ نشین کنواریاں بھی جائیں، جس کے پاس چادر نہ ہو ساتھ والی اُسے اپنی چادر میں لے لے۔ صحیحین میں اُم عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور فیشہدن جماعۃ المسلمین ودعوتہم وتعتزل الحیض عن مصلاھن قالت امرأۃ یارسول اللہ احدنا لیس لہا جلباب قال لتلبسہا صاحبتہا من جلبابہا۔[1]

ہمیں حکم دیا گیا کہ عیدین کے دن حیض والی اور پردہ نشین عورتوں کو بھی ساتھ لے جائیں تاکہ یہ بھی مسلمانوں کی جماعت اور دعا میں شریک ہوں اور حیض والیاں نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم میں کوئی عورت ایسی بھی ہوتی ہے جس کے پاس چادر نہیں، فرمایا: اس کے ساتھ والی اسے اپنی چادر کا حصّہ اُڑھا دے۔ (ت)

اور یہ صرف عیدین میں ہی امر نہیں بلکہ مساجد سے عورتوں کو روکنے سے مطلقاً نہی بھی ارشاد ہُوئی کہ اللہ کی

---

[1] صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۹۱
صحیح البخاری 〃 〃 〃 قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۴

باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ مسند احمد و صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ[1] — اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ (ت)

یہ حدیث صحیح بخاری کتاب الجمعہ میں بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا امر وجوب کے لیے ہے اور نہی تحریم کے لیے۔ اور فیض وبرکت لینے کا فائدہ خود حدیث میں ارشاد ہوا۔ بایںہمہ آپ ہی لکھتے ہیں کہ مسجد میں عورتوں کی نماز بند ہوئی اس کو بندہ مانتا ہے۔ دُرمختار کی عبارت آپ سے مخفی نہ ہوگی کہ:

یکرہ حضورھن الجماعۃ والجمعۃ وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذہب المفتی بہ لفساد الزمان[3]۔ — جماعت میں عورتوں کی حاضری ۔۔ اگرچہ جمعہ، عید اور وعظ کے لیے ہو ۔۔ مطلقاً مکروہ ہے اگرچہ بوڑھی عورت رات کو جائے۔ یہی وُہ مذہب ہے جس پر فسادِ زمانہ کے باعث فتوٰی ہے۔ (ت)

اسی طرح اور کتبِ معتمدہ میں ہے۔ ائمہ دین نے جماعت وجمعہ وعیدین درکنار وعظ کی حاضری سے بھی مطلقاً منع فرمادیا اگرچہ بڑھیا ہو، اگرچہ رات ہو۔ وعظ سے مقصود تو صرف اخذِ فیض وسماع امر بالمعروف ونہی عن المنکر وتصحیح عقائد واعمال ہے کہ توجہ مشیخت سے ہزار درجہ اہم واعظم اور اس کی اصل مقدم ہے، اس کا فیض بے توجہ مشیخت بھی عظیم مفید ودافع ہر ضرر شدید ہے۔ اور یہ نہ ہو تو توجہ مشیخت کچھ مفید نہیں بلکہ ضرر سے قریب نفع سے بعید ہے۔

عہ غیر انہ لم یصرح فیہ باسم الصحابی فقیل عن عمر کما عند عبدالرزاق واحمد وقیل عن ابن عمر کما عند مسلم واحمد واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

مگر اس میں صحابی کے نام کی صراحت نہیں۔ کہا گیا کہ یہ روایت حضرت عمر سے ہے جیسا کہ مصنف عبدالرزاق اور مسند امام احمد میں ہے۔ اور کہا گیا کہ حضرت ابن عمر سے ہے رضی اللہ تعالٰی عنہما، جیسا کہ صحیح مسلم اور مسند امام احمد میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] صحیح مسلم شریف — باب خروج النساء الی المساجد — نور محمد اصح المطابع کراچی — ۱/۱۸۳
صحیح البخاری — کتاب الجمعہ — قدیمی کتب خانہ کراچی — ۱/۱۲۳
[3] درمختار — باب الامامۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۸۳

کیا امام اعظم و امام ابویوسف و امام محمد و سائر ائمہ مابعد رضی اللہ تعالٰی عنہم کو فیضِ حقیقت اقدس سے روکنے والا اور معاذ اللہ معاذ اللہ یریدون ان یطفؤا نور اللہ بافواھھم[1] (خدا کا نور اپنے منہ سے بجھانا چاہتے ہیں۔ ت) میں داخل مانا جائے گا، حاشا یہ اطبائے قلوب ہیں، مصالح شرع جانتے ہیں۔

(۲) صحیح بخاری و صحیح مسلم و سُنن ابی داؤد میں اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ارشاد اپنے زمانہ میں تھا:

لوادرک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل[2]

اگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کی ہیں تو ضرور انھیں مسجد سے منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئیں۔

پھر تابعین ہی کے زمانہ سے ائمہ نے ممانعت شروع فرمادی، پہلے جوان عورتوں کو پھر بڑھیوں کو بھی، پہلے دن میں پھر رات کو بھی، یہاں تک کہ حکمِ ممانعت عام ہوگیا۔ کیا اس زمانے کی عورتیں گربے والیوں کی طرح گانے ناچنے والیاں یا فاحشہ دلالہ تھیں اب صالحات ہیں یا جب فاحشات زائد تھیں اب صالحات زیادہ ہیں یا جب فیوض و برکات نہ تھے اب ہیں یا جب کم تھے اب زائد ہیں۔ حاشا بلکہ قطعًا یقینًا اب معاملہ بالعکس ہے۔ اب اگر ایک صالحہ ہے تو جب ہزار تھیں، جب اگر ایک فاسقہ تھی اب ہزار ہیں۔ اب اگر ایک حصہ فیض ہے جب ہزار حصے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایأتی عام الا والذی بعدہ شرمنہ[3]

جو سال بھی آئے اُس کے بعد والا اس سے بُرا ہی ہوگا۔ (ت)

بلکہ عنایۂ امام اکمل الدین بابرتی میں ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عورتوں کو مسجد سے منع فرمایا، وہ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس شکایت لے گئیں، فرمایا: اگر زمانۂ اقدس میں حالت یہ ہوتی حضور عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔

حیث قال ولقد نھی عمر رضی اللہ تعالٰی

وہ فرماتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عورتوں کو

---

[1] القرآن ۹/۳۲

[2] صحیح مسلم باب خروج النساء الی المساجد نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۸۳

[3] صحیح البخاری باب لایأتی الزمان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۰۴۷

فتح الباری شرح البخاری " " " دار المعرفۃ بیروت ۱۳/۱۷

عنہ النساء عن الخروج الی المساجد فشکون الی عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا فقالت لو علم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما علم عمر ما اذن لکن فی الخروج[1]

مسجد جانے سے روک دیا، وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس شکایت لے کر گئیں، انھوں نے فرمایا: اگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ دیکھتے جو حضرت عمر نے دیکھا تو وہ بھی تمھیں مسجد جانے کی اجازت نہ دیتے۔ (ت)

پھر فرمایا:

فاحتج بہ علماؤنا ومنعوا الشواب عن الخروج مطلقا اما العجائز فمنعھن ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن الخروج فی الظھر والعصر دون الفجر والمغرب والعشاء والفتوی الیوم علٰی کراھۃ حضورھن فی الصلوات کلھا لظھور الفساد[2]

اسی سے ہمارے علماء نے استدلال کیا، اور جوان عورتوں کو جانے سے مطلقاً منع فرمادیا۔ رہ گئیں بوڑھی عورتیں، ان کے لیے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ظہر وعصر میں جانے سے ممانعت اور فجر، مغرب اور عشاء میں اجازت رکھی، اور آج فتوٰی اس پر ہے کہ تمام نمازوں میں ان کی بھی حاضری منع ہے اس لیے کہ خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں۔ (ت)

اسی عینی جلد سوم میں آپ کی عبارت منقولہ سے ایک صفحہ پہلے ہے:

وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ المرأۃ عورۃ واقرب ماتکون الی اللہ فی قعر بیتہا فاذا خرجت استشرفہا الشیطان وکان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما یقوم یحصب النساء یوم الجمعۃ یخرجھن من المسجد وکان ابراھیم یمنع نساءہ الجمعۃ والجماعۃ[3]

یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے عورت سراپا شرم کی چیز ہے، سب سے زیادہ اللہ عزوجل سے قریب اپنے گھر کی تہ میں ہوتی ہے اور جب باہر نکلے شیطان اس پر نگاہ ڈالتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما جمعہ کے دن کھڑے ہوکر کنکریاں مار کر عورتوں کو مسجد سے نکالتے۔ اور امام ابراہیم نخعی تابعی استاذ الاستاذ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنی مستورات کو جمعہ وجماعات میں نہ جانے دیتے۔

---

[1] و [2] العنایۃ علی حامش فتح القدیر باب الامامۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۱۷

[3] عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۶/۱۵۷

جب اُن خیر کے زمانوں اُن عظیم فیوض و برکات کے وقتوں میں عورتیں منع کر دی گئیں، اور کاہے سے، حضورِ مساجد و شرکتِ جماعات سے۔ حالانکہ دینِ متین میں ان دونوں کی شدید تاکید ہے۔ تو کیا ان ازمنۂ شرور میں ان قلیل یا موہوم فیوض کے حیلے سے عورتوں کو اجازت دی جائے گی، وُہ بھی کاہے کی، زیارتِ قبور کو جانے کی، جو شرعاً مؤکد نہیں۔ اور خصوصاً ان میلوں ٹھیلوں میں جو خدا ناترسوں نے مزاراتِ کرام پر نکال رکھے ہیں یہ کس قدر شریعتِ مطہرہ سے منافقت ہے۔ شرعِ مطہر کا قاعدہ ہے کہ جب مصلحت پر سلبِ مفسدہ کو مقدم رکھتی ہے درء المفاسد اھم من جلب المصالح (خرابیوں کے اسباب دُور کرنا خوبیوں کے اسباب حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہے۔ ت) جبکہ مفسدہ اس سے بہت کم تھا۔ اُس مصلحتِ عظیمہ سے ائمۂ دین امام اعظم و صاحبین و من بعدہم نے روک دیا، اور عورتوں کی مسلیں نہ بنائیں کہ صالحات جائیں، فاسقات نہ آئیں، بلکہ ایک حکمِ عام دیا جسے آپ ایک پھانسی میں لٹکانا فرمارہے ہیں۔ کیا اُنھوں نے یہ آیتیں نہ سُنی تھیں: افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا[1]۔ ام نجعل المتقین کالفجار[2]۔ کیا جو ایمان والا ہے وُہ اس کی طرح ہوگا جو نافرمان ہے؟ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں؟ (ت)

تو اب کہ مفسدہ جب سے بہت اشد ہے، اس مصلحتِ قلیل سے روکنا کیوں نہ لازم ہوگا، اور عورتوں کی قسمیں کیونکر چھانٹی جائیں گی!

(۴) صلاح و فساد قلب امرِ مضمر ہے اور دعوے کے لیے سب کی زبان کشادہ اور محقق و مبطل نامعلوم معہذا اصلاح سے فساد کی طرف انقلاب کچھ دشوار نہیں، خصوصاً ہوا لگ کر خصوصاً عورتوں کے دل کہ تقلب کیلئے بہت آمادہ، ولھذا رویدك انجشة رفقا بالقواریر (انجشہ! آبگینوں کے ساتھ نرمی کی خاطر سواریاں آہستہ چلاؤ۔ ت) ارشاد ہوا مرد کہ اپنے نفس پر اعتماد کرے احمق ہے نہ کہ عورت۔ نفس تمام جہان سے بڑھ کر جھوٹا ہے، جب قسم کھائے، حلف اٹھائے، نہ کہ جب خالی وعدوں پر اُمید دلائے وما یعدھم الشیطٰن الا غرورا[3] (اور شیطان انھیں فریب ہی کے وعدے دیتا ہے۔ ت) بالخصوص اب کہ قطعاً فساد غالب اور صلاح نادر ہے۔ اس صورت میں مفتی کو تفصیل کیونکر جائز، یہ تفصیل نہ ہوگی بلکہ شیطان کو ڈھیل اور اس کی رسّی کی تطویل۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الفائز بھذا مع السلامۃ اقل قلیل — حرم پاک میں سکونت کرکے گناہ سے سلامت رہ جانیوالے

---

[1] القرآن ۳۲/۱۸
[2] القرآن ۳۸/۲۸
[3] القرآن ۴/۱۲۰

فلا ینبغی الفقیہ باعتبارھم ولاینکر حالھم قیدا فی الجواز لان شان النفوس الدعوی الکاذبۃ وانھا اکذب مایکون اذا حلفت فکیف اذا ادعت[1] (ملخصا)

حضرات کم سے کم تر ہیں تو حکم فقہی کی بنیاد ان کے اعتبار سے نہ ہوگی، نہ ہی ان کا حال حکمِ جواز کی قید بناکر مذکور ہوگا (بلکہ اکثر کا اعتبار کرکے مطلقاً عدمِ جواز کا حکم دیا جائے گا) اس لیے کہ نفس کا حال یہ ہے کہ وہ جھوٹے دعوے کرتا ہے اور وہ جب قسم کھائے اُس وقت بھی سب سے زیادہ جھوٹا ہوتا ہے پھر جب صرف دعوٰی کرے اُس وقت کیسا ہوگا!

ساداتِ ثلاثہ علامہ حلبی و علامہ طحطاوی و علامہ شامی فرماتے ہیں:

وھو وجیہ فینص علی الکراھۃ ویترک التقیید بالوثوق[2]

یہ کلام عمدہ ہے تو سکونتِ حرم کو صراحۃً مکروہ بتایا جائیگا اور یہ نہ کہا جائے گا کہ اگر اپنے نفس پر گناہ سے سلامتی کا بھروسہ رکھتا ہو تو مکروہ نہیں۔ (ت)

منتقی شرح ملتقی میں ہے:

اما من کان بخلافھم فنادر فی ھذا الزمان فلا یفرد بحکم دفعا للحرج التمییز بین المصلح والمفسد[3]

اس زمانے میں ایسے طالبِ علم کا وجود نادر ہے جو ان بگڑے ہُوئے عام طلبہ کے برخلاف ہو تو اس کے لیے کوئی الگ حکم نہ ہوگا کیونکہ یہ امتیاز کرنا دشوار ہے کہ مصلح کون ہے اور مُفسد کون ہے! (ت)

شرح لباب میں ہے:

لوکانت الائمۃ فی زماننا وتحقق لھم شأننا لصرحوا بالحرمۃ[4]۔

اگر ائمہ ہمارے زمانے میں ہوتے اور ہماری حقیقتِ حال ان کے سامنے آتی تو وہ بھی سکونتِ حرم کو صاف صاف ناجائز ہی بتاتے (ت)۔ (ان عبارتوں سے استناد یہ ہے کہ فقہی احکام اکثر کے لحاظ سے ہوتے ہیں ۱۲ مترجم)

(۴) زیارتِ قبور پہلے مطلقاً ممنوع تھی پھر اجازت فرمائی۔ علماء کو اختلاف ہُوا کہ عورتیں بھی اس رخصت میں داخل ہُوئیں یا نہیں، عورتوں کو خاص ممانعت میں حدیث لعن اللّٰہ زوارات القبور[5] (خدا کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں۔ ت) سے قطع نظر کرکے تسلیم کیجئے کہ ہاں عورتوں کو بھی

---

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴
[2] ردالمحتار کتاب الحج مطلب فی المجاورۃ بالمدینۃ الخ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۲/ ۲۵۶
[3] منتقی شرح الملتقی علی ہامش مجمع الانہر کتاب النکاح فصل نفقۃ الطفل الفقیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۰۰
[4] شرح لباب مع ارشاد الساری فصل اجمعوا علی الخ دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۵۲
[5] عمدۃ القاری شرح البخاری باب زیارۃ القبور ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۸/ ۶۹

شامل ہوئی، مگر جس قدر اوّل کی عورتوں کو جن میں حضورِ مساجد وجمعہ وعیدین کی اجازت بلکہ حکم تھا، جب زمانۂ فساد آیا ان ضروری تاکیدی حاضریوں سے عورت کو ممانعت ہوگئی، تو اس سے یقیناً بدرجۂ اولٰی اسی غنیہ کے اسی صفحہ ۵۹۵ میں اسی آپ کی عبارت منقولہ سے پہلے اس کے متصل ہے:

ینبغی ان یکون التنزیہ مختصا بزمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حیث کان یباح لھن الخروج للمساجد والاعیاد وغیر ذلک وان یکون فی زماننا للتحریم[1] الخ

ممانعت کا تنزیہی ہونا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد پاک سے خاص ہونا چاہئے جبکہ ان کے لیے مسجدوں اور عیدین وغیرہ کی حاضری جائز تھی ہمارے زمانے میں تو تحریمی ہونا ہی مناسب ہے الخ (ت)

اسی عینی جلد چہارم میں آپ کی عبارت منقولہ سے چند سطریں پہلے امام ابوعمر سے ہے:

ولقد کرہ اکثر العلماء خروجھن الی الصلوات فکیف الی المقابر وما اظن سقوط فرض الجمعۃ علیھن الا دلیلا علی امساکھن عن الخروج فیما عداھا[2]۔

اکثر علماء نے نمازوں کے لیے عورتوں کا جانا مکروہ رکھا ہے تو قبرستانوں میں جانے کا حکم کیا ہوگا ؟ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ان سے فرضِ جمعہ ساقط ہوجانا اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں اس کے ماسوا سے بھی روکا جائے گا۔ (ت)

(۵) حکم کتب میں توفیق بہت واضح ہے، جواز نفسِ مسئلہ کا فی ذاتہٖ حکم ہے اور ممانعت بوجہ عارض غالب تو فتوٰی نہ ہوگا مگر منع مطلق پر۔ فقہ میں اس کے نظائر بکثرت ہیں کہ برعایت قیود حکم جواز اور اس کی تصحیح تک کتب میں مصرح اور نظر بحال زمانہ حکم علماء منع مطلقاً جیسے جوارِ حرم و دخولِ زناں بہ حمام ونفقۂ طالب علم و لعب شطرنج وغیرہا۔ اوّل وسوم کی عبارات گزریں، درمختار میں دربارۂ دوم ہے، فی زماننا لاشک فی الکراھۃ[3] (شہر کے عام حمام میں عورتوں کا جانا ہمارے زمانے میں بلاشبہہ منع ہے۔ ت) کافی وجامع الرموز و ردالمحتار میں دربارۂ اخیر ہے:

ھو حرام وکبیرۃ عندنا وفی اباحتہ اعانۃ الشیطان علی الاسلام

ہمارے نزدیک شطرنج کھیلنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے اور اسے جائز ٹھہرانے میں اسلام اور مسلمانوں کے

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۹۵
[2] عمدۃ القاری شرح البخاری باب زیارۃ القبور ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۸/ ۶۹
[3] درمختار باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۰

والمسلمین[1]
خلاف شیطان کو مدد دینا ہے۔ (ت)

(۶) اس تقریر سے اس کا جواب واضح ہوگیا کہ اگرچہ ایسی عورت ہزاروں میں ایک ہو، جیسی ہزاروں میں ہزار ہوں، جب بھی معتبر نہیں کہ حکم فقہ باعتبار غالب کے ہوتا ہے نہ کہ ہزاروں میں ایک۔ یہیں سے بریانیوں کا حال کھل گیا، دس ہزار بریانیاں مردار مینڈھے دُنبے بکرے کی ہوں اور اُن میں دس ہزار ان مذبوح جانوروں کی مختلط ہوں۔ بیس ہزار حرام ہیں یہاں تک کہ اُن میں تحرّی کرکے جس کی طرف حلّت کا خیال جمے، اُسے کھانا بھی حرام نہ کہ دس ہزار میں ایک۔ درمختار میں ہے:

تعتبر الغلبۃ فی اوان طاهرۃ و نجسۃ وذکیۃ و میتۃ فان الاغلب طاهر تحری و بالعکس والسواء لا[2]۔

پاک و ناپاک برتنوں اور مردار و مذبوح جانوروں میں کثرت کا اعتبار ہوگا اگر اکثر پاک ہیں تو تحری کرے اور جس کی پاکی پر دل جمے اسے استعمال کرے، اور اگر ناپاک زیادہ ہوں یا برابر ہوں تو تحری نہ کرے کہ اب کسی کا استعمال جائز نہیں۔ (ت)

ہاں ایک حلال جدا ممتاز معلوم ہو تو کثرتِ حرام سے اُس پر کیا اثر۔ مگر یہاں سُن چکے کہ فساد و صلاح قلب مضمر، و تمیز متعذر، نامیسر۔ اور غنیّہ کی عبارت ابھی گزری پھر غلبۂ فساد متیقن، تو قطعاً مطلقاً حکمِ ممانعت متعیّن، جیسے وُہ بیسوں ہزار بریانیاں سب حرام ہُوئیں حالانکہ اُن میں یقیناً دس ہزار حلال تھیں۔ یہی مسلک علمائے کرام چلے۔

(۷) عینی شرح بخاری جلد سوم کی عبارت آپ نے نقل کی اس میں نہ زنانِ مصر سے حکم خاص ہے نہ مغنّیہ و دلالہ کی تخصیص۔ اُس میں سولہ[6] صنف فسادِ زناں تو بیان کیں جن میں دو[2] یہ ہیں، اور فرمایا اور اس کے سوا اور بہت سے اصناف قواعدِ شریعت کے خلاف، اور بتایا کہ اُمّ المومنین اپنے ہی زمانہ کی عورتوں کو فرماتی ہیں کہ اُن میں بعض امور حادث ہُوئے، کاش ان حادثات کو دیکھتیں کہ جب ان کا ہزارواں حصّہ نہ تھے۔ اپنی عبارت منقولہ سے ایک ہی ورق پہلے دیکھیے جہاں اُنھوں نے اپنے ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب نقل فرمایا ہے کہ حکم مطلق رکھا ہے نہ کہ زنانِ فتنہ گر سے خاص، اور اس کی علّت خوف فتنہ بتائی ہے نہ کہ خاص وقوع، یہی بعینہٖ نص ہدایہ ہے:

یکرہ لھن حضور الجماعات یعنی الشواب

جماعتوں میں عورتوں یعنی جوان عورتوں کی حاضری

---

[1] ردالمحتار کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۵/۲۵۳
[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۷

منھن لما فیہ من خوف الفتنۃ۔[1] مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے (ت)

ہاں جن سے وقوع ہو رہا ہے، جیسے زنانِ مصر، اُن کے لیے حرام بدرجہ اولٰی بتایا ہے کہ جب خوفِ فتنہ پر ہمارے ائمہ مطلقاً حکمِ حرمت فرما چکے تو جہاں فتنے پُورے ہیں وہاں کا کیا ذکر۔ عبارتِ عینی یہ ہے:

قال صاحب الہدایۃ یکرہ لھن حضور الجماعات وقالت الشراح عہ یعنی الشواب منھن و قولہ الجماعات یتناول الجمع والاعیاد والکسوف والاستسقاء وعن الشافعی یباح لھن الخروج قال اصحابنا لان فی خروجھن خوف الفتنۃ وھو سبب للحرام ومایفضی الی الحرام فھو حرام فعلی ھذا قولھم یکرہ مرادھم یحرم لاسیما فی ھذا الزمان لشیوع الفساد فی اھلہ[2]۔

صاحبِ ہدایہ نے فرمایا: عورتوں کے لیے جماعتوں کی حاضری مکروہ ہے۔ بعض شارحین نے کہا یعنی جوان عورتوں کے لیے ـــــ اور "جماعتوں" کا لفظ جمعہ، عیدین، کسوف، استسقاء سبھی کو شامل ہے، اور امام شافعی سے روایت ہے کہ ان کے لیے جانے کی اجازت ہے۔ ہمارے مشائخ نے ممانعت کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان کے نکلنے میں فتنے کا اندیشہ ہے، اور یہ حرام کا سبب ہے، اور جو حرام تک لے جانے والا ہو وہ حرام ہے ـــ اس کے پیشِ نظر لفظ "مکروہ" سے ان کی مراد "حرام" ہے، خصوصاً اس زمانے میں اس لیے کہ اب لوگوں میں خرابی اور بُرائی عام ہوگئی ہے۔ (ت)

پھر اسی صفحہ پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا جمعہ کے دن عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکالنا اور امام اجل ابراہیم نخعی تابعی کا اپنے یہاں کی مستورات کو جمعہ و جماعت میں نہ جانے دینا ذکر کیا، کما تقدم (جیسا کہ پہلے گزرا۔ ت) عنایہ سے گزرا کہ امیر المومنین فاروق اعظم نے عورتوں کو حضور مسجد سے منع فرمایا۔ کیا مدینہ طیبہ کی وہ بیبیاں کہ صحابیات و تابعیات تھیں۔ اور ان امام اجل تابعی کی مستورات معاذ اللہ فتنہ گر و اہلِ فساد تھیں، حاشا ہرگز نہیں، یا للعجب اگر صحابہ و تابعین کرام کو بھی کہا جائے کہ سب کو ایک

عہ اقول لا بل ھو نفس نص الہدایۃ کما سمعت۔ منہ غفرلہ (م)

میں کہتا ہوں نہیں بلکہ خود ہدایہ کی عبارت ہے جیسا کہ سُن چکے۔ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] الہدایۃ باب الامامۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۰۵

[2] عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۶/۱۵۶

لکڑی ہانکا اور متقین و فجار کا فرق نہ کیا۔ حاشا ثم حاشاہم۔ تو ثابت ہُوا کہ منع عام ہے صرف فاسقات سے خاص نہیں اور ان کا خصوصاً ذکر فرما کر زنانِ مصر کے خصائل گنانا اس لئے ہے کہ اُن پر بدرجۂ اولیٰ حرام ہے، نہ کہ فقط فتنے اٹھانے والیوں کو ممانعت ہے یا وُہ بھی صرف مغنیہ و دلالہ کو۔

(۸) اسی لیے آپ کی منقولہ عبارت عینی جلد چہارم کا مطلب واضح کر دیا کہ حکم یہ بیان فرمایا کہ اب زیارتِ قبور عورتوں کو مکروہ ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ ویسی کو حرام ہے ایسی کو حلال ہے۔ ویسی کو تو پہلے بھی حرام تھا اس زمانہ کی کیا تخصیص! آگے فرمایا؛ خصوصاً زنانِ مصر۔ اور اس کی تعلیل کی کہ اُن کا خروج بروجہ فتنہ ہے۔ یہ وہی تحریم کی وجہ ہے نہ کہ حکم وقوع فتنہ سے خاص اور فتنہ گر عورتوں سے مخصوص۔ ہاں یہ مسلک شافعیہ کا ہے، ابھی امام عینی سے سُن چکے کہ عن الشافعی یباح لھن الخروج[1] (شافعی سے کہ ان کے لیے مسجدوں اور عیدین وغیرہ کے لیے نکلنا جائز تھا۔ ت) ولہذا کرمانی، پھر عسقلانی، پھر قسطلانی کہ سب شافعیہ ہیں شروح بخاری میں اس طرف گئے۔ کرمانی نے قول امام تیمی کہ اس حدیث میں فساد بعض زنان کے سبب سب عورتوں کی ممانعت پر دلیل ہے، نقل کر کے کہا:

قلت الذی یعوّل علیہ ماقلناہ ولم یحدث الفساد فی الکل[2]

میں نے کہا: معتمد وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ فساد وخرابی سب عورتوں میں نہیں آئی ہے۔ (ت)

ان کے اس خیال کے دو شافی جواب ابھی گزرے اور تیسرا سب سے اعلیٰ باذنہٖ تعالیٰ عنقریب آتا ہے۔ امام عینی نے یہاں اس سے تعرض نہ فرمایا کہ اسی حدیث کے نیچے ڈیڑھ ہی ورق پہلے اپنے مذہب اور اپنے ائمہ کا ارشاد بتا چکے تھے۔

(۹) عبارتِ غنیہ کہ آپ نے نقل کی اس سے اوپر کی سطر دیکھیے کہ اجازت اس وقت تھی جب اُنھیں مسجدوں میں جانا مباح تھا۔ اب مسجدوں کی ممانعت دیکھیے سب کو ہے یا زنانِ فتنہ گر کو۔ اُس کے سات سطر بعد کی عبارت دیکھیے:

یعضدہ المعنی الحادث باختلاف الزمان الذی بسببہ کرہ لھن حضور الجمع والجماعات الذی اشارت الیہ

اس کی تائید اختلافِ زمانہ سے پیدا ہونے والے معنی سے ہوتی ہے جس کے سبب عورتوں کے لیے جمعہ اور جماعتوں کی حاضری مکروہ ہوگئی، اس معنی کی جانب

---

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۶/۱۵۶
[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۶/۱۵۹

عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بقولہا لوان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأی ما احدث النساء بعدہ لمنعھن کما منعت نساء بنی اسرائیل واذا قالت عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ھذا عن نساء زمانہا فما ظنك بنساء زماننا۔[1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے یُوں اشارہ فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہ باتیں دیکھتے جو عورتوں نے ان کے بعد پیدا کرلیں تو انہیں مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا یہ جب اپنے زمانے کی عورتوں کے بارے میں فرمارہی ہیں تو ہمارے زمانے کی عورتوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے ؟ (ت)

دیکھئے اُسی منع مساجد سے سند لی جس کا حکم عام ہے تو لما فی خروجھن من الفساد (ان کے نکلنے میں خرابی ہے۔ ت) سے فسادِ بعض ہی مراد، اور اُسی سے منع کل مستفاد، نہ کہ صرف فساد والیوں پر قصرارشاد۔

(۱۰) غنیہ نے ان دونوں عبارتوں کے بیچ میں آپ کی عبارت منقول کردہ متصل بحوالہ تاتارخانیہ تھا، یہ شعبی سے جو کچھ نقل فرمایا وُہ بھی ملاحظہ ہو:

سئل القاضی عن جواز خروج النساء الی المقابر قال لا یسأل عن الجواز والفساد فی مثل ھذا وانما یسأل عن مقدار مایلحقھا من اللعن فیہا واعلم انہا کلما قصدت الخروج کانت فی لعنۃ اللہ وملئکتہ واذا خرجت تحفہا الشیاطین من کل جانب واذا اتت القبور یلعنہا روح المیت واذا رجعت کانت فی لعنۃ اللہ۔[2]

یعنی امام قاضی سے استفتاء ہُوا کہ عورتوں کا مقابر کو جانا جائز ہے یا نہیں ؟ فرمایا: ایسی جگہ جواز و عدمِ جواز نہیں پوچھتے، یہ پُوچھو کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے، جب گھر سے قبور کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے، جب گھر سے باہر نکلتی ہے سب طرفوں سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں، جب قبر تک پہنچتی ہے میّت کی رُوح اس پر لعنت کرتی ہے، جب واپس آتی ہے اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے (ت)

ملاحظہ ہو استفتاء کیا خاص فاسقات کے بارے میں تھا، مطلق عورتوں کے قبروں کو جانے سے سوال تھا اُس کا یہ جواب ملا، اب جواب میں کہیں فاسقات کی تخصیص ہے۔ غرض یہ تمام عبارات جن سے آپ نے

---

[1] و [2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۹۴

استدلال فرمایا، آپ کی نقیض مدعا میں نص ہیں۔

(۱۱) یہاں ایک نکتہ اور ہے جس سے عورتوں کی قسمیں بنانے، ان کے صلاح و فساد پر نظر کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے، اور قطعاً حکم سب کو عام ہوجاتا ہے اگرچہ کیسی ہی صالحہ پارسا ہو۔ فتنہ وہی نہیں کہ عورت کے دل سے پیدا ہو وُہ بھی ہے اور سخت تر ہے جس کا فساق سے عورت پر اندیشہ ہو۔ یہاں عورت کی صلاح کیا کام دے گی۔ حضرت سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی زوجہ مقدسہ صالحہ، عابدہ، زاہدہ، تقیہ، نقیہ حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو اسی معنے پر عملی طور سے متنبہ کرکے حاضریِ مسجد کریم مدینہ طیبہ سے باز رکھا۔ ان پاک بی بی کو مسجد کریم سے عشق تھا، پہلے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نکاح میں آئیں، قبلِ نکاح امیر المومنین سے شرط کرالی کہ مجھے مسجد سے نہ روکیں۔ اُس زمانۂ خیر میں محض عورتوں کو ممانعت قطعی جزمی نہ تھی جس کے سبب بیبیوں سے حاضریِ مسجد اور گاہ گاہ زیارت بعض مزارات بھی منقول۔ صحیحین میں حضرت اُم عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

نھینا عن اتباع الجنائز ولم یعزم علینا[۱] — ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے منع فرمایا گیا مگر قطعی ممانعت نہ تھی۔

اسی پر غنیہ کی اُس عبارت میں فرمایا کہ یہ اُس وقت تھا جب حاضری مسجد اُنھیں جائز تھی اب حرام اور قطعی ممنوع ہے[۲]۔ غرض اس وجہ سے امیر المومنین نے اُن کی شرط قبول فرمالی، پھر بھی چاہتے یہی تھے کہ مسجد نہ جائیں۔ یہ کہتیں آپ منع فرمادیں میں نہ جاؤں گی۔ امیر المومنین بہ پابندیِ شرط منع نہ فرماتے۔ امیر المومنین کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نکاح ہُوا، منع فرماتے وُہ نہ مانتیں۔ ایک روز اُنھوں نے یہ تدبیر کی کہ عشاء کے وقت اندھیری رات میں اُن کے جانے سے پہلے راہ میں کسی دروازے میں چھُپ رہے، جب یہ آئیں اُس دروازے سے آگے بڑھی تھیں کہ اُنھوں نے نکل کر پیچھے سے اُن کے سرِ مبارک پر ہاتھ مارا اور چھُپ رہے۔ حضرت عاتکہ نے کہا: اناللہ فسد الناس[۳] ہم اللہ کے لئے ہیں، لوگوں میں فساد آگیا۔ یہ فرماکر مکان کو واپس آئیں اور پھر جنازہ ہی نکلا۔ تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انھیں یہ تنبیہ فرمائی کہ عورت کیسی ہی صالحہ ہو اس کی طرف سے اندیشہ نہ سہی فاسق مردوں کی طرف سے اُس پر خوف کا کیا علاج! اب یہ سب کو ایک پھانسی پر لٹکانا ہُوا یا مقدس پاک دامنوں کی عزت کو شریروں کے شر سے بچانا! ہمارے ائمہ

---

[۱] صحیح البخاری — باب اتباع النساء الجنازۃ — قدیمی کتب خانہ کراچی — ۱/۱۷۰

[۲] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی — فصل فی الجنائز — سہیل اکیڈمی لاہور — ص ۵۹۵

[۳] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ — ترجمہ ۶۹۵ عاتکہ بنت زید الخ — دار صادر بیروت — ۴/۳۵۷

نے دونوں علتیں ارشاد فرمائیں۔ ارشادِ ہدایہ لمافیہ من خوف الفتنۃ[1] (اس لیے کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ ت) دونوں کو شامل ہے، عورت سے خوف ہو یا عورت پر خوف ہو۔ اور آگے علت دوم کی تصریح فرمائی کہ،

لاباس للعجوز ان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء ھذا عند ابی حنیفۃ و قالا یخرجن فی الصلوات کلھا لانہ لافتنۃ لقلۃ الرغبۃ ولہ ان فرط الشبق حامل فتقع الفتنۃ غیران الفساق انتشارھم فی الظھر و العصر والجمعۃ[2]

بوڑھی عورت کے لیے فجر، مغرب اور عشا کے لیے نکلنے میں حرج نہیں۔ اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ یہ تمام نمازوں میں جائے کیونکہ اس کی جانب رغبت کم ہونے کی وجہ سے کوئی فتنہ نہیں۔ امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ فاسقوں میں شہوت کی زیادتی انھیں بوڑھی عورت پر بھی برانگیختہ کرے گی اس طرح فتنہ واقع ہوگا۔ مگر یہ ہے کہ فاسقوں کا اِدھر اُدھر چلنا پھرنا ظہر، عصر اور جمعہ کے وقت ہوتا ہے (اس لیے فجر، مغرب اور عشا میں اُسے جانے کی اجازت دی گئی)۔ (ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

بالنظر الی التعلیل المذکور منعت غیر المزنیۃ ایضا لغلبۃ الفساق و لیلا وان کان النص یبیحہ لان الفساق فی زماننا اکثر انتشارھم وتعرضھم باللیل و عمم المتاخرون المنع للعجائز والشواب فی الصلوات کلھا لغلبۃ الفساد فی سائر الاوقات[3]

دلیل مذکور کے پیشِ نظر ایسی عورت کے لیے بھی ممانعت ہُوئی جو خود بدکار نہیں، کیونکہ بدمعاشوں کا غلبہ ہے اور رات کو بھی ممانعت ہوئی اگرچہ امام اعظم کے نص سے اس کی اباحت ثابت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں فاسقوں کا گھومنا پھرنا اور چھیڑ چھاڑ کرنا زیادہ تر رات ہی کو ہوتا ہے۔ اور متاخرین نے بوڑھی، جوان سب عورتوں کے لیے تمام نمازوں میں عام ممانعت کردی اس لیے کہ سبھی اوقات میں فساد وخرابی کا غلبہ ہے۔ (ت)

اس مضمون کی عبارات جمع کی جائیں تو ایک کتاب ہو۔ خود اسی عمدۃ القاری جلد سوم میں اپنی عبارت منقولہ سے سوا صفحہ پہلے دیکھیے،

فیہ (ای فی الحدیث) انہ ینبغی (ای للزوج)

اس حدیث میں یہ مضمون ہے کہ جس کام میں عورت کے لیے

---

[1] و [2] الہدایۃ باب الامامۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۰۵
[3] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۱۷

ان یاذن لها ولا یمنعها مما فیه منفعتها وذلك اذالم یخف الفتنة علیها ولا بها وقد کان هوالاغلب فی ذلك الزمان بخلاف زماننا هذا فان الفساد فیه فاش والمفسدون کثیرون وحدیث عائشة رضی الله تعالٰی عنها الذی یاتی یدل علٰی هذا[1]

منفعت ہے اس کے لیے چاہیے کہ شوہر اسے نکلنے کی اجازت دے دے اور منع نہ کرے۔ اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب عورت پر اور عورت کے سبب فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اُس زمانے میں اکثری حالت اطمینان و بے خوفی ہی کی تھی۔ مگر اب ہمارے زمانے میں تو فساد اور برائی عام ہے اور مفسد بہت ہیں۔ ہم نے حالتِ امن کی جو قید ذکر کی اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث ہے۔ (ت)

اُسی کی جلد چہارم کی عبارت کا مطلب واضح کر دیا کہ حکم کیا بیان فرمایا یہ کہ اب زیارتِ قبور عورتوں کو مکروہ ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ ویسی کو حرام ہے ایسی کو حلال ہے، ویسی کو تو پہلے بھی حرام تھا، اس زمانہ کی کیا تخصیص۔ آگے فرمایا خصوصاً زنانِ مصر اور اس کی تعلیل کی کہ ان کا خروج بروجہ فتنہ ہے۔ یہ وہی اولویت تحریم کی وجہ ہے نہ کہ حکم وقوعِ فتنہ سے خاص اور فتنہ گر عورتوں سے مخصوص۔ ہاں یہ مسلک شافعیوں کا ہے ابھی امام عینی سے سُن چکے کہ عن الشافعی یباح لهن الخروج[2] (امام شافعی سے روایت ہے کہ ان کا نکلنا جائز تھا۔ ت) ولہذا کرمانی پھر عسقلانی پھر قسطلانی کہ سب شافعیہ ہیں۔ شروحِ بخاری میں اس طرف گئے۔ کرمانی نے قول امام تیمی کہ فسادِ بعض زنان کے سبب سب عورتوں کو ممانعت پر دلیل ہے، نقل کر کے کہا،

قلت الذی یعول علیه ما قلناه ولم یحدث الفساد فی الکل[3]

میں نے کہا: معتمد وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور فساد و خرابی سب میں نہیں آئی ہے۔ (ت)

جلد چہارم میں ابو عمر ابن عبدالبر سے دیکھیے،

اما الشواب فلا تؤمن من الفتنة علیهن وبهن حیث خرجن، ولا شیئ للمرأة احسن من لزوم قعر بیتها[4]

لیکن جوان عورتیں تو وہ جہاں بھی نکلیں ان کے سبب اور ان کے اوپر فتنہ سے بے خوفی نہیں۔ اور عورت کے لیے اپنے گھر کے اندر رہنا سب سے اچھا ہے (ت)

---

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۶/ ۱۵۷

[2] " " " " " " " "

[3] " " " " " " " "

[4] " " باب زیارۃ القبور " " " ۱/ ۱۵۹ ۸/ ۶۹

36

الحمدللہ اب تو وضوحِ حق میں کچھ کمی نہ رہی۔ ذرا یہ بھی دیکھ لیجئے کہ ہمارے علماء نے خروجِ زن کے چند مواضع گنائے جن کا بیان ہمارے رسالہ مروج النجا لخروج النساء[14] میں ہے۔ اور صاف فرمادیا کہ ان کے سوا میں اجازت نہیں۔ اور اگر شوہر اذن دے گا تو دونوں گنہگار ہوں گے۔ درمختار میں ہے:

لا تخرج الا لحق لها او علیها او لزیارۃ ابویها کل جمعۃ مرۃ او المحارم کل سنۃ ولکونها قابلۃ او غاسلۃ لا فیما عدا ذلک وان اذن کان عاصیین[1]۔

عورت نہ نکلے مگر اپنے حق کے لیے یا اپنے اوپر کسی حق کے سبب، یا ہر ہفتہ میں ایک بار والدین کی ملاقات کے لیے، یا سال میں ایک بار دیگر محارم کی ملاقات کے لیے، یا اس وجہ سے کہ وہ دایہ یا میت کو نہلانے والی ہے۔ ان کے علاوہ صورتوں میں نہ نکلے۔ اگر شوہر نے اجازت دی تو دونوں گنہگار ہوں گے۔ (ت)

نوازل امام فقیہ ابو اللیث و فتاوٰی خلاصہ و فتح القدیر وغیرہا میں ہے:

یجوز للخروج ان یأذن لها بالخروج الٰی سبعۃ مواضع اذا استأذنتہ زیارۃ الابوین وعیادتهما وتعزیتهما او احدهما وزیارۃ المحارم فان کانت قابلۃ او غاسلۃ او کان لها علٰی اٰخر حق او کان لاٰخر علیها حق تخرج بالاذن وبغیر الاذن والحج علٰی هذا وفیما عدا ذلک من زیارۃ الاجانب وعیادتهم والولیمۃ لا یأذن لها ولو اذن وخرجت کانا عاصیین[2]۔

شوہر عورت کو سات مقامات میں نکلنے کی اجازت دے سکتا ہے: (۱) ماں باپ دونوں یا کسی ایک کی ملاقات (۲) ان کی عیادت (۳) ان کی تعزیت (۴) محارم کی ملاقات (۵) اور اگر دایہ ہو (۶) یا مُردہ کو نہلانے والی ہو (۷) یا اس کا کسی دوسرے پر حق ہو یا دوسرے کا اس کے اُوپر حق ہو تو اجازت سے اور بلا اجازت دونوں طرح جاسکتی ہے۔ حج بھی اسی حکم میں ہے۔ ان کے علاوہ صورتیں جیسے اجنبیوں کی ملاقات، عیادت اور ولیمہ ان کے لیے شوہر اجازت نہ دے اور اگر اجازت دی اور عورت گئی تو دونوں گنہگار ہوں گے۔ (ت)

ملاحظہ ہو ان میں کہیں زیارتِ قبور کا بھی استثناء کیا، کیا یہ استثناء کسی معتمد کتاب میں مل سکتا ہے۔

(۱۳) اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الٰی ذری التحقیق (میں کہتا ہوں۔ اور توفیق

---

[1] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۲

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الخامس فی خروج المرأۃ من البیت مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۵۳

خداہی سے ہے، اوراسی کی مدد سے تحقیق تک رسائی ہے۔ت) ان تمام مباحث جلیلہ سے بحمداللہ تعالٰی ایک جلیل و دقیق توفیق انیق ظاہر ہوئی۔ عام مجوّزین نفسِ زیارتِ قبر لکھتے ہیں کہ اس کی اجازت عورتوں کو بھی ہوئی۔ زیارتِ قبور کے لیے خروجِ نسا نہیں کہتے عام کتب میں اسی قدر ہے اور مانعین زیارتِ قبر کے لیے عورتوں کے جانے کو منع فرماتے ہیں، ولہذا خروج الی المسجد کی ممانعت سے سند لاتے ہیں، اوران کے خروج میں خوفِ فتنہ سے استدلال فرماتے ہیں۔ تمام نصوص کہ ہم نے ذکر کئے اسی طرف جاتے ہیں، تو اگر قبر گھر میں ہو یا عورت مثلاً حج یا کسی سفرِ جائز کو گئی راہ میں کوئی قبر ملی اس کی زیارت کرلی بشرطیکہ جزع و فزع وتجدیدِ حزن و بکا و نوحہ و افراط و تفریطِ ادب وغیرہا منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو۔ کشف بزدوی میں جن روایات سے صحتِ رخصت پر استناد فرمایا ان کا مفاد اسی قدر ہے۔

حیث قال والاصح ان الرخصۃ ثابتۃ للرجال والنساء جمیعا فقد روی ان عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا کانت تزور قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی کل وقت وانہا لما خرجت حاجۃ زارت قبر اخیہا عبدالرحمٰن[1]

وہ فرماتے ہیں اصح یہ ہے کہ رخصت مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ثابت ہے اس لیے کہ مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ہر وقت قبر رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت کرتی تھیں اور جب حج کو جاتیں تو راہ میں واقع اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر کی زیارت کرتیں۔ (ت)

بحرالرائق و علمگیری و جامع الرموز و مختار الفتاوٰی و کشف الغطاء و سراجیہ و درمختار و فتح المنان کی عبارتیں جن سے تصحیح المسائل میں استناد کیا۔ ہمارے خلاف نہیں، ہاں مائۃ مسائل پر رد ہیں جس میں مطلق کہا تھا:

زنان را زیارتِ قبور بقولِ اصح مکروہ تحریمی ست[2]۔ عورتوں کے لیے زیارتِ قبور بقولِ اصح مکروہ تحریمی ہے۔ (ت)

لاجرم وہی درمختار جس میں تھا، لاباس بزیارۃ القبور للنساء[3] (عورتوں کے لیے زیارتِ قبور میں کوئی حرج نہیں۔ت) اُسی میں ہے، ویکرہ خروجھن تحریما[4] (عورتوں کا نکلنا مکروہ تحریمی ہے۔ت)

---

[1] کشف الاسرار عن اصول البزدوی بیان جواز زیارۃ القبور للنساء دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۸۶
[2] مائۃ مسائل
[3] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۲
[4] الیضاً

وہی بحرالرائق جس میں تھا، الاصح ان الرخصة ثابتة لهما[1] (اصح یہ ہے کہ رخصت مردوں عورتوں دونوں کے لیے ثابت ہے۔ ت) اُسی میں ہے:

لاینبغی للنساء ان یخرجن فی الجنازة لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نهاهن عن ذلك وقال انصرفن مازورات غیر ماجورات[2]

عورتوں کو جنازے میں نہ جانا چاہیے اس لیے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لیے اس سے ممانعت کی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ اگر جائیں تو ثواب سے خالی گناہ سے بھاری ہوکر پلٹیں گی (ت)

اتباع جنازہ کہ فرض کفایہ ہے جب اُس کے لیے اُن کا خروج ناجائز ہوا تو زیارتِ قبور کہ صرف مستحب ہے اُس کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ پھر نفسِ زیارتِ قبر جس کے لیے عورت کا خروج نہ ہو اُس کا جواز بھی عند التحقیق فی نفسہٖ ہے کہ جن شروط مذکورہ سے مشروط اُن کا اجتماع نظر بعادت زنان نادر ہے اور نادر پر حکم نہیں ہوتا۔ تو سبیل اسلم اس سے بھی روکنا ہے۔ ردالمحتار و منحۃ الخالق میں ہے:

ان کان ذلك لتجدید الحزن والبکاء والندب علی ماجرت به عادتهن فلایجوز وعلیه حمل حدیث لعن الله زائرات القبور وان کان للاعتبار والترحم من غیر بکاء والتبرك بزیارة قبور الصالحین فلاباس اذاکن عجائز ویکرہ اذاکن شواب کحضور الجماعة فی المسجد اھ زاد فی ردالمحتار وهو توفیق حسن[3] اھ وکتبت علیه اقول قد علم ان الفتوی علی المنع مطلقا ولو عجوزا ولولیلا فکذلك فی زیارة القبور بل اولی۔

اگر یہ زیارت غم تازہ کرنے اور رونے چلّانے کے لیے ہو جیسا کہ عورتوں کی عادت ہے تو ناجائز ہے اور اسی پر یہ حدیث محمول ہے: "خدا کی لعنت ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں"۔ اور اگر عبرت حاصل کرنے، روئے بغیر رحم کھانے اور قبورِ صالحین سے برکت لینے کے لیے ہو تو جماعتِ مسجد کی حاضری کی طرح بوڑھیوں کے لیے حرج نہیں اور جوانوں کے لیے مکروہ ہے اھ ـــ ردالمحتار میں مزید اتنا اور ہے کہ "یہ عمدہ تطبیق ہے اھ"۔ اس پر میں نے (امام احمد رضا نے) یہ حاشیہ لکھا ہے، اقول معلوم ہے کہ فتوٰی اس پر ہے کہ جماعتوں کی حاضری عورتوں کے لیے مطلقاً ممنوع ہے اگرچہ بوڑھی عورت ہو اور اگرچہ رات کو نکلے۔ تو یہی حکم زیارتِ قبور میں بھی ہوگا بلکہ یہاں بدرجۂ اولٰی ہوگا۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۰

[2] " " " " " ۲/ ۱۹۲

[3] ردالمحتار مطلب فی زیارۃ القبور ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۶۰۴

(۱۴) آپ نے ایک صورت شیخ فانی مرتعش سے پردے کے اندر توجہ لینے کی ذکر کی ہے، اس میں کیا حرج ہے، جبکہ خارج سے کوئی فتنہ نہ ہو، نہ اُسے یہاں سے علاقہ۔

(۱۵) مگروہ جو عورت کا خلیفہ ہونا لکھا، صحیح نہیں۔ ائمہ باطن کا اجماع ہے کہ عورت داعی الی اللہ نہیں ہوسکتی۔ ہاں تدابیر ارشاد کردہ مرشد بتانے میں سفیر محض ہو تو حرج نہیں۔ امام شعرانی میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرماتے ہیں:

قد اجمع اھل الکشف علی اشتراط الذکورۃ فی کل داع الی اللہ ولم یبلغنا ان احدا من نساء السلف الصالح تصدرت لتربیۃ المریدین ابدا لنقص للنساء فی الدرجۃ وان ورد الکمال فی بعضھن کمریم بنت عمران واٰسیۃ امرأۃ فرعون فذلک کمال بالنسبۃ للتقوی والدین لابالنسبۃ للحکم بین الناس وتسلیکھم فی مقامات الولایۃ وغایۃ امرالمرأۃ ان تکون عابدۃ زاھدۃ کرابعۃ العدویۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اہل باطن کا اس پر اجماع ہے کہ داعی الی اللہ کیلئے مرد ہونا شرط ہے۔ اور ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں ملی کہ سلف صالحین کی مستورات میں سے کوئی خاتون تربیتِ مریدین کے لیے کبھی صدر نشین ہوئی ہو۔ وجہ یہ ہے کہ عورتیں مرتبے میں ناقص ہیں۔ اور بعض خواتین مثلاً حضرت مریم بنت عمران اور حضرت آسیہ زوجہ فرعون کے بارے میں جو کامل ہونے کا ذکر آیا ہے تو یہ کمال تقوٰی اور دینداری کے لحاظ سے ہے لوگوں کے درمیان حاکم ہونے اور انھیں ولایت کے مقامات طے کرانے کے لحاظ سے نہیں ۔ عورت کی غایتِ شان یہ ہے کہ عابدہ، زاہدہ ہو، جیسے رابعہ عدویہ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۲ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فاتحہ بہیئتِ مروجہ کہ کھانا سامنے رکھ کر درود و قرآن پڑھ کر ثواب اس کا بنام میت کرتے ہیں اور وہ کھانا محتاج کو دے دیتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ کھانا محتاج کو دینے سے پہلے ثواب میت کو نہیں پہنچا سکتے، لہذا پہلے کھانا دے اس کے بعد ثواب پہنچائے، اور کہتا ہے کہ کھانا سامنے رکھ کرنا جائز و ناروا ہے۔ آیا قول اس کا صحیح ہے یا

---

[1] المیزان الکبرٰی کتاب الاقضیۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۸۹

غلط؟ بینوا توجروا (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ ت)

الجواب

فاتحہ بہیئتِ مروجہ جس طرح سوال میں مذکور، بلاریب جائز و مستحسن ہے۔ اہلسنت کے نزدیک اموات کو ثواب پہنچانا ثابت ہے، اور اس بارے میں حدیثیں صحیح اور روایتیں فقہی معتبر بہ کثرت وارد۔ باقی رہا طعام اور قرارت کا جمع، خود ان کے امام الطائفہ معلمِ ثانی اسمٰعیل دہلوی نے صراطِ مستقیم میں اس اجتماع کو بہتر کہا۔ کما حیث قال:

ہرگاہ ایصال نفع بمیّت منظور دارد موقوف بر اطعام نہ گزارد۔ اگر میسر باشد بہتر ست والا صرف ثوابِ سورۂ فاتحہ واخلاص بہترین ثوابہا ست۔[1]

جب میّت کو نفع پہنچانا منظور ہو کھانا کھلانے پر ہی موقوف نہ رکھے، اگر میسر ہو تو بہتر ورنہ صرف سورۂ فاتحہ واخلاص کا ثواب بہترین ثواب ہے۔ (ت)

اور قبل اس کے کہ صدقہ محتاج کے ہاتھ میں پہنچے ثواب اس کا میّت کو پہنچانا جائز، اور حدیث سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ سنن ابی داؤد وسنن نسائی میں مروی ثابت:

انہ قال یارسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء قال فحفر بیرا وقال ھذہ لام سعد۔[2]

یعنی انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میری ماں نے انتقال کیا تو کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: پانی۔ انھوں نے کنواں کھود کر کہا: یہ مادرِ سعد کے لیے ہے۔ (ت)

اس سے صاف متبادر یہ کہ کنواں تیار ہو جانے پر یہ الفاظ کہے اور ایک دو دن یا دس بیس برس بھی سہی تو صرف اس قدر پانی کا ثواب پہنچانا منظور تھا جو اس وقت آدمیوں جانوروں کے صرف میں آیا' حاشا بلکہ جب تک کنواں باقی رہے بحکم ھذہ لام سعد سب کا ثواب مادرِ سعد کو پہنچے گا، اور سب کا ایصال منظور تھا تو قبل تصرف ایصالِ ثواب ہر طرح حاصل، اور خود احادیثِ مرفوعہ کثیرہ سے ثابت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ثوابِ عمل قبل عملِ ایصال فرمایا۔ اور فقیر نے انھیں حدیثوں سے کھانا سامنے رکھنے کی اصل استنباط کی جس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔

---

[1] صراطِ مستقیم ہدایت ثالثہ در ذکر بدعاتیکہ الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۶۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی فضل سقی الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۳۶

سنن النسائی کتاب الوصایا فضل الصدقۃ عن المیت نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۱۳۲

رواہ البیہقی عن انس والطبرانی فی الکبیر عن سھل بن سعد وھو والعسکری فی الامثال عن النواس بن سمعان والدیلمی عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہم وزاد ان اللہ عزوجل لیعطی العبد علی نیتہ مالا یعطیہ علی عملہ وذٰلک ان النیۃ لاریاء فیھا والعمل یخالطہ الریاء ھذا حدیث الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(اسے بیہقی نے حضرت انس سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت سہل بن سعد سے اور طبرانی وعسکری نے امثال میں نواس بن سمعان سے اور دیلمی نے حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا، اس میں اتنا اور ہے۔ ت) بیشک اللہ عزوجل بندہ کو اس کی نیت پروہ ثواب دیتا ہے جو اس کے عمل پر نہیں دیتا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ نیت میں ریاء نہیں ہوتی اور عمل کے ساتھ ریا کی آمیزش ہوجاتی ہے۔ یہ حضرت اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے جو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ (ت)

زید کہ اسے ناجائز کہتا ہے حدیث کی مخالفت کرتا ہے۔ طرفہ تریہ کہ خود امام الطائفہ میاں اسمٰعیل دہلوی اپنی تقریر ذبیحہ میں اس تقریر وہابیہ کو ذبح کرگئے۔ لکھتے ہیں:

اگر شخصے بزے راخانہ پرور کند تاگوشت او خوب شود اورا ذبح کردہ وپختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست[2]

اگر کوئی شخص کوئی بکری گھر پالے تاکہ اس کا گوشت عمدہ ہو پھر اس کو ذبح کرکے اور پکا کر حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فاتحہ پڑھ کر کھلائے تو کوئی خلل نہیں ہے۔ (ت)

ان حضرت سے پُوچھا ہوتا کہ یہ "فاتحہ خواندہ بخوراند" (فاتحہ پڑھ کر کھلائے۔ ت) کیسی، "خوراندہ فاتحہ بخواندہ" (کھلاکر فاتحہ پڑھے۔ ت) کہا ہوتا۔

اقول بات یہ ہے کہ فاتحہ ایصالِ ثواب کا نام ہے، اور مومن کو عملِ نیک کا ایک ثواب اس کی نیت کرتے ہی حاصل، اور عمل کیے پر دس ہوجاتا ہے، جیساکہ صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوا۔ بلکہ متعدد حدیثوں میں فرمایا گیا کہ: نیۃ المومن خیر من عملہ[3] مسلمان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ فاتحہ میں دو عمل نیک ہوتے ہیں، قرات

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۶۸۴۳ دار الکتاب العلمیہ بیروت ۴/۲۸۶

[2] زبدۃ النصائح

[3] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۶۸۴۳ دار الکتاب العلمیہ بیروت ۴/۲۸۶

قرآن و اطعامِ طعام ۔ طریقۂ مروجہ میں ثواب پہنچانے کی دُعا اس وقت کرتے ہیں جب کہ کھانا دینے کی نیت کرلی ، اور کُچھ قرآنِ عظیم پڑھ لیا تو کم سے کم گیارہ ثواب تو اس وقت مل سکے ، دس ثواب قرات کے اور ایک نیتِ اطعام کا۔ کیا انھیں میت کو نہیں پہنچا سکتے ؟ رہا کھانا دینے کا ثواب ، وہ اگرچہ اس وقت موجود نہیں تو کیا ثواب پہنچانا شاید ڈاک یا پارسل میں کسی چیز کا بھیجنا سمجھا ہوگا کہ جب تک وُہ شے موجود نہ ہو کیا بھیجی جائے ، حالانکہ اس کا طریقہ صرف جنابِ باری میں دُعا کرنا ہے کہ وُہ ثواب میت کو پہنچائے ۔ خود امام الطائفہ صراطِ مستقیم میں لکھتا ہے :

طریق رسانیدن آں دُعا بجنابِ الٰہی ست[1] (اس کے پہنچانے کا طریقہ جنابِ الٰہی میں دعا ہے ۔ ت)

کیا دُعا کرنے کے لیے بھی اُس شے کا موجود فی الحال ہونا ضروری ہے ، مگر ہے یہ کہ جہالت سب کچھ کراتی ہے ، اور وقتِ فاتحہ کھانے کا قاری کے پیشِ نظر ہونا اگرچہ بیکار بات ہے مگر اُس کے سبب سے وصولِ ثواب یا جوازِ فاتحہ میں کچھ خلل نہیں ، جو اسے ناجائز و ناروا کہے ثبوت اس کا دلیلِ شرعی سے دے ورنہ اپنی طرف سے بحکمِ خدا و رسول کسی چیز کو ناروا کہہ دینا خدا و رسول پر افترا کرنا ہے ۔ ہاں اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک کھانا سامنے نہ کیا جائے گا ثواب نہ پہنچے گا ، تو یہ گمان اس کا محض غلط ہے ۔ لیکن نفسِ فاتحہ میں اس اعتقاد سے بھی کچھ حرف نہیں آتا ۔ ومن ادعی فعلیہ البیان (اور جو دعوٰی کرے بیان اس کے ذمّہ ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم ۔

---

[1] صراطِ مستقیم ہدایت ثانیہ در ذکر بدعاتیکہ الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۵۵

رسالہ

الحُجّۃ الفائحۃ لطیب التعیین والفاتحۃ

۱۳ھ

(دن متعیّن کرنے اور فاتحہ کے عمدہ ہونے پر عطر بیز حجّت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۸۳

سوم و دہم و چہلم و ششماہی و سالیانہ کہ دریں دیار ہند مروج ست، اورا بعض علماء بدعت شنیعہ مکروہ مے گویند و اقوال چند بر درستی اوست و طعامے کہ بعد موتے بہ نیت ثواب می پزند و ہر دو دست برداشتہ فاتحہ دہند آں را علمائے ظواہر غیر مقلدین بباعث فاتحہ مردار و حرام دانستہ گویند ایں طریقہ در زمانہ نبوی و اصحاب کبار مصطفوی و تابعین و اتباع تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نبود بلکہ طعام شیرینی کہ نیاز بزرگان دین است مثل مردار پس

تیجہ، دسواں، چالیسواں، چھ ماہی، برسی جو دیارِ ہند میں رائج ہے اسے بعض علماء مکروہ بدعتِ شنیعہ کہتے ہیں، اور کچھ کے اقوال یہ ہیں کہ وہ درست ہے۔ اور کسی موت کے بعد ثواب کی نیت سے جو کھانا پکاتے ہیں اور دونوں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ دیتے ہیں اس کو غیر مقلد ظاہری علماء فاتحہ کی وجہ سے مردار اور حرام جانتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ طریقہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ان کے بزرگ صحابہ، تابعین اور اتباعِ تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے زمانے میں

درین مسئلہ ہرچہ حکم شرعی واجب التعمیل باشد بیان فرمایند بسند کتاب۔ بینوا توجروا

نہ تھا۔ بلکہ بزرگانِ دین کی نیاز کے لیے جو کھانا اور شیرینی ہے وہ مردار کی طرح ہے ۔۔۔ تو اس مسئلہ میں جو واجب العمل حکم شرعی ہو کتاب کے حوالہ سے بیان فرمائیں۔ بیان کریں اجر پائیں۔ (ت)

الجواب

قولِ فیصل و سخنِ مجمل درین باب آنست کہ ایصالِ ثواب و ہدیۂ اجر باموات مسلمین باجماعِ کافہ اہلسنت و جماعت امریست مرغوب و در شرع مندوب۔ احادیث بسیار از حضور سید الابرار علیہ افضل الصلوٰۃ من ملک الجبار در ترغیب و تصویب ایں کار وارد شدہ امام علامہ محقق علی الاطلاق در فتح القدیر و امام علامہ فخر الدین زیلعی در نصب الرایہ و امام علامہ جلال الدین سیوطی در شرح الصدور و فاضل علامہ علی قاری در مسلک متقسط وغیرہم فی غیرہا بذکر برخی ازانہا پرداختہ اند و خود انکار ایں کار نیاید مگر از سفیہ جاہل یا ضال مطلق مبتدعان زمانہ راکہ خون پنہان معتزلیت بجوش آمدہ است در پردہ ترخیص نیابت و تخصیص وکالت اہدائے ثواب را انکار کنندہ و پیش خویش اجماع قطعی اہلسنت را برہم زنند باز بشہادت احادیث کثیرہ و جزم و تصحیح جمہور ائمہ وصول ثواب خاص بقربات مالیہ نیست بلکہ مالیہ و بدنیہ ہردو را عام ہمیں ست مذہب ائمہ حنفیہ و برین اند بسیارے از محققین شافعیہ و علیہ الجمہور وھو الصحیح الرجیح المنصوص باز اجماع ایں ہردو کہ ہم قرآن خوانند و ہم تصدق کنند و ثواب ہر دو بمسلماناں رسانند نیست مگر

اس باب میں قولِ فیصل اور اجمالی کلام یہ ہے کہ مسلمان مُردوں کو ثواب پہنچانا اور اجر ہدیہ کرنا ایک پسندیدہ اور شریعت میں مندوب امر ہے جس پر تمام اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے ۔۔۔ اس عمل کو درست قرار دینے اور اس کی رغبت دلانے سے متعلق حضور سید ابرار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت سی حدیثیں وارد ہیں ۔۔۔ جن میں سے کچھ احادیث امام علامہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں، امام علامہ فخر الدین زیلعی نے نصب الرایہ میں، امام علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں، فاضل علامہ علی قاری نے مسلک متقسط میں اور دوسرے حضرات نے دوسری کتابوں میں بیان فرمائی ہیں ۔۔۔ اس عمل کا انکار وہی کرے گا جو بے وقوف جاہل یا گمراہ صاحب باطل ہو ۔۔۔ اس زمانہ کے بدمذہبوں میں معتزلیت کا چھپا ہوا خون جوش میں آگیا ہے معتزلہ کی نیابت اور خصوصی وکالت کے پردے میں ایصال ثواب کے منکر ہیں اور خود اہلسنت کے اجماعِ قطعی کے مخالف ہیں۔ پھر احادیث کثیرہ کی شہادت اور جمہور ائمہ کے جزم اور تصحیح سے ثابت ہے کہ ثواب پہنچانا قربتِ مالی سے خاص نہیں بلکہ مالی و بدنی دونوں کو عام ہے ۔۔۔ یہی ائمہ حنفیہ کا مذہب ہے اور اسی پر بہت سے محققین شافعیہ بھی ہیں اور اسی پر جمہور ہیں

جمع حسن باحسن ومندوب بامندوب وزنہار
یکے بادیگرے منافی نیست کالتلاوۃ من المصحف
فی الصلوٰۃ نہ شرع بانکار ایں جمع وارد شد
کقراءۃ القرآن فی الرکوع والسجود
پس اورا محذور گفتن از دائرۂ عقل بیرون رفتن
ست۔ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی
در احیاء العلوم فرماید اذا لم یحرم الاٰحاد
فمن این یحرم المجموع[1] وہمدرانست
ان افراد المباحات اذا اجتمعت کان
ذلک المجموع مباحا[2] تمام تحصیل این اصل
انیق امام المدققین خاتم المحققین حضرت والد قدس
سرہ الماجد درکتاب مستطاب "اصول الرشاد
لقمع مبانی الفساد" ارشاد فرمودہ اند واین
معنی را از حدیث صحاح استنباط نمودہ فمن
شاء فلیتشرف بمطالعتہ وخود معلم اول
طائفۂ مانعین مولوی اسمٰعیل دہلوی راخوبی این اجتماع
قرآن وطعام مقبول ومسلم است وصراط مستقیم
چناں راہ اعتراف وتسلیم پوید، "ہرگاہ ایصال نفعے
بمیت منظور دارد موقوف براطعام نہ گزارد اگر
میسر باشد بہتر است والاصرف ثواب سورۂ فاتحہ و
اخلاص بہترین ثوابہاست[3] اھ وشک نیست کہ
طریقہ ایصال ثواب دعا بجناب رب الارباب ست

اور یہی صحیح، راجح اور نصرت یافتہ مسلک ہے۔ پھر
بدنی ومالی دونوں کو جمع کرنا اس طرح کہ قرآن بھی پڑھیں،
صدقہ بھی کریں اور دونوں کا ثواب مسلمانوں کو پہنچائیں،
یہ حَسَن کو حَسَن اور مندوب کو مندوب کے ساتھ یکجا
کرنا ہی تو ہے، ہرگز ان دونوں میں کوئی منافات
نہیں، جیسے نماز کے اندر مصحف دیکھ کر تلاوت کرنے
میں ہے، نہ ہی شریعت میں اس جمع سے منع وارد
ہے جیسے رکوع وسجود میں قراءتِ قرآن سے متعلق ہے،
پھر اس کو ممنوع ٹھہرانا عقل کے دائرے سے قدم
باہر لانا ہے ـــــ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ
احیاء العلوم میں فرماتے ہیں، جب الگ الگ افراد
حرام نہیں تو مجموعہ کہاں سے حرام ہوجائے گا! ـــــ
اور اسی میں ہے، جب مباحات کے افراد مجتمع ہوں تو
مجموعہ بھی مباح ہی ہوگا ـــــ اس عمدہ قاعدے کا
پورا بیان اہلِ تدقیق کے پیشوا، اہلِ تحقیق کی مہر، حضرت
والد قدس سرہٗ نے کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع
مبانی الفساد میں کیا ہے اور صحاح کی حدیث سے اس
معنی کا استنباط فرمایا ہے۔ جو چاہے اس کے مطالعہ
سے مشرف ہو ـــــ خود طائفۂ مانعین کے معلم اول
مولوی اسمٰعیل دہلوی کو قرآن اور طعام کی اس یکجائی کا
عمدہ ہونا قبول وتسلیم ہے، صراطِ مستقیم میں یوں اقرار
تسلیم کی راہ اختیار کی ہے: "جب میت کو کوئی فائدہ

---

[1] و [2] احیاء العلوم کتاب آداب السماع والوجد مکتبہ ومطبعہ المشہد الحسینی قاہرہ ۲/۲۷۳
[3] صراط مستقیم ہدایت ثالثہ دربدعاتیکہ الخ مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۶۴

جل جلالہ۔ امام الطائفہ در صراطِ مستقیم گوید "ہر
عبادتیکہ از مسلمان ادا شود و ثواب آں بروحِ کسے
از گزشتگان برساند و طریق رسانیدن آں دعائے
خیر بجنابِ الٰہی ست پس ایں خود البتہ بہتر و مستحسن
است الخ[1]" و دو دست برداشتن از آداب مطلق
دُعاست در حصن حصین فرماید 'آداب الدعا
منھا بسط الیدین، ت مس، و رفعھما[2]
یعنی ہر دو دست برداشتن بحکم حدیث صحاح ستہ
از آداب دُعا است واز ائمہ وعلمائے ما چہ گوئی
خود معلم ثانی طوائف منکرین در مسائل اربعین
گوید" دست برداشتن برائے دُعا وقت تعزیت
ظاہرا جواز است زیراکہ رفع یدین در دُعا مطلقاً
ثابت شدہ پس دریں وقت ہم مضائقہ ندارد و
لیکن تخصیص آں برائے دُعا وقت تعزیت ماثور
نیست[3] اھ" ببنید باآنکہ خصوصیت را غیر ماثور
گفت اما بدلیل اطلاق استظہار جواز کرد۔ و
در فعل او ہیچ مضائقہ ندید۔ بالجملہ ازیں امور
زنہار چیزے نیست کہ در شرعِ مطہر مستنکر باشد
و مجرد عدم ورود خصوصیات را مطلقاً مستلزم منع
دانستن غلطی ست واضح و جہلے فاضح فقیہ
بعون القدیر ایں مبحث را در مجموعہ مبارکہ البارقۃ
الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ

پہنچانا منظور ہو کھانا کھلانے پر موقوف نہ رکھے اگر
میسر ہو بہتر ہے ورنہ صرف سورۂ فاتحہ و اخلاص
کا ثواب بہترین ثواب ہے اھ"—— اور شک
نہیں کہ ایصالِ ثواب کا طریقہ یہی ہے کہ رب
الارباب جل جلالہ کی بارگاہ میں دُعا ہو۔ امام الطائفہ
نے صراطِ مستقیم میں لکھا ہے: "جو عبادت کسی
مسلمان سے ادا ہو اور اس کا ثواب گزرے ہوئے
لوگوں میں سے کسی کی رُوح کو پہنچائے، اور اس کے
پہنچانے کا طریقہ جنابِ الٰہی میں دُعا ہے تو یہ خود
بلاشبہہ بہتر اور مستحسن ہے الخ"—— اور ہاتھ اٹھانا
مطلق دُعا کے آداب سے ہے—— حصن حصین میں
ہے: "دُعا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ ہاتھوں
کو پھیلائے (ترمذی، مستدرک حاکم) اور بلند
کرے (صحاح ستہ)۔" معلوم ہوا کہ دونوں ہاتھ
اٹھانے کا آدابِ دُعا سے ہونا صحاح ستہ کی
حدیث سے ثابت ہے۔ ہمارے ائمہ اور علماء کی
کیا بات ہے خود طوائف منکرین کے معلم ثانی نے
مسائل اربعین میں لکھا ہے: "وقتِ تعزیت کی دُعا
میں ہاتھ اٹھانا ظاہر یہی ہے کہ جائز ہے اس لیے
کہ حدیث شریف سے مطلقاً دُعا میں ہاتھ اٹھانا
ثابت ہے تو اس وقت میں بھی کوئی مضائقہ نہ ہوگا'
مگر خاص وقتِ تعزیت کی دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا

---

[1] صراطِ مستقیم — ہدایت اولیٰ در ذکر بدعاتیکہ الخ — المکتبۃ السلفیۃ لاہور — ص ۵۵
[2] حصن حصین — آداب الدعاء — افضل المطابع لکھنؤ — ص ۱۷
[3] مسائل اربعین

روشن تر گفتہ ام وعلمائے سنت بارہا این مدعیان را تا خانہ رسانده و بر خاک مذلت نشانده اند۔ حاجت تفصیل وتطویل نیست؛ اما انچہ امام الطائفہ باوجود تسلیم عدم ورود دریں باب گفتہ است بشنیدن دارد۔ در تقریر ذبیحہ مطبوع رسالہ زبدۃ النصائح[1] می گوید "ہمہ اوضاع از قرآن خوانی وفاتحہ خوانی و طعام خورانیدن سوائے کندن چاہ وامثالہ ودعا واستغفار واضحیہ بدعت است، گو بدعت حسنہ بالخصوص است مثل معانقہ روزِ عید ومصافحہ بعد نمازِ صبح یا عصر اھ" ارباب طائفہ امام خودشاں پرسند کہ باآنکہ ایں طریقہا را عموماً وفاتحہ خوانی را خصوصاً بدعت ومحدث میدانی چہ گونہ حسنہ می گوئی وخلاف طائفہ راہ می پوئی، باز ذکر معانقہ عید سنگ آمد وسخت آمد آرے تلون این امام متبعانش را کار بجان وکار با استخواں رسانده است ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی وکلام معلم ثانی حالا گزشت کہ باوجود عدمِ ثبوت خصوصیت مضائقہ نہ دانست۔

آثار میں منقول نہیں، اھ" دیکھئے خصوصیت کو غیر ماثور بتانے کے باوجود، دلیل اطلاق سے جواز کو ظاہر کہا اور اس کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہ جانا۔ الحاصل ان باتوں سے شریعت میں کبھی بھی کوئی چیز بُری نہیں ہوتی، اور ان خصوصیات کے صرف وارد نہ ہونے کو مستلزم ممانعت سمجھنا تو ایک کھُلی ہُوئی غلطی اور شرمناک جہالت ہے۔

فقیر نے رب قدیر کی مدد سے یہ بحث "البارقۃ الشارقۃ علیٰ مارقۃ المشارقۃ" میں زیادہ روشن طور پر تحریر کی ہے۔ اور علمائے سنّت نے بارہا ان مدعیوں کو گھر تک پہنچایا اور خاکِ ذلت پر بٹھایا ہے۔ تفصیل وتطویل کی ضرورت نہیں۔ لیکن امام الطائفہ نے اس باب میں عدم ورود تسلیم کرنے کے باوجود جو کچھ کہا ہے وُہ سننے کے قابل ہے۔ رسالہ "زبدۃ النصائح" میں طبع شدہ تقریر ذبیحہ میں لکھا ہے: "کنواں کھودنے اور اس جیسے کاموں اور دُعا، استغفار، قربانی کے سوا قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، کھانا کھلانا سب طریقے بدعت ہیں، گو خاص بدعت حسنہ ہیں، جیسے عید کے دن معانقہ اور نمازِ صبح یا عصر کے بعد مصافحہ۔" اربابِ طائفہ خود اپنے امام سے پُوچھیں کہ ان طریقوں کو عموماً اور فاتحہ خوانی کو خصوصاً بدعت اور نوایجاد قرار دینے کے باوجود "حسنہ" کیسے کہتے ہو؟ ــــ اور ہمارے گروہ کے خلاف کیسے جاتے ہو؟ پھر معانقہ عید کا ذکر تو "سنگ آمد وسخت آمد" ان کے لیے بڑی سخت چٹان ہے ــــ اس امام کی تلوّن مزاجی سے اس کے متبعین کی جان واستخوان پر بَن آئی ہے اور ان کا سارا کام ہی تمام کردیا ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ــــ اور معلم ثانی کا کلام ابھی گزرا کہ خصوصیت ثابت نہ ہونے کے باوجود کوئی مضائقہ نہ جانا۔ (ت)

اکنوں آمدیم برنقل چند اقوال دیگر از کبراء وعمائد

اب ہم کچھ اور اقوال امام الطائفہ کے بزرگان و

---

[1] رسالہ زبدۃ النصائح

واساتذہ ومشائخ امام الطائفہ تا بیباک رواں انند کہ بے منع شرع تحریم فاتحہ زبان کشودن طعام فاتحہ وشیرینی نیاز بزرگاں قدست اسرارہم راحرام ومردار گفتن چہ کیفرہا کہ نمی چشانند وکدام بدروز نمی نشانند۔

شاہ ولی اللہ در انفاس العارفین از والد خود شاں شاہ عبدالرحیم نقل کنند: "می فرمودند در ایام وفات حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چیزے فتوح نشد کہ نیاز آں حضرت طعام پختہ شود، قدرے نخود بریاں وقند سیاہ نیاز کردم[1] الخ"۔

در درالثمین فی مبشرات النبی الامین ہمیں سخن را چناں آوردند:

"الحدیث الثانی والعشرون اخبرنی سیدی الوالد قال کنت اصنع طعاما صلة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلم یفتح لی سنة من السنین شیٔ اصنع به طعاما فلم اجد الاحمصا مقلیا فقسمته بین الناس فرایته صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبین یدیه هذا الحمص مبتهجا بشاشا[2]"۔

شاہ صاحب مذکور در انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ نویسند:

"برقدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت

عمائد اور اساتذہ ومشائخ کے نقل کرتے ہیں تاکہ ان بے باکوں کو پتا چلے کہ شریعت سے ممانعت کے بغیر فاتحہ کو حرام بتانے پر زبان کھولنا اور فاتحہ کے کھانے، بزرگوں کی نیاز کی شیرینی کو حرام ومردار کہنا کیسی سخت سزائیں چکھاتا ہے اور کیسے بُرے دن دکھاتا ہے۔

(۱) شاہ ولی اللہ انفاس العارفین میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے نقل کرتے ہیں کہ "وہ فرماتے ہیں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایام وفات میں کچھ میسر نہ ہُوا کہ آں حضرت کی نیاز کا کھانا پکایا جائے تھوڑے سے بُھنے ہُوئے چنے اور قند سیاہ (گُڑ) پر نیاز کیا الخ"۔

الدرالثمین فی مبشرات النبی الامین میں اسی بات کو یُوں نقل کیا ہے: "بائیسویں حدیث، مجھے سیدی والد ماجد نے بتایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیاز کیلئے کچھ کھانا تیار کراتا تھا ایک سال کچھ کشائش نہ ہُوئی کہ کھانا پکواؤں، صرف بُھنے ہُوئے چنے میسر آئے وہی میں نے لوگوں میں تقسیم کیے، میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ان کے سامنے یہ چنے موجود ہیں اور حضور مسرور وشاداں ہیں"۔

یہی شاہ صاحب انتباہ فی سلاسل الاولیاء اللہ میں لکھتے ہیں:

"تھوڑی شیرینی پر عموماً "خواجگان چشت

---

[1] انفاس العارفین (اردو) حضور کی نیاز کی اشیاء کی مقبولیت المعارف گنج بخش روڈ، لاہور ص ۱۰۶

[2] الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین کتب خانہ علویہ رضویہ فیصل آباد ص ۴۰

عموماً بخوانند و حاجت از خدائے تعالیٰ سوال نمایند، ہمیں طور ہر روز مے خوانده باشند اھ"
لفظ شیرینی و فاتحہ ہر روز ازیاد مرو۔

اُو شاہ صاحب مسطور در ہمعات گویند:
"ازینجاست حفظ اعراسِ مشائخ و مواظبت زیارت قبورِ ایشاں والتزام فاتحہ خواندن و صدقہ دادن برائے ایشاں۔"

شاہ صاحب مزبور در فتویٰ مندرجہ زبدۃ النصائح گویند: "اگر ملیدہ و شیر برنج بنابر فاتحہ بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروحِ ایشاں پزند و بخورانند مضائقہ نیست جائز ست وطعام نذر اللہ اغنیاء را خوردن حلال نیست واگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیاء را ہم خوردن دراں جائز ست۔"

شاہ صاحب مرحوم در انفاس العارفین نگارند: "حضرت ایشاں در قصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم اللہ دیا رفتہ بودند و شب ہنگام بود دراں فرمودند مخدوم ضیافت ما می کنند و می گویند کہ چیزے خوردہ روید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم

کے نام فاتحہ پڑھیں اور خدائے تعالیٰ سے حاجت طلب کریں، اسی طرح روز پڑھتے رہیں" اھ
شیرینی، فاتحہ اور ہر روز کے الفاظ ذہن سے نہ نکلیں۔

(۳) یہی شاہ صاحب "ہمعات" میں فرماتے ہیں:
"یہیں سے ثابت ہے اعراسِ مشائخ کی نگہداشت اور ان کے مزارات کی زیارت پر مداومت اور ان کے لیے فاتحہ پڑھنے اور صدقہ دینے کا التزام۔"

(۴) یہی شاہ صاحب "زبدۃ النصائح" میں مندرج فتویٰ میں لکھتے ہیں: "اگر کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ان کی رُوح مبارک کو ایصالِ ثواب کے قصد سے ملیدہ اور کھیر پکائیں اور کھلائیں تو مضائقہ نہیں، جائز ہے۔ اور خدا کی نذر کا کھانا اغنیاء کے لیے حلال نہیں۔ لیکن اگر کسی بزرگ کے نام کی فاتحہ دی جائے تو اس میں اغنیاء کو کھانا بھی روا ہے۔"

(۵) یہی شاہ صاحب "انفاس العارفین" میں لکھتے ہیں: "حضرت (یعنی ان کے والد و مرشد شاہ عبدالرحیم صاحب) قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کے لیے گئے تھے، رات کا وقت تھا، اسی وقت فرمایا کہ مخدوم ہماری دعوت کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں

ع۱ یعنی والد و مرشد ایشاں شاہ عبدالرحیم ۱۲ (م)

یعنی ان کے والد و مرشد شاہ عبدالرحیم ۱۲ (ت)

۱؎ الانتباہ فی سلاسل الاولیاء ذکر طریقہ ختمِ خواجگانِ چشت برقی پریس دہلی ص ۱۰۰
۲؎ ہمعات ہمعہ ۱۱ اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ حیدرآباد سندھ ص ۵۸
۳؎ زبدۃ النصائح

منقطع شد و ملال بریاران غالب آمد آنگاه زنے بیا مدطبق برنج و شیرینی برسر وگفت کہ نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت ایں طعام پختہ بنشینندگان درگاہ مخدوم اللہ دیا رسانم دریں وقت آمد ایفائے نذر کردم و آرزو کردم کہ کسے آں جا باشد تا تناول کند۔[1]

کہ کچھ کھا کر جاؤ۔ توقف فرمایا، یہاں تک کہ لوگوں کی آمد و رفت ختم ہوگئی اور دوستوں پر اکتاہٹ غالب آگئی، اُس وقت ایک عورت چاول اور شیرینی کا طبق سر پر لیے آئی اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرے شوہر آجائیں تو اُسی وقت یہ کھانا پکا کر مخدوم اللہ دیا کی درگاہ کے حاضرین کے پاس پہنچاؤں گی، شوہر اِسی وقت آئے ہیں نے نذر پوری کی اور میری آرزو تھی کہ کوئی وہاں موجود ہو جو اسے تناول کرے۔"

مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب در تحفہ اثنا عشریہ فرمایند: "حضرت امیر و ذریۂ طاہرہ او را تمام اُمت برمثال پیران و مرشداں می پرستند و امورِ تکوینیہ را وابستہ بایشاں می دانند و فاتحہ و درود و صدقات و نذر و منت بنام ایشاں رائج و معمول گردیدہ چنانچہ باجمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است۔"[2]

(۶) مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفۂ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں، "حضرت امیر المومنین علی مرتضٰی اور ان کی اولاد پاک کو تمام اُمت پیروں اور مرشدوں کی طرح مانتی ہے اور امورِ تکوینیہ ان سے وابستہ جانتی ہے اور ان کے نام فاتحہ و درود اور صدقات کا معمول ہے اور ایسے ہی تمام اولیاء اللہ کے ساتھ یہی معاملہ ہے۔"

ایں عبارت سراپا بشارت کہ حرف حرفش برسر مخالف برقیست خاطف یا ریحے قاصف حرف حرف بخاطر باید داشت و از مخالفاں پرسید کہ شاہ صاحب بطور شما جمیع اُمت را صراحۃً گمراہ و مشرک گفتند یا نہ و خود لےچنیں امور را تجویز و تحسین نمودہ کافر و مشرک شدند یا نہ۔ برتقدیر اول امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی کہ غلامان غلام و مرید مرید ایشاں ست در صراطِ مستقیم بمدح ایشاں

یہ عبارت سراپا بشارت جس کا ایک ایک حرف مخالف کے سر پر برقِ خاطف یا تباہ کن بگولا ہے دل میں محفوظ رکھنا چاہئے اور مخالفین سے پوچھنا چاہئے کہ شاہ صاحب نے تمہارے طور پر ساری امت کو صاف صاف گمراہ اور مشرک بتایا یا نہیں؟ اور خود اس طرح کی باتوں کو جائز اور عمدہ بتا کر کافر و مشرک ہوئے یا نہیں؟ برتقدیر اول، امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی جو ان کے غلاموں کا غلام، اور ان کے

---

[1] انفاس العارفین (اردو) دعوتِ مخدوم الدیہ المعارف گنج بخش روڈ۔ لاہور ص ۱۱۲

[2] تحفہ اثنا عشریہ باب ہفتم در امامت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۴

37

چنان تر زبان "جناب ہدایت مآب، قدوۃ ارباب صدق وصفا، زبدۂ اصحاب فنا وبقا، سید العلماء وسند الاولیاء، حجۃ اللہ علی العالمین، وارث الانبیاء والمرسلین، مرجع کل ذلیل وعزیز، مولانا ومرشدنا الشیخ عبد العزیز"۔[1]

معاذ اللہ کافرے مشرکے را بچنیں الفاظ عظیمہ جلیلہ ستودہ وحجتِ خدا ونائبِ انبیاء وکذا وکذا اعتقاد نمودہ خود کافر مرتد گردید یا ہیچ باز شمایاں کہ ایں کافر مرتد را امام وپیشوا وسرور ومقتدا ومرجع وماوا گرفتہ ودر ہر مسئلہ وعقیدہ سر بر خط فرمانش نہادہ قدم بر قدم او رفتہ ایداز یں رو برہمہ کافر بے دین ومرتد ولعین شدید یا چہ؟ بینوا توجروا۔

مرید کا مرید ہے "صراط مستقیم" کے اندر ان کی مدح میں یُوں رطب اللسان ہے "جناب ہدایت مآب، ارباب صدق وصفا کے پیشوا، اصحاب فنا وبقاء کے خلاصہ، علماء کے سردار، اولیا کی سند، سارے جہان پر اللہ کی حجت، انبیاء ومرسلین کے وارث، ہر ذلت وعزت والے کے مرجع، ہمارے آقا اور ہمارے مرشد شیخ عبد العزیز"۔

ان عظیم وجلیل الفاظ سے معاذ اللہ ایک کافر ومشرک کی تعریف کرکے، اور اسے خدا کی حجت انبیاء کا نائب وغیرہ وغیرہ اعتقاد کرکے خود کافر ومرتد ہُوا یا نہیں؟ پھر تم سب اس کافر ومرتد کو امام وپیشوا، سردار ومقتدا اور مرجع وماوا بناکر، اور ہر مسئلہ وعقیدہ میں اس کے خطِ فرمان پر سر جھکاکر، اس کے قدم بہ قدم چل کر کافر بے دین اور مرتد ولعین ہُوئے یا کچھ اور؟ بیّنوا توجروا۔ (ت)

باز بمطلب عنان تابیم (اب پھر ہم مقصد کی جانب لگام موڑتے ہیں۔ ت) مولوی خرم علی بلہوری معلم ثالث طائفہ حادث در نصیحۃ المسلمین گوید (مولوی خرم علی بلہوری طائفہ نو کے معلم ثالث نے "نصیحۃ المسلمین" میں لکھا ہے۔ ت):

"حاضری حضرت عباس کی، صحنک حضرت فاطمہ کی، گیارھویں عبد القادر جیلانی کی، مالیدہ شاہ مدار کا، سہ منی بو علی قلندر کی، توشہ شاہ عبد الحق کا، اگر منت نہیں صرف ان کی رُوحوں کو ثواب پہنچانا منظور ہے تو درست ہے۔ اس نیت سے ہرگز منع نہیں"[2] اھ ملخصاً۔

خود امام الطائفہ در تقریر ذبیحہ سراید " اگر

(۸) خود امام الطائفہ نے تقریر ذبیحہ میں یہ نغمہ سرائی

---

[1] صراطِ مستقیم — خاتمہ در بیان پارہ الخ — مکتبہ سلفیہ لاہور — ص ۱۶۴

[2] نصیحۃ المسلمین — چند شرکیہ رسمیں — سبحانی اکیڈمی لاہور — ص ۴۱

شخصے بُزے را خانہ پرورکند تا گوشت او خوب شود، او را ذبح کردہ وپختہ فاتحہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست۔[1]

ایں لفظ "خواندہ بخوراند" نیز نگاہ داشتن است کہ بسیارے از منکرین ایں راہم مناط انکار سازند وگویند اگر ایں اجتماع اطعام وقرات جائز بودے تاہم بایستے کہ خوراندہ خوانند نہ کہ خواندہ خوراند کہ عبث و باطل ست جواب کامل ازیں شبہہ باطل در "بارقہ شارقہ" یاد کردہ ایم ہمچناں ایں لفظ غوث الاعظم بر دل نگاشتنے کہ بر ایمان تقویۃ الایمان صراحۃً شرک است۔ طرفہ تر آنکہ اتباع جہول طعام فاتحہ را حرام و مردار دانند و امام الطائفہ طعام وگوشت گاؤ نذر اولیا ہمہ را حلال می خواند بشرطیکہ تقرب بذبح بسوئے میت نباشد وسید گوید کہ "جانورے کہ نذر اولیا کردہ باشند اگرچہ چنداں نذر بروجہ حرام قبیح ہم کنند۔ تاہم در حلت جانورے سخنے نیست" فکیف کہ نذر اولیا بروجہ حسن باشد چہ جائے آنکہ محض بے نذر ایصالِ ثواب شود چہ محل آنکہ از ذبح جانور وارا قت دم اثرے نبود۔ ہمیں قرات قرآنے وتصدق طعامے بمیان آید مگر در تقریر مذکور چناں می نگارد۔ اگر شخصے نذر کند کہ اگر فلاں حاجت من برآید ایں قدر نیاز حضرت سید احمد کبیر بکنم وایں قدر طعام نیاز ایشاں مردم را بخورانم اگرچہ دریں نذر

کی ہے: "اگر کوئی شخص کسی بکری کو گھر میں پالے تاکہ اس کا گوشت عمدہ ہو، اس کو ذبح کرکے اور پکا کر حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ پڑھ کر کھلائے تو کوئی خلل نہیں ہے"۔

یہ لفظ "پڑھ کر کھلائے" بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بہت سے منکرین اسے مدارِ انکار بناتے ہیں اور کہتے ہیں اگر کھلانے اور پڑھنے کا اجتماع جائز ہوتا تو بھی چاہیے تھا کہ کھلا کر پڑھے نہ کہ "پڑھ کر کھلائے" کہ عبث اور باطل ہے ـــــ اس باطل شبہہ کا کامل جواب ہم نے بارقہ شارقہ میں بیان کیا ہے۔

اسی طرح یہ لفظ "غوثِ اعظم" بھی دل پر لکھ رکھنے کے قابل ہے کہ "تقویۃ الایمان" کی رُو سے کھلا ہوا شرک ہے ـــــ طُرفہ تر یہ کہ نادان متبعین تو فاتحہ کے کھانے کو حرام ومردار جانتے ہیں اور امام الطائفہ اولیاء کی نذر کے کھانے اور گائے کے گوشت سب کو حلال کہتا ہے بشرطیکہ ذبح سے میت کی جانب تقرب مقصود نہ ہو ـــــ اور صاف کہتا ہے کہ "جو جانور اولیا کی نذر کیا ہو اگرچہ ایسی نذر حرام قبیح طور پر بھی کرتے ہیں پھر بھی جانور کے حلال ہونے میں کلام نہیں ـــــ پھر اولیاء کی نذر عمدہ طور پر ہو تو حُرمت کیسے؟ ـــــ پھر بغیر نذر کے محض ایصالِ ثواب ہو تو وہ حرام کیسے؟ ـــــ پھر جانور کو ذبح کرنے اور خون بہانے کا کوئی نام ونشان بھی نہ ہو صرف قرآن کی قرات اور طعام

[1] رسالہ زبدۃ النصائح

گفتگوست لیکن طعام حلال است وہمچنیں ست حکم گوشت ۔ مثلاً اگر شخصے بگوید کہ دومن گوشت نذر سید احمد کبیر بعد برآمدن حاجت خود خواہم خورانید گوشت حلال است واگر بگوید کہ گوشتِ گاؤ خواہم خورانید نیز درست است واگر بہمیں قصد گاؤ را نذر کند نیز رواست چراکہ مقصودش گوشت ست ۔ وہمچنیں اگر گاؤ زندہ بنام سید احمد کبیر کسے را بدہد بطوریکہ نقدمی دہند رواست وگوشت آں حلال است۔[1] ہم درآں ست[2] اگر ہمیں طور نذر برائے اولیائے گزشتگان قدس اللہ اسرارہم کند رواست ۔ این قدر فرق ست کہ بسبب انتقال از عالمِ دنیا بعالمِ برزخ منتفع بنقد وجنس و طعام نمی توانند شد بلکہ ثواب صرف آں اللہ تعالیٰ بارواح مطہرۂ ایشاں میرساند پس احوال ایشاں درحالت حیات ومَمات برابرست" بازمی گوید[3] "اگر نذر کند کہ بشرط برآمدن حاجت خود گاؤ دوسالہ فربہ نیاز حضرت غوث الاعظم خواہد کرد پس حکم این مثل حکم طعام ست ۔ اگر نذر بطریق حسن اسپے ہیچ خلل نہ واگر قبیح ست فعلش حرام است وحیوان حلال" این یازدہ قول ست بعد ایام یازدہم شریف حضرت غوثِ اعظم قطبِ اکرم رضی اللہ تعالےٰ عنہ وسہ از امام الطائفہ بالا گزشت ودو از شاہ عبدالعزیز صاحب عنقریب می آید وباللہ التوفیق والہدایۃ الیٰ سواء الطریق ۔

کا صدقہ درمیان میں آئے تو اس کے حرام ہونے کا کیا موقع ؟ ــــ تقریر مذکور میں یوں لکھا ہے :

(۹) "اگر کوئی شخص نذر مانے کہ اگر میری فلاں حاجت برآئے تو اس قدر حضرت سید احمد کبیر کی نیاز کروں گا اور ان کی نیاز کا اتنا کھانا لوگوں کو کھلاؤں گا ــــ اگرچہ اس نذر میں کلام ہے مگر کھانا حلال ہے ــــ یہی حکم گوشت کا بھی ہے ــــ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں اپنی حاجت برآنے کے بعد سید احمد کبیر کی نذر کا دومن گوشت کھلاؤں گا تو گوشت حلال ہے ــــ اور اگر اسی قصد سے گائے کو نذر کرے تو بھی رواہے ــــ اس لیے کہ اس کا مقصود گوشت ہے ــــ اسی طرح اگر زندہ گائے سید احمد کبیر کے نام پر کسی کو دے دے جیسے نقد دیتے ہیں، تو بھی جائز ہے اور اس کا گوشت حلال ہے۔"

(۱۰) اُسی میں ہے : "اسی طرح اگر گزشتہ اولیا قدس اللہ اسرارہم کے لیے نذر کرے تو جائز ہے ــــ فرق اتنا ہے کہ وہ عالمِ دنیا سے عالمِ برزخ میں انتقال کرجانے کے سبب نقد وجنس اور طعام سے نفع اندوز نہیں ہوسکتے بلکہ صرف ان کا ثواب اللہ تعالیٰ ان کی ارواح پاک کو پہنچاتا ہے ــــ تو ان کے احوال بحالتِ حیات اور بعد وفات برابر ہیں۔"

(۱۱) آگے لکھا ہے : "اگر نذر کرے کہ میری حاجت برآئے تو دوسال کی فربہ گائے حضرت "غوث الاعظم" کی نیاز کروں گا ــــ تو اس کا حکم بھی حکمِ طعام کی طرح ہے ؛

---

[1] و [2] و [3] رسالہ زبدۃ النصائح

اگر نذر بطور حسن ہے تو کوئی خلل نہیں، اور اگر قبیح طور پر ہے تو اس کا فعل حرام ہے اور جا نور حلال ہے۔" یہ گیارہ اقوال ہیں حضرت غوثِ اعظم قطبِ اکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی گیارھویں کے ایام کی تعداد کے برابر — اور تین اقوال امام الطائفہ کے اوپر گزرے، اور دو قول شاہ عبدالعزیز صاحب کے عنقریب آرہے ہیں، اور خدا ہی سے توفیق اور راہِ راست کی ہدایت ہے۔ (ت)

سخن گفتن ماند از تعیینِ اوقات کہ در مردماں رائج ست ہمچوں سوم و چہلم و سال و ششماہ **اقول** وبحول اللہ اصول توقیت یعنی کارے را وقت معین داشتن بر دوگونہ است شرعی و عادی۔ شرعی آنکہ شرع مطہر عملے را وقتے تعیین فرمودہ است کہ در غیر او اصلاً صورت نہ بندد و اگر بجائے آرند آں عمل شرعی نکردہ باشند۔ چوں ایامِ نحر مر اضحیہ را یا آنکہ تقدیم و تاخیرش ازاں وقت نارو ا باشد چوں اشہر حرم مر احرام حج را یا آنکہ ثوابیکہ در غیر او نیابند چوں ثلث لیل مر نماز عشا را و عادی آنکہ از جانب شرع اطلاق است ہر وقتیکہ خواہند بجا آرند۔ اما حدث را از زمان ناگزیر ست و وقوع در زمان غیر معین محال عقلی کہ وجود و تعین مساوق ہمدگر است۔ پس از تعین چارہ نیست۔ ایں ہمہ تعینات بر بناءِ اطلاق علٰی وجہ البدلیۃ صالح ایقاع بود ازینہا یکے را بر بناءِ مصلحتے اختیار کنند بے آں کہ وقت معین را مبنائے صحت یا مدار حلت یا مناط اثابت دانند پیداست کہ بایں تقیید مقید از فردیت مطلق بر نیاید و حکمے کہ مطلق راست در جمیع افرادش ساری باشد مالم یرد منع عن خصوص خصوصا پس ہمچو جا سبیل نہ آنست کہ ثبوت خصوصیت از مجوز جویند بلکہ آنکہ تصریح بمنع ایں خاص از شرع بر آرند۔ عبارت معلم

اب وقت معین کرنے سے متعلق گفتگو کرنی ہے جس کا لوگوں میں رواج ہے، جیسے سوم، چہلم، ایک سال، چھ ماہ۔ **اقول** وبحول اللہ اصول (میں کہتا ہوں اور خدا ہی کی دی ہوئی قوت سے حملہ کرتا ہوں) توقیت یعنی کسی کام کے لیے وقت مقرر کرنے کی دو صورتیں ہیں: شرعی اور عادی۔

○ شرعی یہ کہ شریعتِ مطہرہ نے کسی کام کے لیے کوئی وقت مقرر فرمادیا ہے کہ (i) اس کے علاوہ وقت میں وہ ہو ہی نہیں سکتا، اور اگر کریں تو وہ عمل شرعی ادا نہ ہوگا، جیسے قربانی کے لیے ایامِ نحر۔

(ii) یا یہ کہ اس وقت سے اس عمل کو مقدم یا مؤخر کرنا ناجائز ہو، جیسے احرامِ حج کے لیے حرمت والے مہینے (شوال، ذی قعدہ، ذوالحجہ)۔

(iii) یا یہ کہ اس وقت میں جو ثواب ہو وہ دوسرے وقت میں نہ ملے، جیسے نمازِ عشا کے لیے تہائی رات۔

○ عادی یہ کہ شریعت کی جانب سے کوئی قید نہیں جب چاہیں عمل میں لائیں — لیکن حدث (کام ہونے) کے لیے زمانہ ضروری ہے، اور زمانہ غیر معین میں وقوع محال عقلی ہے، اس لئے کہ وجود اور تعین ایک دوسرے کے مساوق (ساتھ ساتھ) ہیں، تو تعین سے چارہ نہیں۔

ثانی طائفہ دربارہ دست برداشتن بدعائے تعزیہ بالا شنیدی وا اینک معلم اول و امام معول طائفہ در رسالہ بدعت چناں نغمہ سرا[1] "طریق ثانی آنکہ مطلق بالنظرالی ذاتہ حکمے از احکام شرعیہ متعلق گردد۔ پس مطلق بنظر ذات خود در جمیع خصوصیات ہما حکم اقتضا می نماید گو در بعض افراد بحسب عوارض خارجیہ حکم مطلق مختلف گردد (الی ان قال) در تحقیق حکم صورت خاصہ کسیکہ دعوی جریان حکم مطلق درصورت خاصہ مبحوث عنہا می نماید ہمانست متمسک بہ اصل کہ در اثبات دعوٰی خود حاجت بدلیلے نہ دارد۔ دلیل او ہماں حکم مطلق ست و بس" الخ حضرت والد قدس سرہ الماجد ایں اصل منیف و قاعدۂ شریف را تحقیق بالغ و تنقیح بازغ در اصول الرشاد افادہ وارشاد فرمودہ اند آنجا باید جست۔

یہ سبھی تعینات (اوقاتِ معینہ) اطلاق کی بناء پر بطور بدلیت وہ عمل واقع کیے جانے کے قابل تھے، مگر ان ہی میں سے کسی کو کسی مصلحت کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ وقتِ معین کو صحت کی بنیاد یا حلت کا مدار یا ثواب دئے جانے کا مناط جانیں۔ ظاہر ہے کہ اس تقیید کی وجہ سے مقید، مطلق کا فرد ہونے سے خارج نہ ہوگا، اور مطلق کا جو حکم ہے وہ اس کے تمام افراد میں جاری ہوگا جب تک کہ کسی فرد خاص سے متعلق خاص طور پر ممانعت وارد نہ ہو —— تو ایسے مقام میں راہ یہ نہیں کہ جائز کہنے والے سے خصوصیت کا ثبوت مانگیں بلکہ راہ یہ ہوگی کہ اس فرد خاص سے متعلق ممانعت کی صراحت شریعت سے نکالیں۔

اس طائفہ کے معلم ثانی کی عبارت دعائے تعزیت میں ہاتھ اٹھانے سے متعلق اوپر گزری، اور یہ طائفہ کے معلم اول اور امام معتمد "رسالہ بدعت" میں یوں نغمہ سرا ہیں "دوسرا طریقہ یہ کہ خود ذات مطلق کی جانب نظر کرتے ہوئے اس سے کوئی حکم شرعی متعلق ہو، تو مطلق اپنی ذات کے لحاظ سے تمام خصوصیات میں اُسی حکم کا مقتضی ہوگا، گو بعض افراد میں خارجی عوارض کے اعتبار سے مطلق کا حکم مختلف ہو جائے (آگے لکھا) صورتِ خاص کے حکم کی تحقیق میں جو شخص زیرِ بحث خاص صورت کے اندر بھی مطلق کا حکم جاری ہونے کا دعوٰی رکھتا ہے وہی اصل سے تمسک کرنے والا ہے، جسے اپنا دعوٰی ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ دلیل وہی حکمِ مطلق ہے اور بس" الخ حضرت والد قدس سرہ الماجد نے اس اصل اور قاعدے کی کامل اور روشن تحقیق و تنقیح اصول الرشاد میں افادہ فرمائی ہے وہاں سے اسے طلب کرنا چاہئے۔ (ت)

من باول سخن باز گردم **فاقول** باز اگر دریں وقت معین مرجحے حامل بر اختیارش فی نفسہ موجود ست فبہا ورنہ ہنگام

میں پھر پہلی گفتگو کی طرف پلٹتا ہوں۔ **اقول** پھر اگر اس وقت معین کی ذات میں خود کوئی ترجیح دینے والی

[1] رسالہ بدعت (معلم اول)

تساوی ارادہ مختار ترجیح را بسندست چنانکہ در دو جام تشنہ و دو راہ راہے مشاہدہ کنی۔ علی الاول مصلحت عیان ست وعلی الثانی کم نہ ازاں کہ این تعیین باعثِ تذکیر و تنبیہ و مانع تسویف وتفویت باشد ہر عاقل از وجدان خود یابد کہ چوں کارے را وقتے معین بنہند آمدن وقت یادش دہد ورنہ بسا باشد کہ از دست رود۔ ازیں جاست اوقات معین کردن ذاکرین وشاغلین وعابدین مر ذکر وشغل عبادت را یکے پیش از نماز صبح صد بار کلمہ طیبہ بر خود گرفتہ است۔ دیگرے پس از نمازِ عشا صد بار درود واگر این توقیت را از اقسام ثلثہ توقیت شرعی نہ دانند زنہار از شرع معاتب نشوند جانِ برادر اگر بقول الجمیل شاہ ولی اللہ وصراطِ مستقیم امام الطائفہ وغیرہما کتب این فن کہ اکابر وعمائدِ طائفہ تصنیف کردہ اند رجوع آرے چیزہا ازین تعینات ملتزمہ یابی کہ زنہار از تاقیت شرعی نشانے ندارد۔ ہیہات خود از تعیین ایام و اوقات چہ گوئی آنجا تو دہا ست از اعمال واشغال و طرق وہیات محدثہ ومخترعہ کہ در قرون سالفہ از انہا اثرے وخبرے پیدا نبود وایناں را باحداث و ابتداع آنہا خود اعتراف است۔ شاہ[1] ولی اللہ در قول الجمیل گویند: "صحبتنا و تعلمنا آداب الطریقۃ متصلہ الی رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وان لم یثبت تعین الآداب ولا تلک الاشغال[1]"

چیز موجود ہے جو اسے اختیار کرنے کی باعث ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ جب تمام اوقات یکساں اور برابر ہوں تو صاحبِ اختیار کا ارادہ ترجیح دینے کے لیے کافی ہے، جیسے دو جام یکساں ہیں اور پیاسا اپنے ارادے سے کسی ایک کو ترجیح دے کر اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح دو راہیں یکساں ہیں اور چلنے والا کسی ایک کو اختیار کر لیتا ہے۔ پہلی صورت میں تو مصلحت خود عیاں ہے —— اور دوسری صورت میں کم از کم اتنا ضرور ہے کہ اس کو معین کر لینے سے یاد دہانی اور آگاہی ہوگی اور یہ ٹلنے اور فوت کر ڈالنے سے مانع ہوگی ہر عقل والے کا وجدان خود گواہ ہے کہ جب کسی کام کے لیے کوئی وقت معین رکھتے ہیں تو جب وقت آتا ہے وہ کام یاد آجاتا ہے ورنہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ فوت ہوجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ذاکرین، شاغلین، عابدین اپنے ذکر وشغل اور عبادت کے لیے اوقات معین کر لیتے ہیں۔ کسی نے نمازِ صبح سے پہلے سو بار کلمہ طیبہ پڑھنا اپنے ذمہ کر لیا ہے، کسی نے نمازِ عشاء کے بعد سو بار درود پڑھنا مقرر کر لیا ہے —— اگر اس تعیین وتوقیت کو توقیتِ شرعی کی تینوں قسموں سے نہ جانیں تو شریعت کی جانب سے ان پر ہرگز کوئی عتاب نہیں —— جانِ برادر! اگر شاہ ولی اللہ کی القول الجمیل، امام الطائفہ کی صراطِ مستقیم اور ان کے علاوہ اس طائفہ کے اکابر وعمائد کی تصنیف کردہ اس فن کی کتابیں دیکھو تو ان میں از خود لازم کیے ہوئے تعینات سے بہت سی چیزیں پاؤ گے جن میں شریعت کی جانب

[1] القول الجمیل معہ ترجمہ شفاء العلیل فصل ۱۱ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

سے تعیین و توقیت کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ہے۔ دُور کیوں جائیے اور تعیینِ ایام و اوقات کی بات کیوں کیجئے، وہاں تو دسیوں اعمال و اشغال اور ہیأت و طُرق ایجادی اور اختراعی ایسے موجود ہیں جن کا قرونِ سابقہ میں نہ کوئی نام و نشان تھا، نہ ذکر و خبر۔ ان حضرات کو ان کی ایجاد اور ابتداع کا خود اقرار ہے۔

(۱) شاہ ولی اللہ القول الجمیل میں لکھتے ہیں: "ہماری صحبت اور ہماری تعلیم آدابِ طریقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہے اگرچہ ان آداب اور ان اشغال کی تعیین حضور سے ثابت نہیں۔" (ت)

(۲) مولوی خرم علی شاہ صاحب کی مذکورہ بالا عربی عبارت کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں: (ت)

مولوی خرم علی درترجمہ این عبارت گفت۔

"ہماری صحبت اور طریقت کے آداب سیکھنا متصل ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک، اگرچہ تعیین ان آداب کا اور تقرر ان اشغال کا ثابت نہیں۔" اھ ملخصاً

(۳) یہی صاحب القول الجمیل کے ترجمہ شفاء العلیل میں لکھتے ہیں: (ت)

ہم درشفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل گوید۔

"حضرت مصنف محقق نے کلامِ دلپذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہاتِ ناقصین کو جڑ سے اکھاڑا۔ بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے الخ۔"

(۴) اسی میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے نقل کرتے ہیں: (ت)

ہمدران از شاہ عبدالعزیز صاحب آرد۔

"مولانا حاشیے میں فرماتے ہیں اور اسی طرح پیشوایانِ طریقت نے جلسات اور ہیأت واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کیے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے۔" الخ

(۵) پھر خود لکھا ہے: (ت)

باز خود می گوید۔

"یعنی ایسے امور کو مخالفِ شرع یا داخل بدعت سیئہ نہ سمجھنا چاہیے جیسا کہ بعضے کم فہم سمجھتے ہیں۔"

---

۱ شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل			فصل ۱۱	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی		ص ۱۷۳
۲ "	"	"	"	"	"	" ۱۰۷
۳ "	"	"	"	"	"	" ۵۱
۴ "	"	"	"	"	"	"

امامؒ الطائفہ درصراط مستقیم سراید: "محققان از اکابر
طرق در تجدید اشغال کوششہا کردہ اند بنا بر علیہ
مصلحت دید و وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب
ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب
ایں وقت است تعین کردہ و تجدید اشغال نمودہ
شود[1]۔" اھ ملخصاً

و در حال پیر خود گوید: "در تلقین و تعلیم طریقہ
چشتیہ بازوئے ہمت کشادند و تجدید اشغالے کہ
ایں کتاب مستطاب براں محتوی گردیدہ فرمودند[2]۔"

سبحان اللہ! اینان کہ بر اصل شما صراحۃً احداث
فی الدین کردند وقطعاً چیزہا برآوردند کہ قرون سابقہ
ازانہا خبرے نداشتند، ضال و مبتدع نباشند
بلکہ ہمچناں امام و مقتدا و عرفا و علماء مانند دیگراں
بر ہمیں قدر جرم کہ چند امور محمودہ ثابتہ فی الشرع را
جمع نمودند و فعل آنہا را از جملہ اوقات جائزہ فی الشرع
وقتے معین گرفتند، معاذ اللہ گمراہ و بدعتی شوند۔
للہ انصاف ایں حکم بیجا را چہ گفتہ آید، مگر شریعت
کارے خانگی شماست کہ ہر چوں کہ خواہید پہلو
گردانید۔ ہان وہان اے طالب حق اینان را
در طغیان و عدوان اینان بگذار، و روئے بآثار و
احادیث آر تا چیزے از تعینات عادیہ بر تو خوانیم ازین
قبیل ست آنچہ در حدیث آمد کہ حضور پرنور سید عالم

(۶) امام الطائفہ نے صراط مستقیم میں لکھا ہے: "محققین
اکابر نے تجدید اشغال کے طریقے میں بڑی کوششیں
کی ہیں، اسی بنا پر مصلحت اور وقت کا تقاضا یہ ہوا
کہ اس کتاب کا ایک باب اس وقت کے مناسب
اشغالِ جدیدہ کے بیان کے لیے معین کیا جائے اور
اشغال کی تجدید عمل میں لائی جائے۔" اھ ملخصاً

(۷) اپنے پیر کے حال میں لکھا ہے: "طریقہ چشتیہ
کی تلقین و تعلیم میں بازوئے ہمت کشادہ کیا، اور
ان اشغال کی تجدید فرمائی جن پر یہ کتاب مستطاب مشتمل ہے"۔

سبحان اللہ! یہ لوگ جو تمہارے قاعدے کے
مطابق صراحۃً "احداث فی الدین" اور کھلی ہوئی بدعت
جاری کرنے کے مرتکب ہیں، اور بلا شبہ ایسی چیزیں
ایجاد کی ہیں جن کی قرونِ سابقہ میں کوئی خبر نہیں،
وہ تو گمراہ اور بدعتی نہ ہوں بلکہ ویسے ہی امام و مقتدا
اور عرفاء رہیں ــــ دوسرے صرف اتنے
جرم پر کہ انھوں نے شریعت میں ثابت چند پسندیدہ
امور کو یکجا کر دیا، اور ان کو عمل میں لانے کیلئے شریعت
میں جائز اوقات میں سے ایک وقت معین کر لیا،
معاذ اللہ گمراہ اور بدعتی ہو جائیں ــــ للہ انصاف!
اس بے جا حکم اور ناروا زبردستی کو کیا کہا جائے، شاید
شریعت تمہارے گھر کا کاروبار ہے کہ جیسے چاہو
الٹ پھیر کرتے رہو ہوشیار، ہوشیار اے طالبانِ حق

---

[1] صراط مستقیم مقدمۃ الکتاب باب اول المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۷ و ۸
[2] " " باب چہارم " " " ص ۱۶۶

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زیارتِ شہدائے احد را
سرسال مقرر فرمودند کما سیأتی و آمدن مسجد قبا را
روز شنبہ[1] کما فی الصحیحین عن ابن عمر
رضی اللہ تعالٰی عنہما و روزہ شکر رسالت را
روز دوشنبہ[2] کما فی صحیح مسلم عن ابی قتادۃ
رضی اللہ تعالٰی عنہ و با صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی
عنہ مشاورۂ دینی صبح و شام[3] کما فی صحیح البخاری
عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی
عنہا و انشائے سفر جہاد را پنجشنبہ[4] کما فیہ عن
کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ و طلبِ علم را
دوشنبہ[5] کما عند ابی الشیخ و ابن حبان و
الدیلمی بسند صالح عن انس ابن مالک رضی اللہ
تعالٰی عنہ و عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ
وعظ و تذکیر را روز پنجشنبہ[6] کما فی صحیح البخاری
عن ابی وائل و علماء ہدایت درس را روز چہار شنبہ
کما فی تعلیم المتعلم للامام برہان الاسلام

ان کو ان کی سرکشی اور زیادتی میں چھوڑ اور آثار و احادیث
کی جانب متوجہ ہو تاکہ ہم کچھ تعینات عادیہ تجھے سنائیں:
(۱) اسی قبیل سے ہے جو حدیث میں آیا کہ حضور پر نور
سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شہدائے اُحد کی
زیارت کے لیے سر سال کا وقت مقرر فرمایا تھا جیسا
کہ آگے ذکر آرہا ہے۔ (۲) اور سنیچر کے دن مسجد قبا
میں تشریف لانا، جیسا کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے۔
(۳) اور شکرِ رسالت کے لیے دوشنبہ کا روزہ جیسا
کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے
مروی ہے (۴) اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے
دینی مشاورت کے لیے وقتِ صبح و شام کی تعیین، جیسا کہ
صحیح بخاری میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی
ہے۔ (۵) اور سفر جہاد شروع کرنے کے لیے پنجشنبہ کی
تعیین جیسا کہ اسی صحیح بخاری میں حضرت کعب بن مالک
رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ (۶) اور طلبِ علم

۱؎ صحیح مسلم	باب فضل مسجد قباء	قدیمی کتب خانہ کراچی	۱/۴۴۸
۲؎ "	باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام الخ	" " "	۱/۳۶۸
۳؎ صحیح البخاری	باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ	" " "	۱/۵۵۲
۴؎ "	باب من اراد غزوۃ الخ	" " "	۱/۴۱۴
۵؎ الفردوس بماثور الخطاب	حدیث ۲۳۷	دار الکتب العلمیہ بیروت	۱/۷۸
کنز العمال	حدیث ۲۹۳۴۰	موسسۃ الرسالہ بیروت	۱۰/۲۵۰
۶؎ صحیح البخاری	باب من جعل لاہل العلم ایاما معلومۃ	قدیمی کتب خانہ کراچی	۱/۱۶
۷؎ تعلیم المتعلم	فصل فی بدایۃ السبق	مطبع علیمی دہلی	ص ۴۳

الزرنوجی حکایت کردش از استاد خود امام برہان الدین
مرغینانی صاحب ہدایہ وگفت ھٰکذا کان یفعل
ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] صاحب تنزیہہ
الشریعۃ فرمود وکذا کان جماعۃ من اھل العلم[2]
اینہمہ باز ارباب توقیت عادی ست حاشا کہ مراد
سید الاسیاد علیہ افضل الصلوٰۃ من الملک الجواد آن
باشد کہ زیارت جز بر منتہائے سال زیارت نیست یا روا
نباشد یا اجر عظیمے کہ این روز بر بندہ نوازی وامت پروری
وتشریف مزارات شہدائے کرام بتراب اقدام برکت نظام
نصیب آن شاہ عالم پناہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کنند
روز دیگر نہ کنند ہمچناں مقصود ابن مسعود آں نہ بود کہ وعظ
جز بروز پنجشنبہ وعظ نیست یا در غیر او جوازنے یا روز
دیگر ایں اجر مفقود یا شرع مطہر این تعیین نمود۔ حاش
للہ، بلکہ ہمیں عادتے التزام فرمودہ تا ہر ہفتہ بتذکیر
مسلماناں پردازد وتعیین یوم طالبان خیر را بآسانی جمع
وفراہم سازد۔ ہم بریں قیاس در امور باقیہ آرے
در بعضے ازانہا مرجحی جداگانہ حاصل ست ہمچو وقوع
بعثت وحصول علم نبوت در روز دوشنبہ وعظم برکت
در بکور پنجشنبہ در جائے اتمام در بدایت چہارشنبہ
کہ حدیثے ذکر کنند ما من شیئ بدئ یوم الاربعاء
الا تم و در بعض دیگر ہمیں ترجیح ارادی ست کہ مصلحت

کے لیے دوشنبہ کی تعیین، جیسا کہ ابوالشیخ، ابن
حبان اور دیلمی نے بسند صالح حضرت انس ابن
مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

(۷) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے
وعظ وتذکیر کے لئے پنجشنبہ کا دن مقرر کیا، جیسا کہ
صحیح بخاری میں حضرت ابووائل سے مروی ہے۔

(۸) اور علماء نے سبق شروع کرنے کے لیے بدھ کا
دن رکھا، جیسا کہ امام برہان الاسلام زرنوجی کی
تعلیم المتعلم میں ہے، انھوں نے اپنے استاد امام
برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ سے اس کی حکایت
فرمائی اور کہا کہ اسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی
عنہ کہا کرتے تھے۔ صاحب تنزیہہ الشریعۃ نے
فرمایا اور اسی طرح ایک جماعت علماء کا دستور رہا ہے۔

یہ سب توقیت عادی کے باب سے ہیں۔ حاشا
کہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد یہ ہو
کہ انتہائے سال کے علاوہ کسی دوسرے وقت
کی زیارت، زیارت نہیں، یا جائز نہیں، یا اُس
دن بندہ نوازی، امت پروری اور قدم مبارک کی
خاک پاک سے مزارات شہدائے کرام کو شرف بخشنے پر
جو اجر عظیم اُس شاہ عالم پناہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو
عطا ہوگا وہ دوسرے دن نہ ملے گا۔

۱؎ تعلیم المتعلم فصل فی بدایۃ السبق الخ مطبع علیمی دہلی ص ۴۳
۲؎ تنزیہہ الشریعۃ باب ذکر البلدان والایام الخ فصل ثانی حدیث ۲۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۶
۳؎ تعلیم المتعلم فصل فی بدایۃ السبق الخ مطبع علیمی دہلی ص ۴۳
تنزیہہ الشریعۃ باب ذکر البلدان والایام الخ فصل ثانی حدیث ۲۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۶

دروے کم از تذکیر و تیسیر نیست۔ ہم ازیں باب ست تعینات مردم در سوم و چہلم و شش ماہ و سر سال کہ بعضے ازانہا مصلحتے خاص دارد و بعض آخر بقصد آسانی و یادد ہانی معتاد و معہود گردید ولا مشاحۃ فی الاصطلاح۔

اسی طرح حضرت ابنِ مسعود کا مقصود یہ نہ تھا کہ پنج شنبہ کے علاوہ کسی اور دن وعظ نہیں، یا دوسرے دن اس کا جواز نہیں، یا دوسرے دن یہ اجر فوت ہوجائے گا، یا شرعِ مطہر نے یہ تعیین فرمائی تھی۔۔۔ ہرگز نہیں ــــ بلکہ یہی ایک عادت مقرر کرلی تھی تاکہ ہر ہفتہ میں مسلمانوں کی تذکیر کا کام انجام دیتے رہیں، اور دن متعین ہونے کی وجہ سے طالبانِ خیر آسانی سے جمع ہوجائیں ــــ اسی طرح باقی امور کو قیاس کرو۔ ہاں ان میں سے بعض میں کوئی الگ مرجح بھی موجود ہے، جیسے دوشنبہ کے دن بعثت کا وقوع اور علمِ نبوت کا حصول ــــ اور پنجشنبہ کو صبح سویرے نکلنے میں عظیم برکت کا وجود ــــ اور چہارشنبہ (بدھ) کو شروع کرنے میں تکمیل کی اُمید ــــ کہ یہاں ایک حدیث ذکر کرتے ہیں کہ "جو کام بھی چہارشنبہ کو شروع کیا جائے وہ پُورا ہو" اور بعض دیگر میں بھی ترجیح ارادی ہے جس میں کم از کم یاد دہانی اور آسانی کی مصلحت ضرور کارفرما ہے۔ اسی باب سے سوم، چہلم، چھ ماہ اور انتہائے سال کے تعینات جو لوگوں نے جاری کر رکھے ہیں۔ ان میں سے بعض میں کوئی خاص مصلحت بھی ہے اور بعض دیگر آسانی و یاد دہانی کے خیال سے رائج و معمول ہیں۔ اور اصطلاح میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ (ت)

اینجا کلام مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کہ امام الطائفہ را عم نسب و پدر بطریقت بود شنیدن وارد۔ در تفسیر عزیزی زیر قولہ عزوجل والقمر اذا اتسق فرمود۔ وارد ست کہ مردہ دریں حالت مانند غریقے ست کہ از انتظار فریاد رسی می برد۔ و صدقات و ادعیہ و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار او می آید و ازیں ست کہ طوائف بنی آدم تا یکسال و علی الخصوص تا یک چلہ از موت دریں نوع امداد کوشش تمام می نمایند[1] اھ

یہاں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی (جو امام الطائفہ کے نسبی چچا، علمی باپ اور طریقت میں دادا تھے) کا کلام سُننے کے قابل ہے۔ تفسیر عزیزی میں قولِ باری عزوجل "والقمر اذا اتسق" کے تحت فرماتے ہیں: "وارد ہے کہ مُردہ اس حالت میں کسی ڈُوبنے والے کی طرح فریاد رسی کا منتظر ہوتا ہے اور اس وقت صدقے، دُعائیں اور فاتحہ اسے بہت کام آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ، موت سے ایک سال تک، خصوصاً چالیس دن تک اس طرح کی امداد میں بھرپور کوشش کرتے ہیں۔" اھ (ت)

---

[1] تفسیر عزیزی آیہ والقمر اذا اتسق کے تحت مذکور ہے لال کنواں دہلی ص ۲۰۶

ولطیف تر آنکہ شاہ صاحب موصوف عرس پیران و پدران خود شاں باہتمام تمام بجا می آوردند و پیش ایشاں برقبور درویشاں اجتماع مردم و فاتحہ خوانی و تقسیمِ طعام و شیرینی بتجویز و تقریر ایشاں می شد چنانکہ در عامہ اہل سجادہ جاری و ساری است۔ مفتی عبدالحکیم پنجابی بریں افعال شاہیہ بہماں شبہات واہیہ کہ حضرات منکرین بکار می برند بر شاہ صاحب زبانِ مطاعن و مثالب کشودہ رقم نمود "کسانیکہ اقوال اینہا مطابق افعال شاں نیستندی۔ عرس بزرگاں خود برخود مثل فرض دانستہ سال بسال بر مقبرہ اجتماع کردہ طعام و شیرینی در انجا تقسیم نمودہ مقابر را وثنا یعبد می کنند"[1] اھ ملخصاً۔

زیادہ پُر لطف بات یہ ہے کہ شاہ صاحب موصوف اپنے پیروں اور باپ دادا کا عُرس پُورے اہتمام سے کرتے تھے اور اُن کے سامنے ان کی اجازت سے، اور ان کے برقرار رکھنے سے درویشوں کی قبروں پر آدمیوں کا اجتماع، فاتحہ خوانی اور طعام و شیرینی کی تقسیم ہوتی تھی، جیسا کہ سبھی اہل سجادہ میں جاری و ساری ہے۔ مفتی عبدالحکیم پنجابی نے ان ہی بے وزن شبہات کے تحت جو حضرات منکرین پیش کرتے ہیں، شاہ صاحب کے ان افعال کے باعث شاہ صاحب زبانِ لعن طعن دراز کی اور لکھا کہ: "وہ لوگ جن کے اقوال ان کے افعال کے مطابق نہیں، اپنے بزرگوں کا عُرس اپنے اوپر فرض کی طرح لازم جان کر سال بہ سال مقبرے پر اجتماع کرکے وہاں طعام و شیرینی تقسیم کرکے ان مقبروں کو "بُتِ معبود" بناتے ہیں۔" اھ ملخصاً (ت)

شاہ صاحب در رسالہ ذبیحہ مطبوعہ مجموعہ زبدۃ النصائح بپاسخ ایں طعن فرمایند قولہ "عرس بزرگان خود آہ ایں طعن مبنی ست برجہل باحوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ را ہیچکس فرض نمیداند آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں باہدائے ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب ست باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آن ست کہ آں روز مذکر انتقال ایشاں می باشد، از

شاہ صاحب "رسالہ ذبیحہ" میں جو مجموعہ زبدۃ النصائح میں چھپا ہے اس طعن کے جواب میں فرماتے ہیں "قولہ عرس بزرگان خود الخ ــــ یہ طعن مطعون علیہ کے حالات سے بے خبری پر مبنی ہے اس لیے کہ شریعت میں مقررہ فرائض کے سوا کسی کام کو کوئی فرض نہیں جانتا۔ ہاں قبورِ صالحین کی زیارت اور ان سے تحصیلِ برکت اور ایصالِ ثواب، تلاوتِ قرآن، دُعائے خیر اور تقسیمِ شیرینی و طعام سے ان کی امداد باجماعِ علماء مستحسن اور اچھا عمل ہے ــــ اور

---

[1] مفتی عبدالحکیم پنجابی

دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ این عمل واقع شود
موجب فلاح ونجات ست وخلف را لازم ست
کہ سلف خود را باین نوع بر واحسان نماید[1] ۔ باز
تعیین سر سال والتزامش را سند از احادیث
آوردند کہ ابن المنذر وابن مردویہ از انس بن مالک
رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کردند ان رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یاتی احدا
کل عام فاذا بلغ الشعب سلم علی
قبور الشھداء فقال سلام علیکم
بما صبرتم فنعم عقبی الدار[2] یعنی
حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال
باُحد تشریف ارزانی میداشت، چوں بر درۂ کوہ می رسید
برگور شہیداں سلام می کرد ومی فرمود سلام باد بشما
بر شکیبائی شما۔ پس چہ نیکوست سرائے آخرت و
امام ابن جریر در تفسیر خودش از محمد بن ابراہیم روایت
نمود وقال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم یأتی قبور الشھداء علی راس کل
حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم
عقبی الدار وابوبکر وعمر وعثمٰن[3] یعنی سرورِ عالم
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سر ہر سال بر خاکِ شہدا قدم
رنجہ می فرمود ومی گفت سلام علیکم الآیۃ ۔ بعدہٗ حضرت
صدیق وفاروق وذی النورین نیز ہمچناں میکردند رضی اللہ عنہم

روزِ عرس کا تعین اس لیے ہے کہ وہ دن دار العمل سے
دار الثواب کی جانب ان کے انتقال فرمانے کی
یاد دہانی کرنے والا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام ہو
فلاح ونجات کا سبب ہے ۔ اور خلف پر لازم ہے
کہ اپنے سلف کے لیے اس طرح کی بھلائی اور نیکی کرتا
رہے ۔ پھر سال کے تعین اور اس کے التزام کے سلسلے
میں احادیث سے سند ذکر فرمائی کہ ابن المنذر اور
ابن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی
عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم ہر سال اُحد تشریف لاتے ، جب درہ کوہ پر
پہنچتے تو شہیدوں کی قبر پر سلام کرتے اور فرماتے :
تمھیں سلام ہو تمھارے صبر پر کہ دارِ آخرت کیا ہی عمدہ
گھر ہے ۔ اور امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت محمد بن
ابراہیم سے روایت کی ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں شہداء کی خاک پر
قدم رنجہ فرماتے اور کہتے تم پر سلام ہو ۔ آخر تک ۔
حضور کے بعد حضرت صدیق وفاروق اور ذی النورین
بھی ایسا ہی کرتے ، رضی اللہ تعالٰی عنہم ۔

---

[1] زبدۃ النصائح

[2] درمنثور بحوالہ ابن منذر وابن مردویہ زیر آیۃ سلام علیکم الخ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۴/ ۵۸

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) " " مطبعۃ میمنہ مصر ۱۳/ ۸۴

تعالیٰ عنہم ۔ و در تفسیر کبیر ست عن رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ کان یأتی
قبور الشہداء راس کل حول فیقول السلام
علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و الخلفاء
الاربعۃ ھکذا کانوا یفعلون[1] یعنی حضور اقدس صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال بمزار شہدا می شد و آیہ مذکورہ می
خواند و ہمچنان حضرات خلفاء اربعہ می کردند رضوان اللہ
تعالیٰ علیہم اجمعین[2]

بالجملہ حق آنست کہ تخصیصات مذکورہ ہمہ تعینات
عادیہ است کہ زنہار جائے طعن ملامت نیست۔ این
قدر احرام و بدعت شنیعہ گفتن جہلیست صریح و
خطائے قبیح۔ شاہ رفیع الدین مرحوم دہلوی برادر مولانا
شاہ عبدالعزیز صاحب در فتویٰ خودش چہ خوش سخن
انصاف گفتہ عبارتش چناں آوردہ اند

سوال: تخصیص ماکولات در فاتحہ بزرگان مثل
کھچڑا در فاتحہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و توشہ
در فاتحہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ وغیر ذلک ہمچناں تخصیص
خورندگان چہ حکم دارد؟

جواب: فاتحہ و طعام بلا شبہ از مستحسنات
ست و تخصیص کہ فعل مخصص است باختیار اوست
کہ باعث منع نمی تواند شد این تخصیصات از قسم عرف
وعادت اند کہ بمصالح خاصہ و مناسبت خفیہ ابتداءً
بظہور آمدہ و رفتہ رفتہ شیوع یافتہ الخ[3]

۱ اور تفسیر کبیر میں ہے: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم ہر سال شہداء کے مزار پر تشریف لے جاتے
اور آیہ مذکورہ پڑھتے، اور اسی طرح حضرات خلفائے
اربعہ بھی کرتے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (ت)

الحاصل حق یہ ہے کہ مذکورہ تخصیصات سبھی
تعینات عادیہ سے ہیں جو ہرگز کسی طعن اور ملامت کے
قابل نہیں۔ اتنی بات کو حرام اور بدعت شنیعہ کہنا
کھلی ہوئی جہالت اور قبیح خطا ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے بھائی شاہ
رفیع الدین دہلوی مرحوم نے اپنے فتوے میں کیا ہی
عمدہ انصاف کی بات لکھی ہے۔ ان کی عبارت یوں
نقل کی گئی ہے:

سوال: بزرگوں کی فاتحہ میں کھانوں کو خاص کرنا،
مثلاً امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ میں کھچڑا،
شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی فاتحہ میں توشہ و
غیر ذلک، یوں ہی کھانے والوں کو خاص کرنا، ان
سب کا کیا حکم ہے؟

جواب: فاتحہ اور طعام بلاشبہ مستحسن ہیں،
اور تخصیص جو مخصص (خاص کرنے والے) کا فعل ہے

---

[1] التفسیر الکبیر للرازی زیر آیہ سلام علیکم مطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۷/۳۵
[2] زبدۃ النصائح
[3] فتاویٰ شاہ رفیع الدین

وُہ اس کے اختیار میں ہے، ممانعت کا سبب نہیں ہوسکتا۔ یہ خاص کرلینے کی مثالیں، سب عرف اور عادت کی قسم سے ہیں جو ابتدا میں خاص مصلحتوں اور خفی مناسبتوں کی وجہ سے رُونما ہوئیں پھر رفتہ رفتہ عام ہوگئیں۔" الخ

ثم اقول بلکہ اگر اینجا خود ہیچ مصلحتے دینی نباشد تا عدمِ مصلحت وجود مفسدت نیست کہ موجب انکار این کار شود ورنہ مباح کجا رود۔ امام احمد در مسند بسندِ حسن از خاتُونے صحابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا راوی ست حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود صیام السبت لا لك ولا علیك[1] روزہائے روز شنبہ نہ مر تراست نہ بر تو علماء در شرحش فرمایند لا لك فیه مزید ثواب ولا علیك فیه ملام ولاعتاب[2] نہ ترا در وے افزونی ثوابے نہ بر تو در وے ملامتے وعتابے۔ روشن شد کہ تخصیص بے مخصص اگر نافع نباید مضر ہم نباشد وھو المقصود آرے ہر عامی کہ ایں تعین عادی را توقیت شرعی داند گمان برد کہ ایصالِ ثواب در غیر ایں ایام صورت نہ بندد یا روا نہ باشد یا ثواب ایں ایام از ایام دیگر اتم ست واَفر بلاشبہہ غلط کار و جاہل و درین خاطی و مبطل ست، امّا این قدر گمان معاذ اللہ در اصل ایمان خلل نیارد نہ موجب عذابِ قطعی و وعید حتمی گردد۔ چنانکہ امام الطائفہ در تقویۃ الایمان اعتقاد دارد و این جہالتِ فاحشہ او از جہل آں عامی بدر جہا بتر ست آں

ثم اقول بلکہ اگر یہاں خود کوئی دینی مصلحت نہ ہو (تو بھی حرام نہیں ہوسکتا) کیونکہ مصلحت نہ ہونے کا معنٰی یہ نہیں کہ مفسدہ موجود ہے کہ باعثِ انکار ہوجائے ورنہ مباح کہاں جائے گا؟

امام احمد مسند میں بسندِ حسن ایک صحابیہ خاتون رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنیچر کے روزے نہ تیرے لیے نہ تیرے اوپر — علماء نے اس کی شرح میں فرمایا: نہ تیرے لیے اس میں کسی ثواب کی زیادتی ہے نہ اس میں تجھ پر کوئی عتاب اور ملامت — واضح ہوا کہ بے وجہِ تخصیص کے خاص کرلینا اگر مفید نہ ہو تو مضر بھی نہ ہوگا۔ اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ ہاں جو عامی شخص اس تعیینِ عادی کو توقیتِ شرعی جانے اور گمان کرے کہ ان کے علاوہ دنوں میں ایصالِ ثواب ہوگا ہی نہیں، یا جائز نہیں، یا ان ایام میں ثواب دیگر ایام سے زیادہ کامل و وافر ہے، تو بلاشبہہ وہ شخص غلط کار اور جاہل ہے اور اس گمان میں خطا کار اور صاحبِ باطل ہے — لیکن اتنا گمان اصل ایمان میں خلل نہیں لاتا، نہ ہی کسی قطعی

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث امراۃ رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۹/۳۶۴

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۵۱۲۰ دار المعرفۃ بیروت ۴/۲۳۰

از جہلے وجزافے بیش نیست۔ واین ضلال بعید و اعتزال شدید است ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحمید اینجا نیز حصہ امام الطائفہ در سفاہت وسخافت و حمق وجزافت پیداست یقال لھم لیس من یعلم کمن لا یعلم ہمچناں انچہ عوام جہلہ در باب ایصال ثواب امور مستنکرہ احداث کردہ اند مثلاً ریاء وسمعہ تفاخر جمع اغنیاء ومنع فقراء وآنکہ در سوم جماعتے یکجا نشستہ ہرہمہ قرآن بجہر خوانند وفریضہ استماع از دست دہند ایں ہمہ ممنوع ومحظور ومکروہ ومحذور ست علمارا باید کہ بر مفاسد زوائد سرزنش کنند نہ آں کہ باطلاق لسان وسلاطت زبان اصل کار را زنند۔ چنانکہ بسیارے از عوام در نماز خصوصاً نوافل کہ تنہا گزارند بعدم مراعات تعدیل ارکان وغیرہ محظورات عدیدہ خو کردہ اند۔ ایں معنی مستلزم نہی از نماز نباشد بلکہ ازیں خصائل شنیعہ تحذیر وترہیب می باید کرد، وبرادائے نماز تحریص وترغیب ایں ست۔ سخن مجمل و قول فیصل کہ خواص آنسو وبعض عوام ایں سو ہردو را گراں آید اما چہ تواں کرد کہ حق ایں است واز حق نشاید گزشت واللہ الہادی الی سبیل الرشاد والصلوٰۃ والسلام علی المولی الجواد محمد والہ وصحبہ الامجاد۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم۔

عذاب اور حتمی وعید کا سبب ہوتا ہے، جیسا کہ امام الطائفہ کا اپنی تقویۃ الایمان میں یہ اعتقاد ہے، اور اس کی یہ جہالتِ فاحشہ اس عامی کی جہالت سے بدرجہا بدتر ہے ــــــ وہ ایک نادانی اور اٹکل سے زیادہ نہیں، اور یہ بڑی گمراہی اور شدید اعتزال ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحمید ــــــ یہاں بھی سفاہت، سخافت، حماقت اور جزافت میں امام الطائفہ کا حصہ نمایاں ہے۔ ان سے کہا جائے گا جاننے والا انجان کی طرح نہیں۔ اسی طرح جاہل عوام نے ایصالِ ثواب کے باب میں جو ناپسندیدہ امور پیدا کرلیے ہیں ــــ جیسے نمائش، ناموری، مفاخرت، مالداروں کو جمع کرنا، محتاجوں کو منع کرنا، اور یہ کہ سوم میں ایک جماعت اکٹھا بیٹھتی ہے اور سب کے سب بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہیں اور سُننے کا فرض ترک کرتے ہیں، یہ سب ممنوع و ناروا، مکروہ اور بُرا ہے ــــــ علماء کو چاہیے کہ ان زائد مفاسد پر سرزنش کریں نہ یہ کہ پوری بے لگامی اور زبان درازی سے اصل عمل ہی کو ختم کرڈالیں، جیسے بہت سے عوام نماز خصوصاً نوافل میں جنھیں تنہا ادا کرتے ہیں تعدیلِ ارکان وغیرہ کی عدم رعایت جیسے متعدد ممنوعات کے عادی ہیں، یہ حالت اس کو مستلزم نہیں کہ انھیں نماز ہی سے روک دیا جائے، بلکہ ان بُری عادات سے بچانا اور ڈرانا چاہیے اور نماز ادا کرنے کی تشویق و ترغیب ہونی چاہیے ــــــ یہ ہے اجمالی کلام اور قولِ فیصل، جو اس طرف کے خواص اور اِس طرف کے بعض عوام دونوں پر گراں گزرے گا، مگر کیا کیا جائے کہ حق یہی ہے اور حق سے تجاوز نہیں ہوسکتا ــــــ اور خدا ہی راہِ ہدایت کی جانب ہادی ہے ــــــ فیاض آقا حضرت محمد، اور انکی بزرگ آل واصحاب پر درود وسلام ہو اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے اور اس ذات بزرگ کا علم سب سے کامل ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۴: از بغداد شریف، آرمرڈ کار ٹینک کور مسئولہ علی رضا خاں فرمستری، رمضان ۱۳۳۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ فاتحہ دلانا شرع سے جائز ہے یا نہیں؟ کوئی ایسی حدیث لکھ دیجئے جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسی طرح فاتحہ دلائی تھی؟ بینوا توجروا

الجواب

فاتحہ دلانا شریعت میں جائز ہے۔ درمختار میں ہے:

الاصل ان کل من اتی بعبادۃ مالہ جعل ثوابہا لغیرہ وان نواہا عند الفعل لنفسہ لظاہر الادلۃ[1]

اصل یہ ہے کہ جو کوئی عبادت کرے اسے اختیار ہے کہ اس کا ثواب دوسرے کے لیے کردے اگرچہ ادائے عبادت کے وقت خود اپنے لیے کرنے کی نیت رہی ہو، ظاہر دلائل سے یہی ثابت ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

سواء کانت صلٰوۃ او صوما او صدقۃ او قراءۃ[2]۔

خواہ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قرأت۔ (ت)

اور جس طرح مدارس اور خانقاہیں اور مسافرخانے بنائے جاتے ہیں اور سب مسلمان اُن کو فعلِ ثواب سمجھتے ہیں، کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس طرح بنائے یا بنوائے تھے، یا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ فاتحہ جس طرح اب دی جاتی ہے جس میں قرآن مجید اور کھانے دونوں کا ثواب میت کو پہنچاتے ہیں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ اور جب ممانعت کا ثبوت نہیں دے سکتا اور بیشک ہرگز نہیں دے سکتا تو جس چیز سے اللہ ورسول نے منع نہ فرمایا دوسرا کہ منع کرے گا اپنے دل سے شریعت گھڑے گا۔

ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون۔ متاع قلیل ولہم عذاب الیم[3]۔

بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا، تھوڑا برتنا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت کے تیسرے دن مسلمانوں کا جمع ہو کر قرآن مجید و کلمہ طیبہ پڑھنا اور چنوں وغیرہ پر کچھ پڑھ کر تقسیم کرنا جسے سوم یا تیجا کہتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

[1] درمختار باب الحج عن الغیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۱

[2] ردالمحتار " " " ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/ ۲۳۶

[3] القرآن ۱۶/ ۱۱۶-۱۱۷

38
38

الجواب

صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ نیک اعمال کا مُردہ کو ثواب پہنچتا ہے، اور یہ بھی حدیثوں میں آیا ہے کہ وُہ ثواب پاکر خوش ہوتا ہے اور ثواب پہنچنے کا منتظر رہتا ہے، تو قرآن شریف و کلمہ طیبہ پڑھ کر ثواب پہنچانا اچھی بات ہے اور تیسرے دن کی خصوصیت بھی مصالح عرفیہ شرعیہ کی بنا پر ہے۔ اس میں بھی حرج نہیں۔ حدیث میں ہے:

صوم یوم السبت لا لك ولا علیك[1] (سنیچر کے روزہ میں نہ تیرے لیے کوئی مزید فائدہ، نہ کوئی نقصان۔ ت)

اور جو کچھ تقسیم کیا جائے محتاجوں کو دیا جائے کہ یہ بھی ثواب کی بات ہے، غنی لوگ اس میں سے نہ لیں۔ باقی جو بیہودہ باتیں لوگوں نے نکالی ہیں مثلاً اس میں شادی کے سے تکلفات کرنا، عمدہ عمدہ فرش بچھانا، یہ باتیں بیجا ہیں۔ اور اگر یہ سمجھتا ہے کہ ثواب تیسرے دن پہنچتا ہے یا اس دن زیادہ پہنچے گا اور روز کم، تو یہ عقیدہ بھی اس کا غلط ہے۔ اسی طرح چنوں کی کوئی ضرورت نہیں، نہ چنے بانٹنے کے سبب کوئی برائی پیدا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۶: از کرہ ڈگسائی ضلع شملہ بمعرفت کمال الدین مرچنٹ مرسلہ حبیب اللہ ۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لوگ جو کہتے ہیں کہ کھانے کے اوپر کلام الٰہی یعنی الحمد اور قل ھو اللہ پڑھنا منع ہے، اور پڑھنے سے طعام حرام ہوجاتا ہے۔ لہذا امیدوار ہُوں کہ کلام الٰہی سے کھانا کیوں حرام ہوگیا، اور کلام الٰہی کیا ایسا خراب ہے جس کے پڑھنے سے حلال چیز حرام ہوجائے؟

الجواب

فاتحہ بیشک جائز ہے، وہ مسلمان میت کو نفع پہنچنا ہے، اور فرض کے بعد کوئی چیز مولٰی تعالٰی کو اس سے زیادہ پسند نہیں کہ مسلمان کو نفع پہنچایا جائے۔

حدیث میں ہے:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ[2] جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو تو چاہیے کہ اسے نفع پہنچائے۔ (ت)

دُوسری حدیث میں ہے:

احب الاعمال الی المولٰی تعالٰی بعد الفرائض اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں فرائض کے بعد سب سے زیادہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث الصماء بنت بسر رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/ ۳۶۸
[2] صحیح مسلم باب استحباب الرقیۃ من العین نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۲۲۴

ادخال السرور فی قلب المسلم[1] پسندیدہ عمل یہ ہے کہ مسلمان کا دل خوش کرے (ت)

جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید پڑھنے سے کھانا حرام ہوجاتا ہے وہ کذاب ہیں، شرع مطہر پر افتراء کرتے ہیں، قرآن مجید میں ہے ایسے لوگ فلاح نہ پائیں گے ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ان پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

من افتی بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السماء و الارض[2] جو بغیر علم کے فتوٰی دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتوں کی لعنت ہو۔ (ت)

ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

ایاکم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم[3] ان سے دُور رہو اور ان کو اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۷: از الٰہ آباد مسئولہ محمود مستری صاحب ۱۳۳۲ھ

اپنے بزرگوں کے نام پر کھانا پکوا کر اس کو آگے رکھ کر پانی وغیرہ رکھ کر فاتحہ دینا جائز یا ناجائز؟ موافق حدیث شریف نیت گیارھویں شریف کر کے فاتحہ پیران پیر صاحب کی جائز ہے یا نہیں؟ کس کا طریقہ ہے؟ یا سنّت ہے؟ فقط

الجواب

اموات مسلمین کے نام پر کھانا پکا کر ایصالِ ثواب کے لیے تصدق کرنا بلاشبہہ جائز و مستحسن ہے اور اس پر فاتحہ سے ایصالِ ثواب دوسرا مستحسن ہے، اور دو چیزوں کا جمع کرنا زیادتِ خیر ہے۔ اور پانی سے بھی ایصالِ ثواب کرسکتے ہیں۔ بلکہ حدیث میں ہے: افضل الصدقۃ سقی الماء[4] سب سے بہتر صدقہ پانی پلانا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: جہاں پانی نہ ملتا ہو کسی کو پانی پلانا ایک جان کو زندہ کرنے کی مثل ہے اور جہاں پانی ملتا ہو وہاں

---

[1] مرقات المفاتیح عن ابن عباس بحوالہ الطبرانی کتاب الادب مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۷۵۳

مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی لاوسط باب فضل قضاء الحوائج دار الکتاب بیروت ۸/ ۱۹۳

الترغیب والترہیب کتاب البر والصلۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۹۴

[2] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

[3] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[4] الدر المنثور زیر آیۃ افیضوا علینا من الماء الخ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۳/ ۹۰

پلانا غلام کو آزاد کرنے کے مثل ہے اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (جیساکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ت) یُوں ہی گیارھویں شریف جائز ہے اور باعثِ برکات اور وسیلہ مجربہ قضاءِ حاجات ہے۔ اور خاص گیارھویں کی تاریخ کی تخصیص تخصیصِ عرفی اور مصلحت پر مبنی ہے جبکہ اُسے شرعاً واجب نہ جانے، کمابیناہ فی فتاوٰنا وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوم یوم السبت لا لک ولا علیک[1] (جیساکہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: شنبہ کا روزہ نہ تیرے لیے زیادہ نافع نہ تجھے مضر۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۸ تا ۱۹۵: از اودے پور میواڑ محلہ جھاوت دوڑی مرسلہ فتح محمد ورحیم بخش نعلبند ۱۴ رمضان ۱۳۳۸ھ

میرے آقا میرے ہادی، حضرت مولٰنا دام اقبالہ!

(۱) متوفی کے نام پر دونوں وقت مساکین کو کھانا کھلانے اور خرات کرنے سے مرحومہ کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

(۲) مرحومہ کے نام پر ایک پانی کا برتن پرندوں کے پانی پینے کے لیے رکھا ہے اور انھیں اناج بھی ڈالنا، اور مرحومہ کے نام پر کتّے کو بھی روٹی ڈالنا اس کا بھی ثواب پہنچے گا یا نہیں؟

(۳) بیس روپے کے ہدیہ میں تیس پارے علیحدہ علیحدہ منگا کر مرحومہ کے نام پر مسجد میں نمازیوں کے پڑھنے کے لیے رکھے ہیں، اور فقیر و مساکین کو جوڑا کپڑا بھی دیا جائے تو ان کا بھی مرحومہ کو ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟

(۴) مرحومہ کی قبر پر دونوں وقت پھُول چڑھانا اور اگربتی جلانا اور فاتحہ پڑھنا اس سے بھی ثواب ملے گا؟ اور میرے قبر پر جانے کا حال مرحومہ کو معلوم ہوتا ہے یا نہیں؟

(۵) اور میلاد شریف مرحومہ کے نام سے کرنا اس کا بھی ثواب ملے گا؟

(۶) ربیع الاوّل کے ماہ ختم ہونے کی پنجشنبہ چاندرات کی صبح کو انتقال ہُوا اور دو بجے دفن ہوئی اور بعد مغرب تک قرآن پڑھنے والے کو جمعہ کو سپرد کرنے کے لیے بٹھا رکھا، اور یہ جمعہ میں شریک ہوئے یا نہیں؟

(۷) مرحومہ کو شروع نو ماہ کا حمل تھا، خون جاری ہو کر انتقال ہوا اور کفن پر بھی خُون کا داغ تھا، گو میّت کو غسل دے دیا تھا مگر وقتِ دفن بھی خون کا داغ نظر آیا، اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

(۸) مرحومہ میرے خواب میں آئیں، ایک کُرسی پر بیٹھے ہُوئے چھوٹے چھوٹے بچّوں کو پڑھاتے ہوئے نظر آئیں، اور کسی روز خواب میں بنگلے باغیچے میں بیٹھے ہُوئے خوش و خُرّم دیکھنا اور مجھے صبر کے لیے کہنا اور مجھ سے

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث الصماء بنت بسر رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/ ۳۶۸
الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۵۱۳ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۲۳۰

اپنا حال ظاہر کرنا، یہ معاملہ کیا ہے؟ کوئی دن خواب میں نہیں ٹلتا۔

الجواب

اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنّت عطا فرمائے اور آپ کو صبرِ جمیل دے۔ لاحول شریف ۶۰ بار پڑھ کر ایک گھونٹ پانی پر دم کرکے پی لیا کیجئے۔ مساکین کو کھانا کھلانا اور نیک نیت سے خیرات کرنا جس میں نہ محتاج پر احسان رکھا جائے نہ اس کو تکلیف دی جائے۔ پرندوں کے لیے پانی رکھنا، دانہ ڈالنا حتی کہ کتّے کو روٹی دینا، مسکین کو کپڑا دینا، میلاد شریف پڑھوانا، یہ سب اجر و ثواب کی باتیں ہیں ان کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور وُہ اس سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسے دُنیا میں دوستوں کے ہدیے سے۔ ملائکہ ان ثوابوں کو نور کے طبق میں رکھ کر میّت کے پاس لے جاتے ہیں اور اُس سے کہتے ہیں کہ اے گہری گور والے! یہ ثواب تیرے فلاں عزیز یا دوست نے تجھے بھیجا ہے۔ قرآن مجید کے پارے پڑھنے کے لیے مسجد میں رکھنے کا صدقہ جاریہ ہے جب تک وُہ رہیں گے اور پڑھے جائیں گے اس رکھنے والے اور میّت کو ثواب پہنچے گا، اور کیسا ثواب پہنچے گا، ہر حرف پر دس نیکیاں۔ اور صحیح حدیث میں فرمایا:

"میں نہیں فرماتا الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف الگ حرف ہے، لام الگ حرف ہے، میم الگ حرف ہے۔"[1]

میّت کی قبر پر پھول چڑھانا مفید ہے، وُہ جب تک تر ہے رب العزّت کی تسبیح کرتا ہے اور میّت کا دل بہلتا ہے۔ اگر کی بتّی جلانا اگر تلاوتِ قرآن کے وقت تعظیمِ قرآن کے لیے ہو یا وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوں اُن کی ترویح کے لیے ہو تو مستحسن ہے، ورنہ فضول اور تضییعِ مال۔ میّت کو اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ قبرِ مسلم پر جو زیارت کے لیے جاتا ہے میّت اسے دیکھتا ہے اور اس کی بات سنتا ہے۔ اگر دنیا میں اسے پہچانتا تھا اب بھی پہچانتا ہے کہ میرا فلاں عزیز یا دوست میرے پاس آیا۔ اور اگر نہیں پہچانتا تھا تو اتنا جانتا ہے کہ ایک مسلمان آیا اور ثواب رسانی کرتا ہے۔ جمعہ کو سپرد کرنا کوئی چیز نہیں۔ نہ غیر جمعہ میں مرنے والے کو اُس سے جمعہ مل سکے۔ حمل میں انتقال شہادت ہے۔ صحیح حدیث میں فرمایا: المرأۃ تموت بجمع شہید۔[2] (عورت جو حمل کی وجہ سے مرے شہید ہے۔ ت) خواب بہت اچھا ہے ان شاء اللہ اُن کے لیے دلیلِ مغفرت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۹۶ تا ۱۹۸ از چمن سرائے سنبھل مرسلہ احمد خان صاحب ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی من قرأ حرفا من القرآن امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۱۵

[2] مؤطا امام مالک النہی عن البکاء علی المیت میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۱۶

(۱) عشرۂ محرم الحرام میں کھانے یا شیرینی یا مالیدہ یا شربت جس قدر میسر ہو رُو برو رکھ کر ہاتھ اٹھا کر الحمد شریف، قل ہو اللہ شریف، درود شریف پڑھ کر یہ کہنا کہ نذرِ اللہ و نذرِ رسول، میں اس کھانے اور جو کلام پڑھا ہے اُس کا ثواب بروحِ پاک جناب امامین و جمیع شہدائے دشتِ کربلا پہنچا نا بخشتا ہوں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کھانا یا جو کچھ فاتحہ کا ہے یہ حقِ محتاجین ہے یا غنی بھی کھا سکتے ہیں؟ اور شریعت میں شرائط اور صفاتِ محتاج کیا ہیں؟ اور جو شخص مسلمان ہو کر نذر و نیاز بزرگانِ دین کو حرام بتائے بلکہ یہ کہے کہ شربت سبیل جناب امام حسین علیہ السلام کا نعوذ باللہ مثل پیشاب ہے، ایسا کہنے والا مسلمان ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور سلام یا مصافحہ ایسے شخص سے کرے یا نہیں؟

(۲) تیجہ، دسواں، چہلم، ششماہی، برسی جائز ہے یا نہیں؟ اور رُوحیں ان ایام میں آتی ہیں یا نہیں؟ اور اپنے عزیزوں کا اُن کو علم ہوتا ہے یا نہیں؟ اور کھانا اُن کی فاتحہ کا کس کس کا حق ہے؟ اور اگر فاتحہ دلانے والا خود محتاج ہے تو فاتحہ دلا کر خود کھائے اور بچوں کو کھلائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور الفاظ ثواب رسانی کیا ادا کرے؟ اور اگر غنی فاتحہ دے اور ثواب پہنچائے بروحِ اموات، تو ثواب کھانے اور فاتحہ کا فوراً اس میت کو پہنچے گا یا ایک عبادت کا؟ اگر محتاجین کو کھانا فاتحہ نہ دے تو نیت پر ثواب پہنچا یا نہیں؟ اگر محتاج ایسے نہ ملیں جن پر شرائطِ محتاج ثابت ہوں تو پھر کھانا کسے دے اور کہاں صرف کرے؟ اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اور حضور کے صحابہ نے فاتحہ دی یا نہیں؟ اور تیجہ صحابہ میں ہوتا رہا یا نہیں؟

(۳) قبرِ اہل اللہ پر شامیانہ چڑھانا یا شیرینی نزدِ قبر رکھ کر ایصالِ ثواب کرنا یا چراغ نزدِ قبر جلانا یا عرس کرنا جائز ہے یا حرام ہے؟

الجواب

(۱) شیرینی وغیرہ پر حضرات شہدائے کرام کی نیاز دینا بیشک باعثِ اجر و برکات ہے اور عشرۂ محرم شریف اُس کے لیے زیادہ مناسب، اور جبکہ وُہ منّت مانی ہوئی نہ ہو تو اغنیاء کو بھی اس کا کھانا جائز ہے۔ وقتِ فاتحہ کھانا سامنے رکھنے کی ممانعت نہیں مگر اُسے ضروری جاننا یا یہ سمجھنا کہ بے اس کے فاتحہ نہیں ہوسکتی یا ثواب کم ملے گا' غلط و باطل خیال ہے۔ فاتحہ پڑھ کر جب ایصالِ ثواب کا وقت جس میں دُعا کی جاتی ہے کہ الٰہی! یہ ثواب فلاں کو پہنچا۔ اُس وقت ہاتھ اٹھانا چاہیے کہ یہ دُعا کی سنّت ہے۔ جس وقت تک قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہے ہاتھ اُٹھانے کی حاجت نہیں۔ ہاں سورۃ فاتحہ شریف خود دعا ہے، یوں ہی درود شریف۔ حدیث میں فرمایا: افضل الدعاء الحمد للہ[1] (سب سے افضل دعا الحمدللہ ہے۔ ت) اور قل ہو اللہ

---

[1] سنن ابن ماجہ باب فضل الحامدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷۸
المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء دار الفکر بیروت ۱/ ۵۰۳

شریف ذکر حمد الٰہی ہے، اور علماء فرماتے ہیں: کُل دعا ذکر اور کل ذکر دعا، تو وہ بھی دُعا ہے۔ اس نیت سے اُن کے پڑھنے وقت ابتداء ہی سے ہاتھ اُٹھائے تو ضرور بجا ہے اور اکابر کو ثواب رسانی میں بخشنے کا لفظ کہنا بیجا ہے بخشنا بڑے سے چھوٹے کے لیے ہوتا ہے، اور ایصالِ ثواب میں نذر اللہ نہ کہنا چاہیے۔ اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ ثواب اُسے نذر کیا جائے، ہاں نذرِ رسول اللہ کہنا صحیح ہے۔ معظمین کی سرکار میں جو ہدیہ حاضر کیا جاتا ہے اسے عرف میں نذر کہتے ہیں، جیسے بادشاہوں کو نذر دی جاتی ہے۔ اولیاء کی نذر کے بہت ثبوت ہمارے فتاوٰی افریقہ میں ہیں۔ اور تازہ ثبوت یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب انسان العین فی مشائخ الحرمین میں حالِ سید عبدالرحمٰن ادریسی قدس سرہٗ میں فرماتے ہیں:

از اطراف دیار اسلام نذور برائے وے می آوردند۔[1] مسلمان علاقوں سے ان کیلئے نذریں پیش کی جاتی ہیں (ت)

جو مالکِ نصاب نہ ہو شرعاً اُسے محتاج کہتے ہیں۔ جو نذر و نیاز کو حرام بتائے اور شربتِ نیاز کی نسبت وہ ناپاک ملعون لفظ کہے وہ نہ ہوگا مگر وہابی۔ اور وہابیہ اصلاً مسلمان نہیں اور ان کے پیچھے نماز باطل محض۔ اور اس سے مصافحہ حرام اور اسے سلام کرنا ناجائز و گناہ۔

(۲) تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ جائز ہیں جبکہ اللہ کے لیے کریں اور مساکین کو دیں۔ اپنے عزیزوں کا ارواح کو علم ہوتا ہے اور ان کا آنا نہ آنا کچھ ضرور نہیں۔ فاتحہ کا کھانا بہتر یہ ہے کہ مساکین کو دے، اور اگر خود محتاج ہے تو آپ کھالے اپنے بی بی بچوں کو کھلائے سب اجر ہے۔ حدیث میں ہے:

ما اطعمت ولدك فهولك صدقة وما اطعمت خادمك فهولك صدقة وما اطعمت نفسك فهولك صدقة۔[2] جو کچھ تو اپنی اولاد کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے، اور جو کچھ تو اپنے خادم کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے اور جو کچھ تو اپنے نفس کو کھلائے وہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے۔ (ت)

ثواب رسانی میں کہے کہ الٰہی! جو ثواب تُو نے مجھ کو عطا فرمایا وہ میری طرف سے فلاں شخص کو پہنچا دے غنی ہو یا فقیر ہو۔ اگر صرف فاتحہ دے گا تو اُسی کا ثواب پہنچے گا اور صرف کھانا دے گا تو اُسی کا، اور دونوں تو دونوں کا۔ اور ثواب پہنچانا صرف نیت ہی سے نہ ہو بلکہ اُس کی دُعا بھی ہو۔ یہ سوال کہ (اگر محتاج ایسے نہ ملیں جن پر شرائط محتاج شریعت ثابت ہوں) خلاف واقع ہے۔ وہ کون سی جگہ ہے جہاں محتاج نہیں۔

---

[1] انسان العین فی مشائخ الحرمین

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث المقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۳۱

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایصالِ ثواب کے لیے حکم بھی دیا، اور صحابہ نے ایصالِ ثواب کیا، اور آج تک کے مسلمانوں کا اس پر اجماع رہا۔ تخصیصات عرفیہ جبکہ لازم شرعی نہ سمجھی جائیں خدا نے مباح کی ہیں۔ حدیث میں ہے: صوم یوم السبت لا لك ولا علیك[1] (شنبہ کا روزہ نہ تیرے لیے زیادہ نافع نہ کچھ مضر۔ ت)

(۳) مزاراولیاء پر نفع رسانی زائرین حاضرین کے لیے شامیانہ کھڑا کرنا، یونہی ان کے نفع کو چراغ جلانا، اور عرس کہ منہیاتِ شرعیہ سے خالی ہو اور شیرینی پر ایصالِ ثواب، یہ سب جائز ہیں۔ اور نزد قبر رکھنے کی ضرورت نہیں، نہ اس میں جرم جبکہ لازم نہ جانے۔ چراغ کی تفصیل ہمارے رسالہ بریق المنار بشموع المزار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۹ از شہر علی گڑھ محلہ مدار دروازہ مسئولہ احمد سوداگر پارچہ بنارسی ۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

مُردہ کو جو پڑھ کر کلام مجید یا درود شریف یا کھانا مساکین کو کھلائیں یا کپڑا خیرات کریں تو اس کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں اور وہ کس صورت میں مُردہ کو پہنچتا ہے؟ اور مردہ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے فلاں شخص یا عزیز نے بھیجا ہے یا نہیں؟ معلوم ہوتا ہے اگر معلوم ہوتا ہے تو کس طریقہ سے؟ فقط

الجواب

مسلمان میت کو جو ثواب پہنچایا جائے اُسے پہنچتا ہے اور اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جیسے حیات میں تحفہ بھیجنے سے اسے معلوم ہوتا ہے کہ میرے فلاں عزیز یا دوست یا مسلمان نے بھیجا ہے۔ یہ سب مضامین احادیث میں وارد ہیں بینھا الامام الجلیل الجلال السیوطی فی شرح الصدور (ان کو امام جلیل جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں بیان فرمایا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۰ از شہر علی گڑھ محلہ مدار دروازہ مسئولہ احمد سوداگر پارچہ بنارسی ۴ ربیع الاوّل ۱۳۳۲ھ

زید تین مرتبہ یٰسین شریف اور ایک مرتبہ سورہ فاتحہ، تین مرتبہ سورۃ اخلاص اور ایک سو مرتبہ درود شریف اور اس کے علاوہ جو کچھ ہو سکتا ہے پڑھ کر بخشتا ہے اور دعا اس کے واسطے مغفرت کے کرتا ہے وہ اس کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور یہ دعا اور اس کا پڑھنا اس کی مغفرت کو کافی ہے یا نہیں؟ اگر کافی نہیں ہے تو موافق شرع شریف کے کوئی عمل یا دُعا تحریر فرمائیے تاکہ اس کے پڑھنے سے ہندہ کے مغفرت کو کافی ہو۔ فقط

الجواب

ثواب پہنچتا ہے اور مغفرت باختیارِ خدا ہے۔ قل ھو اللہ شریف گیارہ بار کر دے اور سورۂ ملک شامل

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث امراۃ رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/۳۶۸

کرے کہ وہ بالخصوص عذابِ قبر سے بچانے کو اکسیرِ اعظم ہے۔ اس کا نام واقعہ مانعہ منجیہ ہے، حفاظت کرنے والی، عذاب دفع کرنے والی، نجات دینے والی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۱ تا ۲۰۴ از شفاخانہ فرید پور، ڈاکخانہ خاص، اسٹیشن تھمبر پور ضلع بریلی مسئولہ عظیم اللہ کمپاؤنڈر ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

(۱) زید کو گیارھویں شریف کس طریقے سے کرنی چاہیے؟ آیا اس کو دل میں یہ نیت یا خیال کرنا چاہیے یا سمجھنا چاہیے کہ یہ کھانا اللہ تعالٰی کے لیے کرتا ہوں، اور جو کچھ ثواب مجھ کو ملے وہ ثواب گیارھویں والے میاں صاحب کو پہنچے، یا اس خیال اور نیت سے کرے کہ یہ کھانا میں گیارھویں شریف والے میاں صاحب کو کرتا ہوں، وہ مجھ سے خوش اور راضی ہوں گے اور اللہ تعالٰی سے دعا کریں گے یا مجھ کو اس کا بدلہ دیں گے۔ اس طریقہ سے جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) فاتحہ دینا کس طریقہ سے جائز ہے، کھانے کے اوپر سے دعا کریں گے جائز ہے یا نہیں؟ جس کھانے پر زید کو فاتحہ دینا ہے اس کو تناول کرنے کے بعد یعنی کھانا کھاچکنے کے بعد فاتحہ دینا جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) زید کے پاس ایک شخص تین جگہ بتاسے لایا کہ ایک پر اللہ رسول کے نام کی فاتحہ دے دو، دوسری جگہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری جگہ محلہ میاں صاحب کی بعد فاتحہ کے ان بتاسوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام کا شربت کرنا اور پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس طریقہ سے کرنا اور پینا چاہیے اور کیا نیت ہونا چاہیے؟

الجواب

(۱) یہ دو طریقے نہیں بلکہ ایک ہی طریقہ ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لیے ہونے کے یہ معنی نہیں کہ خود یہ کھانا حضور کے واسطے ہے، بلکہ قطعاً ثواب ہی مراد اور ان کی رضا جوئی اور ان سے حُسنِ جزا اور نیک دعا کی طلب، ان میں سے کوئی بات شرعاً ممنوع نہیں۔

(۲) کھانے پر فاتحہ جائز ہے، قبل کھانے کے بھی اور بعد بھی۔ اور قبل دینے میں ایصالِ ثواب میں تعجیل ہے اور تعجیلِ خیر خیر ہے۔

(۳) فاتحہ بمعنی ایصالِ ثواب ہے، اور اللہ عزوجل کے نام کی فاتحہ ہونا بے معنٰی ہے، وہ ثواب سے پاک و منزّہ ہے۔ باقی یہ تین متفرق فاتحہ ہونے نے بتاسوں کو کیوں ناجائز کردیا۔

(۴) نیتِ ایصالِ ثواب کی ہو اور ریا وغیرہ کو دخل نہ ہو۔ اُس کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں، شربت کریں اور عرض کریں کہ الٰہی! یہ شربت تردیحِ روحِ پاک حضرت امام کے لیے کیا ہے۔ اس کا ثواب انھیں پہنچا اور

ساتھ فاتحہ وغیرہ پڑھیں تو اور افضل، پھر مسلمانوں کو پلائیں اور من واذی سے بچیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۵ از سہسوان ضلع بدایوں مسئولہ سید پرورش علی صاحب یکم ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مقابر میں ایک شخص سورہ اخلاص وفاتحہ ومعوذتین وغیرہ پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر دُعا کرتا ہے، یا اللہ! ان آیات کا ثواب روحِ مقدس حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ، تابعین اور اولیائے اُمت اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس وقت تک جو مسلمان مرے ہیں اور جو یہاں مدفون ہیں سب کی ارواح کو پہنچے یا پہنچادے۔ اس کی اصلاح فرمائی جائے۔

الجواب

اس میں اتنا اور اضافہ کرنا انسب ہے کہ جتنے مسلمان مرد وعورت اب موجود ہیں اور جتنے قیامت تک آنے والے ہیں، اُن سب کی رُوح کو پہنچادے، اُسے تمام مومنین ومومنات اولین وآخرین سب کی گنتی کے برابر ثواب ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۶ از کانپور محلہ بوچڑخانہ مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن جبشانی طالبعلم مدرسہ فیض عام ۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

ما جوابکم ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی (اے علمائے کرام رحمکم اللہ تعالٰی! تمہارا کیا جواب ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ مُردہ کا نام لے کر فاتحہ بخش دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ہاں ــــ وقد حققناہ فی البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ فی المسلك المتقسط للملا علی القاری وعنه نقل فی ردالمحتار یقرأ ماتیسر له من الفاتحة والاخلاص سبعا او ثلثا ثم یقول اللّٰھم اوصل ثواب ماقرأناہ الی فلان اوالیھم[1] اھ ملخصا وفی الشامیة ایضا صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغیربان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیرہ

اور ہم نے اس کی تحقیق البارقۃ الشارقۃ علٰی مارقۃ المشارقۃ میں کی ہے۔ ملا علی قاری کی المسلک المتقسط میں ہے اور اس کے حوالے سے رد المحتار میں بھی نقل ہے کہ سورۃ فاتحہ اور سورہ اخلاص سات بار یا تین بار جس قدر میسر ہو پڑھے، پھر یہ کہے کہ اے اللہ! ہم نے جو پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا ان سب کو پہنچادے اھ ملخصاً۔ شامی ہی میں یہ بھی ہے کہ ہمارے علماء نے باب الحج عن الغیر میں صراحت فرمائی ہے

---

[1] المسلک المتقسط فی المنسک المتقسط مع ارشاد الساری فصل لیستحب زیارۃ اھل المصلی دار الکتاب العربیہ بیروت ص ۳۲۴

صلوٰۃ اوصوما اوصدقۃ اوغیرھا کذا فی الھدایۃ[1] الخ واﷲ تعالٰی اعلم

کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کے لیے کرسکتا ہے نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا کچھ اور۔ ایسا ہی ہدایہ میں ہے الخ ــــ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے (ت)

مسئلہ ۲۰۷ تا ۲۰۹: از رائے بریلی مدرسہ رحمانیہ مرسلہ حافظ نیاز حسین صاحب ۱۷ شعبان ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں :

(۱) بوقت ایصالِ ثواب فلان ابن فلان کہنے کی ضرورت ہوگی یا محض اس کا نام لینا کافی ہوگا ؟ اگر ولدیت کے اظہار کی ضرورت ہوگی اور اس سے لاعلمی ہے تو ایصالِ ثواب کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا ؟

(۲) بروزِ وفات جو کھانا اہلِ میّت کے یہاں بطریق بھاجی بھیجا جاتا ہے اس کو اہلِ میّت کے اعزاء قریب یا اعزاء پڑوسی خواہ مرد ہوں یا عورت جو بعض مصروفِ تجہیز و تکفین رہتے ہیں اور بعض اگرچہ اپنے یہاں کھانا پکا کر کھاسکتے ہیں مگر عرفاً معیوب سمجھ کر محض بخیال ہمدردی اہلِ میّت اس کے شریکِ حال رہتے ہیں اُس کھانے کو کھاسکتے ہیں یا نہیں ؟ بصورتِ عدمِ جواز کھانا مکروہ ہوگا یا حرام ؟

(۳) بروزِ سوم، دہم، چہلم، ششماہی وغیرہ جو کھانا بغرضِ ایصالِ ثواب پکا کر مساکین کو تقسیم کیا جاتا ہے اس میں بقدرِ ضرورت اضافہ کرکے علاوہ مساکین کے دیگر اعزّہ و احباب کو کھلایا اور اہلِ برادری میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ بصورتِ جواز کتبِ فقہ کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا : التقریب للسرور لا للحزن (تقریب خوشی کے لیے ہوتی ہے غمی کے لیے نہیں۔ ت) بصورتِ عدمِ جواز کھانا اُس کا مکروہ ہوگا یا حرام ؟

الجواب

(۱) ایصالِ ثواب بذریعہ دُعا ہے اور دُعا رب عزوجل سے۔ اور رب عزوجل بکل شیئ علیم ہے۔ وُہ جانتا ہے کہ فلاں سے اس کی مراد وہ شخص ہے ولدیت وغیرہ کی کوئی حاجت نہیں۔

(۲) پہلے دن صرف اتنا کھانا کہ میّت کے گھر والوں کو کافی ہے بھیجنا سنّت ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں، نہ دوسرے دن بھیجنے کی اجازت، نہ اوروں کے واسطے بھیجا جائے نہ اور اس میں کھائیں۔ و بیان ذٰلک فی فتاوٰنا (اور اس کا بیان ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت)

---

[1] ردالمحتار مطلب فی القراءۃ للمیت الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۵

(۳) ایصالِ ثواب سنّت ہے اور موت میں ضیافت ممنوع۔ فتح القدیر وغیرہ میں ہے:

یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ۔ روی الامام احمد وابن ماجۃ باسناد صحیح عن جریر بن عبداللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ۔[1]

اہلِ میّت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنی منع ہے کہ شرع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں۔ اور یہ بدعتِ شنیعہ ہے۔ امام احمد اور ابنِ ماجہ بسندِ صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں ہم گروہِ صحابہ اہلِ میّت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرنے کو مُردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے۔ (ت)

جب علماء نے اسے غیر مشروع و بدعتِ قبیحہ کہا تو اس کا کھانا بھی غیر مشروع و بدعت قبیحہ ہوا کہ معصیت پر اعانت ہے اور معصیت پر اعانت گناہ۔

قال اللہ تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۰: از حسب والہ ضلع بجنور تحصیل دھانپور مرسلہ منظور صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میّت کا تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں متعین کرکے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے ایک اشتہار دیں جو آپ کی جانب سے تھا اور مشتہر اُس کے لعل خاں تھے، دیکھا تھا کہ دسواں بیسواں متعین کرکے کرنا اور میلادِ مروّجہ بہتر نہیں۔ الفاظ اس کے بعینہٖ مجھے یاد نہیں۔

الجواب

اموات کو ایصال ثواب قطعاً مستحب۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ[3]۔

جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکے تو چاہیے کہ اسے نفع پہنچائے۔ (ت)

اور یہ تعینات عرفیہ ہیں، ان میں اصلاً حرج نہیں جبکہ انھیں شرعاً لازم نہ جانے۔ یہ نہ سمجھے کہ انھی دنوں ثواب

---

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۰۲
[2] القرآن ۵/۲
[3] صحیح مسلم باب استحباب الرقیۃ من العین الخ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۲۲۴

پہنچے گا آگے پیچھے نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صوم یوم السبت لالك ولا علیك[1] (روزِ شنبہ کا روزہ نہ تیرے لیے، نہ تیرے اوپر۔ ت)

میرے فتاوٰی ورسائل مجلس مبارک کے استحباب اور ان اشیاء کے جواز سے مالامال ہیں۔ حامیِ سنّت حاجی لعل خاں نے کوئی اشتہار اس مضمون کا نہ دیا، وہابیہ کا کوئی افترا آپ کی نظر پڑا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۱: از شہر بازار بانس منڈی معرفت عبدالحکیم طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص گیارھویں شریف کو منع کرے اُس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اور گیارھویں شریف کا کرنا سنّت ہے یا مستحب؟ اگر سنّت ہے تو زائد ہے یا مؤکد؟ اور سنت سے کون سی سنّت مراد ہوگا؟ آیا سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا سنّتِ صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین؟ اور جیسے گیارھویں شریف کو ہم لوگ گیارہ تاریخ میں ضروری سمجھتے ہیں، یہ سمجھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر گیارہ تاریخ کے بجائے بارہ یا تیرہ کو کرے تو ہوگی یا نہیں؟ اور ایسے ہی تیجے کو یا چہلم کو ایک دن یا دو دن آگے پیچھے کریں تو کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو جیسے ہم لوگ کرتے ہیں کہ تیسری کو تیجا اور گیارہ تاریخ کو گیارھویں اور چہلم کو چہلم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور بتاسے اور ریوڑی وغیرہ سامنے لانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور بجز لانے کے نیاز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور چند سُورہ جو مروجہ ہیں اُن کے علاوہ اور کوئی سورۂ شریف پڑھ کر فاتحہ و نیاز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا بالدلیل توجروا عند الجلیل باجر جزیل۔

الجواب

یہاں گیارھویں شریف کو منع کرنے والے نہیں مگر وہابی یا رافضی، اور دونوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔ گیارھویں شریف اپنے مرتبہ فردیت میں مستحب ہے اور مرتبۂ اطلاق میں کہ ایصالِ ثواب ہے سنّت ہے، اور سنّت سے مراد سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اور یہ سنّت قولیہ مستحبہ ہے۔ یہ "ہم لوگ" کہنا اپنی تہ میں وہابیت کا فریب رکھتا ہے۔ سُنّیوں میں کوئی اسے خاص گیارھویں تاریخ ہونا شرعًا واجب نہیں جانتا، اور جو جانے محض غلطی پر ہے۔ ایصالِ ثواب ہر دن ممکن ہے اور کسی خصوصیت کے سبب ایک تاریخ کا التزام جبکہ اُسے شرعًا واجب نہ جانے مضائقہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر پیر کو نفلی روزہ رکھتے کیا اتوار یا منگل کو رکھتے تو نہ ہوتا، یا اس سے یہ سمجھا گیا کہ معاذ اللہ حضور نے پیر کا روزہ واجب سمجھا؟ یہی حال تیجے اور چہلم کا ہے۔ روٹی کھاتے وقت روٹی کو سامنے لانے کی بھی ضرورت نہیں، پیٹھ کے پیچھے بھی رکھ کر کھاسکتے ہیں اور سر پہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث امرأۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا دار الفکر بیروت ۶/ ۳۶۸

رکھ کربھی توڑ سکتے ہیں مگر وہابیہ بھی التزاماً سامنے ہی رکھ کرکھاتے ہیں، کیا یہ شرعاً فرض واجب ہے؟ وہابیہ کے نزدیک جو واجب نہ ہو اس کے التزام سے شیطان کا حصّہ آجاتا ہے۔ تو ثابت ہُوا کہ وہابیہ شیطان کا حصّہ کھاتے ہیں، ایصالِ ثواب میں کوئی سورہ شرعاً معین نہیں، اور بلا اعتقادِ وجوب معین کرنے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۲ از پیلی بھیت محلہ پکریا متصل سٹی ڈاکخانہ مسئولہ ملا لطیف احمد سوداگر لکڑی ۲۷ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آٹا جو روزمرہ پکانے کو نکالا جاتا ہے اس میں سے ایک چٹکی نکال کر جمع کی جائے، جب تیس دن مہینے کے پُورے ہوجائیں اور گیارھویں شریف کا دن آئے تو اس آٹے جمع کئے ہُوئے پر گیارھویں شریف کی فاتحہ درست ہے یا نہیں؟ اور روزمرہ ایک چٹکی آٹا برائے فاتحہ گیارھویں شریف جائز ہے یا نہیں؟ اگر روزمرہ چٹکی نکالنا ناجائز ہے تو دوسرا طریقہ کون سا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ طریقہ بہت برکت کا باعث ہے اور اس میں آسانی رہتی ہے۔ روز کے آٹے میں سے ایک چٹکی نکالنا معلوم بھی نہیں ہوتا اور وہ مہینہ بھر بعد ایک مقدار معتدبہ ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۳ از موضع گھرکھالی تھانہ منگنڈوا بازار بانچوراتہ ضلع ارکان عرف اکیاب مسئولہ مولوی ابوالحسن صاحب ۲۸ جمادی الآخر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم صالح کا انتقال بروز جمعہ بوقتِ صبح ہوا۔ اب زید کے واسطے قبل نماز جمعہ تسبیح وتہلیل وختم قرآن مجید پڑھ کر ایصالِ ثواب جائز ہے یا نہیں؟ برتقدیرِ اول جب زید قبر کے عذاب سے محفوظ ہے پھر ایصالِ ثواب کی کیا ضرورت، بناءً علیہ بعض علماء ان امور مذکورہ کو ناجائز فرماتے ہیں، اب قولِ فیصل کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

جائز ہے، جبکہ میّت کی تجہیز وتکفین میں اس کے باعث تاخیر نہ ہو۔ اس کا اہتمام اور لوگ کرتے ہوں، نہ اس کے سبب ان پڑھنے والوں کو جمعہ میں تاخیر ہوجائے۔ اس کے اہتمام کا وقت آنے سے پہلے فارغ ہوجائیں۔ اب یہ نفع بلاضرر اور اس حدیث صحیح کے عموم میں داخل ہے کہ،

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلیفعل[1] رواہ مسلم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

جو اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو تو چاہئے کہ اسے فائدہ پہنچائے۔ اسے امام مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیۃ من العین الخ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۲۲۳

یہ خیال کہ جب وُہ بحکم حدیث اِن شاء اللہ العزیز فتنۂ قبر سے مامون ہے کہ اس مسلم کی موت روزِ جمعہ واقع ہُوئی خصوصاً وُہ خود ہی صالحین سے تھا تواب ایصالِ ثواب کی کیا حاجت، محض غلط اور بے معنی ہے۔ ایصالِ ثواب جس طرح منعِ عذاب یا رفعِ عقاب میں باذن اللہ تعالٰی کام دیتا ہے یونہی رفعِ درجات وزیادتِ حسنات میں اور حق سبحانہٗ وتعالٰی کے فضل اور اس کی زیادت وبرکت سے کوئی غنی نہیں۔

قال تعالٰی للذین احسنوا الحسنٰی و زیادۃ۔[1]

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: نکوکاروں کے لیے بھلائی ہے اور مزید بھی ہے (ت)

سیدنا ایوب علیہ الصلٰوۃ والسلام کو مولٰی جل وعلا نے اموالِ عظیمہ عطا فرمائے تھے۔ ایک روز نہارہے تھے کہ آسمان سے سونے کی ٹیڑیاں برسیں، ایوب علیہ الصلٰوۃ والسلام چادر میں بھرنے لگے، رب عزوجل نے ندا فرمائی۔ یاایوب الم اکن اغنیتك عما تری اے ایوب! جو تمھارے پیشِ نظر ہے کیا میں نے تمھیں اس سے بے پروا نہ کیا تھا؟ عرض کی، بلٰی وعزتك ولکن لا غنی لی عن برکتك[2] ضرور غنی کیا تھا تیری عزت کی قسم مگر مجھے تیری برکت سے تو بے نیازی نہیں رواہ البخاری واحمد والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے امام بخاری وامام احمد ونسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

جب حق جل وعلا کی دنیوی برکت سے بندہ کو غنا نہیں تو اس کی دینی برکت سے کون بے نیاز ہوسکتا ہے۔ صلحاء توصلحاء خود اعاظم اولیاء بلکہ حضرات انبیاء بلکہ خود حضور پُرنور نبی الانبیاء علیہ الصلٰوۃ والسلام کو ایصالِ ثواب زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اب تک معمول ہے حالانکہ انبیائے کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام قطعاً معصوم ہیں، تو موتِ جمعہ یا صلاح کیا مانع ہوسکتی ہے! ردالمحتار میں ہے:

ان ابن عمر کان یعتمر عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عمرا بعد موتہ من غیر وصیۃ وحج ابن الموفق (رحمہ اللہ تعالٰی وھو فی طبقۃ الجنید قدس سرہ) عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سبعین حجۃ وختم ابن السراج عنہ صلی اللہ تعالٰی

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصال کے بعد بغیر کسی وصیت کے ان کی طرف سے عمرے کیا کرتے تھے۔ ابن موفق رحمہ اللہ نے (جو حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کے طبقہ سے ہیں) حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے ستر حج کیے۔ ابن سراج نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی

---

[1] القرآن ۱۰/ ۲۶

[2] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ عزوجل وایوب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸۰
درمنثور بحوالہ احمد وبخاری وبیہقی آیہ وایوبہ اذ نادی ربہ مکتبہ آیۃ العظمٰی قم ایران ۴/ ۳۳۰

علیه وسلم اکثرمن عشرالاف ختمة وضحٰی عنه مثل ذلك (نقله عن الامام ابن حجر المکی عن الامام الاجل تقی الملة والدین السبکی رحمهما الله تعالٰی ثم قال اعنی الشامی) ورأیت نحو ذلك بخط مفتی الحنفیة الشهاب احمد بن الشلبی شیخ صاحب البحر نقلا عن شرح الطیبة للنویری (رحمهم الله تعالٰی ثم قال) وقول علمائنا له ان یجعل ثواب عمله لغیرہ یدخل فیه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فانه احق بذلك حیث انقذنا من الضلالة ففی ذلك نوع شکر واسداء جمیل له والکامل قابل لزیادة الکمال[1] ملخصا۔ والله تعالٰی اعلم۔

طرف سے دس ہزار ختم سے زیادہ پڑھے، اور اسی کے مثل سرکار کی جانب سے قربانی بھی کی۔ اسے امام ابن حجر مکی نے، انھوں نے امام اجل تقی الملۃ والدین سبکی سے نقل کیا رحمہما اللہ تعالٰی۔ آگے علامہ شامی نے لکھا: اسی جیسا مضمون مفتی حنفیہ شہاب الدین احمد الشلبی شیخ صاحب بحر کی قلمی تحریر میں نویری کی شرح طیبہ کے حوالے سے دیکھا رحمہم اللہ۔ آگے علامہ شامی نے فرمایا: اور ہمارے علماء کا یہ قول کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کے لیے کرسکتا ہے اس میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی داخل ہیں اس لیے کہ وہ اس کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ حضور ہی نے ہمیں گمراہی سے نکالا، تو اس میں ایک طرح کی شکر گزاری اور حُسنِ سلوک ہے اور صاحبِ کمال مزید کمال کے قابل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۴: از موضع سرنیا ضلع بریلی تحصیل بریلی مسئولہ عبدالکریم صاحب ۶۰ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ کفن میں تہبند و رومال، سرمہ، کنگھی وغیرہ کرنا جائز نہیں بلکہ ہو تو بہتر ہے۔ اور ہر روز خوراک پر میّت کے فاتحہ دلانا اور ہر جمعرات کو چند مسکین کو دعوت کرکے کھلانا اور چالیس یوم تک ہر روز فاتحہ دلانا اور جمعرات کو فقیروں کو کھلانا اور چالیسویں یوم کو گھڑے یا مٹکے میں پانی بھر کر اُس پر چادر رکھتے ہیں، کچھ پکا کر فاتحہ دیتے ہیں اور اس کو رُوح نکالنا مکان سے قرار دیتے ہیں اور جرلیس یعنی چاول میں شکر ڈال کر تقسیم کرتے ہیں، اور حلوہ روٹی بہ جرلیس برادری میں تقسیم کیا جاتا ہے اور شب برات وعرفہ تک اس میّت کی فاتحہ علیحدہ ہوتی ہے۔ بعد عرفہ شب برات کے یعنی شب برات کو شامل ہوتی ہے اور برادری کو دعوت فاتحہ میّت میں شامل نہ کریں تو بہت بُرا مانتے ہیں۔ یہ رسمیں جو ناجائز ہوں وہ علیحدہ تحریر فرمائی جائیں۔

الجواب

مرد کے لیے کفن کے تین کپڑے سُنّت ہیں اور عورت کے لیے پانچ۔ ان کے سوا کفنی میں کوئی اور تہبند یا رومال

[1] ردالمحتار مطلب فی القرأۃ للمیت الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۵ و ۶۰۶

دینا بدعت و ممنوع ہے۔ سُرمہ، کنگھی اگر فقیر کو بطور صدقہ دیں تو حرج نہیں، اور کفن میں رکھنا حرام ہے۔ ہر روز ایک خوراک پر میّت کی فاتحہ دلا کر مسکین کو دینا اور ہر پنجشنبہ کی رات چند مساکین کو کھلانا، چالیس روز تک ایسا ہی کرنا اور ہو سکے تو سال بھر تک یا ہمیشہ کرنا یہ سب باتیں بہتر ہیں اور اُس طرح رُوح نکالنا محض جہالت و حماقت و بدعت ہے۔ ہاں فاتحہ دلانا اچھا ہے۔ شکر، چاول مساکین کو تقسیم کرنا خُوب ہے مگر برادری میں موت کے لیے نہ بانٹا جائے۔ بعرفہ تک یا بعد تک اگر الگ ہمیشہ فاتحہ دیں تو حرج نہیں، شامل رکھیں تو حرج نہیں۔ یہ سمجھنا کہ عرفہ تک الگ کا حکم ہے پھر شامل کا' یہ غلط و جہالت ہے۔ میّت کی دعوت برادری کے لیے منع ہے' ان کا بُرا ماننا حماقت ہے۔ ہاں برادری میں جو فقیر ہو اسے دینا اور فقیر کے دینے سے افضل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۱۵ ۲۱۶ ازمراد آباد مدرسہ اہلسنت بازار دیوان مرسلہ مولوی عبدالودود صاحب قادری برکاتی بنگالی طالب علم مدرسہ مذکور ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

(۱) گھر میں بیٹھ کر فاتحہ پڑھ کر ثواب رسانی کرنے سے زیادہ ثواب ہے یا قبرستان پر، اور فاتحہ پڑھنے کے وقت قبر پر پانی ڈالنا۔

(۲) اکثر مساجدِ بنگال میں دستور ہے کہ محلہ والے جمعہ کے دن چاول روٹی کھانے کی چیزیں پکا کر فاتحہ کے واسطے اور نمازیوں کو تقسیم کرنے کے لیے مسجدوں میں بھیجا کرتے ہیں۔ ان اشیاء موصوفہ کو کھانا نمازیوں کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اور ان چیزوں کو مسجد کے اندر تقسیم کرنا چاہیے یا باہر؟ یا بالکل ممانعت کر دی جائے اور کہہ دیا جائے کہ مسجدوں میں نہ بھیجا کرو۔

الجواب

(۱) قبرستان میں جا کے پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے کہ زیارتِ قبور بھی سنّت ہے اور وہاں پڑھنے میں اموات کا دل بھی بہلتا ہے، اور جہاں قرآن مجید پڑھا جائے رحمتِ الٰہی اترتی ہے۔ قبر اگر پختہ ہے اس پر پانی ڈالنا فضول و بے معنی ہے، یونہی اگر کچی ہے اور اس کی مٹی جمی ہوتی ہے۔ ہاں اگر کچی ہے اور مٹی منتشر ہے تو اس کے جم جانے کو پانی ڈالنے میں حرج نہیں، جیسا کہ ابتدائے دفن میں خود سنّت ہے۔

(۲) بھیجنا جائز ہے، اور جبکہ بھیجنے والے عام نمازیوں کے لیے بھیجیں تو اغنیاء کو ناجائز ہے۔ اور مسجد کے اندر کسی چیز کے کھانے کی غیر معتکف کو اجازت نہیں بلکہ مسجد سے باہر کھائیں، اسی کی تاکید کی جائے اور بھیجنے سے ممانعت نہ کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

39
39

مسئلہ ۲۱۷ تا ۲۱۸ از باگ ضلع الجہرہ ریاست گوالیار مکان منشی اوصاف علی صاحب مرسلہ اشرف علی صاحب پنشنر ریاست کوٹہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

(۱) کھانا و پانی سامنے رکھ کر اور اس پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ دینا یہ طریقہ سنت سے ہے یا کیا؟

(۲) جو کھانا بہ نیت خاص برائے ایصال ثواب خواہ بزرگانِ دین سے ہوں یا عام مسلمان، پکوایا جائے تو اس کھانے کو اغنیا کھا سکتے ہیں؟

الجواب

(۱) کھانا پانی سامنے رکھ کر فاتحہ دینا جائز ہے۔

(۲) اغنیا بھی کھا سکتے ہیں سوا اس کھانے کے جو موت میں بطور دعوت کیا جائے وہ ممنوع و بدعت ہے۔ اور عوام مسلمین کی فاتحہ چہلم، برسی، ششماہی کا کھانا بھی اغنیاء کو مناسب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۱۹ تا ۲۲۲ از شہر کوٹہ راجپوتانہ، محلہ لارڈ پورہ معرفت گانس بہرو مسئولہ الٰہی بخش صاحب ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

(۱) حضرت مولانا صاحب! واقعات کو لغور ملاحظہ فرمائیں، مسجد کے پیش امام کو محلہ میں ایک جگہ پر فاتحہ و ایصال ثواب کو بلالے گئے، چند عورتیں تھیں، گھر کا دروازہ بند کر کے کہا بیوی صاحبہ کی فاتحہ پڑھ دو۔ ملاں جی نے کہا کہ پردہ کر کے یا کپڑے سے بند کر کے دلانا۔ یہ عورتوں کا مسئلہ ہے شریعت میں ایسا نہیں ہے، خیر کپڑا ڈال دو مگر کھانا تو سامنے رکھو۔ خیر بند کر کے بھی کھانا سامنے نہیں رکھا گیا۔ تھوڑا سا دروازہ کھولا گیا، پردہ کر دیا گیا، ملاں جی نے فاتحہ پڑھ دی۔ عورتیں کہنے لگیں یہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تھی اب بیوی کی پڑھو اور اسی طرح سے علٰی کی پڑھ دینا۔ ملاں جی ناراض ہو کر بولے کہ تم خلافِ قاعدہ اور خلاف اصولِ شرع فاتحہ دلاتی ہو اس طرح سے میں نہیں دے سکتا میرے عقیدے میں خلل ہوتا ہے میں اپنا اسلام نہیں بیچ سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر مکان پر چلے آئے۔ بعد میں ایک عورت نے ملاں جی کو بہت سخت وسست کہا اور لعن طعن کی۔ انھوں نے صبر کیا۔ دلی مطلب ملاں جی کا یہ تھا کہ سلف سے جو طریقہ فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب کا چلا آتا ہے اور تمام بزرگانِ دین ایصالِ ثواب کرتے چلے آئے ہیں وہ بات ہونا چاہئے نئے نئے طریقے کیوں نکالتی ہو؟ جس پر اس عورت کے بعض عزیز بھی ملاں جی پر ناراض ہوئے، یہ واقعات ہیں۔

(۲) یہ عورتیں حضرت بی بی فاطمہ خاتونِ جنت کی فاتحہ پردہ ڈال کر یا کپڑا ڈال کر امہات المومنین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور جملہ پیغمبروں کی بیویوں سے علیحدہ دلاتی ہیں اور چند قیدیں لگاتی ہیں کہ سوائے شوہر والی کے بیوہ یا عقد ثانی والی یا مرد یہ کھانا نہ کھائیں۔ آیا اس کا ثبوت کہیں شریعت سے بھی ہے یا کیا؟ جیسا ہو ولیسا بحوالہ کتاب تحریر فرمائیں۔

(۳) حضور کی نیاز یا صحابہ کی نیاز بھی پردہ کرکے یا کپڑا ڈال کر دلانے کا کہیں حکم ہے یا ویسے ہی لغو ہے؟ اور جو لوگ امام مسجد یا کوئی دوسرا شخص کسی کے کہنے سے اس کام کو نہ کرے تو کیا وہ مستحقِ لعن ہے؟ جیسا ہو ویسا حوالۂ کتاب تحریر فرمائیں۔

(۴) یہاں پر اکثر شبِ برات یا عیدبقرہ یا عیدالفطر یا شادی بیاہ دیگر خوشی کے وقت دُودھ روٹی یا تھوڑا تھوڑا کھانا الگ الگ رکھ کر فاتحہ دلاتی ہیں اور کہتی ہیں اس پر میرے دادا کی یا باپ کی یا فلاں کی دے دو۔ شرع شریف میں یہ بات جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

(۱) فاتحہ وایصالِ ثواب کے لیے کھانے کا پیشِ نظر ہونا کچھ ضرور نہیں، یہ اس پیش امام کی غلطی تھی، اور حضرت خاتونِ جنت کی نیاز کا کھانا پردے میں رکھنا اور مردوں کو نہ کھانے دینا یہ عورتوں کی جہالتیں ہیں انھیں اس سے باز رکھا جائے۔ پیش امام اور عورتیں دونوں اپنی اپنی غلطی سے توبہ کریں اور جس عورت نے پیش امام کو سخت وسست کہا وہ اس سے معافی مانگے۔

(۲) یہ محض بے ثبوت اور نری اختراعی باتیں ہیں، مردوں پر لازم ہے کہ ان غلط خیالوں کو مٹائیں۔

(۳) کسی نیاز پر پردہ ڈالنے کا کہیں حکم نہیں اور جو امام ایسا نہ کرے اس نے اچھا کیا۔ اس وجہ سے اس پر لعن سخت حرام ہے، ایسی لعنت خود لعنت کرنے والے پر پلٹتی ہے۔

(۴) ایک جگہ سب کی فاتحہ دلائیں تو جائز، اور جدا جدا دلائیں تو جائز، جیسے حیاتِ دنیا میں، لاجناح علیکم ان تأکلوا جمیعا او اشتاتا[1] (تم پر حرج نہیں کہ مل کر کھاؤ یا جدا جدا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۳: از رامپور پور گول بازار ممالک متوسط مرسلہ محمد سلیم خاں کتب فروش ۲ جمادی الاخری ۱۳۳۰ھ

ایک شخص ہے وُہ کہتا ہے کہ فاتحہ میں ثواب رسانی کے سلسلہ میں ایسا لفظ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ارواح متبرکہ کو اس کا ثواب پہنچے۔ ایسا لفظ حضرت کی شان میں ارواح کا لفظ لانا بے ادبی میں داخل ہے۔ ارواح کا لفظ مت شامل کرو۔ ایسا مت کہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ارواح کو ثواب پہنچے، آپ حیات النبی ہیں، فقط۔

الجواب

رُوح زندہ کے لیے بھی ہے بلکہ رُوح ہی سے زندگی ہے اور درود شریف کے صیغوں میں ہے:

---

[1] القرآن ۲۴/۶۱

اللھم صل علی روح سیدنا محمد فی الارواح تواصل میں اس لفظ کے کہنے میں کوئی حرج نہیں، مگرجہاں عوام اس سے یہ معنی سمجھتے ہوں جیسے اس نیک نیت پاکیزہ خیال نے سمجھے توضرور اس کہنے سے ان کو روکا جائے یا یہ وہم اُن کے دلوں سے نکال دیا جائے کہ ارواح کا اطلاق اموات ہی کے حق میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حقیقۃً ایسے ہی زندہ ہیں جیسے رونق افروزیِ دُنیا کے زمانہ میں تھے۔ اُن کی موت ایک آن کے لیے تصدیق وعدۂ الٰہیہ کل نفس ذائقۃ الموت[1] (ہر جاندار نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے) کے واسطے ہوتی ہے، پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ بحیات حقیقی جسمانی دنیاوی زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، مجالس خیر میں تشریف لے جاتے ہیں۔ کھانا پینا سب کچھ دُنیا کی طرح بے کسی آلائش کے جاری ہیں کما نطقت بہ الاحادیث والائمۃ القدیم والحدیث (جیسا کہ اس بارے میں احادیث اور زمانۂ قدیم وجدید کے ائمہ کے ارشادات موجود ہیں۔ت) واللہ سبحٰنہٗ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۴: ازبھیرہ ضلع شاہ پور، ملک پنجاب، ملتانی دروازہ، مسئولہ فضل حق صاحب چشتی، ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب سلطان العلماء، المتبحرین، برہان الفضلاء المتصدرین، کنزالہدایہ والیقین، شیخ الاسلام والمسلمین مولٰنا المفتی العلامۃ الشاہ محمد احمد رضا خاں صاحب مدظلہ العالی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گیارھویں شریف کس چیز پر دینی افضل ہے، چاول یا حلوہ وغیرہ، اور کن لوگوں میں بانٹنی چاہیے؟ آپ بھی تبرک چکھنا چاہیے یا نہیں؟ اور کسی پیر صاحب یا سید صاحب کو اس میں سے حصہ دینا چاہیے یا نہیں؟ ایک مسجد میں چند ایک اصحاب مل کر گیارھویں پکاتے ہیں تو کیا وہ گیارھویں شریف پکی ہوئی، مسجد کے نمازیوں میں بانٹنی چاہیے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

نیاز کا ایسے کھانے پر ہونا بہتر ہے جس کا کوئی حصہ پھینکا نہ جائے، جیسے زردہ یا حلوا یا خشکہ، یا وہ پلاؤ جس میں سے ہڈیاں علیحدہ کرلی گئی ہوں، بانٹنے کا اختیار ہے، جس سُنّی مسلمان کو چاہے دے اگرچہ غنی ہو اگرچہ سید ہو، اور خود بھی تبرکاً کھائے تو حرج نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاوٰی میں لکھا ہے، نیاز کا کھانا تبرک ہوجاتا ہے۔ ہاں اگر شرعی منت مانی ہو تو اس میں سے نہ خود کھا سکتا ہے نہ کسی غنی یا سید کو دے سکتا ہے، وہ غیر ہاشمی فقرائے مسلمین کا حق ہے۔ اور بدمذہبوں خصوصاً وہابیوں رافضیوں کو دینا جائز نہیں۔ چندے والے جس نیت سے پکائیں اُس میں صرف کریں۔ اگر خاص نمازیوں کے لیے پکائی ہے تو صرف انھیں کو دیں، اور سب کے لیے تو سب کو۔ ہاں کافر کو دینا جائز نہیں جیسے بھنگی، چمار، وہابی، رافضی، قادیانی۔ ہاں جس کی بدمذہبی حدِ کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیلیہ اسے دینے میں حرج نہیں۔ اور سُنّی کو دینا افضل۔ حدیث میں ہے:

---

[1] القرآن ۳/ ۱۸۵

لایاکل طعامك الاتقی[1] رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی وابن حبان والحاکم باسانید صحیحۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم

تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار۔ اسے امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح سندوں سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۵: ازشہر محلہ گلاب نگر ۱۹ رجب ۱۳۲۷ھ

تبارک جو کیا جاتا ہے اس کی اصل کیا ہے؟ اور کس شیئ پر ادا کیا جانا افضل ہے؟ جس شیئ پر پڑھا جائے وُہ شیئ اگر کھانے کی ہے تو کس کو کھلانا بہتر زیادہ ہے؟ اس کا جو رواج ہے اُس سے جناب خوب واقف ہیں اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

تبارک کی اصل ایصالِ ثواب ہے جس کا حکم احادیثِ کثیرہ میں ہے اور خاص سورۃ تبارك الذی شریف کی تخصیص اس لیے کی صحیح حدیثوں میں اسے عذابِ قبر سے بچانے والی، نجات دینے والی فرمایا۔ جس شے پر کرتے ہیں محتاج کی حاجت روائی زیادہ ہو اس میں زیادہ ثواب ہے۔ ایامِ قحط میں کھانے پر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ فقیر کے یہاں کھانے پر ہوتی ہے۔ کپڑے کے جوڑوں کبھی روپوں پر موافق حالت برادران مساکین مسلمین کے جو مناسب سمجھا گیا کیا جاتا ہے، کھانا ہو یا کپڑے یا دام دُنیا سب سے پہلے اپنے عزیزوں، قریبوں کا حق ہے جو حاجتمند ہوں، پھر ہمسایوں، پھر یتیم، بیوہ، مسکین مسلمانانِ اہل شہر کا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۶ تا ۲۲۸: از اجمیر شریف کارخانہ کرتیاں علاقہ نمبر ۳ لوہارخانہ مرسلہ جمال محمد ۴ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

(۱) مُردہ کے ساتھ کھانا لے جانا حلال ہے یا حرام؟

(۲) گلاب قبر میں چھڑکنا جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) اور قبر سے چالیس قدم جاکر دُعا مانگنا۔

الجواب

(۱) مُردہ کی طرف سے تصدق کرنا چاہیے اور ساتھ لے جانا فضول ہے۔ اور علامہ طحطاوی نے اُسے بدعت لکھا ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

(۲) قبر میں گلاب وقت دفن کے چھڑکنے میں حرج نہیں اور اُوپر چھڑکنا فضول اور مال کا ضائع کرنا۔ وھو تعالٰی اعلم

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند ابوسعید الخدری دارالفکر بیروت ۳/ ۳۸

(۳) دعا مانگنا ہر وقت جائز اور چالیس قدم کی خصوصیت بلا وجہ۔ وھو تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۲۹: از کرتپور ضلع بجنور مرسلہ طفیل احمد صاحب بچڑابونی ۲۷ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں جو طعام بہ نیتِ ایصالِ ثواب بروحِ مُردگان تقسیم کیا جاتا ہے اس کو اغنیاء بھی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ عام امواتِ مومنین کے لیے جو کھانا وغیرہ دیا جاتا ہے اُس میں اور اس طعام میں جو انبیاءِ عظام اور اولیاءِ کرام کے ارواح کے لیے ہدیہ کیا جاتا کچھ ذاتی فرق ہے یا نہیں؟ برکت و عدمِ برکت کے اعتبار سے، دونوں حالتوں میں مصرف ایک ہوگا یعنی صرف فقراء کو دینا یا اغنیاء کے لیے بھی کھانا جائز ہوگا۔ فقط بیّنوا توجروا

الجواب

طعام تین قسم ہے: ایک وُہ کہ عوام ایامِ موت میں بطورِ دعوت کرتے ہیں یہ ناجائز و ممنوع ہے۔

لان الدعوۃ انما شرعت فی السرور لا فی الشرور[1] کما فی فتح القدیر وغیرہ من کتب الصدور۔

اس لیے کہ دعوت کو شریعت نے خوشی میں رکھا ہے غمی میں نہیں۔ جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ کتبِ اکابر میں ہے۔ (ت)

اغنیاء کو اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسرے وہ طعام کہ اپنے اموات کو ایصالِ ثواب کے لیے بہ نیتِ تصدق کیا جاتا ہے فقراء اس کے لیے احق ہیں، اغنیاء کو نہ چاہیے۔

تیسرے وُہ طعام کہ نذورِ ارواحِ طیبہ حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کیا جاتا ہے اور فقراء و اغنیاء سب کو بطورِ تبرک دیا جاتا ہے یہ سب کو بلاتکلف روا ہے، اور وہ ضرور باعثِ برکت ہے۔ برکت والوں کی طرف جو چیز نسبت کی جاتی ہے اس میں برکت آجاتی ہے، مسلمان اس کھانے کی تعظیم کرتے ہیں اور وُہ اس میں مصیب ہیں۔ ائمہ دین نے بسندِ صحیح روایت فرمایا کہ ایک مجلس سماع صوفیاءِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں نذرِ حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بدرۂ زر رکھا ہُوا تھا، حالتِ وجد میں ایک صاحب کا پاؤں اُس سے لگ گیا فوراً رب العزت جل وعلا نے ان کا حالِ ولایت سلب فرمالیا نسأل اللہ العفو و العافیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲
مراقی الفلاح علی ہامش حاشیۃ الطحطاوی فصل فی حملہا و دفنہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۹

مسئلہ ۲۳۰ از شہر محلہ ذخیرہ مسئولہ منشی شوکت علی صاحب محرر چنگی ۱۷ جمادی الآخر

کیا حکم ہے علمائے اہلسنّت والجماعت کا اس مسئلہ میں کہ چنوں پر جو سوم کی فاتحہ کے قبل کلمہ طیبہ پڑھا جاتا ہے اس کے کھانے کو بعض شخص مکروہ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قلب سیاہ ہوتا ہے۔ آیا یہ صحیح ہے تو ان کو کیا کرنا چاہئے؟ اسی طرح فاتحہ کے کھانے کو جو عام لوگوں کی ہوتی ہے کہتے ہیں ایک موضع میں ان سوم کے پڑھے ہوئے چنوں کو مسلمان اپنا اپنا حصہ لے کر مشرک چماروں کو دے دیتے ہیں، وہاں یہی رواج ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ لہٰذا ان کلمہ طیبہ کے پڑھے ہوئے چنوں کو مشرک چماروں کو دینا چاہئے یا نہیں؟ کیا یہ گناہ ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ چیزیں غنی نہ لے فقیر لے۔ اور وہ جو ان کا منتظر رہتا ہے ان کے نہ ملنے سے ناخوش ہوتا ہے اس کا قلب سیاہ ہوتا ہے مشرک یا چمار کو اس کا دینا گناہ، گناہ۔ فقیر لے کر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں، اور لے لئے ہوں تو مسلمان فقیر کو دے دے۔ یہ حکم عام فاتحہ کا ہے، نیاز اولیائے کرام طعامِ موت نہیں وہ تبرک ہے فقیر و غنی سب لیں۔ جبکہ مانی ہوئی نذر بطور نذرِ شرعی نہ ہو، شرعی پھر غیر فقیر کو جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۱ از قصبہ رچھا روڈ ضلع بریلی مسئولہ حکیم محمد احسن ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سوم کے چنوں کا کھانا علاوہ چھوٹوں کے بڑوں کو بھی جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ چنے فقراء ہی کھائیں، غنی کو نہ چاہئے بچہ ہو یا بڑا۔ غنی بچوں کو ان کے والدین منع کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۲ از بلگرام ضلع ہردوئی محلہ میدان پورہ مرسلہ سید محمد تقی صاحب قادری ابوالحسینی ۲۶ صفر ۱۳۳۷ھ

اگر مردہ کو اس کا خویش و اقارب خواب میں دیکھے تنہا یا اس کو کسی قسم کی چیز طلب کرتے ہوئے دیکھے تو ایسی حالت میں مُردہ کا فاتحہ کھانے پر دلانا جائز ہے یا نہیں؟ یا وہ چیز جو اس نے خواب میں طلب کی ہے وہ اُس کے نام پر فاتحہ دلا کر خیرات کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور فاتحہ کے وقت ہمراہ کھانے کے پانی کا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

بہتر ہے کہ جو چیز طلب کی محتاج کو اس کی طرف سے دی جائے اور کھانے پر فاتحہ اس کے سبب سے منع نہ ہوگی وہ بھی اور پانی رکھنے میں حرج نہیں۔ محتاج کو وہ کھانا کھلائیں اور پانی پلائیں سب کا ثواب پہنچے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۳۳: امانت علی شاہ قصبہ نواب گنج ضلع بریلی ۱۷ رمضان ۱۳۲۱ھ

مٹی کے چراغ میں گھی ڈال کر جلانا چاہیے یا نہیں؟ آٹے کے چراغ میں گھی ڈال کر جلا کر کھانا یا ملیدہ کے اُوپر رکھ کر فاتحہ دینا چاہیے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

بلاضرورت گھی جلانا اسراف ہے اور اسراف حرام ہے۔ اور فاتحہ وقرآن خوانی اور درود خوانی کے لئے اگر چراغ کے قرب کی حاجت ہو اور اس خیال سے کہ تیل میں کبھی بدبُو آتی ہے گھی سے چراغ روشن کرے اور اس لحاظ سے کہ استعمالی چراغ صاف نہیں ہوتا اور کورے میں جلائیں تو گھی پیئے گا اور بیکار جائے گا لہذا آٹے کا چراغ بنائیں کہ آٹا پیئے بھی تو اس کی روٹی پک سکتی ہے، تو اس میں حرج نہیں۔ مگر یہ عادت کرلینی کہ بلاضرورت بھی فاتحہ کے لیے گھی جلائیں وہی اسراف وحرام ہے، اور وُہ صورتِ جواز جو ہم نے لکھی اُس میں بھی وُہ چراغ کھانے کے اُوپر نہ رکھا جائے بلکہ کھانے سے الگ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۳۴: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سررشتہ دار بتاریخ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فاتحہ وغیرہ میں اکثر لوگ گھی کے چراغ، کپڑے، جُوتی وغیرہ رکھتے ہیں، یہ اشیاء رکھنا کیسا ہے؟ فقط

الجواب

کپڑا، جُوتے یا جو چیز مسکین کو نفع دینے والی مسکین کو دینے کی نیت سے رکھیں کوئی حرج نہیں ثواب ہے، مگر فاتحہ کے وقت گھی کا چراغ جلانا فضول ہے، اور بعض اوقات داخلِ اسراف ہوگا، اس سے احتراز چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۳۵: مرزا باقی بیگ رام پوری ۱۶ محرم ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس فعلِ نیک کا ثواب چند اموات کو بخشا جائے وہ اُن پر تقسیم ہوگا یا سب کو اس پُورے فعل کا ثواب ملے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اللہ عزوجل کے کرمِ عمیم وفضلِ عظیم سے اُمید ہے کہ سب کو پُورا پُورا ثواب ملے، اگرچہ ایک آیت یا درود یا تہلیل کا ثواب آدم علیہ السلام سے قیامت تک کے تمام مومنین ومومنات احیا واموات کے لیے ہدیہ کرے۔ علمائے اہلسنت سے ایک جماعت نے اسی پر فتویٰ دیا۔ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں

وسعتِ فضلِ الٰہی کے لائق یہی ہے۔ علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

سئل ابن حجر المکی عما لوقرأ لاھل المقبرۃ الفاتحۃ ھل یقسم الثواب بینھم او یصل لکل منھم مثل ثواب ذلك کاملا فاجاب بانہ افتی جمع بالثانی وھو اللائق بسعۃ الفضل[1] اھ۔

حضرت ابن حجر مکی سے سوال ہُوا اگر اہل مقبرہ کے لیے فاتحہ پڑھا تو ثواب ان کے درمیان تقسیم ہوگا یا ہر ایک کو اس کا پُورا ثواب ملے گا؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ایک جماعت نے دوسری صورت پر فتوٰی دیا ہے اور وہی فضلِ ربانی کی وسعت کے شایاں ہے اھ (ت)

اور ہر شخص کو افضل یہی کہ جو عمل صالح کرے اس کا ثواب اولین و آخرین احیاء و اموات تمام مومنین و مومنات کے لیے ہدیہ بھیجے سب کو ثواب پہنچے گا اور اُسے اُن سب کے برابر اجر ملے گا۔

فی ردالمحتار عن التاتارخانیۃ عن المحیط الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانھا تصل الیھم ولاینقص من اجرہ شیئ[2] اھ۔

ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے، اس میں محیط سے منقول ہے کہ جو کوئی نفل صدقہ کرے تو بہتر یہ ہے کہ تمام مومنین و مومنات کی نیت کرے اس لیے کہ وُہ سب کو پہنچے گا اور اس کے اجر سے کچھ کم نہ ہوگا اھ (ت)

دارقطنی وطبرانی و دیلمی وسلفی امیرالمومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مر علی المقابر وقرأ قل ھو اللہ احد احدی عشرۃ مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات[3]۔

جو مقابر پر گزرے اور قل ھو اللہ گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب اموات کو بخشے بعدد تمام اموات کے ثواب پائے۔

رہا ابن قیم ظاہری المذہب کا کتاب الروح میں تقسیم ثواب کو اختیار کرنا یعنی ایک ہی ثواب اُن پر ٹکڑے ہو کر بٹ جائے گا حیث قال لواھدی الکل الی اربعۃ یحصل لکل منھم ربعہ[4] اھ (اس کے الفاظ یہ ہیں:

---

[1] و [2] ردالمحتار مطلب فی القرأۃ للمیت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۵
[3] فتح القدیر عن علی رضی اللہ عنہ باب الحج عن الغیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۶۵
کنزالعمال رافعی عن علی حدیث ۴۲۵۹۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۵/۶۵۵
ردالمحتار عن علی مطلب فی اھداء الثواب الاعمال للغیر مصطفی البابی مصر ۲/۲۵۷
[4] ردالمحتار بحوالہ کتاب الروح مطلب فی القرأۃ للمیت الخ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۶۰۵

اگر چار آدمیوں کو سب ہدیہ کیا تو ہر ایک کو چوتھائی ملے گا۔ ت)

اقول وباللہ التوفیق فتوٰی علماء کہ سب کو ثواب کامل ملے گا، اس قولِ ابنِ قیم پر بچند وجہ مرجح ہے:

اوّلاً ابنِ قیم بدمذہب ہے، تو اس کا قول علمائے اہلسنت کے مقابل معتبر نہیں۔

ثانیاً وُہ اسی کا قول ہے اور یہ ایک جماعت کا فتوٰی والعمل بما علیہ الاکثر (اور عمل اس پر ہوتا ہے جس پر اکثر ہوں۔ ت)

ثالثاً وھو الطراز المعلم (اور وہی نقش بانگار ہے، یعنی زیادہ مضبوط جواب ہے۔ ت) ثواب واحد کا سب پر منقسم ہونا ایک ظاہری بات ہے جسے آدمی بنظرِ ظاہر اپنی رائے سے کہہ سکتا ہے، عالمِ شہود میں یونہی دیکھتے ہیں، ایک چیز دس کو دیجئے تو سب کو پُوری نہ ملے گی ہر ایک کو ٹکڑا ٹکڑا پہنچے گا۔ غالباً اس ظاہری نے اسی ظاہری بات پر نظر اور معقول پر محسوس کو قیاس کرکے تقسیم کا حکم دے دیا۔ نہ کہ حدیث سے اس پر دلیل پائی ہو بخلاف اُس حکمِ کمال کے کہ اگر کروڑوں کو بخشو تو ہر ایک کو پورا ثواب ملے۔ ایسی بات بے سندِ شرعی اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے تو ظاہر کہ جماعتِ اہلِ فتوٰی نے جب تک شرعِ مطہر سے دلیل نہ پائی ہرگز اس پر جزم نہ فرمایا بلکہ تصریح علماء سے ثابت کہ جو بات رائے سے نہ کہہ سکیں وُہ اگرچہ بعض علماء کا ارشاد ہو حدیثِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکم میں سمجھا جائے گا۔ آخر جب عالم متدین ہے اور بات میں رائے کو دخل نہیں تو لاجرم حدیث سے ثبوت ہو گا۔ امام علامہ قاضی عیاض نے سریج بن یونس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا کہ اللہ تعالٰی کے کچھ سیاح فرشتے ہیں جن کے متعلق یہی خدمت ہے کہ جس گھر میں احمد یا محمد نام کا کوئی شخص ہو اس گھر کی زیارت کیا کریں۔ علامہ خفاجی مصری اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

فھو ظاھر وان کان لسریج فھو فی حکم المرفوع لان مثلہ لایقال بالرای[1] اھ ملخصا۔

یہ اگرچہ سریج کا قول ہے مگر وُہ مرفوع کے حکم میں ہے اس لئے کہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاتی اھ ملخصاً (ت)

یہ سریج نہ صحابی ہیں نہ تابعی نہ تبع تابعین میں سے، بلکہ علمائے مابعد سے ہیں۔ بایں ہمہ علامہ خفاجی نے اُن کے قولِ مذکور کو حدیث مرفوع کے حکم میں ٹھہرایا کہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاتی۔ اسی طرح مانحن فیہ (زیربحث مسئلہ۔ ت) میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ علماء کا وُہ فتوٰی بھی حدیثِ مرفوع کے حکم میں ہونا چاہیے۔

ثمّ اقول وباللہ التوفیق (میں پھر اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) فقیر غفراللہ تعالٰی لہ

---

[1] نسیم الریاض الباب الثالث فصل اوّل دارالفکر بیروت ۲/۲۲۵

نے خاص اس بات میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تین حدیثیں پائیں،

حدیث اوّل: امام ابوالقاسم اصبہانی کتاب الترغیب اور امام احمد بن الحسین بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

من حج عن والدیہ بعد وفاتھما کتب اللہ لہ عتقا من النار وکان للمحجوج عنھما اجر حجۃ تامۃ من غیر ان ینقص من اجورھما شیئ[1]

جو اپنے ماں باپ کی طرف سے اُن کی وفات کے بعد حج کرے اللہ تعالٰی اس کے لیے دوزخ سے آزادی لکھے، اور ان دونوں کے لیے پُورے حج کا اجر ہو بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی ہو۔

اگر ثواب نصف نصف ملتا تو اس آدھے میں سے کمی ہوجانے کا کیا احتمال تھا جس کی نفی فرمائی گئی۔ ہاں وہی اجر یہاں اجور ہوجائے، ہر ایک پورا پورا بے کمی پائے۔ یہ خلافِ عقل ظاہر تھا، تو اسی کا افادہ ضرور مفید و اہم ہے۔

حدیث دوم: طبرانی اوسط میں اور ابنِ عساکر حضرت عبداللہ بن عمر ابن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

ما علی احدکم اذا اراد ان یتصدق للہ صدقۃ تطوعا ان یجعلھا عن والدیہ اذا کانا مسلمین، فیکون لوالدیہ اجرھا ولہ مثل اجورھما بعد ان لاینقص من اجورھما شیئ۔[2]

یعنی جب تم میں سے کوئی شخص کسی صدقہ نافلہ کا ارادہ کرے تو اس کا کیا حرج ہے کہ وہ صدقہ اپنے ماں باپ کی نیّت سے دے کہ انھیں اس کا ثواب پہنچے گا اور اسے ان دونوں کے اجروں کے برابر ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی ہو۔

ان دونوں حدیثوں میں اگر کچھ تشکیک کی جائے تو **حدیث سوم** گویا نص صریح جس نے بحمدہٖ تعالٰی اس امید کمال کو قوی کردیا، اور فتوٰی علما کی تاکید فرمادی کہ ہر ایک کو کامل ثواب ملے گا۔ امام دارقطنی اور ابوعبداللہ ثقفی فوائد ثقفیات میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا حج الرجل عن والدیہ تقبل منہ ومنھما، واستبشرت ارواحھما، وکتب عند اللہ برا۔[3]

جب آدمی اپنے والدین کی طرف سے حج کرے وہ حج اس حج کرنے والے اور ماں باپ تینوں کی طرف سے قبول کیا جائے اور اُن کی رُوحیں خوش ہوں، اور یہ

---

[1] شعب الایمان باب فی برالوالدین حدیث ۷۹۱۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/۲۰۵

[2] الجامع الصغیر مع فیض القدیر بحوالہ ابن عساکر حدیث ۷۹۴۳ دارالمعرفۃ بیروت ۵/۴۵۶

[3] سنن الدارقطنی کتاب الحج نشر السنۃ ملتان ۲/۲۶۰

اللہ تعالٰی کے نزدیک ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا نیکو کار لکھا جائے۔

یہ لفظ دارقطنی کے ہیں، اور ثقفیات میں ان لفظوں سے ہے:

من حج عن ابویه ولم یحجا اجزاء عنهما وبشرت ارواحهما فی السماء وکتب عند اللہ برا۔[1]

جس کے ماں باپ بے حج کئے مرگئے ہوں یہ ان کی طرف سے حج کرے وُہ ان دونوں کا حج ہوجائے اور ان کی رُوحوں کو آسمان میں خوشخبری دی جائے اور یہ شخص اللہ تعالٰی کے نزدیک ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا لکھا جائے۔

ظاہر ہے کہ حج ایک عبادتِ واحدہ ہے جس کا بعض کافی نہیں، نہ وہ کل سے مغنی ہو، بلکہ قابلِ اعتبار ہی نہیں، جیسے فجر کی دُو رکعتوں سے ایک رکعت، یا صبح سے دوپہر تک کا روزہ۔ تو یہ حج کہ ان دونوں کی طرف سے کافی ہو، ضرور ہے کہ ہر ایک کی جانب سے پُورا حج واقع ہو، مگر فقہ میں مبین ومبرہن ہولیا کہ یہ اجزاء بمعنی اسقاطِ فرض نہیں تو لاجرم یہی معنی مقصود کہ دونوں کو کامل حج کا ثواب ملے۔ محدثِ جلیل امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی اس حدیث کی تفسیر فرماتے ہیں:

لااعلم احدا قال بظاهرہ من الاجزاء عنهما بحج واحد وهو محمول علی وقوعه الاصل فرضا وللفرع نفلا[2] اھ نقله فی التیسیر مع التقریر والحمد للہ رب العٰلمین ھذا واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہٗ اتم واحکم۔

جہاں تک مجھے علم ہے کوئی اس کے ظاہر کا قائل نہیں یعنی یہ کہ وُہ ایک ہی حج دونوں کی طرف سے کافی ہوجائیگا ۔ وہ اس پر محمول ہے کہ اصل کے لیے فرض ادا ہوگا اور فرع کے لیے نفل ہوگا اھ۔ اسے تیسیر میں نقل کیا اور برقرار رکھا۔ اور ساری خُوبیاں اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے اور اس رب بزرگ کا علم سب سے زیادہ کامل اور محکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۶ تا ۲۲۹: از شہر کہنہ محلہ کوٹ مرسلہ محمود علی صاحب بنگالی ۲ صفر المظفر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین وفضلائے شریعت امین ان مسئلوں میں:

اول یہ کسی شخص نے ایک کلام مجید تلاوت کرکے ختم کیا اور اس کا ثواب پندرہ شخصوں کی ارواح کو فقد بخشا اُن رُوحوں میں تقسیم ہوجائے گا یعنی فی رُوح دو پارے پہنچے گا یا فی رُوح کو پُورے کلام مجید کا ثواب پہنچے گا؟

---

[1] فوائد ثقفیات لابی عبداللہ ثقفی

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث من حج عن ابیه مکتبۃ الامام الشافعی الریاض سعودیہ ۲/ ۴۱۳

اور نتیجہ اس کا دنیا میں ملے گا یا عقبیٰ میں؟

دوسرے یہ کہ ثواب کس طرح کہہ کر پہنچائے؟

تیسرے یہ کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ واہل بیتہٖ وسلم کو ثواب پہنچائے تو اس کی شمول میں اور ارواح بھی شامل کرسکتا ہے یا نہیں، اور پچھلے اولیاء اور انبیاء کا نام بھی لیا جائے یا نہیں؟

چوتھے یہ کہ دنیا میں کیا فائدہ اور عقبےٰ میں کیا بدل حاصل ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اللہ عزوجل کے فضل سے اُمید ہے کہ ہر شخص کو پورے کلام مجید کا ثواب پہنچے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

سئل ابن حجر المکی عما لوقرأ لاھل المقبرۃ الفاتحۃ ھل یقسم الثواب بینھم اویصل لکل منھم مثل ثواب ذٰلک کاملا فاجاب بانہ افتی جمع بالثانی وھو اللائق بسعۃ الفضل[1]

امام ابن حجر مکی سے سوال ہُوا: اگر قبرستان والوں کے لیے فاتحہ پڑھی تو ثواب ان کے درمیان تقسیم ہوگا یا ہر ایک کو اسی کے مثل پورا پورا ثواب ملے گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک جماعتِ علماء نے دوسری صورت پر فتوٰی دیا ہے اور وہی فضلِ الٰہی کی وسعت کے لائق ہے۔ (ت)

اس مسئلہ کی پوری تحقیق فتاوٰی فقیر میں ہے، نتیجہ ملنا اللہ سبحٰنہٗ وتعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ مسلمانوں کو نفع رسانی سے اللہ عزوجل کی رضا و رحمت ملتی ہے اور اس کی رحمت دونوں جہان کا کام بنادیتی ہے۔ آدمی کو اللہ کے کلام میں اللہ کی نیت چاہیے، دنیا اس سے مقصود رکھنا حماقت ہے۔ دعا کرے کہ الٰہی! یہ جو میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں شخص یا فلاں فلاں اشخاص کو پہنچا، اور افضل یہ ہے کہ تمام مسلمین ومسلمات کو پہنچائے۔ مسلک متقسط میں ہے:

یقرأ ماتیسر لہ من الفاتحۃ والاخلاص سبعا اوثلثا ثم یقول اللھم اوصل ثواب ماقرأناہ الٰی فلان اوالیھم[2]

جو میسر آئے پڑھے سُورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص سات بار یا تین بار، پھر کہے: اے اللہ! ہم نے جو پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا ان سب کو پہنچا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار مطلب فی القرأۃ للمیت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۵

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری فصل لیستحب زیارۃ اہل المعلی دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۳۲۴

محیط و تتارخانیہ و شامی میں ہے :

الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانھا تصل الیھم ولاینقص من اجرہ شیئ۔[1]

جو کوئی نفل صدقہ کرے اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ تمام مومنین و مومنات کی نیت کرے اس لیے کہ وہ ان سب کو ملے گا اور اس کے اجر سے کچھ نہ گھٹے گا۔ (ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طفیل میں تمام انبیاء و اولیا و مومنین و مومنات جو گزر گئے اور جو موجود ہیں اور جو قیامت تک آنے والے ہیں سب کو شامل کرسکتا ہے اور یہی افضل ہے۔ صحیحین میں ہے :

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ضحی بکبشین املحین احدھما عن نفسہ والاخر عن امتہ[2] وزاد ابن ماجۃ ذبح احدھما عن امتہ لمن شھد للہ بالتوحید وشھد لہ بالبلاغ وذبح الاخر عن محمد وال محمد[3] ولاحمد وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قولہ عند التضحیۃ اللھم لک ومنک عن محمد وامتہ[4]

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی، جن کے رنگ سفیدی سیاہی ملے ہُوئے تھے، قربانی کی، ایک کی اپنی طرف سے، دُوسرے کی اپنی امت کی طرف سے ___ ابنِ ماجہ میں یہ اضافہ ہے : ایک اپنی اُمت کی طرف سے قربان کیا ہر اُس شخص کی طرف سے جس نے کلمہ طیبہ کی شہادت کی اور حضور اکرم کے لیے تبلیغِ رسالت کی گواہی دی اور دُوسرا حضرت محمد اور آلِ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام سے ذبح کیا ___ امام احمد وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ قربانی کے وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یوں کہا تھا : اے اللہ! تیرے لیے اور تجھ سے، یہ محمد اور اس کی امت کی جانب سے ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے :

لا فرق بین ان یکون المجعول لہ

اس میں کوئی فرق نہیں کہ جس دوسرے کے لیے اپنا ثواب

---

[1] ردالمحتار مطلب فی القرأۃ للمیت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۵
[2] فتح القدیر بحوالہ الصحیحین باب الحج عن الغیر نوریہ رضویہ سکھر ۳/۶۵
مجمع الزوائد باب اضحیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارالکتاب بیروت ۴/۲۲
[3] سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی باب اضاحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۲
[4] سنن ابن ماجہ " " " " " "

میتا او حیا[1]۔ | ہدیہ کرے وہ وفات پاچکا ہو یا زندہ ہو۔ (ت)

جو کچھ اللہ چاہے قال اللہ تعالٰی :

ومن یرد ثواب الدنیا نؤتہ منہا ومن یرد ثواب الاٰخرۃ نؤتہ منہا وسنجزی الشکرین[2]۔

جو کوئی دنیا کا عوض چاہے ہم اسے اس میں سے دیں گے اور جو آخرت کا ثواب چاہے ہم اسے اس میں سے عطا فرمائیں گے اور قریب ہے کہ ہم شکر کرنے والوں کو جزا بخشیں۔

اور فرماتا ہے عزوجل :

من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیہا مانشاء لمن نرید ثم جعلنا لہ جہنم یصلیہا مذموما مدحورا ومن اراد الاٰخرۃ وسعی لہا سعیہا وھو مؤمن فاولئک کان سعیہم مشکورا[3]۔

جو دُنیا چاہے ہم اس میں سے جتنا چاہیں یہاں دے دیں، پھر اس کے لیے جہنم رکھیں اس میں بیٹھے مذمتیں ہوتا، دھکے دیا جاتا۔ اور جو آخرت چاہے اس کی سی کوشش کرے اور ہو مسلمان، تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے۔

مسئلہ ۲۴۰ : از کارا ڈاکخانہ اونیرا ضلع گیا مرسلہ مولوی علی احمد صاحب ۵ شعبان ۱۳۳۱ھ

زید کہتا ہے اگر دو چار شخصوں کو اجمالاً ایصالِ ثواب کیا جائے تو ہر ایک کو پُورا پورا پہنچے گا، اور بکر تقسیم کا قائل ہے۔ زید اپنے ثبوت میں شامی کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:

لکن سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لاھل المقبرۃ الفاتحۃ ھل یقسم الثواب بینہم او یصل لکل منہم مثل ثواب ذلک کاملا فاجاب بانہ افتی جمع بالثانی وھو اللائق بسعۃ الفضل[4]۔

ابن حجر مکی سے سوال ہُوا، اگر اہلِ قبرستان کے لیے فاتحہ پڑھے تو ثواب ان کے درمیان تقسیم ہوگا یا ان میں سے ہر ایک کو اس کے ثواب کا مثل کامل طور پر پہنچے گا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ ایک جماعت نے صورتِ دوم پر فتوٰی دیا ہے اور وسعتِ کرم کے لائق وہی ہے۔ (ت)

---

[1] بحر الرائق باب الحج عن الغیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۵۹
[2] القرآن ۳/ ۱۴۵
[3] القرآن ۱۷/ ۱۸ و ۱۹
[4] ردالمحتار مطلب فی القراءۃ للمیت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۵

اور بکر کہتا ہے کہ سوال میں دو باتیں مذکور ہوئیں: ایک تو ایصالِ ثواب قراءت اور اس کے ساتھ تقسیم ثواب مقرؤ، اور دوسرے وصول مثل ثواب۔ چونکہ عند الشافعیہ عباداتِ بدنیہ کا ثواب ہی نہیں پہنچتا، اس لیے علامہ ابن حجر نے اوّل جواب سے تو بالکل سکوت فرمایا اور فقط شق ثانی کا بموجبِ مذہب مختار متاخرین شافعیہ جواب دیا جس کی تشریح علامہ شامی اس عبارت سے کچھ اوپر بایں الفاظ فرماتے ہیں:

والذی حررہ المتاخرون من الشافعیۃ وصول القراءۃ للمیت اذا کانت بحضرتہ او دعی لہ عقبھا، والدعاء عقبھا ارجی للقبول ومقتضاہ ان المراد انتفاع المیت بالقراءۃ لاحصول ثوابھا لہ ولھذا اختاروا فی الدعاء اللّٰھم اوصل مثل ثواب ما قرأتہ الی فلان واما عندنا فالواصل الیہ نفس الثواب[1]۔

متاخرینِ شافعیہ نے جو تنقیح کی ہے وہ یہ ہے کہ قراءت میّت کو پہنچتی ہے جبکہ قراءت اس کے پاس ہو یا بعد قراءت اللہ سے دُعا کی جائے اس لیے کہ قراءتِ قرآن کے بعد دُعا میں اُمیدِ قبول زیادہ ہے۔ اس کا مقتضاء یہ ہے کہ میّت کو قراءت سے فائدہ ملتا ہے یہ نہیں کہ قراءت کا ثواب اسے حاصل ہوتا ہے اسی لیے دُعا میں وہ یہ الفاظ اختیار کرتے ہیں کہ اے اللہ! میں نے جو پڑھا اس کے ثواب کا مثل فلاں کو پہنچا مگر ہمارے نزدیک خود ثواب اسے پہنچتا ہے۔ (ت)

غرض بموجب مذہب حنفیہ کہ وہ وصول ثواب مقرؤ کے قائل ہیں تقسیم لابدی ہے کیونکہ ہر عمل کا ثواب خواہ بتضاعیف ہی سہی عند اللہ ایک امر معدود ہے جس کا وصول دو چار شخصوں کو بلا تقسیم کے عقلاً ممتنع ہے۔ اور ابن حجر کا قول ثانی کو "لائق لسعۃ الفضل" فرمانا بھی اسی کا مقتضی ہے کہ تا علیہ وصول ثواب قراءت کے نزدیک تقسیم ضروری ہے، اگر اول صورت بھی وصول کامل ہو تو ثانی لائق لسعۃ الفضل فرمانا بالکل بے معنی ہوجاتا ہے لعدم الفرق بینھما (کیونکہ دونوں میں فرق نہ ہوگا۔ ت) اب علمائے کرام فرمائیں کہ حق بجانب کون شخص ہے زید یا بکر؟ اور بموجب مذہب حنفیہ تقسیم ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عبارتِ فتاوٰی ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا مطلب بہت صاف ہے، بکر نے بالکل تحویل کردیا۔ امام ابن حجر مکی سے ایک سوال ہے جس میں سائل دریافت کرتا ہے کہ متعدد مسلمانوں کے لیے فاتحہ پڑھے تو ثواب ان پر تقسیم ہوگا یا ہر میت کو کامل ثواب ملے گا مثل کا لفظ کہ شق ثانی میں سائل شافعی المذہب نے اپنے مذہب کی رعایت سے بڑھایا، شقِ اول میں بھی اُن کے طور پر ملحوظ ہے ولھذا ثوابھا نہ کہا بلکہ الثواب بلام عہد یعنی وہی

---

[1] ردالمحتار مطلب فی القراءۃ للمیت الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶۰۵/۱

ثواب کہ ہم شافعیہ کے نزدیک معروف و معہود ہے کہ مثل ثواب قاری ہے، آیا اموات پر تقسیم ہوگا یا ہر ایک کو پورا ملے گا۔ روشن ہے کہ یہ ایک ہی سوال ہے اور اس میں مقصود بالاستفادہ تقسیم و تکمیل کی دو شقوں سے ایک متعین جس کا جواب امام نے دیا کہ ایک جماعت نے شق دوم پر فتوٰی دیا یعنی ہر ایک کو پورا ثواب پہنچے گا اور یہی وسعتِ رحمتِ الٰہیہ کے لائق ہے نہ یہ کہ دو سوال تھے، پہلا مذہب حنفیہ اور دوسرا مذہب شافعیہ سے امام نے پہلے جواب سے سکوت کیا اور دوسرے کا جواب دیا۔ یوں ہوتا تو تقسیم اور لکل منھم فضول تھا کہ حنفیہ و شافعیہ کا یہ اختلاف ایک جماعتِ اموات کے لیے قرا‌ءت سے خاص نہیں ایک میت کے لیے قراءت بھی یہی ہے کہ ہمارے نزدیک نفسِ ثواب پہنچتا ہے اور اُن کے نزدیک اس کا مثل۔ ایسا ہوتا تو امام اس غلطی پر متنبہ فرماتے، پھر جواب یُوں نہ ہوتا کہ ایک جماعت نے ثانی پر فتوٰی دیا، بلکہ یُوں ہوتا کہ ہمارا مذہب شق ثانی ہے پھر نفس و مثل میں سعۃ رحمت کا کیا فرق ہے جسے امام هو اللائق بسعة الفضل فرمارہے ہیں۔ بکر کا استدلال کہ "ابن حجر کے قول ثانی کو الخ" عجیب ہے۔ شقِ اول میں لفظ تقسیم خود مصرح ہے۔ سائل پُوچھتا ہی یہ ہے کہ ثواب جو کچھ بھی پہنچے کہ وُہ اُن کے نزدیک مثل ثواب قاری ہے نہ نفس تقسیم ہوگا یا ہر ایک کو پُورا پہنچے گا؟ امام نے جواب دیا کہ ہر ایک کو پورا پہنچنا الیق ہے تو قائلین وصول ثواب سے یہ بھی ہُوئے۔ شقِ اوّل میں نفس ثواب القاری کہاں تھا۔

ثم اقول وباللہ التوفیق (میں پھر اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہُوں۔ ت) یہاں تحقیق امر اور ہے جو شُبہ کو راساً ختم کرتے۔ جب نظرِ عامہ اہلِ ظاہر پر شئے واحد کا دو شخصوں کو بلا تقسیم وصول عقلاً ممتنع ہے یعنی عرض واحد دو محل سے قائم نہیں ہوسکتے ورنہ اس تعبیر میں تو صریح منع ہے) تو واجب کہ حنفیہ کے نزدیک جب نفس ثواب قاری میت کو پہنچے قاری کے پاس نہ رہے، ورنہ یہ بھی عرض واحد کا دو محل سے قیام ہوگا حالانکہ احادیث و حنفیہ و سائر علمائے کرام خلاف پر تصریح فرما ہیں۔ محیط پھر تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانها تصل الیهم ولا ینقص من اجره شیئ۔[1]

صدقہ نفل کرنے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ تمام مومنین و مومنات کی نیت کرے کہ وُہ سب کو پہنچے گا اور اس کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا (ت)

تو جب وہی ثواب اس کے پاس بھی رہا اور دُوسرے کو بھی پہنچا اور تقسیم نہ ہوا کہ لا ینقص من اجره شیئ اس کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوا، تقسیم ہوتا تو قطعاً کم ہوتا، تو اگر دو سو یا لاکھ یا سب اولین و آخرین مومنین و مومنات کے وہی ثواب پورا پورا پہنچے اور تقسیم نہ ہوگیا استحالہ ہے، جیسے دو ویسے کروڑ یا کروڑ۔ امام جلال الملۃ والدین سیوطی

---

[1] ردالمحتار مطلب فی القرآۃ للمیت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۵

40
40

زہر الربیٰ شرح سنن نسائی میں نقل فرماتے ہیں،

ان للروح شانا اٰخر فیکون فی الرفیق الاعلی وھی متصلۃ بالبدن بحیث اذا سلم المسلم علی صاحبہا رد علیہ السلام وھی فی مکانہا ھناک وھذا جبریل علیہ السلام راٰہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولہ ستمائۃ جناح منہا جناحان سدا الافق وکان یدنو من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی یضع رکبتیہ الی رکبتیہ ویدیہ علی فخذیہ وقلوب المخلصین تتسع للایمان بانہ من الممکن انہ کان ھذا الدنو وھو فی مستقرہ من السمٰوٰت، وھذا محمل تنزلہ تعالٰی الی سماء الدنیا ودنوہ عشیۃ عرفۃ ونحوہ فھو منزہ عن الحرکۃ والانتقال وانما یاتی الغلط ھھنا من قیاس الغائب علی الشاھد فیعتقد ان الروح من جنس ما یعھد من الاجسام التی اذا شغلت مکانا لم یمکن ان تکون فی غیرہ وھذا غلط محض فثبت بھذا انہ لا منافاۃ بین کون الروح فی علیین او الجنۃ او السماء وان لھا بالبدن اتصالا بحیث تدرک وتسمع وتصلی وتقرأ بھا وانما یستغرب ھذا لکون الشاھد الدنیوی لیس فیہ ما یشاھد بہ ھذا وامور البرزخ والاٰخرۃ علی نمط غیر المالوف فی الدنیا[1] اھ مختصرا۔

رُوح کی شان ہی کچھ اور ہے، وہ ملاءِ اعلٰی میں رہ کر بھی بدن سے متصل ہوتی ہے کہ جب مسلمان صاحبِ قبر کو سلام کرتا ہے تو وہ اسے جواب دیتا ہے جبکہ روح وہاں اپنے مقام میں ہے۔ یہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جنھیں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پَر ہیں جن میں سے دو پَر پُورے اُفق پر چھائے ہُوئے ہیں۔ اس کے باوجود وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قریب آتے یہاں تک کہ اپنے زانو حضور کے زانوؤں کے متصل اور اپنے ہاتھ حضور کی رانوں پر رکھ دیتے۔ مخلصین کے قلوب اس بات پر ایمان لانے کی وسعت رکھتے ہیں کہ یہ امر ممکن ہے کہ ان کا حضور سے یہ قرب عین اسی حالت میں ہو جب وہ آسمانوں کے اندر اپنے مستقر میں موجود ہوں۔ یہی حال اس کا بھی ہے جو مروی ہے کہ رب تعالٰی آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور قریب ہوتا ہے عرفہ کی شام کو اور اس کے مثل، کیونکہ وہ تو حرکت و انتقال سے منزّہ ہے۔ یہاں غلطی غائب کو شاہد پر قیاس کرنے سے ہوتی ہے۔ آدمی یہ اعتقاد کرتا ہے کہ رُوح بھی معہود اجسام کی جنس سے ہے کہ جب ایک مقام میں ہو تو دوسرے مقام میں ہونا ممکن نہیں، یہ محض غلط ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس میں کوئی منافات نہیں کہ روح علیین اور جنت اور آسمان میں ہو اور بدن سے بھی اس کا ایسا اتصال ہو کہ ادراک، سماعت، نماز، قراءت سارے کام کرتی رہے۔

[1] زہر الربی علی حاشیۃ سنن النسائی ارواح المؤمنین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۹۲

یہ بات صرف اس لیے عجیب معلوم ہوتی ہے کہ دنیاوی محسوسات میں ایسی کوئی چیز نہیں پاتے جو اس سے ملتی جلتی ہو، مگر برزخ اور آخرت کے معاملات تو دنیا کے طرز مالوف سے جداگانہ شان رکھتے ہیں اھ مختصراً (ت)

حضرت جامی قدس سرہ السامی نفحات الانس شریف میں فرماتے ہیں:

شیخ مفرح رحمہ اللہ تعالٰی از اہل صعید مصر ست بسیار جلیل القدر و کبیر الشان بود، یکے از اصحاب وے را روز عرفہ در عرفات دید و یکے دیگر در ہمان روز در خانۂ خویش دید و تمام روز با وے بود چوں آں دو شخص بہم رسیدند و ہر یک آنچہ دیدہ بودند با ہم گفتند میان ایشاں نزاع شد یکے گفت وے روز عرفہ در عرفات بود، بر صدق آں سوگند بطلاق خورد، یکے گفت تمام آں روز در خانہ خود بود، وے نیز سوگند بطلاق خورد، پس خصومت کناں پیش مفرح آمدند، شیخ گفت ہر دو راست گفتہ اید بزن ہیچکدام طلاق نشدہ است، یکے از اکابر میگوید کہ من از شیخ مفرح پرسیدم کہ صدق ہر یک موجب حنث دیگرست، چوں سوگند ہیچکس حانث نہ شدہ باشد، و دراں مجلس کہ من ایں پرسیدم جماعتے از علماء حاضر بودند، شیخ اشارت بہمہ کرد کہ درین مسئلہ سخن گویند ہر کس چیزے گفت اما ہیچکس جواب شافی و کافی نہ گفت، دراں اثنا جواب آں بر من ظاہر شد کہ شیخ اشارت بمن کرد کہ جواب آں بگو، من گفتم چوں ولی بولایت متحقق گردد دراں معنی کہ روحانیت وے مصور بصورتے تواند شد ممکن بود کہ در وقت واحد در جہات مختلفہ خود را بصورتہائے متعددہ بنماید چنانکہ خواہد، پس آنکس کہ وے را در بعضے ازاں صور بعرفات دیدہ

شیخ مفرح رحمہ اللہ تعالٰی مصر کے اہلِ دل حضرات سے ہیں، بزرگ رتبہ اور بڑی شان رکھتے تھے، ان کے ایک مرید نے عرفہ کے دن انھیں عرفات میں دیکھا اور دوسرے مرید نے اسی دن انھیں اپنے گھر میں دیکھا اور دن بھر ان کے ساتھ رہا، جب دونوں مریدوں کی ملاقات ہوئی اور ہر ایک نے جو دیکھا تھا آپس میں بیان کیا تو ان کے درمیان اختلاف ہُوا۔ ایک نے کہا: حضرت عرفہ کے دن عرفات میں تھے اور اس کی صداقت پر طلاق کی قسم کھائی۔ دوسرے نے کہا: اُس روز دن بھر اپنے گھر میں تھے، اس نے بھی طلاق کی قسم کھائی۔ پھر جھگڑتے ہُوئے شیخ مفرح کے پاس آئے۔ شیخ نے کہا: دونوں سچ کہتے ہیں، کسی کی بیوی کو طلاق نہیں ہوتی۔ اکابر میں سے ایک کا بیان ہے کہ میں نے شیخ مفرح سے پوچھا: ہر ایک کی صداقت دُوسرے کی قسم ٹوٹنے کی مقتضی ہے پھر کسی کی قسم کیسے نہیں ٹوٹی؟ جس مجلس میں مَیں نے یہ سوال کیا علماء کی ایک جماعت موجود تھی، شیخ نے سب کو اشارہ کیا کہ اس مسئلہ میں کلام کریں۔ ہر شخص نے کچھ نہ کچھ بیان کیا مگر کسی نے شافی و کافی جواب نہ دیا۔ اسی اثناء میں جواب مجھ پر منکشف ہوگیا اور شیخ نے میری طرف اشارہ فرمایا کہ تم اس کا جواب دو — میں نے عرض کیا کہ جب ولی کی ولایت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اس

باشد، ہم راست دیدہ باشد وآنکہ در بعضے دیگر ازان
صور در خانۂ خودش دیدہ باشد ہم راست دیدہ باشد
ولسوگند ہیچ یک حانث نہ شود، وشیخ مفرح فرمود کہ
جواب صحیح این است کہ تو گفتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و
نفعنا بہ [1]

کی روحانیت کسی صورت سے مصوّر ہو سکے تو ممکن ہوتا
ہے کہ ایک ہی وقت کے اندر مختلف جہتوں میں اپنے کو
متعدد صورتوں میں جیسے چاہے دکھائے۔ تو جس
شخص نے حضرت کو ان صورتوں میں سے کسی ایک
صورت میں عرفات میں دیکھا صحیح دیکھا، اور اسی وقت
دوسرے نے کسی اور صورت میں اپنے گھر کے اندر تشریف فرما دیکھا اس نے بھی سچ دیکھا، اور کسی کی قسم نہ ٹوٹے گی۔
شیخ مفرح نے فرمایا: صحیح جواب یہ ہے جو تم نے دیا ـــــ خدا ان سے راضی ہو اور ہمیں ان سے نفع دے (ت)

حضرت میر سید عبدالواحد قدس سرہ الماجد سبع سنابل شریف میں فرماتے ہیں:

مخدوم شیخ ابوالفتح جونپوری را قدس اللہ تعالٰے روحہٗ
در ماہ ربیع الاول بجہت عرس رسول اللہ تعالیٰ علیہ الصلوٰۃ
والسلام دہ جا استدعا آمدہ کہ بعد از نماز پیشین حاضر
شوند ہر دہ استدعا را قبول کردند۔ حاضران پرسیدند
اے مخدوم ہر دہ استدعا را قبول فرمود و ہر جا
بعد از نماز پیشین حاضر باید شد چگونہ میسر خواہد آمد۔
فرمود کشن کہ کافر بود چند صد جا حاضر می شد اگر
ابوالفتح دہ جا حاضر شود چہ عجب بعد از نماز پیشین
از ہر دہ جا چوڈول رسید مخدوم ہر بارے از حجرہ
بیرون می آمد و بر چوڈول سوار میشد و می رفت و نیز در حجرہ
حاضر می ماند۔ خردمندا تو ایں را بر تمثیل حمل مکن
یعنی مپندار کہ تمثیلہائے شیخ بچندیں جا حاضر شدہ
است۔ لاواللہ بلکہ عین ذات شیخ بہر جا حاضر
شدہ بود۔ ایں خود در یک شہر و یک مقام واقع شد۔
و ذات ایں موحد خود در اقصائے عالم

ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے عرس پاک کی وجہ سے مخدوم شیخ ابوالفتح جونپوری
قدس سرہ کی دس جگہ سے دعوت آئی کہ بعد نماز ظہر
تشریف لائیں، حضرت نے دسوں دعوتیں قبول کیں۔
حاضرین نے پوچھا، حضور نے دسوں دعوتیں قبول فرمائی
ہیں اور ہر جگہ نماز ظہر کے بعد پہنچنا ہے یہ کیسے میسر
ہوگا؟ فرمایا: کشن جو کافر تھا سیکڑوں جگہ حاضر
ہوتا تھا اگر ابوالفتح دس جگہ حاضر ہو تو کیا عجب ہے؟۔
نماز ظہر کے بعد دسوں جگہ سے پالکی پہنچی، مخدوم ہر بار
حجرہ سے باہر آتے، سوار ہوتے، تشریف لے جاتے
اور حجرہ میں بھی موجود رہتے ـــــ اے عقلمند!
اسے تمثیل پر محمول نہ کرنا، یعنی یہ نہ سمجھنا کہ شیخ کی
مثالیں اتنی جگہوں میں حاضر ہوئیں۔ نہیں قسم بخدا!
عین ذات شیخ ہر جگہ حاضر ہوئی۔ یہ تو ایک شہر اور
ایک مقام میں واقع ہوا خود اس موحّد کی ذات عالم

[1] نفحات الانس شیخ مفرح رحمۃ اللہ علیہ انتشارات کتاب فروشی مطبع توحیدی ص ۸۲ - ۵۸۱

حاضر است خواہ علویات خواہ سفلیات[1] کے سِروں میں موجود ہے خواہ علویات ہوں خواہ سفلیات۔ (ت)

جس کا دل ان حقائق کی وسعت نہ رکھے اور امورِ برزخ و آخرت کو اپنے مشہوداتِ دُنیا ہی پر قیاس کرے اُس پر یہ ماننا لازم ہوگا کہ حنفیہ کے نزدیک بھی میّت کو مثل قاری ثواب پہنچتا ہے کہ قاری کا ثواب تو اس کے پاس سے نہیں جاتا اور فرق مذہبین اتنا رہے گا کہ حنفیہ کے نزدیک وہ ثواب اثر ہبہ قاری ہے اور شافعیہ کے نزدیک اجابت دعائے قاری بہرحال وہ استبعاد جس کی بناء پر تقسیم ثواب لازم سمجھے تھے باطل ہوگیا۔ لاکھوں ہوں تو لاکھوں کو اتنا ہی ثواب پہنچے گا اور قاری کا ثواب کم نہ ہوگا، بلکہ بعدد اموات ترقی کرے گا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قرأ الاخلاص احدی عشر مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات[2]۔ رواہ الطبرانی والدارقطنی۔

جو سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر اموات مسلمین کو اس کا ثواب بخشے بعددِ اموات اجر پائے۔ (اسے طبرانی اور دارقطنی نے روایت کیا۔ ت)

باقی اصل مسئلہ کی تحقیق اور ہر ایک کو پُورا ثواب پہنچنے کی توثیق ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۱ از بندر کراچی محلہ جمعدار گل محمد مکرانی مرسلہ مولوی عبدالرحیم مکرانی ۲۷ شعبان ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے کرام و مفتیانِ عظام رحمکم ربکم اندریں مسئلہ کہ اگر گروہ صبیان قرآن خواندہ یا دیگر اعمال حسنہ کردہ و ثواب آن بموتی بخشد شرعاً می رسد یا نہ؟ بینوا الجواب بسند الکتاب و توجروا عند اللہ بحسن المآب صاحباً حسبۃً للہ تعالٰی۔ جواب ایں مسئلہ بعبارت شافی و دلائل کافی از کتب فقہ حنفیہ و حدیث شریفہ مع حوالہ کتب فقہ نوشتہ و بمواہیر علمائے اعلام آنجائے ثبت نمودہ بفرستند کہ عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور خواہند شد، چراکہ درباب ایں

علمائے کرام و مفتیانِ عظام، آپ پر خدا کی رحمت ہو، اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے کہ اگر بچوں کی جماعت قرآن پڑھ کر یا دوسرے نیک اعمال کرکے اس کا ثواب مُردوں کو بخشے تو شرعاً پہنچتا ہے یا نہیں؟ کتاب کی سند سے واضح جواب دیں اور خدا کے یہاں حسنِ انجام کا ثواب لیں۔

حضور! خالصاً للہ اس سوال کا جواب شافی عبارت اور کتبِ فقہ حنفی و حدیث شریف کے دلائل سے کتبِ فقہ کے حوالوں کے ساتھ تحریر فرما کر اور

---

[1] سبع سنابل سنبلہ ششم در حقائق وحدت الخ مکتبہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۷۰

[2] کنز العمال بحوالہ الرافعی عن علی رضی اللہ عنہ حدیث ۴۲۵۹۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/۶۵۵
فتح القدیر عن علی رضی اللہ عنہ باب الحج عن الغیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۶۵
رد المحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۲۵۷

وہاں کے علمائے اعلام کی مہریں ثبت فرما کر ارسال فرمائیں۔ خدا کے یہاں اجر پائیں گے اور لوگ شکر گزار ہوں گے۔

مسئلہ درمیان علمائے بندر کراچی مباحثہ و اختلاف افتادہ است آخر الامر طرفین برین قرار دادہ اند کہ ہر جوابیکہ علمائے کرام بریلی دہند، ببایدکہ جانبین تسلیم نمایند۔

اس مسئلہ میں بندر کراچی کے علماء میں مباحثہ اور اختلاف واقع ہوا۔ آخر طرفین نے یہ طے کیا کہ بریلی کے علمائے کرام جو جواب دیں وہ جانبین تسلیم کریں۔ (ت)

الجواب

اللھم لک الحمد صل علی المصطفی و اٰلہ العمد ہر قربتے کہ صبی اہل آنست (نہ ہمچو اعتاق و صدقہ و ہبہ مال کہ اصلاً ازو صورت نہ بندد) چو از صبی عاقل ادا شود بر قول جمہور و مذہب صحیح و منصور ثوابش ہم ازان او باشد علامہ استروشنی در جامع صغار فرماید حسنات الصبی قبل ان یجری علیہ القلم للصبی لا لابویہ لقولہ تعالٰی وان لیس للانسان الا ماسعٰی ھذا قول عامۃ مشائخنا۔[1]

اے اللہ! تیرے ہی لیے حمد ہے حضرت محمد مصطفٰی اور ان کی آل معتمد پر درود نازل فرما۔ ہر وہ قربت کہ بچہ جس کا اہل ہے (غلام آزاد کرنا، صدقہ کرنا، مال کا ہبہ کرنا اور اس طرح کی قربتیں نہیں کہ یہ بچے سے واقع ہو نہیں سکتیں) جب عاقل بچے سے وُہ ادا ہوگی تو قول جمہور اور مذہب صحیح و منصور یہ ہے کہ اس کا ثواب بھی بچے ہی کے لیے ہوگا۔ علامہ استروشنی جامع صغار میں فرماتے ہیں، بچے کی نیکیاں جو اس پر قلم جاری ہونے سے قبل ہوں وُہ بچے ہی کے لیے ہیں اُس کے والدین کے لیے نہیں کیونکہ ارشادِ باری ہے: انسان کے لیے وہی ہے جو اُس نے کوشش کی — یہ ہمارے عامہ مشائخ کا قول ہے۔ (ت)

علامہ زین العابدین ابن نجیم مصری در احکام الصبیان از کتاب الاشباہ فرماید:

تصح عباداتہ وان لم تجب علیہ واختلفوا فی ثوابھا والمعتمد انہ لہ وللمعلم ثواب التعلیم وکذا جمیع حسناتہ۔[2]

علامہ زین العابدین ابن نُجیم مصری کتاب الاشباہ کے احکام الصبیان میں فرماتے ہیں:

بچے کی عبادتیں صحیح ہیں اگرچہ اس پر واجب نہیں، ان کے ثواب کے بارے میں اختلاف ہے۔ معتمد یہ ہے کہ ثواب بچے ہی کے لیے ہوگا، اور معلم کو سکھانے کا ثواب ملے گا۔ اسی طرح اس کی تمام نیکیوں کا حال ہے۔ (ت)

باز علمائے ما اصولاً و فروعاً تصریحاتِ جلیلہ دارند کہ

پھر کتبِ اصول و فروع میں ہمارے علماء کی روشن تصریحات

---

[1] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل الکراہیۃ مطبعہ ازہریہ مصر ۱/ ۱۴۸

[2] الاشباہ والنظائر احکام الصبیان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴۲

انسان رامی رسد کہ ثواب اعمال خودش از آنِ غیرے کند کما نص علیہ فی الھدایۃ وشروحھا والملتقی والدر وخزانۃ المفتین والھندیۃ وغیرھا من کتب المذھب۔

علمائے کرام این سخن را ہمچناں مرسل ومطلق گزاشتہ اند وہیچ بوئے از تخصیص وتقیید ندادہ۔ پس آن چنانکہ باطلاق اعمال بر شمول فرائض وتناول عملیکہ ابتداءً برائے خود بے نیت غیر کردہ باشد وبہ ارسال غیر بر دخول حضور پُرنور سیدالانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثناء استدلال کردہ اند ہمچناں اطلاق انسان بر دخول صبیان دلیلے کافی است تا آنکہ برہانے صحیح بر استثنائے آناں قائم شود وخود آں برہان کجا وکدام۔

موجود ہیں کہ انسان اپنے اعمال کا ثواب دوسرے کے لیے کرسکتا ہے، جیسا کہ ہدایہ، شروح ہدایہ، ملتقی، درمختار، خزانۃ المفتین، ہندیہ وغیرہا کتب مذہب میں اس کی صراحت ہے (ت)

علمائے کرام نے یہ کلام اسی طرح مُرسل ومطلق رکھا ہے کسی تخصیص وتقیید کا اشارہ ونشان نہ دیا — تو جس طرح اعمال کو مطلق ذکر کرنے سے علماء نے یہ استدلال کیا کہ یہ حکم فرائض کو بھی شامل ہے اور اس عمل کو بھی جسے ابتداء میں اپنے لیے دوسرے کی نیت کے بغیر کیا ہو — اور جس طرح "غیر" کے عموم سے یہ استدلال کیا کہ اس میں حضور پُرنور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثناء بھی داخل ہیں اسی طرح لفظ "انسان" مطلق مذکور ہونا اس بات کی کافی دلیل ہے کہ اس میں بچے بھی داخل ہیں جب تک کہ کوئی صحیح برہان ان کے استثناء پر قائم نہ ہوجائے — مگر ایسی برہان کہاں اور کون؟ (ت)

فی ردالمحتار: فی البحر بحث ان اطلاقھم شامل للفریضۃ[1] اھ وفیہ عنہ ان الظاہر انہ لافرق بین ان ینوی بہ عند الفعل للغیر او یفعلہ لنفسہ ثم بعد ذٰلک یجعل ثوابہ لغیرہ لاطلاق کلامھم[2] اھ وفیہ قلت وقول علمائنا لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ یدخل فیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ احق بذٰلک حیث انقذنا من الضلالۃ[3] اھ۔

ردالمحتار میں ہے: بحر میں بطور بحث ہے کہ علماء کا اعمال کو مطلق ذکر کرنا فرض کو بھی شامل ہے اھ اور اسی میں اُسی بحر کے حوالے سے ہے: ظاہر یہ ہے کہ غیر کے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں کہ عمل کے وقت دوسرے کے لیے کرنے کی نیت کی ہو یا اپنے لیے کرنے کی نیت کی ہو، پھر اس کا ثواب دُوسرے کے لیے کردے، اس لیے کہ کلامِ علماء میں اطلاق ہے، ایسی کوئی قید نہیں اھ — اسی میں ہے: میں نے کہا، ہمارے علماء کا قول ہے کہ وہ اپنے عمل کا

[1] ردالمحتار باب الحج عن الغیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳۶

[2] ردالمحتار مطلب فی القرأۃ للمیت الخ " " " ۱/ ۶۰۵

[3] ردالمحتار مطلب فی اہداء ثواب القرأۃ الخ " " " ۱/ ۶۰۶-۶۰۵

ثواب "دوسرے" (اپنے غیر) کے لیے کرسکتا ہے" ـــــ تو اس میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی داخل ہیں اس لیے کہ وہ اس کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ حضور نے ہی ہمیں گمراہی سے نجات دی اھ (ت)

نہایت آنچہ اینجا بخاطر خطور توان کرد آن ست کہ نزد اصحاب معشر حنفیہ عمّہم اللہ بالطافہ الخفیہ۔ این کار ہبۂ ثواب و اہدائے آنست وصبی از اہل تبرع نیست۔

زیادہ سے زیادہ جو شبہہ یہاں دل میں گزرسکتا ہے وُہ یہ ہے کہ ہمارے علمائے حنفیہ کے نزدیک ــــ ان پر اللہ کی پوشیدہ عنایتیں عام ہوں ــــ یہ عمل ثواب کا ہبہ اور ہدیہ ہے اور بچہ تبرّع (اپنی طرف سے بھلائی اور احسان کے طور پر کچھ کرنے) کا اہل نہیں ہے۔ (ت)

اقول وباللہ التوفیق صبیّ عاقل از ہرگونہ تبرع محجور نیست۔ منشائے حجر ہمیں ضرر ست۔ ولو فی الحال کما فی القرض ولو بالاحتمال کما فی البیع آنجا کہ ہیچ ضرر نیست در حجر نظر نیست بلکہ خلاف نظر وعین اضرار ست کہ بمشابۂ الحاق او بجماد واحجار ست۔ آخر نہ بینی کہ صبی بالاجماع از اہل ابتدار بسلام است بلکہ مودبش را باید کہ اگر خود بایں کار خوگر نباشد تعلیمش نماید، حالانکہ این نیز از باب تبرع است تا آنکہ در حدیث او را صدقہ نامیدہ اند ابوداؤد عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حدیث قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تسلیمہ علی من لقی صدقۃ۔[1] ہمچنان با برادر خود بکشادہ روی سخن فرمودن و باظہار بشاشت دندان سپید نمودن البخاری فی الادب المفرد والترمذی وابن حبان فی صحیحہما عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تبسمك فی وجہ اخیك لك صدقۃ۔[2]

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں، اور توفیق خدا ہی سے ہے۔ ت) عاقل بچہ ہر طرح کے تصرف سے محجور نہیں (حَجر کا معنٰی تصرف سے روک دینا) حجر کا منشا یہی ضرر ہے اگرچہ فی الحال نقصان ہو جیسے قرض دینے میں' یا اس کا احتمال ہو جیسے بیع میں ــــ جہاں کوئی ضرر نہیں وہاں حجر میں نظر اور بچہ کی رعایت نہیں، بلکہ یہ خلافِ نظر اور بعینہٖ ضرر رسانی ہے کہ گویا اسے جماد اور پتھر سے لاحق کردینا ہے۔

دیکھئے کہ بچہ بالاجماع اس کا اہل ہے کہ سلام میں پہل کرے بلکہ اس کے مُربّی کو چاہیے کہ اگر خود اس کا عادی نہ ہو تو اسے سکھائے، حالانکہ یہ بھی تبرع ہی کے باب سے ہے یہاں تک کہ حدیث میں اسے صدقہ کا نام دیا گیا ہے۔ ابوداؤد حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک حدیث میں راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "جو ملے اس سے سلام کرنا صدقہ ہے۔"

اسی طرح اپنے بھائی سے کشادہ رُوئی سے

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی اماطۃ الاذی آفتاب عالم پریس لاہور ٢/٣٥٥

[2] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ٢/١٧

بات کرنا اور اظہارِ بشاشت کے ساتھ مسکرانا ــــ امام بخاری نے ادب المفرد میں اور ترمذی و ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں ان ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کے سامنے تیرا تبسم کرنا تیرے لیے صدقہ ہے۔ (ت)

،ہمچناں راہ گم کردہ را بذکر معالم طریق دلالت کردن احمد والشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دل الطریق صدقۃ[1] وفی حدیث ابی ذر المذکور ارشادك الرجل فی ارض الضلال صدقۃ[2]۔

اسی طرح راستہ بھول جانے والے کو راہ کے نشانات بتا کر راہنمائی کر دینا ــــ امام احمد اور بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "راستہ بتانا صدقہ ہے" ــــ اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث مذکور میں ہے: "جہاں کوئی راہ بھٹک جائے اس کی رہنمائی کر دینا صدقہ ہے"۔ (ت)

،ہمچناں کر راسخن شنوا ندان الخطیب فی جامعہ عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسماع الاصم صدقۃ[3]۔

اسی طرح بہرے شخص کو بات سنوانا ــــ خطیب اپنی جامع میں سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "بہرے کو سنانا صدقہ ہے"۔

،ہمچناں کہ باکسیکہ جماعت نیافت اقتدا نمودن احمد وابوداؤد وابن حبان والحاکم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ[4]۔

اسی طرح جس شخص نے جماعت نہ پائی اس کی اقتدا کرنا ــــ امام احمد، ابوداود، ابن حبان اور حاکم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "ارے کوئی ایسا شخص نہیں جو اس پر صدقہ کر دے کہ اس کے ساتھ نماز ادا کرے"۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب الخدمۃ فی الغزو قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰۴
[2] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷
[3] جامع للخطیب مروی از مسند ابی سعید الخدری دار الفکر بیروت ۳/ ۶۲
[4] سنن ابی داود باب فی الجمع فی المسجد مرتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۵
[5] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوامامہ دار الفکر بیروت ۵/ ۲۵۴

بچناں انواع برکثیرہ وافراست و در آنہا ہے
وبر روئے صبیان مسلمین فراز نیست تازیانے یا اندیشہ
او نباشد ازیں ہمہ بگزر و بالاتر شنو تا امیر سد کہ پسر خود
پسران ماذون ہر کرا خواہی کہ بے حاجت بہ اذن کسے
محجور را از ولی پرسیدہ در خصومات خویش وکیل کنی یا متاع
خودت فروختن یا کالائے برائے تو خریدن فرمائی
بے آنکہ نام اجرے درمیان باشد ایں خود جز تبرع
چیست۔ اما روا داشتند کہ زیانے نہ پنداشتند بلکہ تصحیح
عبارات او را سود نگاشتند۔ در جامع الصغار است فی
وکالۃ الذخیرۃ اذا وکل صبیا یبیع عبدہ او وکلہ
بان یشتری لہ شیئا فباع واشتری جاز اذا
کان یعقل ذلک فلا عہدۃ علی الصبی وانما
العہدۃ علی الآمر وکذلک لو وکل صبیا
بالخصومۃ جاز بعد ان یکون الصبی بحیث
یعقل ما یقول وما یقال وہذہ المسئلۃ فی
الحاصل علی وجہین اما ان یکون صبیہ
او صبی غیرہ فان وکل صبیہ جاز ولا یستامر
احدا وان وکل صبی غیرہ فان کان ماذونا لہ
فی التجارۃ لا یستامر ولیہ وان کان
محجورا علیہ یستامر ولیہ فان اذن ولیہ
جاز لہ ان یوکلہ وہذا لان استعمال صبی
الغیر بغیر اذن الولی لا یجوز، وباذنہ یجوز
قالوا وہذہ المسالۃ روایۃ ان للاب
ان یعیر ولدہ وقد اتفق علیہ المشائخ
وہل لہ ان یعیر مال ولدہ بعض المتاخرین

اس طرح کی بہت سی اور کثیر نیکیاں ہیں ۔۔۔ اور
ان کا دروازہ مسلمان بچوں پر بند نہیں جب تک کہ کوئی
نقصان یا اندیشۂ نقصان نہ ہو۔

ان سب سے آگے بڑھیے اور بلند تر سنیے ۔۔۔
انسان اپنے لڑکے کو، یا ماذون لڑکوں میں سے جس کو
چاہے ۔۔۔ بغیر اس کے کہ کسی کے اذن کی حاجت ہو
۔۔۔ اور محجور ہو تو اس کے ولی سے پوچھ کر، اپنے مقدمات
میں وکیل بنا سکتا ہے یا اسے اپنا سامان بیچنے یا اپنے
لیے کوئی سامان خریدنے کا حکم دے سکتا ہے، بغیر اس
کے کہ درمیان میں کسی اُجرت کا نام ہو ۔۔۔ یہ خود تبرّع
نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر علما نے اسے جائز رکھا کیونکہ اس
میں کوئی نقصان نہ سمجھا، بلکہ اس کی عبارت کی تصحیح کو فائدہ قرار دیا۔

جامع الصغار میں ہے: ذخیرہ کتاب الوکالۃ میں ہے:
اپنا غلام بیچنے کے لیے کسی بچے کو وکیل بنایا اور بچے نے
خرید وفروخت کیا تو جائز ہے جبکہ بچہ اسے سمجھتا ہو اور
ذمہ بچے پر نہیں بلکہ آمر پر ہوگا ۔۔۔ اسی طرح اگر
کسی بچے کو مقدمے کا وکیل بنایا تو جائز ہے جبکہ یہ سمجھتا
ہو کہ خود کیا کہہ رہا ہے اور اس سے کیا کہا جا رہا ہے۔
بلحاظ حاصل اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں: (۱) یا تو خود
اس کا بچہ ہوگا (۲) یا دوسرے کا ہوگا۔ اگر اپنے بچّہ کو
وکیل بنایا تو جائز ہے اور کسی سے اجازت نہیں لینا ہے۔
اور اگر دوسرے کے بچّے کو وکیل بنایا تو (دو حالت ہے)
اگر وُہ تجارت کے لیے ماذون تھا تو اس کے ولی سے
اجازت لے ۔۔۔ اگر اس نے اجازت دے دی تو اسے
وکیل بنانا جائز ہے ۔۔۔ یہ اس لیے کہ دوسرے کے بچّے

قالوا له ذلك وعامتهم علٰی انه لیس لہ ذلك ثم ان محمدا رحمه الله تعالٰی جوز بیع الصبی المحجور علیہ وشراءہ لغیرہ ولم یجوز بیعه وشراءہ لنفسه لان بیعه وشراءہ لنفسه متردد ان بین النفع والضرر واما بیعہ وشراءہ لغیر علٰی وجه لا یلزمه العهدۃ نفع محض لان فیه تصحیح عبارته والصبی العاقل من اهل التصرفات النافعة المحضة کقبول الهبة وغیر ذلك وانما لایلزمه العهدۃ لان فیه ضرر الصغیر[1] الخ

سے اجازتِ ولی کے بغیر کام لینا جائز نہیں، اور اس کے اذن سے ہو تو جائز ہے ـــــ علماء نے فرمایا اس مسئلہ سے متعلق ایک روایت ہے وُہ یہ کہ باپ اپنے بچے کو عاریۃً دے سکتا ہے۔ اس پر مشائخ کا اتفاق ہے۔ اپنے بچے کے مال کو عاریۃً دے سکتا ہے یا نہیں؟ بعض متاخرین نے کہا دے سکتا ہے۔ اور اکثر اس پر ہیں کہ باپ کو اس کا اختیار نہیں ـــــ پھر جو بچہ محجور ہے وہ اگر دوسرے کے لیے خرید وفروخت کرے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اسے جائز رکھا ہے اور اپنے لیے خرید وفروخت کرے تو اس کو جائز نہ قرار دیا اس لیے کہ اپنے لیے اس کی جو خرید وفروخت ہوگی اُس میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہے اور دوسرے کے لیے جب اس طور پر خرید وفروخت ہوگی کہ ذمہ بچے پر نہ آئے تو اس میں اس کے لیے محض نفع ہے کیونکہ اس کی تعبیر اور گفتگو صحیح قرار پاجاتی ہے ـــــ اور عاقل بچہ ایسے تصرفات کا اہل ہے جن میں صرف نفع ہو جیسے ہبہ قبول کرنا وغیرہ ـــــ اور ذمہ بچہ پر نہ آئے گا اس لیے اس میں بچے کا ضرر ہے الخ (ت)

ہمچناں در فصل سی وچہارم از جامع الفصولین در احکام الصبیان ست[2] والعبارۃ الاولٰی اتم فائدۃ واعظم عائدۃ پس بوضوح پیوست کہ صبی اگرچہ محجور است از تبرع بے ضرر محجور نیست ھذہٖ کبری ولنبین الصغری چوں بتوفیقہ تعالٰی برہنمائی فقہ وحدیث در ما نحن فیہ نظر مے کنیم ہبۂ ثواب واہدائے او بمسلمانے را بحمد اللہ تعالٰی نفع بے ضرر مے یابیم این نہ ہمچو ہبۂ مال ست کہ چو یکسے

اسی طرح جامع الفصولین کی فصل ۳۴ میں بچوں کے احکام کے بیان میں ہے ـــــ مگر عبارت بالا زیادہ مفید اور عظیم نفع کی حامل ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ بچہ اگرچہ محجور ہو مگر بے ضرر تبرع سے محجور نہیں ہے یہ کبرٰی ہوا اب ہم صغرٰی بیان کرتے ہیں۔ بتوفیقِ الٰہی جب ہم فقہ وحدیث کی رہنمائی میں زیر بحث مسئلہ میں غور کرتے ہیں تو کسی مسلمان کو ثواب ہبہ وہدیہ کرنے کو بحمدہٖ تعالٰی ہم نفع بے ضرر پاتے ہیں ـــــ

[1] جامع احکام الصغار علٰی ھامش جامع الفصولین مسائل الوکالۃ مطبعۃ الازہریہ مصر ۱/ ۲۶۔۲۶۵

[2] جامع الفصولین فصل ۳۴ احکام الصبیان مطبعۃ الازہریہ مصر ۲/ ۸۔۲۰۷

وہی از خود گم گئی، تا نزد تست بدیگرے نہ رسد چوں بدیگر رسد پیش تو نماند این جا بسعت فضل وکمال کرم رب العزۃ جل جلالہ ہم ثواب تو نزد تو ماند۔ وہم بموہوب لہ رسد بلکہ بایں کار خود ثواب تو دہ بالا شود۔ پس این نفع بے نقص وتجارۃ لن تبور است۔ در حدیث (۱) است کہ حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود من حج عن میت فللذی حج مثل اجرہ[1] ہرکہ از جانب مردہ حج کند مراو را مثل ثواب آں میت باشد رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

حدیث (۲) کہ حضور اقدس صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ فرمود اذا تصدق احدکم بصدقۃ تطوعا فلیجعلہا عن ابویہ فیکون لہما اجرہا فلا ینقص من اجرہ شیئ[2]۔ چوں کسے از شما صدقہ نافلہ کردن خواہد باید کہ اورا از مادر و پدر خود گرداند کہ ایشاں را ثواب او باشد واز ثواب ایں کس چیزے نکاہد رواہ الطبرانی فی الاوسط وابن عساکر عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

حدیث (۳) روی نحوہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن معاویۃ بن حَیدۃ القُشَیری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

یہ ہبہ مال کی طرح نہیں کہ مال جب کسی کو دیا تو اپنے پاس سے گیا۔ اور جب تک اپنے پاس ہے دوسرے تک نہ پہنچے گا۔ جب دوسرے کے پاس پہنچ جائیگا تو اپنے پاس نہ رہیگا۔ یہاں وسعتِ فضلِ الٰہی اور کمالِ ربانی سے ہدیہ کرنے والے کا ثواب خود اس کے پاس بھی رہتا ہے اور موہوب لہ کے پاس بھی پہنچتا ہے بلکہ اس عمل کی وجہ سے خود اس کا ثواب دس گنا ہوجاتا ہے تو یہ ایسا نفع ہے جس میں کوئی کمی نہیں اور ایسی تجارت ہے جس میں ہرگز کوئی خسارہ نہیں۔

حدیث ۱: حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی وفات یافتہ کی جانب سے حج کرے اس کے لیے بھی ثوابِ میت کے مثل ثواب ہو۔ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

حدیث ۲: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نفل صدقہ کرنا چاہے تو چاہئے کہ اُسے اپنے ماں باپ کی جانب سے کردے کہ انھیں اس کا ثواب ملے گا اور اس شخص کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا۔ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔

حدیث ۳: اسی کے ہم معنی دیلمی نے مُسند الفردوس میں معاویہ بن حَیدہ قُشیری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط کتاب الحج باب فیمن مات وعلیہ الحج دار الکتاب بیروت ۳/ ۲۸۲
[2] ” کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ علی المیت ” ” ” ” ۳/ ۱۳۸

حدیث (۴) کہ فرمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من مر علی المقابر وقرأ قل ھو اللہ احد احدی عشرۃ مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات[1] ہر کہ بگورستان گزرد وسورۂ اخلاص یازدہ بار خواندہ بمردگان بخشد بشمار مردگان ثوابش دادہ شود۔ رواہ الدارقطنی والطبرانی والدیلمی والسلفی عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔

حدیث ۴: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قبرستان سے گزرے اور سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو بخش دے اُسے مُردوں کی تعداد کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ اسے دارقطنی، دیلمی اور سلفی نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کیا۔

حدیث (۵) کہ فرمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا حج الرجل عن والدیہ تقبل منہ ومنہما الحدیث[2] چوں کسے از والدین خودش حج کند ہم از قبول کردہ شود وہم ایشان۔ رواہ الدارقطنی عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث ۵: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی اپنے والدین کی طرف سے حج کرے تو اس کی جانب سے بھی قبول کیا جائے اور اُن کی جانب سے بھی ــــ اسے دارقطنی نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

پیداست کہ معنی قبول ہمیں عطائے ثواب ست کما نص علیہ العلماء ولذا قال فی التیسیر ای اثابہ واثابہما علیہ فیکتب لہ ثواب حجۃ مستقلۃ ولہما کذالک[3]

ظاہر ہے کہ قبول کا معنیٰ یہی ثواب دینا ہے۔ جیسا کہ علماء نے اس کی تصریح فرمائی۔ اسی لیے تیسیر میں فرمایا: یعنی اس پر اُسے بھی ثواب دے اور اس کے ماں باپ کو بھی ثواب دے تو اس کے لیے بھی مستقل حج لکھے اور ان کے لیے بھی ویسا ہی۔

حدیث (۶) کہ فرمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من حج عن ابیہ او عن امہ فقد قضی عنہ

حدیث ۶: رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے باپ یا ماں کی طرف سے حج کیا تو

---

[1] کنز العمال بحوالہ الرافعی عن علی حدیث ۴۲۵۹۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۶۵۵
اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ ابو محمد سمرقندی فی فضائل سورۃ الاخلاص دار الفکر بیروت ۱۰/ ۳۷۱
[2] سنن الدارقطنی کتاب الحج نشر السنۃ ملتان ۲/ ۲۶۰
[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ماقبل مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/ ۸۹

حجتہ وکان لہ فضل عشر حجج[1] ہر کہ از پدر و مادر خود حج کرد پس بدرستے کہ حج از او ادا کرد و خودش فضیلت دہ حج یافت رواہ الدارقطنی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

بے شک اُس کی جانب سے حج ادا کردیا اور خود دس حج کی فضیلت پائی ـــ اسے دارقطنی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔

در ردالمحتار است الثواب لاینعدم کما علمت[2] اھ ای اذا اھدی ثواب عملہ لغیرہ وصل الیہ ولو ینعدم من عندہ۔

ردالمحتار میں ہے: ثواب معدوم نہیں ہوجاتا جیسا کہ معلوم ہُوا اھ ـــ یعنی جب اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو ہدیہ کیا تو اس کے پاس پہنچ گیا اور خود ہدیہ کرنے والے کے پاس سے فنا نہ ہُوا۔

وفیہ عن العلامۃ نوح آفندی عن مناسک القاضی حج الانسان عن غیرہ افضل من حجہ عن نفسہ[3] الخ

اسی ردالمحتار میں علامہ نوح آفندی سے منقول ہے وہ مناسک قاضی سے ناقل ہیں: انسان کا دوسرے کی جانب سے حج کرنا خود اپنی طرف سے حج کرنے سے افضل ہے الخ

وفیہ عن التاتارخانیۃ عن المحیط الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانہا تصل الیہم ولا ینقص من اجرہ شیئ اھ قال وھو مذھب اھل السنۃ والجماعۃ[4] الخ۔

اور اُسی میں تاتارخانیہ سے، اُس میں محیط سے منقول ہے: جو کوئی نفل صدقہ کرے اُس کے لیے افضل یہ ہے کہ تمام مومنین و مومنات کی نیت کرلے کہ وہ ان سب کو پہنچے اور اس کے اجر سے کچھ کم نہ ہوگا اھ ـــ فرمایا: یہی اہلِ سنت وجماعت کا مذہب ہے الخ۔

بالجملہ اہدائے ثواب ہمچو روشن کردن چراغ از چراغ ست کہ ازیں چراغ چیزے نہ کاہد، و چراغ دیگر روشنائی یابد، و شک نیست کہ صبی از ہمچو تبرع

مختصر یہ کہ ثواب ہدیہ کرنا ایسا ہے جیسے چراغ سے چراغ جلانا کہ اس چراغ سے کچھ کم نہیں ہوتا اور دوسرے چراغ کو روشنی مل جاتی ہے ـــ اور بلاشبہہ بچہ اس

۱؎ سُنن الدارقطنی	کتاب الحج	نشر السنۃ ملتان	۲/۲۶۰
۲؎ ردالمحتار	باب الحج عن الغیر	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۲۳۶
۳؎ ردالمحتار	"	"	۲/۲۴۱
۴؎ "	مطلب فی القرأۃ للمیت الخ	"	۱/۶۰۵

زنہار مجبور نیست بلکہ چراغ افروختن نیز نظیر او نتواں شد کہ آنجا اگر از چراغ چیزے کم نشود فزوں ہم نشود و اینجا ثواب واہب یکے دہ می شود واللہ یضٰعف لمن یشاء واللہ واسع علیم۔

طرح کے تبرّع سے ہرگز مجبور نہیں ۔۔۔ بلکہ چراغ جلانا بھی اس کی نظیر نہیں ہوسکتی کہ وہاں اگر چراغ سے کچھ کم نہیں ہوتا تو کچھ زائد بھی نہیں ہوتا۔ اور یہاں ہبہ کرنیوالے کا ثواب ایک کا دس ہوجاتا ہے، اور اللہ جس کیلئے چاہے اور زیادہ کرتا ہے۔ اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔

بمثل فرض کن اگر در محسوس نیز صورتے ہمچناں یافتہ شدے کہ صبی درہمی دہد و آں درہم ہم بموہوب لہ رسد و ہم بدست صبی برقرار ماند و یکے دہ گردد آیا معقول بود کہ شرع مطہر صبی را از ہمچو تصرف باز داشتے حاش للہ حجر برائے نظر و ضع ضررا ست نہ بہر دفع نفع و الحاق بحجر این است دریں مسئلہ طریق نظر۔

بطور مثل فرض کیجئے اگر عالم محسوس میں بھی کوئی ایسی صورت ہوتی کہ بچہ ایک درہم دے وہ درہم موہوب لہ کے پاس بھی پہنچے اور بچے کے ہاتھ میں بھی برقرار رہے اور ایک کا دس ہوجائے تو کیا یہ متصور تھا کہ شرع مطہر بچے کو ایسے تصرف سے روک دیتی ۔۔۔ حاشا للہ! حجر ضرر دُور کرنے پر نظر کے لیے ہے نفع دور کرنے اور حجر (پتھر) سے لاحق کرنے کے لیے نہیں ہے ۔۔۔ یہ اِس مسئلہ میں طریق نظر ہے۔ (ت)

ثمّ اقول وباللہ التوفیق ہمانا از کلمات علماء نص جزئیہ برآریم علمائے ما در عامہ کتب تصریح فرمودہ اند کہ مسئلہ حج عن الغیر برہماں اصل کلی مبتنی ست کہ انسان را می رسد کہ ثواب عملش از آں دیگرے کند۔ فی الہدایہ باب الحج عن الغیر: الاصل فی ھذا الباب ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ اوصوما اوصدقۃ اوغیرھا عند اھل السنۃ والجماعۃ[1] اھ ومثلہ فی خزانۃ المفتین برمز "ہ" لھا و فی الدر باب الحج عن الغیر الاصل ان کل من اتی بعبادۃ ما لہ

ثم اقول وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق خدا تعالٰی ہی سے ہے۔ ت) کلماتِ علماء سے ہم خود اس جزئیہ کی صراحت لائیں۔ ہمارے علمائے عامہ کتب میں تصریح فرمائی ہے کہ دوسرے کی جانب سے حج کی بنیاد اُسی قاعدہ کلیہ پر ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کے لیے کرسکتا ہے۔ ہدایہ باب الحج عن الغیر میں ہے، اس باب میں اصل یہ ہے کہ اہلسنت وجماعت کے نزدیک انسان کو حق حاصل ہے کہ اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے کے لیے کردے، نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اور کچھ، اھ۔ اسی کے مثل خزانۃ المفتین میں ہدایہ کے لیے "ہ" کے رمز کے ساتھ ہے۔

---

[1] الہدایۃ باب الحج عن الغیر المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۲۷۶

جعلُ ثوابہا لغیرہٖ[1] اھ وفی الھندیۃ عن الغایۃ کالہدایۃ
معہ زیادۃ مفیدۃ وفی ملتقی الابحر اٰخرالباب وللانسان
ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ فی جمیع
العبادات[2] اھ قال فی شرحہ مجمع الانھر
ھذا وقع فی معرض العلۃ لما قبلہ[3] اھ پس
ثابت شد کہ حج از دیگرے کردن از باب اہدائے ثواب
است، ورنہ این تفریع راچہ محل بودے، حالا باید
دید کہ صبی نیز حج عن الغیر تواں کرد یانہ، در کتب
مذہب تصریحات جلیہ است کہ می تواں کرد۔ در
تنویر الابصار است یشترط اھلیۃ المامور لصحۃ
الافعال[4]۔ در حاشیہ علامہ طحطاوی است
عبر بالصحۃ دون الوجوب لیعم المراھق
فانہ اھل للصحۃ دون الوجوب[5]۔ در درمختار
است فجاز حج الصرورۃ والمرأۃ والعبد
والمراھق وغیرھم اولی لعدم الخلاف[6] اھ
ملخصا۔ ودر ردالمحتار است الشرط ھو
الاھلیۃ دون الذکورۃ والحریۃ والبلوغ[7] اھ
ملخصا۔ وہم دراں از لباب در تعداد شرائط آورد

درمختار باب الحج عن الغیر میں ہے: اصل یہ ہے
کہ جو شخص بھی کوئی بھی عبادت کرے اسے اختیار ہے
کہ اُس کا ثواب دوسرے کے لیے کردے اھ ___
ہندیہ میں غایہ کے حوالے سے عبارت ہدایہ کی طرح ایک
مفید اضافے کے ساتھ ہے ___ ملتقی الابحر باب مذکور
کے آخر میں ہے: انسان کو تمام عبادات پر اختیار ہے
کہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کے لیے کردے اھ۔
اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے: یہ عبارت بیان ماقبل
کے لیے علت کی منزل میں ہے ___ تو ثابت ہوا کہ
دوسرے کی جانب سے حج کرنا اہدائے ثواب کے باب
سے ہے ___ ورنہ اس تفریع کا کیا موقع ہوتا۔ اب
دیکھنا چاہیے کہ بچہ بھی دوسرے کی جانب سے حج کرسکتا
ہے یا نہیں؟ ___ کتب مذہب میں روشن تصریحات
موجود ہیں کہ کرسکتا ہے ___ تنویر الابصار میں ہے:
صحت افعال کے لیے مامور کا اہل ہونا شرط ہے ___
حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے: "صحت" سے تعبیر
فرمائی "وجوب" سے نہیں، تاکہ مُراہق (قریب البلوغ لڑکے)

---

[1] درمختار — باب الحج عن الغیر — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۱
[2] ملتقی الابحر — " — موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۲۴۴
[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر — باب الحج عن الغیر — داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۱۰
[4] درمختار شرح تنویر الابصار — باب الحج عن الغیر — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۱
[5] طحطاوی علی الدرالمختار — باب الحج عن الغیر — دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵۴۹
[6] درمختار — " " " — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۲
[7] ردالمحتار — " " " — داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۴۱

41

والتاسع عشر تمیز المامور فلا یصح احجاج صبی غیر ممیز ویصح احجاج المراھق[1] — ہم دراں ست ھذہ الشرائط کلھا فی الحج الفرض واما النفل فلا یشترط فیہ شیئ منھا الا الاسلام والعقل والتمیز[2] — ہمچناں درمناسک علامہ سندی است ودرہندیہ ازغایۃ السروجی شرح ہدایہ ازعلامہ کرمانی آورد الافضل ان یکون عالما بطریق الحج وافعالہ ویکون حراعاقلا بالغا اھ[3] اقول المراد بالعاقل ما یقابل المعتوہ الذی حکمہ حکم الصبی العاقل دون ما یقابل المجنون لان اصل العقل شرط صحۃ العبادات والکلام ھھنا فی الافضلیۃ وکان الحاصل ان الافضل ان لایکون عبدا ولا معتوھا ولا صبیا ممیزا وانما اکثرنا من النقول فی المسئلۃ لما وقع فی بعض نسخ اللباب من تصحیف اوقع الشارح فی بحث مضطرب وقد اجبنا بحول اللہ تعالٰی فیما علقنا علی طرقہ بما لامزید علیہ ولاحاجۃ بنا الی الاطالۃ بایرادہ ھنا باز بظاہر الروایۃ مؤید بنصوص صراح احادیث صحاح کہ نفس عمل ازجانب آمر واقع شود۔ ایں معنی دراں

کو بھی شامل ہو کیونکہ حج کی ادائیگی اس سے صحیح ہے مگر اُس پر واجب نہیں — درمختار میں ہے: ضرورہ (جس نے اپنا حج اسلام نہ کیا ہو) عورت، غلام اور مُراہق کا حج جائز ہے اور ان کے علاوہ (حجِ بدل کے لیے) ہوں تو بہتر ہے تاکہ اختلافِ ائمہ نہ رہے اھ ملخصا — ردالمحتار میں ہے: شرط صرف اہلیت ہے، مرد ہونا، آزاد ہونا، بالغ ہونا شرط نہیں اھ ملخصا — اسی میں لباب سے تعدادِ شرائط میں نقل ہے: انیسویں شرط یہ ہے کہ مامور باتمیز سمجھدار ہو تو ناسمجھ بچے سے حج کرانا صحیح نہیں اور مُراہق سے حج کرانا صحیح ہے — اسی میں ہے: یہ ساری شرطیں حجِ فرض میں ہیں نفل میں اسلام، عقل اور تمیز کے سوا کوئی شرط نہیں — اسی طرح مناسک علامہ سندی میں ہے — ہندیہ میں غایۃ السروجی از علامہ کرمانی کے حوالے سے ہے: افضل یہ ہے کہ طریقۂ حج اور افعالِ حج سے باخبر ہو اور آزاد، عاقل، بالغ ہو اھ — اقول یہاں عاقل سے مراد معتوہ کا مقابل ہے جس کا حکم عاقل بچے کا ہے، مجنون کا مقابل مراد نہیں اس لیے کہ نفسِ عقل تو تمام عبادات کی "صحت" کے لیے شرط ہے، اور یہاں کلام "افضلیت" کے بارے میں ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ افضل یہ ہے کہ نہ غلام ہو،

---

[1] ردالمحتار بحوالہ اللباب باب الحج عن الغیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۴۰

[2] " " " " " " " " "

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع فی الحج عن الغیر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۵۷

کار ما را مؤید تراست کہ چوں صبی ممیز اصل عمل بہر دیگرے وازاں او مے تواں کرد و ہبہ ثواب یکے از توابع اوست و ذلک قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیما ماروینا عنہ تقبل منہ و منہما کما اسلفنا پس از مجرد اہدائے ثواب مانع کیست وحاجز چیست، سخن اینجا دراز است و در فیض الٰہی باز اما بر ہمیں قدر بسندہ کنیم حامدین لربنا علی جودہ و نوالہ ومصلین علی سیدنا محمد وآلہ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

زعم شوہ، نہ ممیز بچہ ___ ہم نے اس مسئلہ میں حوالے زیادہ پیش کئے جس کی وجہ یہ ہے کہ لباب کے بعض نسخوں میں کچھ خطائے کتابت واقع ہوئی جس نے شارح کو ایک با اضطراب بحث میں ڈال دیا جس کا جواب بعونہ تعالٰی ہم نے اس کے حاشیہ میں کامل طور پر دے دیا ہے یہاں اسے ذکر کرکے کلام طویل کرنے کی ضرورت نہیں ___ پھر ظاہر الروایہ کی بنیاد پر جو صحیح احادیث کے صریح نصوص سے تائید یافتہ ہے کہ نفس عمل آمر کی جانب سے واقع ہوتا ہے۔ یہ معنی اس کلام میں ہمارے لیے زیادہ مؤید ہے کہ جب ممیز بچہ اصل عمل دوسرے کے لیے اور اس کے حق میں کرسکتا ہے اور ثواب ہبہ کرنا بھی اس کے توابع میں سے ایک ہے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا روایت مذکورہ میں یہ ارشاد ہے کہ "اس سے اور اس کے ماں باپ دونوں کی جانب سے قبول کیا جائے" ___ تو ثواب ہدیہ کرنے سے مانع کون ہے اور رکاوٹ کیا ہے؟ کلام یہاں طویل ہے اور فیض الٰہی کا دروازہ کشادہ، مگر ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں اس کے ساتھ اپنے رب کی، اس کے جود وکرم پر حمد کرتے ہیں اور اپنے آقا حضرت محمد اور ان کی آل پر درود بھیجتے ہیں۔ اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے۔ اور اس ذاتِ بزرگ کا علم زیادہ کامل اور محکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۲: از الٰہ آباد مدرسہ سبحانیہ دار الطلباء مرسلہ محمد سعید الحسن صاحب ۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے یہ دستور مقرر کر رکھا ہے کہ ہر ششماہی یا سالانہ یوم معین وتاریخ مقررہ پر اپنے پیر کا عرس ہوا کرے، لوگوں کو یہ کہتا ہے کہ جو شخص یہ عرس کرے اور عرس کی نیاز کردہ شیرینی کو کھائے گا اس پر بلاشبہہ جنت مقام، دوزخ حرام ہے۔ یہ کہنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ کہنا جزاف اور یاوہ گوئی ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ کس کا جنت مقام اور کس پر دوزخ حرام۔ عرس کی شیرینی کھانے پر اللہ و رسول کا کوئی وعدہ ایسا ثابت نہیں جس کے بھروسہ پر یہ حکم لگا سکیں، تو یہ تقوّل علی اللہ (اللہ تعالٰی پر اپنی طرف سے لگا کر کچھ بولنا ہے) ہوا اور وہ ناجائز ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

اطلع الغیب ام اتخذ عند الرحمٰن عہدا[1] کیا اس نے غیب دیکھ لیا ہے یا رحمان کے یہاں کوئی عہد رکھا ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن ۱۹/ ۷۸

قال تعالیٰ :

اتقولون علی اللہ ما لا تعلمون[1] کیا تم خدا پر وہ بولتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں۔ (ت)

واللہ تعالیٰ اعلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۴۳ - ۲۴۴ ازننگال ضلع سلہٹ موضع شوبید پور مرسلہ مولوی انوار الدین صاحب ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ :

(۱) میّت کے ثواب رساں کے لیے قرآن شریف کو ہدیہ کرنا یا چند نماز و روزہ وغیرہ کے کفارہ کے عوض میں قرآن شریف کو حیلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو کون کون صورتوں میں؟ یعنی بعض میّت کے ثلث مال قدر کفارہ کے ہے اور بعض کے کم اور بعض کے بالکلیہ نہیں۔ اور ان صورتوں میں مع وصیّت کے کیا حکم ہے؟

(۲) بوقتِ دفن میّت کے دُعا وغیرہ پڑھ کر چھوٹے چھوٹے ڈھیلا وغیرہ پر دم کرکے قبر کے اندر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) قرآن مجید کسی مسلمان کو دے کر اس کا ثواب میّتِ مسلم کو پہنچانا جائز ہے۔ کفّارے کے عوض میں قرآن مجید دے کر جو حیلہ یہاں عوام میں رائج ہے محض باطل و بے سود ہے، بلکہ بحال وصیت ثلث مال یا باجازت ورثہ بالغین اُس سے زائد، اور بلا وصیت جس قدر مال بر وارث عاقل بالغ چاہے اگر کفارہ واجبہ کی قدر کو کافی نہ ہو بطریق دور پورا کریں، یعنی ایک بار فقیر کو دے دیں اس قدر کا کفارہ ادا ہوا، فقیر بعد قبضہ پھر اُسے اپنی طرف سے ہبہ کردے۔ وارث پھر فقیر کو کفارے میں دے، یہاں تک کہ اُلٹ پھیر میں قدرِ کفارہ تک پہنچ جائے کما نص علیہ فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر وقد حققناہ فی فتاونا (جیسا کہ دُرمختار اور اس کے علاوہ کتب مبارکہ میں اس کی تصریح ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت)

(۲) کوئی حرج نہیں جبکہ قبر میں جگہ نہ گھیرے لعدم المنع و مالم یمنع لا یمنع (کیونکہ اس سے ممانعت نہ آئی اور جس سے منع وارد نہیں وہ ممنوع نہ ہوگا۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۴۵ ازپوسٹ فراش گنج ضلع نواکھالی ملک بنگالہ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ثواب رسانی کی نیت سے قرآن مجید پڑھ کر اُس پر اُجرت دینا

---

[1] القرآن ۷/ ۲۸

اور لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک قرآن مجید پڑھ کے چالیس درم سے کم اُجرت لینا اور پڑھانے والے کے لیے چالیس درہم سے کم اُجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ثواب رسانی کے لیے قرآن عظیم پڑھنے پر اُجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز، اور چالیس درہم اجرت محض بے اصل ہے۔

مسئلہ ۲۴۶ ازبنارس کچی باغ مسئولہ مولوی محمد ابراہیم صاحب ۱۸ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

دستور ہے کہ اغنیاء قرآن خوانی کے واسطے بلائے جاتے ہیں اور اُن کی دعوت دی جاتی ہے، کیا ان اغنیا کو بعد قرآن خوانی دعوتِ طعام چہلم جائز ہے؟ اور یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

موت میں دعوت بے معنی ہے، فتح القدیر میں اسے بدعت مستقبحہ فرمایا لان الدعوۃ شرعت فی السرور لا فی الشرور[1] (اس لیے کہ دعوت خوشی میں مشروع ہے غمی میں نہیں۔ ت) اغنیا کا اس میں کچھ حق نہیں، اور اگر بنظر المعهود عرفاً کالمشروط لفظا (جو عُرفاً معلوم ہے اسی کی طرح ہے جو لفظاً مشروط ہے۔ ت) وہ اجرت قرآن خوانی کی حد تک پہنچ گیا ہو۔ کھلانے والا جانتا ہو اُن کی تلاوت کے عوض مجھے کھانا دینا ہے، یہ جانتے ہوں ہمیں قرآن پڑھ کر کھانا لینا ہے، تو آپ ہی حرام ہے، کھانا بھی حرام اور کھلانا بھی حرام۔ لا تشتروا بایٰتی ثمنا قلیلا[2] (میری آیتوں کے بدلے حقیر مالِ دُنیا نہ لو۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۷ از لکھنؤ محلہ فرنگی محل احاطہ حیدر جان طوائف، بردوگان ہیزم سوختنی مسئولہ زین العابدین ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ضلع اعظم گڑھ کے قریب وجوار یہ رسم قدیم میت کے ایصالِ ثواب کے واسطے جاری تھی کہ روز شمارِ میت چہلم تک قرآن خوانی کراتے تھے اور بعد اختتام میعاد قرآن خوانی کی اجرت بصورتِ نقد و پارچہ اور اشارے قرآن خوانی میں کھانا دیا کرتے تھے۔ اب چند لوگ دیوبند سے تعلیم پاکر اسی ضلع میں آئے ہیں اور رسم لوگوں کے طریقہ مستمر ایصالِ ثواب کو ممنوع و ناجائز کہتے اور فعل عبث قرار دیتے ہیں، پس علمائے اہلسنّت وجماعت سے استدعا ہے کہ طریقۂ مروجہ ایصالِ ثواب عند الشرع جائز و درست ہے

---

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲

مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی حملہا و دفنہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۹

[2] القرآن ۲/ ۴۱

یا ممنوع، اور میت کو ثواب قرآن خوانی و کھانا وغیرہ کا ملتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

دیوبندی عقیدہ والوں کی نسبت علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں۔ اور فرمایا ہے : من شك فی عذابه وکفره فقد کفر[1] جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وُہ بھی کافر ہے۔ اُن کی کوئی بات نہ سُنی جائے نہ اُن کی کسی بات پر عمل کیا جائے جب تک اپنے علماء سے تحقیق نہ کرلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

وایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[2] اُن سے دُور بھاگو اور اُنھیں اپنے سے دُور کریں، کہیں وُہ تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں وُہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

اور اُن کا بتایا ہُوا کوئی مسئلہ اگر صحیح بھی نکلے تو اُس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ عالم ہیں، یا اُن کے اور مسائل بھی صحیح ہوں گے۔ دنیا میں کوئی ایسا فرقہ نہیں جس کی کوئی نہ کوئی بات صحیح نہ ہو۔ مثلاً یہود و نصارٰی کی یہ بات صحیح ہے کہ موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام نبی ہیں، کیا اس سے یہودی اور نصرانی سچے ہوسکتے ہیں! رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں : الکذوب قد یصدق[3] بڑا جھُوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔ دیوبندی تو اموات مسلمین کو ثواب پہنچانے ہی سے جلتے ہیں۔ فاتحہ، سوم، دہم، چہلم سب کو حرام کہتے ہیں۔ یہ سب باتیں جائز ہیں، میّت کو قرآن خوانی و طعام خورانی دونوں کا ثواب پہنچتا ہے۔ تیجے و چالیسویں وغیرہ کا تعین عرفی ہے جس سے ثواب میں خلل نہیں آتا۔ ہاں قرآن خوانی پر اُجرت لینا دینا منع ہے۔ اس کا طریقہ یہ کیا جائے کہ حافظ کو مثلاً چالیس دن کے لیے نوکر رکھ لیں کہ جو چاہیں کام لیں گے اور یہ تنخواہ دیں گے، پھر اُس سے قبر پر پڑھنے کا کام لیا جائے۔ اب یہ اُجرت بلاشبہہ جائز ہے کہ اُس کے وقت کے مقابل ہے نہ کہ تلاوتِ قرآن کے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۸ تا ۲۵۰: از شہر محلہ بہاری پور مسئولہ عبدالجبار صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف پڑھ کر یا زیارتِ قبور و ختم تہلیل کرکے جس میں ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے اُجرت لینا جو حرام ہے وہ قطعی حرام ہے یا نہ ؟

(۲) بلاتعین اُسی وقت اگر قاری کو کچھ دے دیا جائے وُہ بھی حرام ہے یا نہ ؟

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶

[2] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب فصل اول مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۸

[3] مجمع بحار الانوار تحت لفظ صدق نولکشور لکھنؤ ۲/۲۳۹

41
41

(۳) المعروف کالمشروط (جو معروف ہے وہ مشروط کی طرح ہے۔ ت) قاعدہ کلیہ ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) تلاوت وتہلیل میں اُجرت لینا ضرور حرام ہے اور گناہ ہونے میں قطعی اور غیر قطعی ہونے کا فرق نہیں، گناہ اگرچہ صغیرہ ہوں اُسے ہلکا جاننا قطعی حرام ہے۔

(۲) جبکہ عادات ورواج کے مطابق قاری کو معلوم ہے کہ ملے گا اور اسے معلوم ہے کہ دینا ہوگا، تو ضرور اُجرت میں داخل ہے فان المعروف کالمشروط (معروف مشروط کی طرح ہے۔ ت)۔

(۳) المعروف کالمشروط قاعدہ کلیہ ہے مگر جب صراحۃً معروف کی نفی کردے تو مشروط نہیں رہے گا، مثلاً قاری سے صاف کہہ دیا جائے کہ دیا کچھ نہ جائے گا، یا وہ کہہ دے کہ میں لُوں گا کچھ نہیں، اس کے بعد پڑھے، پھر جو چاہیں دے دیں وُہ اُجرت میں داخل نہ ہوگا، لان الصریح یفوق الدلالۃ کما فی الخانیۃ وغیرھا (اس لیے کہ صریح کا درجہ دلالت سے اُوپر ہے جیسا کہ خانیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۱ تا ۲۵۵: حاجی عبدالغنی صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت، ناصر ملت اس بارے میں کہ:

(۱) میت کے تابوت کو لے کر دس قدم چلنا پھر جانب بدلنا، اسی طرح چاروں جانب چالیس قدم چلنا سنت ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر قبرستان چالیس قدم سے کم ہو تو میت کو مع کر قبر کے چاروں طرف چالیس قدم گھومنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نمازِ جنازہ پڑھ کر اور قبور کی زیارت کرکے خیرات لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) جو شخص اس کو ناجائز سمجھ کر اعلان کردے کہ میں اس کو ناجائز سمجھتا ہُوں کوئی صاحب اس کی اُجرت ہم کو ہرگز نہ دو، پھر اگر کوئی بطور ہدیہ دے تو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) میت کی رُوح پر ثواب رسانی کے لیے قرآن شریف ومیلاد شریف پڑھ کر خیرات لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) مستحب ہے (۲) جہالت وممنوع ہے (۳) ناجائز (۴) جائز ہے (۵) ناجائز ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۶: از بنگالہ ضلع میمن سنگھ موضع مرزاپور مرسلہ منشی آدم غرہ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

ما تقولون یا علماء الفحول فی ھذہ المسئلۃ کافی مات وارادہ ورثتہ ان یطعموا طعاما للمسلمین

اس مسئلہ میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں ایک کافر فوت ہُوا اب اس کے ورثہ مسلمانوں کو کھانا کھلانا چاہتے ہیں، تو

هل یجوز الاکل للمسلمین ام لا۔

مسلمانوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب

لاینبغی لھم ان یجیبوا لانھا ان کانت ضیافۃ فالضیافۃ فی الموت من النیاحۃ روی الامام احمد وابن ماجۃ بسند صحیح عن جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعۃ الطعام من النیاحۃ[1] وان کانت بزعمہ صدقۃ مع انہ لاصدقۃ من کافر ولا لکافر ففیہ ازدراء بالمسلمین لانہ یعد نفسہ الخبیثۃ متفضلۃ علیھم بالتصدق وایاھم اکلی صدقتہ والید العلیا خیر من الید السفلی ولاینبغی لید کافر ان تکون علیا بل الاسلام یعلو ولا یعلی[2] ھذا ماظھر لی وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

انھیں یہ دعوت نہ قبول کرنا چاہئے اس لئے کہ یہ اگر ضیافت ہے تو موت میں ضیافت نیاحت سے ہے۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے بسندِ صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی: ہم گروہِ صحابہ میت کے پاس جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرنے کو نیاحت سے شمار کرتے تھے ـــــ اور اگر اس کے خیال میں صدقہ ہو ـــ جبکہ صدقہ کسی کافر سے اور کسی کافر کے لیے ہو ہی نہیں سکتا ـــــ تو اس میں مسلمانوں کی بے عزتی ہے اس لیے کہ وُہ صدقہ کرکے اپنے نفسِ خبیث کو ان پر احسان کرنے والا اور انھیں صدقہ کھانے والا سمجھا جاتا ہے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے سے بہتر ہوتا ہے ـــــ اور کسی کافر کا ہاتھ اونچا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا ـــــ یہ وُہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا، اور امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی درست ہوگا، اور خدائے برتر خُوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۷: از بریلی مسئولہ شیخ عبدالعزیز بساطی دوم ذوالقعدہ ۱۳۳۰ھ

اہلِ ہنود اگر فاتحہ دلوانا چاہیں تو دینی چاہئے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

فاتحہ ایصالِ ثواب ہے۔ کافر کی طرف سے یا کافر کے مال کا ثواب پہنچانا کیا معنی؟ کافر اصلاً اہلِ ثواب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۰۴
سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی النھی عن الاجتماع الی اھل المیت الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۷
[2] کنز العمال حدیث ۲۴۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۶۶

مسئلہ ۲۵۸: از عثمان پور ڈاک خانہ کوٹھی ضلع بارہ بنکی مرسلہ محمد حسن یار خاں صاحب ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان کسی کافر یا مشرک یا رافضی کو قرآن خوانی اور کسی ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرے تو اس کافر یا مشرک یا رافضی کو ثواب پہنچے گا یا نہیں؟ اور ایصالِ ثواب کرنے والے کی بابت کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

کافر خواہ مشرک ہو یا غیر مشرک، جیسے آج کل کے عام رافضی کہ منکرانِ ضروریاتِ دین ہیں، اُسے ہرگز کسی طرح کسی فعلِ خیر کا ثواب نہیں پہنچ سکتا۔ قال اللہ تعالٰی وما لھم فی الاٰخرۃ من خلاق[1] (اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں۔ ت) اور انھیں ایصالِ ثواب کرنا معاذ اللہ خود راہِ کفر کی طرف جانا ہے کہ نصوصِ قطعیہ کو باطل ٹھہرانا ہے۔ رافضی تبرائی کا فقہائے کرام کے نزدیک یہی حکم ہے، ہاں جو تبرائی نہیں جیسے تفضیلیہ انھیں ثواب پہنچ سکتا ہے اور پہنچانا بھی حرام نہیں جبکہ اُن سے دینی محبت یا ان کی بدعت کو سہل و آسان سمجھنے کی بنا پر نہ ہو، ورنہ انکم اذا مثلھم یہ بھی اُنھیں میں شمار ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۹: از منڈی ہلدوانی ضلع نینی تال مرسلہ حفیظ احمد مستری ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ہندو میّت کے ثواب کے لیے میلاد شریف کے واسطے کچھ روپیہ دے تو اس ہندو کے روپے سے میلاد شریف پڑھوانا کیسا ہے؟

الجواب

ہندو سے روپیہ اس واسطے نہ لیا جائے۔ حدیث میں ہے: انی نھیت عن زبد المشرکین[2] (مجھے مشرکین کی جھاگ سے منع کیا گیا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن ۲/ ۲۰۰

[2] سنن ابی داؤد باب فی الامام یقبل ھدایا المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۷۸

رسالہ

اِتْیَانُ الْاَرْوَاح لِدِیَارِھِمْ بَعْدَ الرَّوَاح

۱۳۲۱

(رُوحوں کا بعد وفات اپنے گھر آنا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۲۶۰ ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ جس وقت سے رُوح انسان کی جسم سے پرواز کرتی ہے بعد اُس کے پھر بھی اپنے مکان پر آتی ہے یا نہیں؟ اور اس سے کچھ ثواب کی خواستگار خواہ قرآن مجید یا خیرات وغیرہ طعام ہو یا روپیہ پیسہ ہوتی ہے یا نہیں؟ اور کون کون دن رُوح اپنے مکان پر آیا کرتی ہے؟ اور اگر آتی ہے تو منکر اس کا گنہ گار ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس گناہ میں شامل ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

خاتمۃ المحدثین شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرح مشکوٰۃ شریف باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں:

مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از رفتن او از عالم تا ہفت روز تصدق از میت نفع

میت کے دُنیا سے جانے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے۔ میت کی طرف سے

می کند او را بے خلاف میان اہلِ علم وارد شدہ است در آں احادیث صحیحہ خصوصاً آب، و بعضے از علماء گفتہ اند کہ نمی رسد بہ میّت را مگر صدقہ و دعا، و در بعض روایات آمدہ است کہ رُوحِ میّت می آید خانۂ خود را شبِ جُمعہ، پس نظر می کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ[1] واللہ تعالیٰ اعلم۔

صدقہ اس کے لیے نفع بخش ہوتا ہے۔ اس میں اہلِ علم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہیں، خصوصاً پانی صدقہ کرنے کے بارے میں ـــ اور بعض علماء کا قول ہے کہ میّت کو صرف صدقہ اور دُعا کا ثواب پہنچتا ہے ـــ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ رُوح شبِ جمعہ کو اپنے گھر آتی ہے اور انتظار کرتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

شیخ الاسلام "کشف الغطاء عما لزم للموتیٰ علی الاحیاء" فصل ہشتم میں فرماتے ہیں:

"در غرائب و خزانہ نقل کردہ کہ ارواحِ مومنین می آیند خانہ ہائے خود را ہر شبِ جمعہ و روزِ عید و روزِ عاشورہ وشبِ برات، پس ایستادہ می شوند بیرون خانہائے خود و ندا می کند ہر یکے بآوازِ بلند اندوہگین اے اہل و اولادِ من و نزدیکانِ من مہربانی کنید برما بصدقہ"[2]

غرائب اور خزانہ میں منقول ہے کہ مومنین کی رُوحیں ہر شبِ جمعہ، روزِ عید، روزِ عاشوراء اور شبِ برات کو اپنے گھر آکر باہر کھڑی رہتی ہیں اور ہر روح غمناک بلند آواز سے ندا کرتی ہے کہ اے میرے گھر والو، اے میری اولاد، اے میرے قرابت دارو! صدقہ کرکے ہم پر مہربانی کرو۔ (ت)

اسی میں ہے:

"شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ در شرح الصدور احادیث شتّے در اکثر ازیں اوقات آوردہ اگرچہ اکثرے خالی از ضعف نیست"[3]

شرح الصدور میں شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے اکثر اوقات کے بارے میں مختلف حدیثیں نقل کی ہیں اگرچہ اکثر ضعف سے خالی نہیں ہیں (ت)

اکثرے کا لفظ صریح دلالت کر رہا ہے کہ بعض بالکل ضعف سے خالی ہیں، تو صاحبِ مائۃ مسائل کا مطلقاً اس کی طرف نسبت کرنا کہ "این روایات را تضعیف ہم فرمودہ اند"[4] کذب و افترا ہے یا جہل و اجترا۔

---

[1] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱۶ و ۷۱۷

[2] کشف الغطاء عما لزم للموتیٰ علی الاحیاء فصل احکام دعا و صدقہ ص ۶۶

[3] " " " " " "

[4] مائۃ مسائل

اور استناد کا روایات صحیحہ مرفوعہ متصلۃ الاسناد میں حصر اور صحاح کا صرف کتب ستہ پر قصر، جیسا کہ صاحب مائۃ مسائل سے یہاں واقع ہُوا، جہل شدید وسفہ بعید ہے۔ حدیث حسن بھی بالاجماع حجت ہے۔ غیر عقائد و احکام حلال وحرام میں حدیث ضعیف بھی بالاجماع حجت ہے۔ ہمارے ائمہ کرام حنفیہ وجمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد بھی حجت ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی بھی حجت ہے کہ یہ سب مسائل ادنٰی طلبہ علم پر بھی روشن ہیں۔ اور حدیث صحیح کا ان چھ کتابوں میں محصور نہ ہونا بھی علم حدیث کے ابجد خوانوں پر بیّن ومبرہن (ظاہر ودلائل سے ثابت۔ ت) ہے۔ ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون (لیکن وہابیہ نادان ہیں۔ ت)

طرفہ (تعجب۔ ت) یہ کہ خود صاحب مائۃ مسائل نے اس کتاب اور اربعین میں اور بزرگانِ خاندانِ دہلی جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تصانیف کثیرہ میں وہ وہ روایات غیر صحاح وروایاتِ طبقہ رابعہ اور ان سے بھی نازل تر (کم مرتبہ۔ ت) سے استناد کیا ہے، جیسا کہ ان کتب کے ادنٰی مطالعہ سے واضح ومبین ہے ولکن النجدیۃ یجحدون الحق وھم یعلمون (لیکن نجدیہ جان بُوجھ کر حق کا انکار کرتے ہیں۔ ت)

امام اجل عبداللہ بن مبارک وابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہم سے موقوفًا اور امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک اور ابونعیم حلیہ میں بسندِ صحیح حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرفوعًا راوی

وھذا لفظ ابن المبارک قال ان الدنیا جنۃ الکافر وسجن المؤمن، وانما مثل المؤمن حین تخرج نفسہ کمثل رجل کان فی السجن فاخرج منہ فجعل یتقلب فی الارض یتفسح فیھا۔[1]

(اور یہ ابن مبارک کے الفاظ ہیں۔ ت) بیشک دنیا کافر کی بہشت اور مسلمان کا قید خانہ ہے جب مسلمان کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص زندان میں تھا اب آزاد کردیا گیا تو زمین میں گشت کرنے اور بافراغت چلنے پھرنے لگا۔

ابوبکر کی روایت یُوں ہے:

فاذا مات المؤمن یخلی بہ یسرح حیث شاء۔[2]

جب مسلمان مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے جائے۔

---

[1] کتاب الزہد لابن المبارک باب فی طلب الحلال حدیث ۵۹۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۱۱

[2] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الزہد حدیث ۱۶۵۷۱ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳/ ۳۵۵

ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضرت سلمان فارسی و عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما باہم ملے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر تم مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا، کہا کیا زندے اور مُردے بھی ملتے ہیں؟ کہا:

نعم اما المومنون فان ارواحھم فی الجنۃ وھی تذھب حیث شاءت[1]

ہاں مسلمانوں کی رُوحیں تو جنّت میں ہوتی ہیں اُنھیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔

ابن المبارک کتاب الزہد و ابوبکر ابن ابی الدنیا و ابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاءت ونفس الکافر فی سجین[2]

بیشک مسلمانوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اور کافر کی روح سجّین میں مقید ہے۔

ابن ابی الدنیا مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال بلغنی ان ارواح المومنین مرسلۃ تذھب حیث شاءت[3]

فرمایا: مجھے حدیث پہنچی ہے کہ مسلمانوں کی رُوحیں آزاد ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں:

رجح ابن البران ارواح الشھداء فی الجنۃ وارواح غیرھم علی افنیۃ القبور فتسرح حیث شاءت[4]

امام ابوعمر ابن عبدالبر نے فرمایا: راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی رُوحیں جنّت میں ہیں اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر، جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

ان الروح اذا انخلعت من ھذا الھیکل وانفکت من القیود بالموت تحول الی حیث شاءت[5]

بیشک جب رُوح اس قالب سے جُدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جولاں کرتی ہے۔

---

[1] شعب الایمان باب التوکل والتسلیم حدیث ۱۳۵۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۱۲۱

[2] کتاب الزہد لابن مبارک باب ماجاء فی التوکل حدیث ۴۲۹ " " " ص ۱۴۴

[3] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۹۸

[4] " " " " " " " " " " " ص ۱۰۵

[5] تیسیر شرح جامع صغیر تحت حدیث ان روح المومنین الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/۳۲۰

قاضی ثناء اللہ بھی تذکرۃ الموتیٰ میں لکھتے ہیں :

"ارواحِ ایشاں (یعنی اولیائے کرام قدست اسرارہم) از زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند می روند۔"[1]

اولیائے کرام قدست اسرارہم کی روحیں زمین، آسمان، بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں (ت)

خزانۃ الروایات میں ہے :

عن بعض العلماء المحققین ان الارواح تتخلص لیلۃ الجمعۃ وتنتشر فجاؤا الی مقابرھم ثم جاؤا فی بیوتھم۔[2]

بعض علماء محققین سے مروی ہے کہ روحیں شبِ جمعہ چھٹی پاتی اور پھیلتی جاتی ہیں۔ پہلے اپنی قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔

دستور القضاۃ مستند صاحبِ مائۃ مسائل میں فتاوٰی امام نسفی سے ہے :

ان ارواح المومنین یاتون فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین یا اھلی ویا اولادی ویا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقۃ واذکرونا ولا تنسونا وارحمونا فی غربتنا الخ۔[3]

بیشک مسلمانوں کی رُوحیں ہر روز و شبِ جمعہ اپنے گھر آتی اور دروازے کے پاس کھڑی ہوکر دردناک آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو! اے میرے بچو! اے میرے عزیزو! ہم پر صدقہ سے مہر کرو، ہمیں یاد کرو بھول نہ جاؤ، ہماری غریبی میں ہم پر ترس کھاؤ۔

نیز خزانۃ الروایات مستند صاحبِ مائۃ مسائل میں ہے :

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اذا کان یوم عید او یوم جمعۃ او یوم عاشوراء ولیلۃ النصف من الشعبان تاتی ارواح الاموات ویقومون علٰی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احد یذکرنا ھل من احد یترحم علینا ھل من احد یذکر غربتنا الحدیث۔[4]

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورے کا دن یا شبِ برات ہوتی ہے اموات کی رُوحیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں: ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔

اسی طرح کنز العباد میں بھی کتاب الروضہ امام زندویسی سے منقول، یہ مسئلہ کہ نہ عقائد کا ہے نہ فقہ کے

---

[1] تذکرۃ الموتیٰ والقبور اردو ترجمہ مصباح النور باب روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے بیان میں نوری کتب خانہ لاہور ص ۷۵ و ۷۶

[2] خزانۃ الروایات [3] دستور القضاۃ [4] خزانۃ الروایات

حلال وحرام کا۔ ایسی جگہ دو ایک سندیں بھی بس ہوتیں نہ کہ اس قدر کثیر ووافر۔

امام جلال الملۃ والدین سیوطی مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء زیر رثائے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لم اجدہ فی شیئ من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفٰی بذلک سندًا لمثلہ فانہ لیس مما یتعلق بالاحکام۔[1]

یعنی میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے مدخل میں اسے ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا۔ ایسی حدیث کو اتنی ہی سند کافی ہے کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں۔

باقی رہا ضلال حال کے شیخ الضلال گنگوہی کا "براہین قاطعہ" میں زعم باطل کہ ارواح کا اپنے گھر آنا یہ مسئلہ عقائد کا ہے اس میں مشہور ومتواتر صحاح کی حاجت ہے قطعیات کا اعتبار ہے نہ ظنیات صحاح کا۔ یعنی اگر صحیح بخاری وصحیح مسلم کی بھی صحیح وصریح حدیثوں میں ہو کہ روحیں آتی ہیں تو وہ حدیثیں بھی اُن کے دھرم (مذہب ۱۲) میں مردود ہوں گی کہ ان روایات میں عمل نہیں بلکہ علم ہے اور تسلیم بھی کرلیے تو فقط عمل ہے نہ فضل عمل۔ براہین قاطعۃ لما امر اللہ بہ ان یوصل (اللہ تعالٰی نے جس چیز کے ملانے کا حکم دیا اسے قطع کرنے والی کتاب۔ ت) میں چار ورق سے زائد پر یہی اعجوبہ اضحوکہ طرح طرح کے مزخرفات سے آلودہ اندودہ (مزین وملمع ۱۲) کیا ہے سخت جہالت فاحشہ ہے۔

اقول اگرچہ ہر جملہ خبریہ جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو اگرچہ اسے نفیاً واثباتاً کسی طرح عقاید میں دخل نہ ہو نافی یا مثبت کسی پر اس نفی واثبات کے سبب حکم ضلالت وگمراہی محتمل نہ ہو سب باب عقاید میں داخل ٹھہرے، جس میں احادیث بخاری ومسلم بھی جب تک متواتر نہ ہوں نامقبول ٹھہریں۔ تو **اولاً** سیر ومغازی ومناقب یہ علوم کے علوم سب گاؤ خورد ودریا برد ہو جائیں، حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان علوم میں صحاح درکنار ضعاف بھی مقبول۔ سیرت انسان العیون میں ہے:

لایخفی ان السیر تجمع الصحیح والسقیم، والضعیف والبلاغ، والمرسل والمنقطع، والمعضل دون الموضوع، وقد قال الامام

مخفی نہیں کہ کتب سیر میں موضوع چھوڑ کر صحیح، سقیم، ضعیف، بلاغ، مرسل، منقطع، معضل ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں۔ امام احمد وغیرہ ائمہ نے

---

[1] مناہل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء

احمد بن حنبل وغیرہ من الائمۃ ، اذا روینا فی الحلال و الحرام شددنا واذ روینا فی الفضائل ونحوھا تساھلنا۔[1]

فرمایا ہے ، جب ہم حلال وحرام یعنی باب احکام میں روایت کرتے ہیں تو شدت برتتے ہیں اور جب باب فضائل وغیرہ میں روایت کرتے ہیں تو نرمی رکھتے ہیں (ت)

اس مبحث کی تفصیل فقیر کی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں ملاحظہ ہو ۔ یہیں دیکھیے رثائے مذکور امیر المومنین کیا فضائلِ اعمال سے تھا ، وہ بھی باب علم سے ہے ، جس میں امام خاتم الحفاظ نے بعض علماء کی بے سند حکایت بھی کافی بتائی ۔

ثانیًا علم رجال بھی مردود ہو جائے کہ وہ بھی علم ہے نہ عمل وفضل ، عمل تو غیر قطعیات سب باطل ومہمل ۔

ثالثًا دو تہائی سے زائد بخاری ومسلم کی حدیثیں محض باطل و مردود قرار پائیں ۔

رابعًا عقائد واعمال میں تفرقہ جس پر اجماعِ ائمہ ہے ضائع جائے ، کہ احکامِ حلال وحرام میں کیا اعتقاد حلت وحرمت نہیں لگا ہوا ہے ، اور وہ عمل نہیں بلکہ علم ہے تو کسی شے کے حلال یا حرام سمجھنے کے لیے بخاری ومسلم کی حدیثیں مردود ۔ اور جب حلال وحرام کچھ نہ جانیں تو اسے کیوں کریں اس سے کیوں بچیں !

خامسًا بلکہ فضائلِ اعمال میں بھی احادیثِ صحیحین کا مردود ہونا لازم ۔ حالانکہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی یہ سفیہ خود مقبول مانتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس عمل میں یہ خوبی ہے ، اس پر یہ ثواب یہ جاننا خود عمل نہیں بلکہ علم ہے اور علم بابِ عقائد سے ہے اور عقائد میں صحاح ظنیات مردود ۔

سادسًا اگلے صاحب نے تو اتنی مہربانی کی تھی کہ حدیث صحیح مرفوع متصل السند مقبول رکھی تھی ، انھوں نے بخاری ومسلم بھی مردود کردیں ، جب تک قطعیات نہ ہوں کچھ نہ سنیں گے ؎

قدم عشق پیشتر بہتر

سابعًا ختمِ الٰہی کا ثمرہ دیکھیے ، اسی براہین قاطعہ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں فضیلتِ علمِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بابِ فضائل سے نکلوا کر اُس تنگنائے اعتقادیات میں داخل کرایا تاکہ صحیحین بخاری ومسلم کی حدیثیں بھی جو وسعتِ علمِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دال ہیں مردود ٹھہریں ۔ اور وہیں وہیں اُسی مُنہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علمِ عظیم کی تنقیص کو محض بے اصل و بے سند حکایت سے سند لایا کہ شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ، حالانکہ حضرت شیخ

---

[1] انسان العیون خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۳ و ۴

قدس سرہٗ نے اسے ہرگز روایت نہ کیا بلکہ اعتراضاً ذکر کرکے صاف فرمادیا تھا کہ "این سخن اصلے ندارد و روایت بدان صحیح نشدہ است" (اس کلام کی کوئی اصل نہیں، اور اس کے بارے میں روایت صحیح نہیں۔ ت)

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل ماننے کو تو جب تک حدیث قطعی نہ ہو بخاری و مسلم بھی مردود، اور معاذاللہ حضور کی تنقیص فضائل کے لیے بے اصل و بے سند و بے سروپا حکایت مقبول و محمود۔ اور پھر دعوٰی ایمان و امانت و دین و دیانت بدستور موجود۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ــ کذٰلک یطبع اللہ علٰی کل قلب متکبر جبار (اسی طرح اللہ ہر متکبر سخت گیر کے دل پر مُہر کردیتا ہے۔ ت)

بالجملہ یہ مسئلہ نہ باب عقائد سے نہ باب احکام حلال و حرام سے۔ اسے جتنا ماننا چاہیے کہ اُس کے لیے اتنی سند کافی و وافی۔ منکر اگر صرف انکار یقین کرے یعنی اس پر جزم و یقین نہیں تو ٹھیک ہے، اور عامہ مسائل سیر و مغازی و اخبار و فضائل ایسے ہی ہوتے ہیں، اس کے باعث وُہ مردود نہیں قرار پاسکتے۔ اور اگر دعوٰی نفی کرے یعنی کہے مجھے معلوم و ثابت ہے کہ رُوحیں نہیں آتیں تو جُھوٹا کذاب ہے۔ بالفرض اگر اُن روایات سے قطع نظر بھی تو غایت یہ کہ عدم ثبوت ہے نہ ثبوت عدم، اور بے دلیل عدم ادعائے عدم محض تحکم و ستم، آنے کے بارے تو آتنی کتب و علماء کی عبارات اتنی روایات بھی ہیں نفی و انکار کے لیے کون سی روایت ہے؟ کس حدیث میں آیا کہ رُوحوں کا آنا باطل و غلط ہے؟ تو ادعائے بے دلیل محض باطل و ذلیل۔

کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ طرف مقابل پر روایات موجودہ صرف بربنائے ضعف مردود، اور اپنی طرف روایت کا نام نہ نشان اور ادعائے نفی کا بلند نشان۔ رُوحوں کا آنا اگر باب عقائد سے ہے تو نفیاً و اثباتاً ہر طرح اسی باب سے ہوگا، اور دعوٰی نفی کے لیے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی، یا مسئلہ ایک طرف سے باب عقائد میں ہے کہ صحاح بھی مردود، اور دُوسری طرف سے ضروریات میں ہے کہ اصلاً حاجت دلیل مفقود۔

ولکن الوھابیۃ لایعقلون ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ فقط

لیکن وہابیہ بے عقل ہوتے ہیں ــ اور برائی سے رکنے، نیکی کے کرنے کی طاقت نہیں مگر بلند عظیم خدا ہی کی طرف سے۔ اور خدائے برتر اپنی مخلوق میں سب سے بہتر حضرت محمد اور ان کی آل و اصحاب سب پر درود نازل فرمائے۔ الٰہی! قبول کر۔ اور اللہ تعالٰی خوب جاننے والا ہے اور اس ذات بزرگ کا علم زیادہ کامل اور محکم ہے (ت)

مسئلہ ۲۶۱ از کانپور محلہ مول گنج مرسلہ امام الدین صاحب ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ
مرنے کے بعد میت کو اپنے عزیزوں سے کس طرح تعلقات رہتے ہیں؟

الجواب

موت فنائے رُوح نہیں، بلکہ وُہ جسم سے رُوح کا جدا ہونا ہے۔ رُوح ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ حدیث میں ہے انما خلقتم للابد[1] تم ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے بنائے گئے۔ تو جیسے تعلقات حیات دنیوی میں تھے اب بھی رہتے ہیں۔ حدیث میں فرمایا کہ "ہر جمعہ کو ماں باپ پر اولاد کے ایک ہفتہ کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں، برائیوں پر رنجیدہ ہوتے ہیں، تو اپنے گزرے ہوؤں کو رنجیدہ نہ کرو، اے اللہ کے بندو! واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۲ از لاہور مسجد بیگم شاہی اندرون دروازہ مستی مرسلہ صوفی احمد الدین طالبعلم ۲۶ صفر ۱۳۳۸ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ارواحِ مومنین کی جگہ کون ہے، کیا جسد کے ساتھ رہتے ہیں یا علیحدہ؟

الجواب

ارواحِ مومنین برزخ میں اجسام مثالی ہیں، جیسے شہدا کے لیے حواصل طیور خضر[1] فرمایا سبز پرندوں کے بھیس میں، اور اُن کے مقام حسبِ مراتب مختلف ہیں، قبور پر یا چاہِ زمزم میں یا فضائے آسمان میں یا کسی آسمان پر یا عرش کے نیچے نوری قندیلوں میں، کما فصلہ الامام السیوطی فی شرح الصدور (جیسا کہ امام سیوطی نے شرح الصدور میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۳ تا ۲۶۸ از کانپور محلہ مول گنج مرسلہ امام الدین صاحب ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ
(۱) عزیزوں پر جو اثر ہوتا ہے کیا اُس کا اثر میت پر بھی ہوتا ہے یا نہیں؟
(۲) عذاب وثواب کی کیا شکل ہے جبکہ انسان خاک میں مل جاتا ہے اور رُوح اپنے مقام پر چلی جاتی ہے۔
(۳) رُوح کا مقام مرنے کے بعد کہاں ہے؟
(۴) خواب میں اپنے کسی مرحوم عزیز کو دیکھتے ہیں کیا اُس کا اثر مرحوم پر بھی پڑتا ہے یا نہیں؟
(۵) رُوح کیا چیز ہے؟ اکثر سُنا گیا ہے کہ رُوح تمام دُنیاوی کیفیات کا ادراک ہر وقت بعد موت کرتی ہے۔
(۶) قبر پر کوئی شخص جائے اس کا علم میت کو ہوتا ہے؟

---

[1] شرح الصدور باب مقر الارواح مطبوعہ خلافت اکیڈمی سوات ص ۹۶

الجواب

(۱) عزیزوں کو اگر تکلیف پہنچتی ہے اس کا ملال میت کو بھی ہوتا ہے، اموات پر رونے کی ممانعت میں فرمایا کہ جب تم روتے ہو مُردہ بھی رونے لگتا ہے، تو اُسے غمگین نہ کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) انسان کبھی خاک نہیں ہوتا بدن خاک ہو جاتا ہے، اور وہ بھی کُل نہیں، کچھ اجزائے اصلیہ دقیقہ جن کو عجب الذنب کہتے ہیں وہ نہ جلتے ہیں نہ گلتے ہیں ہمیشہ باقی رہتے ہیں، انھیں پر روزِ قیامت ترکیبِ جسم ہوگی۔ عذاب وثواب رُوح وجسم دونوں کے لیے ہے، جو فقط رُوح کے لیے مانتے ہیں گمراہ ہیں، رُوح بھی باقی اور جسم کے اجزائے اصلی بھی باقی، اور جو خاک ہو گئے وہ بھی فنائے مطلق نہ ہوئے، بلکہ تفرقِ اتصال ہوا اور تغیرِ ہیأت۔ پھر استحالہ کیا ہے۔ حدیث میں رُوح وجسم دونوں کے معذب ہونے کی یہ مثال ارشاد فرمائی کہ ایک باغ ہے اس کے پھل کھانے کی ممانعت ہے، ایک لنجھا ہے کہ پاؤں نہیں رکھتا اور آنکھیں ہیں، وہ اس باغ کے باہر پڑا ہوا ہے، پھلوں کو دیکھتا ہے مگر اُن تک جا نہیں سکتا۔ اتنے میں ایک اندھا آیا اُس لنجھے نے اُس سے کہا: تو مجھے اپنی گردن پر بٹھا کر لے چل میں تجھے رستہ بتاؤں گا، اس باغ کا میوہ ہم تم دونوں کھائیں گے۔ یوں وہ اندھا اس لنجھے کو لے گیا اور میوے کھائے، دونوں میں کون سزا کا مستحق ہے؟ دونوں ہی مستحق ہیں، اندھا اُسے نہ لے جاتا تو وہ نہ جا سکتا، اور لنجھا اُسے نہ بتاتا تو وہ نہ دیکھ سکتا۔ وہ لنجھا رُوح ہے کہ ادراک رکھتی ہے اور افعالِ جوارح نہیں کر سکتی۔ اور وہ اندھا بدن ہے کہ افعال کر سکتا ہے ادراک نہیں رکھتا، دونوں کے اجتماع سے معصیت ہوئی دونوں ہی مستحقِ سزا ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) رُوح کا مقام بعد موت حسبِ مراتب مختلف ہے۔ مسلمانوں میں بعض کی رُوحیں قبر پر رہتی ہیں اور بعض کی چاہِ زمزم میں اور بعض کی آسمان وزمین کے درمیان، اور بعض آسمانِ اوّل دوم ہفتم تک، اور بعض اعلیٰ علیین میں، اور بعض سبز پرندوں کی شکل میں زیرِ عرش نُور کی قندیلوں میں۔ کفار میں بعض کی روحیں چاہ وادیٔ برہوت میں، بعض کی زمینِ دوم سوم ہفتم تک، بعض سجّین میں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) کبھی پڑتا ہے کبھی نہیں، دونوں قسم کے خواب شرح الصدور میں مذکور ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) رُوح میرے رب کے حکم سے ایک شے ہے اور تمھیں علم نہ دیا گیا مگر تھوڑا۔ رُوح کے ادراکاتِ علم وسمع وبصر باقی رہتے، بلکہ پہلے سے بھی زائد ہو جاتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۶) قبر پر آنے والے کو میت دیکھتا ہے، اُس کی بات سُنتا ہے۔ اگر زندگی میں پہچانتا تھا اب بھی پہچانتا ہے اگر اس کا عزیز یا دوست ہے تو اُس کے آنے سے اُنس حاصل کرتا ہے۔ یہ سب باتیں احادیث،

اقوالِ ائمہ میں مصرح اور اہلسنت کا اعتقاد ہیں۔ ان کی تفصیل ہماری کتاب "حیات الموات فی بیان سماع الاموات" میں دیکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۶۴ ۱۶ جمادی الاخری ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو جمعرات کو انتقال کرے اس پر عذاب قبر ہر جمعرات کو یادائمی معاف ہے یا نہیں؟

الجواب

جمعرات کے لیے کوئی حکم نہیں آیا، شبِ جمعہ اور روزِ جمعہ اور رمضان مبارک میں ہر روز کے واسطے یہ حکم ہے کہ جو مسلمان اُن میں مرے گا سوالِ نکیرین و عذابِ کرم سے محفوظ رہے گا واللہ اکرم ان یعفو من شئ ثم یعود فیہ۔ اللہ اس سے زیادہ کریم ہے کہ ایک شے کو معاف فرما کر پھر اس پر مواخذہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۶۵ از عبداللہ صاحب محلہ بہاری پور شہر بریلی ۱۶ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے آج یہ بیان کیا کہ ایک نام کے دو آدمی ہوں تو ایسا ہو جاتا ہے کہ بجائے اُس کے کہ جس کی قضا آئی ہو دوسرے آدمی کی رُوح قبض کر لیتے ہیں فرشتے۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ یہ وقوعہ میرے رُوبرو کا ہے کہ ایک کی جان قبض کر لی گئی اور چند منٹوں کے بعد وُہ زندہ ہو گیا اور اُس نام کا اُس محلّہ کے قریب ایک شخص تھا وُہ مر گیا۔ جو شخص اول مر گیا تھا جب اُس سے حال دریافت کیا تو اُس نے بہت کچھ قصہ بیان کیا، اس کے بارے میں کیا حکم صادر فرماتے ہیں؟ زیادہ حدِ ادب!

الجواب

یہ محض غلط ہے، اللہ کے فرشتے اُس کے حکم میں غلطی نہیں کرتے قال اللہ تعالیٰ ویفعلون ما یؤمرون[1] فرشتے وُہ کرتے ہیں جو اُنھیں حکم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] القرآن ۱۶/ ۵۰

رسالہ

جَلیُّ الصَّوْت لِنَھْیِ الدَّعْوَۃِ اَمَامَ مَوْت ۱۳۰۹ھ

(کسی موت پر دعوت کی ممانعت کا واضح اعلان)

مسئلہ ۲۶۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر بلادِ ہندیہ میں رسم ہے کہ میت کے روزِ وفات سے اُس کے اعزہ واقارب واحباب کی عورات اس کے یہاں جمع ہوتی ہیں اُس اہتمام کے ساتھ جو شادیوں میں کیا جاتا ہے۔ پھر کچھ دُوسرے دن اکثر تیسرے دن واپس آتی ہیں، بعض چالیسویں تک بیٹھتی ہیں۔ اس مدتِ اقامت میں عورات کے کھانے پینے، پان چھالیا کا اہتمام اہلِ میت کرتے ہیں جس کے باعث ایک صرفِ کثیر کے زیرِ بار ہوتے ہیں۔ اگر اُس وقت اُن کا ہاتھ خالی ہو تو اس ضرورت سے قرض لیتے ہیں، یُوں نہ ملے تو سُودی نکلواتے ہیں اگر نہ کریں تو مطعون و بدنام ہوتے ہیں، یہ شرعاً جائز ہے کیا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی ارسل نبینا الرحیم الغفور بالرفق والتیسیر واعدل الامور فسن الدعوۃ عند السرور دون الشرور وصلی اللہ

سب خُوبیاں اللہ کے لیے جس نے ہمارے رحم کرنے، بخشنے والے نبی کو نرمی و آسانی کے ساتھ بھیجا اور کاموں میں اعتدال رکھا، تو دعوت کا طریقہ سرور کے

تعالٰی علیہ وسلم وبارك علیہ وعلٰی اٰلہ الکرام وصحبہ الصدور۔ | وقت رکھا نہ کہ شرور کے وقت۔ خدائے تعالٰی ان پر، ان کی معزز آل، اور مقدم اصحاب پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے۔ (ت)

سبحان اللہ! اے مسلمان! یہ پُوچھتا ہے جائز ہے یا کیا؟ یُوں پُوچھ کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں سخت وشنیع خرابیوں پر مشتمل ہے۔

اوّلاً یہ دعوت خود ناجائز وبدعتِ شنیعہ قبیحہ ہے۔ امام احمد اپنے مسند اور ابن ماجہ سنن میں بہ سندِ صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی سے راوی:

کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعۃ الطعام من النیاحۃ[1]۔ | ہم گروہِ صحابہ اہلِ میّت کے یہاں جمع ہونے اور اُن کے کھانا تیار کرانے کو مُردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے۔

جس کی حُرمت پر متواتر حدیثیں ناطق — امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر[2] شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لافی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ[2]۔ | اہلِ میّت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنی منع ہے کہ شرع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں، اور یہ بدعتِ شنیعہ ہے۔

اسی طرح علامہ حسن شرنبلالی نے مراقی الفلاح[3] میں فرمایا:

ولفظہ یکرہ الضیافۃ من اھل المیت لانھا شرعت فی السرور ولافی شرور وھی بدعۃ مستقبحۃ[3]۔ | میّت والوں کی جانب سے ضیافت منع ہے اس لیے کہ اسے شریعت نے خوشی میں رکھا ہے نہ کہ غمی میں، اور یہ بُری بدعت ہے (ت)

فتاوٰی[4] خلاصہ وفتاوٰی[5] سراجیہ وفتاوٰی[6] ظہیریہ وفتاوٰی[7] تاتارخانیہ اور ظہیریہ سے خزانۃ[8] المفتین وکتاب الکراہیۃ اور تاتارخانیہ سے فتاوٰی[9] ہندیہ میں بالفاظِ متقاربہ ہے:

واللفظ للسراجیۃ لایباح اتخاذ الضیافۃ عند | سراجیہ کے الفاظ ہیں کہ غمی میں یہ تیسرے دن کی دعوت

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ بن عمرو دارالفکر بیروت ٢/ ٢٠٤
سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی النھی عن الاجتماع الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ١١٧
[2] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٢/ ١٠٢
[3] مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی فصل فی حملہا ودفنہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ٣٣٩

ثلثة ایام فی المصیبة[1] اھ نراد فی الخلاصة لان الضیافة تتخذ عند السرور[2]۔

جائز نہیں اھ خلاصہ میں یہ اضافہ کیا کہ دعوت تو خوشی میں ہوتی ہے (ت)

فتاوٰی[3] امام قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے :

یکرہ اتخاذ الضیافة فی ایام المصیبة لانها ایام تاسف فلایلیق بها مایکون للسرور[3]۔

غمی میں ضیافت ممنوع ہے کہ یہ افسوس کے دن ہیں، تو جو خوشی میں ہوتا ہے ان کے لائق نہیں۔

تبیین[10] الحقائق امام زیلعی میں ہے :

لاباس بالجلوس للمصیبة الی ثلث من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط و الاطعمة من اهل المیت[4]۔

مصیبت کے لیے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہ کیا جائے، جیسے مکلف فرش بچھانے اور میت والوں کی طرف سے کھانے۔

امام[11] بزازی وجیز میں فرماتے ہیں :

یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع[5]۔

یعنی میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں سب مکروہ و ممنوع ہیں۔

علامہ[12] شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں :

اطال ذلك فی المعراج وقال وهذه الافعال كلها للسمعة والریاء فیحترز عنها[6]۔

یعنی معراج[13] الدرایہ شرح ہدایہ نے اس مسئلہ میں بہت طویل کلام کیا اور فرمایا یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں ان سے احتراز کیا جائے۔

جامع[14] الرموز آخر الکراہیۃ میں ہے :

یکرہ الجلوس للمصیبة ثلثة ایام او اقل فی

یعنی تین دن یا کم تعزیت لینے کے لیے مسجد میں بیٹھنا منع

---

[1] فتاوٰی سراجیہ — کتاب الکراہیۃ — باب الولیمہ — منشی نولکشور لکھنؤ — ص ۷۵
[2] خلاصۃ الفتاوٰی — کتاب الکراہیۃ — مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ — ۳۴۲/۴
[3] فتاوٰی قاضی خاں — " — منشی نولکشور لکھنؤ — ۷۸۱/۴
[4] تبیین الحقائق — فصل فی تعزیۃ اہل البیت — مطبعہ کبرٰی امیریہ مصر — ۲۴۶/۱
[5] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ — الخامس والعشرون فی الجنائز — نورانی کتب خانہ پشاور — ۸۱/۴
[6] ردالمحتار — باب صلٰوۃ الجنائز — مطلب فی کراہیۃ الضیافۃ الخ — ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر — ۶۰۳/۱

المسجد ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ھذہ الایام وکذا اکلھا کما فی خیرۃ الفتاوی[1]۔

ہے اور ان دنوں میں ضیافت بھی ممنوع اور اس کا کھانا بھی منع ہے، جیسا کہ خیرۃ الفتاوی میں تصریح کی۔

اور فتاوٰی انقروی[2] اور واقعات المفتین[2] میں ہے:

یکرہ اتخاذ الضیافۃ ثلاثۃ ایام واکلھا لانھا مشروعۃ للسرور[2]۔

تین دن ضیافت اور اس کا کھانا مکروہ ہے کہ دعوت تو خوشی میں مشروع ہوئی ہے۔

کشف الغطاء[3] میں ہے:

ضیافت نمودن اہلِ میت اہلِ تعزیت را وپختن طعام برائے آنہا مکروہ ست۔ باتفاق روایات چہ ایشاں را بسبب اشتغال بمصیبت استعداد وتہیۂ آن دشوار است[3]۔

تعزیت کرنے والوں کے لیے اہلِ میت کا ضیافت کرنا اور کھانا پکانا باتفاقِ روایات مکروہ ہے اس لیے کہ مصیبت میں مشغولی کی وجہ سے اس کا اہتمام ان کے لیے دشوار ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

پس انچہ متعارف شدہ از پختن اہلِ مصیبت طعام را در سوم وقسمت نمودن آن میان اہلِ تعزیت واقران غیر مباح ونامشروع است وتصریح کردہ بداں در خزانہ چہ شریعت ضیافت نزد سرور ست نہ نزد شرور وھو المشھور عند الجمھور[4]۔

تو یہ جو رواج پڑ گیا ہے کہ تیسرے دن اہلِ میت کا کھانا پکاتے ہیں اور اہلِ تعزیت اور دوستوں کو بانٹتے کھلاتے ہیں ناجائز وممنوع ہے، خزانہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے کہ شرع میں ضیافت خوشی کے وقت رکھی گئی ہے مصیبت کے وقت نہیں۔ اور یہی جمہور کے نزدیک مشہور ہے۔ (ت)

ثانیاً غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا اور بچہ نابالغ ہوتا ہے، یا اور ورثہ موجود نہیں ہوتے، نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے، جب تو یہ امرِ سخت حرامِ شدید پر متضمن ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ان الذین یاکلون اموال الیتٰمٰی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون

بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں بلاشبہ وہ اپنے پیٹوں میں انگارے بھرتے ہیں، اور قریب ہے

---

[1] جامع الرموز کتاب الکراہیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبدِ قاموس ایران ۳/ ۳۲۸

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الکراہیۃ والاستحسان دار الاشاعت العربیۃ قندھار ۱/ ۳۰

[3] و [4] کشف الغطاء فصل نہم تعزیت ص ۴۷

سعیرًا[1]۔ کہ جہنم کے گہراؤ میں جائیں گے۔

مالِ غیر میں بے اذنِ غیر تصرف خود ناجائز ہے۔ قال تعالٰی:

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[2] (اپنے مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ۔ت)

خصوصًا نابالغ کا مال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ خود اُسے ہے نہ اُس کے باپ نہ اُس کے وصی کو لان الولایۃ للنظر لا للضرر علی الخصوص (اس لیے کہ ولایت فائدے میں نظر کے لیے ہے نہ کہ معین طور پر ضرر کیلئے۔ت) اور اگر ان میں کوئی یتیم ہُوا تو آفت سخت تر ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ ہاں اگر محتاجوں کے دینے کو کھانا پکوائیں تو حرج نہیں بلکہ خوب ہے، بشرطیکہ یہ کوئی عاقل بالغ اپنے مالِ خاص سے کرے یا ترکہ سے کریں، تو سب وارث موجود و بالغ و راضی ہوں۔ خانیہ و بزازیہ و تتارخانیہ و ہندیہ میں ہے:

ان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اذا کانت الورثۃ بالغین وان کان فی الورثۃ صغیر لم یتخذوا ذلک من الترکۃ[3]۔

اگر فقراء کے لیے کھانا پکوائے تو اچھا ہے جب کہ سب ورثہ بالغ ہوں، اور اگر کوئی وارث نابالغ ہو تو یہ ترکہ سے نہ کریں۔(ت)

نیز فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

ان اتخذ ولی المیت طعاما للفقراء کان حسنا الا ان یکون فی الورثۃ صغیر فلا یتخذ ذلک من الترکۃ[4]۔

ولیِ میّت اگر فقراء کے لیے کھانا تیار کرائے تو اچھا ہے لیکن ورثہ میں اگر کوئی نابالغ ہو تو ترکہ سے یہ کام نہ کرے۔(ت)

ثالثًا یہ عورتیں کہ جمع ہوتی ہیں افعالِ منکرہ کرتی ہیں، مثلًا چلّا کر رونا پیٹنا، بناوٹ سے منہ ڈھانکنا، الٰی غیر ذٰلک۔ اور یہ سب نیاحت ہے اور نیاحت حرام ہے۔ ایسے مجمع کے لیے میّت کے عزیزوں اور دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی۔ قال تعالٰی: ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[5] (گناہ اور زیادتی پر ایک دُوسرے کی مدد نہ کرو۔ت) نہ کہ اہلِ میّت کا اہتمامِ طعام کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے، تو اس

---

[1] القرآن ۴/ ۱۰

[2] القرآن ۲/ ۱۸۸

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی الہدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۴

[4] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۱

[5] القرآن ۵/ ۲

ناجائز مجمع کے لیے ناجائز تر ہوگا۔ کشف الغطاء میں ہے:

ساختن طعام در روز ثانی وثالث برائے اہلِ میّت اگر نوحہ گراں جمع باشند مکروہ است زیرا کہ اعانت است ایشاں را بر گناہ[1]

اگر نوحہ کرنے والیاں جمع ہوں تو اہلِ میّت کے لیے دوسرے تیسرے دن کھانا پکوانا مکروہ ہے کیونکہ اس میں گناہ پر اعانت ہے۔ (ت)

رابعاً اکثر لوگوں کو اس رسمِ شنیع کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ ضیافت کرنی پڑتی ہے یہاں تک کہ میّت والے بیچارے اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس میلے کے لیے کھانا، پان چھالیا کہاں سے لائیں اور بارہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے۔ ایسا تکلّف شرع کو کسی امرِ مباح کے لیے بھی زنہار پسند نہیں، نہ کہ ایک رسمِ ممنوع کے لیے۔ پھر اس کے باعث جو دقتیں پڑتی ہیں خود ظاہر ہیں۔ پھر اگر قرض سودی ملا تو حرام خالص ہوگیا۔ اور معاذ اللہ لعنتِ الٰہی سے پورا حصّہ ملا کہ بے ضرورتِ شرعیہ سُود دینا بھی سُود لینے کے باعث لعنت ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں فرمایا۔ غرض اس رسم کی شناعت و ممانعت میں شک نہیں۔ اللہ عزّوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ قطعاً ایسی رسومِ شنیعہ جن سے اُن کے دین و دُنیا کا ضرر ہے ترک کردیں۔ اور طعنِ بیہودہ کا لحاظ نہ کریں۔ واللہ الہادی۔

تنبیہ: اگرچہ صرف ایک دن یعنی پہلے ہی روز عزیزوں کو ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہلِ میّت کے لیے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور باصرار انھیں کھلائیں۔ مگر یہ کھانا صرف اہلِ میّت ہی کے قابل ہونا سنّت ہے، اس میلے کے لیے بھیجنے کا ہرگز حکم نہیں اور اُن کے لیے بھی فقط روزِ اوّل کا حکم ہے آگے نہیں۔

کشف الغطاء میں ہے:

مستحب است خویشاں وہمسایہائے میّت را کہ طعام کنند طعام را برائے اہلِ وے کہ سیر کنند ایشاں را یک شبانہ روز والحاح کنند تا بخورند و در خوردن غیر اہلِ میّت ایں طعام را مشہور آنست کہ مکروہ است[2] اھ ملخصاً

میّت کے عزیزوں، ہمسایوں کے لیے مستحب ہے کہ اہلِ میّت کے لیے اتنا کھانا پکوائیں جسے ایک دن رات وہ سیر ہوکر کھا سکیں اور اصرار کرکے کھلائیں، غیر اہلِ میّت کے لیے یہ کھانا قولِ مشہور کی بنیاد پر مکروہ ہے اھ ملخصاً (ت)

عالمگیری میں ہے:

حمل الطعام الی صاحب المصیبۃ والاکل

اہلِ میّت کے یہاں پہلے دن کھانا لے جانا اور اُن کے

---

[1] و [2] کشف الغطاء

معھم فی الیوم الاول جائز لشغلھم بالجھاز وبعدہ یکرہ کذا فی التاتارخانیۃ[1] واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

ساتھ کھانا جائز ہے کیونکہ وُہ جنازے میں مشغول رہتے ہیں، اور اس کے بعد مکروہ ہے۔ ایسا ہی تتارخانیہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۶۷: از ایرایاں محلہ سادات ضلع فتحپور مسئولہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) سوم ودہم وچہلم میت کے لیے کھانا جو پکتا ہے اس کو برادری کو کھلائے اور خود جاکر کھائے تو جائز ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ تین روز کے اندر میت کے گھر کا نہ کھائے بعد کو جائز ہے، یہ تفریق صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو وجہ مابہ الفرق ارشاد ہو۔

(۲) مقولہ طعام المیت یمیت القلب (طعامِ میت دل کو مُردہ کردیتا ہے۔ت) مستند قول ہے، اگر مستند ہے تو اس کے کیا معنٰی ہیں؟

الجواب

(۱) سوم، دہم وچہلم وغیرہ کا کھانا مساکین کو دیا جائے، برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کرکے کھلانا بے معنی ہے، کما فی مجمع البرکات (جیسا کہ مجمع البرکات میں ہے۔ت) موت میں دعوت ناجائز ہے۔ فتح القدیر وغیرہ میں ہے:

انھا بدعۃ مستقبحۃ لانھا شرعت فی السرور لافی الشرور[2]

وُہ بُری بدعت ہے کیونکہ دعوت کو شریعت نے خوشی میں رکھا ہے، غمی میں نہیں۔ (ت)

تین دن تک اس کا معمول ہے، لہذا ممنوع ہے۔ اس کے بعد بھی موت کی نیت سے اگر دعوت کرے گا ممنوع ہے۔

(۲) یہ تجربہ کی بات ہے اور اس کے معنٰی یہ ہیں کہ جو طعامِ میت کے متمنی رہتے ہیں اُن کا دل مرجاتا ہے، ذکر وطاعتِ الٰہی کے لیے حیات وچستی اُس میں نہیں رہتی کہ وُہ اپنے پیٹ کے لقمہ کے لیے موتِ مسلمین کے منتظر رہتے ہیں اور کھانا کھاتے وقت موت سے غافل، اور اُس کی لذت میں شاغل۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الہدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۴

[2] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲

مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی حملھا ودفنھا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۹

مسئلہ ۲۶۹ ازکلی ناگر، پرگنہ پورن پور، ضلع پیلی بھیت، مکان علن خان نمبردار، مرسلہ اکبر علی شاہ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص مرے اور اس کے گھر والے چہلم کا کھانا پکائیں اور جو برادر یا غیر ہوں اُن سے کہیں کہ تمھاری دعوت ہے تو وہ دعوت قبول کی جائے یا نہیں؟ اور کھانا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ عرف عام پر نظر شاہد کہ چہلم وغیرہ کے کھانے پکانے سے لوگوں کا اصل مقصود میت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے، اسی غرض سے یہ فعل کرتے ہیں۔ ولہذا اُسے فاتحہ کا کھانا، چہلم کی فاتحہ وغیرہ کہتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں لکھتے ہیں:

وارد ست کہ مُردہ دریں حالت مانند غریقے است کہ انتظار فریاد رسی مے برد وصدقات وادعیہ وفاتحہ دریں وقت بسیار بکار او می آید، ازیں ست کہ طوائف بنی آدم تایک سال وعلی الخصوص تایک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام می نمایند[1]

وارد ہے کہ مُردہ اس حالت میں کسی ڈوبنے والے کی طرح فریاد رسی کا منتظر ہوتا ہے اور اس وقت میں صدقے، دُعائیں اور فاتحہ اسے بہت کام آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ لوگ مرنے سے ایک سال تک خصوصاً چالیس دن تک اس طرح مدد پہنچانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ (ت)

اور شک نہیں کہ اس نیت سے جو کھانا پکایا جائے مستحب ہے اور عندالتحقیق صرف فقراء ہی پر تصدق میں ثواب نہیں بلکہ اغنیاء پر بھی مورث ثواب ہے۔ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: فی کل ذات کبد رطبۃ اجر[2] ہر گرم جگر میں ثواب ہے۔ یعنی زندہ کو کھانا کھلائے گا، پانی پلائے گا ثواب پائے گا۔

اخرجہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ واحمد عن عبداللہ بن عمرو وابن ماجۃ عن سراقۃ بن مالک رضی اللہ عنہم (اسے بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہ سے، امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے، اور ابن ماجہ نے حضرت سراقہ بن مالک سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ ت) حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

فیما یاکل ابن اٰدم اجر وفیما یاکل | جو کچھ آدمی کھاجائے اس میں ثواب ہے اور جو

---

[1] تفسیر عزیزی زیر آیۃ والقمر اذا اتسق الخ مسلم بک ڈپو، لال کنواں، دہلی ص ۲۰۲

[2] سُنن ابن ماجہ باب فضل صدقۃ الماء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷۰

السبع او الطیر اجر[1]۔ رواہ الحاکم عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما وصحح سندہ۔

درندہ کھا جائے اس میں ثواب ہے، جو پرندکو پہنچے اس میں ثواب ہے۔ (حاکم نے اسے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اس کی سند کو صحیح کہا۔ ت)

بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما اطعمت زوجك فهو لك صدقة وما اطعمت ولدك فهو لك صدقة وما اطعمت خادمك فهو لك صدقة وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة[2]۔ اخرجه الامام احمد والطبرانی فی الکبیر بسند صحیح عن المقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو کچھ تُو اپنی عورت کو کھلائے وُہ تیرے لیے صدقہ ہے اور جو کچھ اپنے بچّوں کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے اور جو کچھ اپنے خادم کو کھلائے وُہ تیرے لیے صدقہ ہے اور جو کچھ تو خود کھائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے (اسے امام احمد نے مسند میں اور طبرانی نے کبیر میں بسندِ صحیح حضرات مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

صرح فی الذخیرة بان التصدق علی الغنی نوع قربة دون قربة الفقیر[3]۔

ذخیرہ میں صراحت ہے کہ غنی پر صدقہ کرنا ایک طرح کی قربت ہے جس کا درجہ فقیر پر تصدق کی قربت سے کم ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الصدقة لا رجوع فیها ولو علی غنی لان المقصود فیها الثواب[4]۔

صدقہ سے رجوع نہیں ہوسکتا اگرچہ غنی پر ہو اس لیے کہ اس کا مقصود ثواب ہوتا ہے۔ (ت)

اسی طرح ہدایہ وغیرہ میں ہے ـــــ مجمع بحارالانوار میں توسط شرح سنن ابی داؤد سے ہے:

الصدقة ما تصدقت به علی الفقراء ای غالب

صدقہ وُہ ہے جو تم فقراء پر تصدق کرو۔ یعنی صدقہ کی

---

[1] مستدرک علی الصحیحین کتاب الاطعمہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۳۳

[2] المعجم الکبیر مروی از مقدام بن معدی کرب حدیث ۶۳۴ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۰/ ۲۶۸
مسند احمد بن حنبل حدیث المقدام بن معدیکرب دارالفکر بیروت ۴/ ۱۳۱

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

[4] درمختار فصل فی مسائل متفرقہ من کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۶

انواعها کذلك فانها علی الغنی جائزۃ عندنا یثاب به بلاخلاف[1]

اکثر قسمیں فقراء ہی پر ہوتی ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک غنی پر بھی صدقہ جائز ہے بلاخلاف اس پر وہ مستحق ثواب ہے۔ (ت)

اور مدار کار نیت پر ہے انما الاعمال بالنیات۔ تو جو کھانا فاتحہ کے لیے پکایا گیا ہے بلاتے وقت اُسے بلفظِ دعوت تعبیر کرنا اس نیت کو باطل نہ کرے گا، جیسے کسی نے اپنے محتاج بھائی بھتیجوں کو عید کے کچھ روپیہ دل میں زکوٰۃ کی نیت اور زبان سے عیدی کا نام کرکے دیئے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ عیدی کہنے سے وُہ نیت باطل نہ ہوگی کما نصوا علیہ فی عامۃ الکتب (جیسا کہ عامہ کتب میں علماء نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ ت) معہذا اپنے قریبوں عزیزوں کے مواسات بھی صلہ رحم و موجبِ ثواب ہے، اگرچہ وُہ اغنیا ہوں وقد عرف ذلك فی الشرع بحیث لایخفی الاعلی جاهل (جیسا کہ شریعت میں یہ ایسا معروف ہے کہ کسی جاہل ہی سے مخفی ہوگا۔ ت) اور آدمی جس امر پر خود ثواب پائے وہ کوئی فعل ہو اس کا ثواب میت کو پہنچا سکتا ہے، کچھ خاص تصدق ہی کی تخصیص نہیں، کما تبین ذلك فی کتب اصحابنا رحمهم الله تعالٰی (جیسا کہ ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کی کتابوں میں یہ روشن ہوچکا ہے۔ ت) امام علینی بنایہ میں فرماتے ہیں:

الاصل ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیرہ صلٰوۃ او صوماً او صدقۃ او غیرها ش کالحج وقراءۃ القراٰن والاذکار و زیارۃ قبور الانبیاء والشهداء والاولیاء و الصالحین وتکفین الموتی وجمیع انواع البر والعبادۃ کالزکوٰۃ والصدقۃ و العشور والکفارات و نحوها او بدنیۃ کالصوم والصلٰوۃ والاعتکاف وقراءۃ القراٰن و الذکر والدعاء او مرکبۃ منها کالحج و الجهاد وفی البدائع جعل الجهاد من البدنیات وفی المبسوط جعل المال فی الحج

اصل یہ ہے کہ انسان اپنے کسی عمل کا ثواب دوسرے کے لیے کرسکتا ہے، نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اس کے علاوہ، ہدایہ۔ جیسے حج، تلاوتِ قرآن، اذکار، انبیاء، شہداء، اولیاء اور صالحین کے مزارات کی زیارت، مُردے کو کفن دینا، اور نیکی و عبادت کی تمام قسمیں جیسے زکوٰۃ، صدقہ، عشر، کفارہ اور ان کے مثل مالی عبادتیں، یا بدنی جیسے روزہ، نماز، اعتکاف، تلاوتِ قرآن، ذکر، دُعا یا دونوں سے مرکب جیسے حج اور جہاد ــــ اور بدائع میں جہاد کو بدنی عبادتوں سے شمار کیا ہے اور مبسوط میں مال کو حج کے وجوب کی شرط بتایا ہے تو حج مالی و بدنی سے مرکب نہیں بلکہ

---

[1] مجمع بحار الانوار تحت لفظ صدق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۳۸

شرط الوجوب فلم یکن الحج مرکبا قیل ھو اقرب الی الصواب ولھذا لایشترط المال فی حق المکی اذا قدر علی المشی الی عرفات فاذا جعل شخص ثواب ماعملہ من ذلک الی اٰخر یصل الیہ وینتفع بہ حیا کان المھدی الیہ اومیتا[1] اھ ونقلنا عبارۃ الشرح بطولہا لما فیھا من الفوائد۔

صرف بدنی عبادت ہوا۔ کہا گیا یہی درستی سے زیادہ قریب ہے۔ اسی لیے مکی کے حق میں مال کی شرط نہیں جبکہ وُہ عرفات تک پیادہ جانے پر قادر ہو، تو جب مذکورہ عبادات میں سے اپنی ادا کی ہُوئی کسی عبادت کا ثواب کوئی شخص دوسرے کے لیے کر دے تو وہ اسے پہنچے گا اور اس سے اُس کو فائدہ ملے گا، جسے ہدیہ کیا ہے وُہ زندہ ہو یا وفات پا چکا ہو اھ بنایہ۔ ہم نے شرح کی یہ طویل عبارت اس لیے نقل کر دی کہ اس میں متعدد فوائد ہیں۔ (ت)

یُوں بھی اس نیتِ محمود میں کچھ خلل نہیں، اگرچہ افضل وہی تھا کہ صرف فقراء پر تصدق کرتے کہ جب مقصود ایصالِ ثواب تو وہی کام مناسب تر جس میں ثواب اکثر و وافر، پھر بھی اصل مقصود مفقود نہیں، جبکہ نیت ثواب پہنچانا ہے۔ ہاں جسے یہ مقصود ہی نہ ہو بلکہ دعوت و مہمان داری کی نیت سے پکائے، جیسے شادیوں کا کھانا پکاتے ہیں تو اسے بیشک ثواب سے کچھ علاقہ نہیں، نہ ایسی دعوت شرع میں پسند نہ اُس کا قبول کرنا چاہئے کہ ایسی دعوتوں کا محل شادیاں ہیں نہ کہ غمی۔ ولہذا علماء فرماتے ہیں کہ یہ بدعت سیئہ ہے۔ جس طرح میت کے یہاں روزِ موت سے عورتیں جمع ہوتی ہیں اور ان کے کھانے دانے، پان چھالیا کا اہتمام میت والوں کو کرنا پڑتا ہے۔ وُہ کھانا فاتحہ و ایصالِ ثواب کا نہیں ہوتا بلکہ وہی دعوت و مہمان داری ہے کہ غمی میں جس کی اجازت نہیں، کما بیناہ ذلک فی فتاوٰنا (جیسا کہ اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ ت)

یُوں ہی چہلم یا برسی یا ششماہی پر کھانا بے نیت ایصالِ ثواب محض ایک رسمی طور پر پکاتے اور شادیوں کی بھاجی کی طرح برادری میں بانٹتے ہیں، وہ بھی بے اصل ہے، جس سے احتراز چاہئے۔ ایسے ہی کھانے کو شیخ محقق مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی مجمع البرکات میں فرماتے ہیں:

آنچہ بعد از سالے یا ششماہی یا چہل روز دریں دیار پزند و درمیان برادران بخشش کنند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آنست کہ نخورند[2] ھکذا انقل عنہ

وُہ جو اس دیار میں ایک سال یا چھ ماہ پر پکاتے اور برادری میں بانٹتے ہیں کوئی معتبر چیز نہیں، بہتر یہ ہے کہ نہ کھائیں اھ ـــــ اسی طرح ان سے شیخ الاسلام

---

[1] البنایۃ شرح الہدایۃ باب الحج عن الغیر المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۲/ ۱۹۱۱

[2] مجمع البرکات

شیخ الاسلام فی کشف الغطاء۔ نے کشف الغطاء میں نقل کیا ہے (ت)

خصوصاً جب اُس کے ساتھ ریاء وتفاخر مقصود ہو کہ جب تو اس فعل کی حرمت میں اصلاً کلام نہیں۔ اور حدیث صحیح میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن طعام المتبارین ان یوکل[1] اخرجہ ابوداؤد والحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما باسناد صحیح۔ قال المناوی ای المتعارضین بالضیافۃ فخرا وریاء لانہ للریاء لا للہ[2]۔

یعنی جو کھانے تفاخر وریا کے لیے پکائے جاتے ہیں اُن کے کھانے سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ (اسے ابوداؤد اور حاکم نے بسندِ صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے نقل کیا۔ ت) امام مناوی نے کہا یعنی ضیافت کے ذریعہ ناموری اور دکھاوا مقصود ہو تو یہ اللہ تعالٰی کے لیے نہیں دکھاوے کیلئے ہے۔ (ت)

مگر بے دلیل واضح کسی مسلمان کا یہ سمجھ لینا کہ یہ کام اس نے تفاخر وناموری کے لیے کیا ہے جائز نہیں کہ قلب کا حال اللہ تعالٰی جانتا ہے اور مسلمان پر بدگمانی حرام،

ھذا ھو بحمد اللہ القول الوسط لاوکس فیہ ولا شطط وان خالف من فرط فی الباب وافرط، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

یہی بحمد اللہ درمیانی قول ہے جس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی۔ اگرچہ اس باب میں تفریط وافراط کرنے والوں کے خلاف ہو۔ اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے (ت)

مسئلہ ۲۷: ۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت کے گھر کا کھانا، جو اہلِ میت سوم تک بطور مہمانی کے پکاتے ہیں اور سوم کے چنوں بتاشوں کا لینا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

میت کے گھر کا وہ کھانا تو البتہ بلاشبہہ ناجائز ہے جیسا کہ فقیر نے اپنے فتوے میں مفصلاً بیان کیا، اور سوم کے چنے بتاشے کہ بغرض مہمانی نہیں منگائے جاتے بلکہ ثواب پہنچانے کے قصد سے ہوتے ہیں، یہ اس حکم میں داخل نہیں، نہ میرے اس فتوے میں ان کی نسبت کچھ ذکر ہے، یہ اگر مالک نے صرف محتاجوں کے دینے کے لیے منگائے اور یہی اس کی نیت ہے تو غنی کو ان کا بھی لینا ناجائز، اور اگر اُس نے حاضرین پر تقسیم کے لیے منگائے تو اگر غنی بھی لے لے گا تو گنہگار نہ ہوگا۔ اور یہاں بحکم عرف ورواج عام حکم یہی ہے کہ وہ خاص مساکین کے لیے نہیں ہوتے

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الاطعمۃ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۲۹

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر زیرحدیث مذکور ۹۴۹۱ دارالمعرفۃ بیروت ۶/ ۳۳۵

التیسیر شرح الجامع الصغیر " " مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیۃ ۲/ ۴۷۲

تو غنی کو بھی لینا ناجائز نہیں، اگرچہ احتراز زیادہ پسندیدہ، اور اسی پر ہمیشہ سے اس فقیر کا عمل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

43

مسئلہ ۲۷۱ ۴ ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی موت اپنی حیات میں کردی ہے تو اس صورت میں ہندہ کو کب تک دوسرے کے یہاں کی میت کا کھانا نہیں چاہئے۔ اور اگر ہندہ کے گھر میں کوئی مرجائے تو اس کا بھی کھانا جائز ہے اور کب تک یعنی برسی تک یا چالیس دن تک۔ اور اگر ہندہ نے شروع سے جمعرات کی فاتحہ نہ دلائی ہو تو چالیس دن کے بعد سات جمعرات کی فاتحہ دلانا چاہئے، ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

میت کے یہاں جو لوگ جمع ہوتے ہیں اور اُن کی دعوت کی جاتی ہے اُس کھانے کی تو ہر طرح ممانعت ہے اور بغیر دعوت کے جمعراتوں، چالیسویں، چھ ماہی، برسی میں جو بھاجی کی طرح اغنیاء کو بانٹا جاتا ہے وہ بھی اگرچہ بے معنی ہے مگر اس کا کھانا منع نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ غنی نہ کھائے اور فقیر کو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ وہی اس کے مستحق ہیں، اور ان سب احکام میں وہ جس نے اپنی موت اپنی حیات میں کردی اور جس نے نہ کی سب برابر ہیں اور اپنی یہاں موت ہوجائے تو اپنا کھانا کھانے کی کسی کو ممانعت نہیں اور چالیس دن کے بعد بھی جمعراتیں ہوسکتی ہیں اللہ کے لیے فقیروں کو جب اور جو کچھ دے ثواب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

رسالہ

حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات

۱۳۰۵ھ

(بے جان کی زندگی، مُردوں کی سماعت کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ للہ الذی خلق الانسان ۞ علمہ البیان ۞ واعطاہ سمعا وبصرا وعلما فی ان ۞ وجعلہ مظھر الصفات الرحمٰن ۞ ولم یجعلہ معدوما بفناء الابدان ۞ والصلٰوۃ والسلام الاتمان الاکملان ۞ علی السمیع البصیر العلیم الخبیر الملک المستعان ۞ المولی الکریم الرؤف الرحیم العظیم الشان ۞ سیدنا ومولٰنا محمد النافذ حکمہ فی عوالم الامکان ۞ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ الغوث الباھر السلطان ۞ الحیّ المنعم فی القبر المکرم

تمام تعریف اللہ کے لیے جس نے انسان کو پیدا کیا، اسے بیان سکھایا۔ اسے سماعت، بصارت اور علم دے کر سنوارا۔ اسے رحمان کی صفات کا مظہر بنایا، اور بدنوں کے فنا ہونے سے اس کو معدوم نہ فرمایا اور زیادہ تام و کامل تر درود و سلام ہو ان پر جو سننے دیکھنے جاننے خبر دینے والے سلطان ہیں جن سے مدد مانگی جاتی ہے، جو کریم آقا، بڑے مہربان، رحم کرنے والے، بڑی شان والے ہیں، ہمارے سردار اور ہمارے آقا حضرت محمد جن کا حکم امکان کے جہانوں میں نافذ ہے اور ان کی آل و اصحاب اور ان کے

بفضل المنان ٭ واشهد ان لا الٰه الا اللّٰه وحدہ لاشریک لہ شھادۃ یحیی بھا وجہ الدیان ٭ واشھد ان محمدًا عبدہٗ و رسولہ شھادۃ توردنا موارد الرضوان ٭ فصلی اللّٰہ وسلم وبارک وانعم علی ھذا الحبیب القریب الملتجیٰ البعید المرتقی الرفیع المکان ٭ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وعیالہ وحزبہ اولی العلم والعرفان ٭ وعلینا معھم وبھم ولھم یا جلیل الاحسان ٭ وجمیل الامتنان ٭ اٰمین اٰمین الٰہ الحق اٰمین ٭

فرزند روشن دلیل والے غوث والے پر جو بہت احسان فرمانے والے رب کے فضل سے قبر مکرم میں زندہ انعام یافتہ ہیں ۔ اور میں شہادت دیتا ہُوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ، وُہ یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ایسی شہادت جس سے جزا دینے والے رب کو تحیت پیش کی جائے ، اور میں شہادت دیتا ہُوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں ایسی شہادت جو ہمیں رضوان کے مقامات میں اتارے ۔ تو خدا کا درود وسلام اور برکت وانعام ہو اس محبوب پر جو التجا کے لیے قریب ، منزلِ ارتقا میں بعید ، بلند مرتبے والے ہیں اور اُن کی آل و اصحاب وعیال اور علم وعرفان والی جماعت پر ، اور اُن کے ساتھ ، ان کے طفیل ، ان کے سبب ہم پر بھی ، اے بزرگ احسان ، جمیل امتنان والے ، قبول فرما ، قبول فرما ، اے معبودِ برحق قبول فرما ! (ت)

اما بعد ! یہ معدود سطریں ہیں یا منضود سلکیں ۔ تنقیح مسئلہ علم وسماعِ موتٰی ، وطلبِ دعا بمشاہد اولیاء میں ، جنھیں افقر الفقراء احقر الوریٰ عبد المصطفٰے احمد رضا محمدی ، سنّی ، حنفی ، قادری ، برکاتی ، بریلوی ، اصلح اللّٰہ عملہ وحقق املہ نے اوائل ماہِ رجب ۱۳۰۵ھ ہجریہ کی چند تاریخوں میں رنگِ تحریر دیا ، اور بلحاظ تاریخ حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات [۱۳۰۵] سے مسمّٰی کیا ، اس سے پہلے کہ فقیر غفرلہ نے چند کلمے مسمّٰی بہ الاھلال بفیض الاولیاء بعد الوصال [۱۳۰۳] جمع کیے تھے ، اُن کے اکثر مطالب ومضامین بھی اس رسالہ کے بعض انواع وفصول میں مندرج ہُوئے ۔ اب یہ عجالہ نہ صرف علم وسماعِ موتٰی کا ثبوت دے گا بلکہ بحول اللّٰہ تعالٰی خوب واضح کرے گا کہ حضرات اولیاء بعد الوصال زندہ اور اُن کے تصرف وکرامات پائندہ اور ان کے فیض بدستور جاری اور ہم غلاموں خادموں محبّوں معتقدوں کے ساتھ وہی امداد واعانت ویاری ، والحمد للّٰہ القدیر الباری ۔

یہ رسالہ حق سے متصل ، باطل سے منفصل مقدمہ وسہ مقصد وخاتمہ پر مشتمل وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل ھو مولٰنا وعلیہ التعویل ۔

مقدمہ باعثِ تالیف میں سلخ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ کو ایک مسئلہ بغرض تصدیق واظہار ادعائے طلبِ تحقیق فقیر کے پاس آیا ، صورتِ سوال یہ تھی :

(**مسئلہ ۲۷۲**) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دریں باب (کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس بارے میں۔ت) کہ ایک بزرگ کے مزار شریف پر واسطے زیارت کے گیا اُس وقت یہ کلمہ زبان سے نکلا کہ اے بزرگ برگزیدہ درگاہِ کبریائی! آپ اللہ پاک سے میرے واسطے دعا کیجئے کہ حاجت میری فلانی برآوے کیونکہ آپ بزرگ ہیں بطفیلِ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، واسطے اللہ کے حاجت برآوے۔ بعد کو کچھ فاتحہ و درود شریف پڑھا اور پیشتر میں پڑھا۔ یوں مزار گاہ میں جانا اور دُعا مانگنا اور زیارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زیادہ والسلام، فقط انتہی بلفظہ۔

اس پر بعض اجلّہ مخادیم کا جواب مزیّن بمہر و دستخط جناب تھا، جس میں صاف صاف صورت مذکورہ کو شرک اور ادنٰی درجہ شائبہ شرک قرار دیا، اور دلیل میں ایک نئے طور پر اصحابِ قبور کے انکارِ سماع بلکہ استحالہ و امتناع سے کام لیا، تحریر شریف یہ ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس میں شک نہیں کہ زیارتِ قبورِ مومنین خاصۃً بزرگانِ دین، اور پڑھنا درود شریف اور سورۃ فاتحہ وغیرہ کا اور ثواب خیرات، اموات کو بخشنا مندوب ومسنون ہے، جس پر حدیث شریف جناب سید الثقلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا۔[1] میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا تو اب تم ان کی زیارت کرو۔(ت)

نص صریح ناطق۔ لیکن بزرگانِ اہلِ قبور کو مخاطب بطلب دعا و حاجت روائی خود کرنا خالی از شائبہ وشبہہ شرک نہیں، کیونکہ جب درمیان زائر اور مقبور کے حجب عدیدہ سمع و بصر حائل تو سماع اصوات اور ابصارت صور محال، اگرچہ بعض اموات کو بوجہ[2] قطع تعلق از مادہ زیادتِ ادراک بھی حاصل ہو۔ لیکن یہ مستلزم اس کو نہیں کہ بلا توجہ خاص جس کا

---

[1] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[2] عجیب لطیفہ غیبی اقول وباللہ التوفیق، ذی علم اگرچہ لغزش کریں پھر بھی سخنِ حق اُن کے کلام میں اپنی جھلک دکھا ہی جاتا ہے۔ یہ بوجہ مولوی صاحب نے ایسے فرمائے جس نے مذہبِ حق کی وجہ موجہ ظاہر کر دی، میں عرض کروں جب زیادتِ ادراک کی وجہ علائقِ مادی کا انقطاع ہے تو وہ عموماً ہر میت کو حاصل (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ما جاء فی زیارۃ القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۴
مشکوٰۃ المصابیح باب زیارۃ القبور فصل اول مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۵۴

انکشافِ حال خارج از علمِ زائر اور بحیزِ اختیار پروردگارِ عالم ہے۔ بروقتِ دعا زائر کے وُہ بزرگ اُس کی دُعا کو سُن لیں، جب زائر بلا حصولِ علم مرتکب سوال کا ہے تو گویا سائل نے اہلِ قبر کو سمیع وبصیر علی الاطلاق قرار دیا ہے، اور نہیں ہے یہ اعتقاد مگر شرک۔ اور ادنیٰ درجہ شائبہ وشبہہ شرک تو ضرور ہُوا، جس سے احتراز واجتناب لازم وواجب۔ فرقانِ حمید میں بمقاماتِ متعددہ اس کا بیان بتصریحِ تام موجود از انجملہ ہے، سُورۂ یوسف میں ہے:

وما یؤمن اکثرھم باللّٰہ الّا وھم مشرکون[1] اور ان میں اکثر خدا کو نہیں مانتے مگر شرک کرتے ہوئے۔ (ت)

اور حدیث شریف میں ہے:

من حلف بغیر اللّٰہ فقد اشرک[2] جس نے غیر خدا کی قسم کھائی اس نے شرک کا کام کیا۔ (ت)

اور اس حرمت کا سبب سوائے اس کے نہیں کہ حالف کی اس قسمِ غیر خدا سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ اپنے عقیدے میں غیر خدا کو بھی نفع وضرر رسان جانتا ہے جو معناً شرک ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم

مُہرِ شریف

اس جواب کو دیکھ کر زیادہ تر حیرت یہ ہُوئی کہ مولوی صاحب کی کوئی تحریر ان خلافاتِ محدثہ میں آج تک نظر سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ موت خود اسی قطعِ تعلقِ مادی کا نام ہے، تو بعض اموات کی تخصیص محض بے وجہ، بلکہ تمام اموات کو حاصل ہونا چاہئے، اور بیشک ایسا ہے۔ اسی لیے اکابر محققین تصریح فرماتے ہیں کہ موت کے بعد کا ادراک بہ نسبت ادراکِ حیات کے بہت وسیع تر اور روشن تر ہے۔ مقصدِ ہذا میں اس کی بعض تصریحیں آئیں گی، زیادہ نہیں تو نوعِ دوم مقصد سوم مقال چہارم میں شاہ عبدالعزیز صاحب ہی کا قول ملاحظہ ہو جائے۔ منہ

عہ۳ مولوی صاحب اس کلام سے شاہ عبدالعزیز صاحب کے اُس قول کی طرف مشیر ہیں جس کا ایک پارہ نوع ۲ مقصد ۳ مقال ۱۶ میں مذکور ہوگا۔ اور تتمہ جس نے آدھی وہابیت کا کام تمام کردیا عنقریب سوال ۱۵ میں آتا ہے ان شاء اللہ تعالٰی، اُس میں شاہ صاحب نے بے شائبہ شبہہ ثابت مانا ہے کہ اللہ تعالٰی بعض اولیائے کرام کے مدارک کو ایسی وسعت دیتا ہے، مولوی صاحب کے لفظ یہاں ایسے واقع ہُوئے جو اقرار وانکار دونوں کا پہلو دیں، خیر اگر شاہ صاحب کو اس قول میں خاطی پائیں اور اپنی اگرچہ کو اساغت یا فرض ہی پر محمول رکھیں تاہم ہمیں مضر نہیں، نہ آپ کے کلام کی اصلاح کرسکتا ہے، کما ستری، ان شاء اللہ تعالٰی۔ منہ

---

[1] القرآن ۱۲/ ۱۰۶

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمر دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۸۷

نہ گزری تھی۔ گمان یُوں تھا کہ قصداً احتراز فرماتے ہیں بلکہ غلومنکرین کو خود بھی لائقِ انکار ٹھہراتے ہیں۔ طرفہ تر یہ کہ پہلی بسم اللہ قلم کو اذنِ رقم ملا تو یُوں کہ طرزِ ارشاد فریقین کے مضاد، پھر سراپا ناتمامی تقریب و ناکامی مدعاء واجنبیت دلیل و بے تعلقی دعوٰی اگرچہ حضراتِ نجدیہ کا قدیمی دستور، مگر فضیلت سے بغایت دُور، فقیر کو بعض وجوہ سے مولوی صاحب کی رعایت ایک حد تک منظور، و لہٰذا ان سطور میں نام نامی مستور و نامسطور، مگر اظہارِ حق بنصِ قرآن ضرور، اور حدیثِ صحیح میں الدین النصح لکل مسلم[1] (دین ہر مسلم کی خیرخواہی ہے۔ ت) ماثور۔ میرا مقصد تھا کہ اس مسئلہ میں تحقیقِ بالغ و تنقیحِ بازغ سے کام لُوں، اُس تفصیلِ جامع و تحریرِ لامع سے اختتام دُوں کہ براہینِ اثبات کا حصر وافی ہو، ازہاقِ شبہات کا احاطہ کافی ہو، مگر جب دیکھا کہ خود جواب جناب مذہب منکرین سے منزلوں دُور، اور اکثر اوہام جو اُدھر سے پیش ہوتے ہیں آپ ہی کی تحریر سے ہباءً منثور، تو مجھے بہت کفایتِ مؤنت و کمیِ مشقت ہُوئی۔ اور آخر رائے اس پر ٹھہری کہ بالفعل جناب کی تقریرِ خاص پر جو اعتراضات میرے ذہن میں ہیں گزارش کرکے چند آثار و احادیث و اقوال علمائے قدیم و حدیث و نبذے بحث اصل مدعا، یعنی ارواحِ طیّبہ سے طلبِ دُعا، اور بعد وصال ان کا فیض و نوال لکھ کر ختمِ کلام کروں اور بقیہ تحقیقاتِ باہرہ و تدقیقاتِ قاہرہ جو بحمد اللہ حاضرِ خاطرِ بندۂ قاصر ہیں، انھیں بشرطِ جواب مولوی صاحب دورِ آئندہ پر محول رکھوں۔ باایں ہمہ یہ مختصر رسالہ اِن شاء اللہ تعالٰی ثابت کردے گا کہ مولوی صاحب کی یہ چند سطری تحریر اور اس پر مع اُن کے اصل مذہب[ع] کے چارسَو وجہ سے دارو گیر۔ واللہ المعین وبہ نستعین۔

المقصد الاول فی الاعتراضات وازاحۃ الشبہات

(پہلا مقصد اعتراضات اور ازالۂ شُبہات میں)

اور اس میں دو نوع ہیں:

نوعِ اوّل اعتراضاتِ مقصودہ میں ــــ شاید مولوی صاحب نامِ اعتراضات سے ناراض ہوں، لہٰذا مناسب کہ پیرایۂ سوال میں اعتراض ہوں۔

فاقول وبہ التوفیق وبہ الوصول الٰی ذری التحقیق (تو میں کہتا ہُوں، اور خدا ہی سے توفیق، اور اسی کی

ع: اصل مذہب سے کبرائے مذہبِ مولوی صاحب کی تصریح مراد ہے کہ میت جماد ہے ۱۲ منہ سلمہ ربہ۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

مدد سے بلندی تحقیق تک رسائی ہے۔ ت)

سوال (۱) جناب نے قبر کی مٹی حائل دیکھ کر آواز سننی، صورت دیکھنی محال ٹھہرائی۔ اس سے مراد محال عقلی یا شرعی یا عادی، بر تقدیر اول کاش کوئی برہان قاطع اُس کے استحالہ پر قائم فرمائی ہوتی۔ میں پُوچھتا ہُوں اللہ تعالٰی قادر ہے کہ یہ حائل مانع احساس نہ ہو، اگر کہیے نہ، تو انّ اللّٰہ علٰی کلّ شیئ قدیر[1] (بیشک اللہ تعالٰی ہر شَے پر قادر ہے۔ ت) کا کیا جواب؟ — اور فرمائیے ہاں تو استحالہ کہاں؟ — بر تقدیر ثانی آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ سے ثابت کیجئے کہ جب تک یہ حجاب حائل رہیں گے ابصار و سماع نہ ہو سکیں گے۔ الفاظ شریفہ ملحوظ خاطر رہیں — بر تقدیر ثالث عادت اہل دُنیا مراد یا عادت اہل برزخ۔ درصورت اوّل کیا دلیل ہے کہ مانع دنیوی عائق برزخ بھی ہے۔ کیا جناب کے نزدیک برزخ دنیا کا ایک رنگ ہے؟ اہل دنیا ملائکہ کو نہیں دیکھتے مگر بطور خرق عادت۔ اور برزخ والے عموماً دیکھتے ہیں، حتی کہ کفار بھی۔ احادیث نکیرین چھپنے کی چیز نہیں۔ درصورت دوم جناب نے یہ عادت اہل برزخ کیونکر جانی، اموات نے تو آکر بیان ہی نہ کیا۔ اور طریقے سے علم ہُوا تو ارشاد ہو۔ اور ماحول کہ دعوٰے بتمامہا زیر لحاظ رہے۔

سوال (۲) اسی تشقیق سے احد الشقین الاولین مراد تو آپ ہی کا آخر کلام اُس کا اوّل راد کہ محال عقلی صالح تعلق اذن نہیں۔ اور محال شرعی سے ہرگز اذن متعلق نہ ہوگا۔ و بر شق ثالث اس کا اعتقاد ممکن کا اعتقاد کہ ہر محال عادی ممکن عقلی ہے اور شرک اعظم محالات عقلیہ کا اعتقاد، تو اعتقاد ممکن عقلی کا شرک ہونا محال عقلی بین الفساد و بعبارۃ اخری اوضح واجلی (اور بعبارت دیگر زیادہ واضح و روشن۔ ت) جناب کی پچھلی عبارت صاف گواہ کہ بعض اموات کو ایسی زیادت ادراک عطا ہوتی ہے کہ وہ توجہ خاص کریں تو باذن اللہ دعائے زائر سُن سکتے ہیں — میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالٰی قادر ہے یا نہیں کہ یہ قوت اُنھیں ہر وقت کے لیے بخشے — بر تقدیر انکار سخت مشکل۔ افعیینا بالخلق الاوّل[2] (تو کیا ہم پہلی تخلیق سے تھک گئے۔ ت) درصورت اقرار میّت یہ وصف ملنے سے خدا کا شریک ہوگیا یا نہیں؟ میں جانتا ہوں ہاں نہ کہیے گا، اور جب نہ کی ٹھہری تو میں عرض کروں وُہ وصف جس کے ثبوت سے خدا کی شرکت لازم نہ آئی اُس کے اثبات سے خدا کا شریک ہونا کیونکر قرار پایا؟ اور جس کی حقیقت شرک نہیں اُس کا گویا شائبہ کیونکر ہوا؟

سوال (۳) کیا آدمی اُسی کام کو حلال جانے جس کے بکار آمد ہونے پر یقین رکھتا ہو۔ باقی کو حرام سمجھے یا صرف امید کافی اگرچہ علم نہ ہو۔ درصورت اولٰی واجب کہ نماز روزہ اور تمام اعمال حسنہ کو حرام جانیں کہ وہ بے قبول بکار آمد نہیں اور

---

[1] القرآن ۲/ ۲۰

[2] القرآن ۵۰/ ۱۵

ہم میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے اعمال قطعاً مقبول ۔۔۔ درصورتِ ثانیہ جب آپ کے نزدیک بھی بعض اکابر کا ایسا قوی الادراک[1] ہونا مسلم کہ بتوجہ خاص باذن اللہ تعالٰی دعائے زائر سُن لیں تو وہاں کرم الٰہی سے ہر وقت امید و توقع موجود کہ سننے کا علم نہیں، تو نہ سُننے پر بھی جزم نہیں۔ پھر کلام کیوں کر ناروا ہو سکتا ہے۔ جناب کو اپنا اطلاق حکم ملحوظِ خاطرِ عاطر رہے۔

سوال (۴) یہ تو ظاہر کہ سائل جن کے دروازوں پر سوال کرتے ہیں وہ ہر وقت فراخ دست نہیں ہوتے، اب ان سائلوں کو حضرت کے اعتقاد میں ہر شخص کے حالِ خانہ پر اطلاع و وقوف ہے یا نہیں۔ اگر کہیے ہاں تو جس طرح جناب کے نزدیک زائر بیچاروں نے حضرات اولیاء کو سمیع و بصیر علی الاطلاق مانا، یونہی[2] آپ نے ان بھیک مانگنے والوں، جوگیوں، سادھوؤں کو علیم و خبیر علی الاطلاق جانا۔ والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالٰی اور اگر فرمائیے نہ، تو جبکہ سائل بلاحصول علم مرتکب سوال ہوتے ہیں۔ آپ کے طور پر گویا اہلِ بیوت کو معطی و قدیر علی الاطلاق قرار دیتے ہیں یا نہیں ۔۔۔ بر تقدیر اول واجب ہوا کہ سوال شرک نہ ہو تو ادنٰی درجہ شائبہ و شبہہ شرک ضرور ہو حالانکہ بہت اکابر علماء و اولیاء نے وقتِ حاجت اُس پر اقدام فرمایا ہے، حضرت ابوسعید خراز قدس سرہ العزیز جن کی عظمتِ عرفان وجلالتِ شان آفتابِ نیمروز سے اظہر، ہنگامہ فاقہ ہاتھ پھیلاتے اور شیئاً ﷲ فرماتے ۔۔۔ یونہی سید الطائفہ جنید بغدادی کے استاد حضرت ابوحفص حداد و حضرت ابراہیم ادہم و امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے وقتِ ضرورتِ شرعیہ سوال منقول[3] نقل کل ذٰلک العلامۃ المناوی فی التیسیر[1] (یہ سب علامہ مناوی نے تیسیر میں نقل کیا ہے۔ ت) کتب فقہیہ شاہد عادل کہ بعض صور میں علمائے کرام نے سوال فرض بتایا ہے۔ معاذ اللہ! یہ آپ کے طور پر شرک یا شائبہ شرک کا فرض ہونا ہوگا۔ بر تقدیر ثانی زائر بیچارہ بلاحصولِ علم

---

[1] اگر تسلیم تحقیقی ہے تو امر ظاہر اور بطور تجویز و تقدیر ہے۔ تو یہی عرض کیا جاتا ہے کہ یہ صورت مان کر پھر اُس کلام کی کیا گنجائش ہے۔ یہ نکتہ محفوظ رہنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

[2] تشبیہ مقصود بالذات ہے کہ یہ سوال نقض اجمالی ہے ورنہ ہمارے نزدیک نہ صرف اتنا علم و خبر مطلق نہ فقط اُتنا سمع و بصر مطلق۔ ۱۲ منہ

[3] تحت قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سأل من غیر فقر فکانما یاکل الجمر ۱۲ منہ

زیرِ ارشاد رسولِ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: جس نے بغیر احتیاج کے سوال کیا گویا وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث من سأل الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۲/ ۴۲۱

سوال کرنے پر کیوں ان الفاظ کا مصداق ہوا۔

سوال (۵) جو شخص ایک جگہ خاص پر ہو کر وہاں جاکر جس وقت بات کیجئے سن لے۔ اس قدر سے اسے سمیع علی الاطلاق کہا جائے گا یا نہیں۔ اگر کہیے ہاں، تو اپنے نفس نفیس کو سمیع علی الاطلاق مانیے۔ ہم نے تو ہمیشہ یہی دیکھا ہے کہ دولت خانہ پر جاکر جب کسی نے بات کی ہے آپ کے کان تک پہنچی ہے۔ اور فرمایئے نہ، تو مزار پر جاکر سمیع علی الاطلاق جاننا کیونکر سمجھا گیا!

سوال (۶) زمانہ وجود مخاطب کے استغراق ازمنہ باوصف خصوص مکان کو جناب نے مثبت سمع علی الاطلاق ٹھہرایا تو استغراق ازمنہ وجود و امکنۂ دنیا بدرجۂ اولٰی موجب ہوگا۔ اب کیا جواب ہے اُس حدیث سے کہ امام بخاری نے تاریخ میں اور طبرانی و عقیلی اور ابن النجار و ابنِ عساکر و ابوالقاسم اصبہانی نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی، میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو فرماتے سُنا:

ان للّٰہ تعالٰی ملکا اعطاہ اسماع الخلائق (زاد الطبرانی کلہا) قائم علٰی قبری (زاد الٰی یوم القیٰمۃ) فما من احد یصلی علی صلٰوۃ الا ابلغنیہا[1]

بیشک اللہ تعالٰی کا ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے تمام جہان کی بات سُن لینی عطا کی ہے، وہ قیامت تک میری قبر پر حاضر ہے، جو مجھ پر درود بھیجتا ہے یہ مجھ سے عرض کرتا ہے۔ (ت)

علامہ زرقانی شرح مواہب اور علامہ عبدالرؤف شرح جامع صغیر میں اعطاہ اسماع الخلائق کی شرح میں یُوں فرماتے ہیں:

ای قوۃ یقتدر بہا علی سماع ماینطق بہ کل مخلوق من انس وجن وغیرھما (زاد المناوی) فی ای موضع کان[2]۔

یعنی اللہ تعالٰے نے اُس فرشتے کو ایسی قوت دی ہے کہ انسان جن وغیرہما تمام مخلوقِ الٰہی کی زبان سے جو کچھ نکلے اُسے سب کے سُننے کی طاقت ہے جہاں کہیں کی آواز ہو (ت)

اور دیلمی نے مسند الفردوس میں سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثروا الصلٰوۃ علیّ فان اللّٰہ تعالٰی وکل لی ملکا

مجھ پر درود بہت بھیجو کہ اللہ تعالٰے نے میرے مزار پر

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب بحوالہ البخاری والطبرانی المقصد الرابع دارالمعرفہ بیروت ۵/۳۳۶

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث ان للّٰہ ملکا الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/۳۳۰

عند قبری فاذا اصلی علی رجل من اُمتی قال لی ذٰلک الملک یا محمد ان فلان بن فلان یصلی علیك الساعة۔[1]

ایک فرشتہ متعین فرمایا ہے جب کوئی اُمتی میرا مجھ پر درود بھیجتا ہے وُہ مجھ سے عرض کرتا ہے: یارسول اللہ! فلاں بن فلاں نے ابھی ابھی حضور پر درود بھیجی ہے (ت)

اللھم صل وبارك علٰی ھذا الحبیب المجتبی والشفیع المرتجی وعلٰی اٰلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین صلٰوۃ تدوم بدوامك وتبقی ببقائك کما ھو اھل لہ وکما انت اھل لہ اٰمین اٰمین الٰہ الحق اٰمین۔

اے اللہ! درود اور برکت نازل فرما اس حبیب پر جو برگزیدہ ہیں اور اس شفیع پر جن سے کرم کی امید ہے اور ان کی آل، اصحاب، ان کی امت کے اولیاء، ان کی ملت کے علماء سب پر ایسا درود جسے تیرے دوام کے ساتھ دوام اور تیری بقا کے ساتھ بقا ہو، ایسا درود جس کے وُہ اہل ہیں اور جو تیری شان کے لائق ہو، قبول فرما، قبول فرما اے معبودِ برحق قبول فرما! (ت)

؎ جاں می دہم درآرزو اے قاصد آخر باز گو
در مجلس آں نازنین حرفے گر از ما مے رود

(اے قاصد! اس آرزو میں جان دے رہا ہوں کہ اُس محبوب کی مجلس میں پھر ایک بات پہنچادو اگر پہنچ سکے۔ ت)

بھلا ارشاد ہو، اولیائے کرام تو خاص حاضرانِ مزار کی بات سُننے پر سمیع علی الاطلاق ہوئے جاتے ہیں۔ یہ بندۂ خدا کہ بارگاہِ عرش جاہ سلطانی صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے جُدا نہیں ہوتا اور وہیں کھڑے کھڑے ایک وقت میں شرقاً غرباً جنوباً شمالاً تمام دُنیا کی آوازیں سُنتا ہے اُسے کیا قرار دیا جائے گا۔ آپ کو تو کیا کہوں مگر ان نجدی شرک فروشوں نے نہ خدا کی قدرت دیکھی ہے کہ وُہ اپنے بندوں کو کیا کیا عطا فرماسکتا ہے، نہ اس کی عظمت صفات سمجھی ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر شرک کا ماتھا ٹھنکتا ہے ماقدروا اللّٰہ حق قدرہ[2] (اُنھوں نے خدا کی قدرت نہ جانی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا۔ ت)

سوال (۷) کیا بات سُننے کے لیے صورت دیکھنی بھی ضرور، جب تو واجب کہ تمام اندھے بہرے ہوں اور فرشتہ مذکور آپ کے طور پر بصیر علی الاطلاق بلکہ اس سے بھی کچھ زائد، ورنہ فقط خطاب کرنے سے بصیر ماننا کیونکر مفہوم

---

[1] کنز العمال بحوالہ مسند الفردوس حدیث ۲۱۸۱ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱/۴۹۴

[2] القرآن ۲۲/۷۴

ہوا۔ عموم و اطلاق تو بالائے طاق۔

سوال (۸) بفرض لزوم سماع کلام کو مطلق بصر درکار، جو رؤیتِ مخاطب سے حاصل۔ یا بصر علے الاول ملازمت باطل۔ وعلی الثانی لازم کہ تمام مخلوقِ الٰہی بہری اور کسی بات کا سُننا کسی غیر خدا کے لیے ماننا مطلقاً مستلزم شرک ہو تو سب مشرک ہیں، یا ہر ذی سمع 'بصیر علے الاطلاق' تو آفت اشد ہے۔ والعیاذ باللہ۔

سوال (۹) اُن اولیاء کی زیادتِ ادراک اگر اسے مستلزم نہیں کہ ہر کلام زائر سُن لیں تو اُسے بھی نہیں کہ سب کو نہ سُنیں آپ خود عدم استلزام فرماتے ہیں نہ استلزامِ عدم، تو دونوں صورت میں محتمل رہیں۔ پھر ایک امر محتمل پر جزمِ شرک کیونکر ہو سکتا ہے۔ غایت یہ کہ بے دلیل ہو تو غلط سہی، کیا ہر غلط بات شرک ہوتی ہے!

سوال (۱۰) مجھے نہیں معلوم کہ قرآنِ عظیم میں ایک جگہ بھی بیان فرمایا ہو کہ مزارات پر جا کر کلام و خطاب کرنا شرک یا حرام ہے۔ یا اتنا ہی ارشاد ہُوا ہو؛ جو ایسا کرتا ہے گویا اصحابِ قبور کو سمیع یا بصیر علے الاطلاق مانتا ہے۔ اور حضرت کی صحتِ استدلال اُنھیں امور پر مبنی۔ آپ فرماتے ہیں فرقانِ حمید میں بمقاماتِ متعددہ اس کا بیان بتصریحِ تام موجود۔ مَیں مقاماتِ متعددہ کی تکلیف نہیں دیتا، ایک ہی آیت فرما دیجئے جس میں صاف صاف مضمون مذکور مزبور ہو۔ بینوا توجروا۔

سوال (۱۱) سُورۂ یوسف کی آیۂ کریمہ کہ تلاوت فرمائی اُس کا ترجمہ و مطلب میں کیوں عرض کروں، مولوی اسمٰعیل سے سُنئے۔ تقویۃ الایمان میں لکھا ہے:

> "نہیں مسلمان ہیں اکثر لوگ مگر یہ کہ شرک کرتے ہیں[۱] یعنی اکثر لوگ جو دعوٰی ایمان کا رکھتے ہیں سو وہ شرک میں گرفتار ہیں" انتہی

خدارا اس میں مزاراتِ اولیاء پر جانے یا اُن سے کلام و خطاب کرنے کا کون سا حرف ہے، استغفراللہ نام کو بُو بھی نہیں، تصریحِ تام تو بڑی چیز ہے۔ پھر اُس آیت نے جناب کا کون سا دعوٰی ثابت کیا یا حضارِ مزار کو کیا الزام دیا۔ اگر ایسے ہی بے علاقہ استناد کا نام تصریحِ تام، تو ہر شخص اپنے دعوے پر قرآن عظیم کی آیت پیش کر سکتا ہے۔ مثلاً فلسفی کہے، توسیط عقول حق ہے ورنہ لازم آئے کہ تمام اشیاءِ متکثرہ اُس واحد حقیقی سے بالذات صادر ہُوئی ہوں۔ اور یہ خدائے عزوجل پر افترا۔ فان الواحد لایصدر عنہ الا الواحد (کیونکہ واحد سے واحد ہی صادر ہو سکتا ہے۔ ت) اور اللہ تعالٰے پر افترا حرام قطعی۔ قرآن حمید میں بمقاماتِ متعددہ اس کا بیان بتصریحِ تام موجود، از انجملہ ہے سورۂ انعام میں: ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون[۲] (جو لوگ

---

[۱] تقویۃ الایمان پہلا باب توحید و شرک کے بیان میں مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴

[۲] القرآن ۱۶/ ۱۱۶

اللہ پر جھوٹا افترا کرتے ہیں وہ مراد کو پہنچنے والے نہیں۔ت) یا نصرانی کے انکارِ تثلیث گناہِ عظیم ہے کہ تثلیث آیت انجیل محرف سے ثابت، اور آیتِ الٰہیہ کی تکذیب موجب عذابِ شدید۔فرقان حمید میں بمقاماتِ متعددہ اس کا بیان بتصریح تام موجود از انجملہ ہے سورۂ عنکبوت میں، وما یجحد بایٰتنا الا الظّٰلمون[1] (ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر وہی جو ظالم ہیں۔ت) ارشاد فرمایئے کیا ان تقریروں سے اُن کی استدلال تام ہوگئی، اور اُن کے جھوٹے دعوے معاذ اللہ قرآن عظیم نے ثابت کردیے؟ حاش للہ، واستغفر اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

میں نہیں چاہتا کہ عیاذاً باللہ فلاں وہماں کی طرح آیاتِ الٰہیہ کو اُن کے موقع ومحل سے بیگانہ کرکے بزورِ زبان دوسری طرف پھیرا جائے، ورنہ حضراتِ منکرین کے مقابل آیہ کریمہ کما یئس الکفار من اصحٰب القبور[2] (جیسے کفار اہلِ قبور سے ناامید ہو بیٹھے۔ت) بہت اچھی طرح پیش ہوسکتی ہے۔ اور وہ اس آیت کی بہ نسبت جو آپ نے تلاوت کی ہزار درجہ زیادہ محل وموقع سے تعلق رکھتی ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اہلِ قبور سے کافر لوگ ناامید ہو بیٹھے اب غور کرلیا جائے کہ کون لوگ اہلِ قبور سے اُمید رکھتے ہیں اور کون یاس کے ہاتھوں آس توڑے بیٹھے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صنف اٰخر من ھٰذا النوع

(اسی نوع کی ایک اور قسم)

یہاں اُن اکابر خاندان عزیزی کے بعض اقوال رنگ تحریر فرمائیں گے جنھوں نے بے حصولِ علم ارتکابِ سوال جائز رکھا اور مولوی صاحب کے طور پر شرک خالص یا بارے درجے شائبہ شرک میں گرفتار ہوئے۔

سوال (۱۲) شاہ ولی اللہ ہمعات میں حدیثِ نفس کا علاج بتاتے ہیں:

بارواحِ طیبہ مشائخ متوجہ شود وبرائے ایشاں فاتحہ خواند یا بزیارت قبرِ ایشاں رود واز انجا انجذاب دریوزہ کند[3]۔

مشائخ کی پاک رُوحوں کی جانب متوجہ ہو اور ان کے لیے فاتحہ پڑھے یا ان کے مزارات کو جائے اور وہاں سے بھیک مانگے۔ (ت)

اقول اولاً جناب کے نزدیک مزاراتِ اولیاء سے بھیک مانگنے کا کیا حکم ہے۔ وہاں تو اُن سے دعا

---

[1] القرآن ۲۹/۴۹

[2] القرآن ۶۰/۱۳

[3] ہمعات ہمعہ ۸ اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ حیدر آباد ص ۳۴

منگوانا شرک ہُوا جاتا تھا یہاں خود اُن سے بھیک مانگی جاتی ہے۔

ثانیاً کسی سے بھیک مانگنی یونہی معقول کہ وہ اس کی عرض سُنے اور اُس کی طرف توجہ کرے، ورنہ دیواروں پتھروں سے کیا بھیک مانگنا۔ مگر آپ فرما چکے کہ "توجہ خاص کا انکشافِ حال خارج از علم زائر و بجز اختیار پروردگار عالم ہے"۔ اب جو یہ بھیک مانگنے والا شاہ صاحب کے حکم سے بحصول علم مرتکب سوال کا ہے اس نے گویا اہلِ قبر کو سمیع و بصیر علی الاطلاق قرار دیا یا نہیں؟ اور شاہ صاحب نے یہ شرکِ خالص یا شائبہ شرک تعلیم کیا یا نہیں؟ اور ایسی چیز کا سکھانے والا کافر یا مشرک یا بدعتی بدمذہب ہُوا یا نہیں؟ بینوا توجروا

ثالثاً اُنھوں نے مزار پر جاکر گدائی تو پیچھے بتائی، پہلے گھر ہی بیٹھے ارواحِ طیبہ کی طرف توجہ کرا رہے ہیں؛ اب تو اطلاق کا پانی سر سے اونچا ہوگیا۔

سوال (۱۳) اُنھی شاہ صاحب نے ایک رباعی لکھی: ؎

آنانکہ ز دناس بہیمی جستند	با لجۂ انوار قدم پیوستند
فیض قدس از ہمت ایشاں می جو	دروازۂ فیض قدس ایشاں ہستند[1]

(جو لوگ نفس حیوانی کی آلودگیوں سے باہر ہو گئے وہ ذاتِ قدیم کے انوار کی گہرائیوں سے جاملے، فیضِ قدس ان کی ہمت سے طلب کرو، فیضِ قدس کا دروازہ یہی لوگ ہیں۔ ت)

اور مکتوب شرح رباعیات میں خود اس کی شرح یوں کی:

یعنی توجہ بارواحِ طیبہ مشائخ در تہذیب رُوح و سر نفع بلیغ دارد[2] ۔

یعنی مشائخ کی ارواحِ طیبہ کی جانب توجہ رُوح اور باطن کو سنوارنے میں نفع بلیغ رکھتی ہے (ت)

اقول (میں کہتا ہوں۔ ت) کیا اچھا نفع بلیغ ہے کہ بلا حصول علم ان کی ہمت سے فیض چاہ کر مشرک ہو گئے۔

سوال (۱۴) یہی شاہ صاحب "قول الجمیل" میں لکھتے ہیں۔ اُن کی عبارت عربی لاکر ترجمہ کروں، اس سے یہی بہتر کہ مولوی خرم علی صاحب بلہوری مصنف نصیحۃ المسلمین کا ترجمہ نقل کروں۔ یہ صاحب بھی عمائد وکبرائے منکرین سے ہیں، شفاء العلیل میں کہتے ہیں:

"مشائخ چشتیہ نے فرمایا، قبرستان میں میت کے سامنے کعبہ معظمہ کو پُشت دے کر بیٹھے، گیارہ بار سورۂ فاتحہ پڑھے پھر میت سے قریب ہو پھر کہے یا رُوح اور یا رُوح الرُوح کی دل میں ضرب کرے

---

[1] مکتوبات ولی اللہ از کلماتِ طیبات مکتوب بست و دوم در شرح رباعیات مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۹۴
[2] ایضاً

یہاں تک کہ کشائش و نُور پائے پھر منتظر رہے اس کا جس کا فیضان صاحب قبر سے ہو اس کے دل پر آتھ ملخصا

اقول اولاً اس ندائے یا روح کا حکم ارشاد ہو۔

ثانیاً یہ سائلانِ فیض جو تقریر و تسلیم و اشاعت و تعلیم شاہ صاحب و مترجم صاحب جب جا با بلا حصول علم قبور کے سامنے یا رُوح یا رُوح کرنے اور فیض مانگنے بیٹھ گئے۔ آپ کے طور پر اہل قبور کو سمیع و بصیر و معطی و مفیض علی الاطلاق مان کر اور ماتن و مترجم بنا جا کر مشرک ہُوئے یا نہیں؟

سوال (۱۵) شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں، وہیں جہاں اُنھوں نے بعض خواص اولیاء کو ایسی زیادتِ ادراک ملنی لکھی ہے، یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

"اویسیان تحصیل کمالات باطنی از انہا می نمایند و اربابِ حاجات و مطالب حلِ مشکلات خود از انہا می طلبند و مے یابند"۲	اُویسی لوگ اپنے کمالاتِ باطنی کا مقصد ان سے حاصل کرتے ہیں، اور اہلِ حاجات و مقاصد اپنی مشکلوں کا حل ان سے مانگتے اور پاتے ہیں (ت)

کہئے زیادت ادراک مسلم، مگر توجہ خاص کا انکشافِ حال تو خارج از علم طالب بجیز اختیار پروردگار عالم ہے، پھر اویسی لوگ جو بلا حصول علم مرتکب استفادہ ہوتے ہیں کیونکہ مصداق اُن لفظوں کے نہ ہُوئے اور ایسی نسبت کہ معاذ اللہ بذریعہ شرک ملتی ہے، کیونکر صحیح و مقبول ٹھہری۔ یہی شاہ صاحب اپنے والد شاہ ولی اللہ صاحب سے ناقل اویسیت کی نسبت قوی اور صحیح ہے۔ شیخ ابو علی فارمدی کو ابوالحسن خرقانی سے رُوحی فیض ہے اور ان کو بایزید بسطامی کی رُوحانیت سے، اور ان کو امام جعفر صادق کی روحانیت سے تربیت ہے۳ اھ نقلہ البلھوری فی شفاء العلیل (اسے مولوی خرم علی لاہوری نے شفاء العلیل میں نقل کیا۔ ت)

ثانیاً ذرا شاہ صاحب کے پچھلے لفظ کہ "اہل حاجت اپنی مشکلوں کا حل اُن سے مانگتے اور پاتے ہیں" ملحوظِ خاطر رہیں، کس دُھوم دھام سے ارواحِ اولیاء کو حاجت روا مشکل کشا بتایا ہے۔ واللہ! کہا سچ، اگرچہ بُرا مانیں ناواقف ع

الناس اعداء لما جھلوا

(لوگ جس چیز کو نہیں جانتے اس کے دشمن ہوتے ہیں۔ ت)

۱؎ شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل	پانچویں فصل	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	ص ۷۲
۲؎ تفسیر فتح العزیز	پارہ عم بیان صدقات و فاتحہ الخ	مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی	ص ۲۰۶
۳؎ شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل	گیارھویں فصل	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	ص ۱۷۸

؎ غوثِ اعظم بمن بے سروساماں مددے
قبلۂ دیں مددے کعبۂ ایماں مددے

(غوثِ اعظم! مجھ بے سروسامان کی مدد فرمائیں، قبلۂ دیں! مدد فرمائیں، کعبۂ ایمان! مدد فرمائیں)

سوال (۱۶) اُسی تفسیر عزیزی میں دفن کو نعمتِ الٰہی ٹھہرا کر اُس کے منافع و فوائد میں لکھتے ہیں:

از اولیائے مدفونین انتفاع و استفادہ جاریست[1]۔ مدفون اولیاء سے نفع پانا اور فائدہ طلب کرنا جاری ہے۔ (ت)

اقول اولاً انتفاع تک خیر تھی کہ بے مقصد منتفع بھی ممکن، استفادہ نے غضب کردیا کہ وہ نہیں مگر طلب فائدہ، پھر کیا اچھا نفع دفن میں نکالا کہ بندگانِ خدا بے حصول علم مرتکبِ سوال ہو کر معاذ اللہ مشرک ہوتے ہیں۔

ثانیاً لفظ "جاری ست" پر لحاظ رہے کہ اس سے مراد نہیں مگر مسلمانوں میں جاری ہونا، اور جو مسلمانوں میں جاری، ہرگز شرک نہیں کہ جن میں شرک جاری ہرگز مسلمان نہیں۔

سوال (۱۷) مرزا مظہر جانجاناں صاحب جنھیں شاہ ولی اللہ صاحب اپنے مکاتیب میں قیم طریقۂ احمدیہ و داعی سنّتِ نبویہ لکھتے ہیں۔ اور حاشیہ مکتوباتِ ولویہ پر انھیں شاہ صاحب سے اُن کی نسبت منقول ہند و عرب و ولایت میں ایسا متبع کتاب و سنّت نہیں بلکہ سلف میں بھی کم ہوئے اھ ملخصاً مترجماً۔ یہ مرزا صاحب اپنے ملفوظات میں تحریر فرماتے ہیں:

نسبتِ ما بجناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ می رسد، و فقیر را نیازی خاص بآنجناب ثابت است۔ در وقتِ عروض عارضہ جسمانی توجہ بآنحضرت واقع می شود و سببِ حصول شفا می گردد[2]۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بارگاہ تک نسبت پہنچتی ہے اور فقیر کو اُس جناب سے خاص نیاز حاصل ہے۔ جب کوئی جسمانی عارضہ لاحق ہوتا ہے تو آنحضور کی جانب میری توجہ ہوتی ہے اور شفایابی کا سبب بنتی ہے۔ (ت)

سوال (۱۸) آگے فرماتے ہیں:

یکبار قصیدہ کہ مطلعش اینست ؎ ایک بار وُہ قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے: ؎

---

[1] تفسیر فتح العزیز پارہ عم استفادہ از اولیاء مدفونین مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۴۳

[2] مکاتیب مرزا مظہر از کلمات طیبات ملفوظات مرزا صاحب مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

44

فروغ چشم آگاہی امیرالمومنین حیدر — چشم معرفت کو روشنی عطا ہوا سے امیرالمومنین حیدر
ز انگشتِ ید اللہی امیرالمومنین حیدر — خدائی ہاتھ والی انگشت سے اے امیرالمومنین حیدر

بجناب ایشاں عرض نمودم نوازشہا فرمودند[1]۔ حضرت کی بارگاہ میں عرض کیا تو بڑی نوازشیں فرمائیں اھ (ت)

اقول اولاً جب جناب مرزا صاحب امراض میں بارگاہِ مشکل کشائی کی طرف توجہ کرتے تھے انھیں کیا خبر تھی کہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الاسنی اس وقت میری طرف متوجہ ہیں یا میری طرف توجہ سے التفات فرمائیں گے۔

ثانیاً یونہی جب قصیدہ عرض کرنے بیٹھے کیا جانتے تھے کہ حضرت والا اس وقت سُن لیں گے۔ تو ان سب اوقات میں بے حصولِ علم مرتکبِ عرض و توجہ ہو کر انھوں نے جناب اسد اللہی کو سمیع و بصیر علی الاطلاق ٹھہرایا، اور حضرت کے طور پر وہ بُرا لقب پایا یا نہیں۔

ثالثاً مزار پر جا کر کلام و خطاب تو وہ آفت تھا۔ مرزا صاحب جو بے حضورِ مزار ہی توجہیں کرتے قصیدے سُناتے اُن کے لیے حکم کچھ زیادہ سخت ہوگا یا نہیں۔

رابعاً اس نیازی خاص پر بھی نظر رہے کہ یہ معالجہ کرے گا اُن جُہال کے وہم کا جو 'نیاز' کے لفظ کو خاص بجناب بے نیاز مانتے، اور اسی بنا پر فاتحہ حضراتِ اولیاء کو نیاز کہنا شرک و حرام جانتے ہیں۔

خامساً یہ بڑی گزارش تو باقی ہی رہ گئی کہ دفعِ امراض کے لیے ارواحِ طیبہ کی طرف توجہ استمداد بالغیر تو نہیں۔ اور جناب کے نزدیک بھلا ایسا شخص اتباعِ شریعت میں یکتا و بے نظیر جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے کہا تھا، بالائے طاق، سرے سے متبعِ سنت بلکہ از روئے ایمان تقویۃ الایمان، راساً مسلم و موحد کہا جائے گا یا نہیں۔

سوال (۱۹) شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کی نسبت کیا حکم ہے؟ وہ بھی اس شرکِ عالمگیر سے محفوظ نہ رہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب قول الجمیل میں لکھتے ہیں:

وایضاً تادب شیخنا عبد الرحیم علی روح جدہ لامہ الشیخ رفیع الدین محمد[2]۔

شفاء العلیل میں اس کا ترجمہ یوں کیا:

"اور بھی ہمارے مرشد شاہ عبدالرحیم ادب آموز ہوئے اپنے نانا شیخ رفیع الدین محمد کی روح سے[3]۔"

اور حاشا یہ فیض یوں نہ تھا کہ اُدھر سے بے طلب آیا ہو، بلکہ یہی جا کر قبر پر متوجہ ہوا کرتے۔ خود شاہ ولی اللہ

---

[1] مکاتیب مرزا مظہر جانجاناں از کلماتِ طیبات ملفوظات مرزا صاحب مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

[2] و [3] القول الجمیل مع شفاء العلیل گیارھویں فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۰-۱۷۹

اپنے والد ماجد سے انفاس العارفین میں ناقل،

می فرمودند مرا در مبدء حال بمزار شیخ رفیع الدین الفتے پیدا شد۔ آں جا می رفتم و لبقبر شاں متوجہ می شدم[1] الخ

فرماتے تھے مجھے ابتدائے حال میں شیخ رفیع الدین کے مزار سے ایک اُلفت پیدا ہوگئی، وہاں جاتا اور ان کی قبر کی طرف متوجہ ہوتا تھا الخ (ت)

یارب! جب مولوی اسمٰعیل کے اساتذہ و مشائخ سب گرفتار شرک ٹھہرے یہ کہ اُنھیں کے خوشہ چین، اُنھیں کے نام لیوا، اُن کے مداح، اُن کے مقلد کیونکر مومن موحد رہے ع

وحسن نبات الارض من کرم البذر

(زمین کا پودہ عمدہ جب ہی ہوتا ہے کہ بیج اچھا ہو۔ ت)

صنف اٰخر من ھٰذا النوع

(اسی نوع کی ایک اور قسم)

اس میں وہ سوالات مذکور ہوں گے جو مولوی صاحب کے استدلال دوم یعنی تمسک بحدیث من حلف الخ سے متعلق ہیں۔

سوال (۲۰) حدیث من حلف بغیر اللّٰہ فقد اشرک[2] کی جو عمدہ شرح افادہ فرمائی، ذرا کتب ائمہ حدیث و فقہ پر نظر کرکے ارشاد ہوجائے کہ کلماتِ علماء سے کہاں تک موافق ہے۔ فقیر بہت ممنونِ احسان ہوگا اگر ایک عالم معتمد کی تحریر سے بھی آپ نے اپنا بیان مطابق کر دکھایا۔ الفاظ شریفہ پیشِ نظر رہیں کہ "اس حرمت کا سبب سوا اس کے نہیں" الخ

سوال (۲۱) اعتقادِ نفع و ضرر پر قسم کی دلالت، کس قسم کی دلالت، آیا لغۃً اس کے معنے سے یہ امر مفہوم، یا عقلاً خواہ عرفاً لازم و ملزوم، کہ آدمی اُسی کی قسم کھائے جس سے نفع و ضرر کی اُمید رکھے۔

صدرِ اسلام میں جو صحابہ کرام کعبہ معظمہ کی قسم کھاتے[3] کما رواہ النسائی وغیرہ (جیسا کہ نسائی

---

[1] انفاس العارفین (اردو ترجمہ) زندہ جاوید المعارف گنج بخش روڈ۔ لاہور ص ۳۶

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ ابن عمر دار الفکر بیروت ۲/ ۸۷

[3] سنن نسائی الحلف بالکعبۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۴۳

وغیرہ نے روایت کیا۔ ت) اُس وقت وُہ کعبہ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے تھے؟ بینوا توجروا

سوال (۲۲) غیر خدا کو کسی طرح نافع یا ضار جاننا مطلقاً شرک ہے یا خاص اُس صورت میں کہ اُسے نفع وضرر میں مستقل بالذات مانے۔ بر تقدیر اول یہ وہ شرک ہے جس سے عالم میں کوئی محفوظ نہیں۔ جہان شہد کو نافع اور زہر کو مضر جانتا ہے۔ سچے دوست سے نفع کی اُمید، پکے دشمن سے ضرر کا خوف رکھتا ہے۔ عالم کی خدمت حاکم کی اطاعت اسی لیے کرتے ہیں کہ دینی یا دُنیوی نفع کی توقع ہے۔ مخالف مذہب سے احتیاط سانپ سے احتراز اسی لیے رکھتے ہیں کہ رُوحانی یا جسمانی ضرر کا اندیشہ ہے۔ خود قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے:

اٰباؤکم و ابناؤکم لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعا[1]۔ تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے تم نہیں جانتے اُن میں کون تمھیں نفع دینے میں زیادہ نزدیک ہے۔

اور فرماتا ہے:

وماھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ[2]۔ اور وہ اس سے کسی کو ضرر نہ پہنچائیں گے بے حکم خدا کے۔

صحیح مسلم شریف میں جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ[3]۔ تم میں جو اپنے بھائی مسلمان کو نفع دے سکے نفع دے۔

امام احمد و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ بسند حسن مالک بن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ضار ضار اللہ بہ ومن شاق شق اللہ علیہ[4]۔ جو کسی کو ضرر دے گا اللہ تعالٰی اُسے نقصان پہنچائے گا اور جو کسی پر سختی کرے گا اللہ تعالٰی اُسے مشقت میں ڈالے گا۔

عہ ذکر نسخ نافع نہ ہوگا۔ کیا شرک و توحید میں بھی نسخ جاری ہے ۱۲ منہ (م)

---

[1] القرآن ۴/۱۱

[2] القرآن ۲/۱۰۲

[3] صحیح مسلم باب استحباب الرقیۃ من العین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۲۴

[4] جامع الترمذی باب ماجاء فی الخیانۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۸۷

حاکم کی حدیث میں ہے مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے حجرِ اسود کی نسبت فرمایا:

بلیٰ یا امیر المؤمنین انہ یضر وینفع[1] (الحدیث) — کیوں نہیں اے امیر المؤمنین! یہ پتھر نقصان دے گا اور نفع پہنچائے گا۔ (الحدیث)

برتقدیرِ ثانی واقع ونفس الامر اس گمان کے خلاف پر شاہد عادل، لاکھوں آدمی اپنے یا اپنے محبوب کے سر یا آنکھوں یا جان کی قسم کھاتے ہیں، اور ہرگز اُن کے خواب میں بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں بالاستقلال ہمارے نفع وضرر کی مالک ہیں۔ نہ ہرگز سامع کا ذہن اس طرف جاتا ہے۔ بھلا حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ کے اس قول کے کیا معنی ہیں: ؎

لعمری وما عمری علیّ بھین

لقد نطقت بطلا علیّ الاقارع

(میری زندگی کی قسم، اور میری زندگی کوئی معمولی چیز نہیں ـــ بلاشبہہ اژدہوں (دشمنوں) نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے۔ ت)

اور جناب کے نزدیک اُس سے کیا اعتقاد ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہما پیشوایانِ دین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین سے اپنے باپ اور اپنی جان کی قسم کھانی مروی کہ خادمِ حدیث پر مخفی نہیں۔

سوال (۲۳) خیر قسم غیر سے تو آپ کے نزدیک یہ صرف ظاہر ہی ہوتا تھا کہ وہ اپنے عقیدے میں غیر خدا کو بھی نفع وضرر رساں جانتا ہے۔ بگمانِ جناب اتنی ہی بات پر شرعِ مطہر میں بنائے تحریم ہوئی حالانکہ اس کے دل کا حال خدا جانے۔ اب اُن کی نسبت حکم ارشاد ہو، جو صاف صاف بالتصریح غیر خدا کو نہ فقط نفع وضرر رساں بلکہ مالکِ نفع وضرر بتائیں، اور وہ بھی کسے، اُس شقی کو جو مدعی الوہیت رہا ہو۔ اور برسول خرانِ بے عقل نے اُسے پُوجا ہو۔ وہ کون، فرعون بے عون۔ نسأل اللہ عن حالہ الصون (خدا سے دُعا ہے کہ ہمیں اس کی حالت سے بچائے۔ ت) شاہ عبدالعزیز صاحب اس امر کے ثبوت میں کہ سامری والوں کی گوسالہ پرستی قبطیوں کی فرعون پرستی سے بدتر تھی۔ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں:

تعظیم بادشاہ صاحبِ اقتدار کہ مالکِ نفع وضرر میباشد — ایسے صاحبِ اقتدار بادشاہ کی تعظیم جو نفع وضرر کا

---

[1] المستدرک للحاکم — الحجر الاسود یمین اللہ الخ — دارالفکر بیروت — ۱/۴۵۷

فی الجملہ وجہ معقولیت دارد۔ گوسالہ لایعقل کہ در بلادت ضرب المثل است ہیچ وجہ شایان تعظیم نیست[1]۔

مالک ہو فی الجملہ ایک وجہ معقولیت رکھتی ہے مگر بے عقل گائے کا بچھڑا جو بلادت اور بیوقوفی میں ضرب المثل ہے کسی طرح قابلِ تعظیم نہیں۔ (ت)

سوال (۲۴) یہ تو آئندہ عرض کروں گا کہ طلبِ دعا کو اعتقادِ نفع وضرر سے کتنا تعلق۔ بالفعل اسے یونہی فرض کرکے گزارش کروں کہ دعا منگوانے میں تو وہ اعتقادِ نفع وضرر نکالا، جو مغنیٔ شرک۔ حالانکہ وہ خود اُن سے کسی حاجت کی خواستگاری نہیں۔ پھر:

(۱) اُن کے مزارات عظیمۃ البرکات پر حاضر ہوکر خود اُن سے بھیک مانگنا۔

(۲) یا رُوح یا رُوح پکار کر اُن کے فیض کا منتظر رہنا۔

(۳) اپنی مشکلوں کا اُن سے حل چاہنا۔

(۴) بیمار پڑیں تو شفا ملنے کو اُن کی طرف توجہ کرنا کہ ابھی صنفِ سابق میں منقول ہُوئے اُن میں کتنا اعتقادِ نفع و ضرر ثابت ہوتا ہے۔ اور

(۵) لفظِ انتفاع و استمداد خود بمعنے نفع یافتن وفائدہ خواستن۔ اس کا قصد بے اعتقاد نفع کس عاقل سے معقول۔ ہاں ہاں، انصاف کیجئے تو دُعا طلبی سے دریوزہ گری وحاجت خواہی کہیں زیادہ ہے۔ اس میں صرف نیت سائل پر مدار تفرقہ ہے، اگر سبب ظاہری ومظہر عون باری جانا تو خالص حق اور معاذ اللہ مستقل مانا تو نرا شرک۔ بخلاف طلبِ دُعا کہ وہاں نفسِ کلام مطلوب منہ کی غلامی و بندگی اور حضرت غنی جل جلالہ کی طرف محتاجی پر دلیل واضح۔ یہاں تک کہ توہّم استقلال سے اس کا اجتماع محال کما لا یخفٰی علٰی اولی النہٰی (جیسا کہ اہلِ عقل پر مخفی نہیں۔ ت) بااینہمہ اگر یہ شرک ہے تو اُس کے لیے تو کوئی لفظ مجھے شرک سے بدتر ملتا بھی نہیں جس کا مصداق ٹھہراؤں ع

ضاق عن وصفکم نطاق البیان

(آپ کے وصف سے بیان کا دائرہ تنگ ہے۔ ت)

سوال (۲۵) اگر مان بھی لیں کہ غیر خدا کی قسم اسی لیے حرام ہُوئی تو اُس کو مسئلۂ دائرہ سے کیا علاقہ۔ کیا کسی سے دُعا کے لیے کہنے میں بھی اُسی طرح کے نفع وضرر کا اعتقاد ظاہر ہوتا ہے جو معناً شرک ہے۔

(۱) خود مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دُعا چاہی

---

[1] تفسیر عزیزی سُورۃ البقرۃ بیان رفتن موسٰی علیہ السلام برائے آوردن کتاب الخ افغانی دارالکتب لال کنواں دہلی ص ۲۳۸

جب وہ مکہ معظمہ جاتے تھے۔ ارشاد فرمایا:

لاتنسنا یااخی من دعائك[1]۔ رواہ ابوداؤد عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اے بھائی! اپنی دعا میں ہمیں نہ بھول جانا (اسے ابوداؤد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

احمد و ابن ماجہ کی روایت میں ہے، فرمایا:

اشرکنا یااخی فی صالح دعائك ولاتنسنا[2]۔

بھائی! اپنی نیک دعا میں ہمیں بھی شریک کرلینا اور بھول نہ جانا۔

(۲) حضور اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو قبر پر ٹھہر کر صحابہ کرام سے ارشاد فرماتے:

استغفروا لاخیکم واسئلوا لہ التثبیت۔ فانہ الاٰن یسأل[3]۔ رواہ ابوداؤد والحاکم والبیہقی بسند حسن عن عثمان الغنی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے ثابت رہنے کی دعا مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا (اسے ابوداؤد، حاکم اور بیہقی نے بسند حسن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

(۳) امام احمد عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا لقیت الحاج فسلم علیہ وصافحہ ومرہ ان یستغفر لك قبل ان یدخل بیتہ فانہ مغفور لہ[4]۔

جب تُو حاجی سے ملے سلام و مصافحہ کر اور قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر میں جائے اپنی مغفرت کی دعا اس سے منگوا کہ وہ بخشا ہوا ہے۔

(۴) حضور نے اویس قرنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ذکر کرکے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو حکم دیا:

فمن لقیہ منکم فلیستغفر لکم[5]

تم میں جو اسے پائے اپنے لیے اس سے دعائے بخشش

---

[1] سنن ابی داؤد	باب الدعا	آفتاب عالم پریس لاہور	۱/ ۲۱۰
[2] سنن ابن ماجہ	باب فضل دعاء الحاج	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	ص ۲۱۳
[3] سنن ابی داؤد	باب الاستغفار	آفتاب عالم پریس لاہور	۲/ ۱۰۳
[4] مسند احمد بن حنبل	مروی از عبداللہ ابن عمر	دارالفکر بیروت	۲/ ۶۹
[5] صحیح مسلم	فضائل اویس قرنی	قدیمی کتب خانہ کراچی	۲/ ۳۱۱

اخرجہ مسلم والبیھقی عن عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(اسے مسلم اور بیہقی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

ایک روایت میں ہے حضرت فاروق کو بالتخصیص بھی حکم ہوا اُن سے دُعا کرانا کہ وُہ اللہ کے حضور عزت والے ہیں

اخرجہ الخطیب وابن عساکر[1] (اسے خطیب اور ابن عساکر نے روایت کیا۔ ت)

(۵) حسب الحکم امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُن سے دُعا چاہی[2]۔

اخرجہ ابن سعد والحاکم وابو عوانہ والرویانی والبیھقی فی الدلائل وابونعیم فی الحلیۃ کلھم من طریق اسیر بن جابر عن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(اسے بطریق اسیر بن جابر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ابن سعد، حاکم، ابوعوانہ، رویانی، دلائل میں بیہقی، اور حلیہ میں ابو نعیم نے روایت کیا۔ (ت)

(۶) ایک روایت میں ہے امیر المومنین فاروق و امیر المومنین مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں کو حضرت اویس سے طلبِ دُعا کا حکم تھا، دونوں صاحبوں نے اپنے لیے دُعا کرائی۔ اخرجہ ابن عساکر[3] (اسے ابن عساکر نے روایت کیا۔ ت)

(۷) امام ابوبکر بن ابی شیبہ استاذِ امام بخاری و مسلم اپنے مصنّف اور امام بیہقی دلائل النبوۃ کی مجلد یازدہم میں بسندِ صحیح[عہ۱] بطریق ابومعٰویہ عن الاعمش عن ابی صالح عن مالک الدار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قال اصاب الناس قحط فی زمن عمر بن الخطاب فجاء رجل[عہ۲] الی قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یارسول اللہ استسق اللہ

یعنی عہدِ معدلت مہد فاروقی میں ایک بار قحط پڑا، ایک صاحب یعنی حضرت بلال بن حارث مزنی صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مزارِ اقدس حضور طجاء بیکساں صلی اللہ

عہ۱: نص علی صحتہ الامام القسطلانی فی المواھب ۱۲ منہ (م)

امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس کے صحیح ہونے کی تصریح فرمائی۔ (ت)

عہ۲: ھو بلال بن الحارث المزنی الصحابی کما عند سیف فی کتاب الفتوح ۱۲ زرقانی شرح مواھب (م)

وُہ بلال بن حارث مزنی صحابی ہیں، جیسا کہ سیف کی کتاب الفتوح میں ہے ۱۲ زرقانی شرح مواہب (ت)

---

[1] مختصر تاریخ ابن عساکر فی ترجمہ اویس قرنی ۵/ ۸۲، کنزالعمال بحوالہ الخطیب حدیث ۳۴۰۶۳ ۱۲/ ۵
[2] المستدرک للحاکم ذکر لقاء اویس قرنی دارالفکر بیروت ۳/ ۴۰۳
[3] مختصر تاریخ ابن عساکر فی ترجمہ اویس قرنی " " " ۵/ ۸۳ و ۸۴

لامتك فانهم قد هلكوا فأتاه رسول الله صلى الله تعالٰی علیه وسلم فی المنام فقیل له ائت عمر فاقرأه السلام واخبره انكم مستقیون[1]۔ الحدیث۔

تعالٰی علیہ وسلم پر حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے اللہ تعالٰی سے پانی مانگئے کہ وہ ہلاک ہُوئے جاتے ہیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُن صحابی کے خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاکر اُسے سلام پہنچا اور لوگوں کو خبر دے کہ پانی آیا چاہتا ہے۔ الحدیث (ت)

شاہ ولی اللہ قرۃ العینین میں یہ حدیث نقل کرکے کہتے ہیں: رواہ ابوعمر فی الاستیعاب[2] (اسے ابوعمر بن عبدالبر نے استیعاب میں روایت کیا۔ ت)

تنبیہ نبیہ: یہ چند حدیثیں ہیں احیائے حقیقی سے طلبِ دُعا میں۔ اور اموات سے طلب کی قدرے بحث کہ اصل مسئلہ مسئولہ سائل ہے، اِن شاء اللہ تعالٰی مقصد سوم میں مذکور ہوگی۔ یہاں ایک نکتہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو بات شرک ہے اس کے حکم میں احیاء، واموات وانس وجن وملائک وغیرہم تمام مخلوقِ الٰہی یکساں ہیں کہ غیرِ خدا کوئی ہو خدا کا شریک نہیں ہوسکتا تو امرِ شرک میں حیات وموت سے تفرقہ، جیسا کہ اس طائفہ جدیدہ کا شیوہ قدیمہ ہے۔ دائرہ عقل وشرع دونوں سے خروج، کیا زندے خدا کے شریک ہوسکتے ہیں، صرف شراکتِ اموات ہی ممنوع ہے۔ مولوی صاحب اپنی مقیس علیہ یعنی قسم غیر کو ملاحظہ کریں کہ حلال نہیں تو مُردے زندے کسی کے لیے حلال نہیں۔ یُونہی اگر طلبِ دُعا میں شرک ہو تو ہرگز یہ حکم فقط اموات سے خاص نہ ہوگا بلکہ یقیناً احیاء سے دُعا کرانی بھی حرام ٹھہرے گی کہ خدا کا شریک نہ ہوسکنے میں زندے مُردے سب ایک سے۔ ولہذا شیخ الشیوخ علمائے ہند مولٰنا وبرکتنا سیدی شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز نے شرح مشکوٰۃ شریف میں فرمایا:

اگر ایں معنی کہ در امداد واستمداد ذکر کردیم موجب شرک وتوجہ بما سوائے حق باشد چنانکہ منکر زعم می کند پس باید کہ منع کردہ شود۔ توسل وطلبِ دُعا از صالحان ودوستانِ خدا درحالتِ حیات نیز وایں ممنوع نیست بلکہ مستحب ومستحسن است باتفاق وشائع است

یہ معنی جو ہم نے امداد اور مددطلبی میں بیان کیا اگر شرک کا موجب اور غیر اللہ کی طرف توجہ قرار پائے، جیسا کہ منکر خیال رکھتا ہے تو چاہئے کہ صالحین اور اولیاء اللہ سے زندگی میں بھی توسل اور دُعا طلبی سے منع کیا جائے حالانکہ یہ ممنوع نہیں بلکہ بالاتفاق مستحب و

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ فضائل عمر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۲/ ۳۲

[2] قرۃ العینین نوع چہلم المکتبۃ السلفیۃ، لاہور ص ۱۹

دردین[1] مستحسن اور دین میں عام ہے۔ (ت)

عزیزا! یہ نکتہ بہت کارآمد ہے، اور اکثر اوہام وشبہات کا رد۔ فاحفظ تحفظ وتحظ من الرشد باوفی حظ (اسے یاد رکھو گے تو محفوظ رہو گے اور ہدایت سے بھرپور حصہ پاؤ گے۔ ت)

نوعِ دوم: مخالفاتِ مولوی صاحب وہم مذہبانِ مولوی صاحب میں۔ یہاں اس امر کا ثبوت ہوگا کہ مولوی صاحب کی تحریر مذہبِ منکرین سے بھی موافق نہیں۔ بوجوہ عدیدہ واصول وفروع طائفہ جدیدہ سے صریح مخالفت اور مذہب مہذب اہلِ حق سے بعض باتوں میں گونہ موافقت فرماتی ہے۔ پھر بھی نہیں کہ صرف ہم مذہبوں ہی سے خلاف ہوا اور خود مولوی صاحب اُن مخالفات کا بخوشی التزام فرمالیں۔ نہیں، نہیں، بلکہ بہت وُہ بھی ہیں جو نادانستہ سرزد ہوگئیں کہ ظاہر ہوئے پر خود بھی آپ کو گوارا نہ ہوں۔ اور اگر تسلیم فرمالیں تو اس سے کیا بہتر۔ دیکھئے تو، یہیں کتنے مسائلِ نزاعیہ طے ہوئے جاتے ہیں۔

مخالفت (۱) مولوی صاحب فرماتے ہیں، زیارتِ قبورِ مومنین خاصۃً بزرگانِ دین مندوب ومسنون ہے۔ یہ خصوصیت ہمارے طور پر بیشک حق، مگر صاحبِ مائۃ مسائل کے بالکل خلاف۔ انھوں نے جو قسمِ زیارت شرعاً بلاکراہت جائز مانی اُس میں مزاراتِ عالیہ حضرات اولیا اور ہر شرابی زناکار کی قبر یکساں جانی۔ حیث قال (ان کے الفاظ یہ ہیں):

دریں قسم زیارت کردن قبرِ ولی وغیرولی وشہید وغیرشہید وصالح وفاسق وغنی وفقیر برابرست[2]۔ اس قسم میں ولی، غیرولی، شہید، غیرشہید، صالح، فاسق، غنی اور فقیر سب کی قبر کی زیارت یکساں ہے (ت)

پھر اُس برابری پر بھی صبر نہ آیا۔ آگے اُلٹی ترقی معکوس کرکے فرمایا:

بلکہ از زیارتِ قبورِ اغنیاء وملوک زیادہ تر عبرت حاصل می گردد[3]۔ بلکہ مالداروں اور بادشاہوں کی قبروں کی زیارت سے زیادہ عبرت حاصل ہوتی ہے۔ (ت)

مطلب یہ کہ جس[عہ] فائدہ کے لیے شرع نے زیارتِ قبور جائز کی ہے وہ مزاراتِ اولیاء میں ہرگز ایسا نہیں

عہ اقول وباللہ التوفیق ان مردِ عاقل محرر مائۃ مسائل سے پُوچھا چاہیے کہ اگر (باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] اشعۃ اللمعات باب حکم الاسراء فصل اوّل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۱
[2] مائۃ مسائل سوال سیزدہم مکتبہ توحید وسنۃ پشاور ص ۲۲۔۲۳
[3] ایضاً

جیسا روپے والوں کی قبروں میں ہے۔ تو آدمی کو چاہئے وہیں جائے جہاں دُو آنے زیادہ پائے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مخالفت (۲) مولوی صاحب وقتِ زیارتِ قبور درود و فاتحہ پڑھ کر اموات کو ثواب بخشنا مندوب و مسنون فرماتے ہیں۔ بہت اچھا۔ قرآن و حدیث سے درود و فاتحہ کی خصوصیت ثابت کر دکھائیں، یا قرونِ ثلاثہ میں اس تخصیص کا رواج بتائیں، ورنہ ندب و استنان درکنار اصولِ طائفہ پر کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار میں داخل ٹھہرائیں۔

مخالفت (۳) سوال سائل میں درود و فاتحہ دونوں کا معاً پڑھنا مذکور تھا اور اُسی پر حضرت کا جواب وارد۔ بالفرض اگر فرداً فرداً ان کا پڑھنا ثابت بھی فرمالیں تو اصول طائفہ پر ہیئات اجتماعیہ محل کلام رہیں گی۔ اس بنا پر آپ کو حکمِ بدعت دینا تھا، یا تسلیم فرمائیے کہ بعد حسن آحاد حسن مجموع میں کلام نہیں جب تک خصوص اجتماع میں کوئی مفسدہ نہ ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تمہارا بیان حق ہے تو واجب تھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگر قبورِ اُحد و بقیع پر سَو بار رونق افروز ہُوئے تو بادشاہوں جبّاروں کے مقابر پر دو سَو بار تشریف لے گئے ہوتے تاکہ اُمت کو اختیار انفع و افضل کی طرف ارشاد فرماتے یا نہ سہی برابر ہی سہی، کم ہی سہی، کبھی ہی سہی، ایک ہی بار ثابت کردو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی بادشاہ کی خاک پر تشریف فرما ہُوئے ہوں یا قبرِ غنی کی بوجہ غنا تخصیص فرمائی ہو۔ پھر سخت عجب ہے کہ جس خاص امر کے لیے حضور نے زیارتِ قبور جائز فرمائی اس کا حصول جہاں بیشتر اور منفعت شرعیہ اتم واوفر اُسی کو دائماً ترک فرمائیں، نہ وُہ صحابۂ کرام میں ہرگز رواج پائے پھر ہر قرن و طبقہ کے اہلِ اسلام ہمیشہ زیارتِ مزاراتِ صلحاء کا اہتمام و اعتنا رکھیں، نہ یہ کہ فلاں بادشاہ یا سیٹھ کی گور پر چلو وہاں نفع زائد ملے گا۔ حق یہ ہے کہ مزاراتِ عالیہ حضرات اولیاء کرام قدست اسرارہم پر امرِ عبرت میں بھی ترجیح ممنوع اور مشروعیتِ زیارت کی غرض اس میں منحصر ہونا قطعاً باطل و مدفوع، خود انھیں حضرت کی مظاہر الحق ترجمہ مشکوٰۃ کی بعض عبارات مقصد سوم میں ملیں گی، جو ظاہر کر دیں گی کہ صاحبِ مائۃ مسائل نسی ما قدمت یداہ (پہلے جو کچھ چکے اُسے بھول گئے۔ ت) واللہ سبحٰنہٗ وتعالٰی اعلم ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی (م)

۱؎ الدرالمنثور بحوالہ مسلم وغیرہ تحت آیت من یھدی اللہ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی ایران ۳/ ۱۴۷

مخالفت (۴) متکلمین طائفہ کی تقریریں گواہ کہ جو فعل فی نفسہٖ حسن ہو مگر عوام میں اُن کے زعم پر خلط مفاسد کے ساتھ جاری۔ وہ اصل کو ممنوع ٹھہراتے ہیں، نہ کہ مفاسد سے منع۔ اور اصل کی تجویز کریں جب آپ کے نزدیک زیارت مزاراتِ متبرکہ بطورِ شرک رائج کہ استمداد مذکور شائع و شہور۔ تو اصولِ طائفہ پر اصل زیارت کو حرام کہنا تھا، نہ مندوب و مسنون۔

مخالفت (۵) مولوی اسحاق مائۃ مسائل میں لکھتے ہیں:

اذان دادن بعد از دفن بدعت و مکروہ است زیرا کہ معہود از سنّت نیست وانچہ معہود از سنّت نیست بموجب روایات کتبِ فقہ مکروہ می باشد۔ و عبارۃ الکتب ھذا یکرہ عند القبر ما لم یعھد من السنۃ والمعھود منھا لیس الا زیارتہ والدعاء عندہ قائما کما فی فتح القدیر والبحرالرائق والنھرالفائق والفتاوی العالمگیری[1]

دفن کے بعد اذان دینا بدعت اور مکروہ ہے اس لیے کہ سنّت سے معہود نہیں، اور جو کچھ سنّت سے معہود نہ ہو کتبِ فقہ کی روایات کے مطابق مکروہ ہوتا ہے۔ اور کتابوں کی عبارت یہ ہے قبر کے پاس جو سُنّت سے معہود نہیں مکروہ ہے، اور سنّت سے معہود صرف یہ ہے کہ زیارت اور وہاں کھڑے ہوکر دُعا ہو جیسا کہ فتح القدیر، البحرالرائق، النھرالفائق اور فتاوٰی عالمگیری میں ہے (ت)

اگرچہ ان عبارات کا مطلب جو صاحبِ مائۃ مسائل نے ٹھہرایا انھیں کتابوں کی بہت عبارتوں سے مردود۔ مگر عجب ہے کہ جناب نے اس کلیہ پر عمل فرماکر وقتِ زیارت درود و فاتحہ پڑھ کر ثواب بخشنے کو کیوں نہ مکروہ فرمایا۔

مخالفت (۶) جناب نے امتناعِ رویت و سماع کو ان حجب عدیدہ کی حیلولت پر مبنی فرمایا یہ اقتضٰی یا علی ندا منادی کہ اموات کو فی انفسہم قوتِ سمع و ابصار حاصل ہے مگر ان حائلوں کے سبب باہر کی صوت و صورت کا ادراک نہیں ہوتا ورنہ اگر خود اُن میں راسًا یہ قوتیں نہ ہوتیں تو بنائے کار حیلولت پر رکھنی محض بے معنی۔ دیوار بیت کی نسبت کوئی نہ کہے گا کہ باہر کی چیزیں اس وجہ سے نہیں دیکھتے کہ بیچ میں آڑ ہے۔ اب متکلمین طائفہ سے استفسار ہو جائے کہ وہ اس تخصیص کے مقر ہوں گے یا راسًا منکر۔ معلم ثانی منکرینِ ہند یعنی مولوی اسحاق دہلوی سے سوال ہوا: سماعتِ موتٰی سوائے سلام جائز است (سوائے سلام کے مردے کا سننا جائز ہے؟۔ت) جواب دیا ثابت نیست[2] (ثابت نہیں۔ت) کیا آدمی اُسی وقت میّت ہوتا ہے جب قبر میں رکھ کر مٹی دے دیں۔

---

[1] مائۃ مسائل سوال بست و ہشتم مکتبہ توحید و سنّت پشاور ص ۶۰

[2] ؍؍ ؍؍ بست و ششم ؍؍ ؍؍ ص ۵۱-۵۰

مخالفت (۷) جب آپ کے نزدیک مانع ادراک حیلولت خاک۔ تو جب تک مٹی نہ دی ہو یا جہاں دفن ہے اس طرح کرتے ہوں کہ باہر کی آواز اندر جانے سے روک نہ ہو، جیسے علامہ ابن الحاج مدخل میں اہل مصر کا رواج بتاتے ہیں کہ اموات کی قبریں نہیں بناتے بلکہ تہ خانوں میں رکھ آتے ہیں اور اُن کے لیے دروازے ہوتے ہیں کہ جب چاہو اندر جاؤ باہر آؤ۔ وہاں کے لیے حکم الٰہی ارشاد ہو۔ اگر ایسی جگہ کوئی یُوں پکارے اور اموات سے دُعا کرنے کو کہے تو قطعاً مشرک یا شایبہ وشبہہ شرک میں گرفتار ہوگا یا نہیں۔ متکلمین طائفہ تو ہرگز نہ مانیں گے آپ اپنے کلام کا لحاظ فرمائیں۔

مخالفت (۸) الحمدللہ کہ جناب کا طرز کلام اول سے آخر تک شاہد عدل کہ آیت کریمہ انك لا تسمع الموتٰی[1] کو نفی سماع سے کچھ علاقہ نہیں، نہ ہرگز اُس سے یہ مفہوم۔ ورنہ کلام جناب کلام اللہ کے صریح خلاف ہوگا۔

اولاً آیہ کریمہ یقیناً عام، پس اگر اُس سے نفی سماع مستفاد ہو تو قطعاً سلب کُلی پر دلالت کرے گی۔ پھر آپ ارشادِ ربانی کے خلاف بعض اموات کے لیے ایجاب کیونکر کہہ سکتے ہیں۔

ثانیاً اس تقدیر پر مفادِ آیت یہ ہوگا کہ نفسِ موت منافی سماع ہے، نہ یہ کہ موتٰی کو اصل قوت حاصل۔ اور عدم ادراک بوجہ حائل۔ پھر آپ کیونکر برخلاف قرآن حیلولتِ حجب پر بنائے کار رکھتے ہیں۔

لاجرم واضح ہُوا کہ آیہ کریمہ کے صحیح معنی ذہن سامی میں ہیں اور آپ خوب سمجھ چکے ہیں کہ اُس میں نفی سماع کا اصلاً ذکر نہیں کما ھو الحق الناصع (جیسا کہ یہی حق خالص ہے۔ ت) اور عجب نہیں کہ اسی لیے آپ نے آیہ کریمہ کا ذکر نہ فرمایا، ورنہ اس کے ہوتے بیگانہ باتوں کی کیا حاجت ہوتی۔ لہٰذا فقیر نے بھی اس بحث کو بشرطیکہ مولوی صاحب جواب میں اس کی طرف رجعت فرمائیں بجواب الجواب پر مَوقوف رکھا۔ واللہ الموفق۔

مگر ازانجا کہ مقام خالی نہ رہے بتوفیقہ تعالٰی بعض جوابوں کی طرف اشارہ کروں **فاقول** و باللہ استعین (تو میں کہتا ہوں اور خدا ہی سے مدد کا طالب ہوں۔ ت)

جواب اول آیت کا صریح منطوق نفی اسماع ہے، نہ نفی سماع۔ پھر اُسے محلِ نزاع سے کیا علاقہ۔ نظیر اُس کی آیہ کریمہ انك لا تھدی من احببت[2] ہے۔ اسی لیے جس طرح وہاں فرمایا ولکن اللہ یھدی من یشاء[3] یعنی لوگوں کا ہدایت پانا نبی کی طرف سے نہیں خدا کی طرف سے ہے۔ یونہی یہاں بھی ارشاد ہُوا:

---

[1] القرآن ۲۷/ ۸۰
[2] القرآن ۲۸/ ۵۶
[3] القرآن ۲۸/ ۵۶

ان اللہ یسمع من یشاء[1] (بیشک اللہ جسے چاہتا ہے سناتا ہے۔ ت) وہی حاصل ہُوا کہ اہلِ قبور کا سُننا تمھاری طرف سے نہیں اللہ عزوجل کی طرف سے ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

فالاٰیۃ من قبیل انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء[2] — یہ آیت اس آیت کی قبیل سے ہے: بیشک تم ہدایت نہیں دیتے مگر خدا ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے (ت)

جواب دوم نفیِ سماع ہی مانو تو یہاں سے سماع قطعاً بمعنی سمعِ قبول و انتفاع ہے۔ باپ اپنے عاق بیٹے کو ہزار بار کہتا ہے: وہ میری نہیں سُنتا۔ کسی عاقل کے نزدیک اس کے یہ معنی نہیں کہ حقیقۃً کان تک آواز نہیں جاتی، بلکہ صاف یہی کہ سُنتا تو ہے، مانتا نہیں۔ اور سُننے سے اُسے نفع نہیں ہوتا۔ آیۂ کریمہ میں اسی معنے کے ارادہ پر ہدایت شاہد کہ کفار سے انتفاع ہی کا انتفا ہے نہ کہ اصل سماع کا۔ خود اسی آیۂ کریمہ انک لا تسمع الموتی کے تتمہ میں ارشاد فرماتا ہے عزوجل:

ان تسمع الا من یؤمن باٰیٰتنا فھم مسلمون[3] — تم نہیں سُناتے مگر اُنھیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں تو وہ فرمانبردار ہیں۔

اور پُرظاہر کہ پند و نصیحت سے نفع حاصل کا وقت یہی زندگیِ دُنیا ہے۔ مرنے کے بعد نہ کچھ ماننے سے فائدہ نہ سننے سے حاصل۔ قیامت کے دن سبھی کافر ایمان لے آئیں گے، پھر اس سے کیا کام الاٰن وقد عصیت قبل[4] (کیا اب جبکہ اس سے پہلے نافرمان رہے۔ ت) تو حاصل یہ ہُوا کہ جس طرح اموات کو وعظ سے انتفاع نہیں، یہی حال کافروں کا ہے کہ لاکھ سمجھائیے نہیں مانتے۔ علامہ حلبی نے سیرت انسان العیون میں فرمایا:

السماع المنفی فی الاٰیۃ بمعنی السماع النافع وقد اشار الی ذٰلک الحافظ الجلال السیوطی بقولہ ؎ — آیت میں جس سُننے کی نفی کی گئی ہے وہ سماعِ نافع کے معنی میں ہے، اور اس کی طرف حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنے اس کلام سے اشارہ فرمایا ہے: ؎

سماع موتی کلام الخلق قاطبۃ
جاءت بہ عندنا الاٰثار فی الکتب

مُردوں کا کلامِ مخلوق سُننا حق ہے، اس سے متعلق ہمارے پاس کتابوں میں آثار وارد ہیں۔

---

[1] القرآن ۳۵/ ۲۲

[2] مرقاۃ المصابیح باب حکم الاسراء مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۷/ ۵۱۹

[3] القرآن ۲۷/ ۸۱

[4] القرآن ۱۰/ ۹۱

وأية النفي معناها سماع ھدی لا یقبلون ولا یصغون للادب[1]

اور آیتِ نفی کا معنی سماعِ ہدایت ہے یعنی وہ قبول نہیں کرتے اور ادب کی بات پر کان نہیں دھرتے۔ (ت)

امام ابوالبرکات نسفی نے تفسیر مدارک التنزیل میں زیرِ آیۂ سورۂ فاطر فرمایا:

شبہ الکفار بالموتی حیث لاینتفعون بمسموعھم[2]

کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی اس لحاظ سے کہ وہ جو سُنتے ہیں اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ (ت)

مولانا علی قاری نے شرح مشکوۃ میں فرمایا:

النفی منصب علی نفی النفع لاعلی مطلق السمع[3]

مطلق سننے کی نفی نہیں بلکہ معنی یہ ہے کہ ان کا سُننا نفع بخش نہیں ہوتا۔ (ت)

جواب سوم مانا کہ اصل سماع ہی منفی مگر کس سے، مَوتٰی سے، مَوتٰی کون ہیں؟ ابدان، کہ رُوح تو کبھی مرتی ہی نہیں۔ اہلِ سنّت وجماعت کا یہی مذہب ہے، جس کی تصریحات بعونہٖ تعالٰی تمہید وفصل اول ودوم، نوعِ اول مقصد سوم میں آئیں گی۔ ہاں کس سے نفی فرمائی؟ من فی القبور سے۔ یعنی جو قبر میں ہے۔ قبر میں کون ہے؟ جسم، کہ رُوحیں تو علّیین یا جنّت یا آسمان یا چاہِ زمزم وغیرہا مقاماتِ عزّ واکرام میں ہیں، جس طرح ارواحِ کفار سجّین یا نار یا چاہِ وادیِ برہُوت وغیرہا مقاماتِ ذلت وآلام میں۔ امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں:

لاندعی ان الموصوف بالموت موصوف بالسماع انما السماع بعد الموت لحی وھو الروح[4]

ہم یہ دعوٰی نہیں کرتے کہ جو موت سے متصف ہے وہی سننے سے بھی متصف ہے، مرنے کے بعد سننا ایک ذی حیات کا کام ہے جو رُوح ہے۔ (ت)

شاہ عبدالقادر صاحب برادرِ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب موضح القرآن میں زیرِ کریمہ وما انت بمسمع من فی القبور فرماتے ہیں، حدیث میں آیا ہے کہ "مُردوں سے سلام علیک کرو وُہ سنتے ہیں، بہت جگہ مُردوں کو خطاب کیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مُردے کی رُوح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وُہ نہیں سُن سکتا ہے[5]۔"

---

[1] السیرۃ الحلبیۃ باب غزوۃ بدر الکبرٰی المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۲/۱۸۲

[2] تفسیر مدارک التنزیل تحت سورہ ۳۵ آیت ۲۲ دار الکتاب العربیۃ بیروت ۳/۳۲۹

[3] مرقاۃ المصابیح باب حکم الاسراء مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۷/۵۱۹

[4] شفاء السقام الباب التاسع الفصل الخامس نوریہ رضویہ سکھر ص ۲۰۹

[5] موضح القرآن تحت سورہ ۳۵ آیت ۲۲ ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور ص ۶۹۷

یہ تینوں جواب بتوفیق الوہاب قبل مطالعہ کلامِ علماء ذہنِ فقیر میں آئے تھے، پھر اُن کی تصریحیں کلماتِ علماء میں دیکھیں کما سمعت وللہ الحمد (جیسا کہ آپ نے سُنا اور اللہ ہی کے لیے حمد ہے۔ ت) اور ابھی ائمہ علماء کے جواب اور بھی ہیں۔

وفیما ذکرنا کفایۃ لمن القی السمع وھو شھید ان اللہ یسمع من یشاء ویھدی الی صراط الحمید۔

اور جو ہم نے بیان کیا وُہ کافی ہے اس کے لیے جو کان لگائے اور متوجہ ہو۔ بیشک اللہ جسے چاہتا ہے سناتا ہے اور ذاتِ حمید کے راستے کی ہدایت دیتا ہے (ت)

مخالفت (۹) سائل نے مطلق کہا تھا ایک بزرگ کے مزار شریف پر واسطے زیارت کے گیا جو اپنے اسال و اطلاق سے شہر میں جانے اور سفر کر کے جانے دونوں کو شامل، کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) اور آپ نے بھی یُونہی بر سبیلِ اطلاق زیارتِ قبور کی تحسین فرمائی اور سند میں حدیث بھی وُہ ذکر کی جس میں امر بزیارت مطلق وارد۔ یہ اطلاقات مذہب جمہور اہل حق سے تو بیشک موافق۔ مگر مشرب طائفہ میں آپ پر لازم تھا کہ بلا سفر کے قید لگا دیتے، ورنہ سائل و دیگر ناظرین اگر اطلاق دیکھ کر زیارتِ مزارات کو جانا مطلق جائز سمجھے تو مانعین کے نزدیک اُن کا یہ وبال اطلاقِ فتوٰی کے ذمہ رہے گا۔ فقیر اگر تدقیق نظر سے کام لے تو ابھی بہت کچھ ہے مگر نگاہِ انصاف مبذول ہو تو چودہ سطروں پر پینتیس کیا کم ہیں واللہ الہادی۔

المقصد الثانی فی الاحادیث
(مقصد دوم احادیث میں)

اگرچہ حیات و ادراک و سماع و ابصار ارواح میں احادیث و آثار اس درجہ کثرت و وفور سے وارد جن کے استیعاب کو ایک مجلد عظیم و دفترِ ضخیم درکار اور خود اُن کے احاطہ و استقصا کی طرف راہ کہاں، مگر یہاں بقدر حاجت صرف ساٹھ حدیثوں پر اقتصار اور مثل مقصد اول اُس میں بھی دو نوع پر انقسامِ گفتار۔

نوعِ اوّل: بعد موت بقائے رُوح و صفات و افعالِ رُوح میں۔ یہاں وُہ حدیثیں مذکور ہوں جن سے ثابت کہ رُوح فنا نہیں ہوتی اور اس کے افعال و ادراکات جیسے دیکھنا، بولنا، سُننا، سمجھنا، آنا جانا، چلنا پھرنا سب بدستور رہتے ہیں۔ بلکہ اُس کی قوتیں بعد مرگ اور صاف و تیز ہو جاتی ہیں۔ حالتِ حیات میں جو کام ان آلاتِ خاکی یعنی آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان سے لیتے تھے اب بغیر ان کے کرتی ہے۔ اگرچہ جسم مثالی کی یاد آوری سہی۔ ہرچند اس مطلب نفیس کے ثبوت میں وُہ بے شمار احادیث و آثار سب حجۃ کافیہ دلائل شافیہ جن میں:

(۱) بعد انتقال عقل و ہوش بدستور رہنا۔ (۲) روح کا پس از مرگ آسمانوں پر جانا۔

(۳) اپنے رب کے حضور سجدے میں گرنا۔
(۴) فرشتوں کو دیکھنا۔
(۵) اُن کی باتیں سُننا۔
(۶) اُن سے باتیں کرنا۔
(۷) اپنے منازلِ جنّت کا پیشِ نظر رہنا۔
(۸) نیک ہمسایوں سے نفع پانا۔
(۹) بدہمسایوں سے ایذا اٹھانا۔
(۱۰) ملائکہ کا اُن کے پاس تحفے لانا۔
(۱۱) اُن کی مزاج پُرسی کو آنا۔
(۱۲) اُن کا منتظرِ صدقات رہنا۔
(۱۳) قبر کا اُن سے بزبانِ فصیح باتیں کرنا
(۱۴) اُن کے منتہائے نظر تک وسیع ہونا۔
(۱۵) زندوں کے اعمال اُنھیں سنائے جانا۔
(۱۶) نیکیوں پر خوش ہونا، بُرائیوں پر غم کرنا۔
(۱۷) پسماندوں کے لیے دُعائیں مانگنا۔
(۱۸) اُن کے ملنے کا مشتاق رہنا۔
(۱۹) رُوحوں کا باہم ملنا جلنا۔
(۲۰) ہرگونہ کلام کے دفتر کھلنا۔
(۲۱) منزلوں کی فصل سے آپس کی ملاقات کو جانا۔
(۲۲) اگلے اموات کا مُردۂ نَو کے استقبال کو آنا۔
(۲۳) اس کا گزرے قریبوں کو دیکھ کر پہچاننا، ان سے مل کر شاد ہونا۔
(۲۴) اُن کا اس سے باقی عزیزوں دوستوں کے حال پُوچھنا۔
(۲۵) آپس میں خوبیِ کفن سے مفاخرت کرنا۔
(۲۶) بُرے کفن والے کا ہم چشموں میں شرمانا۔
۲۷ اپنے اعمالِ حسنہ یا سیئہ کو دیکھنا۔
(۲۸) اُن کی صحبت سے اُنس وفرحت یا معاذ اللہ خوف ووحشت پانا۔

(۲۹) عالمِ دین کا علم شریعت۔
(۳۰) اہلسنت کا مذہب سنّت۔
(۳۱) مسلمان کے دل خوش کرنے والے کا اس سرور و فرحت سے صحبتِ دلکشا رکھنا۔
(۳۲) تالیِ قرآن کا قرآن عظیم کی پاکیزہ طلعت سے صحبتِ دلکشا رکھنا۔
(۳۳) دشمنانِ عثمان کا اپنی قبروں میں عیاذاً باللہ دجّال پر ایمان لانا۔
(۳۴) نیک بندوں کا خدمتِ اقدس سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعباد اللہ الصالحین میں حاضر ہونا۔
(۳۵) اپنی قبور میں نمازیں پڑھنا۔
(۳۶) حج کرنا لبیک کہنا۔
(۳۷) تلاوتِ قرآن میں مشغول رہنا۔
(۳۸) بلکہ ملائکہ کا اُنھیں تمام وکمال قرآنِ عظیم حفظ کرانا۔
(۳۹) اپنے رب جل جلالہٗ سے باتیں کرنا۔
(۴۰) رب تبارک وتعالٰی کا اُن سے کلام جانفزا فرمانا۔
(۴۱) بیل اور مچھلی کا لڑتے ہُوئے اُن کے سامنے آنا تماشا دیکھ کر جی بہلانا۔
(۴۲) جنّت کی نہروں میں غوطے لگانا۔

45

(۴۳) جو تلاوت قرآن میں مشغول مرے قرآنِ عظیم کا ہر وقت اُن کی دلجوئی فرمانا۔ ہر صبح و شام ان کے اہل وعیال کی خبریں انھیں پہنچانا۔

(۴۴) دُودھ پیتے شہزادے کا انتقال ہُوا، جنت کی دایہ کا مقرر ہونا، مدتِ رضاعت تمام فرمانا۔

(۴۵) نیکوں کا شوقِ قیامت میں جلدی کرنا۔

(۴۶) بدوں کا نامِ قیامت سے گھبرانا۔

(۴۷) مقتولانِ راہِ خدا کے دل میں دوبارہ قتل کی آرزو ہونا۔

(۴۸) مسلمانوں کا سبز یا سپید پرندوں کے روپ میں جہاں چاہنا اُڑتے پھرنا۔

(۴۹) جنّت کے پھل پانی کھانا پینا۔

(۵۰) سونے کی قندیلوں میں عرش کے نیچے بسیرا لینا۔ اللھم ارزقنا۔

اور ان کے سوا بہت سے امور وارد ہُوئے، جو ان کے علم و ادراک و سمع و بصر و کلام و سیر وغیرہا صفات و احوالِ حیات پر برہانِ ساطع، بلکہ تمام آیات و احادیث عذابِ قبر و نعیمِ قبر اس مدعا پر حجتِ قاطع، جسے ان تمام باتوں پر اطلاع تفصیلی منظور ہو تصانیفِ ائمہ دین خصوصاً کتاب مستطاب شرح الصدور بکشف حال الموتٰی والقبور تصنیفِ لطیف امام اجل خاتمۃ الحفاظ المحققین امام علامہ جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہ المکین کی طرف رجوع کرے۔ مگر میں اس نوع میں صرف چند حدیثیں ذکر کروں گا جن میں ارواح کا بعد انتقال اہلِ دنیا کو دیکھنا، اُن سے باتیں کرنا، اُن کی باتیں سُننا اور اسی قسم کے امورِ متعلقہ بدنیا مذکور ہیں، اور ان میں بھی وقائع جزئیہ نہ لکھوں گا کہ کوئی کہے واقعۃ حال لاعموم لھا (ایک واقعہ حال ہے جو عام نہیں ہوتا۔ ت) اگرچہ دقیق النظر کو اُن سے دلیل کی ترتیب اور اتمامِ تقریب دشوار نہ ہو۔ معہذا پھر اُن میں وُہ کثرت جن کا ایراد موجبِ اطالت، لہذا صرف انھیں بعض امورِ کلیہ کی روایت پر اقتصار چاہتا ہوں، جو ایک عام طور پر حالِ ارواح میں وارد ہُوئے۔

میرے لیے ان احادیثِ نوعِ اول میں دو غرضیں ہیں:

اوّلاً جب بعد فراق بدن اُن کا علم و ادراک و سمع و بصر ثابت ہُوا تو یہ بعینہٖ مسئلہ مقصودہ کا ثبوت ہے کہ اُسی وقت سے نامِ میّت اُن پر صادق ہوتا ہے۔ قبریں بند ہونے کو اس میں دخل نہیں، تو عام منکرین پر حجت ہوں گے۔

ثانیاً جب اُن سے ثابت ہوگا کہ رُوح بعد موت اپنے صفات و افعال پر باقی۔ اور اُن آلاتِ جسمانیہ سے مستغنی، تو اس وقت خاص مولوی صاحب کے مقابل یُوں گزارش ہوسکتی ہے کہ جس پر جناب مٹی وغیرہ کے حائل و حجاب دیکھ رہے ہیں وہ جسمِ خاکی ہے نہ کہ رُوحِ پاک، اور سمع و بصر و علم و خبر جس کے اوصاف ہیں وہ جانِ پاک ہے نہ کہ یہ تودہ خاک۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حدیث (۱) امام اجل عبداللہ بن مبارک و ابوبکر بن ابی شیبہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما

عہ صحابی ابن صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہما ۱۲ منہ (م)

سے موقوف اور امام اجل احمد بن حنبل اپنی مسند اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک اور ابو نعیم حلیہ میں بسندِ صحیح حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مرفوعاً راوی:

والموقوف ابسط لفظا واتم معنی وانت تعلم انه فی الباب کمثل المرفوع وھذا لفظ امام ابن المبارک قال ان الدنیا جنة الکافر وسجن المؤمن وانما مثل المؤمن حین تخرج نفسه کمثل رجل کان فی سجن فاخرج منه فجعل یتقلب فی الارض ویتفسح فیھا[1]۔ ولفظ ابی بکر ھکذا الدنیا سجن المومن وجنة الکافر فاذا مات المومن یخلی سربه یسرح حیث شاء[2]۔

(اور حدیث موقوف لفظاً زیادہ مبسوط اور معنیً زیادہ تام ہے۔ اور معلوم ہے کہ اس باب میں موقوف بھی مرفوع کا حکم رکھتی ہے۔ اور یہ روایتِ امام ابن مبارک کے الفاظ ہیں۔ ت) بیشک دنیا کافر کی جنت اور مسلمان کی زندان ہے، اور ایمان والے کی جب جان نکلتی ہے تو اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے کوئی قیدخانہ میں تھا اُس سے نکال دیا گیا کہ زمین میں گشت کرتا اور بافراغت چلتا پھرتا ہے۔ (اور روایتِ ابوبکر کے الفاظ یہ ہیں۔ ت) دنیا مسلمان کا قیدخانہ اور کافر کی بہشت ہے، جب مسلمان مرتا ہے اسکی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے سیر کرے۔

حدیث (۲) سیدی محمد علی ترمذی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما شبھت خروج المومن من الدنیا الامثل خروج الصبی من بطن امه من ذلك الغم والظلمة الی روح الدنیا[3]۔

یعنی دُنیا سے مسلمان کا جانا ایسا ہے جیسے بچّے کا ماں کے پیٹ سے نکلنا اس دم گھٹنے اور اندھیری کی جگہ سے اس فضائے وسیع دنیا میں آنا۔

عــه فائدہ: اسی کے مؤید دو حدیثیں اور ہیں مرسل سلیم بن عامر و عمرو بن دینار سے اخرجھما ابن ابی الدنیا (ابن ابی الدنیا نے ان دونوں کو روایت کیا ہے۔ ت) (م)

---

[1] کتاب الزہد لابن مبارک حدیث ۵۹۷ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۱۱
[2] المصنف لابن ابی شیبۃ حدیث ۱۶۵۷۱ ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ کراچی ۱۳/ ۳۵۵
[3] نوادر الاصول الاصل الثالث والخمسون فی ان الکبائر لاتجامع دار صادر بیروت ص ۷۵

اسی لیے علماء فرماتے ہیں دُنیا کو برزخ سے وہی نسبت ہے جو رحمِ مادر کو دنیا سے۔ پھر برزخ کو آخرت سے یہی نسبت ہے جو دنیا کو برزخ سے۔ اب اس سے برزخ د دنیا کے علوم وادراکات میں فرق سمجھ لیجئے۔ وہی نسبت چاہئے جو علم جنین کو علم اہل دنیا سے، واقعی رُوح طائر ہے اور بدن قفس، اور علم پرواز' پنجرے میں پرندکی پرفشانی، کتنی؟ ہاں، جب کھڑکی سے باہر آیا اُس وقت اُس کی جولانیاں قابلِ دید ہیں۔

حدیث (۳) صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا وضعت الجنازۃ واحتملھا الرجال علی اعناقھم فان کانت صالحۃ قالت قدمونی وان کانت غیر صالحۃ قالت لاھلھا یا ویلھا این تذھبون بھا یسمع صوتھا کل شیئ الا الانسان ولو سمع الانسان لصعق[1]

جب جنازہ رکھا جاتا ہے اور مرد اُسے اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں، اگر نیک ہوتا ہے کہتا ہے مجھے آگے بڑھاؤ۔ اور اگر بد ہوتا ہے کہتا ہے ہائے خرابی اُس کی کہاں لیے جاتے ہو۔ ہر شے اس کی آواز سنتی ہے مگر آدمی کہ وہ سُنے تو بیہوش ہوجائے۔ (ت)

اقول اگرچہ اہلسنت کا مسلک ہے کہ نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول ہوں گے، جب تک کہ اس میں محذور نہ ہو۔ لہذا ہم اس کلام جنازہ کو یُوں بھی کلام حقیقی پر محمول کرتے۔ مگر بحمداللہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان پچھلے لفظوں سے نص کو مفسر فرمادیا کہ ہر شے اُس کی آواز سنتی ہے اب کسی طرح مجالِ تاویل وتشکیک باقی نہ رہی، وللہ الحمد!

حدیث (۴) ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعاً روایت کیا: اذا وضع المیت علی سریرہ[2]۔ الحدیث مانند حدیث ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

حدیث ۵: امام احمد وابن ابی الدنیا وطبرانی ومروزی وابن مندہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان المیت یعرف من یغسلہ ویحملہ ومن یکفنہ ومن یدلیہ فی حفرتہ[3]

بیشک مُردہ پہچانتا ہے اُسے جو اُس کو غسل دے اور جو اٹھائے اور جو کفن پہنائے اور جو قبر میں اتارے (ت)

---

[1] صحیح البخاری — باب قول المیت وھو علی الجنازۃ — قدیمی کتب خانہ کراچی — ۱/۱۷۶

[2] مسند ابی داؤد الطیالسی — حدیث ۲۳۳۶ — دارالفکر بیروت — ص ۳۰۷

[3] مسند احمد بن حنبل — مروی از ابوسعید خدری — " " — ۳/۳

حدیث (۶) ابوالحسن بن البراء کتاب الروضہ میں بسندِ خود عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من میت یموت الا وھو یعرف غاسلہ ویناشد حاملہ ان کان بُشّر بروح وریحان وجنۃ نعیم ان یعجلہ وان کان بشر بنزل من حمیم وتصلیۃ جحیم ان یحبسہ[1]

ہر مُردہ اپنے نہلانے والے کو پہچانتا اور اٹھانے والے کو قسمیں دیتا ہے اگر اُسے آسائش اور پھولوں اور آرام کے باغ کا مژدہ ملا، تو قسم دیتا ہے مجھے جلد لے چل، اور اگر آبِ گرم کی مہمانی اور بھڑکتی آگ میں جانے کی خبر ملتی ہے قسم دیتا ہے مجھے روک رکھو۔

حدیث (۷) ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من میت یوضع علی سریرہ فیخطی بہ ثلث خطوات الا تکلم بکلام یسمعہ من شاء اللہ الا الثقلین الجن والانس یقول یا اخوتاہ ویا حملۃ نعشاہ لا تغرنکم الدنیا کما غرتنی ولا یلعبن بکم الزمان کما لعب بی خلفت ما ترکت لورثتی والدیان یوم القیمۃ یخاصمنی ویحاسبنی وانتم تشیعونی وتدعونی[2]

جب مُردے کو جنازہ پر رکھ کر تین قدم لے چلتے ہیں ایک کلام کرتا ہے جسے سب سنتے ہیں، جنھیں خدا چاہے سوا جن وانس کے۔ کہتا ہے اے بھائیو! اے نعش اٹھانے والو! تمھیں دنیا فریب نہ دے جیسا مجھے دیا اور تم سے نہ کھیلے جیسا مجھ سے کھیلی، اپنا ترکہ تو میں وارثوں کے لیے چھوڑ چلا اور بدلہ دینے والا قیامت میں مجھ سے جھگڑے گا اور حساب لے گا، تم میرے ساتھ چل رہے اور اکیلا چھوڑ آؤ گے۔

حدیث (۸) ابن مندہ راوی، حبّان بن ابی جبلہ[ع] نے فرمایا:

بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان الشہید اذا استشہد انزل

مجھے حدیث پہنچی کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کے لیے ایک جسم نہایت خوبصورت

ع یہ تابعی ثقہ ہیں رجالِ بخاری سے، کتاب الادب المفرد میں ۱۲ منہ (م)

---

[1] شرح الصدور بحوالہ کتاب الروضۃ باب معرفۃ المیت من یغسلہ خلافت اکیڈمی سوات ص ۳۹

[2] کتاب القبور لابن ابی الدنیا 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۴۰

الله تعالیٰ جسداً کاحسن جسد ثم یقال لروحہ ادخلی فیہ فینظر الی جسدہ الاول مایفعل بہ ویتکلم فیظن انھم یسمعون کلامہ وینظر الیھم فیظن انھم یرونہ حتی یاتیہ ازواجہ یعنی من الحور العین فیذھبن بہ۔[1]

یعنی اجسامِ مثالیہ سے اُترتا ہے اور اس کی رُوح کو کہتے ہیں اس میں داخل ہو، پس وُہ اپنے پہلے بدن کو دیکھتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں اور کلام کرتا ہے اور اپنے ذہن میں سمجھتا ہے کہ لوگ اس کی باتیں سُن رہے ہیں، اور آپ جو انھیں دیکھتا ہے تو یہ گمان کرتا ہے کہ لوگ بھی اُسے دیکھ رہے ہیں یہاں تک کہ حُورِعین میں سے اُس کی بیبیاں آکر اُسے لے جاتی ہیں (ت)

حدیث (۹) ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید بن مسیب سے راوی:

ان سلمان الفارسی وعبد اللہ بن سلام التقیا فقال احدھما لصاحبہ ان لقیت ربك قبلی فاخبرنی ماذا لقیت فقال او تلقی الاحیاء الاموات قال نعم اما المومنون فان ارواحھم فی الجنۃ وھی تذھب حیث شاءت۔[2]

سلمان فارسی و عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما ملے، ایک صاحب نے دوسرے سے فرمایا: اگر آپ مجھ سے پہلے انتقال کریں تو مجھے خبر دیں کہ وہاں کیا پیش آیا۔ دُوسرے صاحب نے پُوچھا کہ کیا زندے اور مُردے بھی آپس میں ملتے ہیں؟ فرمایا: ہاں مسلمانوں کی رُوحیں تو جنّت میں ہوتی ہیں اور انھیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہے جائیں۔

مغیرہ بن عبدالرحمان کی روایت میں تصریح آئی کہ یہ ارشاد فرمانے والے حضرت سلمان فارسی تھے رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ سعید بن منصور اپنے سُنن اور ابن جریر طبری کتاب الادب میں اُن سے راوی:

قال لقی سلمان الفارسی عبد اللہ بن سلام فقال لہ ان مت قبلی فاخبرنی بما تلقی وان مت قبلك اخبرتك الحدیث۔[3]

یعنی سلمان فارسی نے عبداللہ بن سلام سے فرمایا: اگر تم مجھ سے پہلے مرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا اور اگر میں تم سے پہلے مروں گا تو میں تمھیں خبر دُونگا۔

ع صحابی عظیم الشان جلیل القدر صحابی اُن چاروں میں سے جن کی طرف جنت مشتاق ہے ۱۲ منہ سلمہ (م)

---

[1] شرح الصدور بحوالہ ابن مندہ باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۰۳

[2] شعب الایمان حدیث ۱۳۵۵ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۲۱

[3] شرح الصدور بحوالہ کتاب الادب لابن جریر خلافت اکیڈمی سوات ص ۹۸

حدیث (۱۰) ابن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم اپنے مصنف میں سیدنا ابوہریرہ[عہ۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ انھوں نے فرمایا:

لایقبض المومن حتی یری البشری فاذا قبض نادی فلیس فی الدار دابۃ صغیرۃ ولا کبیرۃ الا وھی تسمع صوتہ الا الثقلین الجن والانس تعجلوا بی الی ارحم الراحمین فاذا وضع علی سریرہ قال ما ابطاء ما تمشون[۱] الحدیث۔

مسلمانوں کی رُوح نہیں نکلتی جب تک بشارت نہ دیکھ لے۔ پھر جب نکل چکتی ہے تو ایسی آواز میں جسے انس و جن کے سوا گھر کا ہر چھوٹا بڑا جانور سنتا ہے ندا کرتی ہے مجھے لے چلو ارحم الراحمین کی طرف۔ پھر جب جنازے پر رکھتے ہیں کہتی ہے کتنی دیر لگا رہے ہو چلنے میں۔ الحدیث۔

حدیث (۱۱) امام احمد کتاب الزہد میں ام الدرداء[عہ۲] رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے راوی کہ فرماتیں:

ان المیت اذا وضع علی سریرہ فانہ ینادی یا اھلاہ یا جیراناہ یا حملۃ سریراہ لا تغرنکم الدنیا کما غرتنی[۲] الحدیث۔

بیشک مُردہ جب چارپائی پر رکھا جاتا ہے پکارتا ہے اے گھر والو، اے ہمسایو، اے جنازہ اٹھانے والو! دیکھو دنیا تمھیں دھوکا نہ دے جیسا مجھے دیا۔

حدیث (۱۲) ابن ابی الدنیا امام مجاہد[عہ۳] رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے راوی:

اذا مات المیت فملک قابض نفسہ فما من شئ الا وھو یراہ عند غسلہ وعند حملہ حتی یوصلہ الی قبرہ[۳]

جب مُردہ مرتا ہے ایک فرشتہ اُس کی رُوح ہاتھ میں لیے رہتا ہے نہلاتے اٹھاتے وقت جو کچھ ہوتا ہے وہ سب دیکھتا جاتا ہے یہاں تک کہ فرشتہ اُسے قبر تک پہنچا دیتا ہے۔

عہ۱ صحابی، جلیل القدر رفیع الذکر ہیں جن کی عام شہرت ان کی تعریف سے مغنی ۱۲ منہ (م)

عہ۲ یہ دو خاتونوں کی کنیت ہے دونوں حضرت ابو درداء صحابی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بیبیاں ہیں، پہلی کبریٰ کہ صحابیہ ہیں خیرہ نام، دوسری صغریٰ تابعیہ ثقہ فقیہہ مجتہدہ رواۃ صحاح ستہ سے ہجیمہ نام رضی اللہ تعالےٰ عنہما ۱۲ منہ (م)

عہ۳ تابعی جلیل الشان امام مجتہد مفسر ثقہ علماء مکہ معظمہ و اجلہ تلامذہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سب صحاح میں ان سے روایت ہے ۱۲ منہ (م)

---

[۱] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الزہد کلام ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۳/ ۳۴۸

[۲] شرح الصدور بحوالہ کتاب الزہد لاحمد باب معرفۃ المیت خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۰

[۳] 〃 〃 ابن ابی الدنیا 〃 〃 〃 〃 ۳۹

حدیث (۱۳) وہی عمرو بن دینار[علہ] رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے راوی:

مامن میت یموت الا وھو یعلم مایکون فی اھلہ بعدہ وانھم یغسلونہ ویکفنونہ وانہ ینظر الیھم[1]۔

ہر مُردہ جانتا ہے کہ اس کے بعد اُس کے گھر والوں میں کیا ہو رہا ہے، لوگ اُسے نہلاتے ہیں کفناتے ہیں اور وُہ انھیں دیکھتا جاتا ہے۔

حدیث (۱۴) ابو نعیم انھیں سے راوی:

مامن میت یموت الا روحہ فی ید ملك ینظر الٰی جسدہ کیف یغسل وکیف یکفن وکیف یمشی بہ ویقال لہ وھو علٰی سریرہ اسمع ثناء الناس علیك[2]۔

ہر مُردے کی رُوح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ اپنے بدن کو دیکھتی جاتی ہے کیونکر غسل دیتے ہیں، کس طرح کفن پہناتے ہیں، کیسے لے کر چلتے ہیں اور وُہ جنازے پر ہوتا ہے کہ فرشتہ اُس سے کہتا ہے سُن تیرے حق میں بھلا یا بُرا کیا کہتے ہیں۔

حدیث (۱۵) امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا کہ امام ابنِ ماجہ صاحب سُنن کے اُستاذ ہیں۔ امام اجل بکر بن عبداللہ مزنی[علہ] رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے راوی کہ اُنھوں نے فرمایا:

بلغنی انہ مامن میت یموت الا وروحہ فی ید ملك الموت فھم یغسلونہ ویکفنونہ وھو یری مایصنع اھلہ فلو یقدر علی الکلام لنھاھم عن الرنۃ والعویل[3]۔

مجھے حدیث پہنچی کہ جو شخص مرتا ہے اُس کی روح ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لوگ اسے غسل وکفن دیتے ہیں اور وُہ دیکھتا ہے کہ اُس کے گھر والے کیا کرتے ہیں، وُہ ان سے بول نہیں سکتا کہ اُنھیں شور وفریاد سے منع کرے۔

اقول اس نہ بولنے کی تحقیق زیرِ حدیث ۳۵ مذکور ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی۔

علہ یہ بھی تابعی جلیل ثقہ ثبت ہیں علماءِ مکہ معظمہ و رجالِ صحاحِ ستہ سے ۱۲ منہ (م)

علہ تابعی جلیل ثقہ ثبت ہیں رواۃِ صحاحِ ستہ سے ۱۲ منہ سلمہ ربہ (م)

---

[1] شرح الصدور بحوالہ عمرو بن دینار باب معرفۃ المیت خلافت اکیڈمی سوات ص ۳۹

[2] حلیۃ الاولیاء مترجم نمبر ۲۴۶ دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۳۲۹

[3] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب معرفۃ المیت خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۰ ـ ۳۹

حدیث (۱۶) یہی امام سفیانؒ[۱] علیہ رحمۃ المنان سے راوی:

ان المیت لیعرف کل شیٔ حتی انہ لیناشد غاسلہ باللہ علیک الاخففت غسلی قال ویقال لہ وھو علیٰ سریرہ اسمع ثناء الناس علیک[۱]

بیشک مُردہ ہر چیز کو پہچانتا ہے یہاں تک کہ اپنے نہلانے والے کو خدا کی قسم دیتا ہے کہ آسانی سے نہلانا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اُس سے جنازے پر کہا جاتا ہے کہ سُن لوگ تیرے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

حدیث (۱۷) یہی عبدالرحمٰن[۲] بن ابی لیلیٰ علیہ رحمۃ اللہ وسبحانہٗ وتعالیٰ سے راوی:

الروح بید ملک یمشی بہ مع الجنازۃ یقول لہ اسمع مایقال لک[۲] الحدیث۔

رُوح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ اسے جنازہ کے ساتھ لے کر چلتا اور اُس سے کہتا ہے سُن تیرے حق میں کیا کہا جاتا ہے۔

حدیث (۱۸) یہی ابن ابی نجیح[۳] سے راوی:

مامن میت یموت الا وروحہ فی ید ملک ینظر الی جسدہ کیف یغسل وکیف یکفن وکیف یمشی بہ الی قبرہ[۳] الحدیث۔

جو مُردہ مرتا ہے اس کی روح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ اپنے بدن کو دیکھتی ہے کیونکر نہلایا جاتا ہے، کیونکر کفن پہنایا جاتا ہے، کیونکر قبر کی طرف لے کر چلتے ہیں۔

حدیث (۱۹) یہی ابو عبداللہ[۴] بکر مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے راوی:

حدثت ان المیت لیستبشر بتعجیلہ

مجھ سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ دفن میں جلدی کرنے

ع۱ تبع تابعین ومجتہدان کوفہ ورجالِ صحاح ستّہ سے ہیں۔ امام ثقہ حجت محدّث مجتہد عارف باللہ ۱۲ منہ (م)

ع۲ یہ تابعی عظیم القدر جلیل الشان ہیں رجال صحاح ستّہ سے ۱۲ منہ (م)

ع۳ تبع تابعین وعلمائے مکّہ ورواۃِ صحاح ستّہ سے ۱۲ منہ (م)

ع۴ تابعی جلیل القدر کما مر ۱۲ منہ (م)

---

[۱] شرح الصدور	عن سفیان	باب معرفۃ المیّت	خلافت اکیڈمی سوات	ص ۴۰
[۲] "	بحوالہ ابن ابی الدنیا	" "	" " "	ص ۴۰
[۳] "	عن ابن نجیح	" "	" " "	"

الی المقابور[1]

جعلنا الله بمنه وکرمه من المسرورین المستبشرین برحمته المستریحین بالموت بجودہ وسابغ نعمته اٰمین بجاہ النبی الکریم الرؤف الرحیم علیه واٰله وصحبه واولیاء اُمته افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

سے مُردہ خوش ہوتا ہے۔

اللہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو اس کی رحمت سے شاداں وفرحاں ہوتے، اس کے جود وانعام کامل کے سبب موت سے راحت پاتے ہیں۔ الٰہی! قبول فرما نبی کریم رؤف ورحیم کی وجاہت کے صدقے۔ ان پر ان کی آل واصحاب اور ان کی امت کے اولیاء پر بہترین درود وسلام ہو۔

نوعِ دوم: احادیث سمع وادراکِ اہلِ قبور میں، اور اس میں چند فصلیں ہیں:

فصل اوّل اصحابِ قبور سے حیا کرنے میں۔

حدیث (۲۰) اُمّ المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ارشاد جو مشکوٰۃ شریف میں بروایت امام احمد منقول اور اُسے حاکم نے بھی صحیح مستدرک میں روایت کیا اور بشرطِ بخاری ومسلم صحیح کہا کہ فرماتی ہیں:

کنت ادخل بیت الذی فیه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وانی واضع ثوبی واقول انما هو زوجی وابی فلما دفن عمر معهما فوالله مادخلته الا وانا مشدودة علی ثیابی حیاء من عمر[2]۔

میں اس مکان جنّت آستان میں جہاں حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مزار پاک ہے یونہی بے لحاظِ ستر وحجاب چلی جاتی اور جی میں کہتی وہاں کون ہے، یہی میرے شوہر یا میرے باپ صلی اللہ تعالٰی علی زوجہا ثم ابیہا ثم علیہما وبارک وسلم۔ جب سے عمر دفن ہُوئے خدا کی قسم میں بغیر سراپا بدن چھپائے نہ گئی عمر سے شرم کے باعث، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

فرمائیے اگر اربابِ مزارات کو کچھ نظر نہیں آتا تو اس شرم کے کیا معنی تھے؟ اور دفنِ فاروق سے پہلے اُس لفظ کا کیا منشا، تھا کہ مکان میں میرے شوہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا میرے باپ ہی تو ہیں غیر کون ہے!

ع۔ اس نوع کی بعض احادیث بوجہ مناسبت نوعِ دوم میں مذکور ہوئیں، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (م)

[1] شرح الصدور عن بکر المزنی باب معرفۃ المیت خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۰

[2] مشکوٰۃ المصابیح زیارۃ القبور فصل ثالث مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۵۴
مستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ دار الفکر بیروت ۴/ ۷

حدیث (۲۱) ابن ابی شیبہ و حاکم حضرت عقبہ بن عامر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

مابالی فی القبور قضیت حاجتی ام فی السوق والناس ینظرون[1] — یعنی میں ایک سا جانتا ہوں کہ قبرستان میں قضائے حاجت کو بیٹھوں یا بیچ بازار میں کہ لوگ دیکھتے جائیں۔

مقصد ثالث میں اس کے مناسب سلیم بن عمیر سے مذکور ہوگا کہ شرم اموات کے باعث مقابر میں پیشاب نہ کیا حالانکہ سخت حاجت تھی۔

فصل دوم احیاء کے آنے، پاس بیٹھنے، بات کرنے سے مُردوں کے جی بہلنے میں — ظاہر ہے کہ اگر دیکھتے، سنتے، سمجھتے نہیں تو ان امور سے جی بہلنا کیسا!

حدیث (۲۲) شفاء السقام امام سبکی و اربعین طائیہ پھر شرح الصدور میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی:

آنس مایکون المیت فی قبرہ اذا زارہ من کان یحبہ فی دار الدنیا[2] — قبر میں مُردے کا زیادہ جی بہلنے کا وقت وہ ہوتا ہے جب اس کا کوئی پیارا زیارت کو آتا ہے۔

حدیث (۲۳) ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں اور امام عبدالحق کتاب العاقبہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، حضور پُرنور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من رجل یزور قبر اخیہ و یجلس عندہ الا استأنس و رد علیہ حتی یقوم[3] — جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی زیارتِ قبر کو جاتا اور بیٹھتا ہے میت کا دل اُس سے بہلتا ہے اور جب تک وہاں سے اُٹھے مُردہ اس کا جواب دیتا ہے۔

حدیث (۲۴) صحیح مسلم شریف میں ہے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ وُہ بھی صحابی ہیں نزع میں فرمایا:

اذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما تنحر جزور و یقسم لحمہا حتی استأنس بکم و انظر ماذا اراجع — جب مجھے دفن کر چکو مجھ پر تھم تھم کر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا پھر میری قبر کے گرد اتنی دیر ٹھہرے رہنا کہ ایک اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم ہو

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز ادارۃ القرآن کراچی ۳/۲۲۹

[2] شرح الصدور بحوالہ اربعین طائیہ باب زیارت القبور خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۵

[3] ” ” بحوالہ کتاب القبور ابن ابی الدنیا ” ” ص ۸۴

بلہ سے سل سابق ہے

یہاں تک کہ میں تم سے انس حاصل کروں اور جان لوں کہ اپنے رب کے رسولوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔

فصل سوم احیاء کی بے اعتدالی سے اموات کے ایذا پانے میں ـــــ ظاہر ہے کہ افعال و احوال احیاء پر انھیں اطلاع نہیں تو ایذا پانی محض بے معنی۔

حدیث (۲۵) امام احمد بسند حسن عمرو بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا، لاتؤذ صاحب ھذا القبر یعنی اس قبر والے کو ایذا نہ دے۔ یا فرمایا، لاتؤذہ[علہ] اسے تکلیف نہ پہنچا۔

حاکم و طبرانی کی روایت میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا، فرمایا: یاصاحب القبر انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب القبر ولا یؤذیک[علہ] (او قبر والے! قبر سے اُتر آ، نہ تو صاحبِ قبر کو ایذا دے نہ وہ تجھے)

مقصد سوم میں اس حدیث کی شرح امام اجل حکیم ترمذی سے منقول ہوگی۔

روایت مناسبہ ابن ابی الدنیا ابو قلابہ[علہ] بصری سے راوی:

میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اُترا، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی، پھر ایک قبر پر سر رکھ کے سو گیا۔ جب جاگا تو صاحبِ قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے، لقد اٰذیتنی منذ اللیلۃ[علہ] اے شخص! تُو نے مجھے رات بھر ایذا دی۔

روایت دوم امام بیہقی دلائل النبوۃ میں اور ابن ابی الدنیا حضرت ابو عثمان[علہ] نہدی سے وہ ابن مینا تابعی سے راوی،

میں مقبرے میں گیا، دو رکعت پڑھ کر لیٹ رہا، خدا کی قسم میں خُوب جاگ رہا تھا کہ سُنا کوئی شخص قبر میں سے کہتا ہے: قم فقد اٰذیتنی اُٹھ کر تُو نے مجھے اذیت دی۔ پھر کہا کہ تم عمل کرتے ہو اور ہم نہیں کرتے

علہ تابعی، ثقہ، فاضل، رجال صحاح ستہ سے ۱۲ منہ (م)

علہ اجلہ اکابر تابعین سے ہیں۔ زمانہ رسالت پائے ہُوئے ثقہ ثبت عمائد رجال صحاح ستہ سے ۱۲ منہ (م)

علہ صحیح مسلم باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۶

علہ مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ احمد کتاب الجنائز باب دفن المیت مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۴۹

علہ مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی الکبیر باب البناء علی القبور الخ دار الکتاب بیروت ۳/ ۶۱

علہ شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا عن ابی قلابۃ باب ما ینفع المیت فی قبرہ خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۲۸

خدا کی قسم اگر تیری طرح دو رکعتیں میں بھی پڑھ سکتا مجھے تمام دُنیا سے زیادہ عزیز ہوتا۔[1]

روایت سوم حافظ بن مندہ امام قاسم[عہ] بن مخیمرہ رحمہ اللہ تعالٰی سے راوی:

اگر میں تپائی ہُوئی بھال پر پاؤں رکھوں کہ میرے قدم سے پار ہوجائے تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ کسی قبر پر پاؤں رکھوں۔ پھر فرمایا: ایک شخص نے قبر پر پاؤں رکھا جاگتے میں سُنا الیك عنی یا رجل ولا تؤذنی[2] اے شخص! الگ ہٹ مجھے ایذا نہ دے۔

حدیث (۲۶) امام مالک واحمد وابوداؤد وابن ماجہ وعبدالرزاق وسعید بن منصور وابن حبان ودارقطنی اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: واللفظ لاحمد کسر عظم المیت واذاہ ککسرہ حیا[3] مُردے کی ہڈی توڑنی اور اسے ایذا دینی ایسی ہے جیسی زندہ کی ہڈی توڑنی۔

بعض روایات دارقطنی میں لفظ فی الاثم[4] اور زائد یعنی درو پہنچنے میں زندہ و مُردہ برابر ہیں۔ ذکرہ فی مقاصد الحسنۃ (اسے مقاصد حسنہ میں ذکر کیا گیا۔ ت) ـــــ مقصد سوم میں اس کے متعلق امام ابوعمر کا قول آئے گا۔

حدیث (۲۷) دیلمی وابن مندہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

احسنوا الکفن ولا تؤذوا موتاکم بعویل ولا بتاخیر وصیۃ ولا بقطیعۃ وعجلوا قضاء دینہ واعدلوا عن جیران السوء۔[5]

کفن اچھا دو اور اپنی میت کو چلا کر رونے یا اس کی وصیت میں دیر لگانے یا قطع رحم کرنے سے ایذا نہ پہنچا اور اس کا قرض جلد ادا کرو اور بُرے ہمسایہ سے الگ رکھو۔

یعنی قبور کفار واہل بدعت وفسق کے پاس دفن نہ کرو۔

عہ تابعی، ثقہ فاضل رواۃ صحاح ستہ سے، غیرانہ عندخ فی التعلیقات (البتہ امام بخاری نے تعلیقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ت) ۱۲ منہ (م)

---

[1] شرح الصدور بحوالہ البیہقی فی دلائل النبوۃ باب زیارۃ القبور خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۹
[2] شرح الصدور بحوالہ ابن مندہ باب تاذیہ لبسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶
[3] مسند احمد بن حنبل مرویات حضرت عائشہ دارالفکر بیروت ۶/۱۰۵
[4] المقاصد الحسنۃ حدیث ۸۰۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۱۶
[5] الفردوس بماثور الخطاب " ۳۱۸ " " ۱/۹۸

حدیث (۲۸) امام احمد ابوالربیع سے راوی:

کنت مع ابن عمر فی جنازۃ فسمع صوت انسان یصیح فبعث الیہ فاسکتہ فقلت لم اسکتہ یا ابا عبدالرحمٰن قال انہ یتاذی بہ المیت حتی یدخل فی قبرہ[1]۔

میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے ساتھ ایک جنازہ میں تھا کسی کے چلّانے کی آواز سنی، آدمی بھیج کر اُسے خاموش کرادیا۔ میں نے عرض کی: اے ابوعبدالرحمٰن! آپ نے اُسے کیوں چپایا، فرمایا: اس سے مُردے کو ایذا ہوتی ہے یہاں تک کہ قبر میں جائے۔

حدیث (۲۹) امام سعید بن منصور اپنے سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

انہ رأی نسوۃ فی جنازۃ فقال ارجعن مازورات غیر ماجورات انکن لتفتن الاحیاء وتؤذین الاموات[2]۔

یعنی اُنھوں نے ایک جنازے میں کچھ عورتیں دیکھیں اور ارشاد فرمایا پلٹ جاؤ گناہ سے بوجھل ثواب سے اوجھل۔ تم زندوں کو فتنے میں ڈالتی اور مُردوں کو اذیت دیتی ہو۔

تنبیہ: سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو حدیث صحیح مشہور میں فرمایا: المیت یعذب ببکاء الحی علیہ[3] زندوں کے رونے سے مُردے پر عذاب ہوتا ہے، جسے امام احمد و شیخین نے عمر فاروق و عبداللہ بن عمر و مغیرہ بن شعبہ، اور ابویعلٰی نے ابوبکر صدیق و ابوہریرہ، اور ابن حبان نے انس بن مالک و عمران بن حصین اور طبرانی نے سمرہ بن جندب سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ ایک جماعت ائمہ کے نزدیک اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ زندوں کے چلانے سے مُردوں کو عذاب ہوتا ہے۔ امام اجل سیوطی نے شرح الصدور میں اس معنی کو ایک حدیث مرفوع سے مؤید کرکے فرمایا امام ابن جریر کا یہی قول ہے اور اسی کو ایک گروہ ائمہ نے اختیار فرمایا، پھر اس کی تائید میں یہ دو حدیثیں ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم کی کہ ہم نے بیان کیں، ذکر فرمائیں۔ اس تقدیر پر ارشادِ اقدس المیت یعذب الحدیث کی آٹھوں روایتیں بھی یہاں شمار کے قابل تھیں مگر از انجا کہ علماء کو اس کے معنی میں بہت اختلاف ہے۔ نہ ہمارا قصد حصر واستیعاب۔ لہٰذا انھیں معدود نہ کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

حدیث (۳۰) ابن ابی شیبہ اپنے مصنف میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ

مسلمان کو بعد موت ایذا دینی ایسی ہے جیسے زندگی میں

---

[1] مسند احمد بن حنبل مرویات عبداللہ بن عبدالرحمان دارالفکر بیروت ۲/ ۱۳۵

[2] شرح الصدور بحوالہ سعید بن منصور عن ابن مسعود باب تاذی المیت بالنیاحۃ علیہ خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۲۵

[3] صحیح مسلم کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۲

فی حیاتہ[1] | اُسے تکلیف پہنچائی۔

حدیث (۳۱) سعید بن منصور اپنے سُنن میں راوی، کسی نے اُس جناب سے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا، فرمایا:

کما اکرہ اذی المومن فی حیاتہ فانی اکرہ اذاہ بعد موتہ[2] | مجھے جس طرح مسلمان زندہ کی ایذا ناپسند ہے یونہی مُردہ کی۔

حدیث (۳۲) طبرانی عبدالرحمٰن بن علا بن لجلاج سے اُن کے والد علا[ع] رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اُن سے فرمایا:

یا بنی اذا وضعتنی فی لحدی فقل بسم اللہ وعلٰی ملۃ رسول اللہ ثم شن علی التراب شنا ثم اقرأ عند راسی بفاتحۃ البقرۃ و خاتمتھا فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول ذلک[3] | اے میرے بیٹے! جب مجھے لحد میں رکھے بسم اللہ و علٰی ملۃ رسول اللہ کہنا۔ پھر مجھ پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا، پھر میرے سرہانے سورۂ بقرہ کا شروع یعنی مفلحون تک اور خاتمہ یعنی اٰمن الرسول سے پڑھنا کہ میں نے سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔

اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد صحیح مسلم سے ابھی گزرا کہ مجھ پر مٹی تھم تھم کر بہ نرمی ڈالنا۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ترجمہ مشکوٰۃ میں اس حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

چوں دفن کنید مرا پس بنرمی و بسہولت بیندازید بر من خاک را یعنی اندک اندک اندازید و ایں اشارت است باں کہ میت احساس می کند و دردناک می شود بانچہ دردناک مے شود باں زندہ[4] | جب مجھے دفن کرنا تو مجھ پر مٹی نرمی وسہولت سے یعنی ذرا ذرا کرکے ڈالنا۔ یہ اشارہ ہے اس بات کا کہ مُردے کو احساس ہوتا ہے اور جس چیز سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے مُردہ کو بھی ہوتی ہے۔

[ع] تابعی ثقہ ہیں اور اُن کے بیٹے عبدالرحمان تبع تابعین مقبول الروایۃ ہے، دونوں صاحب رجال جامع ترمذی میں ہیں ۱۲ منہ سلمہ (م)

[1] المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب الجنائز ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/ ۳۶۷

[2] شرح الصدور بحوالہ سنن سعید بن منصور باب تاذی المیت خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶

[3] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کبیر باب مایقول عند ادخال المیت القبر دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۴۴

[4] اشعۃ اللمعات کتاب الجنائز باب دفن المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹۷

فصل چہارم میں وہ احادیث جن میں صراحۃً وارد کہ مُردے اپنے زائرین کو پہچانتے اور اُن کا سلام سُنتے اور انھیں جواب دیتے ہیں۔

حدیث (۳۳) امام ابوعمر ابن عبدالبر کتاب الاستذکار و التمہید میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام[1]۔

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا اور اسے سلام کرتا ہے اگر وہ اسے دنیا میں پہچانتا تھا اب بھی پہچانتا اور جواب سلام دیتا ہے۔

امام ابومحمد عبدالحق کہ اجلّہ علمائے حدیث سے ہیں اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں، ذکرہ الامام السیوطی فی شرح الصدور[2] والفاضل الزرقانی فی شرح المواھب (اسے امام سیوطی نے شرح الصدور میں اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا۔ ت) اسی طرح امام ابوعمر و سیّد علامہ سمہودی نے اس کی تصحیح فرمائی، ذکرہ الشیخ المحقق فی جامع البرکات وجذب القلوب (اسے شیخ محقق نے جامع البرکات اور جذب القلوب میں ذکر فرمایا ہے۔ ت) امام سبکی شفاء السقام میں یہ حدیث لکھ کر فرماتے ہیں:

ذکرہ جماعۃ وقال القرطبی فی التذکرۃ ان عبدالحق صححہ وروینا فی الثقفیات من حدیث ابی ھریرۃ ایضا[3] انتھی۔

اسے ایک جماعت نے ذکر کیا اور امام قرطبی نے تذکرہ میں کہا ہے کہ امام عبدالحق نے اسے صحیح کہا اور ثقفیات میں اسے ہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت سے بھی بیان کیا ہے انتہی (ت)

قلت وستسمع ذلک (میں نے کہا، وہ حدیث آگے سُنو گے)

حدیث (۳۴) ابن ابی الدنیا و بیہقی و صابونی و ابن عساکر و خطیب بغدادی وغیرہم محدثین ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا مر الرجل بقبر یعرفہ فسلم علیہ رد علیہ السلام و عرفہ

جب آدمی ایسی قبر پر گزرتا ہے جس سے دنیا میں شناسائی تھی اور اُسے سلام کرتا ہے میّت جواب سلام دیتا

---

[1] شرح الصدور بحوالہ التمہید لابن عبدالبر باب زیارت القبور خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۴
[2] ؎ " " "
[3] شفاء السقام الباب الخامس مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۸۸

واذا مر بقبر لا یعرفه فسلم علیه ردّ علیه السلام۔[1]

اور اسے پہچانتا ہے، اور جب ایسی قبر پر گزرتا ہے جس سے جان پہچان نہ تھی اور سلام کرتا ہے میت اسے جواب سلام دیتا ہے۔

حدیث (۳۵) امام عقیلی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال قال ابو رزین یا رسول اللہ ان طریقی علی الموتٰی فھل من کلام اتکلم بہ اذا مررت علیھم قال قل السلام علیکم یا اھل القبور من المسلمین والمؤمنین انتم لنا سلف ونحن لکم تبع وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون قال ابو رزین یا رسول اللہ یسمعون قال یسمعون ولکن لا یستطیعون ان یجیبوا۔[2]

یعنی ابورزین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! میرا راستہ مقابر پر ہے، کوئی کلام ایسا ہے کہ جب اُن پر گزروں کہا کروں۔ فرمایا: یوں کہہ سلام تم پر اے قبر والو! اہل اسلام اور اہل ایمان سے، تم ہمارے آگے ہو اور ہم تمہارے پیچھے، اور ہم ان شاء اللہ تعالٰی تم سے ملنے والے ہیں۔ ابورزین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! کیا مُردے سُنتے ہیں؟ فرمایا سُنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔

تنبیہ نبیہ: امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

ای جوابًا یسمعہ الحی والا فھم یردون حیث لا یسمع۔[3]

یعنی حدیث کی یہ مراد ہے کہ مُردے ایسا جواب نہیں دیتے جو زندے سُن لیں ورنہ وہ ایسا جواب تو دیتے ہیں جو ہمارے سُننے میں نہیں آتا۔

اقول یہ معنی خود اسی فصل کی دو حدیث سابق سے واضح کہ ان میں تصریحًا فرمایا مُردے جواب سلام دیتے ہیں، اور اس کی نظیر وہ ہے جو حدیث ۱۵ میں بکر بن عبداللہ مزنی سے گزرا کہ رُوح سب کچھ دیکھتی ہے مگر

عہ سمہودی گوید کہ احادیث دریں معنی بسیار است وایں معنی در آحاد ست وعموم مومنین متحقق ۱۲ منہ (م)

علامہ سمہودی فرماتے ہیں اس معنی میں احادیث بہت ہیں اور یہ معنی ہونا خود ہی ثابت ہے افرادِ اُمت اور عام مومنین میں متحقق ہے۔ (ت)

---

[1] شعب الایمان حدیث ۹۲۹۶ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۱۷

[2] کتاب الضعفاء الکبیر ترجمہ ۱۵۷۳ " " " ۴/ ۱۹

[3] شرح الصدور باب زیارۃ القبور خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۴

بول نہیں سکتی کہ شور و فریاد سے منع کرے۔ اس کے معنی بھی وُہی ہیں کہ اپنی بات احیاء کو سنا نہیں سکتے، ورنہ صحیح حدیثوں میں اُس کا کلام کرنا وارد، جیساکہ حدیث ۳ وغیرہ میں گزرا۔

تنبیہ دوم: فقیر کہتا ہے پھر یہ ہمارا نہ سُننا بھی دائمی نہیں، صدہا بندگانِ خدا نے اموات کا کلام و سلام سُنا ہے، جن کی بکثرت روایات خود شرح الصدور وغیرہ میں مذکور۔ اور بعض اسی مقصد میں فقیر نے بھی نقل کیں اور عجب نہیں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے محل پر اور بھی مذکور ہوں۔

تنبیہ سوم: بس نافع و مہم۔

اقول و باللہ التوفیق طرفہ یہ ہے کہ جواب سوال نوزدہم میں صاحب مائۃ مسائل نے بھی اس حدیث کو عن القاری عن السیوطی عن العقیلی نقل کیا اور اموات کے لیے سلامِ احیاء کا سُننا مسلّم رکھا۔ اسی قدر سے اپنی وُہ سب جولانیاں جو زیر سوال ۲۶ کے ہیں باطل مان لیں کہ وہاں جن پانچ عبارتوں سے استناد کیا اُن سب میں نفی مطلق ہے۔

اسی طرح آیہ کریمہ بفرض غلط نافی سماع ہو تو وہاں بھی سلام وکلام کچھ تخصیص نہیں۔ اور عبارت دوم میں توصاف منافات موت وافہام مذکور کیا بعض جگہ متنافیین بھی جمع ہوجاتے ہیں۔ اور عبارت پنجم میں صریحاً لفظ جمادات موجود۔ پھر پتھروں کے آگے سلام کلام سب ایک سا۔

غرض اگر آیت اور اُن عبارات کا وہی مطلب تو سماعِ سلام کی تسلیم میں اُن سب استنادوں کو دفعتاً سلام ہوا جاتا ہے۔ پھر ناحق اپنے یہاں حدیث عقیلی سے استناد اور کلمات قاری و سیوطی کی سُننے گا تو بہت کچھ ماننا پڑے گا، اُن کی تحقیقاتِ قاہرہ وتصریحاتِ باہرہ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ مقصد ثالث میں جگر شگاف مکابرہ واعتسفاف ہوتے ہیں۔ اُدھر مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی حدیثوں پر کان رکھا اور ارواح گزشتگان کو جماد و سنگ ماننے کا دھرم گیا۔ ذرا خدا لگتی کہنا ایک عقیلی کی حدیث سے آپ نے سماعِ سلام تو تسلیم کیا؛ بخاری ومسلم وغیرہ کی احادیث صحیحہ سے جُوتوں کی پہچل اور ہاتھ جھاڑنے کی آواز اور سلام کے سوا اور انواعِ کلام بھی سُننا اور اُن پتھروں کا اپنے زائروں کو پہچاننا، اُن کا جوابِ سلام دینا اور اُن سے اُنس حاصل کرنا، اور اُن کے سوا صدہا امور جو ثابت و مذکورہ وُہ کس جی سے مانئے گا، یا وہاں پھر فالف بعض الحدیث وکاف ببعض (کسی حدیث کا الف اور کسی کا کاف لیجئے گا۔ ت) کی ٹھہرے گی۔ علاوہ بریں خود یہ حدیث عقیلی اس تخصیصِ سلام کے رَد کو کیا تھوڑی ہے، یہاں بھی اموات سے فقط السلام علیکم

لہ مائۃ مسائل   مسئلہ ۱۹ سماعتِ موتیٰ   مکتبہ توحید وسنت پشاور   ص ۴۰

نہ کہا گیا۔ ذرا آنکھیں کھول کر ملاحظہ ہو آگے ان پتھروں سے کچھ اور کلام و خطاب بھی نظر آتے ہیں کہ تم ہمارے سلف، ہم تمہارے خلف، ہم ان شاء اللہ تعالٰی تم سے ملیں گے۔ اس سارے کلام پر ابوزرین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا وہ سنتے ہیں؟ فرمایا: ہاں سنتے ہیں۔ اور لطف یہ کہ اس حدیث کے بعد امام سیوطی کا وہ قول بھی نقل کر گئے کہ حدیث میں جواب نہ دینے سے یہ مراد ہے، ورنہ اموات واقع میں جواب دیتے ہیں۔

سبحان اللہ سلام بھی سنیں، کلام بھی سنیں، جواب بھی دیں، اور پھر پتھر کے پتھر، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سچ فرمایا مولوی معنوی قدس سرہٗ نے: ؎

ماسمیعیم و بصیریم و خوشیم　　باشما نامحرماں ماخامشیم[1]

(ہم سمیع و بصیر ہیں اور خوش ہیں مگر تم نامحرموں کے سامنے مُہر بر لب ہیں۔ ت)

حدیث (۳۶) طبرانی معجم اوسط میں عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مصعب بن عمیر اور اُن کے ساتھیوں کے قبور پر ٹھہرے اور فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لایسلم علیھم احد الا ردوا علیہ الی یوم القیٰمۃ[2]

قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت تک جو اُن پر سلام کرے گا جواب دیں گے۔

حدیث (۳۷) بعینہٖ اسی طرح حاکم نے صحیح مستدرک میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے تصحیح کی۔

حدیث (۳۸) حاکم مستدرک میں بافادہ تصحیح اور بیہقی دلائل النبوۃ میں بطریق عطاف بن خالد مخزومی عبدالاعلٰی بن عبداللہ سے وہ اپنے والد ماجد عبداللہ بن ابی فروہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زیارتِ شہدائے اُحد کو تشریف لے گئے اور عرض کی:

اللھم ان عبدك ونبیك یشھد ان ھؤلاء شھداء وانہ من زارھم وسلم علیھم الی یوم القیٰمۃ ردوا علیہ[3]

الٰہی! تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں اور قیامت تک جو ان کی زیارت کو آئے گا اور ان پر سلام کرے گا یہ جواب دیں گے۔

تتمہ حدیث: عطاف کہتے ہیں میری خالہ مجھ سے بیان کرتی تھیں میں ایک بار زیارتِ قبورِ شہداء کو گئی میرے

---

[1] مثنوی مولوی معنوی　دفتر سوم　حکایت مارگیری کہ اژدہائے افسردہ الخ　نورانی کتب خانہ پشاور　ص ۲۷

[2] شرح الصدور　بحوالہ المعجم الاوسط　باب زیارۃ القبور　خلافت اکیڈمی سوات　ص ۸۴

[3] 〃　بحوالہ الحاکم　〃　〃　ص ۸۵

[4] المستدرک للحاکم　کتاب المغازی　دارالفکر بیروت　۳/۲۹

ساتھ دو لڑکوں کے سوا کوئی نہ تھا جو میری سواری کا جانور تھامے تھے۔ میں نے مزارات پر سلام کیا، جواب سنا، اور آواز آئی: واللہ انا نعرفکم کما یعرف بعضنا بعضا خدا کی قسم تم لوگوں کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آپس میں ایک دُوسرے کو۔ میرے بدن پر بال کھڑے ہوگئے، سوار ہوئی اور واپس آئی [1]

روایت دوم مناسب او: امام بیہقی نے ہاشم بن محمد عمری سے روایت کی: مجھے میرے باپ مدینہ طیبہ سے زیارتِ قبورِ اُحد کو لے گئے، جمعہ کا روز تھا، صبح ہوچکی تھی، آفتاب نہ نکلا تھا، میں اپنے باپ کے پیچھے تھا، جب مقابر کے پاس پہنچے اُنھوں نے بآواز کہا، سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ جواب آیا: وعلیکم السلام یا ابا عبد اللہ۔ باپ نے میری طرف مڑکر دیکھا اور کہا کہ اے میرے بیٹے! تُو نے جواب دیا؟ میں نے کہا: نہ۔ اُنھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی داہنی طرف کرلیا اور کلام مذکور کا اعادہ کیا دوبارہ ویسا ہی جواب ملا، سہ بارہ کیا پھر وہی جواب ہوا۔ میرے باپ اللہ تعالٰی کے حضور سجدۂ شکر میں گر پڑے [2]

روایت سوم: ابن ابی الدنیا اور بیہقی دلائل میں انھیں عطاف مخزومی کی خالہ سے راوی: ایک دن میں نے قبرِ سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس نماز پڑھی، اس وقت جنگل بھر میں کسی آدمی کا نام ونشان نہ تھا، بعدِ نماز مزارِ مطہر پر سلام کیا، جواب آیا اور اس کے ساتھ یہ فرمایا:

من یخرج من تحت القبر اعرفه کما اعرف ان اللہ خلقنی وکما اعرف اللیل والنھار [3]

جو میری قبر کے نیچے سے گزرتا ہے میں اُسے پہچانتا ہُوں جیسا یہ پہچانتا ہُوں کہ اللہ تعالٰی نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس طرح رات اور دن کو پہچانتا ہُوں۔

حدیث (۳۹) ابن ابی الدنیا اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت محمد بن واسع عــہ سے راوی:

قال بلغنی ان الموتٰی یعلمون بزوارھم یوم الجمعۃ ویوما قبلہ ویوما بعدہ [4]

مجھے حدیث پہنچی ہے کہ مُردے اپنے زائروں کو جانتے ہیں جمعہ کے دن اور ایک دن اُس سے پہلے اور ایک دن اُس سے بعد۔

عــہ یہ تابعی ہیں، ثقہ، عابد، عارف باللہ، کثیر المناقب، رجال صحاح ستہ سے، الا الطرفین ۱۲ منہ (م)

---

[1] المستدرک للحاکم | کتاب المغازی | دار الفکر بیروت | ۳/ ۲۹

[2] دلائل النبوۃ | باب قول اللہ لاتحسبن الذین | دار الکتب العلمیۃ بیروت | ۳/ ۳۰۹

[3] " | " " | " " | ۳/ ۳۰۸

[4] شعب الایمان | حدیث ۹۳۰۱ | " " | ۷/ ۱۸

تنبیہ: اس حدیث کے یہ معنی کہ بوجہ برکتِ جمعہ ان تین دن میں اُن کے علم وادراک کو زیادہ وسعت دیتے ہیں، جو معرفت وشناسائی انھیں ان دنوں میں ہوتی ہے اور دنوں سے بیش وافزوں ہے نہ یہ کہ صرف یہی تین دن علم وادراک کے ہوں۔ ابھی سُن چکے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی احادیث کثیرہ مطلق ہیں جن میں بلاتخصیصِ ایام اُن کا علم وادراک ثابت فرمایا۔ تصریح اس معنی کی ان شاء اللہ مقصدِ سوم میں مذکور ہوگی۔

فصل پنجم میں وہ جلیل حدیثیں جن سے ثابت کہ سماعِ اہلِ قبور سلام ہی پر مقصور نہیں بلکہ دیگر کلام و اصوات بھی سُنتے ہیں۔

حدیث (۴۰) بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی اپنے صحاح اور امام احمد مسند میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور پُرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

واللفظ لمسلم ان المیت اذا وضع فی قبرہ انہ لیسمع خفق نعالھم اذا انصرفوا[1]۔

(مسلم کے الفاظ ہیں۔ت) مردہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور لوگ دفن کرکے پلٹتے ہیں بیشک وہ اُن کی جُوتیوں کی آواز سُنتا ہے۔

حدیث (۴۱) احمد وابوداؤد بسندِ جید براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان المیت یسمع خفق نعالھم اذا ولوا مدبرین[2]۔

بیشک مُردہ جُوتیوں کی پہچل سُنتا ہے جب لوگ اسے پیٹھ دے کر پھرتے ہیں۔

حدیث (۴۲) بیہقی وطبرانی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان المیت اذا دفن یسمع خفق نعالھم اذا ولوا عنہ منصرفین[3]۔

بیشک جب مُردہ دفن ہوتا ہے اور لوگ واپس آتے ہیں وہ ان کی جُوتیوں کی آواز سُنتا ہے۔

حدیث بیہقی کو امام سیوطی نے شرح الصدور میں فرمایا: بسند حسن[4] (اس کی سند حسن ہے۔ت) اور سند

---

[1] صحیح مسلم — باب عرض مقعد المیت — قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۸۶

[2] مسند احمد بن حنبل — مرویات البراء ابن عازب — دار الفکر بیروت ۴/۲۹۶
الترغیب والترہیب بحوالہ ابی داؤد واحمد الترہیب المرور بقبور الظالمین مصطفی البابی مصر ۴/۳۶۵

[3] کنز العمال بحوالہ طبرانی حدیث ۴۲۳۷۹ — مکتبۃ التراث الاسلامی مصر ۱۵/۶۰۰

[4] شرح الصدور — باب فتنۃ القبر — خلافت اکیڈمی سوات ص ۵۰

طبرانی کو علامہ مناوی نے تیسیر میں کہا : رجالہ ثقات[1] (اس کے رجال ثقہ ہیں۔ ت)

حدیث (۴۳) ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف اور ابن حبان نے صحیح مسمّی بالتقاسیم والانواع اور حاکم نیشاپوری نے الصحیح المستدرک علی البخاری ومسلم اور بغوی نے شرح السنۃ اور طبرانی نے معجم اوسط اور ہناد نے کتاب الزہد اور سعید بن السکن نے اپنی سنن اور ابن جریر وابن منذر وابن مردویہ وبیہقی نے اپنی اپنی تصانیف میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا :

والذی نفسی بیدہ ان المیّت اذا وضع فی قبرہ انہ لیسمع خفق نعالھم حین یولون عنہ[2]۔

قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب مُردہ قبر میں رکھا جاتا ہے کفش پائے مردم کی آواز سنتا ہے جب اُس کے پاس سے پلٹتے ہیں۔

حدیث (۴۴) جویبر نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ایک حدیث طویل روایت کی جس میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا :

فانہ یسمع خفق نعالکم ونفض ایدیکم اذا ولیتم عنہ مدبرین[3]۔

بیشک وہ یقیناً تمہارے جوتوں کی بھچل اور ہاتھ جھاڑنے کی آواز سُنتا ہے جب تم اس کی طرف سے پیٹھ پھیر کر چلتے ہو۔

حدیث (۴۵) طبرانی وابن مردویہ ایک حدیث طویل میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ حسن راوی :

قال شھدنا جنازۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلما فرغ من دفنھا وانصرف الناس قال انہ الاٰن یسمع خفق نعالکم[4] الحدیث

فرمایا : ہم ایک جنازہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہِ رکاب حاضر تھے۔ جب اس کے دفن سے فارغ ہُوئے اور لوگ پلٹے حضور نے ارشاد فرمایا : اب وُہ تمہاری جُوتیوں کی آواز سُن رہا ہے۔

فائدہ جلیلہ : چالیس سے پینتالیس تک جو چھ حدیثیں مذکور ہُوئیں پہلے ہی لاجواب ٹھہر چکی ہیں۔ آج تک کوئی جواب معقول اُن سے نہ ملا نہ ملے۔ غایت سعی اُن کی طرف سے یہ ہے کہ سماع مذکور کو اوّل

---

[1] التیسیر لشرح الجامع الصغیر تحت ان المیت اذا دفن مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۳۰۳

[2] المستدرک للحاکم المیت لیسمع خفق نعالھم دارالفکر بیروت ۱/۳۸۰

[3] شرح الصدور بحوالہ جویبر باب فتنۃ القبر خلافت اکیڈمی سوات ص ۵۱

[4] ؍؍ طبرانی اوسط وابن مردویہ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ص ۵۴

وضع فی القبر سے تخصیص کریں یعنی جب قبر میں رکھ کر مٹی دیتے ہیں اُس وقت میت کو ایسی قوتِ سامعہ ملتی ہے کہ اب عنقریب سوال منکر نکیر ہونے والا ہے اُس کے لیے پیشتر سے ایسے حواس عطا ہو جاتے ہیں، پھر بعد سوال یہ قوت نہیں رہتی۔ حالانکہ عندالانصاف یہ ادعا محض بے دلیل ولا طائل ہے۔

اوّلاً یہ تخصیص ظاہر حدیث کے خلاف جس پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ حدیثیں صاف صاف ارشاد فرما رہی ہیں کہ میت کی قوتِ سامعہ قبر میں اس درجہ تیز اور قوی ہے کہاں سے جانا کہ یہ اُسی وقت کے لیے ملتی ہے اور پھر جاتی رہتی ہے!

ثانیاً مقدمۂ سوال کے لیے پیشتر سے حواس مل جانا کیا معنی کیا فوراً وقتِ سوال نہ مل سکتی تھی یا عطائے الٰہی میں معاذ اللہ کچھ دیر لگتی ہے کہ پہلے سے اہتمام ہو رہنا ضرور ہُوا۔

یہ دونوں اعتراض شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی نے مدارج النبوۃ میں افادہ فرمائے حیث قال این تخصیص خلافِ ظاہر است و دلیلے نیست برآن وظاہر حدیث آنست کہ این حالت حاصل ست میت را در قبر و زندہ گردانیدن میت در وقتِ سوال ست و پیش ازاں زندہ گردانیدن برائے مقدمۂ سوال چہ معنی دارد[1]

یہ تخصیص ظاہر کے خلاف ہے۔ اس پر کوئی دلیل بھی نہیں۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ قبر کے اندر میت کی یہ حالت ہوتی ہے ـــــ میت کو زندہ کرنا سوال کے وقت ہے تو اس سے پہلے مقدمۂ سوال کے لیے زندہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ (ت)

وثالثاً۔ کما اقول سلمنا (جیسے کہ میں کہتا ہوں ہم تسلیم کرتے) کہ پہلے ہی سے ہوش و حواس مل جانا ضروری تھا مگر حاجت اُسی قدر تھی جس میں وہ نکیرین کی بات سُن سمجھ لیتا اس قدر قوتِ عظیمہ کی کیا ضرورت تھی کہ باوجود اتنے حائلوں کے ایسی ہلکی آوازیں بے تکلف سُنے۔ خود یہی حضرات مسئلہ یمین فی الضرب (مارنے کے بارے میں قسم) کی یہی توجیہ کرتے ہیں کہ ہمارے مارنے سے مُردے کو تکلیف یا ایذا[ع] نہیں ہوتی اس کا ادراک عذاب الٰہی کے واسطے ہے۔ یونہی چاہیے تھا کہ اس کا سماع سوالِ نکیرین کے لیے ہو، نہ اصواتِ خارجیہ کے واسطے۔

ورابعاً کما اقول ایضاً اگر مسئلہ یمین فی الکلام عدمِ سماع پر مبنی ہو کما زعموا۔ اور اب آپ نے بھی

ع تنبیہ: یہ بات بھی خلافِ تحقیق ہے بلکہ بیشک ایذا ہوتی ہے۔ دیکھو اس مقصد کی فصل سوم اور مقصد سوم کی پنجم ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی۔

---

[1] مدارج النبوۃ اصل در سماعت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۹۵

بشوکتِ احادیثِ قاہرہ اتنی دیر کے لیے سماع تسلیم کیا تو واجب کہ اس میت سے کلام کرنے والا حانث ہو کہ وُہ
مبنیٰ آپ ہی کے اقرار سے یہاں منتفی، حالانکہ مسئلہ قطعاً مطلق ہے۔لاجرم ماننا پڑے گا کہ ایمان عرف پر مبنی اور عرفاً
اس قسم سے بعدِ موت کلام کرنا نہیں سمجھا جاتا۔ لہذا حالتِ حیات سے مقید رہا۔ ہم کہیں گے اب حق کی طرف رجوع
ہُوئے۔ واقعی اس مسئلہ کا یہی مبنیٰ ہے اور اب انکارِ سماعِ موتی سے اسے کچھ علاقہ نہ رہا، کما لایخفی۔ اسی طرح
حضراتِ نجدیہ سے کہا جائے گا اگر آپ بھی احادیثِ صحیحہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لاکر سماعتِ میت
تسلیم کرتے ہیں، اگر اس وقتِ خاص ہی میں سہی، تو اب حکم ارشاد ہو، اگر کوئی بندہ مسلمان کسی عبدِ صالح کے
دفن ہوتے ہی فوراً اس سے استمداد و طلبِ دُعا کرے تو ابھی وُہ بربنائے انکار یعنی عدمِ سماع متحقق نہ ہو۔
ذرا جی کڑا کرکے اس وقتِ خاص ہی میں اجازت دے دیجئے۔

وخامساً کما اقول ایضاً موت کو تمام حواس وادراکات و دیگر اوصافِ حیات سے یکساں
نسبت ہے۔ معاذ اللہ اگر پتھر ہونا ٹھہرا تو سُننا، دیکھنا، سمجھنا، بولنا سب کا بطلان لازم۔ اور یہ حضرات کرام
خود فرما چکے کہ موت منافیِ فہم ہے۔ اب کیا جواب ہے اُن حدیثوں سے جو فصلِ اوّل و دوم و سوم میں گزریں، جن سے
ثابت کہ اموات ہمیشہ اپنے زائروں کو پہچانتی اور اُن سے اُنس حاصل کرتی اور اُن کے سلام کا جواب دیتی اور
اُن کی بے اعتدالیوں سے ایذا پاتی ہیں الٰی غیر ذٰلک من الامور المذکورۃ (امور مذکورہ جیسے
دیگر امور۔ ت) ـــــ بھلا یہاں تو مقدمہ سوال کی تخصیص نکلی تھی ان مقدمات میں کونسی خصوصیت
آئے گی۔

تنبیہ: میرا یہ سب کلام حقیقۃً اُن حضراتِ منکرین سے ہے جو عباراتِ علماء کے یہ معنی سمجھے، ورنہ فقیر
کے نزدیک اُن کے ارشاد کا وہ محلِ ممکن جو عقیدۂ اہلِ حق سے مخالف نہ ہو۔ مولوی صاحب اگر جوابِ فقیر میں اُن
عبارات کو یاد کریں گے اُس وقت اِن شاء اللہ تعالٰی وُہ تحقیق تدقیق انیق حاضر کروں گا، اور عجب نہیں کہ مقصد
سوم میں اس کی بعض کی طرف عود ہو۔ والعود احمد (اور عود کرنا اچھا ہے۔ ت) وباللہ سبحٰنہ و
تعالٰی التوفیق۔

حدیث (۴۶) صحیح بخاری شریف وغیرہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

اطلع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی اھل القلیب فقال وجدتم ما وعد ربکم حقا فقیل لہ تدعو امواتا فقال ما انتم باسمع منھم

یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چاہِ بدر پر تشریف لے گئے جس میں کفّار کی لاشیں پڑی تھیں۔ پھر فرمایا: تم نے پایا جو تمھارے رب نے تمھیں سچا وعدہ دیا تھا یعنی عذاب۔ کسی نے عرض کی: حضور مُردوں کو پکارتے

ولکن لا یجیبون[1] | ہیں۔ ارشاد فرمایا: تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سننے والے، پر وہ جواب نہیں دیتے۔

حدیث (۴۷) صحیح مسلم شریف میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یرینا مصارع اھل بدر وساق الحدیث الٰی ان قال فانطلق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی انتھی الیھم فقال یا فلان بن فلان و یا فلان بن فلان ھل وجدتم ما وعدکم اللہ و رسولہ حقا فانی قد وجدت ما وعدنی اللہ حقا قال عمر یا رسول اللہ کیف تکلم اجسادا لا ارواح فیھا قال ما انتم باسمع لما اقول منھم غیر انھم لا یستطیعون ان یردوا علیّ شیئا[2]

یعنی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمیں کفارِ بدر کی قتل گاہیں دکھاتے تھے کہ یہاں فلاں کافر قتل ہوگا اور یہاں فلاں۔ جہاں جہاں حضور نے بتایا تھا وہیں وہیں اُن کی لاشیں گریں۔ پھر بحکمِ حضور وہ جیفے ایک کنویں میں بھر دئے گئے۔ سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور نام بنام اُن کفار لیام کو اُن کا اور اُن کے باپ کا نام لے کر پکارا، اور فرمایا: تم نے بھی پایا جو سچا وعدہ خدا و رسول نے تمہیں دیا تھا کہ میں نے تو پالیا جو حق وعدہ اللہ تعالٰی نے مجھے دیا تھا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! حضور اُن جسموں سے کیونکر کلام کرتے ہیں جن میں روحیں نہیں۔ فرمایا: جو میں کہہ رہا ہوں اُسے کچھ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر انھیں یہ طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں۔

حدیث (۴۸) یونہی صحیح مسلم وغیرہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی اور اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تین دن بعد اس کنویں پر تشریف لے گئے اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جواب میں فرمایا:

والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم ولکنھم لا یقدرون ان یجیبوا[3]

قسم اس کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے میں جو فرما رہا ہوں اس کے سننے میں تم اور وہ برابر ہو مگر وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

---

[1] الصحیح للبخاری باب ماجاء فی عذاب القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۳

[2] و [3] صحیح مسلم باب مقعد المیت 〃 〃 〃 ۲/۳۸۷

حدیث (۴۹) یُوں ہی صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حدیث ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی[1]:

اما البخاری فساقہ بطولہ و اما مسلم فاحالہ علٰی حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	امام بخاری نے تو اسے تفصیل سے ذکر کیا مگر امام مسلم نے تفصیل حدیثِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے کی۔(ت)

حدیث (۵۰) طبرانی نے بسندِ صحیح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

یسمعون کما تسمعون ولکن لا یجیبون[2]۔	جیسا تم سُنتے ہو ویسا ہی وُہ بھی سُنتے ہیں مگر جواب نہیں دیتے۔

حدیث (۵۱) اسی طرح امام سلیمان بن احمد مذکور نے حدیث عبداللہ بن سیدان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

تنبیہ نبلیہ: ان چھ حدیثوں کے جواب میں جو کچھ کہا گیا تخصیص بے مخصص و دعوٰی بے دلیل سے زیادہ نہیں۔ مثلاً یہ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خاص اعجاز تھا، یا یہ امر صرف اُن کفار کے لیے اُن کی حسرت و ندامت بڑھانے کو واقع ہُوا حالانکہ اُن کی تخصیصوں پر اصلاً کوئی دلیل نہیں۔ ایسی گنجائش ملے تو ہر نص شرعی جیسی چاہیں مخصص ہوسکے، اور اُن سے بڑھ کر یہ رکیک تاویل ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ خطاب حقیقۃً اموات سے خطاب نہ تھا بلکہ زندوں کو عبرت و نصیحت تھا، حالانکہ نصِ حدیث اس کے رُد پر حجتِ کافیہ۔ حضورِ اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جواب میں صاف اُن کا سننا ارشاد فرمایا، نہ یہ کہ ہمارا یہ کلام صرف تنبیہِ احیاء کے لیے ہے۔ جیسے مرثیہ سیدنا امام حسین (رضی اللہ تعالٰی عنہ) میں کسی کا مصرع:

اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نماند

(اے آب! خاک ہو جا کہ تیری آبرو نہ رہی۔ت)

باقی اس کے متعلق تمام ابحاث فتح الباری وارشاد الساری وعمدۃ القاری شروح صحیح بخاری و

---

[1] الصحیح للبخاری باب ماجاء فی عذاب القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۳-۸۴
صحیح مسلم باب مقعد المیت " " " ۲/۳۸۷
[2] فتح الباری بحوالہ عبداللہ ابن سیدان باب قتل ابی جہل دارالکتب العلمیۃ بیروت ۸/۲۵۹

مرقاۃ و لمعات و اشعۃ اللمعات شروح مشکوٰۃ و مدارج النبوۃ وغیرہ صدہا تصانیف علماء میں طے ہوچکی ہیں، جن کی تفصیل موجبِ تطویل۔ مولوی صاحب اگر امور طے شدہ کی طرف پھر رجعت کریں تو ذرا کتبِ مذکورہ پر نظر کرکے تقریر وُہ فرمائی جائے جس میں ان کی تنقیحاتِ جلیلہ سے عُہدہ برآئی سمجھ لیں، اُس کے بعد ان شاء اللہ فقیر بھی وُہ شوارق ساطعہ و بوارق لامعہ حاضر کرے گا جو اس وقت میرے پیشِ نظر جولانیوں پر ہیں، اور شاید اُن میں سے چند حروف مقصد سوم میں استطراداً مذکور ہوں، و باللہ التوفیق۔

حدیث (۵۲) ابوالشیخ عبید بن مرزوق سے راوی:

كانت امرأة تقم المسجد فماتت فلم يعلم بها النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم فمر على قبرها فقال ما هذا القبر قالوا أم محجن، قال التي كانت تقم المسجد قالوا نعم فصف الناس فصلى عليها ثم قال اى العمل وجدت افضل قالوا يارسول الله أتسمع قال ما انتم باسمع منها فذكر انها أجابته قم المسجد[1]

یعنی ایک بی بی مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھیں اُن کا انتقال ہوگیا۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کسی نے خبر دی حضور اُن کی قبر پر گزرے۔ دریافت فرمایا: یہ قبر کیسی ہے؟ لوگوں نے عرض کی: اُم محجن کی۔ فرمایا: وہی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی؟ عرض کی: ہاں۔ حضور نے صف باندھ کر نماز پڑھائی پھر اُن بی بی کی طرف خطاب کرکے فرمایا: تُونے کون سا عمل افضل پایا؟ صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا وہ سنتی ہے؟ فرمایا: کچھ تم اس سے زیادہ نہیں سُنتے۔ پھر فرمایا: اس نے جواب دیا کہ مسجد میں جھاڑو دینی۔

حدیث (۵۳) طبرانی معجم کبیر و کتاب الدعا میں اور ابن مندہ اور امام ضیائی مقدسی کتاب الاحکام اور ابراہیم حربی کتاب اتباع الاموات اور ابوبکر غلام الخلال کتاب الشافی اور ابن زبیرہ وصایا العلماء عند الموت اور ابن شاہین کتاب ذکر الموت و دیگر علماء محدثین اپنی تصانیف حدیثیہ میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مات احد من اخوانكم فسويتم التراب على قبره فليقم احدكم على رأس قبره ثم ليقل يا فلان بن فلانة فانه يسمعه

جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی مرے اور اس کی قبر پر مٹی برابر کرچکو تم میں سے کوئی اس کے سرہانے کھڑا ہو اور فلان بن فلانہ[ع] کہہ کر پکارے کہ بیشک وُہ سُنے گا

ع یعنی اُسے اس کی ماں کی طرف نسبت کرکے مثلاً اے زید بن ہندہ، اور اگر ماں کا نام نہ معلوم ہو تو بن حوّا کہے کہ وُہ سب کی ماں ہیں، خود اسی حدیث میں نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ معنے مروی ۱۲ منہ (م)

[1] شرح الصدور بحوالہ ابو الشیخ باب معرفۃ المیت من یغسلہ خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۰

ولایجیب ثم یقول یا فلان بن فلانۃ فانہ یستوی قاعدا ثم یقول یا فلان بن فلانۃ فانہ یقول ارشدنا رحمک اللہ ولکن لا تشعرون، فلیقل اذکر ما خرجت علیہ من الدنیا شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وانک رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا وبالقراٰن اماما فان منکرا ونکیرا یاخذ کل واحد منھما بید صاحبہ ویقول انطلق بنا ما نقعد عند من قد لقن حجتہ[1] الحدیث۔

اور جواب نہ دے گا۔ دوبارہ پھر یونہی ندا کرے وہ سیدھا ہو بیٹھے گا۔ سہ بارہ پھر اسی طرح آواز دے، اب وہ جواب دے گا کہ ہمیں ارشاد کر اللہ تجھ پر رحم کرے۔ مگر تمھیں اس کے جواب کی خبر نہیں ہوتی۔ اس وقت کہے یاد کر وہ بات جس پر تو دنیا سے نکلا تھا گواہی اس کی کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور یہ کہ تو نے پسند کیا اللہ تعالٰی کو پروردگار اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نبی اور قرآن کو پیشوا۔ منکر و نکیر ہر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے چلو ہم کیا بیٹھیں اس کے پاس جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے۔

فائدہ: امام ابن الصلاح وغیرہ محدثین اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں:

اعتضد بشواھد وبعمل اھل الشام قدیما[2]۔ نقلہ العلامۃ ابن امیر الحاج فی الحلیۃ۔

یعنی اس کو دو وجہ سے قوت ہے، ایک تو احادیث اس کی مؤید، دوسرے زمانہ سلف سے علمائے شام اس پر عمل کرتے آئے (علامہ ابن امیر الحاج نے اسے حلیہ میں نقل کیا۔ ت)

اسی طرح امام نقاد الحدیث ضیائی مقدسی و امام خاتم الحفاظ حافظ الشان، ابوالفضل احمد بن حجر عسقلانی نے اس کی تقویت اور امام شمس الدین سخاوی نے اس کی تقریر فرمائی اور اس باب میں خاص ایک رسالہ تالیف فرمایا۔ امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر عمل کرنا علمائے شام سے نقل فرمایا، اور امام ابوبکر ابن العربی نے اہل مدینہ اور بعض دیگر علماء نے اہلِ قرطبہ وغیرہ سے اس کا عمل نقل کیا۔ میں کہتا ہوں یہ عمل زمانہ صحابہ و تابعین سے ہے حضرت ابوامامہ صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خود اپنے لیے تلقین کی وصیت فرمائی[3]،

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۹۷۹ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۸/ ۲۹۸-۹۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی حملھا ودفنھا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۸

[3] شرح الصدور باب ما یقال عند الدفن والتلقین خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۴

كما اخرجه ابن مندة من وجه اٰخر كما ذكره الامام السيوطی فی شرح الصدور **قلت** بل والطبرانی ايضاً علی ماساق لفظه البدر المحمود فی البناية شرح الهداية۔

جیسا کہ ابن مندہ نے دوسرے طریق سے اس کی روایت کی، اسے امام سیوطی نے شرح الصدور میں ذکر کیا ہے۔میں کہتا ہوں بلکہ طبرانی نے بھی اسے روایت کیا ہے، جیسا کہ علامہ بدرالدین محمود عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں اس کے الفاظ ذکر کیے ہیں (ت)

اور تین تابعیوں سے عنقریب منقول ہوگا کہ اسے مستحب کہا جاتا تھا۔ظاہر ہے اُن کی یہ نقل نہ ہوگی مگر صحابہ یا اکابر تابعین سے جواُن سے پہلے ہوئے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ۔علامہ ابن حجر مکی کی شرح مشکوٰۃ میں ہے: اعتضد بشواهد یرتقی بها الی درجة الحسن[1] (یہ حدیث بوجہ شواہد درجہ حسن تک ترقی کیے ہے) اسی طرح ذیل مجمع بحارالانوار میں تصریح کی کہ اُس نے شواہد سے قوت پائی۔ واللہ تعالٰی اعلم

حدیث (۵۴ تا ۵۶) امام سعید بن منصور شاگرد امام مالک واستاذ امام احمد اپنے سُنن میں راشد بن سعد[علہ] وضمرہ بن حبیب[عہ۲] وحکیم بن عمیر[عہ۳] سے راوی، ان سب نے فرمایا:

اذا سوی علی المیت قبرہ وانصرف الناس عنه کان یستحب ان یقال للمیت عند قبرہ یا فلان قل لا اله الا الله ثلث مرات یا فلان قل ربی الله ودینی الاسلام ونبیی محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔[2]

جب میت پر مٹی دے کر قبر درست کرچکیں اور لوگ واپس جائیں تو مستحب سمجھا جاتا تھا کہ مُردے سے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر کہا جائے: اے فلاں! کہہ لا الٰہ الا اللہ تین بار، اے فلاں! کہہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام اور میرے نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

وصل اٰخر من هذا الفصل: فصل پنجم کی حدیثوں نے جس طرح بحمد اللہ سماعِ موتٰی کی

علہ تابعی ثقہ رجال سُنن اربعہ سے ۱۲ منہ (م)
عہ۲ تابعی ثقہ رجال صحاح ستہ سے ۱۲ منہ (م)
عہ۳ تابعی صدوق رجال ابوداؤد وابن ماجہ سے ۱۲ منہ (م)

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۰۹
[2] شرح الصدور بحوالہ سنن سعید ابن منصور باب مایقال عند الدفن خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۴

تصریح فرمائی، یونہی اُن میں اکثر نے ثابت کر دکھایا کہ سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اہلِ قبور سے کلام صرف سلام پر مقتصر نہ تھا اور بدیہی ہے کہ جماد محض سے مخاطبہ وگفتگو معقول نہیں۔ لہذا ہم آخر فصل میں وہ بعض حدیثیں جن میں اجلۂ صحابہ کا اہلِ قبور سے سوائے سلام دیگر انواع کلام فرمانا مذکور، نقل کرکے مقصد ثانی کو ختم اور مقصد ثالث کی طرف ان شاء اللہ تعالیٰ تصمیم عزم کرتے ہیں، وباللہ التوفیق۔

حدیث (۵۷) ابن ماجہ بسند حسن صحیح عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فذکر الحدیث الی ان قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حیثما مررت بقبر مشرك فبشرہ بالنار، قال فاسلم الاعرابی بعد وقال لقد کلفنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعبا ما مررت بقبر کافر الا بشرتہ بالنار[1]

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے فرمایا: جہاں کسی مشرک کی قبر پر گزرے اُسے آگ کا مژدہ دینا ــــــ اس کے بعد وہ اعرابی مسلمان ہوگیا تو وہ صحابی فرماتے ہیں مجھے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس ارشاد سے ایک مشقت میں ڈالا، کسی کافر کی قبر پر میرا گزر نہ ہوا مگر یہ کہ اُسے آگ کا مژدہ دیا۔

ہر عاقل جانتا ہے کہ مژدہ دینا بے سماع وفہم محال، اور صحابی مخاطب نے ارشادِ اقدس کو معنی حقیقی پر حمل کیا، ولہذا عمر بھر اس پر عمل فرمایا فتبصر۔

حدیث (۵۸) ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

انہ مر بالبقیع فقال السلام علیکم یا اھل القبور اخبار ما عندنا ان نساءکم قد تزوجن ودیارکم قد سکنت واموالکم قد فرقت فاجابہ ھاتف یا عمر ابن الخطاب اخبار ما عندنا ان ما قدمناہ فقد وجدناہ وما انفقناہ فقد ربحناہ وما خلفناہ فقد

یعنی ایک بار امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقیع پر گزرے اہلِ قبور پر سلام کرکے فرمایا۔ ہمارے پاس کی خبریں یہ ہیں کہ تمہاری عورتوں نے نکاح کرلیے اور تمہارے گھروں میں اور لوگ بسے، تمہارے مال تقسیم ہوگئے۔ اس پر کسی نے جواب دیا: اے عمر بن الخطاب! ہمارے پاس کی خبریں یہ ہیں کہ ہم نے جو اعمال کیے تھے یہاں پائے اور

ع فائدہ: یہ حدیث طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ۱۲ منہ (م)

---

[1] سُنن ابن ماجہ باب ماجاء فی زیارۃ قبور المشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۴

خسرناہ ؎۱

جو راہِ خدا میں دیا تھا اس کا نفع اٹھایا اور جو پیچھے چھوڑا وہ ٹوٹے میں گیا۔

حدیث (۵۹) امام احمد تاریخ نیشاپور اور بیہقی اور ابن عساکر تاریخ دمشق میں سعید بن المسیب سے راوی:

قال دخلنا مقابر المدينة مع علي ابن ابي طالب فنادى يا اهل القبور السلام عليكم ورحمة الله تخبرونا باخباركم تريدون ان نخبركم قال فسمعت صوتا وعليك السلام ورحمة الله وبركاته يا امير المؤمنين اخبرنا عما كان بعدنا فقال علي رضي الله تعالى عنه اما ازواجكم فقد تزوجن واما اموالكم فقد اقتسمت والاولاد فقد حشروا في زمرة اليتامى والبناء الذي شيدتم فقد سكن اعداءكم فهذه اخبار ما عندنا فما عندكم فاجابه ميت فقد تخرقت الاكفان وانتثرت الشعور وتقطعت الجلود وسالت الاحداق على الخدود وسالت مناخير بالقيح والصديد وما قدمناه ربحناه وما خلفناه خسرناه ونحن مرتهنون بالاعمال ؎۲

یعنی ہم مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ہمرکاب مقابر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے، حضرت مولا علی نے اہلِ قبر پر سلام کرکے فرمایا: تم ہمیں اپنی خبریں بتاؤ گے یا یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہیں خبر دیں؟ سعید بن مسیب فرماتے ہیں: میں نے آواز سنی کسی نے حضرت مولیٰ کو جوابِ سلام دے کر عرض کی: یا امیر المومنین! آپ بتائیے ہمارے بعد کیا گزری؟ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تمہاری عورتوں نے تو نکاح کرلیے، اور تمہارے مال سو وہ بٹ گئے، اور اولاد یتیموں کے گروہ میں اٹھی، اور وہ تعمیر جس کا تم نے استحکام کیا تھا اس میں تمہارے دشمن بسے، ہمارے پاس کی خبریں تو یہ ہیں اب تمہارے پاس کیا خبر ہے؟ ایک مردے نے عرض کی کہ کفن پھٹ گئے، بال جھڑ پڑے، کھالوں کے پرزے پرزے ہوگئے، آنکھوں کے ڈھیلے بہہ کر گالوں تک آئے، نتھنوں سے پیپ اور گندا پانی جاری ہے اور جو آگے بھیجا تھا اس کا نفع ملا اور جو پیچھے چھوڑا اس کا خسارہ ہوا اور اپنے اعمال میں محبوس ہیں۔

وحسبنا الله ونعم الوكيل ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم ۞ سبحن من تفرد بالبقاء وقهر عباده بالموت سبحان

ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے، طاقت و قوت نہیں مگر عظمت و بلندی والے خدا سے۔ پاک ہے وہ جو اکیلا باقی رہنے والا ہے، اور اپنے

؎۱ شرح الصدور بحوالہ کتاب القبور لابن ابی الدنیا باب زیارۃ القبور خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۷

؎۲ " " تاریخ ابن عساکر " " " " " "

الحی الذی لایموت ابدا وھو الغفور الرحیم۔ بندوں کو موت کے تابع فرمان کر دیا ہے، پاک ہے وہ حیات والا جسے کبھی موت نہیں، اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ (ت)

تنبیہ: جن صاحبوں نے جواب حدیث چہلم میں اس خطاب جناب ولایت مآب کرم اللہ وجہہ کو محض وعظ و تنبیہ احیاء کے لیے قرار دیا کما نقلہ فی مائۃ مسائل[1] (جیسا کہ مائۃ مسائل میں اسے نقل کیا گیا۔ ت) غالباً انھوں نے پوری حدیث ملاحظہ نہ فرمائی ورنہ اس کے لفظ اول سے آخر تک پکار رہے ہیں کہ یہاں حقیقۃً اموات ہی سے خطاب مقصود تھا۔ اسی قدر کو دیکھ لیجیے کہ جناب مولا نے ابتداءً یہ لفظ ارشاد نہ کیے بلکہ اول اُن سے استفسار فرمایا کہ پہلے تم اپنی خبریں بتاؤ گے یا ہم شروع کریں۔ کہئے بے ارادہ خطاب حقیقی اس دریافت کرنے اور اختیار دینے کے کیا معنے تھے، پھر اُن کی درخواست پر حضرت نے اخبار دنیا ارشاد فرما کر اُنھیں حکم دیا: اب تم اپنی خبریں بتاؤ۔ چنانچہ اُنھوں نے عرض کیں۔ پھر مخاطبہ حقیقی میں کیا شک ہے! واللہ الموفق۔

حدیث (۶۰) ابن عساکر نے ایک حدیث طویل روایت کی جس کا حاصل یہ ہے کہ عہد معدلت مہد فاروقی میں ایک جوان عابد تھا، امیر المومنین اس سے بہت خوش تھے، دن بھر مسجد میں رہتا، بعد عشاء باپ کے پاس جاتا، راہ میں ایک عورت کا مکان تھا اُس پر عاشق ہوگئی، ہمیشہ اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی، جوان نظر نہ فرماتا، ایک شب قدم نے لغزش کی، ساتھ ہولیا، دروازے تک گیا، جب اندر جانا چاہا خدا یاد آیا اور بے ساختہ یہ آیہ کریمہ زبان سے نکلی:

ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطن تذکروا فاذا ھم مبصرون[2]۔ ڈر والوں کو جب کوئی جھپٹ شیطان کی پہنچتی ہے خدا کو یاد کرتے ہیں اُسی وقت اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

آیت پڑھتے ہی غش کھا کر گرا۔ عورت نے اپنی کنیز کے ساتھ اُٹھا کر اُس کے دروازے پر ڈال۔ باپ منتظر تھا۔ آنے میں دیر ہوئی، دیکھنے نکلا، دروازے پر بیہوش پڑا پایا، گھر والوں کو بُلا کر اندر اُٹھوایا، رات گئے ہوش آیا، باپ نے حال پُوچھا، کہا خیر ہے، کہا بتا دے، ناچار قصّہ کہا۔ باپ بولا جانِ پدر! وہ آیت کون سی ہے؟ جوان نے پھر پڑھی، پڑھتے ہی غش آیا، جنبش دی، مُردہ پایا۔ رات ہی کو نہلا کفنا کر دفن کر دیا۔ صبح کو امیر المومنین نے خبر پائی باپ سے تعزیت اور خبر نہ دینے کی شکایت فرمائی۔ عرض کی: یا امیر المومنین! رات تھی۔ پھر امیر المومنین ہمراہیوں

---

[1] مائۃ مسائل مسئلہ بست و ششم مکتبہ توحید و سنت پشاور ص ۵۴
[2] القرآن ۷/ ۲۰۱

کو لے کر قبر پر تشریف لے گئے ــــ آگے لفظِ حدیث یُوں ہیں :

فقال عمر یافلان ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن، فاجابہ الفتی من داخل القبر یاعمر قد اعطانیھا ربی فی الجنۃ مرتین[1]

یعنی امیرالمومنین نے جوان کا نام لے کر فرمایا: اے فلان! جو اپنے رب کے پاس کھڑے ہونے کا ڈر کرے اس کے لیے دو باغ ہیں۔ جوان نے قبر میں سے آواز دی: اے عمر! مجھے میرے رب نے یہ دولت عظمٰی جنت میں دو بار عطا فرمائی۔

نسأل اللہ الجنۃ لہ الفضل والمنۃ وصلی اللہ تعالٰی علی نبی الانس والجنۃ واٰلہ وصحبہ واصحاب السنۃ اٰمین اٰمین اٰمین!

ہم اللہ سے جنت کے خواستگار ہیں، اسی کے لیے فضل و احسان ہے، اور خدائے برتر کا درود و سلام ہو انس و جن کے نبی اور اُن کی آل و اصحاب اور اہلِ سنّت پر۔ الٰہی! قبول فرما، قبول فرما، قبول فرما! (ت)

المقصد الثالث فی اقوال العُلماء

(مقصدِ سوم عُلماء کے اقوال میں)

قال الفقیر محرر السطور غفرلہ المولی الغفور اس مسئلہ میں ہمارے مذہب کی تصریح و تلویح و تنقیص و تلمیح و تائید و ترجیح و تسلیم و تصحیح میں ارشادات متکاثرہ و اقوال متواترہ ہیں۔ حضراتِ عالیہ صحابہ کرام و تابعین فخام و اتباع اعلام و مجتہدینِ اسلام و سلف و خلف علمائے عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین وحشرنا فی زمرتھم یوم الدین اٰمین (اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو اور ہمیں روزِ قیامت اُن کے زمرے میں اُٹھائے۔ الٰہی قبول فرما! ۔ ت) فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی اگر بقدرِ قدرت اُن کے حصر و استقصار کا ارادہ کرے موجز عجالہ حدِ مجلد سے گزرے، لہٰذا اوّلاً صرف ننّو ائمہ دین و علماء کاملین کے اسماء طیبہ شمار کرتا ہوں جن کے اقوال اس وقت میرے پیشِ نظر اور اس رسالہ کے فصول و مقاصد میں جلوہ گر وفضل اللہ سبحانہ اوسع و اکثر (اور اللہ سبحانہ کا فضل اور زیادہ وسیع و فزوں تر ہے۔ ت) پھر دس نام اُن عالموں کے بھی حاضر کروں گا جن پر اعتماد میں مخالف مضطر وھذا لدیھم ادھی وامر والحمد للہ العلی الاکبر (اور یہ ان کے نزدیک زیادہ سخت اور تلخ ہے، اور سب خُوبیاں بلندی و کبریائی والے خدا ہی کے لئے ہیں۔ ت)

فمن الصّحابۃ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین: (۱) امیرالمومنین عمر فاروق اعظم

---

[1] کنزالعمال بحوالہ ک حدیث ۴۴۳۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/۵۱۶-۵۱۷

(۲) امیر المومنین علی مرتضٰے (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود
(۴) حضرت سلمان فارسی (۵) عمرو بن عاص
(۶) عبداللہ بن عمر (۷) ابوھریرہ
(۸) عبداللہ بن عمرو (۹) عقبہ بن عامر
(۱۰) ابو امامہ باہلی
(۱۱) صحابی اعرابی صاحب حدیث جیشما مررت وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

اور میں اُن کے سوا اُن صحابہ کرام کے نام یہاں شمار نہیں کرتا جنھوں نے سماع و ادراکِ موتٰی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے روایت کیا یا حضور کی زبان پاک سے سُنا مثل عبداللہ بن عباس وانس بن مالک و ابوزرین وبراء بن عازب و ابوطلحہ وعمارہ بن حزم و ابوسعید خدری و عبداللہ بن سیدان وام سلمہ وقیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ تعالٰے عنہم اگرچہ معلوم کہ ارشادِ والا حضورِ اعلٰے صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سُن کر اُن کے خلاف پر اعتقاد حضرات صحابہ سے معقول نہیں، نہ مقام مقام احکام کہ احتمال خلاف بعلم ناسخ ہو۔ تاہم جب قصد استیعاب نہیں تو اُنھیں پر اقتصار جن کے خود اقوال وافعال دلیلِ مسئلہ ہیں، وباللہ التوفیق۔

ومن التابعین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین: (۱۲) مجاہد مکی (۱۳) عمرو بن دینار (۱۴) بکر مزنی (۱۵) ابن ابی لیلٰی (۱۶) قاسم بن مخیمرہ (۱۷) راشد بن سعد (۱۸) ضمرہ بن حبیب (۱۹) حکیم بن عمیر (۲۰) علاء بن لجلاج (۲۱) بلال بن سعد (۲۲) محمد بن واسع (۲۳) اُم الدرداء وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰے۔

ومن تبع تابعین لطف اللہ بھم یوم الدین: (۲۴) عالم قریش سیدنا ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی (۲۵) عالم کوفہ فقیہ مجتہد امام سفیان (۲۶) عبدالرحمٰن بن العلاء وغیرہم روح اللہ تعالٰے ارواحہم۔

ومن اعاظم السلف واکارم الخلف نور اللہ تعالٰی مراقدھم: (۲۷) عالم اہلبیتِ رسالت حضرت امام علی بن موسٰی بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی و بتول بنتِ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وبارک وسلّم (۲۸) امام اجل عارف باللہ محمد بن علی حکیم ترمذی (۲۹) امام محدث جلیل کبیر اسمٰعیلی (۳۰) امام فقیہ عابد وزاہد احمد بن عصمہ ابوالقاسم صفار حنفی بدو واسطہ شاگرد امام ابو یوسف وامام محمد رحمہم اللہ تعالٰے (۳۱) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی (۳۲) امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر مالکی۔ (۳۳) امام ابوالفضل محمد بن محمد بن احمد حاکم شہید حنفی صاحبِ کافی (۳۴) امام ابوالفضل قاضی عیاض یحصبی مالکی (۳۵) امام حجۃ الاسلام مرشد الانام ابوحامد محمد محمد محمد غزالی (۳۶) امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن

فرح قرطبی صاحب تذکرہ (۳۷) امام[11] شمس الائمہ حلوانی حنفی (۳۸) امام[12] عارف باللہ فقیہ زاہد (۳۹) امام[13] محدث محی الدین طبری شافعی (۴۰) امام[14] ربانی سیدنا علاء الدین سمنانی (۴۱) امام[15] ابوالمحاسن حسن بن علی ظہیر الدین کبیر مرغینانی حنفی اُستاذِ امام قاضی خاں و صاحبِ خلاصہ (۴۲) بعض[16] اساتذہ امام شیخ الاسلام علی بن ابی بکر برہان الدین فرغانی حنفی صاحب التجنیس والمزید (۴۳) امام[17] فقیہ النفس قاضی حسن بن منصور فرغانی اوزجندی حنفی (۴۴) امام[18] ابوذکریا یحیٰی بن شرف نووی شافعی شارح صحیح مسلم (۴۵) امام[19] فخر الدین محمد رازی شافعی (۴۶) امام[20] سعد الدین تفتازانی مصنف و شارح مقاصد (۴۷) امام[21] ابوسلیمٰن احمد بن ابراہیم خطابی (۴۸) امام[22] ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد سہیلی صاحب الروض (۴۹) امام[23] عمر بن محمد بن عمر جلال الدین خبازی حنفی صاحب فتاوٰی خبازیہ (۵۰) صاحب[24] عباب حنفی تلمیذ امام اجل قاضی خاں (۵۱) علامہ[25] محمود بن محمد لولوی بخاری حنفی صاحب حقائق شرح منظومہ نسفیہ تلمیذ التلمیذ امام شمس الائمہ کردری (۵۲) سیدی[26] یوسف بن عمر صوفی حنفی صاحب مضمرات (۵۳) امام[27] عارف باللہ صدر الدین قونوی (۵۴) امام[28] شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی حنفی (۵۵) امام[29] ملک العلماء عز الدین بن عبدالسلام شافعی (۵۶) امام[30] محدث زین الدین مراغی (۵۷) امام[31] ابوعبداللہ محمد بن احمد بن علی بن جابر اندلسی (۵۸) قاضی[32] ناصر الدین بیضاوی شافعی صاحب تفسیر (۵۹) امام[33] ابوعبداللہ ابن النعمان صاحب سفینۃ النجاہ لاہل الالتجاء فی کرامات الشیخ ابی النجاء (۶۰) امام[34] عارف باللہ عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی صاحب روض الریاحین (۶۱) امام[35] علامہ سید الحفاظ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی صاحب فتح الباری شرح صحیح بخاری (۶۲) امام[36] شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی حنفی صاحب کواکب الدراری شرح صحیح بخاری (۶۳) امام[37] علامہ تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی شافعی صاحب شفاء السقام (۶۴) امام[38] شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی شافعی صاحب ارتیاح الاکباد بفقد الاولاد (۶۵) امام[39] خاتم الحفاظ مجدد المائۃ التاسعہ ابوالفضل جلال الدین بن عبدالرحمٰن سیوطی صاحب شرح الصدور و بدور سافرہ و انیس الغریب و زہر الربی شرح سنن نسائی وغیرہ (۶۶) امام[40] علامہ محمد بن احمد خطیب قسطلانی شافعی صاحب مواہب لدنیہ و ارشاد الساری شرح صحیح بخاری (۶۷) امام[41] شہاب الدین رملی انصاری شافعی (۶۸) سیدی[42] ولی اللہ احمد زروق (۶۹) سید[43] عارف باللہ ابوالعباس حضرمی (۷۰) امام[44] احمد بن محمد ابن حجر مکی شافعی شارح مشکوٰۃ (۷۱) محقق[45] علامہ محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حنفی صاحب حلیہ شرح منیہ (۷۲) امام[46] محمد عبدری مکی مالکی (۷۳) امام[47] صدر کبیر حسام الدین شہید عمر بن عبدالعزیز صاحب فتاوٰی کبرٰی حنفی (۷۴) امام[48] محمد بن محمد بن شہاب الدین بزازی حنفی صاحب بزازیہ (۷۵) علامہ[49] نور الدین سمہودی شافعی صاحب خلاصۃ الوفاء فی اخبار دار المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (۷۶) علامہ[50] رحمۃ اللہ سندی حنفی صاحب مناسک ثلثہ (۷۷) علامہ[51] نور الدین علی

بن ابراہیم بن احمد حلبی شافعی صاحب سیرۃ انسان العیون (۷۸) امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی شافعی صاحب میزان الشریعۃ الکبرٰی (۷۹) علامہ محمد بن یوسف شامی صاحب سبل الہدٰی والرشاد فی سیرۃ خیرالعباد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (۸۰) علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی صاحب شرح مواہب (۸۱) علامہ عبدالرؤف محمد مناوی صاحب تیسیر شرح جامع صغیر (۸۲) امام ابوبکر بن محمد بن علی حدادی حنفی صاحب جوہرہ نیرہ شرح قدوری (۸۳) علامہ ابراہیم بن محمد ابراہیم حلبی حنفی صاحب غنیہ شرح منیہ (۸۴) فاضل علی بن سلطان محمد قاری مکی حنفی صاحب مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (۸۵) علامہ محمد بن احمد حموی حنفی استاذ محقق شرنبلالی (۸۶) علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار مصری شرنبلالی حنفی صاحب نورالایضاح وامداد الفتاح ومراقی الفلاح (۸۷) علامہ خیرالدین رملی حنفی صاحب فتاوٰی خیریہ، استاذ صاحب درمختار (۸۸) فاضل مدقق محمد بن علی دمشقی حصکفی شارح تنویر (۸۹) سیدی عارف باللہ عبدالغنی بن اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی حنفی صاحب حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ (۹۰) سید علامہ ابوالسعود محمد حنفی (۹۱) مولانا عارف باللہ نورالدین جامی حنفی صاحب نفحات (۹۲) شیخ محقق برکۃ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الہند مولانا عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی حنفی صاحب لمعات واشعۃ اللمعات وجامع البرکات وجذب القلوب ومدارج النبوۃ (۹۳) فاضل محدث مولٰنا محمد طاہر فتنی احمد آبادی حنفی صاحب مجمع بحارالانوار (۹۴) فاضل شیخ الاسلام دہلوی حنفی صاحب کشف الغطاء (۹۵) مولٰنا شیخ جلیل نظام الدین وغیرہ جامعان فتاوٰی عالمگیری حنفیان (۹۶) بحرالعلوم ملک العلماء مولانا ابوالعیاش محمد بن عبدالعلی لکھنوی حنفی (۹۷) خاتمۃ المحققین علامہ غنیمی حنفی (۹۸) فاضل سید احمد مصری طحطاوی حنفی (۹۹) سیدی امین الدین محمد شامی حنفی محشیان شرح علائی (۱۰۰) سیدی جمال بن عبداللہ بن عمر مکی حنفی وغیرہم برد اللہ تعالٰی مضاجعہم۔

تنبیہ: فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے ان ائمہ سلف وعلمائے خلف سے صرف اُنھی اکابر کے اسمائے طیبہ گنے جن کے کلام میں خاص سماع وادراک وعلم وشعورِ اہلِ قبور کے نصوصِ قاہرہ یا دلائل باہرہ ہیں۔ پھر اُن میں بھی حصر واستیعاب کا قصد نہ کیا کہ اس کی راہ میں بلاد شاسعہ وبراری واسعہ وجبال شاہقہ وبحار زاخرہ ہیں، بلکہ حاشا وہ بھی بالتمام[ع] ذکر نہ کیے جن کے اقوال ہدایت اشتمال اس وقت میرے سامنے جلوہ فرما و

ع قولہ وُہ بھی بالتمام ذکر نہ کیے، اقول اس دعوٰی کی صحت پر خود یہی رسالہ دلیل کافی ہے، ناظر اول تا آخر اس کے مقامات کو مطالعہ کرے گا تو ائمہ مذکورین کے سوا بہت علماء ومشائخ کے اسماء دیکھے گا۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

متیسر حالت حاضرہ ہیں۔ فتلك مائة كاملة فيهم وفاء لقلوب عاقلة (یہ کل سو ہیں جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں اتمامِ کلام کو اُن کے نام بھی شمار کرتا اور عدد کو پونے دوسو ۱۷۵ نام تک پہنچاتا ہوں۔ متن میں سو ائمہ سلف و خلف اور دس معتمدین مخالف کے اسماء گنائے کہ سب ایک سو دس ہوئے۔ آگے چلئے من الصحابة والتابعين واتباعهم: (۱۱۱) حضرت عبداللہ بن سلام (۱۱۲) حضرت ام المومنین صدیقہ (۱۱۳) حضرت امام زین العابدین علی بن حسین بن علی مرتضٰے (۱۱۴) حضرت امام حسن مثنّٰی ابن حسن مجتبٰی ابن مولٰے مشکلکشا صلے اللہ تعالٰے علٰی سیّدہم وبارک وسلم دائماً ابداً (۱۱۵) افضل التابعین امام سعید بن المسیّب (۱۱۶) حبان بن ابی جبلہ (۱۱۷) ابن مینا (۱۱۸) ابو قلابہ بصری (۱۱۹) سلیم بن عمیر (۱۲۰) عبداللہ بن ابن نجیح مکی من العلماء والاولیاء من کلا النوعین المذکورین فی المتن (۱۲۱) امام محدث مفسر مجتہد ابن جریر طبری (۱۲۲) امام محدث اجل ابو محمد عبدالحق صاحبِ احکامِ کبرٰی و احکامِ صغرٰی (۱۲۳) امام ابو عمرو بن الصلاح محدث (۱۲۴) امام قاضی مجدالشریعۃ کرمانی (۱۲۵) امام اجل ابوالبرکات عبداللہ نسفی صاحب تصانیفِ مشہورہ (۱۲۶) امام علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی صاحبِ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری (۱۲۷) علامہ ابن ملک شارح مشارق الانوار (۱۲۸) علامہ فضل اللہ بن الغوری حنفی (۱۲۹) امام فخرالدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی صاحبِ تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق (۱۳۰) محمد بن محمد حافظ بخاری صاحبِ فصل الخطاب (۱۳۱) امام شہاب الدین شارح منہاج استاذ الاستاذ ابن حجر مکی (۱۳۲) حضرت سیدی علی قرشی قدس سرہ العرشی (۱۳۳) امام جلیل نورالدین ابوالحسن علی مصنف بہجۃ الاسرار (۱۳۴) امام مجدالدین عبداللہ بن محمود موصلی حنفی صاحبِ مختار و اختیار (۱۳۵) صاحبِ مطالب المومنین (۱۳۶) صاحبِ خزانۃ الروایات (۱۳۷) صاحبِ کنز العباد، ہر سہ از مستندان متکلمین طائفہ (۱۳۸) علامہ جہوری صاحبِ تصانیفِ کثیرہ (۱۳۹) علامہ زیادی (۱۴۰) علامہ داؤدی شارح منہج (۱۴۱) علامہ حلبی محشی صاحبِ دُرمختار (۱۴۲) شیخ احمد نخلی (۱۴۳) شیخ احمد شناوی (۱۴۴) شیخ احمد قشاشی (۱۴۵) مولانا ابراہیم کردی استاذ الاستاذ شاہ ولی اللہ صاحب (۱۴۶) مولنا ابوطاہر مدنی خاص استاذ شاہ ولی اللہ (۱۴۷) مولانا محمد بن حسین کبتی حنفی مکی (۱۴۸) مولانا حسین بن ابراہیم مالکی مکی (۱۴۹) حضرت مولنا شیخ الحرم احمد بن دحلان شافعی مکی مصنف سیرت نبویہ و ردِ وہابیہ وغیرہما تصانیف علیہ (۱۵۰) مولانا محمد بن محمد غرب شافعی مدنی (۱۵۱) مولنا عبدالجبار حنبلی بصری مدنی (۱۵۲) مولنا ابراہیم بن خیار شافعی مدنی (۱۵۳) عبد صالح ہاشم بن محمد (۱۵۴) اُن کے والد ماجد محمد عمری مدنی (باقی برصفحہ آئندہ)

اصحابِ فہم کے لیے کافی ہیں۔ت) ؎

اولئك ساداتی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع[1]

(یہ ہیں میرے سردار، پس تو ان کی مثل پیش کر، اے جریر! جب محفلیں ہم سب کو اکٹھا کریں)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(۱۵۵) حضرت سیدی ابویزید بسطامی (۱۵۶) حضرت سیدی ابوالحسن خرقانی (۱۵۷) حضرت سیدی ابوعلی فارمدی (۱۵۸) حضرت سیدی ابوسعید خراز (۱۵۹) حضرت استاد امام ابوالقاسم قشیری۔ (۱۶۰) حضرت عارف باللہ سیدی ابی علی (۱۶۱) حضرت سیدی ابراہیم بن شیبان (۱۶۲) حضرت سیدی ابویعقوب (۱۶۳) حضرت سیدی علی خواص شیخ امام شعرانی (۱۶۴) حضرت میر ابوالعلے اکبر آبادی سردار سلسلہ نقشبندیہ ابوالعلائیہ (۱۶۵) شاہ محمد غوث گوالیاری صاحبِ جواہرِ خمسہ (۱۶۶) مولانا وجیہ الدین علوی شیخ حضرت مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی (۱۶۷) حضرت سید صبغۃ اللہ بروجی (۱۶۸) شیخ بایزید ثانی (۱۶۹) مولٰنا عبدالملک (۱۷۰) شیخ اشرف لاہوری (۱۷۱) شیخ محمد سعید لاہوری کہ ساتوں صاحب مشائخ شاہ ولی اللہ سے ہیں۔ (۱۷۲) جناب شیخ مجدد الف ثانی (۱۷۳) شیخ عبدالاحد پیر سلسلہ مجددیہ (۱۷۴) شیخ ابوالرضا محمد جدِ شاہ ولی اللہ (۱۷۵) سید احمد بریلوی پیر میاں اسمٰعیل دہلوی کہ صراطِ مستقیم جن کی ملفوظات قرار دی گئی۔

یہ مجموعہ پونے دوسو ۱۷۵ ہوا من بعضھم التصریح البیان ومن بعضھم افادۃ البرھان ومن بعضھم التقریر والاذعان ولبعضھم لیس الخبر کالعیان والحمد للہ فی کل حین واٰن (بعض کا صریح بیان ہے، بعض کی جانب سے افادہ برہان ہے، بعض سے تقریر اور اذعان ہے، اور بعض کا حال یہ ہے کہ خبر مشاہدے کی طرح نہیں، اور اللہ ہی کی حمد ہے ہر وقت اور ہر آن۔ت) اور ہنوز اس کتاب میں اور باقی ہیں اور حصر و استیعاب کی طرف راہ کیا ہے بلکہ استقصائے تام قدرت خامہ ووسعت کاغذ کے ورا آخر نوعِ اول مقصد سوم میں ارشادان علماء سے مذکور ہوگا کہ علم وسمع وبصرِ موتی پر تمام اہلسنّت وجماعت کا اجماع ہے، تو آج تک جس قدر عمائدِ اہلسنّت گزرے سب کے نام اسی فہرست میں اندراج کے قابل، پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کے لاکھ ہے، والحمد للہ رب العٰلمین۔ اور لُطف یہ کہ ان مذکورین میں گنگوہی کے بعض ایسے ہیں جن کے دو ایک ظواہر کلمات سے وہابیہ اس مسئلہ میں استناد کرتے اور انھیں کے باقی اقوال کو پس پشت ڈال کر مقامِ تحقیق ومرامِ توفیق ونظامِ تطبیق اور موافق ومباین جمہور کی تفریق سے محض غافل یا اغوائے عوام کو متغافل گزرتے ہیں واللہ یھدی من یشاء الی صراط المستقیم (اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔ت) ۱۲ منہ دامت فیوضہ (م)

---

[1] مختصر المعانی تعریف المسند الیہ بالاشارۃ المکتبۃ الفاروقیہ ملتان ص ۱۱۱

والحمد للّٰہ اولاً واٰخراً وباطناً وظاہراً اتمام الکلام بمسلک الالزام (اول، آخر، ظاہر، باطن میں اللہ تعالٰی کی حمد ہے، الزام کے رنگ میں کلام تمام کیا جارہا ہے۔ ت)

اب انھیں لیجئے جن پر اعتماد مخالف کو ضرور: (۱) شاہ ولی اللہ صاحب (۲) ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب (۳) اُن کے فرزند ارجمند مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب (۴) ان کے برادر نامور مولٰنا شاہ عبدالقادر صاحب (۵) ان کے گورو ممدوح جناب میرزا مظہر جانجاناں (۶) اُن کے مرید رشید قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی، (۷) مولوی اسحاق صاحب دہلوی (۸) اُن کے شاگرد نواب قطب الدین خاں دہلوی (۹) مولوی خرم علی صاحب بلہوری تجاوز اللّٰہ عنا وعن کل من صح ایمانہ فی النشاتین ورحم کل من یشھد صدقا بالشہادتین (اللہ درگزر فرمائے ہم سے اور ہر اُس شخص سے جس کا ایمان دونوں نشأتوں میں صحیح ہے اور اُن سب پر رحم فرمائے جو سچائی سے دونوں شہادتوں کی گواہی دینے والے ہیں۔ ت) (۱۰) ان سب سے قوی مجتہد نو میاں اسمٰعیل دہلوی واللّٰہ الھادی الی منہج السوی وھو المستعان علٰی کل غوی ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ الغالب العلی (اور خدا ہی راہِ راست کی ہدایت دینے والا ہے اور اسی سے ہر گمراہ کے خلاف استعانت ہے اور کوئی طاقت وقوت نہیں مگر خدائے غالب و برتر سے۔ ت)

واضح ہو کہ ارشادات علیہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین مقصدِ احادیث میں مذکور ہوئے کہ حدیث[۱] اصطلاحِ محدثین میں اُنھیں بھی شامل، مہذا امورِ قبر واحوالِ ارواح نقارہ میں رائے کو دخل نہیں تو یہاں[۲] موقوف

---

[۱] علامہ سید شریف رحمہ اللہ تعالٰی مقدمہ مصطلحات الحدیث میں فرماتے ہیں:

الحدیث اعم من انیکون قول الرسول صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم والصحابی والتابعی وفعلھم وتقریرھم۔

حدیث رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابی و تابعی سب کے قول، فعل اور تقریر کو شامل ہے۔ (ت)

[۲] امام علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنی ارجوزہ مسمّٰی بالتثبیت عند التبییت میں فرماتے ہیں:

یکرر السوال للانام ؛ فی ماروا فی سبعۃ ایام ؛ کذا رواہ احمد بن حنبل ؛ فی الزھد عن طاؤس الحبر العلی ؛ وحکمہ الرفع کما

(۱) روایت محدثین کے مطابق مخلوق سے سوال سات دنوں کے اندر مکرر ہوگا (۲) امام احمد بن حنبل نے زہد میں متبحر بلند رتبہ تابعی امام طاؤس سے ایسا ہی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

بھی مرفوع میں داخل۔ ہاں بعض اقوال تابعین مثل بلال بن سعد اس مقصد سوم میں مذکور ہُوئے اور اس کی وجہ اقوال باب سے مناسبت، جس طرح مثلاً امام سفیان کا قول، ایسے ہی تناسب کے سبب اقوال تابعین کے ساتھ منقول ہُوا۔ اب بقیہ حضرات کے کلماتِ طیبات و اقوال و تصریحات اگر بوجہ استیعاب لکھیے پھر دفتر ہوتا ہے۔ لہذا صرف تین سَو قول پر اقتصار کرتا ہُوں۔ علمائے صنفِ اول کے دو۲۰۰سَو اور اہلِ صنفِ دوم کے سَو کہ دیدۂ انصاف صاف ہو تو اتنے کیا کم ہیں ع

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

(اگر خانۂ عقل میں شعور ہو تو اشارہ ہی کافی ہے)

تنبیہ: عدّتِ قول جدّتِ مقول یا تعددِ مقول سے ہے، ابتداءً خواہ تقریراً اور درصورت اخیر ہر عالم کی عبارت جُدا جُدا لکھنا باعثِ طول۔ لہذا انھیں ایک ہی سُرخی میں گن کر اسامی علماء پر ہندسہ لگا دیا جائے گا۔ یہ مقصد بھی مثل اپنے دو برادر پیشیں کے دو نوع پر منقسم واللہ سبحٰنہ ھوالموفق للحق و الصواب فی کل مھم (اور خدائے پاک ہی ہر مہم میں حق و ثواب کی توفیق دینے والا ہے۔ ت)

نوعِ اوّل اقوالِ علماءِ سلف و خلف میں، ایک تمہید اور پندرہ فصل پر مشتمل۔

تمہید اس میں کہ رُوحیں موت سے نہیں مرتیں۔

(۱) ابنِ عساکر تاریخ دمشق میں امام محمد بن وضاح سے راوی، امام اجل سحنون بن سعید قدس سرہٗ سے کہا گیا ایک شخص کہتا ہے بدن کے مرنے سے روح بھی مرجاتی ہے۔ فرمایا: معاذ اللہ ھذا من قول اھل البدع[1] خدا کی پناہ یہ بدعتیوں کا قول ہے۔

(۲) امام ابن امیر الحاج خاتمہ حلیہ میں دربارۂ فوائدِ غسلِ میّت فرماتے ہیں:

اذا اعتق المولی بتطھیر جسد یلقی فی التراب یعنی جب بندہ دیکھے گا کہ مولیٰ تبارک و تعالےٰ نے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

قد قالوا: اذ لیس للرأی فیہ مجال: ولیس للقیاس فی ذا الباب: من مدخل عند ذوی الالباب: وانما التسلیم فیہ اللائق: والانقیاد حیث أنبأ الصادق۔ ۱۲ منہ (م)

روایت کیا ہے (۳) وُہ حسبِ ارشادِ علماء مرفوع کے حکم میں ہے، اس لیے کہ اس بارے میں رائے کا گزر نہیں (۴) اور قیاس کا اس باب میں اربابِ عقول کے نزدیک کوئی دخل نہیں (۵) جب صادق نے خبر دی ہے تو اس میں تسلیم و قبول اور تابعداری ہی مناسب ہے۔ (ت)

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۷۲۰۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵۹ / ۱۰۶

تنبه العبد الی تطهیر ما ھو باق وھو النفس فانہ لا یفنی عند اھل السنۃ والجماعۃ[1]

ہم پر اس بدن کی تطہیر فرض کی جو خاک میں ڈالا جائیگا تو متنبہ ہوگا کہ اس کی تطہیر اور بھی ضرور ہے جو باقی رہنے والا ہے یعنی روح کہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک فنا نہیں ہوتی۔

(۳) امام عز الدین[عہ۱] بن عبدالسلام فرماتے ہیں کہ:

لا تموت الارواح الحیاۃ بل ترفع الی السماء حیۃ[2]

رُوحیں مرتی نہیں بلکہ زندہ آسمان کی طرف اُٹھالی جاتی ہیں۔

(۴) امام جلال الحق والدین سیوطی شرح الصدور میں ناقل، باقیۃ بعد خلقھا بالاجماع[3] رُوحیں پیدائش کے بعد بالاجماع جاوداں رہتی ہیں۔

(۵) خود امام ممدوح اس امر کی تائید میں کہ شہداء کی زندگی صرف رُوحانی نہیں بلکہ روح وبدن دونوں سے ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

لو کان المراد حیاۃ الروح فقط لم یحصل لہ تمیز عن غیرہ لمشارکۃ سائر الاموات لہ فی ذلک ولعلم المؤمنین باسرھم حیاۃ کل الارواح فلم یکن لقولہ تعالٰی ولکن لا تشعرون معنی[4]

یعنی اگر آیت کریمہ میں حیات شہید سے صرف زندگی رُوح مراد ہوتی تو اس میں اس کی کیا خصوصیت تھی۔ یہ بات تو ہر مُردے کو حاصل ہے اور تمام مسلمان جانتے ہیں کہ سب کی رُوحیں بعد موت زندہ رہتی ہیں حالانکہ حیاتِ شہدا کی نسبت آیت میں فرمایا کہ تمھیں خبر نہیں۔

یہاں سے اجماعِ صحابہ ثابت ہوا۔

فصل اوّل: موت صرف ایک مکان سے دوسرے میں چلا جانا ہے نہ کہ معاذ اللہ جماد ہوجانا۔

قول (۱) ابونعیم حلیہ میں بلال[عہ۲] بن سعد رحمہ اللہ تعالٰی سے راوی کہ اپنے وعظ میں فرماتے:

عہ۱ نقلہ فی شرح الصدور عن امالیہ ۱۲ منہ (م) اسے شرح الصدور میں اُن کے امالی سے نقل کیا۔ ت

عہ۲ تابعی جلیل، عابد، فاضل، ثقہ، رجال نسائی وغیرہ سے ۱۲ منہ (م)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] شرح الصدور بحوالہ عز الدین بن عبدالسلام خاتمہ فی فوائد تتعلق بالروح خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۳۴

[3] 〃 〃 کتاب ابن قیم 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۱۳۵

[4] 〃 باب زیارت القبور 〃 〃 〃 ص ۸۵

یا اھل الخلود و یا اھل البقاء انکم لم تخلقوا للفناء و انما خلقتم للخلود و الابد و لکنکم تنتقلون من دار الٰی دار[1]

اے ہمیشگی والو! اے بقا والو! تم فنا کو نہ بنے بلکہ دوام و ہمیشگی کے لئے بنے ہو، ہاں ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہو۔

قول (۲) شرح الصدور میں ہے:

قال العلماء الموت لیس بعدم محض ولا فناء صرف و انما ھو انقطاع تعلق الروح بالبدن و مفارقۃ و حیلولۃ بینھما و تبدل حال و انتقال من دار الی دار[2]

علماء نے فرمایا موت کے یہ معنی نہیں کہ آدمی محض نیست و نابود ہوجائے بلکہ وہ تو یہی رُوح و بدن کے تعلق چھُوٹنے اور ان میں حجاب و جُدائی ہوجانے اور ایک طرح کی حالت بدلنے اور ایک گھر سے دوسرے گھر چلے جانے کا نام ہے۔

تنبیہ: تعلق چھُوٹنے کے یہ معنی کہ وُہ علاقہ معہودہ جو عالمِ حیات میں تھا، جاتا رہا۔ اور اسی طرح حجاب جدائی ہوجانے سے یہ مراد کہ ویسا اتصال تام باقی نہیں، ورنہ مذہب اہلسنت میں رُوح کو بعد موت بھی بدن سے ایک تعلق و اتصال رہتا ہے جیسا کہ فصولِ آئندہ کے اقوالِ کثیرہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی۔

قول (۳) جامع البرکات میں فرمایا:

موت عدم محض میت چنانکہ دہریاں و طبعیان گویند بلکہ انتقال ست از حالے بحالے و از دارے بدارے[3]

موت نیست و نابود ہوجانے کا نام نہیں جیسا کہ دہریہ اور طبیعین کہتے ہیں بلکہ ایک حال سے دوسرے حال اور ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوجانے کا نام ہے۔ (ت)

قول (۴) اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ:

اولیائے خدا نقل کردہ شدند ازیں دار فانی بدار بقا و زندہ اند نزد پروردگار خود و مرزوق اند و خوشحال اند و مردم را ازاں شعور نیست[4]

اولیاء اس دار فانی سے دار بقا میں منتقل کردئے جاتے ہیں، وُہ اپنے پروردگار کے یہاں زندہ ہیں، انھیں رزق ملتا ہے اور خوشحال رہتے ہیں اور لوگوں کو اس کی خبر نہیں۔ (ت)

---

[1] شرح الصدور بحوالہ حلیہ باب فضل الموت خلافت اکیڈمی، منگورہ، سوات ص ۵

[2] " " " " " " " "

[3] جامع البرکات

[4] اشعۃ اللمعات باب حکم الاسراء فصل ا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۲

قول (۵) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا:

لافرق لهم فی الحالین ولذا قیل اولیاء الله لایموتون ولکن ینتقلون من دار الی دار[1]

اولیاء کی دونوں حالت حیات وممات میں اصلاً فرق نہیں، اسی لیے کہا گیا کہ وہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔

روایت مناسبہ[عہ]: امام عارف باللہ اُستاذ ابوالقاسم قشیری قدس سرہٗ اپنے رسالہ میں بسندِ خود حضرت ولی مشہور سیدنا ابوسعید خراز قدس سرہ الممتاز سے راوی کہ میں مکہ معظمہ میں تھا بابِ بنی شیبہ پر ایک جوان مُردہ پڑا پایا، جب میں نے اُس کی طرف نظر کی مجھے دیکھ کر مُسکرایا اور کہا:

یا اباسعید اما علمت ان الاحباء احیاء و ان ماتوا وانما ینقلون من دار الی دار[2]

اے ابوسعید! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کے پیارے زندہ ہیں اگرچہ مر جائیں، وُہ تو یہی ایک گھر سے دوسرے گھر میں بلائے جاتے ہیں۔

روایت دوم: وہی عالیجناب حضرت سیدی ابوعلی قدس سرہٗ سے راوی، میں نے ایک فقیر کو قبر میں اتارا، جب کفن کھولا اور اُن کا سر خاک پر رکھ دیا کہ اللہ اُن کی غربت پر رحم کرے، فقیر نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے فرمایا:

یا اباعلی أتذلنی بین یدی من دللنی[3]

اے ابوعلی! مجھے اس کے سامنے ذلیل کرتے ہو جو میرے ناز اٹھاتا ہے۔

میں نے عرض کی: اے سردار میرے! کیا موت کے بعد زندگی؟ فرمایا:

بل انا حی وکل محب الله حی لاینصرنك غدا بجاهی یا روذباری[4]

میں زندہ ہُوں اور خدا کا ہر پیارا زندہ ہے بیشک وُہ جاہت وعزت جو روزِ قیامت ملے گی اس سے تجھے کوئی ضرر نہ پہنچے گا بلکہ میں تیری مدد کروں گا اے روذباری۔

روایت سوم: وہی جناب مستطاب حضرت ابراہیم بن شیبان قدس سرہٗ سے راوی، میرا ایک مرید جوان مرگیا، مجھے سخت صدمہ ہوا، نہلانے بیٹھا، گھبراہٹ میں بائیں طرف سے ابتدا کی، جوان نے وہ کروٹ ہٹا کر اپنی دہنی کروٹ میری طرف کی، میں نے کہا: جانِ پدر! تو سچا ہے مجھ سے غلطی ہُوئی۔

عہ هذه والاربعة بعدها کل ذلك فی شرح الصدور ۱۲ منہ (م) یہ روایت اور اسکے بعد کی چاروں روایتیں سب شرح الصدور میں ہیں

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۲۴۱

[2] و [3] الرسالۃ القشیریۃ باب احوالہم عند الخروج من الدنیا مصطفی البابی مصر ص ۱۴۰

[4] الرسالۃ القشیریۃ " " " ۱۴۰

روایت چہارم: وہی امام حضرت ابو یعقوب سوسی نہر جوری قدس سرہ سے راوی، میں نے ایک مرید کو نہلانے کے لیے تختہ پر لٹایا اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا، میں نے کہا: جان پدر! میں جانتا ہوں کہ تو مردہ نہیں یہ تو صرف مکان بدلنا ہے، لے میرا ہاتھ چھوڑ دے۔[1]

روایت پنجم: جناب ممدوح انہی عارف موصوف سے راوی، مکہ معظمہ میں ایک مرید نے مجھ سے کہا پیرو مرشد! میں کل ظہر کے وقت مرجاؤں گا۔ حضرت! یہ اشرفیاں لیں آدھی میں میرا دفن آدھی میں میرا کفن کریں۔ جب دوسرا دن ہوا اور ظہر کا وقت آیا مرید مذکور نے آکر طواف کیا، پھر کعبہ سے ہٹ کر لیٹا تو روح نہ تھی، میں نے قبر میں اتارا، آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا: موت کے بعد زندگی کہاں؟ کہا: انا حی وکل محب اللہ حی[2] میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر دوست زندہ ہے۔

اس قسم کی صدہا روایات کلمات ائمہ کرام میں مذکور ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور[3] (اور خدا جسے نور نہ دے اس کے لیے کوئی نور نہیں۔ ت)

فصل دوم: موت سے روح میں اصلاً تغیر نہیں آتا اور اس کے علوم و افعال[عہ] بدستور رہتے ہیں بلکہ زیادہ ہوجاتے ہیں، پھر جمادیت کیسی اور اثبات تخصیص ادراک ذمہ مخصص۔

قول (۶) امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں:

النفس باقیۃ بعد موت البدن عالمۃ باتفاق المسلمین بل غیر المسلمین ممن الفلاسفۃ وغیرھم ممن یقول ببقاء النفوس یقولون بالعلم بعد الموت ولم	یعنی مسلمانوں کا اجماع ہے کہ روح بعد مرگ باقی اور علم و ادراک رکھتی ہے، بلکہ فلاسفہ وغیرہم کفار بھی جو بقائے ارواح کے قائل ہیں وہ بھی موت کے بعد علم مانتے ہیں اور بقائے روح میں کسی نے خلاف

عہ امام سیوطی شرح الصدور میں مذہب اہلسنت کتاب الروح سے یوں نقل فرماتے ہیں:

ان الروح ذات قائمۃ بنفسہا تصعد وتنزل وتتصل وتنفصل وتذھب وتجیئ وتتحرک وتسکن وعلی ھذا اکثر من مائۃ دلیل مقررۃ۔[4]	یعنی روح ایک مستقل ذات ہے کہ چڑھتی اترتی ملتی جدا ہوتی آتی جاتی حرکت کرتی ساکن ہوتی ہے اور اس پر سَو سے زیادہ دلائل ثابت ہوتے ہیں۔ (م)

[1] الرسالۃ القشیریۃ فصل فان قیل فما الغالب علی الولی فی حال الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۷۰

[2] " " " " " " ۱۷۱

[3] القرآن ۲۴/ ۴۰

[4] شرح الصدور خاتمہ فی فوائد تتعلق بالروح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۳۶

يخالف في بقاء النفوس الا من لايعتد به[1] اھ ملتقطا۔

نہ کیا مگر ایسوں نے جو کسی گنتی شمار میں نہیں اھ ملتقطا

قول (۷) تفسیر بیضاوی میں ہے:

فيها دلالة على ان الارواح جواهر قائمة بانفسها مغائرة لما يحس به من البدن تبقى بعد الموت دراكة وعليه جمهور الصحابة والتابعين وبه نطقت الأيات والسنن[2]

یہ آیہ کریمہ دلیل ہے کہ رُوحیں جوہر قائم بالذات ہیں، یہ بدن جو نظر آتا ہے اس کے سوا اور چیز ہیں، موت کے بعد اپنے اُسی جوش ادراک پر رہتی ہیں۔ جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مذہب ہے اور اسی پر آیات و احادیث ناطق۔

قول (۸) امام غزالی احیاء میں فرماتے ہیں:

لا تظن ان العلم يفارقك بالموت فالموت لايهدم محل العلم اصلا وليس الموت عدما محضا حتى تظن انك اذا عدمت عدمت صفتك[3]

یہ گمان نہ کرنا کہ موت سے تیرا علم تجھ سے جدا ہو جائیگا کہ موت محلِ علم یعنی رُوح کا تو کچھ نہیں بگاڑتی، نہ وہ نیست و نابود ہو جانے کا نام ہے کہ تو سمجھے جب تو نہ رہا تیرا وصف یعنی علم و ادراک بھی نہ رہا۔

قول (۹، ۱۰) امام نسفی عمدۃ الاعتقاد، پھر علامہ نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں: الروح لايتغير بالموت[4] مرنے سے رُوح میں کچھ تغیر نہیں آتا۔

قول (۱۱) علامہ تورپشتی فرماتے ہیں:

الروح الانسانية المتميزة المخصوصة بالادراكات بعد مفارقة البدن[5] نقله المناوى۔

فراقِ بدن کے بعد بھی روحِ انسانی متمیز و مخصوص بہ ادراکات ہے۔ (اسے علامہ مناوی نے نقل کیا۔ت)

---

[1] شفاء السقام الباب التاسع الفصل الخامس مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۱۰

[2] تفسیر بیضاوی تحت آیۃ بل احیاء ولکن لاتشعرون مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۷

[3] التیسیر بحوالہ الغزالی تحت حدیث من طلب العلم الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیۃ ۲/ ۴۲۹

ف: سعیِ بسیار کے باوجود یہ حوالہ احیاء العلوم سے دستیاب نہیں ہو سکا، تیسیر میں بحوالہ الغزالی بعینہٖ یہ عبارت موجود ہے اس لیے تیسیر سے یہ حوالہ نقل کیا ہے۔ نذیر احمد

[4] الحدیقۃ الندیۃ الباب الثانی فی الامور المہمۃ واولہم آدم ابوالبشر مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد ۱/ ۲۹۰

[5] التیسیر شرح جامع صغیر بحوالہ التورپشتی تحت حدیث ان ارواح الشہداء الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیۃ ۱/ ۳۱۶

قول (۱۲) علامہ مناوی کی شرح جامع صغیر میں ہے:

الموت لیس بعدم محض والشعور باق حتی بعد الدفن[1]۔ موت بالکل عدم نہیں اور شعور باقی ہے یہاں تک کہ بعد دفن بھی۔

قول (۱۳) اُسی میں ہے:

ان الروح اذا انخلعت من ھذا الھیکل و انفکت من القیود بالموت تجول الی حیث شاءت[2]۔ بیشک رُوح جب اس قالب سے جُدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جولان کرتی ہے۔

قول (۱۴) شرح الصدور میں منقول کہ دلائلِ قرآن وحدیث لکھ کر کہا:

فصح ان الارواح اجسام حاملۃ لاعراضہا من التعارف والتناکر وانہا عارفۃ متمیزۃ[3]۔ ان سے ثابت ہوا کہ رُوحیں اجسام ہیں اپنے اوصاف شناخت وناشناخت وغیرہ کی حامل جو بذاتِ خود ادراک تمیز رکھتی ہیں۔

یہاں وُہ تقریر یاد کرنی چاہئے جو زیرِ حدیثِ دوم گزری۔

قول (۱۵) مقاصد وشرح مقاصد علامہ تفتازانی میں ہے:

عند المعتزلۃ وغیرھم البدنیۃ المخصوصۃ شرط فی الادراک فعندھم لایبقی ادراک الجزئیات عند فقد الآلات وعندنا یبقی و ھو الظاھر من قواعد الاسلام[4]۔ معتزلہ وغیرہم کے مذہب میں یہ بدن شرطِ ادراک ہے تو ان کے نزدیک جب اس کے آلات نہ رہے ادراکِ جزئیات بھی نہ رہا اور ہم اہلسنّت وجماعت کے مذہب میں باقی رہتا ہے اور یہی ظاہر ہے قواعدِ دینِ اسلام سے۔

قول (۱۶) لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

سببیۃ الحواس للاحساس وللادراک عادیۃ ۔ حواس کا سببِ احساس وادراک ہونا اک امرعادی ہے

---

[1] التیسیر شرح جامع صغیر تحت ان المیت یعرف من یحملہ الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/ ۳۰۲

[2] " " " تحت حدیث ان روحی المومنین " " " ۱/ ۳۲۰

[3] شرح الصدور باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۹۹

[4] شرح المقاصد المبحث الرابع مدرک الجزئیات دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۴۳

كما تقرر فى المذهب اما العلم فباق والروح وهو باق اھ[1] ملتقطا۔

جیسا کہ مذہب اہلِ سنت میں ثابت ہوچکا اور علم تو رُوح سے ہے وہ باقی ہے اھ مختصراً

قول (۱۷) امام سیوطی فرماتے ہیں:

ذهب اهل الملل من المسلمين وغيرهم الى ان الروح تبقى بعد موت البدن و خالف فيه الفلاسفة دليلنا ماتقدم من الأيات والاحاديث فى بقائها وتصرفها[2] الخ (ملخصاً)

تمام اہلِ ملت مسلمین اور ان کے سوا سب کا یہی مذہب ہے کہ رُوحیں بعد موتِ بدن باقی رہتی ہیں فلاسفہ یعنی بعض مدعیانِ حکمت نے اس میں خلاف کیا، ہماری دلیل وہ آیتیں اور حدیثیں ہیں جن سے ثابت کہ رُوح بعد موت باقی رہتی اور تصرفات کرتی ہے الخ

قول (۱۸) ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے:

قد انكر عذاب القبر بعض المعتزلة والروافض محتجين بان الميت جماد لاحياة له ولا ادراك[3] الخ۔

بعض معتزلہ اور روافض عذابِ قبر سے منکر ہوگئے یہ حجت لاکر کہ مُردہ جماد ہے نہ اس کے لیے حیات ہے نہ ادراک الخ

قول (۱۹) کشف الغطاء مستند مولوی اسحٰق دہلوی میں ہے:

مذہب اعتزال است کہ گویند میت جماد محض است[4]۔ میت کو جماد محض بتانا معتزلہ کا مذہب ہے۔ (ت)

قول (۲۰) اُسی میں ہے:

فرقے نیست در ارواحِ کاملان درحینِ حیات و بعد از ممات مگر بترقی کمال[5]۔

اہلِ کمال کی رُوحوں میں حالتِ حیات و موت میں کوئی فرق نہیں ہوتا سوا اس کے کہ بعد موت کمالات میں ترقی ہوجاتی ہے۔ (ت)

فصل سوم ان تصریحوں میں کہ اموات کے علم و ادراک دنیا و اہلِ دنیا کو بھی شامل۔

---

[1] لمعات شرح مشکوۃ کتاب الجہاد

[2] شرح الصدور خاتمہ فی فوائد تتعلق بالروح خلافت اکیڈمی، سوات ص ۱۳۵

[3] ارشاد الساری شرح البخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل دار الکتاب العربی بیروت ۶/۲۵۵

[4] کشف الغطاء فصل در احکام دفن میت مطبع احمدی دہلی ص ۵۷

[5] ایضاً فصل دہم در احکام زیارت قبور ″ ص ۷۵

قول (۲۱) امام جلال الدین سیوطی رسالہ منظومہ انیس الغریب میں فرماتے ہیں: ؎

یعرف من یغسلہ و یحمل ۔۔۔ ویلبس الاکفان ومن ینزل[1]

(مردہ اپنے نہلانے والے، اٹھانے والے، کفن پہنانے والے، قبر میں اتارنے والے سب کو پہچانتا ہے)

قول (۲۲ تا ۲۴) امام ابن الحاج مدخل[۲۲] اور امام قسطلانی[۲۳] مواہب اور علامہ زرقانی[۲۴] شرح میں تقریراً فرماتے ہیں:

واللفظ لاحمد من انتقل الی عالم البرزخ من المؤمنین یعلم احوال الاحیاء غالبا وقد وقع کثیر من ذلک کما ھو مسطور فی مظنۃ ذلک من الکتب[2]

احمد کے الفاظ ہیں جو مسلمان برزخ میں ہیں اکثر احوال احیاء پر علم رکھتے ہیں اور یہ امر بکثرت واقع ہے جیسا کہ کتابوں میں اپنے محل پر مذکور ہے۔

قول (۲۵) اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں علم وادراکِ موتٰی کی تحقیق وتفصیل لکھ کر فرماتے ہیں:

بالجملہ کتاب وسنت مملو ومشحون اند باخبار و آثار کہ دلالت مے کند بر وجود علم موتٰی را بدنیا واہل آں پس منکر نہ شود آں را مگر جاہل باخبار ومنکر دین[3]

الحاصل کتاب وسنت ایسے اخبار وآثار سے لبریز ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ مُردوں کو دُنیا و اہلِ دنیا کا علم ہوتا ہے تو اس کا انکار وہی کرے گا جو اخبار واحادیث سے بے خبر اور دین کا منکر ہو۔ (ت)

فصل چہارم اموات سے حیا کرتے ہیں۔

قول (۲۶) ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں سلیم بن عمیر سے راوی، وہ ایک مقبرہ پر گزرے، پیشاب کی حاجت سخت تھی، کسی نے کہا یہاں اُتر کر قضائے حاجت کرلیجئے، فرمایا:

سبحان اللہ واللہ انی لاستحیی من الاموات کما استحیی من الاحیاء[4]

سُبحان اللہ! خدا کی قسم میں مُردوں سے ایسی ہی شرم کرتا ہوں جیسی زندوں سے۔

---

[1] انیس الغریب

[2] المواہب اللدنیہ ۔۔۔ من آداب الزیارت ۔۔۔ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۸۱

شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ ۔۔۔ المقصد العاشر ۔۔۔ المطبعۃ العامرہ مصر ۸/ ۳۴۹

المدخل ۔۔۔ فصل فی الکلام علٰی زیارۃ سید الاولین ۔۔۔ دار الکتاب العربیہ بیروت ۱/ ۲۵۳

[3] اشعۃ اللمعات ۔۔۔ کتاب الجہاد ۔۔۔ فصل اول ۔۔۔ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۱

[4] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ ابن ابی الدنیا کتاب الجنائز باب زیارۃ القبور الفصل الثالث مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۱۱۷

قول (۲۷) جب سیدنا امام شافعی مزارِ فائض الانوارِ حضرت امام اعظم پر تشریف لے گئے رضی اللہ تعالٰی عنہما وعن اتباعہما، نمازِ صبح میں قنوت نہ پڑھی، لوگوں نے سبب پُوچھا، فرمایا:

کیف اقنت بحضرۃ الامام وھو لایقول بہ۔ ذکرہ سیدی علی الخواص والامام الشعرانی فی المیزان[1] ونحوہ العلامۃ ابن حجر المکی فی خیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان فی اولہا واعادہ فی اٰخرہا عن بعض شراح منہاج الامام النووی وعن غیرہ ونحوہ فی عقود الجمان فی مناقب النعمان عن شیخ شیوخہ الامام الزاھد الولی شہاب الدین شارح المنہاج۔

میں امام کے سامنے کیونکر قنوت پڑھوں حالانکہ وُہ اس کے قائل نہیں (اسے سیدی علی خواص نے اور امام شعرانی نے میزان الشریعۃ الکبرٰی میں ذکر کیا اور اسی کے ہم معنی علامہ ابن حجر نے "الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان" کے شروع میں ذکر کیا اور اس کے آخر میں دوبارہ منہاج امام نووی کے بعض شارحین وغیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا۔ اسی طرح عقود الجمان فی مناقب النعمان میں اپنے شیخ الشیوخ امام، زاہد، ولی اللہ شہاب الدین شارح منہاج سے نقل کیا۔ ت)

بعض روایات میں آیا بسم اللہ شریف بھی جہر سے نہ پڑھی

نقلہ الفاضل الشامی فی ردالمحتار[2] عن بعض العلماء وکذا الامام ابن حجر فی الخیرات الحسان۔

اسے فاضل شامی نے ردالمحتار میں بعض علماء سے نقل کیا، ایسے ہی امام ابن حجر نے الخیرات الحسان میں ذکر کیا۔ (ت)

بعض میں ہے تکبیراتِ انتقال میں رفع یدین نہ فرمایا، سبب دریافت ہُوا، جواب دیا:

ادبنا مع ھذا الامام اکثر من ان نظہر خلافہ بحضرتہ[3] ذکرہ علی القاری فی المرقاۃ۔

اس امام کے ساتھ ہمارا ادب اس سے زائد ہے کہ اُن کے حضور اُن کا خلاف ظاہر کریں (اسے ملا علی قاری نے مرقاۃ میں ذکر کیا۔ ت)

شرح لباب میں خاص بلفظ استحیا نقل کیا کہ امام شافعی نے فرمایا:

استحیی ان اخالف مذھب الامام

مجھے شرم آتی ہے کہ امام کے سامنے ان کے

---

[1] المیزان الکبرٰی فصل فیما نقل عن الامام الشافعی مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱

[2] ردالمحتار مطلب یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۸

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ تذکرہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۳۰

فی حضورہ[1]۔ ذکرہ فی باب الزیارۃ النبویۃ فصل ولیغتنم ایام مقامہ بالمدینۃ المنورۃ

مذہب کے خلاف کروں۔ (اسے علامہ قاری نے شرح لباب، باب زیارت نبوی، فصل اقامت مدینہ منورہ میں ذکر کیا۔ ت)

سبحان اللہ اگر اموات دیکھتے سنتے نہیں تو جہر و اخفاء یا رفع و ترک و مکث قنوت و تعجیل سجود میں کیا فارق تھا، للہ انصاف، اگر بنائے قبر حجاب مانع ہو تو امام ہمام کا سامنا کہاں تھا اور اس ادب و لحاظ کا کیا باعث تھا۔

قول (۲۸ تا ۳۱) علامہ فضل اللہ بن غوری حنفی وغیرہ ایک جماعت علماء نے تصریح فرمائی کہ زیارت بقیع شریف میں قبہ حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ابتدا کرے کہ پہلے وہی ملتا ہے تو بے سلام کے وہاں سے گزرجانا بے ادبی ہے، اسی طرح اس بقعہ پاک میں جو مزار پہلے آتا جائے اس پر سلام کرتا جائے کہ جو ذرا بھی عزت و عظمت رکھتا ہے اس کے سامنے سے بے سلام چلے جانا مروت و ادب سے بعید ہے۔ مولانا علی قاری نے شرح لباب میں اسے نقل فرماکر مسلم رکھا، شیخ محقق نے جذب القلوب میں بعض دیگر علماء سے اس کی تحسین نقل کی ہے کہ یہ ایک عمدہ مقصد ہے جس کے ساتھ افضل و اشرف کی رعایت نہ کرنی کچھ مضائقہ نہیں بمسلک متقسط میں ہے:

ذکر العلامۃ فضل اللہ بن الغوری من اصحابنا ان البداءۃ بقبۃ العباس و الختم بصفیۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما اولٰی لان مشہد العباس اول مایلقی الخارج من البلد عن یمینہ فمجاوزتہ من غیر سلام علیہ جفوۃ فاذا سلم علیہ و سلم علی من یمر بہ اولا فیختم بصفیۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا فی رجوعہ کما صرح بہ ایضا کثیر من مشائخنا الخ[2]۔

علامہ فضل اللہ بن غوری حنفی وغیرہ ایک جماعت علماء نے تصریح فرمائی کہ زیارت بقیع شریف میں قبہ حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ابتداء کرے اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے مزار پر ختم کرے یہ بہتر ہے کیونکہ باہر والا جب دائیں طرف سے شروع کرے تو پہلے وہی ملتا ہے تو ان کو سلام کئے بغیر گزرجانا بے ادبی ہے جب ان پر گزرے اور جو مزار پہلے آتا جائے سلام کرتا جائے، تو واپسی میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر ختم کرے جیسا کہ بہت سے ہمارے مشائخ نے تصریح فرمائی الخ (ت)

---

[1] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم ایام مقامہ بالمدینۃ الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۲
[2] مسلک متقسط " " " " " " " " " ص ۳۴۵

جذب القلوب میں ہے:

متاخرین علماء اختلاف کردہ اند کہ ابتداء بزیارت کہ کند طائفہ برآنند کہ ابتداء بزیارت حضرت عباس کند و ہر کہ باوے در یک قبہ آسودہ اند از ائمہ اہل بیت رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین زیرا کہ اسہل و اقرب است و از پیش ایشاں درگزشتن و بزیارت دیگراں متوجہ شدن نوعے از جفا و سوئے ادب باشد[1] الخ

علمائے متاخرین نے اختلاف کیا ہے کہ زیارت میں ابتدا کس سے کرے، ایک جماعت کے ہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ قبہ میں جو اہلبیت ائمہ کرام رضوان علیہم آرام فرما ہیں سے شروع کرے کیونکہ یہ آسان اور اقرب ہے اور ان کے آگے سے بغیر سلام گزر جانا اور دوسروں کی زیارت میں متوجہ ہوجانا ایک قسم کی لاپرائی اور بے ادبی ہے الخ (ت)

اُسی میں ہے:

محصل کلام بعضے از علماء آں است کہ ابتدا از قبہ عباس کند رضی اللہ تعالٰی عنہ و عمن معہ و بعد از اں بہر کہ پیش آید زیرا کہ ہر کرا با دنی جلالت شان بود بے سلام از پیش وے گزشتن و جائے دیگر رفتن از عالم مروت و حفظ طریقہ ادب بغایت دور است قال بعضہم و ھو مقصد صالح لا یضر معہ عدم رعایۃ الافضل والاشرف[2] الخ

بعض علماء کے کلام کا ماحاصل یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور قبہ میں ان کے ساتھ والوں سے ابتداء کرے اور اس کے بعد ہر پہلے آنے والے کو سلام کرتا جائے کیونکہ کسی ادنٰی شان والے سے بے سلام گزرنا اور دوسری جگہ چلے جانا بھی مروت اور حفظ ادب سے بعید ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مقصد صالح ہے جس کی وجہ سے افضل و اشرف کی عدم رعایت مضر نہیں الخ (ت)

فصل پنجم افعال احیاء سے تاذی اموات میں۔

قول (۳۲ تا ۳۴) مراقی الفلاح میں فرمایا:

اخبرنی شیخی العلامۃ محمد بن احمد الحموی رحمہ اللہ تعالٰی بانھم یتاذون بخفق النعال[3]۔

مجھے میرے استاذ علامہ محمد بن احمد حنفی رحمہ اللہ نے خبر دی کہ جوتی کی پھپل سے مُردے کو ایذا ہوتی ہے۔

---

[1] جذب القلوب باب در فضائل مقبرہ بقیع منشی نولکشور لکھنؤ ص ۱۸۷
[2] " " " ۱۸۸
[3] مراقی الفلاح علی ھامش حاشیۃ الطحطاوی فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی " ۳۴۲

علامہ طحطاوی[۳۴] نے اس پر تقریر فرمائی۔

قول (۳۵) حدیث میں جو تکیہ قبر پر لگانے سے ممانعت فرمائی اور اسے ایذائے میت ارشاد ہوا جیسا کہ حدیث ۲۵ میں گزرا۔ شیخ محقق رحمہ اللہ اس پر شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

شاید کہ مراد آنست کہ روح وے ناخوش می دارد و راضی نیست بہ تکیہ کردن بر قبر وے از جہت تضمن وے اہانت واستخفاف را بوی[۱] واللہ اعلم۔

ہو سکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ اس کی روح کو ناگوار ہوتا ہے اور وہ اپنی قبر پر تکیہ لگانے سے راضی نہیں ہوتی اس لیے کہ اس میں اس کی اہانت اور بے وقعتی پائی جاتی ہے، اور خدا خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

قول (۳۶، ۳۷) عارف باللہ حکیم ترمذی پھر علامہ نابلسی حدیقہ میں فرماتے ہیں:

معناہ ان الارواح تعلم بترك اقامة الحرمة بالاستھانة فتاذی بذلك[۲]۔

اس کے یہ معنی ہیں کہ روحیں جان لیتی ہیں کہ اس نے ہماری تعظیم میں قصور کیا لہذا ایذا پاتی ہیں۔

قول (۳۸، ۳۹) حاشیہ طحطاوی و ردالمحتار وغیرہ میں ہے، مقابر میں پیشاب کرنے کو نہ بیٹھے لان المیت یتاذی بما یتاذی بہ الحی[۳] اس لیے کہ جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے مردے بھی ایذا پاتے ہیں۔

اقول بلکہ دیلمی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کلیہ کی صراحتًا روایت کی کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

المیت یؤذیہ فی قبرہ مایؤذیہ فی بیتہ[۴]۔

میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی تھی قبر میں بھی اس سے اذیت پاتا ہے۔

قول (۴۰، ۴۱) حدیث ۲۶ کے نیچے اشعہ میں امام ابوعمر عبدالبر سے نقل کیا:

ازینجا مستفاد می گردد کہ میت متالم می گردد بجمیع انچہ متالم می گردد بدان حی ولازم این ست کہ متلذذ گردد

یہاں سے معلوم ہوا کہ میت کو ان تمام چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے، اس کو

---

[۱] اشعۃ اللمعات	باب دفن المیت فصل ۳	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر	۱/ ۶۹۹
[۲] نوادر الاصول	الاصل التاسع والمائتان	دار صادر بیروت	ص ۲۴۴
[۳] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر	باب صلوٰۃ الجنازۃ	دار المعرفۃ بیروت	۱/ ۳۸۱
[۴] شرح الصدور بحوالہ الدیلمی	باب تاذی المیت الخ	خلافت اکیڈمی، سوات	ص ۱۲۴

بتمام آنچہ متلذذ مے شود بداں زندہ[1]۔

لازم یہ ہے کہ اُسے ان تمام چیزوں سے لذت بھی حاصل ہو جن سے زندہ کو لذت ملتی ہے۔ (ت)

تذئیل: مسئلہ ہے کہ دار الحرب کے جن جانوروں کو اپنے ساتھ لانا دشوار ہو انھیں زندہ چھوڑیں کہ اس میں حربیوں کا نفع ہے، نہ کونچیں کاٹیں کہ اس میں جانوروں کی ایذا ہے بلکہ ذبح کرکے جلادیں تاکہ وہ ان کے گوشت سے بھی انتفاع نہ کرسکیں۔ درمختار میں ہے:

حرم عقر دابۃ شق نقلھا الی دارنا فتذبح وتحرق بعدہ اذلا یعذب بالنار الا ربھا[2]۔

جس جانور کو دار الاسلام تک لانا دشوار ہو اس کی کونچیں کاٹنا حرام ہے، پہلے ذبح کریں اس کے بعد جلادیں اس لیے کہ زندہ آگ میں ڈالنے کا عذاب دینا ربّ نار ہی کا کام ہے۔ (ت)

اس پر علامہ حلبی محشی درمختار نے شبہہ کیا کہ یہاں سے لازم کہ مُردے کے جسم کو جو صدمہ پہنچائیں اُس سے اُسے تکلیف نہ ہو حالانکہ حدیث میں اس کا خلاف وارد ہے۔ علامہ طحطاوی و علامہ شامی نے جواب دیا کہ یہ بات بنی آدم کے ساتھ خاص ہے کہ وہ اپنی قبور میں ثواب و عذاب پاتے ہیں تو اُن کی ارواح کو ابدان سے ایسا تعلق رہتا ہے جس کے سبب ادراک و احساس ہوتا ہے، جانوروں میں یہ بات نہیں ورنہ ان کی ہڈی وغیرہ سے انتفاع نہ کیا جاتا۔ ردالمحتار میں ہے:

اورد المحشی علی جواز احراقھا بعد الذبح انہ یقتضی ان المیت لایتألم مع انہ ورد انہ یتألم بکسر عظمہ قلت قد یجاب بان ھذا خاص ببنی اٰدم لانھم یتنعمون ویعذبون فی قبورھم بخلاف غیرھم من الحیوانات والا لزم ان لاینتفع بعظمھا ونحوہ ثم رأیت ط ذکر نحوہ[3] انتہی۔

محشی نے جانوروں کو ذبح کرکے جلانے پر یہ شبہ پیش کیا اس سے لازم آتا ہے کہ مُردے کو اذیت نہیں ہوتی حالانکہ حدیث میں اس کا خلاف ہے کہ میّت کی ہڈی توڑنے سے اس کو اذیت ہوتی ہے، میں کہتا ہوں اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ بات بنی آدم کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ اپنی قبروں میں خوشی اور تکلیف پاتے ہیں، جانوروں میں یہ بات نہیں ورنہ ان کی ہڈی وغیرہ سے انتفاع نہ کیا جاتا، پھر میں نے طحطاوی کو دیکھا تو انھوں نے ایسا ہی فرمایا، انتہی (ت)

---

[1] اشعۃ اللمعات — باب دفن المیت — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر — ۱/۶۹۶
[2] درمختار — باب المغنم وقسمتہ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۳۴۲
[3] ردالمحتار — " — مصطفی البابی مصر — ۳/۲۵۲

اقول تخصیص بنی آدم باضافت حیوانات مراد ہے ورنہ جن بھی بعد موت ادراک رکھتے ہیں کما یاتی قول ۱۹۰ (جیسا کہ قول ۱۹۰ میں آئیگا۔ ت) اور خود عذاب و ثواب سے علامہ کی تعلیل اس پر دلیل، واللہ تعالٰی اعلم

فصل ششم ملاقاتِ احیاء و ذکرِ خدا سے اموات کا جی بہلتا ہے۔

قول (۴۲) امام سیوطی نے انیس الغریب میں فرمایا: ع

دیانسون ان اتی المقابر[1]

(جب زائر مقابر پر آتے ہیں مُردے اُن سے اُنس حاصل کرتے ہیں۔ ت)

قول (۴۳) امام اجل نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اقسامِ زیارت میں فرمایا ایک قسم کی زیارت اس غرض سے ہے کہ مقابر پر جانے سے اموات کا دل بہلائیں کہ یہ بات حدیث سے ثابت ہے وسیاتی نقلہ فی النوع الثانی ان شاء اللہ تعالٰی (یہ ان شاء اللہ تعالٰی نوعِ ثانی میں نقل ہوگا۔ ت)

قول (۴۴) جذب القلوب میں فرمایا:

زیارت گاہی از جہت ادائے حق اہل قبور نیز باشد در حدیث آمدہ مانوس ترین حالتیکہ میت را بود در وقتے ست کہ یکے از آشنایانِ او زیارتِ قبر او کند و احادیث دریں باب بسیار است[2]

زیارت کبھی قبر والوں کے حق کی ادائیگی کے لیے ہوتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ میت کے لیے سب سے زیادہ اُنس کی حالت وُہ ہوتی ہے جب اُس کا کوئی پیارا آشنا اُس کی زیارت کے لیے آتا ہے۔ اس باب میں احادیث بہت ہیں۔ (ت)

قول (۴۵ و ۴۶) فتاوٰی قاضی خاں پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ان قرأ القرأن عند القبوران نوی بذلك ان یونسه صوت القرأن فانه یقرأ[3]

مقابر کے پاس قرآن پڑھنے سے اگر یہ نیت ہو کہ قرآن کی آواز سے مُردے کا جی بہلائے تو بیشک پڑھے۔

قول (۴۷ تا ۴۹) ردالمحتار میں غنیہ شرح منیہ سے اور طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں تلقینِ میت کے مفید ہونے میں فرمایا:

ان المیت یستانس بالذکر علی ما ورد

بیشک اللہ تعالٰی کے ذکر سے مُردے کا جی بہلتا ہے

---

[1] انیس الغریب

[2] جذب القلوب — باب پانزدہم — منشی نولکشور لکھنؤ — ص ۲۱۳

[3] فتاوٰی ہندیہ — الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور — نورانی کتب خانہ پشاور — ۵/ ۳۵۰

فی الاثمار[1]

جیساکہ حدیثوں میں آیا ہے۔

قول (۵۰ تا ۵۸) امام قاضی خاں فتاوٰی خانیہ[2] شرنبلالی نورالایضاح و مراقی الفلاح و امداد الفتاح پھر علامہ ابوالسعود و فاضل طحطاوی حاشیہ مراقی میں استناداً و تقریراً اور شامی حاشیہ در میں استناداً، اور خزانۃ الروایات میں فتاوٰی کبرٰی سے، اور امام بزازی فتاوٰی بزازیہ اور شیخ الاسلام کشف الغطا میں، اور ان کے سوا اور علماء فرماتے ہیں:

واللفظ للخانیۃ یکرہ قطع الحطب و الحشیش من المقبرۃ فان کان یابسًا لاباس بہ لانہ مادام رطبا یسبح فیونس المیت[2]

چوب وگیاہِ سبز کا مقبرہ سے کاٹنا مکروہ ہے اور خشک ہو تو مضائقہ نہیں کہ وہ جب تک تر رہتی ہے تسبیحِ خدا کرتی ہے اور اس سے میت کا جی بہلتا ہے۔

علامہ شامی نے اُسی حدیث سے مدلل کرکے فرمایا: اس بنا پر مطلقاً کراہت ہے اگرچہ خودرو ہو کہ قطع میں حق میت کا ضائع کرنا ہے۔

تنبیہ: فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہ، علماء کی ان عبارات اور نیز چار قول آئندہ و دیگر تصریحات رخشندہ سے دو جلیل فائدے حاصل:

اوّلاً نباتات وجمادات وتمام اجزائے عالم میں ہر ایک کے موافق ایک حیات ہے کہ اُس کی بقا تک ہر شجر و حجر زبان قال سے اُس ربِ اکبر جل جلالہ کی پاکی بولتا ہے اور سبحان اللہ سبحان اللہ یا اس کے مثل اور کلماتِ تسبیح الٰہی کہتا ہے نہ کہ اُن میں صرف زبانِ حال ہے جیساکہ ظاہرین کا خیال ہے کہ اس تقدیر پر تر و خشک میں تفرقہ محض بے معنی تھا کما لایخفی (جیساکہ مخفی نہیں۔ ت) اور آیہ کریمہ ان من شیئ الا یسبح بحمدہ خود اس پر برہانِ قاطع کہ اس میں فرمایا، ولکن لا تفقھون تسبیحھم[3] تم اس کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ ظاہر ہے کہ تسبیح حالی تو ہر شخص عاقل سمجھتا ہے یہاں تک کہ شعراء بھی کہہ گئے: ؎

ہر گیاہے کہ از زمین روید
وحدہٗ لا شریک لہٗ گوید

(جو گھاس بھی زمین سے اُگتی ہے کہتی ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح | باب احکام الجنائز | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی | ص ۳۰۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں | باب فی غسل المیت الخ | نولکشور لکھنؤ | ۱/ ۹۳

[3] القرآن ۱۷/ ۴۴

اور خود مذہبِ اہلسنّت[عہ۱] مقرر ہوچکا کہ تمام ذراتِ عالم کے لیے ایک نوع علم وادراک وسمع وبصر حاصل ہے مولوی معنوی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں اس مضمون کو خوب مشرح ادا فرمایا۔ اور اس پر قرآن واحادیث کے صدہا نصوص[عہ۲] ناطق جنھیں جمع کروں تو ان شاء اللہ پانسو سے کم نہ ہوں گے، ان سب کو بلاوجہ ظاہر سے پھیر کر تاویل کرنا قانونِ عقل ونقل سے خروج بلکہ صراحۃً سفاہات مبتدعین میں ولوج ہے خصوصاً وہ نصوص[عہ۳] جو صریح مفسر

عہ۱: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے باب فضل الاذان میں ہے:

الصحیح ان للجمادات والنباتات والحیوانات علما وادراکا وتسبیحا قال البغوی وھذا مذھب اھل السنۃ وتدل علیہ الاحادیث والاٰثار یشھد لہ مکاشفۃ اھل المشاھدۃ والاسرار التی ھی کالانوار والمعتمد فی المعتقدات شھادۃ الاعضاء بلسان القال وما ورد عن الشارع یحمل علٰی ظاھرہ مالم یصرف عنہ صارف ولا صارف ھنا کما لایخفی[۱] ملتقطا ۱۲۔ (م)

صحیح یہ ہے کہ جمادات، نباتات اور حیوانات کو بھی ایک قسم کا علم وادراک اور عمل تسبیح حاصل ہے۔ امام بغوی نے فرمایا یہی اہلسنّت کا مذہب ہے جس پر احادیث وآثار سے دلیلیں موجود ہیں، اہل مشاہدہ اور انوار جیسے اسرار والوں کا مکاشفہ بھی اس پر شاہد ہے اور عقیدہ میں معتمد یہ ہے کہ اعضاء کی گواہی زبانِ قال سے ہوگی، شارع سے جو بھی وارد ہے وہ اپنے ظاہر پر محمول ہوگا جب تک ظاہر سے پھیرنے والی کوئی دلیل نہ ہو اور یہاں ایسا کچھ بھی نہیں جیسا کہ واضح ہے۔ (ت)

عہ۲: فقیر نے اپنے فتاوٰی میں ایک جملہ صالحہ ذکر کیا اور صدہا کا پتا دیا وباللہ التوفیق۔ (م)

عہ۳: مثلاً وہ حدیثیں جن میں صاف ارشاد ہوا کہ نہ کوئی جانور شکار کیا جائے، نہ کوئی پیڑ کاٹا جائے جب تک تسبیحِ الٰہی میں غفلت نہ کرے۔ سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماصید صید ولا قطعت شجرۃ الا بتضییع التسبیح[۲] رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ بسند حسن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

نہ کوئی جانور شکار کیا جاتا ہے اور نہ کوئی درخت کاٹا جاتا ہے جب تک تسبیح الٰہی نہ ترک کرے۔ اسے ابو نعیم نے حلیہ میں بسندِ حسن ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[۱] مرقات المفاتیح باب فضل الاذان فصل ۱ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۳۴۸-۴۹

[۲] کنز العمال بحوالہ ابی نعیم عن ابی ہریرہ حدیث ۱۹۱۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۴۴۵

ہیں کہ تاویل کی گنجائش ہی نہیں رکھتے۔ مقام اجنبی نہ ہوتا تو میں اِس مسئلے کا قدرے ایضاح کرتا۔

ثانیاً اقوال مذکورہ سے یہ بھی منصّۂ نبوت پر جلوہ گر ہُوا کہ اہلِ قبور کی قوتِ سامعہ اس درجہ تیز و صاف و قوی تر ہے کہ نباتات کی تسبیح جسے اکثر احیاء نہیں سُنتے وہ بلا تکلف سُنتے اور اس سے اُنس حاصل کرتے ہیں، پھر انسان کا کلام تو واضح اور اظہر ہے واللہ تعالٰی الہادی۔

قول (۵۹ تا ۶۲) مجمع البرکات میں مطالب المومنین سے، اور کنز العباد و فتاوٰی غرائب وغیرہا میں ہے:

وضع الورد و الریاحین علی القبور حسن لانہ مادام رطبا یسبح ویکون للمیت انس بتسبیحہ[1]۔

گلاب وغیرہ کے پھُول قبروں پر ڈالنا خوب ہے کہ جب تک تازہ رہیں گے تسبیحِ الٰہی کریں گے، تسبیح سے میّت کو اُنس حاصل ہوگا۔

فائدہ: مطالب المومنین و جامع البرکات دونوں کتب مستندۂ مخالفین سے ہیں اس سے مولوی اسحٰق نے مائۃ مسائل میں اور اس سے متکلم قنوجی وغیرہ نے استناد کیا۔

فصل ہفتم وُہ اپنے زائرین کو دیکھتے، پہچانتے اور اُن کی زیارت پر مطلع ہوتے ہیں:

قول (۶۳ و ۶۴) مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مسلک متقسط شرح منسک متوسط، پھر فاضل ابن عابدین حاشیہ شرح تنویر میں فرماتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابو الشیخ نے روایت کی:

ما اخذ طائر ولا حوت الا بتضییع التسبیح[2]۔

کوئی پرندہ اور مچھلی نہیں پکڑی جاتی مگر تسبیحِ الٰہی چھوڑ دینے سے۔ (ت)

ابن اسحٰق بن راہویہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، ان کے پاس ایک زاغ لایا گیا جس کے شہپر سالم و کامل تھے، دیکھ کر فرمایا میں نے سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا:

ماصید صید ولا عضدت عضاہ ولا قطعت شجرۃ الا بقلۃ التسبیح[3] ۱۲ منہ (م)

نہ کوئی جانور شکار ہُوا نہ کوئی ببول کٹی، نہ کسی پیڑ کی جڑیں چھانٹی گئیں مگر تسبیح کی کمی کرنے سے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

[2] درمنثور بحوالہ ابی الشیخ عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ وان من شیئ الا یسبح بحمدہ کے تحت مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۴/ ۱۸۴

[3] کنز العمال بحوالہ ابن راہویہ عن ابی بکر حدیث ۱۹۲۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۴۴۵

من اٰداب الزیارۃ ماقالوا من انہ یاتی الزائر من قبل رجلی المتوفی لامن قبل راسہ لانہ اتعب لبصر المیت بخلاف الاول لانہ یکون مقابل بصرہ[1]

زیارتِ قبور کے ادب سے ایک بات یہ ہے جو علماء نے فرمائی کہ زیارت کو قبر کی پائنتی سے جائے نہ کہ سرہانے سے کہ اس میں میّت کی نگاہ کو مشقت ہوگی (یعنی سر اُٹھا کر دیکھنا پڑے گا) پائنتی سے جائے گا تو اس کی نظر کے خاص سامنے ہوگا۔

قول (۶۵) مدخل میں فرمایا:

کفی فی ھذا بیانا قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام المومن ینظر بنور اللہ انتھی ونور اللہ لایحجبہ شیئ، ھذا فی حق الاحیاء من المؤمنین، فکیف من کان منھم فی الدار الاٰخرۃ[2]

اس امر کے ثبوت میں کہ اہلِ قبور کو احوالِ احیاء پر علم وشعور ہے، سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ فرمانا بس ہے کہ مسلمان خدا کے نور سے دیکھتا ہے اور خدا کے نور کو کوئی چیز پردہ نہیں ہوتی، جب زندگی کا یہ حال ہے تو اُن کا کیا پُوچھنا جو آخرت کے گھر یعنی برزخ میں ہیں۔

قول (۶۶) شیخ محقق جذب القلوب میں امام علامہ صدرالدین قونوی سے نقل فرماتے ہیں:

درمیان قبور سائر مومنین وارواحِ ایشاں نسبت خاصی است مستمر کہ بدان زائران رامی شناسند و ردسلام برایشاں می کنند بدلیل استحباب زیارت در جمیع اوقات[3]

تمام مومنین کی قبروں اور روحوں کے درمیان ایک خاص نسبت ہوتی ہے جو ہمیشہ موجود رہتی ہے، اسی سے زیارت کے لیے آنے والوں کو پہچانتے ہیں اور ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ زیارت تمام اوقات میں مستحب ہے۔

شیخ فرماتے ہیں علامہ ممدوح نے بہت احادیث سے اس معنٰی کو ثابت کیا ہے۔

قول (۶۷) انیس الغریب میں فرمایا: ع

ویعرفون من اتاھم زائرا[4] (جو زیارت کو آتا ہے مُردے اسے پہچانتے ہیں۔ت)

---

[1] ردالمحتار حاشیہ درمختار مطلب فی زیارۃ القبور مصطفی البابی مصر ۱/۶۶۵

[2] المدخل فصل فی الکلام علی زیارۃ سید المرسلین الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/۲۵۳

[3] جذب القلوب باب چہاردہم منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۰۲

[4] انیس الغریب

قول (۶۸) تیسیر میں ہے:

الشعور باق حتی بعد الدفن حتی انہ یعرف زائرہ[1]

شعور باقی ہے یہاں تک کہ بعد دفن بھی یہاں تک کہ اپنے زائر کو پہچانتا ہے۔

قول (۶۹) لمعات و اشعۃ اللمعات و جامع البرکات میں ہے:

واللفظ للوسطی در روایات آمدہ است کہ دادہ می شود برائے میت در روز جمعہ علم و ادراک بیشتر از انچہ دادہ می شود در روزہائے دیگر تا آنکہ می شناسد زائر را بیشتر از روز دیگر[2]

الفاظ اشعۃ اللمعات کے ہیں، روایات میں آیا ہے کہ میت کو جمعہ کے دن دوسرے دنوں سے زیادہ علم و ادراک دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ روزِ جمعہ زیارت کرنے والے کو دوسرے دن سے زیادہ پہچانتا ہے۔

شرح سفر السعادۃ میں مفصل و منقح تر فرمایا کہ:

خاصیت سی ام آنکہ روز جمعہ ارواح مومناں بقبور خویش نزدیک می شوند نزدیک شدن معنوی و تعلق و اتصال روحانی نظیر و مشابہ اتصالی کہ ببدن دارد و زائران راکہ نزدیک قبر آیند می شناسد و خود ہمیشہ می شناسند ولیکن دریں روز شناختن زیادہ بر شناخت سائر ایام ست از جہت نزدیک شدن بقبور لابد شناخت از نزدیک پیشتر و قوی تر باشد از شناخت دور و در بعض روایات آمدہ کہ ایں شناخت در اول روز بیشتر است از آخر آن و لہذا زیارت قبور دریں وقت مستحب تر است و عادت در حرمین شریفین ہم بریں است[3]

تیسویں خاصیت یہ ہے کہ جمعہ کے دن مومنین کی رُوحیں اپنی قبروں سے نزدیک ہوجاتی ہیں۔ یہ نزدیکی معنوی ہوتی ہے اور روحانی تعلق و اتصال ہوتا ہے جیسے بدن سے قرب و اتصال ہوتا ہے، اس دن جو زائرین قبر کے پاس آتے ہیں انھیں پہچانتی ہیں اور یہ پہچاننا ہمیشہ ہوتا ہے مگر اس دن کی شناخت دیگر ایام کی شناخت سے بڑھی ہُوئی ہوتی ہے جس کا سبب یہی ہے کہ رُوحیں قبروں کے قریب ہوجاتی ہیں۔ ضروری بات ہے کہ نزدیک سے جو شناخت ہوتی ہے وُہ دُور والی شناخت سے زائد اور قوی ہوتی ہے ــــ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ شناخت جمعہ کی صبح کو شام کی بہ نسبت اور زیادہ ہوتی ہے اسی لیے اس وقت زیارتِ قبور کا استحباب زیادہ ہے، اور حرمین شریفین کا دستور بھی یہی ہے۔ (ت)

---

[1] التیسیر شرح جامع صغیر تحت ان المیت یعرف من یحملہ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیۃ ۱/ ۳۰۳

[2] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور فصل ۱ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۶

[3] شرح سفر السعادۃ فصل دربیان تعظیم جمعہ " " " ص ۱۹۹

اقول ولا عطر بعد العروس (میں کہتا ہوں، دلہن کے بعد عطر نہیں ہے۔ ت)

قول (۷۰ و ۷۱) شیخ و شیخ الاسلام نے فرمایا: واللفظ للشیخ فی جامع البرکات (جامع البرکات میں شیخ کے الفاظ ہیں۔ ت):

تحقیق ثابت شدہ است بآیات واحادیث کہ رُوح باقی است واورا علم وشعور بزائران و احوال ایشاں ثابت است واین امریست مقرر در دین[1]۔

آیات واحادیث سے بتحقیق ثابت ہوچکا ہے کہ رُوح باقی رہتی ہے اور اسے زائرین اور ان کے احوال کا علم وادراک ہوتا ہے، یہ دین میں ایک طے شدہ امر ہے۔ (ت)

قول (۷۲) تیسیر میں زیرِ حدیث من زار قبر ابویہ (جس نے اپنے باپ کی قبر کی زیارت کی۔ ت) نقل فرمایا:

ھذا نص فی ان المیت یشعر بمن یزورہ والا لما صح تسمیتہ زائرا واذا لم یعلم المزور بزیارۃ من زارہ لم یصح ان یقال زارہ ھذا ھو المعقول عند جمیع الامم[2]۔

یہ حدیث نص ہے اس بات میں کہ مردہ زائر پر مطلع ہوتا ہے ورنہ اُسے زائر کہنا صحیح نہ ہوتا کہ جس کی ملاقات کو جائیے جب اُسے خبر ہی نہ ہو تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس سے ملاقات کی، تمام عالم اس لفظ سے یہی معنی سمجھتا ہے۔ (ت)

قول (۷۳ و ۷۴) اشعۃ اللمعات اغرباب زیارت القبور شرح مشکوٰۃ امام ابن حجر مکی سے زیرِ حدیث امّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کہ آغاز نوع دوم مقصد دوم میں گزری نقل فرمایا:

دریں حدیث دلیلے واضح ست بر حیاتِ میت وعلم وے وآنکہ واجب است احترامِ میت نزد زیارتِ وے خصوصاً صالحان ومراعات ادب بر قدر مراتب ایشاں چنانکہ در حالت حیات ایشاں[3]۔

اس حدیث میں اس پر کھلی ہُوئی دلیل موجود ہے کہ وفات یافتہ کو حیات وعلم حاصل ہے اور وقتِ زیارت اس کا احترام واجب ہے خصوصاً صالحین کا احترام اور اُن کے مراتب کے لحاظ سے رعایتِ ادب حیاتِ دُنیوی کی طرح ضروری ہے۔ (ت)

---

[1] جامع البرکات

[2] تیسیر شرح جامع صغیر تحت من زار قبر ابویہ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۲/ ۴۲۰

[3] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور فصل ۳ تیج کمار لکھنؤ ۱/ ۷۲۰

پھر کتاب الجہاد لمعات میں اُسے ذکر کرکے لکھا ہے: ھل ھذا الا اثبات العلم والادراك[1] (یہ اگر میت کے لیے علم وادراک ثابت کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ ت)

فصل ہشتم وُہ اپنے زائروں سے کلام کرتے[عہ] اور اُن کے سلام وکلام کا جواب دیتے ہیں۔

قول (۷۵ تا ۷۸) امام یافعی پھر امام سیوطی امام محب طبری شارح تنبیہ سے ناقل ہیں امام اسمٰعیل حضرمی کے ساتھ مقبرہ زبیدہ میں تھے فقال یا محب الدین اتؤمن بکلام الموتی قلت نعم فقال ان صاحب ھذا القبر یقول لی انا من حشو الجنۃ[2] انھوں نے فرمایا: اے محب الدین! آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مُردے کلام کرتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں، کہا اس قبر والا مجھ سے کہہ رہا ہے کہ میں جنت کی بھرتی سے ہُوں۔

تنبیہ: اس روایت کے لانے سے یہ غرض نہیں کہ اُس میت نے امام اسمٰعیل سے کلام کیا کہ ایسی روایات توصدہا ہیں اور ہم پہلے کہہ آئے کہ وقائع جزئیہ شمار نہ کریں گے بلکہ محلِ استدلال یہ ہے کہ وُہ دونوں امام احیائے اموات کے کلام کرنے پر اعتقاد رکھتے تھے، اور ان دونوں اماموں نے اسے استناداً نقل فرمایا۔

تذییل: امام یافعی امام سیوطی انہی اسمٰعیل قدس سرہ الجلیل سے حاکی ہُوئے بعض مقابر یمن پر اُن کا گزر ہُوا بشدت روئے اور سخت مغموم ہُوئے، پھر کھلکھلا کر ہنسے اور نہایت شاد ہُوئے، کسی نے سبب پُوچھا، فرمایا: میں نے اس مقبرہ والوں کو عذابِ قبر میں دیکھا رویا اور جنابِ الٰہی سے گڑگڑا کر عرض کی، حکم ہُوا، قد شفعناك فیھم ہم نے تیری شفاعت اُن کے حق میں قبول فرمائی۔ اس پر یہ قبر والی مجھ سے بولی، وانا معھم یافقیہ اسمٰعیل انا فلانۃ المغنیۃ مولانا اسمٰعیل! میں بھی انھیں میں سے ہوں میں فلانی گائن ہوں۔ میں نے کہا: وانت معھم تُو بھی ان کے ساتھ ہے۔ اس پر مجھے ہنسی آئی[3]۔ اللّٰھم اجعلنا ممن رحمتہ باولیائك آمین (اے اللہ! ہمیں بھی ان میں شامل فرما جن کو اپنے اولیاء کے طفیل رحمت سے نوازا۔ الٰہی قبول فرما۔ ت)

قول (۷۹) زہرالربٰی شرح سُنن نسائی میں نقل فرمایا:

ان للروح شانا اخر فتکون فی الرفیق الاعلی وھی متصلۃ بالبدن بحیث اذا سلم المسلم	رُوح کی شان جُدا ہے باآنکہ ملاءِ اعلیٰ میں ہوتی ہے پھر بھی بدن سے ایسی متصل ہے کہ جب سلام

عہ تنبیہ: جوابِ سلام کا ایک قول فصلِ ہفتم میں علامہ قونوی سے گزرا ۱۲ منہ (م)

---

[1] لمعات کتاب الجہاد

[2] شرح الصدور باب فی زیارۃ القبور الخ خلافت اکیڈمی، منگورہ، سوات ص ۸۶

[3] ایضاً

علی صاحبہ ردعلیہ السلام وھی فی مکانہا ھناك الی ان قال انما یاتی الغلط ھھنا من قیاس الغائب علی الشاھد فیعتقد ان الروح من جنس مایعھد من الاجسام التی اذا شغلت مکانا لم یمکن ان تکون فی غیرہ وھذا غلط محض[1]

کرنے والا سلام کرے جواب دیتی ہے۔ لوگوں کو دھوکا اس میں یُوں ہوتا ہے کہ بے دیکھے چیز کو محسوسات پر قیاس کرکے رُوح کا حال جسم کا سا سمجھتے ہیں کہ جب ایک مکان میں ہو اُسی وقت دُوسرے میں نہیں ہوسکتی حالانکہ یہ محض غلط ہے۔

قول (۸۰) علامہ زرقانی شرح مواہب میں نقل فرماتے ہیں:

رد السلام علی المسلم من الانبیاء حقیقی بالروح والجسد بجملتہ ومن غیر الانبیاء والشھداء باتصال الروح بالجسد اتصالا یحصل بواسطتہ التمکن من الرد مع کون ارواحھم لیست فی اجسادھم وسواء الجمعۃ وغیرھا علی الاصح لکن لامانع ان الاتصال فی الجمعۃ والیومین المکتنفین بہ اقوی من الاتصال فی غیرھا من الایام[2] اھ ملخصا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جواب سلام سے مشرف فرمانا تو حقیقی ہے کہ رُوح و بدن دونوں سے ہے اور انبیاء و شہداء کے سوا اور مومنین میں یُوں ہے کہ اُن کی رُوحیں اگرچہ بدن میں نہیں تاہم بدن سے ایسا اتصال رکھتی ہیں جس کے باعث جواب سلام پر انھیں قدرت ہے اور مذہب اصح یہ ہے کہ جمعہ وغیرہ سب دن برابر ہیں، ہاں اس کا انکار نہیں کہ پنجشنبہ و جمعہ و شنبہ میں اور دنوں کی نسبت اتصال اقوی ہے اھ ملخصاً۔

قول (۸۱ و ۸۲) شرح الصدور و طحطاوی حاشیہ مراقی میں نقل فرمایا:

الاحادیث والاثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم بہ المزور وسمع سلامہ وانس بہ ورد علیہ وھذا عام فی حق الشھداء وغیرھم وانہ لاتوقیت

احادیث و آثار دلیل ہیں کہ جب زائر آتا ہے مُردے کو اس پر علم ہوتا ہے کہ اُس کا سلام سُنتا اور اس سے انس کرتا اور اس کو جواب دیتا ہے اور یہ بات شہداء و غیر شہداء سب میں عام ہے نہ اس میں کچھ وقت کی خصوصیت[عہ]

عہ انھیں امام جلیل نے انیس الغریب میں فرمایا: وسلموا ردا علی المسلم فی ای یوم قالہ ابن القیم، مُردے سلام کے جواب میں سلام کرتے ہیں کوئی دن ہو جیسا کہ ابن قیم نے تصریح کی ۱۲ (م)

[1] زہر الربی حاشیۃ علی النسائی کتاب الجنائز ارواح المومنین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۹۲

[2] الزرقانی شرح المواہب المقصد العاشر فی اتمام نعمتہ المطبعۃ العامرہ مصر ۸/ ۳۵۲

فی ذلک[1] کہ بعض وقت ہو اور بعض وقت نہیں۔

قول (۸۳) بنایہ حاشیہ ہدایہ میں دربارۂ حدیث تلقینِ موتٰی فرمایا:

عند اھل السنۃ ھذا علی حقیقتہ لان اللہ تعالٰی یحییہ علی ما جاءت بہ الاٰثار[2]

اہل سنّت کے نزدیک یہ اپنی حقیقت پر ہے اس لیے کہ اللہ تعالٰی مُردے کو زندہ فرمادیتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا۔

فصل نہم اولیاء کی کرامتیں اولیاء کے تصرف بعد وصال بھی بدستور ہیں۔

قول (۸۴) امام نووی نے اقسامِ زیارت میں فرمایا: ایک زیارت بغرضِ حصولِ برکت ہوتی ہے، یہ مزاراتِ اولیاء کے لیے سنّت ہے اور ان کے لیے برزخ میں تصرفات و برکات بے شمار ہیں وستقف علٰی ذلک ان شاء اللہ تعالٰی (ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب اس سے آگاہی ہوگی۔ ت)

قول (۸۵ و ۸۶) اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرمایا:

تفسیر کردہ است بیضاوی آیۂ کریمہ والنازعات غرقا الاٰیۃ را بصفات نفوس فاضلہ در حال مفارقت از بدن کہ کشیدہ می شوند از ابدان ونشاط میکنند بسوئے عالم ملکوت و سیاحت میکنند دران پس سبقت میکنند بحظائر قدس پس می گردند بشرف و قوت از مدبرات[3]

قاضی بیضاوی نے آیۂ کریمہ والنازعات غرقا الخ کی تفسیر میں بتایا ہے کہ یہاں بدن سے جدائی کے وقت ارواحِ طیبہ کی جو صفات ہوتی ہیں ان کا بیان ہے کہ وُہ بدنوں سے نکالی جاتی ہیں اور عالمِ ملکوت کی طرف تیزی سے جاتی اور وہاں سیر کرتی ہیں پھر مقاماتِ مقدس کی طرف سبقت کرتی ہیں اور قوت و شرف کے باعث مدبرات امر یعنی نظامِ عالم کی تدبیر کرنے والوں سے ہوجاتی ہیں (ت)

قول (۸۷) علّامہ نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقہ ندیہ میں فرمایا:

کرامات الاولیاء باقیۃ بعد موتھم ایضا ومن زعم خلاف ذلک فھو جاھل متعصب

اولیاء کی کرامتیں بعد انتقال بھی باقی ہیں جو اس کے خلاف زعم کرے وہ جاہل ہٹ دھرم ہے،

ع‍ه زیارت گاہی از جہت انتفاع باہل قبور بود چنانچہ در زیارتِ قبور صالحین آثار آمدہ ۱۲ جذب القلوب

کبھی زیارت، اہل قبور سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہوتی ہے جیسا کہ قبور صالحین کی زیارت کے بارے میں احادیث آئی ہیں (ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی زیارۃ القبور دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۶۲۰

[2] البنایۃ شرح الہدایۃ باب الجنائز مکتبہ امدادیہ مکۃ المکرمہ ۱/ ۱۰۷۳

[3] اشعۃ اللمعات باب حکم الاسراء نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۱

ولنا رسالة فی خصوص اثبات الکرامۃ بعد موت الولی[1] اھ ملخصًا۔

ہم نے ایک رسالہ خاص اسی امر کے ثبوت میں لکھا ہے اھ ملخصًا (ت)

قول (۸۸ و ۸۹) شیخ مشائخنا رئیس المدرسین بالبلد الامین مولٰنا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

قال العلامۃ الغنیمی وھو خاتمۃ محقق الحنفیۃ اذا کان مرجع الکرامات الی قدرۃ اللہ تعالٰی کما تقرر فلافرق بین حیاتھم ومماتھم (الٰی ان قال) قد اتفقت کلمات علماء الاسلام قاطبۃ علٰی ان معجزات نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتحصر لان منہا ما اجراہ اللہ تعالٰی ویجریہ لاولیائہ من الکرامات احیاءً و امواتًا الٰی یوم القیٰمۃ[2]۔

علامہ غنیمی رحمہ اللہ تعالٰی نے کہ محققین حنفیہ کے خاتم ہیں فرمایا جب ثابت ہوچکا کہ مرجع کرامات قدرت الٰہی کی طرف ہے تو اولیاء کی حیات و وفات میں کچھ فرق نہیں تمام علمائے اسلام ایک زبان فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معجزے محدود نہیں کہ حضور ہی کے معجزات سے ہیں وہ سب کرامتیں جو اولیائے زندہ و مُردہ سے جاری کیں اور قیامت تک اُن سے جاری فرمائے گا۔

قول (۹۰) اس میں امام شیخ الاسلام شہاب رملی سے منقول:

معجزات الانبیاء وکرامات الاولیاء لاتنقطع بموتھم[3]۔

انبیاء کے معجزے اور اولیاء کی کرامتیں ان کے انتقال سے منقطع نہیں ہوتیں۔

قول (۹۱ و ۹۲) امام ابن الحاج مدخل میں امام ابوعبداللہ بن نعمان کی کتاب مستطاب سفینۃ النجاء لاھل الالتجاء فی کرامات الشیخ ابی النجاء سے ناقل:

تحقق لذوی البصائر والاعتبار ان زیارۃ قبور الصالحین محبوبۃ لاجل التبرک مع الاعتبار فان برکۃ الصالحین جاریۃ بعد مماتھم کما کانت فی حیاتھم[4]۔

اہلِ بصیرت و اعتبار کے نزدیک محقق ہوچکا ہے کہ قبور صالحین کی زیارت بغرض تحصیل برکت و عبرت محبوب ہے کہ اُن کی برکتیں جیسے زندگی میں جاری تھیں بعد وصال بھی جاری ہیں۔

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ اوّلھم آدم ابوالبشر نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۹۰

[2] فتاوٰی جمال بن عمر مکی

[3] " "

[4] المدخل فصل فی زیارۃ القبور دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۴۹

قول (۹۳) جامع البرکات میں ارشاد فرمایا:

اولیاء را کرامات و تصرفات در اکوان حاصل است و آن نیست مگر ارواح ایشان را چون ارواح باقی است بعد از ممات نیز باشد[۱]

اولیاء کو کائنات میں کرامات و تصرفات کی قوت حاصل ہے اور یہ قوت ان کی روحوں کو ہی ملتی ہے تو روحیں جب بعد وفات بھی باقی رہتی ہیں تو یہ قوت بھی باقی رہتی ہے۔ (ت)

قول (۹۴) کشف الغطاء میں ہے:

ارواحِ کمل کہ در حینِ حیات ایشاں بہ سبب قربِ مکانت و منزلت از رب العزت کرامات و تصرفات و امداد داشتند بعد از ممات چوں ہماں قرب باقیند نیز تصرفات دارند چنانکہ در حینِ تعلق بجسد داشتند یا بیشتر ازاں[۲]

کاملین کی روحیں ان کی زندگی میں رب العزت سے قربِ مرتبت کے باعث کرامات و تصرفات اور حاجتمندوں کی امداد فرمایا کرتی تھیں بعد وفات جب وہ ارواحِ شریفہ اُسی قرب و اعزاز کے ساتھ باقی ہیں تو اب بھی ان کے تصرفات ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے جسم سے دنیاوی تعلق کے تھے یا اُس سے بھی زیادہ۔ (ت)

قول (۹۵ و ۹۶) شرح مشکوۃ میں فرمایا:

یکے از مشائخ عظام علہ گفتہ است دیدم چہار کس را از مشائخ تصرف می کنند در قبور خود مانند تصرفہائے شاں در حیات خود یا بیشتر شیخ معروف و عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہما و دو کس دیگر را از اولیاء علہ

ایک عظیم بزرگ فرماتے ہیں میں نے مشائخ میں سے چار حضرات کو دیکھا کہ اپنی قبروں میں رہ کر بھی ویسے ہی تصرف فرماتے ہیں جیسے حیاتِ دنیا کے وقت فرماتے تھے یا اس سے بھی زیادہ (۱) شیخ معروف کرخی

علہ یعنی سیدی علی قرشی قدس سرہ العزیز کما روی عنہ الامام نور الدین ابو الحسن علی فی بھجۃ الاسرار بسندہ ۱۲ منہ (م)

یعنی سیدی علی قرشی قدس سرہ العزیز، جیسا کہ بھجۃ الاسرار میں ان سے نور الدین ابو الحسن علی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

علہ یعنی شیخ عقیل بسہی و حضرت شیخ حیاۃ ابن قیس الحرانی قدس اللہ تعالٰی اسرارہما کما فی البھجۃ ۱۲ منہ (م)

یعنی شیخ عقیل منجی بسہی اور شیخ حیات ابن قیس حرانی رحمہما اللہ تعالٰی، جیسا کہ بھجۃ الاسرار میں ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] جامع البرکات

[۲] کشف الغطاء، فصل دہم زیارتِ قبور مطبع احمدی دہلی ص ۸۰

49

شمردہ و مقصود حصر نیست آنچہ خود دیدہ و یافتہ است[1]

(۲) سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہما، اور دو اولیا کو شمار کیا (شیخ عقیل منجبی، شیخ حیاۃ ابن قیس حرانی رحمہما اللہ تعالٰی) ان کا مقصد حصر نہیں بلکہ خود جو دیکھا اور مشاہدہ فرمایا وہ بیان کیا۔ ت)

فصل دہم الحمدللہ برزخ میں بھی ان کا فیض جاری اور غلاموں کے ساتھ وہی شان امداد و یاری ہے۔

قول (۹۷) امام اجل عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبرٰی میں ارشاد فرماتے ہیں:

جمیع الائمۃ المجتھدین یشفعون فی اتباعھم ویلاحظونھم فی شدائدھم فی الدنیا والبرزخ ویوم القیامۃ حتی یجاوز الصراط[2]۔

تمام ائمہ مجتہدین اپنے پیروؤں کی شفاعت کرتے ہیں اور دنیا و برزخ و قیامت ہر جگہ کی سختیوں میں ان پر نگاہ رکھتے ہیں یہاں تک کہ صراط سے پار ہوجائیں۔

اسی امام اجل نے اسی کتاب اجل میں فرمایا:

قد ذکرنا فی کتاب الاجوبۃ عن ائمۃ الفقھاء والصوفیۃ کلھم یشفعون فی مقلدیھم ویلاحظون احدھم عند طلوع روحہ وعند سوال منکر ونکیر لہ وعند النشر والحشر والحساب والمیزان والصراط ولا یغفلون عنھم فی موقف من المواقف ولما مات شیخنا شیخ الاسلام الشیخ ناصر الدین اللقانی رآہ بعض الصالحین فی المنام فقال لہ ما فعل اللہ بك فقال لما اجلسنی الملکان فی القبر لیسئلانی اتاھم الامام مالك فقال مثل ھذا یحتاج الی سوال فی ایمانہ باللہ ورسولہ تنحیا عنہ فتنحیا عنی اھ واذا کان مشائخ الصوفیۃ یلاحظون اتباعھم ومریدیھم

ہم نے کتاب الاجوبہ عن الفقہاء والصوفیہ میں ذکر کیا ہے کہ تمام ائمہ فقہاء و صوفیہ اپنے اپنے مقلدوں کی شفاعت کرتے ہیں اور جب ان کے مقلد کی روح نکلتی ہے جب منکر نکیر اس سے سوال کو آتے ہیں جب اس کا حشر ہوتا ہے، جب نامۂ اعمال کھلتے ہیں، جب حساب لیا جاتا ہے، جب عمل تُلتے ہیں، جب صراط پر چلتا ہے، غرض ہر حال میں اس کی نگہبانی فرماتے ہیں اور کسی جگہ اس سے غافل نہیں ہوتے۔ ہمارے استاد شیخ الاسلام امام ناصر الدین لقانی مالکی رحمہ اللہ تعالٰی کا جب انتقال ہوا بعض صالحوں نے انھیں خواب میں دیکھا، پوچھا اللہ تعالٰی نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ کہا جب منکر نکیر نے مجھے سوال کے لئے بٹھایا امام مالک تشریف لائے اور ان سے فرمایا ایسا شخص بھی اس کی حاجت رکھتا ہے کہ اس سے خدا و رسول

---

[1] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور تیج کمار لکھنؤ ۱/ ۷۱۵

[2] المیزان الکبرٰی مقدمۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۹

فی جمیع الاھوال والشدائد فی الدنیا و الاٰخرۃ فکیف بائمۃ المذاھب الذین ھم أوتاد الارض واَرکان الدین وأمناء الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی امتہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین[1]۔

پر ایمان کے بارے میں سوال کیا جائے الگ ہو اس کے پاس سے۔ یہ فرماتے ہی نکیرین مجھ سے الگ ہو گئے۔ اور جب مشائخ کرام صوفیہ قدست اسرارہم ہول وسختی کے وقت دنیا وآخرت میں اپنے پیروؤں اور مریدوں کا لحاظ رکھتے ہیں تو ان پیشوایانِ مذاہب کا کہنا ہی کیا جو زمین کی میخیں ہیں اور دین کے ستون، اور شارع علیہ السلام کی اُمت پر اُس کے امین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد ؎

حسبی من الخیرات ما اعددتہ	یوم القیامۃ فی رضی الرحمٰن
دین النبی محمد خیر الورٰی	ثم اعتقادی مذھب النعمٰن
وارادتی وعقیدتی ومحبتی	للشیخ عبد القادر الجیلانی

(میرے لیے نیکیوں سے وُہ کافی ہے جو روزِ قیامت خوشنودیٔ الٰہی کی راہ میں، میں نے تیار کر رکھا ہے۔ نبی اکرم، مخلوق میں سب سے افضل حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا دین پاک، پھر مذہب نعمان امام اعظم ابوحنیفہ پر اعتقاد، اور سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی سے ارادت اور عقیدت ومحبت۔ ت) ؎

دی بخاک رضا شدم گفتم	کہ تو چونی کہ ما چناں شدہ ایم
ہمہ روز از غمت بفکر فضول	ہمہ شب در خیال بیہدہ ایم
خبری گو بما ز تلخی مرگ	گفت ما جام تلخ کم زدہ ایم
قادریت بکامِ ما کردند	سنیت را گدائے میکدہ ایم
شیر بودیم و شہد افزوزند	ما سراپا حلاوت آمدہ ایم

(ایک دن میں نے رضا کی خاک پر جا کر کہا تمھارا کیا حال ہے، ہمارا حال تو یہ ہے کہ دن رات تمھارے غم میں بیکار سوچتے اور فکر کرتے رہتے ہیں، بتاؤ کہ موت کی تلخی کا حال کیسا رہا؟ عرض کیا: یہ تلخ جام ہم نے تو کم ہی چکھا، قادریت ہمارا مشرب رہا اور سنیت ہمارا میکدہ، ہم دُودھ تھے ہی اس پر شہد کا اضافہ ہوا، ہم تو سراپا حلاوت نکلے۔ ت)

---

[1] المیزان الکبرٰی فصل فی بیان جملۃ من الامثلۃ المحسوسۃ مصطفٰی البابی مصر ۱/۵۳

تنبیہ نبیہ: ہاں مقلدانِ ائمہ کو خوشی و شادمانی اور ان کے مخالفوں کو حسرت و پشیمانی، مگر حاشا صرف فروع میں تقلید سے متبع نہیں ہوتا، پہلے مہم امرِ عقائد ہے جو اس میں ائمہ سلف کے خلاف ہو تو یہ کہاں وہ اور کہاں اتباع، یُوں تو بہتیرے معتزلی حنفیت جتاتے ہیں بعض زیدیہ روافض شافعی کہلاتے ہیں، بہت مجسمہ موجہہ حنبلی کہے جاتے، پھر کیا ارواحِ طیبہ حضرات عالیہ امام اعظم و امام شافعی و امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم اُن سے خوش ہوں گے، کلّا واللہ! ان گمراہوں کا انتساب ایسا ہے جیسے روافض اپنے آپ کو امامیہ کہتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے بیزار روح پاک ائمہ اطہار ہے رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔ یُونہی نجد کے حنبلی، ہند کے حنفی جو مخترعانِ مذہبِ جدید و متبعانِ قرنِ طریہ ہُوئے ہرگز حنبلی و حنفی نہیں بلکہ حَبَلی[1] و جَنَفی[2] ہیں۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اپنے قصیدہ اکسیر اعظم (۱۳۰۲ھ) کی شرح مجیر معظم (۱۳۰۳ھ) میں غلامان سرکار قادری کے فضائل اور ان کے لیے جو عظیم اُمیدیں ہیں لکھ کر گزارش کی:

اما ہوس کار اینکہ نزد ایشاں اتباع ہوائے نفس کمالِ تصوف و رد احکام شرع تمغائے تعرف، مناہی و ملاہی موصل الی اللہ و تباہی و دواہی ریاضت این راہ، روزہا دارند اما بر گردن و نماز ہا گزارند بمعنی ترک کردن و نہ آنکہ ازینہا باکے دارند یا سرے خارند بلکہ فارغ زیند و حسابے ندارند و خود از ینہا چہ حکایت و از بدعت چہ شکایت کہ متہوران ایشاں ضروریات دین را خلاف کنند و بدعوی اسلام بر عقائد اسلام خندہ زنند، من و خدائے من کہ اینان نہ قادری باشند و نہ چشتی بلکہ غادری باشند و زشتی ؎

سایہ ما دُور باد از ما دور الخ اھ ملخصا

مگر وُہ ہوس کار جن کے نزدیک ہوائے نفس کی پیروی کمال تصوف اور احکامِ شرع کو رَد کرنا تمغہ امتیاز، ممنوعات اور لہو کی چیزیں خدا رسی کا ذریعہ، تباہی اور مصیبت کی چیزیں اس راہ کی ریاضت، روزے رکھیں مگر ذمّہ میں رہیں، نمازیں پڑھیں مگر نہ پڑھنے کی طرح، اس پر بھی یہ نہیں کہ کچھ خوف یا فکر ہو بلکہ چین سے جیتے ہیں اور کوئی حساب نہیں رکھتے اُن کی کیا بات اور اس بد مذہبی کی کیا شکایت جبکہ اُن کے بے باکوں کا حال یہ ہے کہ ضروریاتِ دین کا خلاف کریں اور اسلام کا دعوٰی کرکے عقائد اسلام پر خندہ زن ہوں، واللہ یہ نہ قادری ہیں نہ چشتی بلکہ غادری ہیں اور زشتی، ان کا سایہ ہم سے دُور ہو دور الخ (ت)

معہذا بالفرض اگر ایک فریق منکرین باعتبار فروع مقلدین سہی تاہم جب اُن کے نزدیک ارواح گزشتگان

---

[1] حَبَل بفتحتین بمعنی غضب ۱۲ منہ (م)

[2] جَنَف بفتحتین میل وجور ۱۲ منہ (م)

مثل جماد اور محال امداد اور شرک استمداد، تو وہ اس قابل کہاں کہ ارواحِ ائمہ ان پر نظر فرمائیں۔ سنّتِ الٰہیہ ہے کہ منکر کو محروم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالٰی حدیثِ قدسی میں فرماتا ہے:

انا عند ظن عبدی بی[1]۔ رواہ البخاری۔ میں بندہ سے وُہ کرتا ہُوں جو بندہ مجھ سے گمان رکھتا ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

جب اُن کے گمان میں امداد محال تو اُن کے حق میں ایسا ہی ہوگا، ع

گر بر تو حرام است حرامت بادا

سیّدِ عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیثِ متواتر میں فرماتے ہیں:

شفاعتی یوم القیٰمۃ حق فمن لم یؤمن بھا لم یکن من اھلھا[2]۔ رواہ ابن منیع عن زید بن ارقم وبضعۃ عشر من الصحابۃ رضوان اللہ تعالٰی علیھم اجمعین۔

میری شفاعت قیامت کے روز حق ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا اُس کے اہل سے نہ ہوگا۔ (اسے ابنِ منیع نے حضرت زید بن ارقم اور تیرہ صحابہ کرام رضوان تعالٰی علیہم اجمعین سے روایت کیا۔ ت)

اللہ تعالٰی دنیا و آخرت میں اُن کی شفاعتوں سے بہرہ مند فرمائے آمین اللّٰھم آمین۔

قول (۹۸ تا ۱۰۰) امام غزالی قدس سرہ العالی پھر شیخ محقق پھر شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

واللفظ لشرح المشکوٰۃ حجۃ الاسلام امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ مے شود بوی در حیات استمداد کردہ مے شود بوی بعد از وفات[3]۔

الفاظ شرح مشکوٰۃ کے ہیں: حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں جس سے زندگی میں مدد مانگی جائے اُس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جائے۔ (ت)

قول (۱۰۱ و ۱۰۲) امام ابن حجر مکی پھر شیخ نے شروح مشکوٰۃ میں فرمایا:

صالحاں را مددِ بلیغ است بہ زیارت کنندگانِ خود را باندازہ ادب ایشاں[4]۔

صالحین اپنے زائرین کے ادب کے مطابق ان کی بے پناہ مدد فرماتے ہیں۔ (ت)

---

[1] الصحیح للبخاری باب قول اللہ ویحذرکم اللہ نفسہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۰۱

[2] الجامع الصغیر بحوالہ ابن منیع حدیث ۴۸۹۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۰۱

[3] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۵

[4] " " " " " " " ۱/ ۷۲۰

قول (۱۰۳) امام علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں اہلسنّت کے نزدیک علم و ادراک موتٰی کی تحقیق کرکے فرمایا:

ولھذا ینتفع بزیارۃ قبور الابرار والاستعانۃ من نفوس الاخیار[1]

اسی لیے قبور اولیاء کی زیارت اور ارواح طیبہ سے استعانت نفع دیتی ہے۔

قول (۱۰۴ و ۱۰۵) ردالمحتار میں امام غزالی سے ہے:

انھم متفاوتون فی القرب من اللہ تعالٰی ونفع الزائرین بحسب معارفھم و اسرارھم[2]

ارواح طیبہ اولیائے کرام کا حال یکساں نہیں بلکہ وہ متفاوت ہیں اللہ سے نزدیکی اور زائروں کو نفع دینے میں موافق اپنے معارف و اسرار کے۔

قول (۱۰۶) امام ابن الحاج مکی مدخل میں فرماتے ہیں:

ان کانت المیت المزار ممن ترجی برکتہ فیتوسل الی اللہ تعالٰی بہ، یبدء بالتوسل الی اللہ تعالٰی بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذھو العمدۃ فی التوسل والاصل فی ھذا کلہ والمشرع لہ، ثم یتوسل باھل تلک المقابر اعنی بالصالحین منھم فی قضاء حوائجہ ومغفرۃ ذنوبہ ویکثر التوسل بھم الی اللہ تعالٰی لانہ سبحانہ تعالٰی اجتباھم وشرّفھم وکرمھم فکما نفع بھم فی الدنیا ففی الاٰخرۃ اکثر فمن اراد حاجۃ فلیذھب

یعنی اگر صاحبِ مزار اُن لوگوں میں ہے جن سے اُمید برکت کی جاتی ہے تو اُسے اللہ تعالٰی کی طرف وسیلہ کرے، پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے توسل کرے کہ حضور ہی توسل میں عمدہ اور ان سب باتوں میں اصل اور توسل کے مشروع فرمانے والے ہیں پھر صالحین اہل قبور سے اپنی حاجت روائی و بخشش گناہ میں توسّل اور اس کی تکرار و کثرت کرے کہ اللہ تعالٰی نے انھیں چُنا اور فضیلت و کرامت بخشی تو جس طرح دُنیا میں ان کی ذات سے نفع پہنچایا یُونہی بعد انتقال اُس سے زیادہ پہنچائیگا تو جسے کوئی حاجت منظور ہو ان کے مزاراتِ عہ پر حاضر

عہ قصد زیارت مقربان آں درگاہ و منتسبان آں

اُس بارگاہ کے قُرب یافتہ اور اُس جناب سے تعلق

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] شرح المقاصد — المبحث الرابع مدرک الجزئیات عندنا الخ — دارالمعارف النعمانیہ لاہور — ۲/ ۴۳

[2] ردالمحتار — مطلب فی زیارۃ القبور — ادارۃ الطباعۃ العربیۃ مصر — ۱/ ۶۰۴

الیھم ویتوسل بھم فانھم الواسطۃ بین اللہ تعالٰی وخلقہ وقد تقرر فی الشرع وعلم ما للہ تعالٰی بھم من الاعتناء وذلک کثیر مشھور، و مازال الناس من العلماء والاکابر کابرًا عن کابر مشرقا ومغربا یتبرکون بزیارۃ قبورھم ویجدون برکۃ ذلک حسًا ومعنًی[1] اھ ملخصا

ہو اور ان سے توسل کرے کہ یہی واسطہ ہیں اللہ تعالٰی اور اس کی مخلوق میں، اور بیشک شرع میں مقرر و معلوم ہوچکا کہ اللہ تعالٰی کو اُن پر کیسی عنایت ہے اور یہ خود بکثرت و شہرت ہے اور ہمیشہ علمائے اکابر خلف و سلف مشرق و مغرب میں اُن کی زیارت قبور سے تبرک کرتے اور ظاہر و باطن میں اس کی برکتیں پاتے رہے ہیں اھ ملخصا۔

قول (۱۰۷ تا ۱۰۹) اشعہ میں فرمایا:

سیدی احمد بن زروق کہ از اعاظم فقہاء وعلماء ومشائخ دیارِ مغرب است گفت روزے شیخ ابوالعباس حضرمی از من پرسید کہ امدادِ حی قوی ست یا امدادِ میت قوی ست من گفتم قومی می گویند کہ امداد حی قوی تر است ومن می گویم کہ امدادِ میت قوی تر است پس شیخ گفت نعم زیرا کہ وی در بساطِ حق است و در حضرت اوست (قال) ونقل دریں معنی ازیں طائفہ بیشتر ازان است کہ حصر و احصار کردہ شود ویافتہ نمی شود در کتاب و سنت واقوالِ سلف صالح چیزے کہ منافی ومخالف

سیدی احمد بن زروق جو دیارِ مغرب کے عظیم ترین فقہا اور علماء و مشائخ سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے پُوچھا زندہ کی امداد قوی ہے یا وفات یافتہ کی؟ میں نے کہا کچھ لوگ زندہ کی امداد زیادہ قوی بتاتے ہیں اور میں کہتا ہُوں کہ وفات یافتہ کی امداد زیادہ قوی ہے۔ اس پر شیخ نے فرمایا: ہاں، اس لئے کہ وہ حق کے دربار اور اس کی بارگاہ میں حاضر ہے (فرمایا) اس مضمون کا کلام ان بزرگوں سے اتنا زیادہ منقول ہے کہ حد و شمار سے باہر ہے اور کتاب و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جناب واستفاضۂ خیرات وبرکات از ایشاں نماید موجب مزید خیر و زیادتِ ثواب خواہد بود والسلام[2] ۱۲ منہ جذب القلوب۔ (م)

رکھنے والوں کی زیارت کا قصد کرے اور اُن سے درخواست کرے کہ اپنی برکات و خیرات کا فیض عطا کریں یہ مزید خیر و خوبی اور ثواب میں زیادتی کا باعث ہوگا، والسلام ۱۲ منہ جذب القلوب (ت)

---

[1] المدخل فصل فی زیارۃ القبور دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۴۸-۲۴۹

[2] جذب القلوب باب دوازدہم مکتبہ نعیمیہ چوک دالگراں، لاہور ص ۱۳۸

ایں باشد و رَدکند ایں را الخ۔[1] سنّت اور سلف صالحین کے اقوال میں ایسی کوئی بات موجود نہیں جو اس کے منافی و مخالف اور اسے رَد کرنے والی ہو الخ۔ (ت)

قول (۱۱۰) اسی میں ہے:

بسیارے رافیوض و فتوح از ارواح رسیدہ و ایں طائفہ را در اصطلاح ایشاں اویسی خوانند۔[2] بہت سے لوگوں کو فیض و کشف ارواح سے حاصل ہُوا ہے اور اس جماعت کو ان حضرات کی اصطلاح میں اُویسی کہتے ہیں۔ (ت)

قول (۱۱۱ و ۱۱۲) شیخ الاسلام امام فخر الدین رازی سے ناقل:

چوں می آید زائر نزد قبر حاصل می شود نفس اورا تعلقے خاص بقبر چنانکہ نفس صاحب قبر را و بسبب ایں دو تعلق حاصل مے شود میان ہر دو نفس ملاقات معنوی و علاقہ مخصوص پس اگر نفس مزور قوی تر باشد نفس زائر مستفیض مے شود و اگر برعکس بود برعکس شود۔[3] جب زائر قبر کے پاس آتا ہے تو اسے قبر سے اور ایسے ہی صاحبِ قبر کو اس سے ایک خاص تعلق حاصل ہوتا ہے اور ان دونوں تعلقات کی وجہ سے دونوں کے درمیان معنوی ملاقات اور ایک خاص ربط حاصل ہوجاتا ہے، اب اگر صاحبِ قبر زیادہ قوت والا ہے تو زائر مستفیض ہوتا ہے اور برعکس ہے تو برعکس ہوتا ہے (ت)

قول (۱۱۳ و ۱۱۴) مولٰنا جامی قدس اللہ سرہ السامی حضرت سیدی امام اجل علاءُ الدولہ سمنانی رحمہ اللہ تعالٰی سے ناقل:

درویشے از شیخ سوال کرد کہ چوں بدن را در خاک ادراک نیست و در عالم ارواح حجاب نیست چہ احتیاج است بسر خاک رفتن، چہ در ہر مقامیکہ توجہ کند بروح بزرگے ہماں باشد کہ بسر خاک، شیخ فرمود فائدہ بسیار دارد یکے آنکہ چوں بزیارت کسے مے رود چندانکہ می رود توجہ او زیادہ می شود ایک درویش نے شیخ سے سوال کیا کہ جب قبر کے اندر ادراک بدن کو نہیں بلکہ رُوح کو ہے اور عالم ارواح میں کوئی حجاب نہیں ہے تو قبر کے پاس جانے کی کیا ضرورت، جہاں سے بھی توجہ کرے بزرگ کی روح سے وُہی فائدہ ہوگا جو قبر کے پاس ہوگا۔ شیخ نے فرمایا: اس میں بہت فوائد ہیں ایک یہ کہ جب آدمی کسی کی زیارت

---

[1] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۶

[2] " " " " ۱/ ۷۱۵

[3] کشف الغطاء فصل دہم زیارت قبور مطبع احمدی دہلی ص ۸۰

چوں بر سرِ خاک رسد بحس مشاہدہ کند خاک او را حس او نیز مشغول او می شود و بکلی متوجہ گردد و فائدہ بیشتر باشد و دیگر آنکہ ہر چند ارواح را حجاب نیست و ہمہ جہان او را یکے است اما باآں موضع تعلق بیشتر بود[1] اھ ملخصا

کو جاتا ہے تو جس قدر آگے بڑھتا ہے اس کی توجہ بڑھتی جاتی ہے، جب قبر کے پاس پہنچتا ہے تو حواس سے اس کی قبر کا ادراک اور مشاہدہ کرتا ہے اب اُس کے حواس بھی اُس کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں اور وُہ پُورے ظاہر و باطن کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جس کا فائدہ فزوں تر ہوتا ہے۔ دُوسرے یہ کہ اگرچہ ارواح کے لیے حجاب نہیں ہے اور سارا جہان ان کے لیے ایک ہے مگر اُس مقام سے تعلق زیادہ ہوتا ہے۔ اھ بہ تلخیص (ت)

قول (۱۱۵ و ۱۱۶) سید جمال مکی کے فتاوٰی میں امام شہاب الدین رملی سے منقول:

للانبیاء والرسل والاولیاء والصالحین اغاثۃ بعد موتھم[2]۔

انبیاء و رسل و اولیاء و صالحین بعد رحلت بھی فریاد رسی کرتے ہیں۔

فصل یازدہم تصریحاتِ علماء میں کہ سلامِ قبور دلیل قطعی سماع و فہم و علم و شعور ہے۔

قول (۱۱۷) امام عزالدین بن عبدالسلام اپنی امالی میں فرماتے ہیں:

لانا امرنا بالسلام علی القبور ولولا ان الارواح تدرك لما كان فيه فائدۃ[3]۔

ہمیں حکم ہوا کہ قبور پر سلام کریں اگر رُوحیں سمجھتی نہ ہوتیں تو بیشک اس میں کچھ فائدہ نہ ہوتا۔

قول (۱۱۸) امام ابو عمر ابن عبدالبر نے فرمایا:

احادیث زیارۃ القبور والسلام علیہا وخطابھم مخاطبۃ الحاضر العاقل دالۃ علی ذلك[4] اھ ملخصا

زیارت قبور اور ان پر سلام اور ان سے حاضر عاقل کی طرح خطاب کی حدیثیں اس پر دلیل ہیں اھ ملخصا

قول (۱۱۹) شرح الصدور میں مثل قولین سابقین منقول:

قد شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لامتہ ان یسلموا علی اھل القبور سلام من یخاطبونہ

بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی امت کیلئے اہلِ قبور پر ایسا سلام مشروع فرمایا ہے جیسے سُننے

---

[1] نفحات الانس ترجمہ ابو المکارم رکن الدین علاء الدین السمنانی مہدی توحیدی پور طہران ص ۴۴۰

[2] فتاوٰی جمال بن عمر مکی

[3] شرح الصدور بحوالہ عزالدین ابن عبدالسلام باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۰۳

[4] 〃 〃 〃 ابن عبدالبر 〃 〃 〃 ص ۱۰۰

ممن یسمع ویعقل[1] سمجھنے والوں سے خطاب کرتے ہیں۔

قول (۱۲۰) امام علامہ نووی منہاج میں امام قاضی عیاض کا قول در بارۂ سماعِ موتٰی نقل کرکے فرماتے ہیں:

ھوالظاھر المختار الذی یقتضیہ احادیث السلام علی القبور[2]۔ یہی ظاہر ومختار ہے جسے سلام قبور کی حدیثیں اقتضاء کرتی ہیں۔

قول (۱۲۱) علامہ مناوی نے اسی امر کی دلیل یوں نقل فرمائی ہے: فان السلام علی من لایشعر محال[3] کہ جو نہ سمجھے اس پر سلام اصلاً معقول نہیں۔

قول (۱۲۲) شیخ محقق مدارج النبوۃ میں سلامِ اموات کو حدیث سے نقل کرکے فرماتے ہیں:

خطاب باکسیکہ نہ شنود ونہ فہمد معقول نیست، ونزدیک ست کہ شمار کردہ شود از قبیلہ عبث چنانکہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ گفت[4]۔ جو نہ سُنے نہ سمجھے اس سے خطاب معقول نہیں اور قریب ہے کہ عبث کے دائرے میں شمار ہو جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا۔ (ت)

قول (۱۲۳) مولانا علی قاری شرح اللباب میں در بارۂ سلامِ زیارت فرماتے ہیں:

من غیر رفع صوت ولا اخفاء بالمرۃ لفوت الاسماع الذی ھوالسنۃ[5]۔ نہ بلند آواز سے ہو نہ بالکل آہستہ جس میں سنانا کہ سنت ہے فوت ہوجائے۔

فصل دوازدہم اہلِ قبور سے سوائے سلام اور انواع خطاب وکلام میں۔

قول (۱۲۴ تا ۱۲۷) منسک متوسط و مسلک متقسط و اختیار شرح مختار و فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

واللفظ للاخیرین فانہ ابسط (الفاظ اخیرین کے ہیں اس لیے کہ یہ زیادہ مبسوط ہیں۔ ت) کہ بعد زیارتِ سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہاتھ بھر ہٹ کر سرِ اقدس صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مقابل ہو اور بعد سلام عرض کرے:

جزاك اللہ عنا افضل ماجزی اماما عن امتہ آپ کو اللہ تعالٰی ہم سے جزاو عوض نیک دے بہتر

---

[1] شرح الصدور باب زیارۃ القبور خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۹۴

[2] منہاج للنووی شرح صحیح مسلم مع مسلم باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۸۷

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت من زار قبر ابویہ الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۲/ ۴۲۰

[4] مدارج النبوۃ فصل در سماعت میت نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۹۵

[5] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۸

نبیہ ولقد خلفتہ باحسن خلف وسلکت طریقۃ ومنہاجہ خیر مسلك وقاتلت اھل الردۃ والبدع ومھدت الاسلام ووصلت الارحام ولم تزل قائلا للحق ناصرا لاھلہ حتی اتاك الیقین[1]

اُس عوض کا جو کسی امام کو اس کے نبی کی اُمت سے عطا فرمایا ہو بیشک آپ نے بہترین خلافت سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیابت کی اور بہترین روش سے حضور کی راہ وطریقہ پر چلے، آپ نے اہلِ ارتداد و بدعت سے قتال کیا، آپ نے اسلام کو آراستگی دی، آپ نے صلہ رحم فرمایا، آپ ہمیشہ حق گو اور اہلِ حق کے ناصر رہے یہاں تک کہ آپ کو موت آئی۔

پھر ہٹ کر قبرِ مبارک حضرت فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے محاذی ہو اور بعد سلام عرض کرے:

جزاك اللہ عنا افضل الجزاء ورضی اللہ عمن استخلفك فقد نصرت الاسلام والمسلمین حیا ومیتا فکفلت الایتام ووصلت الارحام وقوی بك الاسلام کنت للمسلمین اماما مرضیا وھادیا مھدیا جمعت شملھم واغنیت فقیرھم وجبرت کسیرھم[2]

اللہ تعالٰی آپ کو بہتر بدلہ دے اور اُن سے راضی ہو جنھوں نے آپ کو خلیفہ کیا یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ آپ نے اپنی زندگی اور موت دونوں حال میں اسلام و مسلمین کی مدد فرمائی، آپ نے یتیموں کی کفالت اور رحم کا صلہ کیا، اسلام نے آپ سے قوت پائی، آپ مسلمانوں کے پسندیدہ پیشوا اور رہنمائے راہ یاب ہوئے، آپ نے اُن کا جتھا باندھا اور ان کے محتاجوں کو غنی کردیا اور ان کی شکستہ دلی دُور فرمائی۔

اسی طرح کتبِ مناسک میں بہت تصریحیں اس کی ملیں گی۔

قول (۱۲۸ تا ۱۳۰) امام خطابی نے دربارۂ تلقین فرمایا:

لاباس بہ اذ لیس فیہ الا ذکر اللہ تعالٰی وعرض الاعتقاد علی المیت (الٰی قولہ) وکل ذلك حسن۔ نقلہ القاری فی المرقاۃ[3]

اس میں کچھ حرج نہیں کہ وہ ہے کیا مگر اللہ تعالٰی کی یاد اور میّت پر عرضِ اعتقاد، یہ سب خوب ہیں (اسے ملّا علی قاری نے مرقاۃ میں نقل کیا۔ ت)

بعینہٖ اسی طرح ذیل مجمع البحار[4] میں مذکور۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ مطلب زیارۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۶

[2] " " " "

[3] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الخطابی باب اثبات عذاب القبر تحت الحدیث ۱۳۳ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/۳۵۶

[4] تکملہ مجمع البحار تحت لفظ ثبت منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۵

وحسبنا الله العزیز الغفور وصلی الله تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه الٰی یوم النشور۔

ہمیں عزت ومغفرت والا خدا کافی ہے اور اللہ تعالٰی ہمارے آقا ومولا حضرت محمد اور ان کی آل واصحاب پر تا حشر درود ورحمت بھیجے۔ (ت)

فصل سیزدہم بعد دفن میت کو تلقین اور اسے عقائدِ اسلام یاد دلانے میں۔ یہ فصل فصلِ دوازدہم کی ایک صنف ہے کہ اس میں بھی میت سے سوائے سلام اور قسم کا خطاب وکلام ہے کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ت)۔ میں یہاں صرف علمائے حنفیہ کے اقوال شمار کروں گا کہ شافعیہ تو قاطبۃً قائلِ تلقین ہیں الا من شاء اللہ۔

قول (۱۳۱ تا ۱۳۳) امام زاہد صفار نے کتاب مستطاب تلخیص الادلہ میں تصریح فرمائی کہ تلقینِ موتٰی مسلک اہلسنت ہے اور منعِ تلقین مذہبِ معتزلہ پر مبنی کہ وہ میت کو جماد مانتے ہیں۔ امام حاکم شہید نے کافی اور امام خبازی نے خبازیہ میں اُن سے نقل فرمایا:

ان هذا (ای منع التلقین) علٰی مذهب المعتزلة لان الاحیاء بعد الموت عندهم مستحیل، اما عند اهل السنة فالحدیث ای لقنوا موتاکم لا اله الا الله محمول علی حقیقته، لان الله تعالٰی یحییه علٰی ماجاءت به الاٰثار وقد روی عنه علیه الصلٰوة والسلام انه امر بالتلقین بعد الدفن الخ ذکره فی ردالمحتار[1] عن معراج الدرایة۔

تلقین سے ممانعت معتزلہ کا مذہب ہے اس لیے کہ موت کے بعد زندہ کرنا ان کے نزدیک محال ہے لیکن اہلسنت کے نزدیک حدیثِ تلقین (اپنے مُردوں کو لا الٰہ الا اللہ سکھاؤ) اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اس لیے کہ اللہ تعالٰی مردے کو زندہ فرمادیتا ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ سرکار نے دفن کے بعد تلقین کا حکم دیا الخ۔ اسے ردالمحتار میں معراج الدرایہ کے حوالے سے ذکر کیا (ت)

قول (۱۳۴ و ۱۳۵) دُرمختار میں جوہرہ نیرہ سے ہے: انه مشروع عند اهل السنة[2] بیشک تلقین اہلسنت کے نزدیک مشروع ہے۔

قول (۱۳۶) نہایہ شرح ہدایہ میں ہے:

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الخبازیۃ مطلب فی تلقین بعد الموت ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۷۱

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۹

کیف لایفعل وقد روی عنه علیه الصلوٰۃ والسلام انه امر بالتلقین بعد دفن[1]

تلقین کیونکر نہ کی جائیگی حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہوا، حضور نے بعد دفن تلقین کا حکم دیا۔

اور ان کا قول فصل ہشتم میں گزرا کہ اہلسنت کے نزدیک تلقین اپنی حقیقت پر ہے۔

قول (۱۳۷ و ۱۳۸) امام اجل شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا:

لایومر به ولاینھی عنه[2]۔ نقله فی النھایة وغیرھا۔

تلقین کا حکم نہ دیں نہ اس سے منع کریں (اسے نہایہ وغیرہ میں نقل کیا۔ ت)

حلیہ[۱۳۸] میں اسے نقل کرکے فرمایا: ظاھرہ انه یباح[3] اس قول سے ظاہر اباحت ہے۔

قول (۱۳۹) امام فقیہ النفس قاضی خاں نے فرمایا:

ان کان التلقین لاینفع لا یضر ایضا فیجوز[4] اثرہ المذکورات

تلقین میں اگر کوئی نفع نہ ہو تو ضرر بھی نہیں، پس جائز ہوگی۔ (اسے دونوں مذکور حضرات نے ذکر کیا ہے)

اور ظاہر ہے کہ نفیِ نفع بر سبیلِ تنزل ہے۔

قول (۱۴۰ تا ۱۴۲) صاحبِ غیاث فرماتے ہیں:

انی سمعت استاذی قاضی خان انه یحکی عن الامام ظھیر الدین انه لقن بعض الائمة واوصانی بتلقینه فلقنته فیجوز[5]۔ نقله فی شرح النقایة۔

میں نے اپنے استاذ قاضی خان کو سنا کہ امام اجل[۱۴۱] ظہیر الدین[۱۴۲] کبیر مرغینانی سے حکایت فرماتے تھے بعض ائمہ نے تلقین فرمائی اور مجھے اپنی تلقین کرنے کی وصیت کی تو میں نے انھیں تلقین کی، پس جواز ثابت ہوا۔ (اسے شرح نقایہ میں نقل کیا گیا۔ ت)

---

[1] البنایہ فی شرح الہدایۃ باب الجنائز المکتبۃ الامدادیہ فیصل آباد جلد اول جز ثانی ص ۱۰۷۳

[2] " " " بحوالہ الحلوانی " " " " " " "

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] البنایۃ فی شرح الہدایۃ بحوالہ قاضی خاں المکتبۃ الامدادیہ فیصل آباد جلد اول جز ثانی ص ۱۰۷۳

[5] جامع الرموز فصل فی الجنائز مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲۷۸/۱

اسی طرح صاحبِ حقائق[۱۴۳] نے بتصریح اس کے کہ یہ تلقین بعد دفن تھی، صاحبِ غیاث[عہ] سے نقل کیا کما فی الحلیۃ (جیسا کہ حلیہ میں ہے۔ ت)، امام ابن امیر الحاج عبارتِ حقائق لکھ کر فرماتے ہیں: یفید ان فعلہ ساجح علی ترکہ[۱] یہ کلام استحبابِ تلقین کا مفید ہے۔ پھر اس پر حدیث سے دلیل ذکر کرکے ائمہ محدثین امام ابوعمرو بن الصلاح وغیرہ سے اُس کا بوجہ شواہد و عمل قدیم علمائے شام قوت پانا نقل کرتے ہیں کما اسلفناہ فی المقصد الثانی (جیسا کہ ہم نے اسے مقصدِ دوم میں پیش کیا۔ ت)

قول (۱۴۴ و ۱۴۵) مضمرات میں ہے:

نحن نعمل بھما عند الموت وعند الدفن[۲] نقلہ فی الھندیۃ[۱۴۵]۔	ہم دونوں تلقینوں پر عمل کرتے ہیں وقتِ نزع بھی اور وقتِ دفن بھی۔ (اسے ہندیہ میں نقل کیا گیا۔ ت)

قول (۱۴۶) ذیل مجمع البحار میں ہے: اتفق کثیر علی التلقین[۳] بہت علماء کا تلقین پر اتفاق ہے۔

قول (۱۴۷) نور الایضاح میں ہے: تلقینہ فی القبر مشروع[۴] مردے کو تلقین کرنا مشروع ہے۔

قول (۱۴۸ و ۱۴۹) علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں کتاب التجنیس[۱۴۹] والمزید سے ناقل، التلقین بعد الموت فعلہ بعض مشائخنا[۵] ہمارے بعض[۱۵۱] مشائخ نے موت کے بعد تلقین فرمائی ہے۔

قول (۱۵۰ تا ۱۵۲) جامع الرموز میں جواہر سے منقول:

سئل القاضی مجد[۱۵۲] الدین الکرمانی عنہ قال ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن و روی فی ذلک الحدیثین[۶]۔	قاضی مجد الدین کرمانی سے بارۂ تلقین سوال ہوا، فرمایا جو بات مسلمان اچھی سمجھیں خدا کے نزدیک اچھی ہے، اور اس بارے میں دو حدیثیں روایت کیں۔

عہ یہ معنی خود لفظ اوصانی سے مستفاد مگر اس میں صریح تر ہے کہ لقن بعض الائمۃ بعد دفنہ واوصانی بتلقینہ فلقنتہ بعد ما دفن[۷] ۱۲ منہ (بعض ائمہ نے بعد از دفنِ میت کو تلقین فرمائی اور مجھے میت کو تلقین کرنے کی وصیت کی تو میں نے بعد از دفنِ میت کو تلقین کی ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[۲] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المضمرات الباب الحادی والعشرون فی الجنائز نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵۷

[۳] تکملہ مجمع بحار الانوار تحت لفظ ثبت نولکشور لکھنؤ ص ۲۵

[۴] نور الایضاح باب احکام الجنائز مطبع علیمی لاہور ص ۵۴

[۵] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب صلوٰۃ الجنازۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۶۴

[۶] جامع الرموز فصل فی الجنائز مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۷۸

[۷] حاشیۃ الشلبی علی التبیین بحوالہ الحقائق باب الجنائز مطبعہ کبرٰی بولاق مصر ۱/۲۳۴

قول (۱۵۳) طحطاوی حاشیہ مراقی میں علامہ حلبی سے منقول:

کیف لایفعل مع انہ لاضرر فیہ بل فیہ نفع للمیت[1] تلقین کیونکر نہ کی جائے گی حالانکہ اس میں کوئی نقصان نہیں بلکہ میت کا فائدہ ہے۔

قول (۱۵۴) کشف الغطاء میں ہے: بالجملہ بمقتضائے مذہب اہل سنت وجماعت تلقین مناسب۔ پھر امام صفار کا ارشاد کہ:

سزاوار آن ست کہ تلقین کردہ شود میت بر مذہب امام اعظم وہر کہ تلقین نمی کند و نمے گوید بآن پس او بر مذہب اعتزال ست کہ گویند میت جماد محض است و رُوح در قبر معاد نمی شود۔

مذہب امام اعظم میں میت کو تلقین مناسب ہے اور جو تلقین کا تارک اور منکر ہے وہ معتزلہ کا مذہب رکھتا ہے جو میت کو جماد محض کہتے ہیں اور قبر میں رُوح کا اعادہ نہیں مانتے۔ (ت)

نقل کرکے فرمایا:

وانچہ در کافی گفت کہ اگر مسلمان مردہ است محتاج نیست بسوئے تلقین وے بعد از موت وگرنہ فائدہ نمی کند ناتمام است چہ باوجود اسلام احتیاج بسوئے تلقین برائے ثابت داشتن دل باقی ست چنانکہ در حدیث آمدہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد از دفن فرمودی استغفار کنید برادر خود را وسوال کنید برائے وے تثبت را بدرستیکہ الآن سوال کردہ مے شود از وے[2] الٰی آخرہ۔

وُہ جو کافی میں کہا کہ "اگر بحالتِ اسلام مرا ہے تو وہ موت کے بعد تلقین کا محتاج نہیں، اور اگر ایسا نہیں تو تلقین بے سُود ہے" ناتمام ہے اس لیے کہ اسلام کے باوجود، دل کو ثابت رکھنے کے لیے تلقین کی حاجت ثابت ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دفن کے بعد فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دُعا کرو کہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے، الخ (ت)

قول (۱۵۵ و ۱۵۶) علامہ زیلعی نے تبیین الحقائق میں دربارۂ تلقین پہلے استحباب پھر جواز پھر منع تینوں قول نقل کرکے استحباب پر دلیل قائم کی اور بے شک تعلیل دلیل اختیار و تعویل ہے، علامہ حامد آفندی نے مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں فرمایا: ھوالمرجح اذا ھو المحلی بالتعلیل[3] (اس کی

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب احکام الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۰۶

[2] کشف الغطاء فصل احکام دفن مطبع احمدی دہلی ص ۵۷

[3] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

علت بیان کی گئی ہے لہذا اسی کو ترجیح ہے۔ ت) ولہذا علامہ شامی آفندی تبیین کا یہ کلام نقل کرکے فرماتے ہیں:
ظاھرہ استدلالہ للاول اختیارہ [1] یعنی قولِ استحباب پر دلیل قائم کرنے سے ظاہر یہی ہے کہ امام زیلعی اُسی کو مذہب مختار جانتے ہیں اور خود علامہ شامی کا کلام اختیارِ جواز و استحباب پر دلیل ہے کہ معراج الدرایہ سے عدمِ تلقین کا ظاہر الروایۃ ہونا نقل کرکے پھر اُسی معراج سے بحوالۂ کافی و خبازیہ امام صفار کا وہ ارشاد نقل کیا پھر فتح کا حوالہ دیا کہ اُنھوں نے حدیثِ تلقین کو اپنی حقیقت پر محمول کرنے کی بہت تائید فرمائی، پھر غنیہ سے تائید لائے کہ حدیث میں تجوز ہے مگر تلقین سے منع نہ کریں گے کہ میت کو مفید ہے پھر زیلعی کے کلام سے یوں استظہار کیا اور شارح نے جو مشروعیتِ تلقین کو قولِ اہلسنت کہا اُسے مقرر و مسلّم رکھا، واللہ تعالٰی اعلم۔

نکتۂ جلیلہ تتمیم کلام و ازالۂ اوہام میں۔

اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الٰی ذری التحقیق، طائفہ جدیدہ ان اقوال کے مقابل براہ تلبیس و مغالطہ منعِ تلقین کے اقوال پیش کردیتے ہیں، حالانکہ یہ محض جہالت بے مزہ ہے، ہم یہاں نفس مسئلہ تلقین کی بحث میں نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ ان علمائے مجوزین نے ادراک وسمعِ موتی مانا اور یہ امر اقوالِ مذکورہ سے یقیناً ثابت، ذرا آنکھیں مَل کر دیکھیں کہ ائمہ نے کیا چیز جائز مانی، تلقینِ میت۔ پھر یہ سیکھیں کہ تلقین کے معنی کیا ہیں، تفہیم و تذکیر یعنی سمجھانا اور یاد دلانا کما فی حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی (جیسا کہ حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح میں ہے۔ ت) پھر کسی ذی عقل سے پُوچھیں کہ تفہیم و تذکیر جماد و دیوار کو ہوتی ہے یا سامع فہیم و ہوشیار کو؟ حاشا و کلّا ہر سمجھ والا بچّہ جانتا ہے کہ سمجھانا اور یاد دلانا ہرگز متصور نہیں جب تک مخاطب سُنتا سمجھتا نہ ہو اور جس کے اعتقاد میں ہو کہ مخاطب نہ عقل و فہم رکھتا ہے نہ میرا کہا سُنے پھر اس کے آگے بقصدِ تفہیم و تذکیر بات کرے وہ قطعاً مجنون و دیوانہ ہوگا لہذا یقیناً واجب کہ جو ائمہ و علماء استحباب خواہ جوازِ تلقین کے قائل ہُوئے اُنھوں نے بلاشبہہ اموات کو بعد دفن بھی کلامِ اَحیا سُننے سمجھنے والا مانا اور اسی قدر مقصود تھا بخلاف اقوالِ منع کہ وُہ زنہار نہ مخالف کو مفید نہ ہمیں مضر کہ ترکِ تلقین کی علت کچھ انکارِ فہم و سماع ہی میں منحصر نہیں جس سے خواہی نخواہی سمجھا جائے کہ جو تلقین نہیں مانتا وہ میت کو سمیع و فہیم بھی نہیں جانتا، کیا ممکن نہیں کہ اس کی وجہ بعض کے نزدیک عدمِ ثبوت ہو، جیسا کہ حلیہ میں ہے:

---

[1] ردالمحتار مطلب فی التلقین بعد الموت ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۷۱

فص الشیخ عزالدین بن عبد السلام علی انه بدعة[1]

شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اس کے بدعت ہونے پرنص کی ہے۔ (ت)

دیکھو امام عزالدین شافعی اس وجہ سے قائلِ تلقین نہ ہُوئے کہ اُن کے نزدیک بدعت تھی، حالانکہ یہ وہی امام عزالدین ہیں جن کا ارشاد قول ۱۱ میں گزرا کہ مُردے ہمارا کلام نہ سمجھتے ہوتے تو سلامِ قبور محض لغو تھا۔ یوں ہی کیا ممکن نہیں کہ منع کی وجہ ان کی رائے میں عدم فائدہ ہو بایں معنی کہ مُردہ باایمان گیا تو خود رحمتِ الٰہی اُسے بس ہے وہ بتوفیقِ ربانی آپ ہی صحیح جواب دے گا۔

قال اللہ تعالٰی یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ (ت)

اور جو عیاذ باللہ نوعِ دیگر ہے اُسے لاکھ تلقین کیجئے کیا فائدہ! دیکھو امام حافظ الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کافی شرح وافی میں انکارِ تلقین اسی پر مبنی کیا۔

حیث قال ولقن الشھادۃ لقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام لقنوا موتاکم شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ واراید بہ من قرب من الموت وقیل ھو مجری علی حقیقتہ وھو قول الشافعی لانہ تعالٰی یحییہ وقد روی انہ علیہ السلام امر بتلقین المیت بعد دفنہ وزعموا انہ مذھب اھل السنۃ والاول مذھب المعتزلۃ ؕ لانا نقول لا فائدۃ بالتلقین بعد الموت لانہ ان مات مومنا فلا حاجۃ الیہ وان مات کافرا فلا یفید التلقین[3] اھ ببعض تلخیص۔

ان کی عبارت یہ ہے: وقتِ نزع شہادت یاد دلائے اس لیے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا فرمان ہے "اپنے "مُردوں" کو کلمۂ شہادت کی تلقین کرو۔" اس سے مراد وُہ ہیں جو قریب الموت ہوں۔ اور کہا گیا کہ یہ اپنے حقیقی معنی میں ہے، یہی امام شافعی کا قول ہے، اس لیے کہ اللہ تعالٰی اسے زندہ کر دے گا، اور مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دفن کے بعد تلقین کا حکم دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مذہب اہلسنت ہے اور اول معتزلہ کا مذہب ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ موت کے بعد تلقین کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے کہ اگر بحالتِ ایمان مرا ہے تو تلقین کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر کافر مرا ہے تو تلقین کارگر نہ ہوگی اھ (ختم قدرے تلخیص کے ساتھ)۔ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] القرآن ۱۴/ ۲۷

[3] کافی شرح وافی

50

اگرچہ علماء نے اس شبہہ کا جواب کافی دے دیا کہ ہم شقِ اوّل یعنی موت علی الایمان اختیار کرتے ہیں۔ اور یہ کہنا کہ اب حاجت نہیں غیر مسلّم کہ وُہ وقت ہول و وحشت کا ہے ہماری تذکیر اور خدا کے ذکر سے دل میّت کا قوی ہوگا، ڈھارس بندھے گی، وحشت گھٹے گی۔

قال اللہ تعالٰی الا بذکر اللہ تطمئن القلوب[1] اللہ تعالٰی نے فرمایا: سُن لو خدا کی یاد سے ٹھہر جاتے ہیں دل۔

اسی لیے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد دفن حکم دیتے میت کے لیے خدا سے تثبّت مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا،[2] کمامر فی المقصد الاول (جیسا کہ مقصد اول میں گزرا۔ ت) شیخ الاسلام کا کلام قول ۱۵ میں سُن چکے اور علامہ شرنبلالی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

نفی صاحب الکافی فائدتہ مطلقا ممنوع (بان فیہ فائدۃ التثبیت للجنان) نعم الفائدۃ الاصلیۃ (وھی تحصیل الایمان فی ھذا الوقت) منتفیۃ ویحتاج الیہ لتثبیت الجنان للسوال فی القبر[3] اھ موضحا بحاشیۃ الطحطاوی۔

صاحب کافی کا مطلقاً فائدے سے انکار ہمیں تسلیم نہیں (کیونکہ اس میں دل کو ٹھہرانے اور ثبات دینے کا فائدہ ہے) ہاں فائدہ اصلیہ (اس وقت اُسے ایمان بخشنا) نہیں، اور تلقین کی ضرورت قبر میں سوال کے وقت دل کی تقویت اور ثبات کے لیے ہے اھ (عبارت مراقی ختم حاشیہ طحطاوی سے توضیح کے ساتھ) (ت)

علامہ ابراہیم حلبی کا جواب اسی مقصد میں گزرا کہ تلقین میں میّت کا فائدہ ہے کہ ذکرِ خدا سے اُس کا جی بہلے گا،

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی اگر عدمِ فائدہ میں ایسی ہی تقریریں کریں تو دعاء و دوا اہتمام کارخانۂ اسباب سب مہمل و معطل رہ جائے کہ تقدیرِ الٰہی میں حصول مراد ہے تو آپ ہی ملے گی ورنہ کیا حاصل، غرض جب واضح و بیّن کہ تلقین بے فہم و سماعِ میّت محال اور اس کا انکار کچھ نفیِ سماع میں منحصر نہیں تو یقیناً ثابت کہ اقوالِ جواز ہمارے مذہب پر دلائل ساطع اور اقوالِ ترک ومنع اصلاً مضر نہیں، پھر ان کے مقابل ان کا پیش کرنا کیا کہا جائے کہ کس درجہ کی سفاہت ہے اور یہ قدیم چالاکی ان حضرات کی ہے جہاں کسی امر کے اثبات کو بعض علماء کے وُہ اقوال جن کا مبنیٰ اس امر کا ماننا ہو پیش کیجئے اور وُہ مسئلہ مختلف فیہا ہو تو فوراً دوسری طرف کے قول نقل کر لائیں گے، یہ نہیں دیکھتے کہ

---

[1] القرآن ۱۳/ ۲۸

[2] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ ابی داؤد باب اثبات عذاب القبر مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۶

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب احکام الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۰۷

محلِ نزاع کیا تھا اور موضع استدلال کون سا مقدمہ ہے، کہا تو یہ تھا کہ امر ثابت ہے و لہذا فلاں فلاں امام نے اس بات پر فلاں بات مبنی کی، اس کا یہ کیا جواب ہوگا کہ فلاں فلاں نے وُہ بنا نہ مانی، کیا انکار بنا انکار مبنی کو مستلزم ہوتا ہے، واقعی سلامت عقل عجب دولت ہے جسے خدا دے و باللہ التوفیق۔ یہ نکتہ واجب الحفظ ہے کہ اس سے مخ لفین کی بہت چالاکیوں کا حال کھلتا ہے واللہ الھادی۔

فائدہ جمیلہ تنقیح مسئلہ تلقین میں۔

اقول وباللہ استعین، نفس مبحث تلقین کی نسبت استطراداً اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ ظاہر الروایۃ میں اگر لا یلقن یا غیر مشروع آیا بھی ہو تو وُہ ممانعت و عدمِ جواز کے لیے متعین نہیں، آخر نہ سُنا کہ امام مجتہد برہان الدین محمود نے ذخیرہ میں بروایت امام محرر المذہب حضرت محمد بن الحسن امام الائمہ مالک الازمہ حضرت امامِ اعظم[1] رضی اللہ تعالٰی عنہم سے نقل کیا کہ سجدۂ شکر مشروع نہیں، اور علماء نے اس کے معنی عدمِ وجوب لیے۔ اشباہ میں ہے:

سجدۃ الشکر جائزۃ عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لا واجبۃ وھو معنی ما روی عنہ انھا لیست مشروعۃ ای وجوباً اھ واقرہ علیہ العلامۃ السید الحموی فی غمز العیون والسیدان الفاضلان احمد الطحطاوی و محمد الشامی فی حواشی الدر۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک سجدۂ شکر جائز ہے واجب نہیں، یہی اس کا معنی ہے جو امام صاحب سے مروی ہے کہ سجدۂ شکر مشروع نہیں یعنی وجوباً مشروع نہیں اھ۔ اسے علامہ سید حموی نے غمز العیون میں اور علامہ سید احمد طحطاوی و علامہ سید محمد شامی نے حواشی دُرمختار میں برقرار رکھا۔ (ت)

فتاوٰی حجہ میں فرمایا:

عندی ان قول الامام محمول علی الایجاب، وقول محمد علی الجواز و الاستحباب، فیعمل بھما لا یجب بکل نعمۃ سجدۃ شکراً کما قال ابوحنیفۃ ولکن یجوز ان یسجد سجدۃ الشکر فی وقت سر بنعمۃ او ذکر نعمۃ، فشکرھا بالسجدۃ وانہ غیر خارج عن حد

میرے نزدیک یہ ہے کہ امام اعظم کا قول ایجاب پر اور امام محمد کا قول جواز و استحباب پر محمول ہے تو دونوں قولوں پر عمل کیا جائیگا ہر نعمت پر سجدۂ شکر واجب نہیں جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے لیکن جب کسی نعمت سے مسرت ہو تو سجدۂ شکر کرنا جائز ہے، اسی طرح جب کسی نعمت کی یاد ہو تو اس کے شکریہ میں سجدہ کرلینا یہ دائرۂ استحباب سے

[1] الاشباہ والنظائر ما افترق فیہ سجود التلاوۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۴۷

الاستحباب[1] اھ نقلہ فی حاشیۃ المراقی و قبلہ الحلبی فی الغنیۃ۔ | باہر نہیں اھ اسے حاشیہ مراقی میں اور اس سے پہلے حلبی نے غنیہ میں نقل کیا۔ (ت)

اسی ذخیرہ[2] میں فرمایا:

لایتعوذ التلمیذ اذا قرأ علٰی استاذہ[2]۔ | شاگرد استاد کے پاس درس کے وقت تعوذ نہ پڑھے۔ (ت)

درمختار میں اسے نقل کرکے کہا: ای لایسن[3] (یعنی یہ مسنون نہیں۔ ت)۔ نہر میں کہا:

لیس ما فی الذخیرۃ فی المشروعیۃ وعدمھا بل فی الاستنان وعدمہ[4]۔ | ذخیرہ کی عبارت مشروعیت اور عدمِ مشروعیت سے متعلق نہیں بلکہ سنیت اور عدمِ سنیت سے متعلق ہے۔ (ت)

یونہی[5] ہمارے ائمہ سے در بارہ عقیقہ لایعق عن الغلام (لڑکے کی طرف سے عقیقہ نہ کرے۔ ت) منقول، علمائے کرام فرماتے ہیں اس کے معنی نفی وجوب و استنان ہیں اور اباحت ثابت ہے۔ فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

لایعق عن الغلام وعن الجاریۃ یرید انہ لیس بواجب ولا سنۃ لکنہ مباح[5]۔ | لڑکے اور لڑکی کی طرف سے عقیقہ نہ کرے، اس سے مراد یہ ہے کہ یہ واجب و سنت نہیں، لیکن مباح ہے۔ (ت)

اسی طرح عامہ کتب میں مثلاً ہدایہ[1] و وقایہ[2] و نقایہ[3] و بدائع[4] و منیہ[5] و ملتقٰی[6] و تنویر و جوہرہ وغیرہ فاتحہ و سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں امام اعظم و امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کا قول بلفظ لایاتی و لایسمی[6] (تسمیہ نہ لائے، بسم اللہ نہ پڑھے۔ ت) ذکر کیا۔ پھر محققین نے تصریح فرمائی کہ اس سے مراد نفی سنیت ہے بخلاف امام محمد کہ قائل استنان ہیں۔ رہی کراہت و ممانعت، وہ کسی کا مذہب نہیں، کہ پڑھنا بالاجماع بہتر ہے جیساکہ ذخیرہ[1] و مجتبٰی[2] و بحر[3] و نہر و حاشیہ دُرر للعلامۃ الشرنبلالی و شرح علائی و حواشی شامی و طحطاوی وغیرہا سے واضح۔ علامہ غزی تمرتاشی نے فرمایا: لابین الفاتحۃ والسورۃ (فاتحہ و سورت کے درمیان

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجدۃ الشکر مکروہۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۷۲

[2] الدرالمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۵

[3] " " " " ۱/۷۵

[4] ردالمحتار بحوالہ نہر الفائق " ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۳۲۹

[5] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الکراہیۃ الفصل التاسع فی المتفرقات مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/۳۷۷

[6] الدرالمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۵

نہیں۔ت) محقق علائی نے لا کے بعد لفظ تسن بڑھا دیا (یعنی مسنون نہیں۔ت) پھر فرمایا : ولا تکرہ اتفاقا[1] (مکروہ تو بالاتفاق نہیں۔ت) طحطاوی نے فرمایا : بل لاخلاف فی انہ لوسمی لکان حسنا، نہر[2] (بلکہ اس میں بھی کوئی خلاف نہیں کہ اگر بسم اللہ پڑھا تو اچھا ہے، نہر۔ت) بحرالرائق میں ہے :

الخلاف فی الاستنان اما عدم الکراھۃ فمتفق علیہ ولھذا صرح فی الذخیرۃ والمجتبٰی بانہ ان سمی بین الفاتحۃ والسورۃ کان حسنا عند ابی حنیفۃ[3] الخ

اختلاف مسنون ہونے میں ہے اور مکروہ نہ ہونے پر تو اتفاق ہے، اسی لیے ذخیرہ اور مجتبٰی میں تصریح ہے کہ اگر فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اچھا ہے الخ (ت)

پھر امام صفار کا ارشاد سُن چکے کہ مذہب امام میں تلقین مناسب ہے، یہ امام علام صرف دو واسطے شاگرد صاحبین ہیں، امام نصیر بن یحیٰی سے اخذِ علم کیا وھو عن ابن سماعۃ عن ابی یوسف ح وعن ابی سلیمان الجوزجانی عن محمد (انھوں نے ابن سماعہ سے انھوں نے امام ابو یوسف سے اور امام نصیر نے ابو سلیمان جوزجانی سے اخذ کیا اُنھوں نے امام محمد سے۔ت) یہ بالیقین اعرف بمذہب امام ومعنی ظاہر الروایۃ، پھر اُس سے ہزار درجہ زائد اُس جناب کا وہ ارشاد ہے کہ تلقین مذہب اہلسنت اور اس کا منع مشرب معتزلہ ہے، اور واقعی مشائخ مذہب میں اس فرقہ ضالہ کا اختلاط اور نقول مذہب میں اس کے اقوال وتخاریج کا اندراج بعض جگہ سخت لغزشوں کا باعث ہوتا ہے یہاں تک کہ کبھی حقیقت کار ماہرین پر ملتبس ہوجاتی ہے و باللہ العصمۃ جیسے بشر مریسی معتزلی کا قول والرحمٰن لا افعل کذا[4] (رحمٰن کی قسم میں ایسا نہ کروں گا۔ت) اگر سورۃ رحمٰن مراد لی یمین نہ ہوگی، صاحبِ ولوالجیہ وخلاصہ وغیر ہما نے یُوں نقل کردیا گویا یہی مذہب ہے، حالانکہ وہ اس معتزلی کا قول ہے، اور مذہب مہذب ائمہ کرام کے بالکل خلاف کما حققہ فی البحر الرائق (جیسا کہ البحرالرائق میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) ردالمحتار میں کہا : ھذا التفصیل فی الرحمٰن قول بشر المریسی[5] (الرحمٰن میں یہ تفریق، بشر مریسی کا قول ہے۔ت) ایسا

---

[1] الدرالمختار | باب صفۃ الصلوٰۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۷۵
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار | باب صفۃ الصلوٰۃ | دارالمعرفۃ بیروت | ۱/ ۲۱۹
[3] البحرالرائق | فصل واذا اراد الدخول | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/ ۳۱۲
[4] ردالمحتار | کتاب الایمان | مصطفی البابی مصر | ۳/ ۵۵
[5] " | " | " | "

یہی اشتباہ علامہ زین بن نجیم مصری کو مسئلہ ذبیحہ میں واقع ہُوا جس پر علامہ سید احمد حموی نے فرمایا:

مبناھا علی الاعتزال الصریح والعجب ان المصنف لم یتفطن لہ مع ظھورہ من القنیۃ[1]

اس کا مبنٰی اعتزال پر ہے اور عجب یہ کہ مصنف کو اس پر تنبہ نہ ہُوا باآنکہ صاحبِ قنیہ کا معتزلی ہونا کُھلا ہوا ہے۔

بالجملہ روایت کا تو یہ حال ہے۔ رہی درایت، مقصد دوم میں دیکھ چکے کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس میں حدیث وارد جسے امام ابن الصلاح و امام ضیا و امام ابن حجر و ابن امیر الحاج و صاحبِ مجمع وغیرہم نے بوجہ شواہد و عواضد حسن و قوی کہا، پھر سیدنا ابو امامہ باہلی صحابی اور راشد و ضمرہ و حکیم وغیرہم تابعین کے اقوال اُس میں مروی پھر اور صحابہ سے اس کا خلاف ہرگز ثابت نہیں، بااینہمہ قولِ صحابی قبول نہ کرنا اصول حنفیہ پر کیونکر مستقیم ہوا، تقلیدِ صحابی[عہ] میں ہمارے امام کا مذہب معلوم ہے۔ میزان الشریعۃ الکبرٰی میں امام ابو مطیع بلخی سے منقول:

قلت للامام ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ارأیت لورأیت رأیا ورأی ابوبکر رأیا اکنت تدع رائك لرأیہ؟ قال نعم فقلت لہ ارأیت لورأیت رأیا ورأی عمر رأیا اکنت تدع رأیك لرأیہ؟ فقال نعم وکذلك کنت ادع رائی لرأی عثمان و

میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی: بھلا ارشاد فرمائیے اگر آپ کی ایک رائے ہو اور صدیق اکبر کی رائے اس کے خلاف ہو کیا آپ اپنی رائے ان کی رائے کے آگے چھوڑ دیں گے؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے عمر فاروق کی نسبت پوچھا، فرمایا: ہاں، اور یونہی میں اپنی رائے عثمان غنی و

عہ: مولانا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب الخطبہ میں فرماتے ہیں:

قول الصحابی حجۃ فیجب تقلیدہ عندنا اذا لم ینفہ شیئ اٰخر من السنۃ[2] انتھی اقول وھذا لا یختص بقول الصحابی فان کل دلیل یترك لدلیل اقوی منہ ۱۲ منہ (م)

صحابی کا قول حجت ہے تو اسکی تقلید ہمارے یہاں واجب ہے جبکہ کوئی حدیث اس کی نفی نہ کرتی ہو انتہی اقول یہ قولِ صحابی سے ہی خاص نہیں اس لیے کہ ہر دلیل اپنے سے قوی تر دلیل کے باعث متروک ہوگی ۱۲ منہ (ت)

---

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الصید والذبائح ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۰۶

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبہ تحت حدیث ۱۴۱۱ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۰۵

علی وسائر الصحابۃ ماعدا اباھریرۃ وانس بن مالك وسمرۃ بن جندب[1] اھ۔

علی مرتضٰی و باقی تمام صحابہ کی رائے کے آگے ترک کردوں گا سوا ابوہریرہ و انس بن مالک و سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اھ۔

بلکہ علامہ ابن امیر الحاج توحلیہ میں فرماتے ہیں، جب کسی مسئلہ میں ایک صحابی کا قول مروی ہو اور دیگر صحابہ سے اُس کا خلاف نہ آئے وہ مسئلہ اجماعی ٹھہرے گا

حیث قال الصحیح قولنا لما روی عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال فی مسافر جنب یتأخر الٰی اٰخر الوقت ولم یروعن غیرہ من الصحابۃ خلافہ فیکون اجماعًا[2]

ان کی عبارت یہ ہے، صحیح ہمارا قول ہے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جنابت والے مسافر کے بارے میں مروی ہے کہ وہ آخر وقت تک پانی کا انتظار کرے، اس کے خلاف کسی اور صحابی سے مروی نہیں، تو یہ ان کا اجماعی مسئلہ قرار پائیگا (ت)

بہرحال انکار اگر عدمِ ثبوت پر مبنی، تو ثبوت حاضر۔ اور نفیِ نفع پر مبنی، تو نفع ظاہر۔ ہاں یہ رہ گیا کہ فہمِ سماعِ موتٰی کا انکار کیجئے یہ بیشک اصولِ معتزلہ ہی پر درست ہوگا۔ ولہذا بحرالعلوم نے فرمایا اس بنا پر کہ مُردہ نہیں سُنتا تلقین نہ ماننا مذہب باطل ہے کما سیأتی نقلہ ان شاء اللہ تعالٰی (آگے ان کی عبارت ان شاء اللہ تعالٰی نقل ہوگی۔ ت) لاجرم عمائد حنفیہ سے یہ علمائے دین وائمہ ناقدین جن میں امام صفار وحاکم شہید وشمس الائمہ وظہیر کبیر وفقیہ النفس وغیرہم ائمہ مجتہدین ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین جواز واستحبابِ تلقین کے قائل ہُوئے اور بالیقین وُہ ہم سے زیادہ روایات و درایاتِ مذہب پر آگاہ تھے، اور قطعًا اس کے خلاف پر اصلاً کوئی دلیل نہیں اور بیشک اس میں احیا و امواتِ مسلمین کا نفع ہے، ذکرِ خدا ہے، رغمِ اعدا ہے، پھر وجہ انکار کیا ہے، تنزلی درجہ اتنا سہی کہ لایؤمر بہ ولاینھی عنہ (جائز ومباح ہو، نہ حکم ہو نہ ممانعت۔ ت) باقی عدمِ جواز یا ممانعت حاشَ للہ محض بے حجت،

ومن ادعی فعلیہ البیان ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی واللہ تعالٰی اعلم و

جو اس کا مدعی ہو بیان اس کے ذمہ۔ یہ وُہ ہے جو میرے علم میں ہے اور حق کا علم میرے رب کے

---

[1] المیزان الکبرٰی فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام ابا حنیفۃ الخ مصطفی البابی مصر ۱/۶۵

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

علمه جل مجده اتم و احکم۔ یہاں ہے۔ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم زیادہ کامل ومحکم ہے، اس کا مجد جلیل ہے۔ (ت)

فصل چہاردہم اصل مسئلہ مسئولہ سائل میں۔ یعنی ارواح کرام کو ندا اور ان سے توسل وطلب دعا۔ یہ فصل بھی فصل دوازدہم کا ایک حصہ ہے کہ یہاں بھی کلام سلام کے سوا ہے مگر مثل فصل تلقین بوجہ مہتم بالشان ہونے کے فصل جداگانہ قرار پائی واللہ الموفق۔

قول (۱۵۷ تا ۱۵۹) سیدی خواجہ حافظی فصل الخطاب پھر[۱۵۸] شیخ محقق جذب القلوب میں ناقل:

قیل لموسی الرضا[۱۵۹] رضی اللہ تعالٰی عنہ علمنی کلاما اذا زرت واحدا منکم فقال ادن من القبر وکبر اللہ اربعین مرۃ ثم قل السلام علیکم یا اھل بیت الرسالۃ انی مستشفع بکم ومقدمکم امام طلبی وارادتی ومسألتی وحاجتی واشھد اللہ انی مومن بسرکم وعلانیتکم وانی ابرأ الی اللہ من عدو محمد واٰل محمد من الجن والانس[۱] (ملخصًا)

یعنی امام ابن الامام الی ستۃ آبائہ کرام علی موسٰی رضا رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم جمیعًا سے عرض کی گئی مجھے ایک کلام تعلیم فرمائیے کہ اہل بیت کرام کی زیارت میں عرض کیا کروں؟ فرمایا: قبر سے نزدیک ہوکر چالیس بار تکبیر کہہ پھر عرض کر سلام آپ پر اے اہلبیت رسالت! میں آپ سے شفاعت چاہتا ہوں اور آپ کو اپنی طلب خواہش وسوال وحاجت کے آگے کرتا ہوں، خدا گواہ ہے مجھے آپ کے باطن کریم و ظاہر طاہر پر سچے دل سے اعتقاد ہے اور میں اللہ کی طرف بری ہوتا ہوں اُن سب جن وانس سے جو محمد وآل محمد کے دشمن ہوں صلی اللہ تعالٰی علی محمد وآل محمد وبارک وسلم آمین!

قول (۱۶۰ و ۱۶۱) سیدی جمال مکی قدس سرہ کے فتاوٰی میں ہے:

سئلت عمن یقول فی حال الشدائد یارسول اللہ اویا علی اویا شیخ عبدالقادر مثلا ھل ھو جائز شرعا ام لا فاجبت نعم الاستغاثۃ بالاولیاء ونداؤھم والتوسل بھم امر مشروع ومرغوب لاینکرہ الامکابر

مجھ سے سوال ہُوا اس شخص کے بارے میں جو سختیوں کے وقت کہتا ہے یارسول اللہ، یاعلی، یاشیخ عبدالقادر مثلاً آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا: ہاں اولیاء سے مدد مانگنی اور انھیں پکارنا اور اُن کے ساتھ توسل کرنا امر مشروع وشئے

---

[۱] جذب القلوب باب دوازدہم در ذکر مقبرہ شریفہ بقیع مکتبہ نعیمیہ چوک دالگراں لاہور ص ۱۳۸

او معاند وقد حرم برکة الاولیاء الکرام[1]، و سئل شیخ الاسلام الشھاب الرملی الانصاری الشافعی عما یقع من العامة من قولھم عند الشدائد یا شیخ فلاں ونحو ذلک من الاستغاثة بالانبیاء والمرسلین والصالحین فاجاب بما نصه الاستغاثة بالانبیاء والمرسلین والاولیاء والصالحین جائزة بعد موتھم الخ اھ ملخصا۔

مرغوب ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم یا دشمنِ انصاف، اور بیشک وُہ برکتِ اولیائے کرام سے محروم ہے۔ شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری شافعی سے استفتاء ہُوا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت مثلاً یا شیخ فلاں کہہ کر پکارتے ہیں اور انبیاء و اولیاء سے فریاد کرتے ہیں اس کا شرع میں کیا حکم ہے؟ امام ممدوح نے فتوٰی دیا کہ انبیاء و مرسلین و اولیاء صالحین سے اُن کے وصال شریف کے بعد بھی استعانت و استمداد جائز ہے۔

قول (۱۶۲) علامہ خیر الملۃ والدین رملی حنفی استاذ صاحبِ دُرِمختار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما فتاوٰی خیریہ میں فرماتے ہیں:

قولھم یا شیخ عبدالقادر نداء فما الموجب لحرمتہ[2] اھ ملخصا۔

لوگوں کا کہنا یا شیخ عبدالقادر یہ ایک ندا ہے پھر اس کی حُرمت کا سبب کیا ہے۔

قول (۱۶۳) سیّد احمد زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اکابر علماء و اولیائے دیارِ مغرب سے ہیں اپنے قصیدہ میں ارشاد فرماتے ہیں، ؎

انا لمریدی جامع لشتاتہ
اذا ما سطا جور الزمان بنکبتہ
وان کنت فی ضیق وکرب ووحشة
فناد بیا زروق اٰت بسرعتہ[3]

میں اپنے مرید کی پریشانیوں میں جمعیت بخشنے والا ہُوں جب ستم زمانہ اپنی نحوست سے اُس پر تعدی کرے۔ اور اگر تُو تنگی و تکلیف و وحشت میں ہو تو یُوں ندا کر: یا زروق، میں فوراً موجود ہوں گا۔

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی صاحب اس شیرِ الٰہی کا حال اپنی کتاب بستان المحدثین میں یوں لکھتے ہیں، شیخ او سیدی زیتون رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ درحقِ او ان کے شیخ سیدی زیتون رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ان کے

---

[1] فتاوٰی جمال بن عمر مکی
[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الکراہیۃ والاستحسان دار المعرفۃ بیروت ۲/۱۸۲
[3] بستان المحدثین بحوالہ زروق حاشیہ بخاری زروق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۲

بشارت دادہ کہ اُو از ابدال سبعہ است و با وصف علو حال باطن تصانیف او در علوم ظاہرہ نیز نافع شدہ و مفید و کثیر افتادہ[1]

حق میں بشارت دی کہ وہ ساتوں ابدال میں سے ایک ہیں، علمِ باطن میں بلند رتبہ کے ساتھ ظاہری علوم میں بھی ان کی کثیر تصانیف موجود ہیں جو نافع و مفید ہیں(ت)

پھر شمارِ تصانیف کے بعد لکھا:

بالجملہ مردے جلیل القدر یست کہ مرتبۂ کمال او فوق الذکر است و او آخر محققان صوفیہ است کہ بین الحقیقۃ والشریعت جامع بودہ اند و بشاگردی او اجلّہ علماء مفتخر و مباہی بودہ اند مثل شہاب الدین قسطلانی کہ سابق حال او مذکور شدہ و شمس الدین لقانی الخ[2]

مختصر یہ کہ وُہ ایک جلیل القدر شخصیت ہیں جن کا رتبہ کمال بیان سے بالاتر ہے، وُہ ان آخر صوفیۂ محققین سے ہیں جو حقیقت و شریعت کے جامع ہُوئے، ان کی شاگردی پر اجلّہ علما فخر و مباہات کرتے ہیں جیسے علّامہ شہاب الدین قسطلانی جن کا حال پہلے ذکر ہوا اور شمس الدین لقانی الخ۔ (ت)

پھر کہا:

و او را قصیدہ الیست بر طور قصیدہ جیلانیہ کہ بعضے ابیات او این ست[3]

قصیدۂ غوثیہ کے طرز پر ان کا ایک قصیدہ بھی ہے جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔ (ت)

اور وہی دو بیت مذکور نقل کیے۔

قول (۱۶۴ و ۱۶۵) امام ابن الحاج امام ابن النعمان کی سفینۃ النجاء[165] سے ناقل:

الدعاء عند قبور الصالحین والتشفع بھم معمول بہ عند علمائنا المحققین من ائمۃ الدین[4]

قبورِ صالحین کے پاس دُعا اور ان سے شفاعت چاہنا ہمارے علمائے محققین ائمۂ دین کا معمول ہے۔

قول (۱۶۶ تا ۱۷۰) لباب[166] و شرح لباب[167] و اختیار[168] و فتاوٰی ہندیہ[169] میں ہے: واللفظ للاولین فانہ اتم (الفاظ پہلی دونوں کتابوں کے ہیں کیونکہ وُہ زیادہ کامل ہیں۔ت) بعد زیارت فاروقی بقدر ایک بالشت کے

---

[1] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ حاشیہ بخاری سیّد زروق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۰
[2] " " " " " " " " " " ص ۳۲۱
[3] " " " " " " " " " "
[4] المدخل فصل فی زیارۃ القبور دار الکتاب العربی بیروت ۱/۲۴۹

سرہانے کی طرف پلٹے اور وزیرین جلیلین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے درمیان کھڑا ہو کر بعد اعادہ سلام و ذکر مآثر اسلام عرض کرے:

جزاکما اللہ عن ذٰلک مرافقتہ فی جنتہ وایانا معکما برحمتہ انہ ارحم الراحمین وجزاکما اللہ عن الاسلام واھلہ خیر الجزاء، جئنا یاصاحبی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زائرین لنبینا وصدیقنا وفاروقنا ونحن نتوسل بکما الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیشفع لنا الی ربنا۔[1]

اللہ تعالٰی آپ دونوں صاحبوں کو ان خوبیوں کے عوض اپنی جنّت میں اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رفاقت عطا فرمائے اور آپ کے ساتھ ہمیں بھی، بیشک وُہ ہر مہروالے سے زیادہ مہروالا ہے، اللہ آپ دونوں کو اسلام واہلِ اسلام کی طرف سے بہتر بدلہ کرامت فرمائے، اے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں یارو! ہم اپنے نبی اور اپنے صدیق اور اپنے فاروق کی زیارت کو حاضر ہُوئے اور ہم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف آپ دونوں سے توسل کرتے ہیں تاکہ حضور ہمارے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں۔

اسی طرح مدخل[2] میں ہے:

یتوسل بھما الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویقدمھما بین یدیہ شفیعین فی حوائجہ۔[2]

یعنی حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف توسّل کرے اور انھیں اپنی حاجتوں میں شفیع بناکر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے کرے۔

قول (۱۷۱) اشعۃ اللمعات میں فرمایا:

لیت شعری چہ می خواہند ایشاں باستمداد وامداد کہ این فرقہ منکرند آں را آنچہ مامی فہمیم ازاں این ست کہ داعی دعا کند خدا و توسل کند بروحانیت ایں بندۂ مقرب یانداکند ایں بندۂ مقرب اکہ اے بندۂ خدا وولی وے شفاعت کن مراوبخواہ از خدا کہ بدہد مسئول ومطلوب مرا

نہ معلوم وہ استمداد و امداد سے کیا چاہتے ہیں کہ یہ فرقہ اس کا منکر ہے۔ ہم جہاں تک سمجھتے ہیں وُہ یہ ہے کہ دُعا کرنے والا خدا سے دُعا کرتا ہے اور اس بندۂ مقرب کی رُوحانیت کو وسیلہ بناتا ہے یا اس بندۂ مقرب سے عرض کرتا ہے کہ اے خدا کے بندے اور

---

[1] المسلک المتقسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۰

[2] المدخل فصل فی الکلام علٰی زیارت سید الاولین الخ " " " ۱/۲۵۸

اگر ایں معنی موجب شرک باشد چنانکہ منکر زعم می کند باید کہ منع کردہ شود توسل وطلب دعا از دوستان خدا درحالت حیات نیز و ایں مستحب و مستحسن است باتفاق و شائع است در دین وآنچہ مروی و محکی است از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح کمل و استفادہ ازاں خارج از حصراست و مذکورست در کتب و رسائل ایشاں و مشہورست میان ایشاں حاجت نیست کہ آنرا ذکر کنیم و شاید کہ منکر متعصب سود نہ کند او را کلمات ایشاں عافانا اللہ من ذٰلک کلام دریں مقام بحد اطناب کشید برغم منکراں کہ در قرب ایں زماں فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر انداستمداد و استعانت را از اولیائے خدا و متوجہاں بجناب ایشاں را مشرک بخدا عبدۃ اصنام می دانند ومی گویند آنچہ می گویند[1] ملتقطاً

اس کے دوست امیری شفاعت کیجئے اور خدا سے دعا کیجئے کہ میرا مطلوب مجھے عطا فرمادے ــــ اگر یہ معنی شرک کا باعث ہو جیسا کہ منکر کا خیال باطل ہے تو چاہئے کہ اولیاء اللہ کو ان کی حیاتِ دنیا میں بھی وسیلہ بنانا اوران سے دعا کرانا ممنوع ہو حالانکہ یہ بالاتفاق مستحب و مستحسن اور دین میں معروف و مشہور ہے۔ ارواحِ کاملین سے استمداد اور استفادہ کے بارے میں مشائخ اہل کشف سے جو روایات و واقعات وارد ہیں وہ حصروشمار سے باہر ہیں اور ان حضرات کے رسائل وکتب میں مذکور اور ان کے درمیان مشہور ہیں۔ ہمیں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور شاید ہٹ دھرم منکر کے لیے ان کے کلمات سُود مند بھی نہ ہوں ــــ خدا ہمیں عافیت میں رکھے ــــ اس مقام میں کلام طویل ہُوا اُن منکرین کی تردید و تذلیل کے پیشِ نظر جو ایک فرقہ کے رُوپ میں آج کل نکل آئے ہیں اور اولیاء اللہ سے استمداد و استعانت کا انکار کرتے ہیں اور ان حضرات کی بارگاہ میں توجہ کرنے والوں کو مشرک و بُت پرست سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں جو کہتے ہیں اھ (ت)

اور شرح عربی میں اس مضمونِ اخیر کو یُوں ادا فرمایا:

انما اطلنا الکلام فی ھذا المقام رغما لانف المنکرین فانہ قد حدث فی زماننا شرذمۃ ینکرون الاستمداد من الاولیاء ویقولون مایقولون ومالھم علٰی ذٰلک من علم ان ھم الا یخرصون[2]۔

ہم نے اس مقام میں کلام طویل کیا منکروں کی ناک خاک پر رگڑنے کو کہ ہمارے زمانے میں معدودے چند ایسے پیدا ہُوئے ہیں کہ حضرات اولیاء سے مدد مانگنے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں اور انھیں اس پر کچھ علم نہیں یُونہی اپنے سے اٹکلیں لڑاتے ہیں۔

---

[1] اشعۃ اللمعات باب حکم الاسراء فصل ا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۴۰۱

[2] لمعات التنقیح "

اسی طرح جذب القلوب شریف میں معنی توسل واستمداد بروجہ مذکور بیان کرکے فرمایا:

و ورود نص قطعی درو ے حاجت نیست بلکہ عدم نص بر منع آں کافی ست[1]

اس بارے میں نصِ قطعی کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی ممانعت پر نص نہ ہونا ہی کافی ہے۔ (ت)

قول (۱۷۲) شیخ الاسلام جنھیں مائۃ مسائل میں علمائے محدثین سے شمار کیا اور اُن کی کتاب کشف الغطاء پر جابجا اعتماد واعتبار کیا، اسی کشف الغطاء میں فرماتے ہیں:

انکارِ استمداد را وجہے صحیح نمی نماید مگر آنکہ از اول امر منکر شوند تعلق رُوح و بدن را بالکلیہ و آں خلافِ منصوص است وبریں تقدیر زیارت و رفتن بقبور ہمہ لغو بے معنی گردد و ایں امرے دیگر است کہ تمام اخبار و آثار دال برخلاف آنست ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجتِ خود را ازجناب عزت الٰہی بتوسل روحانیت بندۂ مقرب یا ندا کند آں بندہ را کہ اے بندۂ خدا وولی وے شفاعت کن مرا و بخواہ از خدائے تعالٰی مطلوب مرا و در وے ہیچ شائبۂ شرک نیست چنانچہ منکر وہم کردہ[2] اھ بالالتقاط۔

استمداد سے انکار کی کوئی صحیح وجہ نظر نہیں آتی، مگر یہ کہ سرے سے رُوح و بدن کے تعلق کا ہی بالکل انکار کردیں ــــ اور یہ نص کے خلاف ہے ــــ اس تقدیر پر تو قبروں کے پاس جانا اور زیارت کرنا سب لغو اور بے معنی ہوجاتا ہے۔ اور یہ ایک دوسری بات ہے جس کے خلاف تمام آثار و احادیث دلیل ہیں۔ اور استمداد کی صورت کیا ہے؟ یہی کہ حاجت مند اپنی حاجت خدائے عزوجل سے بندۂ مقرب کی روحانیت کو وسیلہ کرکے طلب کرتا ہے، یا اُس بندے کو ندا کرتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ اے خدا کے بندے اور اس کے دوست! میری شفاعت کیجئے اور میرے مطلوب کے لیے خدا سے دُعا کیجئے۔ اس میں تو شرک کا کوئی شائبہ بھی نہیں جیسا کہ منکر کا وہم و خیال ہے اھ ملتقطاً (ت)

قول (۱۷۳) سیدی محمد عبدری مدخل میں دربارۂ زیارتِ قبورِ انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں:

یاتی الیھم الزائر ویتعین علیہ قصد ھم من الاماکن البعیدۃ، فاذا جاء الیھم

زائران کے آگے حاضر ہو اور اس پر متعین ہے کہ دُور دراز مقاموں سے اُن کی زیارت کا قصد کرے

---

[1] جذب القلوب باب پانزدہم دربیان حکم زیارت قبر مکرم الخ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۲۴

[2] کشف الغطاء فصل دہم زیارتِ قبور مطبع احمدی دہلی ص ۸۱ ــ ۸۰

فلیتصف بالذل والانکسار والمسکنۃ والفقر والفاقۃ والحاجۃ والاضطرار والخضوع، ویستغیث بھم ویطلب حوائجہ منھم، ویجزم الاجابۃ ببرکتھم، فانھم باب اللہ المفتوح وجرت سنتہ سبحانہ وتعالٰی فی قضاء الحوائج علٰی ایدیھم وبسببھم[1] (ملخصًا)

پھر جب حاضری سے شرف یاب ہو تو لازم ہے کہ ذلت انکسار و محتاجی و فقر و فاقہ و حاجت و بے چارگی و فروتنی کو شعار بنائے اور ان کی سرکار میں فریاد کرے اور اُن سے اپنی حاجتیں مانگے اور یقین کرے کہ ان کی برکت سے اجابت ہوگی کہ وہ اللہ تعالٰی کے درکشادہ ہیں اور سنتِ الٰہی جاری ہے کہ انکے ہاتھ پر اور ان کے سبب سے حاجت روائی ہوتی ہے والحمد للہ رب العالمین۔

فصل پانزدہم بقیہ تصریحاتِ سماعِ اموات میں۔

قول (۱۷۴ تا ۱۷۸) امام[177] خاتمۃ المجتہدین تقی الملۃ والدین سبکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے شفاء السقام کے باب تاسع فی حیاۃ الانبیاء میں ایک فصل "ماورد فی حیاۃ الانبیاء" دوسری فصل حیاتِ شہداء میں وضع کرکے فصل ثالث تمام اموات کے سماع و کلام و ادراک وحیات میں وضع کی اور اس میں احادیثِ صحیحہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہما سے علم و سماعِ موتٰی ثابت کرکے فرمایا:

وعلی الجملۃ ھذہ الامور ممکنۃ فی قدرۃ اللہ تعالٰی وقد وردت بھا الاخبار الصحیحۃ فیجب التصدیق بھا۔[2]

بالجملہ یہ سب امور قدرتِ الٰہی میں ممکن ہیں اور بیشک اُن کے ثبوت میں یہ حدیثیں وارد ہوئیں تو ان کی تصدیق واجب ہے۔

فصل اول میں انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کی حیات حقیقی تحقیق کرکے آخر میں فرمایا:

اما الادراکات کالعلم والسماع فلا شک ان ذلک ثابت لسائر الموتٰی فکیف بالانبیاء۔[3]

رہے ادراکات جیسے علم و سماع، یہ تو یقینًا تمام اموات کے لئے ثابت ہیں پھر انبیاء تو انبیاء ہیں علیہم الصلٰوۃ والسلام۔

امام[175] جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں اُس جناب کا یہ قول نقل کرکے تقریر فرمائی، امام[176] زین الدین مراغی جنھیں شرح مواہب میں المحدث العالم النحریر کہا اُس جناب کی یہ تحقیق انیق نقل

---

[1] المدخل فصل فی زیارۃ القبور دار الکتاب العربیۃ بیروت ۱/۲۵۲۔۲۵۱

[2] شفاء السقام الفصل الثالث فی سائر الموتٰی نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۰۳

[3] ؍؍ الباب التاسع الفصل الاول ؍؍ ؍؍ ص ۱۹۲ - ۱۹۱

کرکے فرماتے ہیں:

انه مما یعز وجوده وفی مثله فلیتنافس المتنافسون۔[1]

یہ نایاب تحقیق ہے اور چاہئے کہ ایسی ہی چیز میں نہایت رغبت کریں رغبت کرنے والے۔

امام احمد قسطلانی نے مواہب شریف میں امام سبکی کا وُہ ارشاد مبین اور امام زین الدین کی یہ جلیل تحسین استناداً نقل کی، پھر علامہ عبد الباقی زرقانی نے شرح مواہب میں اس کی تقریر و تائید میں حدیثیں نقل کیں۔ عہ

قول (۱۷۹) امام ممدوح نے باب مذکور کی فصل خامس میں فرمایا:

کان المقصود بھذا کله تحقیق السماع ونحوہ من الاعراض بعد الموت، فانه قد یقال ان ھذہ الاعراض مشروطة بالحیاة، فکیف تحصل بعد الموت وھذا خیال ضعیف لانا لاندعی ان الموصوف بالموت موصوف بالسماع وانما ندعی ان السماع بعد الموت حاصل لحی، وھو اما الروح وحدھا حالة کون الجسد میتا او متصلة بالبدن حالة عود الحیاة الیه۔[2]

اس سب سے مقصود موت کے بعد سماع وغیرہ صفات کی تحقیق تھی کہ بعض لوگ کہنے لگتے ہیں ان اوصاف کے لئے زندگی شرط ہے تو بعد موت کیونکر حاصل ہوں گے حالانکہ یہ لوچ خیال ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ جو چیز مُردہ ہے وہ سُنتی ہے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ بعد مرگ سماع اس کے لیے ثابت ہے جو زندہ ہے یعنی روح، یا تو تنہا وہی جب بدن مُردہ ہو یا جسم سے متصل ہو کر جب حیات بدن کی طرف عود کرے۔

قول (۱۸۰) علامہ قونوی سے جذب القلوب میں ہے کہ اُنھوں نے بہت احادیث ذکر کرکے فرمایا:

جمیع ایں احادیث دلالت دارد برآنکہ اموات را ادراک وسماع حاصل ست وشک نیست کہ سمع از اعراضی است کہ مشروط است بحیات پس ہمہ حی اند، ولیکن حیاتِ ایشاں در مرتبہ کمتر از حیات

ان تمام احادیث میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ مُردوں کو ادراک وسماع حاصل ہے اور بلاشبہ سماعت ایسا وصف ہے جس کے لیے زندگی شرط ہے تو سب زندہ ہیں، لیکن ان کی زندگی حیاتِ

عہ یونہی شیخ محقق نے مدارج میں یہ قول علماء سے نقل فرمایا ۱۲ منہ (م)

---

[1] المواہب اللدنیہ بحوالہ زین الدین المراغی حی فی قبرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۶۹۶

[2] شفاء السقام الباب التاسع الفصل الخامس مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۰۹

شہداست و حیاتِ انبیاء صلوات اللہ تعالٰی علیہم کامل تر از حیات شہداست۔[1]

شہداء سے کم درجہ کی ہے اور حیاتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حیاتِ شہداء سے زیادہ کامل ہے (ت)

قول (۱۸۱ و ۱۸۲) امام قرطبی پھر امام سیوطی[2] قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے مسئلہ میں فرماتے ہیں:

وقد قیل ان ثواب القراءۃ للقاری وللمیت ثواب الاستماع ولذلك تلحقہ الرحمۃ، قال اللہ تعالٰی واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ولایبعد من کرم اللہ تعالٰی ان یلحقہ ثواب القراءۃ والاستماع معًا۔[2]

بہ تحقیق کہا گیا کہ پڑھنے کا ثواب قاری کو ہے اور میت کے لیے اس کا اجر ہے کہ اس نے کان لگا کر قرآن سنا اور اسی لیے اس پر رحمت ہوتی ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور چپ رہو شاید تم پر مہر ہو اور کچھ یہ بھی خدا کے کرم سے دُور نہیں کہ مُردے کو قرأت واستماع دونوں کا ثواب پہنچائے۔

اقول ثوابِ قرأت پہنچنے پر جزم نہ کرنے کا باعث یہ کہ وُہ شافعی المذہب ہیں اور سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک عباداتِ بدنیہ کا ثواب نہیں پہنچتا، مگر جمہور اہلسنّت قائلِ اطلاق و عموم ہیں، اور یہی مذہب ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہے یہاں تک کہ خود محققینِ شافعیہ نے اس کی ترجیح و تصحیح کی منہم السیوطی فی انیس الغریب (ان ہی میں ایک امام سیوطی ہیں جنہوں نے انیس الغریب میں اسکی وضاحت کی ہے) تو ہمارے نزدیک شک نہیں کہ میت کو تلاوت کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔

قول (۱۸۳) مرقات میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علم و سماع کا ذکر کرکے فرماتے ہیں: سائر الاموات ایضًا یسمعون السلام والکلام سب مُردے سلام و کلام سنتے ہیں۔ پھر فرمایا: یہ سب مسائل احادیثِ صحیحہ و آثارِ صریحہ سے ثابت ہیں۔[3]

قول (۱۸۴) علامہ حلبی سیرۃ انسان العیون میں امام ابو الفضل خاتم الحفاظ سے ناقل:

سماع موتی کلام الخلق حق قد جاءت بہ عندنا الاٰثار فی الکتب۔[4]

اموات کا کلام مخلوق کو سُننا حق ہے بیشک اس باب میں ہمارے پاس کتابوں میں حدیثیں آئیں۔

قول (۱۸۵) ملک العلماء بحر العلوم مولٰنا عبد العلی لکھنوی مرحوم ارکانِ اربعہ میں فرماتے ہیں:

---

[1] جذب القلوب	باب چہاردہم	منشی نولکشور لکھنؤ	ص ۲۰۶-۷
[2] شرح الصدور	باب فی قراءۃ القرآن للمیت الخ	خلافت اکیڈمی سوات	ص ۱۳۰
[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ	باب الجمعۃ فصل ۲	مکتبہ امدادیہ ملتان	۳/ ۲۳۸
[4] انسان العیون	باب بدء الاذان	مصطفی البابی مصر	۲/ ۴۳۵

وما قیل ان التلقین لغو لان المیت لا یسمع فهذا باطل[1]

اس بنا پر کہ بعض نے کہا مُردہ نہیں سنتا، تلقین سے انکار مذہب باطل ہے۔

قول (۱۸۶) زہر الربی شرح سُنن نسائی میں بعد تحقیق و تفصیل نقل فرمایا:

فثبت بھذا انه لا منافاة بین کون الروح فی علیین او الجنة او السماء وان لھا بالبدن اتصالا بحیث تدرك وتسمع وتصلی وتقرأ وانما یستغرب ھذا لکون الشاھد الدنیوی لیس فیه مایشاھد به ھذا وامور البرزخ و الاٰخرة علٰی نمط غیر المالوف فی الدنیا[2]

تو ثابت ہُوا کہ کچھ منافات نہیں اس میں کہ رُوح علیین یا جنّت یا آسمانوں میں ہو اور اُس کے ساتھ بدن سے ایسا اتصال رکھے کہ سمجھے، سُنے، نماز پڑھے، قرآن مجید کی تلاوت کرے، اس سے تعجب یُوں ہوتا ہے کہ دُنیا میں کوئی بات اس کے مشابہ نہیں پاتے، حالانکہ برزخ و آخرت کے کام اُس روش پر نہیں جو دنیا میں دیکھی بھالی ہے۔

قول (۱۸۷ تا ۱۸۹) علامہ عبدالرؤف تیسیر میں قائل اور مولانا علی قاری مرقاۃ میں قاضی سے ناقل:

واللفظ للمناوی النفوس القدسیة اذا تجردت عن العلائق البدنیة اتصلت بالملاء الاعلی ولم یبق لھا حجاب فتری وتسمع الکل کالمشاھد[3]

(اور الفاظ مناوی کے ہیں۔ ت) پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے جُدا ہوتی ہیں ملاءِ اعلیٰ سے مل جاتی ہیں اور ان کے لئے کوئی پردہ نہیں رہتا سب کچھ ایسا دیکھتی سُنتی ہیں جیسے سامنے حاضر ہے۔

قول (۱۹۰) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں زیرِ حدیث "لایسمع مدی صوت المؤذن جن ولا انس ولا شیئ الا شھد له یوم القیٰمة" محدث علامہ ابن ملک سے منقول: تنکیرھما فی سیاق النفی لتعمیم الاحیاء و الاموات[4] یعنی حدیث شریف کا یہ مطلب ہے کہ زندہ جن اور زندہ آدمی، اور مُردہ جن اور مُردہ آدمی جتنے لوگوں کو مؤذن کی آواز پہنچتی ہے اور وہ اس کی اذان سُنتے ہیں سب روزِ قیامت اُس کے لیے گواہی دیں گے۔

یہاں تصریح ہُوئی کہ بعد موت علم و سماع کا باقی رہنا کچھ بنی آدم سے خاص نہیں جن کے لئے بھی حاصل ہے۔

---

[1] رسائل الارکان فصل حکم الجنازۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۵۰

[2] زہر الربی حاشیہ علٰی سنن النسائی کتاب الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۹۳

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث حیثما کنتم فصلوا علی مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیۃ ۱/ ۵۰۲

[4] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب فضل الاذان فصل ۱ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۱۶۰

اور واقعی ایسا ہی ہونا چاہئے لانعدام المخصص (کیونکہ کوئی دلیل تخصیص نہیں۔ ت)

قول (۱۹۱ تا ۱۹۸) امام اسمٰعیل[۱۹۱] پھر امام بیہقی[۱۹۲] پھر امام سہیلی[۱۹۳] پھر امام قسطلانی[۱۹۴] پھر امام علامہ شامی[۱۹۵] پھر علامہ زرقانی نے سماعِ موتیٰ کا اثبات کیا اور دلیل انکار سے جواب دئے کما یظھر بالمراجعۃ الی الارشاد و المواھب وشرحھا وغیر ذٰلک من اسفار العلماء (جیسا کہ ارشاد الساری شرح بخاری، مواہب لدنیہ، شرح مواہب لدنیہ اور ان کے علاوہ کتبِ علماء کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ت) مواہب میں امام ابن جابر[۱۹۶] سے بھی اثبات سماع نقل کیا۔ امام کرمانی[۱۹۷]، امام عسقلانی، امام عینی، امام قسطلانی نے شروح صحیح بخاری اور امام سخاوی[۱۹۸]، امام سیوطی، علامہ حلبی، علی قاری، شیخ محقق وغیرہم علماء نے اس کی تحقیقیں فرمائیں۔ ازانجا کہ یہ اقوال اُن مباحث سے متعلق جنھیں اس رسالہ میں دورِ آئندہ پر محمول رکھا ہے لہذا ان کی نقل عبارات ملتوی رہی واللہ الموفق۔

قول (۱۹۹) جذب القلوب شریف میں ہے:

تمام اہل سنّت وجماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم وسماع مرسائر اموات را۔[۱]

تمام اہل سنّت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ علم اور سماعت جیسے ادراکات تمام مُردوں کے لئے ثابت ہیں (ت)

قول (۲۰۰) جامع البرکات میں فرمایا:

سمہودی می گوید کہ تمام اہل سنّت وجماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراک مثل علم وسمع وبصر مر سائر اموات را از آحاد بشر انتہی۔[۲] والحمد للہ رب العٰلمین۔

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ تمام اہل سنّت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ عام افراد بشر میں سے تمام مُردوں کے لئے ادراک جیسے علم اور سُننا دیکھنا ثابت ہے۔ انتہی۔ والحمد للہ رب العالمین (ت)

فقیر غفراللہ تعالٰی نے جن سَو ائمہ وعلماء کے اسمائے طیبہ گنائے تھے بحمد اللہ اُن کے اور اُن سے علاوہ اوروں کے بھی اقوالِ عالیہ **دو سَو** شمار کر دئے اور ایفائے وعدہ سے سبک دوش ہُوا۔

تنبیہ: ناظر گمان نہ کرے کہ ہمارے تمام دلائل بس اسی قدر، بلکہ جو نقل نہ کیا وہ بیشتر واکثر۔ پھر فقیر غفراللہ المولی القدیر نے اس رسالہ میں یہ التزام بھی رکھا کہ جو آثار واحادیث واقوال علمائے قدیم وحدیث خاص حضور پُرنور سیّد عالم حی باقی رُوح مجسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیاتِ عالی وعلم عظیم وسمع جلیل وبصرِ کریم میں وارد انھیں ذکر نہ کرے تین وجہ سے:

---

[۱] جذب القلوب باب چہار دہم در فضائل زیارت سید المرسلین منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲-۲۰۱

[۲] جامع البرکات

51
51

اوّلاً مسلمانوں پر نیک گمان کہ خاص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کوئی کلمہ گو مثل سائر اموات نہ جانے گا، اربابِ طائفہ کہ ارواحِ موتٰی کو جماد سمجھتے ہیں شاید یہاں اس کلمہ مغضوبہ مبغوضہ سے انھیں بھی احتراز ہو، اور معاذاللہ جسے نہ ہو تو استغفراللہ، ایسا شقی لئیم قابلِ کلام وخطاب نہیں بلکہ اس کا جواب اللہ کا عذاب، والعیاذ باللہ رب العالمین۔

ثانیاً واللہ فقیر کو حیا آئی کہ حضور پُرنور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک ایسی بحث "لا" و "نعم" میں بطور خود شامل کرے، ہاں دوسرے کی طرف سے ابتداء ہو تو اظہارِ حق میں مجبوری ہے۔

ثالثاً وہاں دلائل کی وُہ کثرت کہ نطاق نطق بیان سے عاجز۔ پھر انھیں اقوال پر قناعت بس کہ جس سرکار کے غلام ایسے "العظمۃ للہ" اس کا پُوچھنا ہی کیا ہے آخر انھیں یہ مدارج ومعارج کس نے عطا کیے، اسی سرکار ابد قرار نے، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہٖ وصحبہ وابنہ الاکرم سیدی ومولای الغوث الاعظم، والحمدللہ رب العالمین۔

نوعِ دوم اقوالِ کبراء وعمائدِ خاندان عزیزی میں۔ یہاں اقوال مختلط مذکور رہوں گے ناظران کے مطالب کو فصولِ نوعِ اول پر تقسیم کرلے۔ سردست **نسُّو مقال** اُن کے بھی حاضر کرتا ہوں وباللہ التوفیق۔

وصلِ اول ــــ مقال (۱) شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں:

اذا انتقلوا الی البرزخ کانت تلک الاوضاع والعادات والعلوم معھم لاتفارقھم[1]۔

جب برزخ کی طرف انتقال کرتے ہیں یہ وضعیں اور عادتیں اور علم سب اُن کے ساتھ ہوتے ہیں جُدا نہیں ہوتے۔

مقال (۲) اُسی میں ہے:

اذا مات ھذا البارع لایفقد ھو ولا براعتہ بل کل ذٰلک بحالہ[2]۔

جب یہ بندۂ کامل انتقال فرماتا ہے نہ وہ گُمتا ہے نہ اُس کا کمال، بلکہ بدستور اسی حال پر رہتے ہیں۔

مقال (۳) اُسی میں ہے:

کل من مات من الکمل یخیل الی العامۃ انہ فقد من العالم ولا واللہ مافقد بل

جس کامل کا انتقال ہوتا ہے عوام کے خیال میں گزرتا ہے کہ وُہ عالم سے گُم گیا، حالانکہ خدا کی قسم وُہ

---

[1] فیوض الحرمین معہ ترجمہ اردو مشہد عظیم الخ محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی ص ۴۲

[2] " " " تحقیق شریف " " " ص ۱۱۳

تجوھر وقوی[1] گُما نہیں بلکہ اور جوہر دار قوی ہوگیا۔

مقال (۴) شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں :

چوں آدمی میرد رُوح را اصلاً تغیر نمی شود چنانچہ حامل قوی بود حالا ہم ست وشعور وادراکے کہ داشت حالا ہم دارد بلکہ صاف تر و روشن تر[2] اھ ملخصاً

جب آدمی مرتا ہے رُوح میں بالکل کوئی تغیر نہیں ہوتا، جس طرح پہلے حامل قوی تھی اب بھی ہے اور جو شعور وادراک اُسے پہلے تھا اب بھی ہے بلکہ اب زیادہ صاف اور روشن ہے اھ ملخصاً (ت)

مقال (۵) تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں :

چوں روح از بدن جُدا شد قوائے نباتی از وجدا می شوند نہ قوائے نفسانی وحیوانی واگر وجود قوائے نفسانی وحیوانی فیضاناً یا بقاءً مشروط باشد بوجود قوائے نباتی و مزاج لازم آید کہ ملائکہ را شعور وادراک وحسے وحرکتے وغضب ودفع منافر نباشد پس حال ارواح درعالم قبر مثل حال ملائکہ است کہ بتوسط شکلے وبدنے کار می کنند ومصدر افعال حیوانی ونفسانی می گردند بے آنکہ نفس نباتی ہمراہ داشتہ باشند[3]

جب رُوح بدن سے جُدا ہوتی ہے قوائے نباتی اُس سے جُدا ہوجاتے ہیں مگر قوائے نفسانی وحیوانی باقی رہتے ہیں، اور اگر قوائے نفسانی وحیوانی کے فیضان یا بقا کے لیے قوائے نباتی اور مزاج کا وجود شرط ہو تو لازم آئے گا کہ ملائکہ میں شعور وادراک، حس و حرکت، غضب و دفع ناموافق کچھ بھی نہ ہو۔ تو عالمِ برزخ میں رُوحوں کا حال ایسا ہی ہے جیسے ملائکہ کا حال ہے کہ کسی شکل اور بدن کی وساطت سے کام کرتے ہیں اور نفس نباتی کے بغیر ان سے حیوانی ونفسانی افعال صادر ہوتے ہیں۔ (ت)

مقال (۶) قاضی ثناء اللہ پانی پتی جن سے مولوی اسحاق نے مائۃ مسائل واربعین میں استناد کیا اور جناب مرزا صاحب اُن کے پیرو مرشد وممدوح عظیم شاہ ولی اللہ صاحب نے مکتوب۵ میں انھیں فضیلت و ولایت مآب مروج شریعت ومنور طریقت ونورِ مجسم وعزیز ترین موجودات ومصدر انوار فیوض وبرکات لکھا اور منقول کہ شاہ عبدالعزیز صاحب انھیں بیہقی وقت کہتے، رسالہ تذکرۃ الموتٰی میں لکھتے ہیں :

اولیاء گفتہ اند ارواحنا اجسادنا یعنی ارواحِ ایشاں

اولیاء فرماتے ہیں: ہماری رُوح ہی ہمارا جسم ہے،

---

[1] فیوض الحرمین — تحقیق شریف الخ — محمد سعید تاجران کتب کراچی — ص ۱۱۱

[2] تفسیر عزیزی — آیت ولا تقولوا لمن یقتل الخ — افغانی دارالکتب لال کنواں دہلی — ۱/۵۵۹

[3] تحفہ اثنا عشریہ — باب ہشتم درمعاد الخ — سہیل اکیڈمی لاہور — ص ۲۳۹-۴۰

کارِ اجساد می کنند وگاہی اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح می برآید می گویند کہ رسولِ خدا را سایہ نبود صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم ارواحِ ایشاں از زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند می روند و بہ سبب ہمیں حیات اجساد آنہارا در قبر خاک نمی خورد بلکہ کفن ہم میماند ابن ابی الدنیا از مالک روایت نمود، ارواحِ مومنین ہر جا کہ خواہند سیر کنند مراد از مومنین کاملین اند حق تعالٰے اجساد ایشاں را قوت ارواح مے دہد در قبور نماز مے خوانند و ذکر می کنند و قرآن مے خوانند اھ ملخصاً[1]

یعنی ان کی رُوحیں جسموں کا کام کرتی ہیں اور کبھی اجسام انتہائی لطافت کی وجہ سے رُوحوں کے رنگ میں جلوہ نما ہوتے ہیں ــــ اولیاء بتاتے ہیں کہ رسولِ خدا صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا ــــ ان کی روحیں زمین، آسمان اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں ــــ اور اسی وجہ سے قبر میں ان کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی، بلکہ کفن بھی سلامت رہتا ہے۔ ابن ابی الدنیا امام مالک سے راوی ہیں کہ "مومنوں کی رُوحیں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں"۔ مومنین سے مراد کاملین ہیں، حق تعالٰے انکے اجسام کو رُوحوں کی قوت عطا فرماتا ہے، وُہ قبروں میں نماز ادا کرتے ہیں، ذکر کرتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں۔ (ختم بتلخیص)۔ (ت)

مقال (۷) تفسیر عزیزی میں ارواحِ انبیاء و اولیاء و عام صلحا علی سیدہم وعلیہم الصلٰوۃ والسلام کا ذکر کرکے کہ بعض علیین اور بعض آسمان اور بعض درمیان آسمان و زمین اور بعض چاہ زمزم میں ہیں لکھتے ہیں:

تعلقے بقبر نیز ایں ارواح را مے باشد کہ بحضور زیارت کنندگان و اقارب و دیگر دوستاں بر قبر مطلع و مستانس مے گردند زیرا کہ رُوح را قُرب و بُعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود و مثال آں در وجودِ انسان روحِ بصری است کہ ستارہائے ہفت آسماں را درونِ چاہ مے تواند دید۔[2]

ان رُوحوں کو قبر سے بھی ایک تعلق رہتا ہے جس کے سبب زائرین، عزیزوں اور دوستوں کی آمد کا انھیں علم ہوتا ہے اور اُن سے انھیں اُنس حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ مکان کی دُوری و نزدیکی رُوح کے لیے اس ادراک سے مانع نہیں ہوتی۔ انسان کے وجود میں اس کی مثال رُوحِ بصر ہے جو ہفت آسمان کے ستارے کُنویں کے اندر سے دیکھ سکتی ہے۔ (ت)

یہ پچھلا جملہ زیادہ قابلِ لحاظ ہے۔

---

[1] تذکرۃ الموتٰی والقبور اردو ترجمہ مصباح النور باب روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے بیان میں نوری کتب خانہ لاہور ص ۷۵، ۷۶

[2] تفسیر عزیزی پارہ عم تحت ان کتاب الابرار لفی علیین مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۹۳

مقال (۸) مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ میں ہے: "پانچویں قسم مہربانی اور اُنس کے لیے ہوتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی گزرے اوپر قبر مومن بھائی اپنے کے اور سلام کرے تو پہچانتا ہے وہ اس کو اور جواب سلام کا دیتا ہے۔"[1] وعزاہ للامام النووی (اس پر امام نووی کا حوالہ دیا ہے۔ ت)

مقال (۹) مولوی اسحاق صاحب نے اربعین میں عورتوں کے لیے زیارتِ قبر مطلقاً ممنوع ٹھہرانے کو نصاب الاحتساب سے نقل کیا کہ "جب وہ نکلنے کا ارادہ کرتی ہے ملعونہ ہوتی ہے جب نکلتی ہے چار طرف سے شیاطین اُسے گھیر لیتے ہیں واذا اتت القبر یلعنھا روح المیت[2] اور جب قبر پر آتی ہے میت کی رُوح اسے لعنت کرتی ہے"۔ اپنا ادعائے اطلاق ثابت کرنے کو نقل تو کر گئے مگر نہ دیکھا کہ اس نے جمادیتِ موتٰی کا خاتمہ کر دیا۔ کلام مذکور صاف دلیل واضح ہے کہ میت حضورِ زائر پر مطلع ہوتا ہے اور یہ بھی پہچانتا ہے کہ یہ مرد ہے یا عورت، اور اس کے بے جا فعل سے پریشان بھی ہوتا ہے یہاں تک کہ زنِ زائرہ پر لعنت کرتا ہے۔

مقال (۱۰) مرزا مظہر جانجاناں اپنے ملفوظات میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت کہتے ہیں:

یک بار قصیدہ در مدح ایشاں گفتہ بودم عنایت بسیار بحال فقیر نمودہ از رُوئے تواضع فرمودند ما لائق اینہمہ ستائش نیستم[3]۔

ایک بار ان کی مدح میں ایک قصیدہ عرض کیا تھا، اس فقیر کے حال پر بہت عنایت فرمائی اور تواضعاً فرمایا کہ ہم اس ساری ستائش کے لائق نہیں۔ (ت)

مقال (۱۱) اسی میں حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی نسبت کہا:

یک بار قصیدہ بجناب ایشاں عرض نمودم[4] الخ

ایک بار ان کی بارگاہ میں ایک قصیدہ عرض کیا۔ الخ (ت)

مقال (۱۲) شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

اذا مات الانسان کان للنسمۃ نشأۃ اخری فینشیئ فیض الروح الالٰھی فیھا قوۃ فیما بقی من الحس المشترک تکفی کفایۃ السمع و البصر والکلام[5]۔

جب آدمی مرتا ہے رُوحِ حیوانی کے لیے ایک اور اُٹھان ہوتی ہے تو روحِ الٰہی کا فیض اس کے بقیہ حسِ مشترک میں ایک قوت ایجاد کرتا ہے جو سننے اور دیکھنے اور کلام کرنے کا کام دیتی ہے۔

---

[1] مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح باب زیارۃ القبور فصل ۱ ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور ۱/ ۱۷-۷۱۶

[2] مسائل اربعین مع اردو ترجمہ مسئلہ ۳۹ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۶

[3] ملفوظات مرزا مظہر جان جاناں از کلماتِ طیبات مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

[4] " " " " "

[5] حجۃ اللہ البالغہ باب حقیقۃ الروح المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۹

مقال (۱۳) مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ موضح القرآن میں زیر کریمہ وما انت بمسمع من فی القبور فرماتے ہیں "حدیث میں آیا ہے کہ مُردوں سے سلام علیک کرو وُہ سنتے ہیں۔ اور بہت جگہ مُردوں کو خطاب کیا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ مُردے کی رُوح سُنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ وُہ نہیں سُن سکتا ہے۔"[1]

وصل دوم بقائے تصرفات وکراماتِ اولیاء بعد الوصال میں۔

مقال (۱۴) شاہ ولی اللہ ہمعات میں لکھتے ہیں:

در اولیائے اُمت واصحابِ طرق اقوی کسیکہ بعد تمام راہِ جذب باکد وجوہ باصل ایں نسبت میل کردہ و در آنجا بوجہ اتم قدم زدہ است حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی اند ولہذا گفتہ اند کہ ایشاں در قبور خود مثل احیاء تصرف مے کنند۔[2]

اولیائے اُمت واصحابِ طریقت میں سب سے زیادہ قوی شخصیت ـــ جس کے بعد تمام راہِ عشق مؤکد ترین طور پر اسی نسبت کی اصل کی طرف مائل اور کامل ترین طور پر اسی مقام پر قائم ہوچکی ہے، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ اپنی قبروں میں رہ کر زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں (ت)

مقال (۱۵) حجۃ اللہ البالغہ میں اہلِ برزخ کو چار قسم کرکے لکھا:

اذا مات انقطعت العلاقات فلحق بالملٰئکۃ وصار منہم والہم کالہامہم وسعی فیما یسعون فیہ وربما اشتغل ھٰؤلاء باعلاء کلمۃ اللہ ونصر حزب اللہ وربما کان لہم لمۃ خیر بابن اٰدم۔[3] ملخصًا۔

جب مرتے ہیں علاقِ بدنی منقطع ہو کر ملائکہ سے ملتے اور اُنھیں میں سے ہوجاتے ہیں، جس طرح فرشتے آدمیوں کے دل میں نیک بات کا القاء کرتے ہیں یہ بھی کرتے ہیں اور جن کاموں میں ملائکہ سعی کرتے ہیں یہ بھی کرتے ہیں اور کبھی یہ پاک رُوحیں خدا کا بول بالا کرنے اور اس کے لشکر کو مدد دینے یعنی جہاد و قتلِ کفار و امدادِ مسلمین میں مشغول ہوتی ہیں اور کبھی بنی آدم سے اس لیے نزدیک و قریب ہوتی ہیں کہ ان پر افاضۂ خیر فرمائیں۔

مقال (۱۶) تفسیر عزیزی میں ہے:

بعض از خواص اولیاء اللہ را کہ جارحۂ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت (یعنے بحالت عالم برزخ)

بعض خواص اولیاء جنھیں اپنے دوسرے بنی نوع کی تکمیل وارشاد کا ذریعہ بنایا ہے ان کو اس حالت میں

---

[1] موضح القرآن وما انت بمسمع من فی القبور کے تحت ممتاز کمپنی کشمیری بازار لاہور ص ۴۸۰

[2] ہمعات ہمعہ ۱۱ اکادیمی شاہ ولی اللہ حیدرآباد ص ۶۱

[3] حجۃ اللہ البالغۃ باب اختلاف احوال الناس فی البرزخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۵

ہم تصرف در دُنیا دادہ و استغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد[1]

(یعنی عالمِ برزخ کی حالت میں) دنیا کے اندر تصرف بخشا ہے اور مشاہدۂ الٰہی میں ان کا استغراق اس جانب توجہ سے مانع نہیں ہوتا اس لیے کہ ان کے مدارک بہت زیادہ وسعت رکھتے ہیں۔ (ت)

یہی وُہ عبارت ہے جس کے سبب مولوی منکر صاحب نے بھی بعض اموات کے لیے زیادتِ ادراک گوارا کی تھی۔

مقال (۱۷) مرزا مظہر صاحب اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

بعض ارواحِ کاملاں را بعد ترک تعلق اجساد آنہا در نشاۂ تصرفے باقی است[2] الخ

جسموں سے ترکِ تعلق کے بعد بھی بعض ارواح کاملین کا تصرف اِس دنیا میں باقی ہے الخ (ت)

مقال (۱۸) میاں اسمٰعیل دہلوی صراطِ مستقیم میں حضرت جناب مولٰی مشکل کشا کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی نسبت خدا جانے کس دل سے یُوں ایمان لاتے ہیں:

در سلطنتِ سلاطین و امارتِ امراء ہمت ایشاں را دخلے ہست کہ بر سیاحینِ عالمِ ملکوت مخفی نیست[3]

سلاطین کی سلطنت اور حکّام کی حکومت میں حضرت علی (کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم) کی ہمت کو ایسا دخل ہے جو عالمِ ملکوت کی سیاحت کرنیوالوں پر مخفی نہیں۔ (ت)

مقال (۱۹) اُسی میں شوکت و عظمتِ جناب مرتضوی لکھ کر کہا:

شان جناب شیخین لس بلند بہ نسبت ابہت و جلال مذکور ست تمثیلش بظاہر مرتبہ امیر کبیر ست کہ فارغ از امورِ سیاست گردیدہ ملازم بادشاہ گشتہ بہ نسبت کسیکہ قائم بر خدمات و مشغول بکار پردازی است اگرچہ شوکتِ ظاہریہ وکثرتِ اتباع در حق ایں مصاحب بہ نسبت آں امیر اعظم قائم بخدماتِ اقل قلیل است لیکن در عزت و وجاہت فوق است چہ فی الحقیقۃ

مذکورہ شوکت و جلال کی بہ نسبت حضرات شیخین کی شان بہت بلند ہے، عالمِ ظاہر میں اس کی مثال اُس امیر کبیر کا مرتبہ ہے جو امورِ سیاست سے فارغ ہو کر بادشاہ کی خدمت میں رہتا ہے بہ نسبت دوسرے امیر کے جو امورِ مملکت سے وابستہ اور کارپردازی میں مشغول ہے اگرچہ ظاہری شوکت اور تابعداروں کی کثرت، امورِ مملکت سے وابستہ اُس امیر اعظم کی

---

[1] تفسیر عزیزی تحت والقمر اذا اتسق سلیم بک ڈپو، لال کنواں دہلی ص ۲۰۶

[2] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں مع کلمات طیبات مکتوب ۱۴ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۷

[3] صراطِ مستقیم ہدایت ثانیہ در ذکر بدعاتیکہ الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۵۸

آں امیر باہمگی شوکت وحشمت واتباع خود گویا از اتباع آں مصاحب ست زیراکہ مشورت وتدبیرش درہمہ اتباع بادشاہی جاری وساری است[1] اھ ملخصا

برنسبت اس مصاحب کے حق میں کم سے کم تر ہے لیکن عزت ووجاہت میں یہ اس سے بالاتر ہے۔ اس لیے کہ وہ امیر اپنی تمام تر شوکت وحشمت اور تابعداروں کے باوجود گویا اس مصاحب کا ایک تابعدار ہے اس لیے کہ اس کا مشورہ اور اس کی تدبیر بادشاہ کے تمام تابعداروں میں جاری وساری ہے۔ (ختم بتلخیص)۔ (ت)

مقال (۲۰) مظاہر الحق میں ہے: تیسری قسم زیارت کی برکت حاصل کرنے کے لیے، وہ زیارت اچھے لوگوں کی قبروں کی ہے اس لئے کہ اُن کے لئے برزخ میں تصرفات وبرکات بے شمار ہیں[2] وعزاہ للامام النووی (اسے امام نووی کے حوالے سے لکھا ہے۔ ت)

وصل سوم بعد وصالِ اولیاء کے فیض وامداد میں۔

مقال (۲۱ تا ۳۱) شاہ ولی اللہ ومولوی خرم علی نے کہا: منتظر رہے اس کا جس کا فیضان صاحبِ قبر سے ہو سکے[3] عزیزی میں فرمایا:

ارباب حاجات حل مشکلات خود از انہا می یابند[4]

اہلِ حاجات اپنی مشکلوں کا حل ان سے پاتے ہیں (ت)

دونوں شاہ صاحبوں پھر مولوی خرم علی نے کہا: اویسیت کی نسبت قوی وصحیح ہے روحی فیض ہے اور روحانیت سے تربیت ہے[5] ملخصاً۔

عزیزی[۲۸] میں لکھا ہے: از اولیائے مدفونین انتفاع جاری است[6] (دفن شدہ اولیاء سے نفع یابی جاری ہے۔ ت)

مرزا مظہر صاحب مولیٰ[۲۹] علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت مظہر: قصیدہ عرض نمودم نوازشہا فرمودند[7] (میں نے

---

[1] صراط مستقیم ہدایت ثانیہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۵۹ - ۵۸

[2] مظاہر حق باب زیارۃ القبور دین محمد اینڈ سنز لاہور ۱/ ۷۱۶

[3] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل کشف قبور واستفاضہ بداں ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۲

[4] تفسیر عزیزی پارہ عم تحت والقمر اذا اتسق مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۲۰۶

[5] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل فصل ۱۱ سلسلہ طریقت مصنف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۸

[6] تفسیر عزیزی پارہ عم استفادہ از اولیائے مدفونین مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۴۳

[7] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات ملفوظات حضرت ایشاں مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

ایک قصیدہ عرض کیا، بڑی نوازشیں فرمائیں۔ ت)

شاہ ولی اللہ و مولوی[۳۱] خرم علی نے کہا: شاہ عبدالرحیم ادب آموز ہوئے اپنے نانا کی روح سے[۱]، کہ یہ سب اقوال مقصد اوّل کی نوع اوّل میں گزرے۔

مقال (۳۲) مرزا صاحب موصوف نے اپنے ملفوظات میں فرمایا:

از فرطِ محبت کہ فقیر را بجناب امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ثابت است و سرمنشا نسبت علیہ نقشبندیہ ایشاں اند بمقتضائے بشریت غشاوہ بر نسبت باطنی عارض مے شود خود بخود رجوع بآنجناب پیدا گشتہ بالتفات ایشاں رفع کدورت مے شود[۲]۔

اُس فرطِ محبت کے سبب جو فقیر کے لیے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بارگاہ میں ثابت ہے، اور بلند نسبت نقشبندیہ کا سرمنشا وہی ہیں، بہ تقاضائے بشری نسبت باطنی پر ایک پردہ سا عارض ہو جاتا ہے خود بخود اس بارگاہ کی طرف رجوع پیدا ہوتا ہے اور اُن کی وجہ سے کدورت دُور ہو جاتی ہے۔ (ت)

مقال (۳۳ تا ۳۶) اُسی میں[۳۲] ہے:

التفات غوث الثقلین بحال متوسلان طریقہ علیہ ایشاں بسیار معلوم شد باہیچ کس از اہل ایں طریقہ ملاقات نشدہ کہ توجہ مبارک آنحضرت بحالش مبذول نیست[۳]۔

اپنے طریقہ عالیہ کے متوسلین پر حضرت غوث الثقلین کا التفات زیادہ معلوم ہوا اس طریقہ والوں میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جس کے حال پر حضرت کی توجہ مبذول نہ ہو۔ (ت)

پھر[۳۴] کہا:

عنایت حضرت خواجہ نقشبند بحال معتقدان خود مصروف است مغلان در صحرا با وقت خواب اسباب و اسپان خود بحمایت حضرت خواجہ مے سپارند و تائیدات از غیب ہمراہ ایشاں می شود دریں باب حکایات بسیار است تحریر آں باطالت می رساند[۴]۔

اپنے معتقدین کے حال پر حضرت خواجہ نقشبند کی عنایت کارفرما ہے۔ مغل لوگ صحراؤں میں سونے کے وقت اپنے سامان اور گھوڑوں کو حضرت کی حفاظت کے سپرد کرتے ہیں اور غیبی تائیدات ان کے ہمراہ ہوتی ہیں اس باب میں واقعات بہت ہیں جنھیں لکھنے سے طول ہوگا۔ (ت)

---

[۱] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل فصل ۱۱ سلسلہ طریقت حضرت مصنف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۹

[۲] ملفوظات میرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات ملفوظات حضرت ایشاں مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۰

[۳] و [۴] " " " " " " " " ص ۸۳

پھر کہا: [۳۵]

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بحال زائران مزار خود عنایت بسیار می فرمایند[1]

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنے مزار کی زیارت کرنے والوں کے حال پر بڑی عنایت فرماتے ہیں۔ (ت)

پھر کہا: [۳۶]

ہمچنیں شیخ جلال پانی پتی التفاتہا مے نمایند[2]

اسی طرح شیخ جلال پانی پتی بھی بہت التفات فرماتے ہیں۔ (ت)

مقال (۳۷) قاضی ثناء اللہ پانی پتی جن کی مدح مقال ۶ میں گزری تذکرۃ الموتٰی میں لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ دوستاں ومعتقداں را در دنیا و آخرت مددگاری می فرمایند و دشمناں راہلاک می نمایند و از ارواح بطریق اویسیت فیض باطنی می رسد[3]

اولیاء اللہ اپنے دوستوں اور عقیدت مندوں کی دنیا و آخرت میں مدد فرماتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں ــــ اور روحوں سے اُویسیت کے طریقے پر باطنی فیض پہنچتا ہے۔ (ت)

مقال (۳۸ تا ۴۵) یہی قاضی صاحب سیف المسلول میں مرتبہ قطبیت ارشاد کو یوں بیان کرکے کہ

فیوض و برکات کارخانہ ولایت کہ از جناب الٰہی براولیاء اللہ نازل مے شود اول بریک شخص نازل می شود و ازاں شخص قسمت شدہ بہریک از اولیائے عصر موافق مرتبہ وبحسب استعداد می رسد و بہیچ کس از اولیاء اللہ بے توسط او فیضی نمی رسد و کسے از مردانِ خدا بے وسیلہ او درجہ ولایت نمی یابد اقطاب جزئی و اوتاد و ابدال و نجباء و نقباء وجمیع اقسام از اولیائے خدا بوے محتاج می باشند صاحب ایں منصب عالی را امام و

کارخانہ ولایت کے فیوض و برکات جو خدا کی بارگاہ سے اولیاء اللہ پر نازل ہوتے ہیں پہلے ایک شخص پر اُترتے ہیں اور اس شخص سے تقسیم ہوکر اولیائے وقت میں سے ہرایک کو اس کے مرتبہ و استعداد کے مطابق پہنچتے ہیں اور کسی ولی کو بھی اس کی وساطت کے بغیر کوئی فیض نہیں پہنچتا، اور اہل اللہ میں سے کوئی بھی اس کے وسیلہ کے بغیر درجہ ولایت نہیں پاتا۔ جزئی اقطاب، اوتاد، ابدال، نجبا، نقبا اور تمام اقسام کے اولیاء اللہ اس کے

---

[1] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں مع کلمات طیبات ملفوظات حضرت ایشاں مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[3] تذکرۃ الموتٰی و القبور اردو ترجمہ مصباح النور باب روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے بیان میں نوری کتب خانہ لاہور ص ۷۶

قطب الارشاد بالاصالۃ نیز خوانند وایں منصب عالی از وقت ظہورِ آدم علیہ السلام بروحِ پاک علی مرتضےٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ مقرر بود[۱]

محتاج ہوتے ہیں۔ اس منصب بلند والے کو امام، اور قطب الارشاد بالاصالۃ بھی کہتے ہیں ــــ اور یہ منصب عالی ظہورِ آدم علیہ السلام کے زمانے سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی رُوح پاک کے لئے مقرر تھا۔ (ت)

پھر ائمہ اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو بترتیب اس منصبِ عظیم کا عطا ہونا لکھ کر کہتے ہیں:

بعدوفات عسکری علیہ السلام تا وقتِ ظہورِ سید الشرفا غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر الجیلی ایں منصب بروح حسن عسکری علیہ السلام متعلق بود[۲]

حضرت عسکری کی وفات کے بعد سید الشرفا غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی کے زمانہ ظہور تک یہ منصب حضرت حسن عسکری کی رُوح سے متعلق رہے گا (ت)

پھر کہا:[۳]

چوں حضرت غوث الثقلین پیدا شد ایں منصب مبارک بوے متعلق شد و تا ظہور محمد مہدی ایں منصب بروح مبارک غوث الثقلین متعلق باشد[۳]

جب حضرت غوث الثقلین پیدا ہوئے یہ منصب مبارک ان سے متعلق ہُوا اور امام محمد مہدی کے ظہور تک یہ منصب حضرت غوث الثقلین کی رُوح سے متعلق رہے گا۔ (ت)

پھر کہا:[۴]

چوں امام محمد مہدی ظاہر شود ایں منصب عالی تا انقراضِ زمان بوے مفوض باشد[۴]

جب امام مہدی ظاہر ہوں گے یہ منصب بلند اختتام زمانہ تک اُن کے سپرد رہے گا۔ (ت)

اخیر میں کہا:

استنباط ایں مدعا از کتاب اللہ و از حدیث می توانیم کرد[۵] اھ ملخصا

ہم اس مدعا کا استنباط کتاب اللہ اور حدیث پاک سے کر سکتے ہیں اھ ملخصاً (ت)

اصل ان سب اقوال ثلثہ کی جناب شیخ مجدد الف ثانی سے ہے، جیسا کہ جلد سوم مکتوب ۱۲۳ میں مفصلاً مذکور، اُن کے کلام میں اس قدر امر او رزائد ہے کہ:

بعد از ایشاں (یعنی حضرت مرتضےٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الاسنی) بہریکے از ائمہ اثنا عشر علی الترتیب

حضرت مرتضےٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے لیے ترتیب وتفصیل کے ساتھ

---

[۱] تا [۵] سیف المسلول مترجم اردو خانہ کتاب فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۵۲۷ تا ۵۲۹

والتفصیل قرار گرفت و دراعصار ایں بزرگواران و ہمچنیں بعد از ارتحال ایشاں ہرکرا فیض وہدایت می رسد بتوسط این بزرگواران بودہ ملاذ و ملجائے ہمہ ایشاں بودہ اند تا آنکہ نوبت بحضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رسید قدس سرہ الخ اھ ملخصا[1]

قرار پذیر ہُوا، ان بزرگوں کے زمانے میں، اسی طرح ان کی رحلت کے بعد جسے بھی فیض و ہدایت پہنچتی انہی بزرگوں کے توسط سے تھی اور سب کا ملجا یہی حضرات تھے یہاں تک کہ حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ تک نوبت پہنچی الخ (ت)

اور انھوں[45] نے جلد ثانی میں خود اپنے لیے بھی اس منصب کا حصول مانا اور اس اعتراض سے کہ پھر اس دَورے میں منصب مذکور کا حضور پُرنور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اختصاص کب رہا، جلد ثالث میں یُوں جواب دیا کہ:

مجدد الف ثانی دریں مقام نائب مناب حضرت شیخ است وبنیابت حضرت شیخ ایں معاملہ باو مربوط است چنانکہ گفتہ اند نور القمر مستفاد من نور الشمس فلا محذور[2]

مجدّد الف ثانی اس مقام میں حضرت شیخ کا قائم مقام ہے اور حضرت شیخ کی نیابت سے یہ معاملہ اس سے وابستہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے ماہتاب کا نور آفتاب کے نور سے مستفاد ہے۔ تو کوئی اعتراض نہ رہا۔ (ت)

مقال (۴۶ تا ۵۸) شاہ ولی اللہ[46] انتباہ[47 تا 58] میں اوران کے بارہ اساتذہ و مشائخ کہ عرب و ہند وغیرہما بلاد کے علماء و اولیاء ہیں، حضرت مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو وقتِ مصیبت مددگار ماننے اور ع

تجدہ عونا لک فی النوائب

(انھیں مصائب میں اپنا مددگار پاؤ گے۔ ت)

کو حق جانتے، وسیاتی نقلہ فی الوصل الآتی ان شاء اللہ تعالٰی (وصل آیندہ میں یہ کلام نقل ہوگا اگر خدا نے چاہا۔ ت)

مقال (۵۹) شاہ ولی اللہ نے ہمعات میں لکھا:

از جملہ نسبت ہائے معتبرہ نزدیک قوم نسبت اولیسیہ است خواہ ایں مناسبت بہ نسبت ارواح انبیاء باشد یا اولیائے اُمت یا ملائکہ وبساست کہ

اہلِ طریقت کے نزدیک معتبر نسبتوں میں سے ایک نسبت اُویسی بھی ہے خواہ یہ مناسبت ارواحِ انبیاء کی نسبت سے ہو یا اولیائے امت یا ملائکہ کی نسبت

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی مکتوب دوصد و بست وسوم مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۸-۲۴۷

[2] " " " " " ۲۴۸/

مناسبت بروحی حاصل شود بجہت آنکہ فضائل وے استماع کردہ محبتے خاص بہم رسانید و آں محبت سبب کشادہ شدن راہے گرد د میان رُوح و این کس یا بجہت آنکہ روح مرشد وے یا جد وے باشد در وے ہمت ارشاد منتسبیان خود متمکن شدہ الخ انتہی ملتقطا۔[1]

سے ہو اور ایسا بھی بہت ہوتا ہے کہ کسی رُوح سے مناسبت پیدا ہوگئی اس لئے کہ اس کے فضائل سُن کر اس سے ایک خاص محبت بہم پہنچائی۔ وہ محبت اس رُوح اور اِس شخص کے درمیان ایک راہ کُھلنے کا سبب ہوجاتی ہے ــــ یا اس وجہ سے کہ وہ اس کے مرشد یا مرشد کے مرشد کی روح ہے اس کے اندر اپنے منتسبین کی رہنمائی کی ہمت خود قرار پذیر ہے۔ الخ (ختم التقاط کے ساتھ)۔ (ت)

مقال (۶۰) اُسی میں ہے:

از ثمراتِ ایں نسبت (یعنی اویسیہ) رویت آں جماعت است در منام و فائدہ از ایشاں یافتن و در مہالک و مضائق صورت آں جماعت پدید آمدن و حل مشکلات وے بآں صورت منسوب شدن۔[2]

اس نسبت اُویسی کے ثمرات سے ہے خواب میں اُس جماعت کا دیدار ہونا، ان سے نفع پانا، ہلاکت و مصیبت کی جگہوں میں اُس جماعت کی صورت کا نمودار ہونا اور مشکلات کا حل اُس صورت سے منسوب ہونا۔ (ت)

مقال (۶۱) اُسی میں ہے:

امروز اگر کسے را مناسبت بروح خاص پیدا شود و از انجا فیض بردارد غالباً بیرون نیست از آنکہ ایں معنی بہ نسبت پیغمبر صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم باشد یا بہ نسبت حضرت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہٗ یا بہ نسبت حضرت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ و آنانکہ مناسبت بہ سائر ارواح دارند باعث خصوص آں اسباب طاریہ شدہ اند مثل آنکہ وے محبت آں بزرگ بسیار دارد، و بر قبرے بسیار می رود، و ایں معنی سلسلہ جنبان از جہت

آج اگر کسی کو کسی خاص رُوح سے مناسبت پیدا ہو اور وہاں سے فیض یاب ہو تو غالباً اس سے باہر نہ ہوگا کہ یہ معنی حضرت رسول خدا صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت سے ہو یا حضرت امیر المومنین علی مرتضٰے کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی نسبت سے یا حضرت غوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت سے ہو اور جو لوگ تمام ارواح سے مناسبت رکھتے ہیں ان کی خصوصیت کا باعث عارضی اسباب ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ اُس بزرگ سے زیادہ محبت رکھتا ہے اور اس

---

[1] ہمعات ہمعہ ۱۱ اکادیمۃ الشاہ ولی اللہ حیدر آباد پاکستان ص ۵۷-۵۶

[2] ہمعات 〃 〃 〃 〃 ص ۵۹

قابل گشتہ است، وآں بزرگ را ہمتِ قویہ بودہ است در تربیت منتسبان خود وآں ہمت ہنوز در روح شے باقی است واین معنی سلسلہ جنبان از جہت فاعل است[1]

کی قبر پر زیادہ جاتا ہے۔ یہ معنی قابل کی جانب سے محرک بنا — اور اپنے منتسبین کی تربیت میں اُس بزرگ کی ہمت قوی تھی اور وُہ ہمت رُوح میں اب بھی باقی ہے — یہ معنی فاعل کی جانب سے محرک ہوا۔ (ت)

مقال (۶۲) حجۃ اللہ البالغہ میں ہے:

قد استفاض من الشرع ان للہ تعالٰی عبادا ھم افاضل الملٰئکۃ وانھم یکونون سفراء بین اللہ وبین عبادہ انھم یلھمون فی قلوب بنی اٰدم خیرا، وان لھم اجتماعات کیف شاء اللہ وحیث شاء اللہ یعبر عنھم باعتبار ذٰلک بالملاء الاعلٰی وان لارواح افاضل الاٰدمیین دخولا فیھم ولحوقا بھم کما قال اللہ تعالٰی یٰایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الٰی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی، والملاء الاعلٰی ثلٰثۃ اقسام، قسم ھم نفوس انسانیۃ ما زالت تعمل اعمالا منجیۃ تفید اللحوق بھم حتی طرحت عنھا جلابیب ابدانھا فانسلکت فی سلکھم وعدت منھم[2] اھ ملخصا۔

یعنی بے شک شرع سے بدرجہ شہرت ثبوت کو پہنچا کہ مقرب فرشتے خدا اور اس کے بندوں میں واسطہ ہوتے اور آدمیوں کے دلوں میں نیک بات کا القاء کرتے ہیں اور ان کے لیے اجتماع ہیں جس طرح خدا چاہے اور جہاں چاہے، اسی لحاظ سے انھیں ملاءِ اعلٰی کہتے ہیں اور یہ بھی اسی طرح شرع سے بشہرت ثابت کہ بزرگانِ دین کی رُوحیں بھی ان میں داخل ہوتی اور اُن سے ملتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اے اطمینان والی جان! پلٹ چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وُہ تجھ سے خوش، پس داخل ہو میرے بندوں میں اور آ میری جنت میں"۔ اور ملاءِ اعلٰی کی ایک قسم وہ ارواحِ انسانی ہیں کہ ہمیشہ رستگاری کے کام کرتے رہے جن کے باعث اُن ملائکہ سے ملے یہاں تک کہ جب بدن کی نقابیں پھینکیں ملاءِ اعلٰی میں داخل ہوئے اور انھیں سے شمار کیے گئے۔

مقال (۶۳) عزیزی میں فرمایا:

---

[1] ہمعات ہمعہ ۱۱ اکادیمۃ الشاہ ولی اللہ حیدر آباد پاکستان ص ۶۳-۶۲

[2] حجۃ اللہ البالغہ باب ذکر الملاء الاعلٰی المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱/۱۶-۱۵

در دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمامہ یکجا می باشند علاقۂ رُوح با بدن از راہِ نظرِ عنایت بحال می ماند و توجہ رُوح بزائرین و مستانسین و مستفیدین بسہولت مے شود[1]

دفن کرنے میں بدن کے تمام اجزاء ایک جگہ جمع ہوجاتے ہیں اور نظرِ عنایت سے رُوح کا تعلق بدن سے ہوجاتا ہے اور زائرین اور انس اور استفادہ کرنے والوں کی طرف توجہ آسان ہوجاتی ہے (ت)

مقال (۶۴) میاں اسمٰعیل صراطِ مستقیم میں لکھ گئے:

حضرت مرتضوی رایک نوع تفضیل برحضرات شیخین ہم ثابت و آں تفضیل بجہت کثرت اتباع ایشاں و وساطت مقامات ولایت بل سائر خدمات است مثل قطبیت و غوثیت و ابدالیت وغیرہا ہمہ از عہد کرامت عہد حضرت مرتضٰے تا انقراض دنیا ہمہ بواسطہ ایشاں است[2]

حضرت مرتضٰی کو یک گونہ فضیلت حضرات شیخین پر بھی ثابت ہے اور وہ فضیلت متبعین کی کثرت اور مقاماتِ ولایت بلکہ تمام خدمات — جیسے قطبیت، غوثیت، ابدالیت وغیرہا — میں وساطت کے لحاظ سے ہے۔ سب حضرت مرتضٰی کے عہدِ کریم سے اختتامِ دُنیا تک ان ہی کے واسطے سے ہے۔ (ت)

مقال (۶۵) اُسی میں ہے:

حق جل و علا بذاتِ پاک خود یا بواسطۂ ملائکہ عظام یا ارواحِ مقدسہ لسبب برکت توسل بقرآن محافظت طالب خواہد نمود[3]

حق جل و علا بذاتِ خود یا ملائکہ عظام یا ارواحِ مقدسہ کے واسطہ سے، قرآن سے توسّل کی برکت کے سبب طالب کی حفاظت فرمائے گا۔ (ت)

مقال (۶۶) مولوی اسحاق کی مائۃ مسائل میں ہے:

سوال: شخصیکہ منکر باشد فیضِ رُوحِ مبارک محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم را در عالمِ برزخ و شخصے کہ منکر باشد از فیض ارواحِ مقدسہ انبیائے دیگر علیہم الصلوٰۃ والسلام و شخصے کہ منکر باشد از فیض ارواحِ اولیاء اللہ در عالمِ برزخ حکمِ اُو چیست؟

جو شخص عالمِ برزخ میں محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رُوحِ مبارک کے فیض کا اور جو دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواحِ مقدسہ کے فیض کا اور جو عالمِ برزخ میں اولیاء اللہ کی ارواح کے فیض کا منکر ہو اس کا حکم کیا ہے؟

---

[1] تفسیر عزیزی پارہ عم استفادہ از اولیائے مدفونین مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۴۳

[2] صراطِ مستقیم ہدایت ثانیہ در ذکر بدعاتیکہ الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۵۸

[3] " " باب چہارم دربیان طریق سلوک راہ نبوت الخ " " ص ۱۴۸

جواب: ہر فیض شرعی کہ ثبوت باخبار متواترہ باشد منکر آں کافر است وہر فیضیکہ ثبوت آں باخبار مشہورہ باشد منکر آں ضال است ہر فیضے کہ ثبوت آں بخبر واحد باشد منکر آں بہ سبب ترک قبول گنہ گار خواہد شد بشرطیکہ ثبوت آں بطریق صحیح یا بطریق حسن خواہد شد اھ ملخصاً[1]

جس فیضِ شرعی کا ثبوت احادیثِ متواترہ سے ہو اس کا منکر کافر ہے اور جس فیض کا ثبوت احادیثِ مشہورہ سے ہو اس کا منکر گمراہ ہے اور جس فیض کا ثبوت خبرِ واحد سے ہو اس کا منکر ترکِ قبول کی وجہ سے گنہ گار ہوگا بشرطیکہ اس کا ثبوت بطریقِ صحیح یا بطریقِ حسن ہو۔ (ت)

ہر چند یہ جواب سراپا عیاری پر مبنی ہے مگر سب نے دیکھا کہ سوال فیضِ برزخ سے تھا، واجب کہ جواب اسے بھی شامل ہو اس قدر امر نفی جنون کے لیے ضروری یا اُن کی دیانت وللٰہیت سے انکار اور اخفائے حق وتلبیس بالباطل کا اقرار کیا جائے۔

مقال (۶۷) جناب شیخ مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

بعد از رحلت ارشاد پناہی قبلہ گاہی (یعنی خواجہ باقی باللہ علیہ رحمۃ اللہ) بتقریب زیارت مزار شریف بربلدۂ محروسہ دہلی اتفاق عبور افتاد روزِ عید بزیارت مزار شریف ایشاں رفتہ بودو در اثنائے توجہ بمزار متبرک التفاتے تمام از روحانیت مقدسۂ ایشاں ظاہر گشت واز کمال غریب نوازی نسبت خاصۂ خود را کہ بحضرت خواجہ احرار منسوب بود مرحمت فرمودند[2]

حضرت ارشاد پناہی قبلہ گاہی (خواجہ باقی باللہ علیہ رحمۃ اللہ) کی رحلت کے بعد مزار شریف کی زیارت کی تقریب سے شہر دہلی میں گزرنے کا اتفاق ہوا۔ عید کے دن حضرت کے مزار پاک کی زیارت کے لیے گیا، مزار پاک کی جانب توجہ کے دوران حضرت کی مقدس روحانیت سے کامل التفات رُونما ہُوا اور کمال غریب نوازی سے اپنی خاص نسبت جو حضرت خواجہ احرار کی جانب تھی مجھے مرحمت فرمائی۔ (ت)

تنبیہ: لفظ "بتقریب زیارت مزار شریف الخ" ملحوظ رہے اور یونہی "غریب نواز" بھی کہ حضرت خواجہ اجمیری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت کہنے سے جس متعصبان طائفہ چڑتے ہیں۔

مقال (۶۸) شاہ ولی اللہ انفاس العارفین میں اپنے استاذ الاستاذ محدث ابراہیم کُردی علیہ الرحمۃ کا حال لکھتے ہیں:

دو سال کم وبیش در بغداد ساکن بود بر قبر سیدی عبدالقادر

کم وبیش دو سال تک آپ بغداد میں مقیم رہے اس دوران آپ

---

[1] مائۃ مسائل سوال ششم تا ہشتم مکتبہ توحید وسنت پشاور ص ۱۷-۱۶

[2] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۹۷ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۱۳

قدس سرہٗ متوجہ مے شد و ذوق این راہ از آنجا پیدا کردے[1]

اکثر سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کو مرکزِ توجہ بنایا کرتے تھے اور یہیں سے آپ کو راہِ معرفت کا ذوق پیدا ہوا۔ (ت)

مقال (۶۹) اسی میں حضرت میر ابو العلی قدس سرہٗ کے ذکر مبارک میں لکھا :

بمزار فیض الانوار حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ متوجہ بودند و از آنجناب دل ربا بہا یافتند و فیضہا گرفتند[2]

حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے مزار فائض الانوار کی طرف متوجہ ہوئے، اس بارگاہ سے خاص لطف و کرم پایا اور فیوض حاصل کئے۔ (ت)

مقال (۷۰ و ۷۱) اُسی میں اپنے نانا ابوالرضا محمد سے نقل کیا :

می فرمودند یکبار حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ را در یقظہ دیدم اسرار عظیم دراں محل تعلیم فرمودند[3]

فرماتے تھے ایک بار حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیداری میں دیکھا اُس مقام میں عظیم اسرار تعلیم فرمائے۔ (ت)

مقال (۷۲) اُسی میں شیخ مذکور کے حالات میں لکھا :

عجوزہ را از مخلصان بعد وفات ایشاں تپ لرزہ گرفت بغایت نزار گشت شبے بنوشیدن آب و پوشیدن لحاف محتاج شد و طاقت آں نداشت و کسے حاضر نبود ایشاں متمثل شدند و آب دادند و لحاف پوشانیدند آں گاہ غائب شدند[4]

مخلصین میں سے ایک بُڑھیا حضرت کی وفات کے بعد تپ لرزہ میں گرفتار ہوئی، انتہائی لاغر ہوگئی، ایک رات اُسے پانی پینے اور لحاف اوڑھنے کی ضرورت تھی، اس کے اندر طاقت نہ تھی اور دوسرا کوئی موجود نہ تھا، حضرت متمثل ہوئے، پانی دیا، لحاف اُڑھایا، پھر اچانک غائب ہوگئے۔ (ت)

مقال (۷۳ تا ۷۵) القول الجمیل میں ہے :

تأدب شیخنا عبد الرحیم من ارواح الائمۃ الشیخ عبد القادر الجیلانی و الخواجہ بہاء الدین محمد

یعنی ہمارے مرشد شیخ عبد الرحیم نے ائمہ کرام حضور غوث اعظم و خواجہ نقشبند و خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ

---

[1] انفاس العارفین مترجم اردو شیخ ابراہیم کردی اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ص ۳۸۶

[2] " " میر ابو العلی " " " ۶۹

[3] " " حصہ دوم شیخ ابو الرضا محمد " ۱۹۴

[4] " " امداد اولیاء " ۲۶۹

نقشبند والخواجہ معین الدین بن الحسن الچشتی وانہ رأھم واخذ منھم الاجازۃ وعرف نسبۃ کل واحد منھم علی حدتھا مما فاض منھم علی قلبہ وکان یحکی لنا حکایتھا رضی اللہ تعالی عنہ وعنھم اجمعین۔[1]

عنہم کی ارواحِ طیبہ سے آدابِ طریقت سیکھے اور ان سے اجازتیں لیں اور ہر ایک کی نسبت جو اُن سرکاروں سے اُن کے دل پر فائز ہوئی جُدا جُدا پہچانی اور ہم سے اُس کی حکایت بیان کرتے تھے اللہ تعالٰی ان سب حضرات اور اُن سے راضی ہوا۔

مولوی خرم علی صاحب نے اُس کے ترجمہ میں لفظ "خواب میں دیکھا"[2] اپنی طرف سے بڑھادیا جس پر کلامِ شاہ ولی اللہ میں اصلاً دال نہیں، مگر ارواحِ عالیہ کا فیض بخشنا، اجازتیں دینا، نسبتیں عطا فرمانا مجبورانہ، مسلّم رکھا۔

مقال (۷۶ و ۷۷) مرزا جانجاناں صاحب فرماتے ہیں،

از حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ دوکس طریقہ گرفتند یکے طریقہ قادری اخذ کرد و دیگرے طریقہ نقشبندیہ اختیار نمود ایشاں فرمودند کہ روح مبارک حضرت غوث الاعظم تشریف آوردہ صورت مثالی مرید خاندانِ خود را ہمراہ بروند و حضرت خواجہ نقشبند تشریف فرما شدہ صورت مثالی معتقد خود را با خود بردند رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم۔[3]

حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ سے دو آدمیوں نے طریقت حاصل کی، ایک نے طریقۂ قادری لیا، دوسرے نے طریقۂ نقشبندیہ اختیار کیا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم کی رُوح مبارک تشریف لائی اور اپنے خاندان کے مرید کی صورت مثالی کو ساتھ لے گئی اور حضرت خواجہ نقشبند تشریف فرما ہو کر اپنے عقیدتمند کی صورتِ مثالی کو اپنے ساتھ لے گئے۔ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔ (ت)

مقال (۷۸) اسمٰعیل نے صراط المستقیم میں اپنے پیر کا حال لکھا:

رُوحِ مقدس جناب حضرت غوث الثقلین و جناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ تا قریب یک ماہ فی الجملہ تنازعے در مابین رُوحین مقدسین درحق حضرت ایشاں ماندہ

حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی رُوحیں حضرت کے حال پر متوجہ ہوئیں اور قریب ایک ماہ تک دونوں مقدس رُوحوں کے درمیان حضرت کے حق میں تنازع رہا اس لئے دونوں

---

[1] القول الجمیل مع شرح شفاء العلیل فصل ۱۱ سند سلسلہ قادریہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۸۲
[2] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل فصل ۱۱ سند سلسلہ قادریہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۸۲
[3] ملفوظات مرزا مظہر از کلمات طیبات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳

زیرا کہ ہر واحد از یں ہر دو امام تقاضائے جذب حضرت ایشاں بتمام بسوئے خود مے فرمود تا از ینکہ بعد انقراض زمانۂ تنازع و وقوع مصالحت بر شرکت روزے ہر دو روح مقدس بر حضرت ایشاں جلوہ گر شدند تا قریب یک پاس ہر دو امام بر نفس نفیس حضرت ایشاں توجہ قوی و تاثیر زور آور مے فرمودند تا اینکہ در ہمان یک پاس حصولِ نسبت ہر دو طریقہ نصیبہ حضرت ایشاں گردید[1]

اماموں میں سے ہر ایک حضرت کو پورے طور سے اپنی طرف کھینچنے کا تقاضا کر رہے تھے یہاں تک کہ زمانۂ تنازع کے ختم ہونے اور شرکت پر مصالحت واقع ہوجانے کے بعد ایک دن دونوں مقدس روحیں حضرت پر جلوہ گر ہوئیں ایک پہر کے قریب دونوں امام حضرت کے نفسِ نفیس پر قوی توجہ اور پُر زور تاثیر ڈالتے رہے یہاں تک کہ اسی ایک پہر کے اندر دونوں طریقوں کی نسبت حضرت کو نصیب ہوگئی۔ (ت)

مقال (۷۹) اُسی میں ہے:

روزے حضرت ایشاں بسوئے مرقد منور حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز تشریف فرما شدند بر مرقد مبارک ایشاں مراقب نشستند دریں اثناء بروح پُر فتوح ایشاں علامات متحقق شد و آنجناب بر حضرت ایشاں توجہی بس قوی فرمودند کہ بسبب آں توجہ ابتدائے حصول نسبت چشتیہ متحقق شد[2]

ایک دن حضرت خواجۂ خواجگاں خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کے مرقد انور کی طرف حضرت تشریف لے گئے، ان کے مرقد مبارک پر مراقبہ میں بیٹھے، اس دوران حضرت کی روحِ پُر فتوح پر علامات متحقق ہوئیں، اور آں حضور نے حضرت پر بہت قوی توجہ فرمائی جس کے سبب نسبتِ چشتیہ کے حصول کی ابتداء متحقق ہوئی۔ (ت)

وصل چہارم — اصل مسئلہ مسئولہ سائل یعنی اولیائے کرام سے استمداد و التجا اور اپنے مطالب میں طلبِ دعا اور حاجت کے وقت اُن کی ندا میں۔

مقال (۸۰ تا ۸۸) شاہ ولی اللہ نے ہمعات میں کہا:

بزیارت قبرِ ایشاں رود و از آں جا انجذاب دریوزہ کند[3]

ان کی قبروں کی زیارت کو جائے اور وہاں بھیک مانگے۔ (ت)

---

[1] صراطِ مستقیم باب چہارم در بیان سلوک راہ ثبوت الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۶

[2] ایضاً " " "

[3] ہمعات ہمعہ ۸ اکادیمیہ شاہ ولی اللہ حیدر آباد ص ۳۴

رُباعی[1] میں کہا: ع

فیض قدس از ہمتِ ایشاں میجو[1]

(ہمت سے ان کے فیض قدس کے خواستگار رہو۔ ت)

وہ[2] پھر مولوی خرم علی کہتے ہیں، میت سے قریب ہو پھر کے یا دُوح[2]

عزیزی[3] میں فرمایا:

اویسیان تحصیل مطلب کمالات باطنی از آنہا می نمایند[3] — اُویسی لوگ باطنی کمالات کا مقصد ان سے حاصل کرتے ہیں۔ (ت)

اور[4] فرمایا:

ارباب حاجات حل مشکلات خود از آنہا مے طلبند[4] — اہل حاجت اپنی مشکلوں کا حل ان سے طلب کرتے ہیں۔ (ت)

اسی[5] میں ہے: از اولیائے مدفونین استفادہ جاری است[5] (مدفون اولیاء سے استفادہ جاری ہے۔ ت)

مرزا[6] صاحب نے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی نسبت کہا: درعارضہ جسمانی توجہ بآنحضرت واقع می شود[6] (عارضہ جسمانی میں آں حضرت کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ ت) کہ یہ سب اقوال مقصد اوّل میں گزرے۔

شاہ[7] عبدالعزیز نے سید احمد زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت کہا، مردے جلیل القدر یست کہ مرتبہ کمال او فوق الذکر است[7] (ایک جلیل القدر شخصیت ہیں جن کا رتبہ کمال ذکر سے بالاتر ہے۔ ت) پھر ان سے نقل کیا "مصیبت میں یا زروق کہہ کر پکار میں فوراً مدد کو آؤں گا[8]" یہ اسی مقصد میں گزرا۔

مقال (۸۹) مرزا صاحب کے وصایا میں ہے: بزیارت مزارات اولیاء دریوزہ فیض جمعیت کن الخ[9] (مزارات اولیاء کی زیارت سے دل جمعی کے فیض کی بھیک مانگو۔ ت)

---

[1] مکتوبات شاہ ولی اللہ مع کلمات طیبات، مکتوب بست و دوم، درشرح رباعیات مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۹۴

[2] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل کشف قبور و استفاضہ بدان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۲

[3] تفسیر عزیزی زیر آیہ والقمر اذا اتسق مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۲۰۶

[4] ″ ″ ″ ″ ″

[5] ″ استفادہ از اولیائے مدفونین ″ ″ ″ ۱۴۳

[6] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

[7] و [8] بستان المحدثین حاشیۃ البخاری للزروق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۱

[9] کلمات طیبات نصائح و وصایا مرزا صاحب مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۹

مقال (۹۰ تا ۱۰۲) شاہ ولی اللہ کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں:

ایں فقیر خرقہ از شیخ ابوطاہر کردی پوشیدہ وایشاں بعمل آنچہ در جواہر خمسہ است اجازت دادند[۱]	اس فقیر نے شیخ ابوطاہر کُردی سے خرقہ پہنا اور انھوں نے جواہر خمسہ میں جو کچھ ہے اس کے عمل کی اجازت دی۔ (ت)

پھر کہا:

وایضاً فقیر در سفر حج چوں بہ لاہور رسید ودست بوس شیخ محمد سعید لاہوری دریافت ایشاں اجازت دعائے سیفی دادند بل اجازت جمیع اعمال جواہر خمسہ[۲]	فقیر سفر حج میں جب لاہور پہنچا شیخ محمد سعید لاہوری کی دست بوسی پائی اُنھوں نے دعائے سیفی کی اجازت دی بلکہ جواہر خمسہ کے تمام عملیات کی اجازت دی (ت)

یہ شیخ ابوطاہر[۹۱] کردی مدنی شاہ ولی اللہ کے شیخ حدیث وپیر سلسلہ ہیں، مدینہ طیبہ میں مدتوں اُن کی خدمت میں رہ کر سلاسل حدیث حاصل کئے کہ وہی اُن سے شاہ عبدالعزیز صاحب اور اُن سے مولوی اسحٰق کو پہنچے اور اُن شیخ[۹۲] محمد سعید کی نسبت انتباہ میں لکھا:

یکے از اعیان مشائخ طریقہ بودند شیخ معمر ثقہ[۳]	ممتاز مشائخ طریقت میں سے ایک عمر رسیدہ شیخ تھے۔ (ت)

اسی میں دونوں مشائخ سے سلاسل اجازت بیان کیے جن سے ثابت کہ شیخ ابراہیم[۹۳] کردی والد شیخ ابوطاہر مدنی اور ان کے استاذ شیخ[۹۴] احمد قشاشی اور ان کے استاذ شیخ احمد[۹۵] شناوی اور شاہ ولی اللہ کے استاذ الاستاذ احمد[۹۶] نخلی کہ یہ چاروں حضرات بھی شاہ ولی اللہ کے اکثر سلاسل حدیث میں داخل ہیں کما یظھر من المسلسلات وغیرھا (جیساکہ مسلسل اتکا وغیرہا کی سندسے ظاہر ہے۔ت) اور ان شیخ معمر ثقہ کے پیر شیخ محمد[۹۷] اشرف لاہوری اور اُن کے شیخ مولانا عبدالملک[۹۸] اور ان کے شیخ بایزید[۹۹] ثانی اور شیخ شناوی کے پیر حضرت سید صبغۃ[۱۰۰] اللہ بروجی اور ان دونوں صاحبوں کے پیر مولٰنا وجیہ[۱۰۱] الدین علوی ان سب علماء ومشائخ نے سیفی وغیرہ اعمال جواہر خمسہ کی اجازتیں اپنے اساتذہ سے لیں اور تلامذہ کو عطا کیں، اور جناب شاہ[۱۰۲] محمد غوث گوالیاری تو ان سلاسل کے منتہی اور جواہر کے مؤلف ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔ اب ملاحظہ ہو کہ اسی جواہر خمسہ میں اسی دعائے سیفی کی ترکیب میں کیا لکھا ہے:

نادعلی ہفت بار یا سہ بار یا یک بار بخواند وآں ایں است:	سات بار، یاتین بار، یا ایک بار نادعلی پڑھے، اور وہ یہ ہے:

---

[۱] الانتباہ فی سلاسل اولیاء طریقہ شطاریہ برقی پریس دہلی ص ۱۳۷

[۲] " " " " " " ۱۳۸

[۳] " " " " " " "

ناد علیا مظہر العجائب	حیرت زا چیزوں کے مظہر حضرت علی کو ندا کر
تجدہ عونا لک فی النوائب	انھیں ناگہانی آفتوں مصیبتوں میں اپنا مددگار پائے گا
کل ھم و غم سینجلی	ھر رنج و غم دُور ہو جائے گا
بولایتک یاعلی یا علی یا علی	آپ کی ولایت سے اے علی، اے علی، اے علی! (ت)

اگر مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مشکل کشا ماننا، مصیبت کے وقت مددگار جاننا، ہنگام غم و تکلیف اُس جناب کو ندا کرنا، یاعلی یا علی کا دم بھرنا شرک ہو تو معاذ اللہ تمھارے نزدیک حضرات مذکورین سب کفار و مشرکین ٹھہریں، اور سب سے بڑھ کر بھاری مشرک کٹر کافر عیاذًا باللہ شاہ ولی اللہ ہوں جو مشرکوں کو اولیاء اللہ جانتے، اپنا شیخ و مرشد و مرجع سلسلہ مانتے، احادیث نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سندیں اُن سے لیتے، مدتوں ان کی خدمتگاری وکفش برداری کی داد دیتے، انھیں شیخ ثقہ و عادل بتاتے، ان کی ملاقات کو بلفظ دست بوس تعبیر فرماتے ہیں۔ محدثی کا تمغا، حدیث کی سندیں یُوں برباد ہُوئیں کہ اتنے مشرکین ان میں داخل، پھر شاہ عبدالعزیز صاحب کو شاہ ولی اللہ صاحب سے یہی نسبتِ خدمت و ارادت و تلمذ و بیعت و مدح و عقیدت حاصل، اور اُن کی سب سندوں میں تمھارے طور پر یہ مشرکِ اعظم و کافر اکبر شامل، کہاں کی شاہی، کیسی محدثی، اصل ایمان کی سلامتی مشکل، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ پھر مولوی اسحٰق و میاں اسمٰعیل بیچارے کس گنتی میں کہ اُن کی تو ساری کرامات اسی شرکستان کی بھٹی میں مشرکوں کی نسل، مشرکوں کی اولاد، مشرک ہی پیر، مشرک ہی استاد، آنکھ کھُلتے ہی مشرک نظر پڑے، ہوش سنبھلتے ہی مشرکوں میں بگڑے، مشرکوں کی گود، مشرکوں کی بغل، مشرکوں کا دُودھ، مشرکوں کا عمل، مشرکوں میں پلے، مشرکوں میں بڑھے، مشرکوں سے سیکھے، مشرکوں سے پڑھے مشرک دادا، مشرک نانا، عمر بھر مشرکوں کو جانا مانا، العیاذ باللہ رب العالمین ولاحول ولا قوۃ الا باللہ الحق المبین۔ مسلمان دیکھیں کہ یا علی یا علی کو شرک ٹھہرانے کی کیا سزا ملی، نہ ناحق مسلمانوں کو مشرک کہتے نہ اگلو پچھلوں کے مشرک بننے کی مصیبت سہتے، اس سے یہی بہتر کہ راہِ راست پر آئیں، سچے مسلمانوں کو مشرک نہ بنائیں ورنہ اپنوں کے ایمان کی فکر فرمائیں کہ کہیں نیافت کو بھول نہ جائیں ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را	دیکھا کہ پروانہ کے خونِ ناحق نے شمع کو
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند	اتنی بھی اماں نہ دی کہ شب کو سحر کرے (ت)
نسأل اللہ العافیۃ وحسن العاقبۃ آمین۔	ہم خدا سے عافیت اور انجام کی خیریت کے خواستگار ہیں، الٰہی قبول فرما! (ت)

لہ جواہر خمسہ مترجم اردو فصل ۱۳ مناجات اور ادعیہ دارالاشاعت مسافر خانہ کراچی ص ۴۵۳ و ۲۸۲

مقال (۱۰۳) اسی انتباہ میں بعض مشائخ حضرات قادریہ قدست اسرارہم سے حصول مہمات و قضائے حاجات کیلئے ایک ختم یُوں نقل کیا :

اوّل دو رکعت نفل بعدازاں یک صد و یازدہ بار درود بعدازاں یک صد و یازدہ بار کلمۂ تمجید و یک صد و یازدہ بار شیئاً للہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی الخ[1]

پہلے دو رکعت نفل پڑھے، اس کے بعد ایک سو گیارہ بار درود، پھر ایک سو گیارہ بار کلمۂ تمجید اور ایک سو گیارہ بار شیئاً للہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی الخ (خدا کے لیے کچھ عطا ہو اے شیخ عبدالقادر جیلانی)(ت)

مقال (۱۰۴) شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں :

کاش اگر قتلہ عثمان دہ دوازدہ سال دیگر ہم تن بصبر مے دادند و سکوت کردہ مے نشستند سند و ہند و ترک و چین نیز مثل ایران و خراسان یا علی یا علی می گفتند[2] الخ

کاش اگر قاتلانِ عثمان دس بارہ سال اور صبر کرتے اور خاموش بیٹھتے تو سندھ، ہند، ترکستان اور چین بھی ایران و خراسان کی طرح یا علی یا علی کہتے الخ (ت)

مقال (۱۰۵) رسالہ فیض عام مزاراتِ اولیاء سے استعانت میں شاہ صاحب کا یہ ارشاد ہے :

طریقِ استمداد از ایشاں آنست کہ بزبان گوید اے حضرت من برائے کارِ فلاں در جنابِ الٰہی التجامی کنم شما نیز بدعا و شفاعت امدادِ من نمایند لکن استمداد از مشہورین باید کرد[3] (ملخصاً)

ان حضرات سے استمداد کا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے کہے : اے میرے حضور! فلاں کام کے لیے میں بارگاہِ الٰہی میں التجا کر رہا ہوں آپ بھی دُعا و شفاعت سے میری امداد کیجئے۔ لیکن استمداد مشہور حضرات سے کرنا چاہیے۔ (ت)

یہ خاص صورتِ مسئولہ کا جواب ہے واللہ الہادی الیٰ سبیل الصواب (اور اللہ ہی راہِ راست کی ہدایت دینے والا ہے۔ ت)

الحمدُ للہ کہ یہ نوع بھی اپنے منتہیٰ کو پہنچی، سو ۱۰۰ مقال کا وعدہ تھا ایک سو پانچ ۱۰۵ گنے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مقصد اول میں پینتیس ۳۵ سوال تھے، مقصدِ دوم میں ساٹھ ۶۰ حدیثیں، ادھر نوعِ اوّل میں دو سو ۲۰۰ قول، اب یہ ایک سو پانچ ۱۰۵ مقال مل کر **چار سو کا عدد کامل** اور فقیر کا وُہ مدعا حاصل ہوگیا کہ مولوی صاحب سددہ اللہ

---

[1] الانتباہ فی سلاسل الاولیاء

[2] تحفہ اثنا عشریہ مطاعن عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ الخ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۱۴

[3] فتاوٰی عزیزی رسالہ فیض عام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۷۷

تعالٰی کے اصل مذہب اور اُس چند سطری تحریر پر چار سَو وجہ سے اعتراض ہے والحمد للہ رب العالمین۔

خاتمہ رسالہ میں دربارۂ سماعِ موتٰی عُلمائے عرب کا فتوٰی

اس رسالہ کے زمانۂ تالیف میں فقیر کو معتبر طور پر خبر پہنچی کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے مسئلہ کا رَد لکھے گا ہم دونوں تحریریں مولویانِ بھوپال کو بھیج دیں گے کہ وہ حکم ہوجائیں۔

اقول تحکیم بے قبول طرفین معقول نہیں، مولوی صاحب ما شاء اللہ فاضل ہیں، یہیں کیوں نہ تصفیہ ہوجائے، طالبانِ تحقیق کو اظہارِ حق سے کیوں باک آئے، رسالۂ فقیر کو ملاحظہ فرمائیں، اگر حق واضح ہوجائے تسلیم واجب، ورنہ جواب مناسب۔ ہاں تحریرِ جواب میں استعداد و استعانت کا اختیار ہے بھوپالیوں سے ہو یا بنگالیوں سے، اور اگر اوروں ہی پر رکھنا صلاح وقت ہے تو اہلِ ہند میں جسے دیکھئے گا بلا مرجّح خود احد الفریقین ہے، بھوپالیوں کو مثلاً مصطفٰے آبادیوں پر کیا وجہِ ترجیح ہے، لہٰذا سب سے قطع نظر کرکے علمائے عرب کو حکم کیجئے کہ دین وہیں سے نکلا اور وہیں کو پلٹ جائیگا اور وہاں کے جمہور علماء پر ان شاء اللہ تعالٰی شیطان ہرگز قابو نہ پائے گا۔ جناب مولٰنا اگر اس رائے کو پسند فرمائیں تو اُن اکابرِ کرام کا مُہری دستخطی فتوٰی بالفعل فقیر کے پاس اصل موجود، جس میں اکثر مسائلِ وہابیت کا رَدِّ واضح فرمایا اور طائفہ جدیدہ کو ضال، مضل، مبتدع، مبطل ٹھہرایا۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ اُس میں سے چند سطریں متعلق مسئلۂ سماع مع شرح و دستخطِ علماء بتلخیص و التقاط حاضر کرتا ہے، واللہ الہادی اس سوال کے جواب میں کہ وہابیہ عدمِ علم و عدمِ سماعِ موتٰی کا ادعاء و اعتقاد رکھتے ہیں، فرمایا:

ھذا الادعاء افتراء قبیح وھذا الاعتقاد اعتداء صریح فان العلماء المحققین من الحنفیۃ والشافعیۃ وغیرھم قد اثبتوا اطلاع الانسان فی البرزخ وسماعہ لسلام الزائر وکلامہ ومعرفتہ والانس بہ بالاحادیث الصحیحۃ والاٰثار الصریحۃ و تاتی المسئلۃ مع دلائلھا مصرحۃ فی المرقاۃ شرح المشکوٰۃ لعلی القاری الحنفی وشرح الصدور للحافظ السیوطی وشفاء السقام

یعنی وہابیہ کا یہ ادعاء افترائے قبیح اور یہ اعتقاد ظلم صریح ہے، حنفیہ و شافعیہ وغیرہم کے علمائے محققین نے صحیح حدیثوں صریح خبروں سے ثابت کیا ہے کہ آدمی برزخ میں علم رکھتا اور زائر کا سلام و کلام سُنتا اور اُسے پہچانتا اور اس سے اُنس حاصل کرتا ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ علی قاری حنفی و شرح الصدور حافظ سیوطی شافعی و شفاء السقام امام سبکی وغیرہا جمہور محققین کی کتبِ مشہورہ میں اس مسئلہ اور اس کے دلائل کی تصریح ہے یہاں تک

للامام السبکی وغیرھا من الکتب المشھورۃ لجمھور المحققین حتی اشاروا الیہ فی کتب العقائد المشھورۃ فقد صرح فی المقاصد وشرحہ انہ عند المعتزلۃ وغیرھم البنیۃ المخصوصۃ شرط فی الادراک فعندھم لایبقی ادراک الجزئیات عند فقد الاٰلات وعندنا یبقی وھو ظاھر من قواعد الاسلام، ولھذا ینتفع بزیارۃ قبور الابرار والاستعانۃ من نفوس الاخیار[1] الخ وبالجملۃ فالنفس الانسانیۃ تبقی لھا الادراکات ولھا تعلقات کثیرۃ بموضع دفن جسدھا و الاحادیث والاٰثار شاھدۃ لذٰلک لاینکرھا بعد العلم بھا الامکابر معاند الخ۔

کہ علماء نے عقائد کی مشہور کتابوں میں اس کی طرف اشارہ کیا، مقاصد و شرح مقاصد میں تصریح فرمائی کہ معتزلہ وغیرہم کے نزدیک یہ بدن شرطِ ادراک ہے تو اُن کے مذہب میں جب آلاتِ بدنی نہ رہے ادراکِ جزئیات بھی نہ رہا، اور ہم اہلِ سنت کے نزدیک ادراک باقی رہتا ہے، قواعدِ اسلام اسی کی تائید کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قبورِ ابرار کی زیارت اور ارواحِ اولیاء سے استعانت نفع دیتی ہے۔ غرض رُوحِ انسانی کے ادراکات باقی اور اُسے موضعِ دفن سے بہت تعلقات ہیں، احادیث و آثار اس پر گواہ ہیں جنھیں جان بُوجھ کر انکار نہ کریگا مگر باطل کوش دشمنِ حق۔ (ت)

اس کے بعد شبہاتِ منکرین کا نصوصِ علماء سے رَد کیا اور عمائد علمائے حرمین طیبین نے اس پر مُہر و دستخط ثبت فرمائے۔

شرح دستخط حضرت مولٰنا محمد بن حسین کتبی حنفی مفتی مکہ

فان لی
ذمۃ منہ بتسمیتی
محمدا وھو اوفی
الخلق بالذمم

لاکلام فیہ ولا شک یعتریہ اس میں نہ کلام کی گنجائش نہ شک کی خلش۔
امر برقمہ محمد بن حسین الکتبی الحنفی مفتی مکۃ المکرمۃ
عفی عنہ بمنہ اٰمین۔

شرح دستخط حضرت مولٰنا وشیخ مشائخنا رئیس المدرسین بالمسجد الحرام مولٰنا جمال ابن عبداللہ بن عمر مکی حنفی رحمۃ اللہ علیہ

عبدہ
جمال بن شیخ
عمر

لایلتفت المفید الاالیہ ولایعول المستفید الاعلیہ مفید التفات نہ کرے مگر اسی طرف، اور مستفید اعتماد نہ کرے مگر اسی پر۔ امر برقمہ رئیس المدرسین الکرام

---

[1] شرح المقاصد المبحث الرابع مدرک الجزئیات عندنا النفس دار المعارف النعمانیہ کریم پارک لاہور ۲/ ۴۳

بالمسجد المکی الحرام الراجی لطف ربہ الخفی جمال بن عبد اللہ شیخ عمر الحنفی لطف اللہ تعالٰی بہما۔

شرح دستخط حضرت مولٰنا حسین بن ابراہیم مالکی مفتی مکّہ مبارکہ

لاریب فیہ ولا شک یعتریہ کتبہ الفقیر حسین بن ابراھیم مفتی المالکیۃ بمکۃ المشرفیۃ المحمیۃ

عبدہٗ حسین

شرح دستخط حضرت مولٰنا وشیخنا وبرکتنا زین الحرم عین الکرم مولٰنا احمد زین دحلان شافعی مفتی مکہ مکرمہ قدس سرہ العزیز

رأیت ھذا المؤلف الشریف الحاوی لکل برھان لطیف فرأیتہ قد نص علی عقائد اھل الحق المؤیدین وابطل عقاید اھل الضلال المبطلین میں نے یہ شریف تالیف جامع ہر دلیل لطیف دیکھی تو میں نے اسے پایا کہ اہلِ حق و اربابِ تائید کے عقیدے صاف واضح لکھے ہیں اور باطل پرست گمراہوں کے مذہب باطل کیے ہیں رقمہ بقلمہ المرتجی من ربہ الغفران احمد بن زین دحلان۔

احمد دحلان

شرح دستخط حضرت مولٰنا محمد بن غرب شافعی مدنی مدرس مسجد مدینہ طیّبہ

تاملت فی ھذا المؤلف فرأیت مؤلفہ قد اجاد ولکل نص سنی صریح افاد میں نے یہ رسالہ بغور دیکھا تو معلوم ہُوا کہ اس کے مصنّف نے جیّد کلام لکھا اور ہر نص روشن کا افادہ کیا۔
کتبہ الفقیر الی اللہ تعالٰی محمد بن محمد الغرب الشافعی خادم العلم بالمسجد النبوی

مہر صاف نخواندہ شد

شرح دستخط مولٰنا عبد الکریم حنفی از علمائے مدینہ منوّرہ

لما تاملت فی ھذہ الرسالۃ وجدتہا کالسیف الصارم للمعاند الضال لا یطعن فیہا الا من اختل عقلہ وقبحت سیرتہ فی جمیع الأجال جب میں نے یہ رسالہ غور سے دیکھا اسے معاند گمراہ کے حق میں مثل تیغ برّاں پایا، نہ طعنہ کریگا اس میں مگر وہ جس کی مت کٹی اور عادت بد ہوئی ہر زمانہ میں۔ من خدام طلبۃ العلم المتوکل علی اللہ العظیم عبد الکریم بن عبد الحکیم بالمسجد نبوی۔

المتوکل علی اللہ العظیم عبد الکریم بن عبد الحکیم

شرح دستخط مولٰنا عبد الجبار حنبلی بصری نزیل مدینہ سکینہ

وقفت علیٰ ھذا المجموع فالفیتہ مھندا سل علی من شق عصا الجماعۃ معز الاعن السنۃ
میں اس تالیف پر واقف ہُوا تو اسے ایک تیغِ ہندی پایا، کھینچی گئی اُس پر جس نے جماعت کا خلاف کیا اور سنّت
سے کنارہ کش ہُوا۔ اشار برقمہ الی الشیخ الاجل الورع الفقیہ النزاھد
مولٰنا عبد الجبار الحنبلی البصری نزیل المدینۃ المنورۃ متع اللہ المسلمین ببقائہ اٰمین۔

(مہر: عبد الجبار)

شرح دستخط حضرت مولٰنا السید ابراہیم بن الخیار شافعی مفتی مدینہ امینہ

کم طالعت بعد ما اطلعت ردود العلماء الاجلۃ علی الفرقۃ الضالۃ المضلۃ فما رأیت مثل ھذہٖ
الرسالۃ میں نے جب سے اطلاع پائی اس فرقہ گمراہ وگمراہ گر پر علمائے جلیل کے بہت رد دیکھے مگر اس رسالہ کا
مثل نظر سے نہ گزرا۔ قال بفمہ ورقمہ بقلمہ خادم العلم بالحرم النبوی الشافعی
ابراھیم ابن المرحوم محمد خیار الحسنی الحرمی۔

(مہر: ابراہیم بن محمد خیار)

الحمدُ للہ علیٰ حصول المسئول وبلوغ الکلام نہایۃ المامول فقیر عبد المصطفٰی احمد رضا
سُنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی نے اس رسالہ کا مسودہ اوائل رجب ۱۳۰۵ھ میں کیا پھر بوجہ عروض بعض اعراض و
اہتمام دیگر اغراض مثل تحریر مسائل وتصنیف بعض دیگر رسائل جن کی ضرورت اہم نظر آئی اس کی تبییض نے تاخیر
پائی۔ اب بحمد اللہ بعنایت الٰہی و اعانت حضرت رسالت پناہی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ آلہٖ وصحبہ الکرام
سلخ شعبان سنہ مذکورہ کو وقتِ عصر یہ مسودہ مبیضہ ہُوا اور اثنائے تبییض میں سرکارِ مفیض سے فیوض تازہ کا
افاضہ ہُوا۔

والحمد اولاً واٰخرا وباطنا وظاھرا وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وعلینا بھم وبارك وسلم تسلیما کثیرا نسئل اللہ تعالیٰ ان یتقبل سعینا ویغفرلنا ذنوبنا ویرحم فاقتنا ویحیینا مسلمین ویمیتنا مومنین ویحشرنا فی زمرۃ

اور اوّل وآخر، باطن وظاہر میں خدا ہی کے لیے حمد ہے۔ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد، ان کی آل و اصحاب، ان کے فرزند، ان کی جماعت پر، اور ان کے طفیل ہم پر بھی خدا کا درود، برکت اور بکثرت سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری دُعا ہے کہ ہماری کوشش قبول فرمائے، ہمارے گناہ بخشے، ہماری محتاجی پر رحم فرمائے، ہمیں اسلام کے ساتھ زندگی اور ایمان کے ساتھ موت نصیب

الصالحین وان ینفع بھذا التالیف وسائر تصانیفی جمیع اخوانی فی الدین۔ انه سمیع قریب قدیر مجیب والحمد للہ رب العٰلمین۔

کرے، صالحین کی جماعت میں ہمارا حشر فرمائے، اور اس تالیف سے اور میری دوسری تصانیف سے میرے تمام دینی بھائیوں کو فائدہ پہنچائے۔ بیشک وُہ سُننے والا قریب، قدرت والا مجیب ہے، اور سب خُوبیاں خدا کے لیے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے (ت)

تمت وبالخیر عمت

(رسالہ تمام ہوا اور خیر کے ساتھ عام ہوا۔ ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تکمیل جمیل وتسجیل جلیل چند فوائد عالیہ کی یاددہانی میں

حامدا ومصلیا ومسلما

ہرچند یہ فوائد وہی ہیں جن کا ثبوت مباحث رسالہ میں گزرا مگر کتاب میں ان کے لیے کوئی فصل معین نہ تھی متفرق مواقع پر واقع ہُوئے لہذا اُن کے مہتم بالشان ہونے نے چاہا کہ یہاں اُن کے مواضع پر مطلع کر دیا جائے۔

فائدہ اُولیٰ: اس مسئلہ میں خلاف کرنے والے بدعتی گمراہ ہیں۔ دیکھو (قول ۱/۱۵) کہ ادراکاتِ موتیٰ کا انکار مذہب معتزلہ ہے، (قول ۲/۱۸) کہ بعض معتزلہ رافضی جمادیت موتیٰ سے سند لائے، (قول ۳/۱۹) کہ میّت کا جماد ہونا مذہب اعتزال ہے (قول ۴/۲۵) کہ علم موتیٰ کا منکر نہ ہوگا مگر حدیثوں سے جاہل ہے اور دین سے منکر، (قول ۵/۱۹۹ و ۶/۲۰۰) کہ علم وسمع بصرِ موتیٰ پر تمام اہلِ سنّت وجماعت کا اجماع ہے۔ پُرظاہر کہ اُن کے اجماع کا مخالف نہ ہوگا مگر بدمذہب گمراہ۔

فائدہ ثانیہ: اہلِ قبور کہ زائروں کو دیکھتے پہچانتے، اُن کا کلام سُنتے، سلام لیتے، جواب دیتے ہیں۔ یہ بات ہمیشہ ہے اس میں کسی دن کی تخصیص نہیں، جمعہ وغیر جمعہ سب یکساں، نہ کسی وقت کی خصوصیت، ہاں جمعہ کے دن خصوصاً صبح کو معرفت ترقی پر ہوتی ہے، دیکھو (قول ۱/۹۹ و ۲/۹۹ و ۳/۸۰ و ۴/۸۱ و ۵/۸۲ وحاشیہ قول ۶/۸۱) اور خود وُہ تمام احادیث اور صدہا اقوال کہ فصول مقاصد دوم سوم میں اس مطلب پر منقول ہوئے اپنے اطلاق وارسال سے اس عموم واطلاق کی دلیل کافی ہیں کما مرت الاشارۃ الیه فی الکتاب (جیسا کہ کتاب میں اس کی طرف اشارہ گزرا۔ ت)

فائدہ ثالثہ: ارواحِ مومنین کو اختیار رہتا ہے کہ زمین و آسمان میں جہاں چاہیں جائیں، سیر کریں، جولان فرمائیں، دیکھو (حدیث ۱/۱ و ۲/۹ و قول ۳/۱۲ و مقال ۴/۹) یہاں تک کہ بیداری میں اپنے مخلصین سے ملتے فیض بخشتے ہیں (مقال ۵/۲ و ۶/۱۲) ناتواں بیماروں کو پانی پلاتے، کپڑا اُٹھاتے ہیں (مقال ۷/۲) جہادوں میں شرکت فرماتے ہیں (مقال ۸/۱۵) دوستوں کی مدد، دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں (مقال ۹/۱۴) یہاں تک کہ شرح سُنن نسائی شریف میں تصریح فرمائی کہ رُوح کا حال جسم کا سا نہیں وُہ ایک وقت میں چند جگہ ہوسکتی ہے (قول ۷۹) میں کہتا ہُوں اولیائے احیاء کی حکایات منقول کہ ایک وقت میں ستر جگہ تشریف فرماہوتے تھے پھر بعد وصال کہ رُوح اپنی آزادی و ترقی کامل پر ہوتی ہے اُس وقت کے افعال کا کہنا ہی کیا ہے۔ زہر الربی میں یہیں یہ بھی نقل فرمایا کہ ایمان والوں کے دل اسے بے تکلف قبول کرسکتے ہیں کہ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام جب خدمتِ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوتے سدرۃ المنتہٰی سے جُدا نہ ہوتے ہوں بلکہ اُسی آن میں یہاں بھی ہوں اور وہاں بھی العبارۃ علی الحاشیۃ (عبارت حاشیہ میں ہے۔ ت)

عنہ ھذا جبریل علیہ السلام رأہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولہ ست مائۃ جناح منہا جناحان سد الافق وکان یدنو من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی یضع رکبتیہ علٰی رکبتیہ ویدیہ علی فخذیہ وقلوب المخلصین تتسع للایمان بانہ من الممکن انہ کان ھذا الدنو وھو فی مستقرہ من السمٰوٰت وفی الحدیث فی رؤیۃ جبریل فرفعت راسی فاذا جبریل صاف قدمیہ بین السماء والارض یقول یا محمد انت رسول اللہ وانا جبریل فجعلت لا اصرف بصری الی ناحیۃ الارأیتہ کذلک ۱۲ - (م)

یہ جبریل علیہ السلام ہیں جنھیں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں جن میں سے دو پروں نے سارا افق بھر دیا ہے اور وُہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قریب آتے یہاں تک کہ اپنے زانو حضور کے زانوؤں سے ملا کر اور اپنے ہاتھ حضور کی رانوں پر رکھتے۔ اور مخلصین کے دل اس بات پر ایمان کی وسعت رکھتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ یہ قُرب اُسی حال میں ہو جب وُہ آسمانوں کے اندر اپنے مستقر میں موجود ہوں۔ اور حدیث میں حضرت جبریل کو دیکھنے کے بارے میں ہے: میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ جبریل آسمان و زمین کے درمیان اپنے قدموں پر صف بستہ کہہ رہے ہیں اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہُوں۔ پھر جس طرف بھی نگاہ پھیرتا انھیں اسی کیفیت میں دیکھتا۔ (ت)

---

[1] زہر الربی علی سنن النسائی کتاب الجنائز ارواح المؤمنین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۹۲

پھر سفہائے غافلین کا خود حضور پرنور روح القسط روح القدس روح الارواح صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت یہ جاہلانہ وسوسہ کہ اگر وہ کسی مجلس خیر میں تشریف لائیں تو پیش از قیامت مرقدِ اطہر سے خروج لازم ہو اور چاہیے کہ اس وقت روضۂ انور خالی رہ جائے، محض حماقت ہے۔

اولاً وہی رُوح کا جسم پر قیاس اور زندانِ وہم میں سلطانِ عقل کا احتباس۔

ثانیاً ہوشمندوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ رُوحیں تو عوام مومنین کی بھی قبور میں محبوس نہیں رہتیں بلکہ اپنے اپنے مراتب کے لائق علیین یا جنت یا آسمان یا چاہِ زمزم وغیرہ میں ہوتی ہیں جسے علمائے کرام یہاں تک کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی تفسیرِ عزیزی میں مفصلاً ذکر کیا۔

ثالثاً یہ اعتراض بعینہٖ اُن احادیثِ کثیرہ پر بھی وارد جن میں صریح تصریح کہ ارواحِ مومنین بعد انتقال جہاں چاہیں سیر کرتی ہیں، لازم کہ جب وُہ سیر کو جائیں قبریں خالی رہ جائیں اور قیامت سے پہلے حشر ہو جائے مگر جہل و تعصب جو نہ کرائیں وہی غنیمت ہے۔ چند سال ہُوئے فقیر کے پاس ایک سوال آیا زید کہتا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روضۂ انور سے جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں، عمرو منکر ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ فقیر غفراللہ تعالٰی لہٗ نے اس کے جواب میں مفصل فتوٰی لکھا اور وہاں اس سیر و اختیار کو شہداء وغیر شہداء عام مومنین کی ارواح کے لیے بہت حدیثوں سے ثابت کیا اور کلماتِ علمائے دین سے اس کے وقائع نقل کئے۔ یہ

ع: مقامِ علیین بالائے ہفت آسمان است پائین آں متصل بسدرۃ المنتہٰی است و بالائے آں متصل بپایہ راست عرش مجید است وارواحِ نیکاں بعد از قبض در آں جا می رسند و مقربان یعنی انبیاء و اولیاء در آں مستقر می مانند و عوام صلحا را بعد نویسانیدن تام و رسانیدن نامہائے اعمال برحسبِ مراتب در آسمانِ دُنیا یا درمیانِ آسمان و زمین یا در چاہِ زمزم قرار می دہند و تعلقے بقبر نیز ایں ارواح را می باشد[1] آخر عبارت تک کہ مقال ۷ میں گزری ۱۲ از تفسیرِ عزیزی (م)

علیین ساتوں آسمان کے اُوپر ہے اس کا زیریں حصّہ سدرۃ المنتہٰی سے متصل ہے اور بالائی حصہ عرش مجید کے دائیں پائے سے متصل ہے ۔۔۔ نیکوں کی رُوحیں قبض ہونے کے بعد وہاں پہنچتی ہیں اور مقربین یعنی انبیاء و اولیاء اس مستقر میں رہتے ہیں، اور عام صالحین کو درج کراتے اور اعمال نامے پہنچ جانے کے بعد حسبِ مراتب آسمانِ دنیا یا درمیان آسمان و زمین یا چاہ زمزم میں جگہ دیتے ہیں، اور ان ارواح کو قبر سے بھی ایک تعلق رہتا ہے۔ (ت)

---

[1] تفسیرِ عزیزی پارہ عم زیر آیۃ ان کتاب الابرار لفی علیین مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۹۳

فتوٰی فقیر کی مجلد ششم فتاوٰی مسمّٰی بہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ میں منسلک ۔ والحمدللہ رب العالمین۔

فائدہ رابعہ بغایت نافعہ: ارواحِ طیبہ کے نزدیک دیکھنے سُننے میں دُور و نزدیک سب یکساں ہے۔ یہ ایک مطلب نفیس و جلیل و عظیم الفائدہ ہے جس کی طرف توجہ خاص لازم۔ دیکھو (قول ۱/۶۵) کہ اولیاء احیاء نورِ خدا سے دیکھتے ہیں اور نورِ خدا کو کوئی چیز حاجب نہیں، پھر اموات کا کیا کہنا (قول ۲/۶۹) کہ قبر سے نزدیکی تو جمعہ کو ہوتی ہے اور ادراک و شناخت دائمی (قول ۳/۸۶ و ۴/۸۹) کہ رُوح جنت یا آسمان یا علیین میں رفیقِ اعلیٰ میں ہوتی ہے اور وہیں سے زائر کی آواز سُنتی ہے، جواب دیتی، ادراک کرتی، اپنے بدن سے کام لیتی ہے، پھر کون بتا سکتا ہے کہ زمین سے جنت تک کئے لاکھ کئے کروڑ منزل کا فاصلہ ہے نہ کہ بریلی سے بغداد یا ہند سے مدینہ صلے اللہ تعالےٰ علےٰ مالکہا وآلہٖ وبارک وسلم (قول ۵/۱۱۲ و ۶/۱۱۴) ارواح کے آگے کچھ پردہ نہیں اور انھیں سارا جہان یکساں ہے (قول ۷/۱۸۷ و ۸/۱۸۸ و ۹/۱۸۹) کہ ارواحِ قدسیہ سب کچھ ایسا دیکھتی سُنتی ہیں جیسے سامنے حاضر ہے (مقال ۱/۲۱) شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول کہ رُوح کو قُرب و بُعد مکانی اس دریافت کا حاجب نہیں اس کا حال نگاہ کا سا ہے کہ کنوئیں کے اندر سے ساتوں آسمان کے ستارے دیکھ سکتی ہے۔ یہی معنی ہیں ارشاد عالی دو امام اہلبیت طہارت، دو فرزند ریحانین رسالت حضرت امام اجل زین العابدین علی بن حسین شہیدِ کرب وبلا و حضرت امام حسن مثنّٰی ابن امام اکبر سیدنا حسن مجتبٰی صلوات اللہ وسلامہ علےٰ ابیہم الکریم وعلیہم کے کہ زائرانِ مزارِ اقدس سے فرمایا:

انتم ومن فی الاندلس سواء ۔ حکاہ فی جذب القلوب وغیرہ۔ تم اور جو اندلس میں بیٹھے ہیں برابر ہیں (اسے جذب القلوب وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے ۔ ت)

سوال ۶ میں حدیث گزری کہ اللہ تعالےٰ کا ایک فرشتہ ہے جو روضۂ اقدس پر کھڑا تمام جہان کی آوازیں سُنتا ہے۔ معلوم ہُوا کہ یہ خاصۂ ملزومۂ الوہیت نہیں بلکہ بندے کو اس کا حصول ممکن اور زیرِ قدرتِ الٰہی داخل، پھر کسی کے لئے اُس کا اثبات شرک ہونا عجب تماشا ہے۔ فقیر غفر اللہ تعالےٰ لہٗ نے اس کی تحقیقِ تام اپنے رسالہ سلطنۃ المصطفٰی فی ملکوت کل الورٰی میں ذکر کی وباللہ التوفیق۔

فائدہ خامسہ: ولہذا اُن کی امداد ہر جگہ جاری، کچھ نزدیکوں پر منحصر نہیں، اور اسی لیے اُن سے استمداد اور اُن کی ندا میں بھی حضور مزار غیر مشروط، بلکہ جہاں سے چاہو صحیح و درست ہے اگرچہ حضور مزارات میں نفع اتم و زائد ہے دیکھو (قول ۱/۱۳ و ۲/۱۱۴) غور کرو ائمہ مجتہدین کے پیرو تمام ملکِ خدا میں کہاں سے کہاں تک پھیلے ہیں پھر وہ کیونکر ہر شخص کی ہر مشکل و آفت میں مدد فرماتے اور دائمًا خبرگیراں رہتے ہیں، اسی طرح حضرات اولیائے کرام

اپنے مریدانِ سلاسل کے ساتھ دیکھو (قول ۳/۹) خود سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: جب کوئی مصیبت آئے یا زروق کہہ کر پکاریں فوراً مدد کو آؤں گا دیکھو (قول ۴/۱۰) اور شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول، دیکھو (مقال ۵/۱۲) شاہ ولی اللہ کہتے ہیں گھر بیٹھے ارواحِ طیبہ کی طرف توجہ کرو، دیکھو (سوال ۶/۱۲) مرزا مظہر صاحب عارضہ جسمانی میں حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی طرف اور مشکل باطنی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جانب توجہیں کرتے اُدھر سے امداد فرمائی جاتی، دیکھو (سوال ۷/۱۲ و مقال ۸/۳۲) گھر بیٹھے قصائد سناتے ارواحِ عالیہ سے نوازشیں پاتے، دیکھو (سوال ۹/۱۲ و مقال ۱۰/۱۰) حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت کہا حضور کے جس متوسل سے ملاقات ہوئی توجہ والا اس کے حال پر مبذول پائی، دیکھو (مقال ۱۱/۳۲) مغلوں کا بیان کہ جنگل میں سوتے وقت اپنا مال حضرت خواجہ بہاءُ الحق والدین نقشبند قدس سرہ العزیز کی حمایت میں سونپتے ہیں اس پر غیب سے مدد پاتے ہیں دیکھو (مقال ۱۲/۳۲) ہر شہر میں بندگانِ خدا ولایت و قطبیت کے مراتب پاتے ہیں پھر کیونکر ان سب کو وہ فیض حضرت ائمہ اطہار و حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہم عطا فرماتے ہیں، دیکھو

؎ **فائدہ جلیلہ**: علامہ زیادی پھر علامہ اجہوری پھر علامہ داؤدی پھر علامہ شامی فرماتے ہیں: جس کی کوئی چیز گم جائے مکان بلند پر رو بقبلہ کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نذر کرے پھر اس کا ثواب حضرت سیدی احمد بن علوان یمنی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں ہدیہ کرے اس کے بعد یوں عرض رسا ہو کہ: یاسیدی احمد یا ابن علوان! میری گمی ہوئی چیز مجھے مل جائے الخ۔ ردالمحتار حاشیہ درمختار کے منہیہ میں ہے:

قرر الزیادی ان الانسان اذا ضاع لہ شیئ واراد ان یردّ اللہ سبحانہ علیہ فلیقف علی مکان عال مستقبل القبلۃ ویقرأ الفاتحۃ ویھدی ثوابھا للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم یھدی ثواب ذلک لسیدی احمد بن علوان ویقول یاسیدی احمد یا ابن علوان ان لم ترد علی ضالتی والا نزعتک من دیوان الاولیاء فان اللہ تعالٰی یرد علی من قال ذلک ضالتہ ببرکتہ اجھوری مع زیادۃ کذا فی حاشیۃ شرح المنھج للداؤدی رحمہ اللہ تعالٰی انتھی[۱] ۱۲ (م)

زیادی نے بیان کیا ہے کہ جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور چاہے کہ اللہ تعالٰی اس کی چیز واپس لوٹا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ رو کھڑا ہو جائے، فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہدیہ کرے پھر اس کا ثواب سیدی احمد بن علوان کو ہدیہ کرے اور عرض گزار ہو کہ یاسیدی احمد یا ابن علوان! اگر آپ نے میری گم شدہ چیز واپس نہ کرائی تو دفتر اولیاء سے آپ کا نام نکلوا دوں گا۔ اللہ تعالٰی یہ کہنے والے کو اس کی گم شدہ چیز ان کی برکت سے واپس دلا دے گا ۔۔۔ اجہوری باضافہ، اسی طرح داؤدی رحمہ اللہ تعالٰی کی شرح منہج میں ہے ۱۲ (ت)

---

[۱] ردالمحتار کتاب اللقطۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۲۴

(مقال ۱۳/۳۸ و ۱۴/۳۹ و ۱۵/۴۰ و ۱۶/۴۱ و ۱۷/۴۲ و ۱۸/۴۳ و ۱۹/۴۴ و ۲۰/۴۵ و ۱۱/۹۴) سلطنتیں اور امارتیں کس ملک میں و شہر میں نہیں ہوتیں، پھر ان سب میں حضرت مولٰی مشکل کشا کا توسط کیونکر ہوتا ہے، دیکھو (مقال ۲۲/۱۸) حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے شیخ ابوالرضا کو اسرار تعلیم فرمائے، دیکھو (مقال ۲۳/۷۱ و ۲۴/۷۱) یہ ایک عجوزہ کو پانی پلا کر لحاف اُڑھا کر غائب ہوگئے، دیکھو (مقال ۲۵/۷۲) حضور غوثِ اعظم و حضرت نقشبند رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنے مریدانِ سلسلہ کی تربیت فرمائی، دیکھو (مقال ۲۶/۷۶ و ۲۷/۷۷) اسمٰعیل دہلوی مدعی کہ دونوں ارواحِ طیبہ نے ان کے پیر پر جلوہ فرمایا اور پہر بھر تک توجہ بخشی، دیکھو (مقال ۲۸/۷۸) ولہذا یا رسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی کہنا بے تخصیصِ مکان و قیدِ زمان جائز ہُوا اور شاہ ولی اللہ اور اُن کے اکابر نے یا علی یا علی کا وظیفہ کیا، دیکھو ۲۹/۱۶۰ و ۳۰/۱۶۱ و ۳۱/۱۶۲ و مقال ۳۲/۹۰ و ۳۳/۹۱ و ۳۴/۹۲ و ۳۵/۹۳ و ۳۶/۹۴ و ۳۷/۹۵ و ۳۸/۹۶ و ۳۹/۹۷ و ۴۰/۹۸ و ۴۱/۹۹ و ۴۲/۱۰۰ و ۴۳/۱۰۱ و ۴۴/۱۰۲ و ۴۵/۱۰۳ و ۴۶/۱۰۴۔ مسلمان ان فوائد سے غفلت نہ کرے کہ بہت نافع ہیں اور ضلالت سے مانع، واللہ الهادی الٰی صراط مستقیم (اور خدا ہی سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔ ت)

تنبیہ: یہ مواضع بعیدہ سے استمداد و ندا کا مسئلہ بجائے خود ایک مستقل تالیف کے قابل ہے جس کی تائید میں خود حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بہت احادیث اور خاص تصریح میں حضرت عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و عثمان بن حنیف وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم کے آثار اور علاوہ ان چھیالیس[۴۶] مصرحوں، تیرہ[۱۳] مؤیدوں کے جن کی طرف فائدہ خامسہ و رابعہ میں ایما ہُوا بہت ائمہ دین و علمائے معتمدین و کبرائے خاندان عزیزی کے اقوال اس وقت میرے پیشِ نظر جلوہ کر رہے ہیں عجب نہیں کہ حضرت حق جل وعلا کا ارادہ ہو تو فقیر اپنے رسائل کثیرہ کی تتمیم و تبییض سے فارغ ہو کر خاص اس باب میں ایک جامع رسالہ ترتیب دے اور ان سب احادیث و اقوالِ ماضیہ و آتیہ کو فراہم کرکے تحقیقات سلطنۃ المصطفٰی وغیرہا میں افاضاتِ تازہ کا اضافہ کرے واللہ الموفق وبہ نستعین والحمد للہ رب العٰلمین (اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے، اور اسی سے ہم مدد مانگتے ہیں اور تمام تعریف اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ت)

تذییل

نواب صدیق حسن خان بہادر شوہر ریاست بھوپال رسالہ تقصار جیود الاحرار میں تصریح کرتے ہیں کہ غوث الثقلین و غوث اعظم و قطب الاقطاب کہنا شرک سے خالی نہیں۔ میں کہتا ہوں نواب بہادر نے یہاں خدا جانے کس خیال سے ایسا گرا ہوا لفظ لکھا ورنہ بیشک تمام وہابیہ پر فرض قطعی کہ صرف لفظ غوث کہنے پر خالص شرک جلی کا حکم لگائیں، غوث اعظم و غوث الثقلین تو بہت اجل و اعظم ہے، آخر غوث کے کیا

معنی، فریاد کو پہنچنے والا۔ جب ان کے نزدیک استمداد و فریاد شرک، تو فریادرس کہنا کیونکر شرک صریح نہ ہوگا!
اب دیکھئے کہ ان حضرات کے طور پر کون کون مشرک ہوگیا، قاضی ثناء اللہ پانی پتی و میاں اسمٰعیل دہلوی نے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو غوث الثقلین لکھا، دیکھو (مقال ۳۸ و ۷۸) شاہ ولی اللہ امام معتمد اور شیخ ابوالرضا اُن کے جدِ امجد اور مرزا جانجاناں اُنکے ممدوح اوحد، اور ان کے پیر سلسلہ شیخ عبدالاحد نے غیاث الدین حضور غوث الثقلین کو غوثِ اعظم کہا، دیکھو (مقال ۶۱، ۷۰، ۷۱، ۷۶، ۷۷) شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں فرمایا:

برخے از اولیاء مسجود خلائق و محبوب دلہا گشتہ اند مثل حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ و سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء قدس اللہ تعالٰی سرہما۔[1]

کچھ اولیاء خلائق کے مسجود اور دلوں کے محبوب ہوگئے ہیں جیسے حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا قدس اللہ تعالٰی سرہما (ت)

تنبیہ: ذرا "مسجود خلائق" کا لفظ بھی پیش نظر رہے جس نے شرک کا پانی سر سے گزار دیا۔ میاں اسمٰعیل نے صراطِ مستقیم میں کہا:

طالبانِ نافہم میدانند کہ ما نیز ہم پایہ حضرت غوث الاعظم شدیم۔[2]

نافہم طالب یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی حضرت غوث الاعظم کے ہم پایہ ہوگئے۔ (ت)

انھیں بزرگوار نے حضرت خواجہ قطب الحق والدین بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کو قطب الاقطاب لکھا، دیکھو (مقال ۹۷) اور یاں مولوی اسحٰق صاحب تو رہے ہی جاتے ہیں جنھوں نے مائۃ مسائل کے جواب سوال دہم میں کہا: "ولایت و کرامت حضرت غوثِ اعظم قدس سرہ۔"[3] غرض مذہب طائفہ عجب مہذب مذہب ہے جس کی بناء پر تمام ائمہ و عمائد طائفہ بھی سَو سَو طرح مشرک کافر بنتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

تنبیہ مہم واجب الملاحظہ ہر مسلم

الحمدللہ کلام نے ذروہ منتہٰی لیا اور بیان نے مسئلے کو اُس کا حق دیا ذلک من فضل اللہ علینا

---

[1] تفسیر عزیزی پارہ عم سورۃ الم نشرح مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۳۲۲

[2] صراط مستقیم تکملہ دربیان سلوک ثانی راہ ولایت مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۳۲

[3] مائۃ مسائل جواب سوال دہم مسئلہ ۹ مکتبہ توحید و سنت پشاور ص ۲۰ و ۲۱

وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون (یہ ہم پر اور لوگوں پر خدا کا ایک فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ ت) اب حضراتِ وہابیہ سے اتنا پوچھ لینا چاہئے کہ اس مختصر رسالہ کے مقصد سوم نے علماء کے تین سو پانچ[۳۰۵] قول آپ کے گوش گزار کئے جن میں ایک سو انچاس[۱۴۹] علم وسمع وبصر موتٰی کے متعلق خاص، اور پانچ[۵] میں یہ کہ اولیاء کی کرامتیں بعد وصال بھی باقی ہیں، ان ایک سو چون[۱۵۴] پر تو آپ کی سرکار سے شاید صرف حکمِ بدعت وضلالت ہو اگرچہ وُہ بھی بتصریح امام الطائفہ مثل شرک مخل اصل ایمان ہے، باقی کتنے رہے ایک سو اکاون[۱۵۱]، اور تین قول ابھی اسی تکملہ کے فائدہ رابعہ میں تازہ مذکور ہوئے، یہ پھر ایک سو چون[۱۵۴] ہو گئے جن کے مفاد ومقاصد کی تفصیل اس جدول سے ظاہر:

اس باب میں کہ	اقوال ائمہ وعلماء سلف	مقالاتِ خاندان عزیزی	کُل	مجموعہ
اولیاء بعد وصال بھی تصرف فرماتے ہیں	۸	۷	۱۵	
وُہ بعد رحلت بھی بدستور نزدیک دُور مدد کرتے ہیں	۲۵	۵۹	۸۴	۱
وقتِ حاجت اُن سے استعانت اور ان کی ندا نزدیک و دُور ہر جگہ سے روا۔	۱۶	۲۶	۴۲	۵
ارواح طیبہ کو بعد انتقال دیکھنے سُننے میں دُور ونزدیک یکساں	۱۲	۱	۱۳	۴

اب ان کی نسبت ارشاد ہو وُہ ایک سو چون[۱۵۴] بدعت تھے، یہ ایک سو چون[۱۵۴] آپ کے مذہب میں خالص شرک، اوران کے قائل ائمہ وافاضل عیاذًا باللہ پکے مشرک ٹھہریں گے یا نہیں؟ اگر کہئے نہ (اور خدا کرے ایسا ہی ہو) تو الحمدللہ کہ ہدایت پائی اور کفر وشرک کی تیز وتُند کہ مدتوں سے بیرنگ چڑھی تھی اُتار پر آئی، ربِّ قدیر کو ہدایت فرماتے کیا دیر لگتی ہے، آخر کلمہ پڑھتے ہو، شاید پاسِ اسلام کچھ جھلک دکھا جائے، اور محبوبانِ خدا وائمہ ہُدٰی کو معاذ اللہ کافر ومشرک کہتے جگر تھرائے، انّ ذٰلک علی اللہ یسیر انّ اللہ علٰی کل شیئ قدیر (بیشک وُہ خدا پر آسان ہے یقینًا اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ ت) اور اگر شاید اصرار مذہب وتعصب مشرب آڑے آئے، اور بے دھڑک آپ کے مُنہ سے ہاں نکل جائے، تو آپ صاحبوں سے تو اتنا عرض کروں گا کہ حضرات! جنھیں آپ نے مشرک کہہ دیا ذرا نگاہ رُوبرُو، اُن میں شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز صاحبان اوران کے اسلاف واخلاف یہاں تک کہ خود بانیِ مذہب امام الطائفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی بھی ہیں اب ان کی نسبت تصریحًا استفسار، اگر یہاں جھجکے تو کہوں گا کیوں صاحب! اسی بات پر ائمہ ہُدٰی تو بنا ہم بخدا چنین وچناں ٹھہریں اور یہ حضرات مطلق العنان

کیا اُن کے لیے کوئی وحی آگئی ہے کہ احکامِ الٰہی سے مستثنیٰ رہیں، یا اُنھوں نے رحمان سے عہد لے لیا ہے کہ اُن کی امامت میں بال نہ آئے اگرچہ شرک کے بول کہیں۔

اٰللّٰہ اذن لکم ام علی اللّٰہ تفترون[1] ما لکم کیف تحکمون ام لکم کتٰب فیہ تدرسون ان لکم فیہ لما تخیرون[2]

کیا خدا نے تم کو اس کا اذن دیا ہے یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو؟ تمھیں کیا ہُوا تم کیسا حکم لگاتے ہو؟ یا تمھارے لیے کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ اس میں تمھارے لئے وُہ ہے جو تم پسند کرتے ہو۔ (ت)

اور اگر شاید بات کی پچ ایسی ہی آپڑی کہ یہاں بھی کُھل کر شرک کی جڑی سے

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی
گو مشتِ خاکِ ما ہم برباد رفتہ باشد

(میں خوش ہوں کہ تم رقیبوں سے دامن کھینچ کر نکل گئے، گو اس میں ہماری خاک بھی برباد گئی۔ ت)

غرض اس تقدیر پر آپ سے زیادہ عرض کا کیا محل ہوگا جز اینکہ سلام علیکم لا نبتغی الجاھلین[3] (سوائے اس کے کہ تم پر سلام ہم نادانوں کو نہیں چاہیے۔ ت) ہاں عوام اہلسنت کو بیدار کروں گا کہ بھائیو! اب بھی وضوحِ حق میں کچھ باقی ہے جس نامہذب مذہب ناپاک مشرب کی رُو سے صحابہ و تابعین وائمہ مجتہدین و علمائے دین و اولیائے کاملین قرونِ ثلٰثہ سے لے کر آج تک سب کے سب معاذ اللہ مشرک کافر بدعتی خاسر ٹھہریں ع

مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

ظاہر ہے کہ وُہ طائفہ تالفہ کیسا ہوگا اور اسے سنت و جماعت سے کتنا علاقہ، سُبحان اللہ سنت جماعت کو شرک بتائیں، جماعتِ سنت کو مشرک ٹھہرائیں، پھر سُنّی ہونے کا دعوٰی بجا۔

کلا و رب العرش الاعلی قل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا و الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین محمد و اٰلہ و صحبہ اجمعین ـ سبحانک اللھم و بحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک و اتوب الیک و الحمد للّٰہ رب العالمین۔

عرشِ اعلیٰ کے رب کی قسم، ہرگز نہیں! فرمادو حق آیا اور باطل مٹا، بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا، ساری تعریف خدا کے لیے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اور درود و سلام رسولوں کے سردار حضرت محمد اور اُن کے سب آل و اصحاب پر، اے اللہ! تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہُوں، میں گواہی دیتا ہُوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے مغفرت کا طالب اور تیری بارگاہ میں تائب ہُوں۔ اور سب خوبیاں سارے جہانوں کے مالک اللہ کے لیے ہیں (ت)

---

[1] القرآن ۱۰/ ۵۹
[2] القرآن ۶۸/ ۳۶ تا ۳۸
[3] القرآن ۲۸/ ۵۵

تذییل اہم اجل واعظم

رسالہ

الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین

۱۳۱۶ھ

(مدفون کے سُننے اور مسئلہ قسم کے درمیان محکم مطابقت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اللھم لك الحمد وبك استعین صل وسلم وبارك علی الامان الامین المبارك الیمین جبیبك وألہ وصحبہ اجمعین مابر بار او حنث حانث فی یمین۔

اے اللہ تیرے ہی لیے حمد ہے اور میں تجھی سے مدد کا طالب ہُوں۔ امانت دار امان، یُمن وبرکت والے اپنے جبیب اور ان کی تمام آل واصحاب پر درود وسلام نازل فرما جب تک کوئی قسم پُوری کرنے والا قسم پُوری کرے یا قسم توڑنے والا قسم توڑے۔ (ت)

عائدہ جزیلہ تحقیق مسئلہ یمین میں: حضرات منکرین کی غایت سعی وتمام مایۂ ناز اس باب میں جو کچھ ہے وہ یہی مسئلہ یمین ہے جسے دکھا کر عوام بلکہ کم علموں کو متزلزل کردیتے ہیں یا کیا چاہتے ہیں، مانۃ مسائل میں کافی شرح وافی وفتح القدیر وکفایہ حواشی ہدایہ ومستخلص وعینی شروح کنز سے طولانی عبارتیں کچھ قطع وبرید کچھ بیگانہ مزید پر مشتمل نقل کیں کہ عوام بڑی بڑی عبارات عربیہ دیکھ کر ڈر جائیں، اور اگر سماعِ موتی سے منکر نہ ہوں تو لااقل تردد تو کرجائیں، مگر بحمد اللہ اہلِ علم جانتے ہیں کہ یہ سب نری ملمع کاری ہے، ورنہ وہ عبارات اور ان جیسی ستّو یا ہزار جتنی اور ہوں نہ ہمیں مضر نہ منکرین کو مفید، نہ اہل سنت وجماعت کا اجماعی مسئلہ جو نصوصِ صریحۂ احادیثِ صحیحہ سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت کسی مشکک کی تشکیکاتِ بے معنی سے متزلزل ہوسکے۔ فقیر غفراللہ المولی القدیر اُس کی تحقیق وتنقیح میں بھی کلماتِ چند نافع وسُود مند گزارش کرے کہ باذنہٖ تعالٰی موافق کو ثبات واستقامت، مخالف منصف کو رشاد وندامت، مکابر متعسف کو وبال وغرامت دیں،

وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (اور خدا ہی سے توفیق ہے اور اسی کی مدد سے بلندیِ تحقیق تک رسائی۔ ت) مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے زید سے نہ بولوں گا، تو یہ قسم زید کی حالتِ حیات پر مقصود رہتی ہے۔ اگر بعد انتقال زید سے کلام کرے حانث نہ ہوگا۔ اصل مسئلہ ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے صرف اس قدر ہے، اور اس کی وجہ یہ کہ ہمارے نزدیک بنائے یمین عرف پر ہے، لفظ سے جو معنی عرفاً مراد و مفہوم ہوتے ہیں ان پر قسم وارد ہوتی ہے نہ کہ معنی لغوی یا شرعی پر، تمام کتبِ مذہب اور خود ان کتب مذکورہ میں (جن کی عبارات کو منکرین براہِ جہل یا تجاہل اپنی سند سمجھے) اس امر کی تصریحات جلیہ ہیں، مثلاً قسم کھائی بچھونے پر نہ بیٹھے گا یا چراغ سے روشنی نہ لے گا یا چھت کے نیچے نہ آئے گا تو زمین پر یا دُھوپ میں یا زیرِ آسمان بیٹھنے سے قسم نہ ٹوٹے گی اگرچہ قرآن عظیم میں زمین کو فرش اور آفتاب کو سراج اور آسمان کو سقف فرمایا،

قال اللہ تعالٰی جعل لکم الارض فراشًا[1] وقال اللہ تعالٰی وجعل فیہا سراجا وقمرا منیرا[2] وقال اللہ تعالٰی وجعلنا السماء سقفا محفوظا[3]۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔ اور فرماتا ہے: اس میں ایک چراغ اور روشن چاند بنایا۔ اور فرماتا ہے: ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ (ت)

یُوں ہی قسم کھائی کسی گھر میں نہ جائے گا، تو مسجد وغیرہ معابد میں جانے سے حانث نہ ہوگا اگرچہ لغۃً ان پر بھی گھر کا لفظ صادق، وجہ وہی ہے کہ اگرچہ شرعًا یا لغۃً یہ اشیاء اُن الفاظ میں داخل مگر ایمان میں عرفاً شمول درکار ہے وُہ یہاں غیر حاصل، بعینہٖ اسی وجہ سے مسئلہ مذکورہ میں بعد موت بولنے سے حنث زائل کہ کسی سے نہ بولنا عرفاً اس کی موت کے بعد سلام وکلام کو غیر شامل، اس سے یہ تراش لینا کہ ہمارے اصل ائمہ مذہب کے نزدیک میّت سے کلام حقیقۃً یا شرعًا کلام نہیں محض باطل، اور ایسا گمان کرنے والا اصل بنائے مسئلہ سے جاہل یا ذاہل۔ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے جس طرح یہ تصریح فرمائی یُوں ہی یہ بھی کہ صورت مذکورہ میں اگر یہ قسم کھانے والا اور زید دونوں نماز میں تھے اور زید نے سلام پھیرنے میں ہمراہیوں پر سلام کی نیت کی حانث نہ ہوگا اور بیرون نماز اگر زید کسی مجمع میں ہو اور قسم کھانے والا السلام علیکم کہے حانث ہوجائے گا، یونہی اگر زید امام تھا اور یہ مقتدی، زید نماز میں کچھ بھُولا اس نے بتایا قسم نہ ٹوٹے گی، اور نماز سے باہر بتایا ٹوٹ جائے گی۔ بحرالرائق و ردالمحتار وغیرہ کتبِ کثیرہ میں ہے:

لوسلم علی قوم ھو فیھم حنث الا ان

اگر کسی جماعت کو سلام کیا جس میں وہ بھی موجود ہے

---

[1] القرآن ۲/۲۲
[2] القرآن ۲۵/۶۱
[3] القرآن ۲۱/۳۲

لایقصدہ فیدین ولوسلم من الصلٰوۃ لایحنث وان کان المحلوف علیہ عن یسارہ ھو الصحیح لان السلامین فی الصلٰوۃ من وجہ، ولو سبح لہ للسھو او فتح علیہ القرأۃ وھو مقتد لم یحنث وخارج الصلٰوۃ یحنث[1]

(جس سے کلام نہ کرنے کی قسم کھائی تھی) تو حانث ہوجائیگا لیکن اگر سلام میں اس کا قصد نہ کیا تو دیانۃً اس کا بیان مانا جائے گا۔ اور اگر نماز کا سلام پھیرا اور وہ جس سے متعلق قسم کھائی تھی اس کے بائیں موجود ہے تو بھی قسم نہ ٹوٹی یہی صحیح ہے۔ اس لیے کہ دونوں سلام بھی ایک طرح داخلِ نماز ہیں۔ اور اگر وہ امام تھا یہ مقتدی، سہو پر اس کے لیے سبحان اللہ کہا یا قراءت میں غلطی پر لقمہ دیا تو حانث نہ ہوگا اور بیرونِ نماز ایسا ہُوا تو حانث ہوجائے گا۔ (ت)

اب اس سے یہ قرار دے لینا کہ نمازی پتھر ہیں، نمازی کچھ سنتے نہیں، نمازیوں سے کلام حقیقۃً کلام ہی نہیں اس جہالت کی کچھ بھی حد ہے، خود انھیں کی کتبِ مستندہ کی عبارتیں سُنیے۔ کافی میں ہے:

الاصل ان الالفاظ المستعملۃ فی الایمان مبنیۃ علی العرف عندنا (الی ان قال) قلنا ان غرض الحالف ماھو المتعارف فیتقید بما ھو غرضہ الا تری ان من حلف ان لایستضئ بالسراج او لایجلس علی البساط فاستضاء بالشمس او جلس علی الارض لایحنث وان سمی فی القراٰن الشمس سراجا والارض بساطا رجل حلف ان لاید خل بیتا لایحنث بدخول الکعبۃ والمسجد والبیعۃ والکنیسۃ[2] الخ۔

اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قسم میں استعمال ہونے والے الفاظ کی بناء عرف پر ہے (آگے فرمایا) ہم یہ کہتے ہیں قسم کھانے والے کا مقصود وہی ہوتا ہے جو عرف میں جاری ہے تو اس کی قسم اس کے مقصود سے مقید رہے گی۔ دیکھیے اگر کسی نے قسم کھائی کہ چراغ سے روشنی نہ لے گا یا بچھونے پر نہ بیٹھے گا اور سورج سے روشنی لی یا زمین پر بیٹھا تو حانث نہ ہوگا اگرچہ قرآن میں سورج کو چراغ اور زمین کو بچھونا فرمایا ہے۔ کسی نے قسم کھائی گھر میں نہ جائے گا تو کعبہ و مسجد یا کلیسا اور گرجا میں جانے سے حانث نہ ہوگا الخ۔ (ت)

اسی فتح القدیر میں ہے:

الاصل ان الایمان مبنیۃ علی العرف عندنا لا علی الحقیقۃ اللغویۃ کما نقل عن الشافعی

اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قسم کی بناء عرف پر ہے حقیقتِ لغویہ پر نہیں۔ جیسا کہ امام شافعی سے منقول

---

[1] رد المحتار کتاب الایمان مصطفی البابی مصر ۳/۱۱۲

[2] کافی شرح وافی

ولا علی الاستعمال القرآنی کما عند مالك ولا علی النیة مطلقا کما عند احمد[1]

ہے ـــ نہ ہی قرآن کے استعمال پر ـــ جیسا کہ امام مالک کے یہاں ہے ـــ نہ ہی مطلقاً نیت پر ـــ جیسا کہ امام احمد کے یہاں ہے۔ (ت)

اسی کفایہ میں ہے:

الاصل ان الالفاظ المستعملة فی الایمان مبنیة علی العرف عندنا وعند الشافعی علی الحقیقة لان الحقیقة حقیق بان یراد وعند مالك علی معانی کلام القرآن لانه علی اصح اللغات وافصحها ولنا ان غرض الحالف ماھو المتعارف فینعقد بغرضه[2]

اصل یہ ہے کہ قسم میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں ہمارے نزدیک ان کی بنا عرف پر ہے اور امام شافعی کے یہاں حقیقت پر ہے اس لیے کہ حقیقت اس قابل ہے کہ مراد ہو۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے یہاں الفاظ قرآن کے معانی پر بنا ہے اس لیے کہ قرآن سب سے زیادہ صحیح اور فصیح زبان پر وارد ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قسم کھانے والے کی غرض وہی ہوتی ہے جو عرف میں ہے تو اسی کی غرض سے منعقد ہوگی۔ (ت)

اُسی میں ہے:

رجحنا العرف علی الحقیقة لان مبنی الایمان علی العرف[3]

ہم نے عرف کو حقیقت پر ترجیح دی اس لیے کہ قسم کی بنا عرف ہی پر ہوتی ہے۔ (ت)

اسی مستخلص شرح کنز میں کفایہ کا یہ کلام بعینہٖ نقل کرکے کہا:

کذا فی الکفایة وقد ذکر فخر الاسلام فی اصوله ان من جملة ما ترك به الحقیقة خمسة انواع وعد من جملتها استعمال العرف الغالب[4]

اسی طرح کفایہ میں ہے۔ اور فخر الاسلام نے اصول میں بیان فرمایا ہے کہ جن امور سے حقیقت متروک ہوجاتی ہے وہ پانچ قسم کے ہیں، ان میں اکثری عرف کے استعمال کو بھی شمار کیا۔ (ت)

اُسی عینی شرح کنز میں ہے:

---

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الدخول والسکنی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۷

[2] الکفایۃ مع فتح القدیر 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[3] 〃 〃 〃 مسائل متفرقہ 〃 〃 〃 〃 ۴/ ۴۷۳

[4] مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الایمان، باب الیمین فی الدخول والسکنی دلی پرنٹنگ پریس دہلی ۲/ ۳۳۷

الایمان عندنا مبنیۃ علی العرف وعند الشافعی و احمد علی الحقیقۃ وعند مالك علی معانی کلم القراٰن [۱]

ہمارے نزدیک قسم عرف پر مبنی ہوتی ہے اور امام شافعی و امام احمد کے نزدیک حقیقت پر، اور امام مالک کے نزدیک کلماتِ قرآن کے معانی پر۔ (ت)

بلکہ اسی فتح القدیر میں خاص ہمارے مسئلہ دائرہ کے مبنی علی العرف ہونے کی تصریح کی، فرماتے ہیں:

یمینہ لاتنعقد الاعلی الحی لان المتعارف ھوالکلام معہ [۲]

یعنی یہ قسم خاص حالتِ زندگی ہی پر منعقد ہوگی کہ عرف میں کسی سے بولنا اس کی زندگی ہی میں بات کرنے کو کہتے ہیں۔

علامہ علی قاری مکی حنفی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں اسی مسئلہ کو ذکر کرکے فرماتے ہیں:

ھذا منھم مبنی علی ان مبنی الایمان علی العرف فلایلزم منہ نفی حقیقۃ السماع کما قالوا فیمن حلف لایاکل اللحم فاکل السمکۃ مع انہ تعالٰی سماہ لحما طریا [۳]

یعنی ہمارے علماء کا یہ ارشاد کہ بعد موت کلام سے قسم نہ ٹوٹے گی اس پر مبنی ہے کہ قسم کی بناء عرف پر ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مُردے حقیقۃً نہیں سُنتے، جس طرح ہمارے علماء نے فرمایا کہ جو گوشت کھانے کی قسم کھائے مچھلی کھانے سے حانث نہ ہوگا حالانکہ اللہ عزوجل نے قرآنِ عظیم میں اسے تروتازہ گوشت فرمایا۔

اسی طرح شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث حنفی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں بعد ذکر مسئلہ کہ:

اگر یکے سوگند خورد کہ کلام نہ کنم پس کلام کرد او را بعد مردن او حانث نمی گردد [۴]

اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے بات نہ کروں گا، پھر اس کے مرنے کے بعد اس سے کلام کیا حانث نہ ہوگا۔ (ت)

اس کی وجہ ارشاد فرماتے ہیں:

بنائے ایمان بر عرف و عادت است نہ بر حقیقت [۵]

قسم کی بنیاد عرف و عادت پر ہے حقیقت پر نہیں (ت)

---

[۱] رمز الحقائق شرح کنزالدقائق کتاب الایمان باب الیمین فی الدخول والسکنی نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۰۷

[۲] فتح القدیر باب الیمین فی الکلام 〃 〃 〃 ۴/۴۱۷

[۳] مرقاۃ المفاتیح باب حکم الاسرار فصل اول مسئلہ سماع الموتٰی مکتبہ امدادیہ ملتان ۸/۱۱

[۴] اشعۃ اللمعات 〃 〃 〃 〃 مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۳۹۹

[۵] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۳/۴۰۰

اصل بات تو اتنی ہے جسے انکارِ سماعِ موتٰی سے نام کو مس بھی نہیں مگر بعض شروح مثل کتب خمسہ مذکورہ وغیرہا میں اس مسئلہ کی توجیہ و تاویل و وجہ و دلیل کچھ ایسے طور پر واقع ہُوئی جس سے بنظرِ ظاہر بے فکر غائر کچھ وہم خلاف پیدا ہو' حضرات منکرین اور یہ ایک منکرین کیا اہلسنت کے تمام مخالفین ہمیشہ الغریق یتشبث بکل حشیش کے مصداق ہوتے ہیں ڈوبتا سوار (تنکا) پکڑتا ہے، اپنے صریح مضر سے بھی تو استدلال کرلاتے ہیں، پھر جس میں بظاہر کچھ نفع کا وہم نکلتا ہو اس کا کہنا ہی کیا ہے، اب احادیث صحیحہ صریحہ جلیلہ جزیلہ کے تمام قاہرہ باہر، ظاہر تصریحات سب اُٹھا کر طاقِ نسیاں پر رکھ دیں، صحابہ و تابعین وائمہ دین، سلف صالحین وخلف کاملین سب کے ارشادات جلیلہ عُلیہ سے آنکھیں بند کرلیں، احادیث اور وُہ ارشادات ائمہ کیوں دیکھے جاتے وہاں تو انکار کی قلعی کھُلتی ہے، نبی مطلع علی الغیب کے ارشاد سے اسی برزخی حالِ پنہاں کی خبر اپنی خواہش کے خلاف ملتی ہے، اقوالِ عُلماء میں اجماعِ اہلسنت کے بادل گرج رہے ہیں جنھیں سُن کر اختراعِ انکار کی چھاتی دہلتی ہے، چار و ناچار انھیں چند عبارات موہمہ کے معانی موہومہ پر ایمان لانا فرض ٹھہرا، خدارا انصاف! اگر معاذ اللہ صورت برعکس ہوتی کہ حضرات کی طرف وہ دلائل قاہرہ' احادیثِ متواترہ ونقولِ اجماعِ اہلِ سنّت ہوتیں اور دوسرا ان کے خلاف ایسی چند عبارات سے استناد کرتا کیا کچھ نہ بکھرتے پھرتے، طعن وتشنیع کے رنگ نکھرتے، مگر اپنے لیے سب کچھ حلال ہے، کیا کریں اس میں گنجائش نہیں تک مجال ہے ذلک مبلغھم من العلم (یہی ان کا مبلغِ علم ہے۔ ت) طرّہ یہ کہ ان میں مدعیانِ حنفیت درکنار' حضرات غیر مقلدین بھی انکار سماعِ موتٰی پر مرتے جان دیتے ہیں اور نصوصِ صریحہ' احادیثِ صحیحہ چھوڑ کر ایسے ہی بعض عبارات موہمہ کی آڑ لیتے ہیں۔ اب دعوٰیِ عمل بالحدیث کی آن اتخذوا احبارھم ورھبانھم[1] (اپنے عالموں اور راہبوں کو خدا کو چھوڑ کر رب بنالیا ہے۔ ت) پر ایمان۔ بات یہ ہے کہ منکر صاحبوں کے یہاں دین و شریعت اپنی ہوا وہوس کا نام ہے جہاں جیسا موقع دیکھا اُسی سے کام ہے۔ ان حضرات کے عمل بالحدیث کی وہی حالت ہے جو قرآن عظیم میں اصل اصول مذہب ذوالخویصرہ تمیمی کے دربارۂ صدقات ارشاد فرمائے کہ:

ومنھم من یلمزک فی الصدقات فان اعطوا منھا رضوا وان لم یعطوا منھا اذا ھم یسخطون[2]ہ

ان میں کوئی وُہ ہے جو صدقات کے بارے میں تم پر عیب لگاتا ہے۔ اگر انھیں ان میں سے کچھ دے دیا جائے تو راضی ہوجائیں اور نہ دیا جائے تو ناراض ہوجائیں (ت)

ارشاداتِ حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے زعم میں ان کے ہوسات کو جگہ دی تو خوش ہیں

---

[1] القرآن ۱۰/۳۱

[2] القرآن ۱۰/۵۸

بڑے متبع حدیث ہیں' ورنہ خفا۔ حدیث کی طرف سے رو در قفا۔ اب لاکھ پکارا کیجئے تعالوا الی الرسول (رسول کی طرف آؤ۔ ت) کون سنتا ہے، کسے قبول، خوبی یہ کہ سب کو چھوڑ کر جن کا دامن پکڑا اُن کے کلمات میں بھی دع ما کدر (گدلے کو چھوڑ دو۔ ت) پر عمل رہا۔ طُرفہ تر یہ کہ خود اُن کی عبارتوں میں عقل و دانش و انصاف کو غور و نظر کی رخصت نہ دی، نہ احتمال و استدلال میں تمیز کی۔ ہاں طالب تحقیق و صاحب توفیق براہِ انصاف و ترکِ اعتساف ادھر آئے کہ بعونہ تعالٰی رفعِ حجاب و دفعِ اضطراب و تنقیحِ جواب و توضیحِ صواب کے دریا لہراتے پائے۔

فاقول وبحول اللہ تعالٰی اصول تقریر جوابات سے پہلے چند مقدماتِ مفید لائق تمہید والتوفیق من اللہ العزیز الحمید:

مقدمہ اولٰی: فصولِ سابقہ میں ثابت ہولیا کہ اہلسنت کے نزدیک رُوح کے لیے فنا نہیں، موت سے رُوحوں کا مرجانا بدمذہبوں کا قول ہے، کتبِ عقائد مثل مقاصد و مواقف و طوالع، اور اُن کی شروح وغیرہا اس کی تصریحات سے مالامال ہیں۔ یہ مسئلہ بلکہ خود روح جسم کے علاوہ ایک شَے ہونا ہی اگرچہ بنظر بعض الناس منجملہ نظریات تھا جس کے سبب امامِ اجل فخرالدین رازی کو تفسیر کبیر میں زیرِ کریمہ یسئلونک عن الروح[1] اس پر سترہ حجج قاہرہ کا قائم کرنا پڑا مگر قرآن و حدیث پر لاتنے نصوصِ واضحہ قاطعہ عطا نہیں فرماتے جن کا حصر و شمار ہوسکے۔ اور اب تو بحمد اللہ تعالٰی یہ باتیں اہل اسلام میں بدیہیات سے ہیں، جان کا جاننا ہر ایک کی جان نہیں مگر انجان سا انجان جان کا جانا جسم سے نکلنا ضرور جانتا ہے اور ساتھ ہی فاتحہ و خیرات و ایصالِ ثوابِ حسنات صدقات سے بتادیتا ہے کہ وُہ روح کو باقی و برقرار مانتا ہے تو موت حقیقتاً صفتِ بدن ہے نہ کہ وصفِ رُوح،عہ ولہٰذا علامہ ابوالسعود مفتی ابوالسعود محمد عمادی نے تفسیر ارشاد العقل السلیم میں زیرِ قولہ تعالٰی بل احیاءٌ عند ربھم (بلکہ وُہ اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں۔ ت) فرمایا:

فیہ دلالۃ علی ان روح الانسان جسم لطیف لایفنی بخراب البدن ولایتوقف علیہ ادراکہ وتألمہ والتذاذہ[2]۔

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی رُوح ایک جسم لطیف ہے جو بدن کے ہلاک ہونے سے فنا نہیں ہوتی اور اس کا ادراک اور لذت و الم پانا بدن پر موقوف نہیں۔ (ت)

عہ ان میں بعض دلائل کا خلاصہ عن قریب آتا ہے جن سے بعد موتِ بدن حیاتِ رُوح بھی ثابت ۱۲ منہ (م)

---

[1] القرآن ۱۵/۸۵

[2] ارشاد العقل السلیم تحت آیۂ مذکورہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۱۱۲

پھر کبھی مجازاً روح مفارق عن البدن پر بھی اس کا اطلاق آتا ہے۔ حدیث میں ہے:

اللھم رب الارواح الفانیۃ والاجساد البالیۃ[1] الحدیث ولفظہ عند ابن السنی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا دخل الجبانۃ یقول السلام علیکم ایتھا الارواح الفانیۃ والابدان البالیۃ والعظام النخرۃ التی خرجت من الدنیا وھی باللہ المؤمنۃ اللھم ادخل علیھم روحا منک وسلاما منا[2]۔

اے اللہ فانی ارواح اور بوسیدہ اجسام کے رب، الحدیث۔ ابن السنی کے یہاں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت سے، اس کے الفاظ یہ ہیں، وہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب قبرستان میں داخل ہوتے تو فرماتے: تم پر سلام ہو اے فانی ارواح اور بوسیدہ اجسام اور گلی ہوئی ہڈیو! جو دنیا سے خدا پر ایمان کے ساتھ نکلے، اے اللہ! ان پر اپنی جانب سے آسائش اور ہماری طرف سے سلام پہنچا۔ (ت)

علامہ عزیزی اس حدیث کے نیچے سراج المنیر میں فرماتے ہیں: (الارواح الفانیۃ) ای الفانی اجسادھا[3] (ارواح فانی کا مطلب یہ ہے کہ جن کے جسم فانی ہیں۔ ت)

علامہ زین العابدین مناوی تیسیر میں فرماتے ہیں: یعنی الارواح التی اجسادھا فانیۃ والا فالارواح لاتفنی[4] (یعنی وہ ارواح جن کے جسم فانی ہیں ورنہ ارواح تو فنا نہیں ہوتیں۔ ت)

علامہ حفنی حاشیہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں،

قولہ الفانیۃ ای الفانیۃ اجسادھا اذ الارواح لاتفنی ولذا اتی بالجملۃ بعدھا مفسرۃ لذلک اعنی والابدان البالیۃ ای فی غیر نحو الشھداء[5]۔

اس کا قول "الفانیۃ" یعنی جن روحوں کے جسم فانی ہیں کیونکہ روحیں فنا نہیں ہوتیں، اسی لیے اس کی تفسیر کرنیوالا جملہ بعد میں لائے۔ میری مراد "الابدان البالیۃ (بوسیدہ اجسام)" یعنی شہداء کے ماسوا اجسام بوسیدہ ہیں (ت)

---

[1] تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ کتاب الذکر والدعاء فصل ثالث دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۳۲۸

[2] کتاب عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول اذا خرج الی المقابر حدیث ۵۹۳ نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۱۹۸

[3] السراج المنیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث مذکورہ مطبعۃ ازہریۃ مصریۃ مصر ۳/۱۲۵

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر " " " مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیۃ ۲/۲۴۸

[5] حواشی الحفنی علی ہامش السراج المنیر " " " مطبعۃ ازہریۃ مصریۃ مصر ۳/۱۲۵

ان سب عبارات کا محصل یہ کہ رُوح پر اطلاق فانی باعتبار جسم واقع ہُوا یعنی اے وُہ روحو! جن کے بدن فنا ہوگئے تم پر سلام ہو۔ ورنہ خود رُوح کے لیے ہرگز فنا نہیں۔ ولہذا دوسرے فقرے میں اس کی تفسیر فرمادی کہ گلے ہوئے بدن یعنی عام لوگوں کے لیے کہ شہداء اور ان کے مثل خواص کے جسم بھی سلامت رہتے ہیں۔ اس کے بعد تیسیر و سراج المنیر دونوں میں ہے:

فیه ان الاموات یسمعون اذ لا یخاطب الا من یسمع[1]

یعنی اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ مُردے سُنتے ہیں کہ خطاب اسی سے کیا جاتا ہے جو سنتا ہو۔

احادیث نوعِ اوّل مقصد اوّل پر نظر تازہ کیجئے تو وُہ ایک ساتھ ان مطالب کو ادا کر رہی ہیں کہ بدن و رُوح دونوں پر میّت کا اطلاق ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتاتی ہیں کہ حقیقتِ موت بدن کے لیے ہے رُوح اس سے پاک و مبرا ہے مثلاً حدیث پنجم میں ارشاد ہُوا کہ جو شخص مُردے کو نہلاتا کفناتا اٹھاتا دفناتا ہے مُردہ اسے پہچانتا ہے، پُر ظاہر کہ یہ افعال بدن پر وارد ہیں نہ کہ رُوح پر، اور پہچاننا کام رُوح کا ہے، اور جب وُہ اپنے علم و ادراک پر باقی ہے تو اُسے موت کہاں! موت کی چھوٹی بہن نیند میں تو پہچان رہتی نہیں، موت میں کیونکر رہتی! یونہی حدیث ۶ و ۷ و احادیث ۱۰ تا ۱۵ وغیرہ سب اسی طرح ان جملہ مطالب کی مؤدی ہیں کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) لاجرم شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں فرمایا:

موت بمعنی عدم حس و حرکت و عدم ادراک و شعور جسد را رومی دہد و رُوح را اصلاً تغیر نمی شود چنانچہ حامل قوی بود حالا ہم ہست و شعورے و ادراکے کہ داشت حالا ہم دارد بلکہ صاف تر و روشن تر پس ارواح را مطلقا خواہ روح شہید باشد یا روح عامہ مومنین یا رُوح کافر و فاسق بایں معنی مُردہ نتواں گفت، مردگی صفتِ بدن است کہ شعور و ادراک و حرکات و تصرفات کہ بسبب تعلق روح باوی از وی ظاہر می شدند و حالا نمی شوند آری روح را بدو معنی موت لاحق می شود اول آنکہ از مفارقت بدن

موت کا یہ معنی کہ حس و حرکت ختم ہو جائے اور ادراک و شعور مفقود ہو جائے، صرف جسم کے لیے ہوتا ہے۔ اور رُوح میں بالکل کوئی تغیر نہیں ہوتا، وُہ جیسے پہلے حاملِ قوی تھی اب بھی ہے۔ پہلے جو شعور و ادراک اس کے پاس تھا وہ اب بھی ہے بلکہ اب زیادہ صاف اور روشن ہے۔ تو اس معنی کر کے رُوح کو مُردہ نہیں کہہ سکتے، مطلقاً خواہ شہید کی رُوح ہو یا عام مومن کی رُوح یا کافر و فاسق کی رُوح موت بدن کی صفت ہے کہ روح کے تعلق کی وجہ سے جو شعور و ادراک اور حرکات و تصرفات بدن سے

---

[1] السراج المنیر شرح الجامع الصغیر تحت آیہ مذکورہ مطبعۃ ازہریۃ مصریۃ مصر ۳/۱۲۵

از ترقی باز می ماند، دوم بعضے تمتعات مثل اکل و شرب از دستِ آدمی روند لہذا او را نیز در شرع حکم بموت می فرمایند امّا دریں امور فقط اما شہیدان راہِ خدا را در حقیقت ایں دو معنی ہم نیست بلکہ ایشاں زندگانند دائما در ترقی و تمتعات جسدانیہ نیز از ایشاں موقوف نہ شدہ اھ مختصراً۔[1]

ظاہر ہوتے تھے اب نہیں ہوتے ——— ہاں روح کو دو معنی میں موت لاحق ہوتی ہے —— ایک یہ کہ بدن سے جُدا ہو جانے کے بعد اس کی ترقی رک جاتی ہے، دُوسرے یہ کہ کھانے پینے جیسی لذتیں اس کے قبضے سے نکل جاتی ہیں —— اسی لئے شریعت میں اس کے لیے بھی موت کا حکم دے دیتے ہیں لیکن وہ بھی صرف ان باتوں میں —— مگر خدا کی راہ میں شہید ہونے والوں کے لیے حقیقت میں یہ دونوں معنی بھی نہیں، بلکہ یہ حضرات زندہ ہیں اور ان کی ترقی ہمیشہ جاری ہے، اور جسمانی لذتیں بھی ان سے موقوف نہیں الخ (ت)

اسی میں ہے :

جانِ آدمی ہر چند در شدائد و مصائب گرفتار شود بحفظِ الٰہی محفوظ است شکستہ شدن و فنا پذیر فتن آں از محالات است و لہذا در حدیث شریف وارد است انما خلقتم للابد یعنی جانِ آدمی کہ در حقیقت آدمی عبارت از آنست ابدی است ہرگز فنا پذیر نیست و آنچہ در عرف مشہور است کہ موت ہلاک جان می کند محض مجاز است نہایت کار موت آنست کہ جان از بدن جدا شود و بدن بسبب نا یافت مربّی و محافظ از ہم باشد والا جان را فنا متصور نیست و اثبات عالمِ برزخ و امکان حشر و نشر مبنی بر ہمیں مسئلہ است[2] الخ۔

آدمی جس قدر بھی سختیوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہو مگر اس کی رُوح خدا کی حفاظت کے باعث محفوظ ہے، اس کا ٹوٹنا پھوٹنا اور فنا ہونا محال ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے، تم ہمیشہ کے لیے پیدا کیے گئے ہو —— یعنی تمھاری جان اور رُوح —— کہ حقیقت میں انسان اسی سے عبارت ہے —— ابدی اور جاودانی ہے، وہ کبھی بھی فنا ہونے والی نہیں۔ اور وہ جو عرف میں مشہور ہے کہ موت جان کو ہلاک کر دیتی ہے محض مجاز ہے۔ موت کا زیادہ سے زیادہ اثر یہ ہے کہ جان بدن سے جُدا ہوتی ہے اور بدن اپنے مربّی و محافظ کو کھو دینے کی وجہ سے بکھر کر رہ جاتا ہے، ورنہ جان کے لیے فنا متصور نہیں۔ عالمِ برزخ اور امکانِ حشر و نشر کے اثبات کی بنیاد اسی مسئلہ پر ہے الخ۔ (ت)

بالجملہ موت بہ معنی حقیقی کہ بدن ہی کو عارض ہوتی ہے وہی ایسی چیز ہے کہ جسے لاحق ہو مہمل و معطل و

---

[1] تفسیر عزیزی پارہ سیقول آیت ولا تقولوا لمن یقتل الخ مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۵۵۹

[2] " پارہ عم سورۃ الطارق " " " " ۲۲۶

معرضِ فساد و ملحق بالجماد کرے۔ موت مجازی کہ رُوح کے لیے ہے ان سب آفات سے پاک و مبرا ہے و للہ الحمد والحجۃ السامیہ۔

مقدمۂ ثانیہ: عاقل جانتا ہے کہ علم و ادراک صفتِ جان پاک ہے نہ کہ وصفِ مشتِ خاک، قال اللہ عزّوجلّ:

ماکذب الفؤاد مارأی[1] علی القول المختار ان المراد بالرؤیة بحاسة البصر[2]

دل نے غلط نہ کہا اُسے جو آنکھ نے دیکھا۔ یہ معنی قولِ مختار کی بنیاد پر ہے کہ یہاں روٗیت سے مراد حاسۂ نگاہ سے دیکھنا ہے۔ (ت)

تفسیر کبیر میں ہے:

ان الانسان شیئ واحد وذلك الشیئ ھو المبتلی بالتکالیف الالٰھیة والامور الربانیة وھو الموصوف بالسمع و البصر ومجموع البدن لیس کذلك ولیس عضو من اعضاء البدن کذلك، فالنفس شیئ مغائر لجملة البدن ومغائر لاجزاء البدن وھو موصوف بکل ھٰذہ الصفات[3]

انسان ایک شیئ واحد ہے، اسی شیئ کا تکلیفاتِ شرعیہ اور احکام ربانیہ سے ابتلا ہے۔ وہی سننے دیکھنے سے متصف ہے۔ اور پورا بدن یہ صفت نہیں رکھتا نہ ہی اعضائے بدن میں سے کوئی عضو اس وصف کا ہے، تو رُوح پُورے بدن کے مغایر اور ہر جزوِ بدن کے مغایر ایک شئے ہے، وہی ان تمام صفات سے متصف ہے۔ (ت)

اسی میں بعد اقامت حجج کے لکھتے ہیں:

فثبت بماذکرنا ان النفس الانسانیة شیئ واحد وثبت ان ذلك الشیئ ھو المبصر والسامع والشام والذائق واللامس والمتخیل والمتفکر والمتذکر والمشتھی والغاضب وھو الموصوف بجمیع

یہاں مذکور سے ثابت ہُوا کہ روحِ انسانی ایک شئی واحد ہے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وہی شئی دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے، چھُونے، خیال کرنے، سوچنے، یاد کرنے، خواہش کرنے، غصہ کرنے والی ہے، وہی تمام ادراکات سے متصف ہے

---

[1] القرآن ۵۳/ ۱۱

[2] المصباح المنیر کتاب البار منشورات دار الہجرۃ قم ایران ۱/ ۴۷

[3] التفسیر الکبیر تحت ویسئلونك عن الروح المطبعۃ البھیۃ العربیۃ، الازہر مصر ۲۱/ ۵۲

الادراکات لکل المدرکات و ھو موصوف بجمیع الافعال الاختیاریۃ والحرکات الارادیۃ۔[1]

اور وہی تمام افعال اختیاریہ اور حرکاتِ ارادیہ سے متصف ہے۔ (ت)

پھر فرمایا :

لماکانت النفس شیئا واحدا امتنع کون النفس عبارۃ عن البدن وکذا القوۃ السامعۃ وسائر القوی فانا نعلم بالضرورۃ انہ لیس فی البدن جزء واحد ھو بعینہ موصوف بالابصار والسماع والفکر فثبت ان النفس الانسانیۃ شیئ واحد موصوف بجملۃ ھذہ الادراکات وثبت بالبداھۃ ان البدن و شیئا من اجزاء البدن لیس کذلک و لنقرر ھذا البرھان بعبارۃ اخری فنقول نعلم بالضرورۃ انا اذا ابصرنا شیئا عرفناہ واذا عرفناہ اشتھیناہ واذا اشتھیناہ حرکنا ابداننا الی القرب منہ فوجب القطع بان الذی ابصر ھو الذی عرف ھو الذی اشتھی ھو الذی حرک الی اٰخر ما اطال واطاب ھذا مختصر ملتقطا۔[2]

جب روح شیئ واحد ہے تو محال ہے کہ روح بدن سے یا قوتِ سامعہ یا دیگر قُوٰی سے عبارت ہو، اس لیے کہ ہمیں بدیہی طور پر معلوم ہے کہ بدن میں کوئی ایک خاص جُز ایسا نہیں کہ وہی دیکھنے، سُننے اور فکر کرنے سے متصف ہو تو ثابت ہوا کہ رُوحِ انسانی وُہ شیئ واحد ہے جو ان تمام ادراکات سے متصف ہے ـــــ اور بدیہی طور پر یہ بھی ثابت ہے کہ بدن اور اجزائے بدن میں کوئی جُز ایسا نہیں ـــــ اسی دلیل کی تقریر ہم دوسرے الفاظ میں یُوں کرتے ہیں کہ بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کو پہچان لیتے ہیں اور جب اسے پہچان لیتے ہیں تو ہم اس کی خواہش کرتے ہیں اور جب اس کی خواہش کرتے ہیں تو اپنے بدن کو اس سے قریب ہونے کے لیے حرکت دیتے ہیں تو اس بات کا قطعی طور پر حکم کرنا ضروری ہے کہ جس نے دیکھا اسی نے پہچانا، اسی نے خواہش کی، اسی نے حرکت دی۔

امام رازی نے اس کی مزید تفصیل اور عمدہ تقریر فرمائی ہے، یہاں اختصار کے ساتھ جگہ جگہ کی عبارتوں کا انتخاب نقل ہُوا۔ (ت)

تفسیر عزیزی میں ہے :

جزو اعظم جان است وشعور و ادراک و تلذذ و تألم

جزوِ اعظم جان ہے، اور شعور و ادراک اور احساس

---

[1] التفسیر الکبیر تحت یسئلونک عن الروح المطبعۃ البھیۃ العربیۃ بمیدان الازہر مصر ۲۱/ ۴۷

[2] " " " " " " " ۲۱/ ۴۸ و ۴۷

خاصہ اوسٹ اھ ملخصا۔ لذت والم اس کا خاصہ ہے اھ بتلخیص (ت)

اقول اس معنی پر شرع سے بھی دلائل قاطعہ قائم، قرآنِ عظیم و اجماعِ عقلاء، دو شاہد عدل ہیں کہ انسان سمیع وبصیر ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ان خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلنٰہ سمیعا بصیرا۔[2]	اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیشک ہم نے آدمی کو ملے ہوئے نطفے سے پیدا کیا تاکہ اسے جانچیں، پھر ہم نے اسے سننے دیکھنے والا بنادیا۔(ت)

اور عقلاً و نقلاً بدیہیات سے ہے کہ انسان کی آنکھ، کان انسان نہیں تو یقیناً ثابت کہ یہ جسے سمیع وبصیر فرمایا چشم و گوش نہیں اور باقی اعضا کا سمع وبصر سے بے علاقہ ہونا واضح تر، تو وہ نہیں مگر رُوح۔ ولہذا قرآن مجید فرماتا ہے:

الھم ارجل یمشون بھا، ام لھم اید یبطشون بھا، ام لھم اعین یبصرون بھا، ام لھم اٰذان یسمعون بھا۔[3]	کیا ان کے پاس پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں، یا ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں، یا آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں، یا کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں (ت)

افعال وسمع وبصر کی اضافت صاحبِ جوارح کی طرف فرمائی اور جوارح پر بائے استعانت آئی، ثابت ہوا کہ فاعل وسامع وبصیر رُوح ہے اور بدن صرف آلہ۔ اسی طرح تمام نصوص احوالِ برزخ کہ بعد فنائے بدن بقائے ادراکات پر شاہد ہیں جن سے جملہ کثیرہ فصول سابقہ میں گزرا، سب سے ثابت کہ مدرک غیر بدن ہے، ہاں کبھی مجازاً بدن کی طرف بھی بوجہ آلیت نسبتِ ادراکات ہوتی ہے، قال اللہ تعالیٰ وتعیھا اذن واعیۃ[4] (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور کوئی سمجھ والا کان اسے سمجھے۔ ت)۔ معالم میں ہے: قال قتادۃ اذن سمعت وعقلت ما سمعت[5] (حضرت قتادہ نے فرمایا: کوئی کان جو سنے اور سُنی ہوئی بات کو سمجھے۔ ت)، مدارک میں ہے:

قال قتادۃ اذن عقلت من اللہ تعالیٰ و انتفعت بما سمعت۔[6]	حضرت قتادہ نے فرمایا: کوئی کان جس نے خدا تعالیٰ کے کلام کو سمجھا اور سُنی ہوئی بات سے فائدہ اٹھایا۔(ت)

---

[1] تفسیر عزیزی پارہ عم سورۃ الطارق مسلم بک ڈپو، لال کنواں دہلی ص ۲۲۶

[2] القرآن ۷۶/ ۲ [3] القرآن ۷/ ۱۹۵ [4] القرآن ۶۹/ ۱۲

[5] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ مذکورہ مصطفی البابی مصر ۷/ ۱۴۳

[6] تفسیر النسفی المعروف بہ مدارک التنزیل " دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۸۶

یہ بر تقدیر مجاز عقلی ہے اور محتمل کہ مجاز فی الطرف ہو یعنی روح پر اطلاقِ اذن، کما فی قولہ تعالٰی قل اذن خیر لکم[1] (جیسا کہ اس ارشاد باری میں: فرماؤ تمہارے لیے وُہ بھلائی کے کان ہیں۔ ت) نعمائے جنّت کی حدیث میں ہے، مالا عین رأت ولا اذن سمعت[2] (جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا۔ ت) صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم جب تاکید توثیق روایت چاہتے فرماتے، ابصرت عیناى وسمع اذناى ووعاہ قلبى[3] (میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سُنا اور میرے دل نے اسے سمجھا۔ ت) تفسیر کبیر میں ہے،

التحقیق ان الانسان جوھر واحد وھو الفعال وھو الدراك وھو المؤمن وھو الکافر وھو المطیع وھو العاصی، وھذہ الاعضاء اٰلات لہ وادوات لہ فی الفعل فاضیف الفعل فی الظاھر الی الاٰلۃ وھو فی الحقیقۃ مضاف الی جوھر ذات الانسان[4]۔

تحقیق یہ ہے کہ انسان ایک جوہر ہے وہی کام کرنے والا ہے، وہی سمجھنے والا ہے، وہی ایمان لانے والا ہے، وہی اطاعت کرنے والا ہے، وہی نافرمانی کرنے والا ہے، اور یہ اعضاء کام میں اس کے آلات و اسباب ہیں تو ظاہر میں کام کی نسبت آلہ کی طرف کی گئی اور حقیقت میں وہ اسی جوہرِ ذاتِ انسان کی طرف منسوب ہے۔ (ت)

مقدمۂ ثالثہ: جب باجماعِ اہلِ حق رُوح کے لیے موت نہیں، اور تمام کُتبِ عقائد میں تصریح، اور شرح مقاصد کی عبارت فصل دوم نوع اول مقصد سوم میں گزری کہ اہلِ سنّت کے نزدیک جسم شرطِ حیات نہیں۔ معتزلہ اس میں خلاف کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ادراکات تابعِ حیات ہیں کما نص علیہ فی شرح طوالع الانوار للعلامۃ التفتازانی وللاصفہانی وشرح المواقف للسید الجرجانی (جیسا کہ علامہ تفتازانی و اصفہانی کی شرح طوالع الانوار اور سید شریف جُرجانی کی شرح مواقف میں اس کی تصریح ہے۔ ت) ولہٰذا ہمارے نزدیک رُوح موت سے متغیر نہیں ہوتی اس کے علوم وادراکات بدستور رہتے ہیں جس کا بیان شافی بروجہ کافی فصل مذکور میں مسطور، تو رُوح بعد دفن فتنہ وسوال یا نعیم و نکال، کسی امر میں ہرگز اعادۂ حیات کی محتاج نہیں کہ حیات و ادراکات اس سے جُدا ہی کب ہُوئے تھے، ہاں بدن ضرور محتاج ہے، وجہ یہ کہ اہلِ سنّت کے نزدیک قبر کی تنعیم یا معاذ اللہ

---

[1] القرآن ۹/ ۶۱
[2] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ دار الفکر بیروت ۲/ ۳۱۳
[3] صحیح مسلم باب الضیافۃ ونحوھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۱۔۸۰
[4] التفسیر الکبیر سورۃ انفال تحت آیۃ ذلک بما قدمت ایدیکم مطبعہ بہیہ مصریہ مصر ۱۵/ ۱۶۹

عذاب جو کچھ ہے رُوح وجسم دونوں پر ہے۔ امام جلیل جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں:

عذاب القبر محله الروح والبدن جمیعا باتفاق اھل السنۃ وکذا القول فی النعیم۔[1]

باتفاقِ اہلِ سنّت عذابِ قبر اور آسائشِ قبر کا محل رُوح اور بدن دونوں ہیں۔ (ت)

اور اس پر شرعِ مطہر سے نصوص کثیرہ وشہیرہ متواتر دال ہیں جن کے استقصا کی طرف راہ نہیں، اسی کتاب کی احادیث مذکورہ میں بکثرت اس کے دلائل ہیں کما تری۔ اسی طرح سوالِ نکیرین بھی رُوح وبدن دونوں سے ہے۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

لیس السوال فی البرزخ للروح وحدھا کما قال ابن حزم وغیرہ وافسد منه قول من قال انه للبدن بلاروح والاحادیث الصحیحۃ ترد القولین۔[2]

برزخ میں تنہا روح سے سوال نہیں جیسے ابنِ حزم وغیرہ کا قول ہے اور اس سے زیادہ فاسد اُس کا قول ہے جو کہتا ہے کہ سوال صرف بدنِ بے روح سے ہے۔ صحیح احادیث دونوں قولوں کی تردید فرماتی ہیں۔ (ت)

اور جماد من حیث ہو جماد سے سوال یا اُسے لذّت خواہ الم کا ایصال بداہۃً محال۔ لاجرم وقتِ سوال بدن کو ایک نوعِ حیات کی عود سے چارہ نہیں، اگرچہ ہم اس کی کیفیت جزماً نہ جانیں۔ امام اجل ابو البرکات نسفی عمدۃ الکلام میں فرماتے ہیں:

عذاب القبر للکفار ولبعض العصاۃ من المؤمنین والانعام لاھل الطاعۃ باعادۃ الحیاۃ فی الجسد وان توقفنا فی اعادۃ الروح حق۔[3]

کفار اور بعض گنہگار مومنین کے لیے عذابِ قبر اور اہلِ طاعت کے لیے آسائش وانعام حق ہے اس طرح کہ جسم میں زندگی لوٹا دی جائے اگرچہ رُوح کے لوٹانے میں ہمیں توقف ہو۔ (ت)

امام الائمہ مالک الازمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

سوال منکر ونکیر فی القبر حق واعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق۔[4]

قبر میں منکر نکیر کا سوال حق ہے، اور قبر میں بندے کی طرف رُوح کا اعادہ حق ہے۔ (ت)

---

[1] شرح الصدور باب عذاب القبر خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۷۶

[2] شرح فقہ الاکبر تعلق الروح بالبدن علی خمسۃ انواع مطبع قیومی کانپور بھارت ص ۱۵۴

[3] عمدۃ الکلام للنسفی

[4] فقہ اکبر ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور ص ۱۸

اس کی شرح منح الروض میں ہے :

(اعادة الروح) ای ردھا وتعلقھا (الی العبد) ای جسدہ بجمیع اجزائہ او ببعضھا مجتمعة او متفرقة (فی قبرہ حق) والواو لمجرد الجمعیة فلاینافی ان السوال بعد اعادة الروح وکمال الحال[1]

(رُوح کا اعادہ) یعنی اسے لوٹانا اور اس کا تعلق ہونا (بندے کی طرف) یعنی اس کے بدن کی طرف، جو اپنے تمام اجزاء کے ساتھ ہو یا بعض کے ساتھ ہو، یہ مجتمع ہوں یا منتشر ہوں (اس کی قبر کے اندر حق ہے) اور "واو" محض جمعیت کے لیے ہوتا ہے تو اس کے منافی نہیں کہ سوال رُوح لوٹانے اور حالت کامل ہوجانے کے بعد ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے :

اعلموا ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالٰی یخلق فی المیت نوع حیاة فی القبر قدر مایتألم ویتلذذ ولکن اختلفوا فی انہ ھل یعاد الروح الیہ والمنقول عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ التوقف الا ان کلامہ ھنا یدل علی اعادة الروح اذ جواب الملکین فعل اختیاری فلایتصور بدون الروح وقیل قد یتصور الخ[2]

جان لو کہ اہلِ حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالٰی میت کے اندر قبر میں ایک طرح کی زندگی پیدا کردیتا ہے، اتنی کہ وہ لذت والم کا احساس کرے، مگر اس میں ان کا اختلاف ہے کہ اس کی جانب رُوح لوٹائی جاتی ہے یا نہیں، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول یہ ہے کہ توقف کیا جائے، مگر یہاں پر ان کا کلام اعادہ روح پر دال ہے اس لیے کہ نکیرین کا جواب ایک فعل اختیاری ہے تو وہ بغیر رُوح کے متصور نہیں اور کہا گیا کہ متصور ہے۔ (ت)

امام ابن الہمام اُسی فتح القدیر میں فرماتے ہیں :

الحق ان المیت المعذب فی قبرہ توضع فیہ الحیاة بقدر مایحس الالم والبنیة لیست بشرط عند اھل السنة حتی لوکان متفرق الاجزاء بحیث لاتتمیز الاجزاء بل ھی مختلطة بالتراب فعذب جعلت الحیاة

حق یہ ہے کہ قبر میں عذاب دیے جانے والے مُردے کے اندر اتنی زندگی رکھی جائے گی کہ وُہ الم کا احساس کرے اور یہ بدن اس کے لیے شرط نہیں یہاں تک کہ اگر اس کے اجزاء اس طرح بکھر چکے ہوں کہ امتیاز نہ ہوسکے بلکہ مٹی سے خلط ملط ہوگئے ہوں پھر عذاب دیا جائے

---

[1] شرح فقہ اکبر تحت عبارت مذکورہ مطبع قیومی کانپور بھارت ص ۱۲۱
[2] " " " مابعد " " " ص ۱۲۲

فی تلك الاجزاء التی لایاخذھا البصروان اللہ علی ذلك لقدیر والخلاف فیہ ان کان بناء علی انکار عذاب القبر امکن والا فلا یتصور من عاقل القول بالعذاب مع عدم الاحساس۔[1]

توحیات ان ہی اجزاء میں کر دی جائے گی جو نظر نہیں آتے، اور بلاشبہہ اللہ اس پر قادر ہے۔ اس سے اختلاف اگر عذابِ قبر سے انکار کی بنا پر ہو تو ہوسکتا ہے ورنہ کسی عاقل سے متصور نہیں کہ وہ اس کا قائل ہو کہ بغیر احساس کے عذاب ہوگا۔ (ت)

پھر رُوح کی نسبت تو اُوپر واضح ہوچکا کہ اس کی حیات مستمرہ غیر منقطعہ ہے، مگر بدن کے لیے بعد عود بھی استمرار ضرور نہیں کہ وُہ ایک تعلق خاص بمقصد خاص ہوتا ہے جس کے انصرام پر اُس کا انقطاع بجا ہے۔ امام بدر عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں بجواب معتزلہ دلائل اثباتِ عذابِ قبر میں فرماتے ہیں:

لنا اٰیات احدٰھا قولہ تعالٰی النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا فہو صریح فی التعذیب بعد الموت الثانیۃ قولہ تعالٰی ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فان اللہ تعالٰی ذکر الموتۃ مرتین وھما لا تتحققان الا ان یکون فی القبر حیاۃ وموت حتی تکون احدی الموتتین مایتحصل عقیب الحیاۃ فی الدنیا والاخری مایتحصل عقیب الحیاۃ التی فی القبر۔[2]

ہماری دلیل میں متعدد آیتیں ہیں، ایک، باری تعالٰی کا یہ ارشاد "وُہ (فرعون اور اس کے ساتھی) صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں" یہ بعد موت عذاب دیے جانے کے بارے میں صریح ہے۔ دوسری آیت: ارشادِ باری: "اے ہمارے رب! تُو نے دُوبار ہمیں موت دی اور دو بار حیات دی"۔ اللہ تعالٰی نے دو بار موت کا ذکر فرمایا ہے، یہ اُسی وقت ہوگا جب قبر میں بھی موت وحیات ہو کہ ایک موت تو وہ ہے جو دنیا کی زندگی کے بعد ہوتی ہے اور دوسری وہ جو قبر والی زندگی کے بعد ہوتی ہے۔ (ت)

شرح الصدور میں بدائع سے ہے:

نقلت من خط القاضی ابی یعلی فی تعالیقہ لابد من انقطاع عذاب القبر لانہ من عذاب الدنیا والدنیا ومافیہا منقطع فلابد ان

قاضی ابویعلی کی قلمی تحریر جوان کی تعلیقات میں ہے، اُس سے میں نے نقل کیا ہے کہ عذاب قبر کا منقطع ہونا ضروری ہے اس لیے کہ وُہ عذاب دُنیا کی جنس سے ہے

---

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الضرب والقتل نوریہ رضویہ سکھر ۴/۴۶۰

[2] عمدۃ القاری شرح البخاری باب المیت یسمع خفق النعال ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ۸/۴۶-۱۴۵

يلحقهم الفناء والبلاء ولا يعرف مقدار مدة ذلك[1]

اور دنیا اور دنیا کے اندر جو کچھ ہے سب منقطع ہے تو انھیں فنا اور بوسیدگی لاحق ہونا ضروری ہے اور اس مدت کی مقدار معلوم نہیں (ت)

پھر فرمایا:

قلت ويؤيد هذا ما اخرجه هناد بن السری فی الزهد عن مجاهد قال للكفار هجعة يجدون فيها طعم النوم حتى يوم القيامة فاذا صيح باهل القبور يقول الكافر يويلنا من بعثنا من مرقدنا فيقول المؤمن الى جنبه هذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون[2]

میں نے کہا: اس کی مؤید وہ ہے جو ہناد بن سری نے زہد میں امام مجاہد سے روایت کیا' فرمایا کفار کیلئے ایک خوابیدگی ہوگی جس میں نیند کا مزہ پائیں گے قیامت تک۔ جب قبر والوں کو پکارا جائے گا کافر بولے گا: ہائے ہماری خرابی! کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھایا' تو اس کے پہلو سے مومن بولے گا: یہی وہ جس کا رحمان نے وعدہ دیا اور رسولوں نے سچ فرمایا۔ (ت)

مقدمہ رابعہ: سمع وبصر لغۃً وعرفاً ادراک الوان واضواء واصوات بحاسۂ چشم وگوش کا نام ہے۔ قاموس میں ہے: السمع حس الاذن[3] (سماعت کان کی حس کا نام ہے۔ ت) اُسی میں ہے: البصر محرکۃ حس العین[4] (بصر ـــ صاد کی حرکت کے ساتھ ـــ آنکھ کے احساس کا نام ہے۔ ت) اسی طرح تاج العروس میں محکم سے ہے۔ صحاح جوہری ومختار رازی میں ہے: البصر حاسۃ الرؤیۃ[5] (بصر حاسۂ رؤیت ہے۔ ت) المصباح المنیر میں ہے: البصر النور الذی تدرك به الجارحة[6] (بصر وُہ نور ہے جس سے عضو کو ادراک ہوتا ہے۔ ت) اُسی میں ہے: ورأيت الشئ رؤية ابصرته بحاسة البصر[7] (میں نے شَے کو دیکھا یعنی میں نے اُسے حاسۂ بصر سے دیکھا) اسی معنی پر مواقف وشرح مواقف میں فرمایا انما يحصل الادراك السمعي بوصول الهواء الى الصماخ[8] (سمعی ادراک

---

[1] و [2] شرح الصدور — آخر باب عذاب القبر — خلافت اکیڈمی منگورہ سوات — ص ۷۶

[3] القاموس المحیط — باب العین — فصل السین — مصطفی البابی مصر — ۳/ ۴۱

[4] ″ ″ — باب الراء — فصل الباء — ″ ″ — ۱/ ۳۸۶

[5] الصحاح للجوہری — تحت لفظ "بصر" — دار العلم للملایین بیروت — ۲/ ۵۹۱

[6] المصباح المنیر — کتاب الباء — منشورات دار الہجرۃ قم ایران — ۱/ ۵۰

[7] ″ — کتاب الراء — ″ ″ ″ — ۱/ ۲۴۷

[8] شرح المواقف

کان کے سوراخ تک ہوا پہنچنے سے ہی ہوتا ہے۔ ت) اور شارح نے مباحثِ نظر میں ذکر کیا:

الادراک بالبصر یتوقف علی امور ثلثۃ مواجہۃ[1] البصر وتقلیب الحدقۃ نحوہ طلبا لرؤیتہ[2] و

نگاہ سے ادراک تین امور پر موقوف ہے: نظر[1] کا رُو برو ہونا، آنکھ کی پتلی کو اس کی جانب اسے دیکھنے کی طلب

---

[1] ای للبصر نفسہ او شبحہ المنطبع فی نحو مرأۃ علی القول بالانطباع اما علی القول بخروج الشعاع فمقابلۃ المبصر حاصلۃ فی الوجہین لاجل الانعکاس **اقول** ومیل ائمتنا الفقہاء الی القول بالانطباع ھو ان یقولوا کون الابصار بہ، وذلک بانھم صرحوا ان الرجل اذا رأی فرج امرأۃ وھی فی الماء تثبت حرمۃ المصاھرۃ، ولو رأی فرجہا فی الماء لا منہ وھی خارجۃ لم تثبت لانہ علی الاول رأی فرجہا وعلی الثانی انما رأی شبحہ لا نفسہ کما فی الخانیۃ وغیرھا، فلو قالوا بالانعکاس لکان رأی نفس الفرج فی الصورتین، فلیحفظ، فانی لم ار من نبہ علیہ ثم رأیت المحقق نبہ علیہ فی فتح القدیر وللّٰہ الحمد ۱۲ منہ (م)

یعنی نگاہ کا خود مرئی کے سامنے ہونا یا اس کی مثال کے جو آئینہ وغیرہ میں منطبع ہو یہ اس قول پر کہ آئینہ میں شَے کی صورت منطبع ہوتی ہے اور شعاع بصری نکلنے والے قول پر تو مرئی کا سامنا انعکاس کی وجہ سے دونوں صورتوں میں حاصل ہے **اقول** ہمارے ائمہ فقہاء کا میلان قول انطباع کی طرف ہے کہ رویت انطباع سے واقع ہوتی ہے۔ وُہ میلان یُوں معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے تصریح فرمائی ہے کہ جب عورت پانی کے اندر ہو اور کوئی مرد اس کی شرمگاہ دیکھے تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے، اور جب عورت پانی کے باہر ہے اور مرد نے پانی سے نہیں بلکہ پانی میں اس کی شرمگاہ دیکھی تو حرمت نہ ثابت ہوگی۔ اس لیے کہ پہلی صورت میں اس نے خود شرمگاہ دیکھی اور دوسری صورت میں خود شرمگاہ نہیں بلکہ اس کی مثال دیکھی، جیسا کہ خانیہ وغیرہا میں ہے — تو یہ فقہا اگر انعکاس کے قائل ہوتے تو خود شرمگاہ کی رؤیت دونوں صورت میں قرار پاتی۔ اسے یاد رکھنا چاہیے اس لیے کہ اس پر تنبیہ میں نے کہیں نہ دیکھی — پھر حضرت محقق کو دیکھا کہ انھوں نے فتح القدیر میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اور حمد اللہ ہی کے لیے ہے ۱۲ منہ (ت)

[2] **اقول** قید الطلب خرج وفاقا فلیس من شرط الرؤیۃ طلبہا والمراد بالازالۃ العدم اصلیا او طاریا بفعل الرائی او غیرہ ۱۲ منہ (م)

اقول طلب کی قید اتفاقی ہے اس لیے کہ دیکھنے کیلئے دیکھنے کی طلب شرط نہیں۔ اور ازالہ سے مراد یہ ہے کہ پردہ نہ ہو خواہ سرے سے نہ رہا ہو یا بعد میں دیکھنے والے یا کسی اور کے عمل سے زائل ہوگیا ہو ۱۲ منہ (ت)

ان الة الغشاوة المانعة من الابصار[1] میں گردش دینا، دیکھنے[2] سے مانع پردہ کا ازالہ۔(ت)

اور اس کا اطلاق بے واسطہ جوارح و آلات ادراک تمام جزئیات مذکورہ خواہ غیر مذکورہ بروجہ جزئی مخصوص پر بھی کیا جاتا ہے یہاں نہ مدرک بالفتح میں صوت و لون وضو کی تخصیص ہے نہ مدرک بالکسر میں آلاتِ جسمانیہ کی قید۔ روزِ قیامت مومنین اپنے رب عزوجل کو دیکھیں گے اور اس کا کلام سُنیں گے اور وہ اور اس کی صفات اعراض سے پاک ہیں، اور مولیٰ عزوجل سمیع و بصیر علی الاطلاق ہے اور آلات و جوارح سے منزہ۔ مصباح میں ہے: سمع اللّٰہ قولك علمه[2] (خدا نے تیری بات سُنی یعنی اسے جانا۔ ت) مجمع البحار میں ہے:

البصیر تعالٰی یشاھد الاشیاء ظاھرھا وخافیھا من غیر جارحة، والبصر فی حقه تعالٰی عبارة عن صفة ینکشف بھا کمال نعوت المبصرات[3]۔

خدائے بصیر بغیر کسی عضو کے اشیاء کا مشاہدہ فرماتا ہے، ان کے ظاہر کا بھی اور باطن کا بھی۔ اور باری تعالٰی کے حق میں بصر ایک ایسی صفت سے عبارت ہے جس سے مرئیات کی صفات کامل طور پر منکشف ہوجاتی ہیں۔(ت)

منح الروض میں ہے:

السمع صفة تتعلق بالمسموعات، والبصر صفة تتعلق بالمبصرات فیدرك ادراکا تاما لاعلٰی سبیل التخیل والتوھم ولا علٰی طریق تاثیر حاسة ووصول ھواء[4]۔

سمع ایک صفت ہے جس کا تعلق مسموعات سے ہے اور بصر ایک صفت ہے جس کا تعلق مبصرات سے ہے تو اسے ادراکِ تام ہوتا ہے مگر خیال و وہم کے طور پر نہیں، نہ ہی حاسہ کی تاثیر اور ہوا پہنچنے کے طور پر۔(ت)

اسی اطلاق پر مواقف و شرح میں فرمایا:

الثانیة شبھة المقابلة وھی ان شرط الرؤیة، کما علم بالضرورة من التجربة، المقابلة او ما فی حکمھا نحو المرئی فی المرأة وانھا، مستحیلة فی حق اللّٰہ تعالٰی لتنزھه عن المکان

دوسرا شبہہ مقابلہ کا ہے۔ وہ یہ کہ رؤیت کی شرط یہ ہے کہ مرئی مقابل ہو جیسا کہ بداہتِ تجربہ سے معلوم ہے، یا مقابلہ کے حکم میں ہو جیسے وہ جو آئینے میں نظر آتا ہے۔ اور مقابل ہونا اللہ تعالٰی کے حق میں محال ہے،

---

[1] شرح المواقف — المرصد الخامس فی النظر — منشورات الشریف الرضی ایران — ۱/۲۰۱
[2] مصباح المنیر — تحت لفظ سمع — منشورات دار الہجرۃ قم ایران — ۱/۲۸۹
[3] مجمع البحار — باب البا مع الصاد — مطبع عالی منشی نولکشور لکھنؤ — ۱/۹۶
[4] شرح فقہ الاکبر — شرح الصفات الذاتیہ — مصطفی البابی مصر — ص ۱۹-۱۸

والجھۃ والجواب منع الاشتراط۔[1] اس لیے کہ وہ جہت اور مکان سے پاک ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ مقابلہ کا شرطِ رؤیت ہونا ہم نہیں مانتے۔ (ت)

امام نسفی مصنف کافی مذکور نے عمدۃ الکلام میں فرمایا:

ما قالوا من اشتراط المقابلۃ وغیرہ یبطل برؤیۃ اللہ تعالٰی ایانا۔[2] یہ جو کہا گیا کہ رویت کے لیے مقابلہ وغیرہ شرط ہے، اس دلیل سے باطل ہے کہ خدائے تعالٰی ہمیں دیکھتا ہے اور مقابلہ وغیرہ بالکل نہیں۔ (ت)

روح ملاصق بالبدن کا سمع وبصر بروجہ اوّل ہے اور مفارق کا از قبیل دوم،

کل ذٰلک علی الاغلب والا فربما یحس الملاصق بنورہ کما فی کشوف الاولیاء والمفارق بالاٰلات الباقیۃ الدائمۃ کما فی الانبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام ومعنی المفارقۃ فیھم طریان لفراق اٰنی تحقیقا للوعد الربانی۔ یہ سب حکم اکثری ہے ورنہ بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ بدن سے متعلق رُوح اپنے نور کے ذریعہ احساس کرتی ہے جیسا کہ اولیاء کرام کے کشف میں ہوتا ہے۔ اور بدن سے مفارق رُوح ان آلات کے ذریعہ احساس کرتی ہے جو باقی و دائم ہوتے ہیں جیسے حضرات انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے احساسات میں ہوتا ہے۔ اور ان کے حق میں بدن سے روح کی مفارقت کا معنی، بس ایک آن کے لیے جُدائی کا طاری ہونا تا کہ وعدہ الٰہیہ (ہر نفس کے لیے موت) کا تحقق ہوجائے۔ (ت)

اور اس معنی سے انکار کی منکرانِ سماع کو بھی گنجائش نہیں کہ آخر رؤیتِ جنت و نار و نعیم و عذاب و سماع و کلامِ ملائکہ ماننے سے چارہ کہاں اور جب جسم معطل اور آلات مختل تو یہی معنی ظاہر و عیاں، وسیأتی تفصیلہ عنقریب ان شاء القریب (ان شاء اللہ اس کی تفصیل عنقریب آئیگی۔ ت) اور یہاں ایک تیسرے معنی مجازی اور ہیں یعنی رائی و مرئی و سامع و مسموع میں بروجہ آلیت واسطہ ہونا اور صورِ جزئیہ کا مدرک تک پہنچانا یہ اُس وقت مراد ہوتے ہیں جب سمع و بصر بدن کی طرف مضاف ہوں کما بیناہ فی المقدمۃ الثانیۃ (جیسا کہ دوسرے مقدمہ میں ہم نے اسے بیان کیا۔ ت) خواہ بروجہ اثبات، اور یہ ظاہر ہے خواہ بہ ضمن سلب جہاں سلب مقتصر نا مستمر ہے لتضمنہ الاثبات کما لا یخفی (اس لیے کہ وہ اثبات کو متضمن ہے جیسا کہ واضح ہے)

مقدمہ خامسہ قرآن و احادیث نصوصِ شرعیہ و محاوراتِ عرفیہ سب میں انسان کی طرف صفات روح و جسم

---

[1] شرح المواقف المرصد الخامس، المقصد الاول منشورات الشریف الرضی، قم، ایران ۸/۱۳۹

[2] عمدۃ الکلام للنسفی

دونوں نسبت کی جاتی ہیں۔

قال اللہ تعالٰی ولقد خلقنا الانسان من سللۃ من طین ○ ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین الٰی قولہ سبحانہ فتبارک اللہ احسن الخالقین[1] ○ وقال عزوجل واذ قال ربک للملٰئکۃ انی خالق بشرا من صلصال من حمأ مسنون ○ فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین[2] ○ وقال تبارک اسمہ انا خلقناھم من طین لازب[3] ○ وقال جل جلالہ یایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مخلقۃ وغیر مخلقۃ لنبین لکم ونقر فی الارحام ما نشاء الٰی اجل مسمّی[4] الاٰیۃ۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: بیشک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا فرمایا، پھر اسے ایک عزت والی قرارگاہ میں ٹھہرایا تا ارشادِ باری تعالٰی: تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا۔ اور فرماتا ہے: یاد کرو جب تمھارے رب نے فرشتہ سے فرمایا: بیشک میں بدبودار گارے کی بجتی ہوئی مٹی سے ایک انسان بنانے والا ہوں تو جب میں اُسے ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی طرف کی معزز روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدے میں گرجانا۔ اور فرماتا ہے: بیشک ہم نے ان کو چپکتی ہوئی مٹی سے بنایا۔ اور فرماتا ہے: اگر تمھیں بعث سے متعلق کچھ شک ہے تو بیشک ہم نے تم کو مٹی سے بنایا پھر پانی کی بوند سے پھر خونِ بستہ سے پھر پارۂ گوشت سے، مکمل اور نامکمل تاکہ تم پر ہم روشن کردیں، اور جسے چاہیں ایک مقررہ میعاد تک رحموں میں ٹھہرائیں۔ الآیۃ (ت)

پر ظاہر کہ کھنکھناتی چپکتی خمیر کی ہوئی مٹی، پھر پانی کے قطرے، پھر خون کی بُوند، پھر گوشت کے لوتھڑے سے بننا رحم میں ایک مدتِ معین تک ٹھہرنا ٹھیک ہونے کے بعد اس میں رُوح کا پھونکا جانا یہ سب احوال[ع] و اطوار بدن کے ہیں اور انسان کی طرف نسبت فرمائی۔

وقال عز مجدہ وحملھا الانسان انہ کان ظلوما جھولا[5] ○ و

خدائے عزوجل فرماتا ہے: اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا بے شک وُہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا

ع: خصوصًا اخیر کہ غیر بدن کے لیے کسی طرح محتمل نہیں ۱۲ منہ (م)

---

[1] القرآن ۲۳/ ۱۲ و ۱۳ و ۱۴

[2] القرآن ۱۵/ ۲۸ و ۲۹

[3] القرآن ۳۷/ ۱۱

[4] القرآن ۲۲/ ۵

[5] القرآن ۳۳/ ۷۲

قال تعالٰی شانہ ایحسب الانسان ان لن نجمع عظامہ ، بلٰی قادرین علٰی ان نسوی بنانہ ، بل یرید الانسان لیفجر امامہ ، یسئل ایان یوم القیٰمۃ " الٰی قولہ جل ذکرہ "یقول الانسان یومئذ این المفر[1]" الٰی قولہ جلت عظمتہ "ینبؤا الانسان یومئذ بما قدم واخرہ بل الانسان علٰی نفسہ بصیرۃ ہ ولو القٰی معاذیرہ[2] ہ

اور فرماتا ہے : کیا انسان گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے ، کیوں نہیں ، ہم قادر ہیں کہ اس کے پور برابر کر دیں ، بلکہ انسان چاہتا ہے کہ اس کے آگے بے حکمی کرے ، پوچھتا ہے کب ہے قیامت کا دن (تا ارشاد :) انسان کہتا ہے اس دن مفر کہاں (تا ارشادِ ربانی :) اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا جو اس نے آگے کیا اور پیچھے کیا بلکہ انسان اپنے نفس کو خوب دیکھنے والا ہے اگرچہ اپنے عذر سامنے لائے ۔ (ت)

واضح ہے کہ تکالیف شرعیہ سے مخاطب ہونا اور ظلم و جہل و حسبان و ارادہ و سوال و کلام و اعلام و معرفت و معذرت یہ سب صفات و افعال رُوح سے ہیں ، یونہی فجور بھی ۔

قال عزمجدہ "ونفس وما سوّٰھا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا[3]"۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے : قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا ، پھر اس کے دل میں اس کی نافرمانی اور پرہیزگاری ڈالی ۔

انھیں بھی انسان کی جانب اضافت فرمایا بلکہ ایک ہی آیت میں دونوں قسم کے امور اس کے لیے مذکور ۔

قال عزشانہ انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلنہ سمیعا بصیرًا[4]۔

باری تعالٰی فرماتا ہے : بے شک ہم نے انسان کو ملے ہوئے نطفہ سے بنایا کہ اسے آزمائیں ، پھر ہم نے اسے سننے والا دیکھنے والا بنایا ۔

مرد و زن کے ملے ہوئے نطفے سے بدن بنا اور تکلیف و آزمائش رُوح کی ہے اور وہی شنوا و بینا ۔

قال تعالٰی ذکرہ "اولم یرالانسان انا خلقنٰہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین ہ وضرب لنا مثلا ونسی خلقہ[5]" الاٰیۃ ۔

ارشادِ باری ہے : اور کیا انسان نے نہ دیکھا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا پھر وُہ کھلا جھگڑنے والا ہے اور اس نے ہمارے لیے مثل بنائی اور اپنی تخلیق کو بھول گیا ۔ (ت)

---

[1] القرآن ۷۵/ ۳ تا ۱۰
[2] القرآن ۷۵/ ۱۳ تا ۱۵
[3] القرآن ۹۱/ ۷ و ۸
[4] القرآن ۷۶/ ۲
[5] القرآن ۳۶/ ۷۷ و ۷۸

رویت وعلم شانِ روح ہے اور نطفہ سے پیدائش بدن کی، پھر خصومت وشل زنی ونسیان احوالِ روح اور ضمیر اخیر نے پھر تخلیق نطفہ سے جانبِ بدن مراجعت کی۔ یہی سب محاورات عرفِ عام میں شائع۔ اب چار حال سے خالی نہیں، یا تو انسان محض بدن ہے یا مجرد رُوح یا ہر ایک یا مجموع۔ احتمالِ ثالث تو بداہۃً مدفوع، ہر عاقل جانتا ہے کہ اس کے بنی نوع کا ہر فرد اور وُہ خود ایک ہی انسان ہے، نہ یہ کہ ہر شخص میں دو انسان ہوں ایک روح ایک بدن، ولہذا اس کی طرف کسی کا ذہاب معلوم نہیں، ثلٰثہ باقیہ مذاہب معروفہ ہیں، اوّل اکثر متکلمین کا خیال ہے اور ثانی امام رازی وغیرہ کا مفادِ مقال، اور ثالث خود انھیں امام جلیل و دیگر اجلّہ اکابر کا ارشادِ جمیل۔ تفسیر کبیر میں ہے:

اما القائلون بان الانسان عبارۃ عن هذه البنیة المخصوصة وعن هذا الجسم المحسوس فهم جمهور المتکلمین، وهذا القول عندنا باطل (وذکر علیه حججا الی ان قال) الحجة الخامسة ان الانسان قد یکون حیا حال مایکون البدن میتا والدلیل قوله تعالٰی ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰه امواتا بل احیاء فهذا النص صریح فی ان اولئک المقتولین احیاء والحس یدل علی ان هذا الجسد میت، الحجة السادسة قوله تعالٰی النار یعرضون علیها وقوله اغرقوا فادخلوا نارا، وقوله علیه الصلوۃ والسلام القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار، کل هذه النصوص تدل علی ان الانسان یبقی بعد موت الجسد، الحجة السابعة قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اذا حمل المیت علی نعشه رفرف روحه فوق النعش ویقول یا اهلی یا ولدی (الحدیث) ان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم صرح

اس مخصوص ساخت اور اس محسوس جسم کو انسان بتانے والے جمہور متکلمین ہیں اور یہ قول ہمارے نزدیک باطل ہے (اس پر دلائل ذکر کیے، یہاں تک کہ فرمایا:) پانچویں دلیل یہ ہے کہ انسان کبھی زندہ ہوتا ہے جبکہ بدن مُردہ ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ ارشادِ باری ہے کہ انھیں جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وُہ زندہ ہیں۔ یہ صریح نص ہے کہ وہ شہید زندہ ہیں، اور احساس یہ بتاتا ہے کہ بدن مُردہ ہے — چھٹی دلیل: باری تعالٰی کا ارشاد: فرعون اور اس کے ساتھی آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اور یہ ارشاد: وہ غرق کیے گئے پھر آگ میں ڈالے گئے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان: قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ یہ تمام نصوص اس پر دلیل ہیں کہ انسان بدن کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے — ساتویں دلیل: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد: جب میّت کو اس کی چارپائی پر اٹھایا جاتا ہے اس کی رُوح جنازے کے اوپر پھڑپھڑاتی ہے اور کہتی ہے اے میرے لوگو! اے میری اولاد! (الحدیث) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صراحت فرمادی

بان حال مایکون الجسد علی النعش بقی هناك
شئ ینادی ویقول جمعت المال من حله
وغیر حله، ومعلوم ان الذی
کان الاهل اهلا له وکان جامعا للمال
وبقی فی رقبته الوبال لیس الا ذلك الانسان،
فهذا تصریح بان فی الوقت الذی کان الجسد
میتا کان الانسان حیا باقیا فاهما، الحجة
الثامنة قوله تعالیٰ یایتها النفس المطمئنة
ارجعی الیٰ ربك راضیة مرضیة والخطاب
انما هو حال الموت فدل ان الذی یرجع
الی اللّٰه بعد موت الجسد یکون حیا راضیا
ولیس الا الانسان فهذا
یدل ان الانسان بقی حیا بعد موت
الجسد، الحجة العاشرة جمیع فرق
الدنیا من الهند والروم والعرب والعجم و
جمیع ارباب الملل والنحل من الیهود والنصاریٰ
والمجوس والمسلمین یتصدقون عن موتاهم
ویدعون لهم بالخیر ویذهبون الی زیاراتهم،
ولولا انهم بعد موت الجسد بقوا احیاء
لکان التصدق والدعاء والزیارة عبثا،
فیدل ان فطرتهم الاصلیة شاهدة بان
الانسان لایموت بل یموت الجسد، والحجة السابعة
عشرة ان الانسان یجب ان یکون عالما والعلم
لایحصل الا فی القلب فیلزم ان یکون الانسان
عبارة عن الشئ الموجود فی القلب او شئ له

کہ جس وقت بدن چارپائی پر ہوتا ہے اس وقت ایک
شئ باقی رہتی ہے جو ندا دیتی ہے اور کہتی ہے: میں نے مال
جائز و ناجائز طریقوں سے جمع کیا، اور معلوم ہے کہ اہل
جس کے اہل تھے، اور جو مال جمع کرنے والا تھا اور جس
کی گردن پر وبال رہ گیا وہ نہیں مگر وہی انسان ـــــ تو یہ
اس بات کی تصریح ہے کہ جس وقت بدن مُردہ ہے اُسی
وقت انسان زندہ، باقی اور سمجھنے والا ہے ـــــ
آٹھویں دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اے اطمینان والی
جان! اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حالت میں کہ تو
اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی ـــــ یہ خطاب بعد
موت ہی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ بدن کی موت کے بعد جو
اللہ کی طرف لوٹنے والا ہے وہ زندہ، راضی ہوتا ہے۔
اور وہ انسان ہی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ انسان جسم کی موت
کے بعد بھی زندہ رہا ـــــ دسویں دلیل: ہندوستان، روم،
عرب، عجم کے رہنے والے تمام اہلِ عالم اور یہود، نصاریٰ
مجوس، مسلمان، تمام ادیان و مذاہب والے اپنے
مُردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں، ان کے لیے دعائے خیر
کرتے ہیں اور ان کی زیارت کے لیے جاتے ہیں، اگر وہ جسم
کی موت کے بعد زندہ نہ رہتے تو صدقہ، دعا اور زیارت
ایک عبث اور بے فائدہ کام ہوتا ـــــ اس میں دلیل ہے
کہ ان کی اصل فطرت اس پر شاہد ہے کہ انسان نہیں مرتا
بلکہ جسم مرتا ہے ـــــ سترھویں دلیل: ضروری ہے کہ
انسان علم رکھنے والا ہو، اور علم کا حصول قلب ہی میں
ہوتا ہے، تو لازم ہے کہ انسان اُس شئے سے عبارت
ہو جو قلب میں موجود ہے یا اُس شئی سے جو قلب سے

تعلق بالقلب[1] اھ ملتقطا ملخصا۔ | متعلق ہے (ختم، تلخیص اور متعدد جگہوں سے اقتباس کے ساتھ)۔ (ت)

امام الطریقۃ بحر الحقیقۃ سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ فتوحات مکیہ شریف میں فرماتے ہیں:

لیس فی العلوم اصعب تصورا من ھذہ المسألۃ فان الارواح طاھرۃ بحکم الاصل والاجسام وقواھا کذلک طاھرۃ بما فطرت علیہ من تسبیح خالقہا وتوحیدہ، ثم باجتماع الجسم والروح حدث اسم الانسان وتعلق بہ التکالیف وظھر منہ الطاعات والمخالفات[2] الخ

علوم میں اس مسئلہ سے زیادہ عسیر الفہم کوئی نہیں، اس لیے کہ ارواح بحکم اصل پاک ہیں، اسی طرح اجسام اور ان کے قوٰی اپنے خالق کی تسبیح و توحید کی جس فطرت پر پیدا ہوئے ہیں، پاک ہیں۔ پھر جسم اور رُوح کے ملاپ سے نامِ انسان رُونما ہُوا، اس سے تکلیفات واحکام وابستہ ہُوئے اور اس سے فرمانبرداری وخلاف ورزی ظہور پذیر ہُوئی۔ (ت)

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب الیواقیت والجواہر میں امام ابوطاہر رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل فرماتے ہیں:

الانسان عند اھل البصائر ھذا المجموع من الجسد والروح بما فیہ من المعانی[3]۔

اربابِ بصیرت کے نزدیک انسان جسم وروح کا یہ مجموعہ ہے ان تمام معانی کے ساتھ جو اس میں ہیں۔ (ت)

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں زیر قولہ تعالٰی فی سورۃ النحل خلق الانسان من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین[4] فرماتے ہیں:

اعلم ان الانسان مرکب من بدن ونفس فقولہ تعالٰی (خلق الانسان من نطفۃ) اشارۃ الی الاستدلال ببدنہ علی وجود

معلوم ہو کہ انسان بدن اور رُوح سے مرکب ہے، تو ارشادِ باری (انسان کو نطفے سے پیدا کیا) بدنِ انسان سے صانع حکیم کے وجود پر استدلال کی جانب

---

[1] التفسیر الکبیر تحت آیہ ویسئلونک الطبعۃ البہیۃ العربیۃ بمیدان جامع الازہر مصر ۲۱/۴۳ تا ۴۴
[2] الیواقیت والجواہر المبحث السادس والستون مصطفی البابی مصر ۲/۱۵۰
[3] " " بحوالہ شیخ محی الدین " " " " ۲/۱۵۴
[4] القرآن ۱۶/۴

الصانع الحکیم وقوله تعالٰی (فاذا هو خصیم مبین) اشارة الی الاستدلال باحوال نفسه علی وجود الصانع الحکیم[1] الخ

اشارہ ہے۔ اور ارشادِ باری (پھر جبھی وُہ کھلا جھگڑنے والا ہے) رُوحِ انسان کے احوال سے صانع حکیم کے وجود پر استدلال کی جانب اشارہ ہے الخ (ت)

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) آیاتِ کریمہ قرآن اعظم و محاوراتِ عامہ شائعہ تمام عالم کے ملاحظہ سے بہ نگاہِ اوّلین ذہن میں منتقش ہوتا ہے کہ جسے انسان کہتے اور زید و عمرو اعلام یا من وتو ضمائر یا این و آن اسمائے اشارہ سے تعبیر کرتے ہیں، اس میں رُوح و بدن دونوں ملحوظ ہیں، ایک یکسر معزول ہو ایسا ہرگز نہیں، اب خواہ یُوں ہو کہ ہر ایک نفسِ حقیقت انسانی میں داخل و جزءِ حقیقی ہو یا یُوں کہ ایک سے تجوہرِ حقیقت اور دوسرے کو معیت وشرطیت مگر ساتھ ہی عقل ونقل کی طرف نظر کیجئے تو ان کا اجماع و اطباق دیکھتے ہیں کہ انسان ایک شیئ مدرک عاقل فاہم مرید مکلف مخاطب من اللہ تعالٰی ہے، اور یہ صفات اس کے لیے حقیقۃً ثابت ہیں نہ کہ موصوف بالذات کوئی شیئ غیر ہو اور اس کی طرف بالتبع بالعرض نسبت کیے جاتے ہوں، اس بیّن و واضح امر کی طرف التفات کرتے ہی منجلی ہوگیا کہ جس طرح قولین اولین میں تجرد محض بہ معنی بشرط لاشیئ مراد لینا کسی عاقل سے معقول نہیں، اگر ہے تو لابشرط، اور یہ بھی منقول نہیں کہ روح بدن میں کوئی لحاظ سے بالکل معزول نہیں، اور قول اول تو اس کا قابلِ قبول نہیں کہ انسان عاقل ہے اور ابدان ذوی العقول نہیں، انسان مالک و متصرف ہے بدن کی طرح آلہ و معمول نہیں، یُوں ہی یہ بھی روشن ہوگیا کہ قولِ اخیر میں مجموع سے مراد بشرط شیئ ہے نہ ترکیب نفسِ حقیقت، ورنہ انسان عاقل و مدرک نہ رہے کہ مجموع مدرک و نامدرک نامدرک ہے اور لازم آئے کہ آیات و محاوراتِ عامہ خواہ مدنیات ہوں جن میں موصوف بصفاتِ جسم کو انسان کہا گیا یا روحیات جن میں صفات نفس سے انسان کو متصف کیا، خواہ جامعات جن میں دونوں کا اجتماع دیا سب یکسر حقیقت سے معزول اور مجاز پر محمول ہوں کہ اب انسان نہ رُوح ہے نہ بدن بلکہ شیئ ثالث ہے، لاجرم مجموع کا محمل اوّل مراد نہیں ہوسکتا۔

ومن الدلیل علیه قول الامام ابی طاهر بما فیه من المعانی فما کان لعاقل ان یتوهم دخول الاعراض فی قوام جوهر وانما المراد الدخول فی اللحاظ وکذا تنصیص الامام الرازی علی الترکیب مع اعطائه مراسا

اس کی ایک دلیل امام ابوطاہر کے یہ الفاظ ہیں (ان تمام معانی کے ساتھ جو اس میں ہیں) کہ اس سے کوئی عاقل یہ وہم نہیں کرسکتا کہ اعراض ایک جوہر کی حقیقت میں داخل ہیں مراد صرف لحاظ میں داخل ہونا ہے۔ اسی طرح مرکب ہونے پر امام رازی کی تصریح جب کہ ان کے کلام سے

---

[1] التفسیر الکبیر تحت آیۂ مذکورہ مطبعۃ بہیۃ مصریۃ بمیدان الازہر مصر ۱۹/۲۲۴

کثیرۃ ان الانسان ھوالروح ۔ بہت سی جگہ مستفاد ہے کہ انسان ـــ وہی روح ہے (ت)

رہا محمل دوم اس میں بھی دو احتمال ہیں قوام روح سے ہو اور بدن شرط یعنے انسان رُوح متعلق بالبدن کا نام ہو یا بالعکس یعنی بدن متعلق بالروح کا ثانی بھی اُس مقدمہ مذکورہ واضحہ سے مدفوع کہ انسان عاقل مخاطب بالاصالۃ ہے، نہ بالتبع، تو بفضل اللہ تعالٰی عرشِ تحقیق مستقر ہو گیا کہ مختار و منصور وہی قولِ اخیر بایں معنی و تفسیر ہے، اور قولِ ثانی بھی اُس سے بعید نہیں کہ جب قوام جوہر میں صرف روح ہے تو انسان رُوح ہی کا نام ہوا ملحوظ بلحاظ تعلق ہونا اُسے رُوح ہونے سے خارج نہیں کرتا، نہ اُن عبارات میں لحاظِ تعلق سے قطع نظر مذکور، تو اُس کا اسی قولِ منصور کی طرف ارجاع میسور، ولہٰذا امام اجل فخرالدین رازی نے باآنکہ بارہا روح ہی کے انسان ہونے پر تسجیل و تنقیح فرمائی، خود ہی انسان کے روح و بدن سے مرکب ہونے کی تصریح فرمائی۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں جہاں وُہ عبارت لکھی کہ جان آدمی کہ در حقیقت آدمی عبارت ازان است (آدمی کی جان کہ حقیقت میں آدمی اس سے عبارت ہے۔ ت) وہیں اس کی شرح یُوں ارشاد کی،

تفصیل این اجمال آنکہ آدمی مرکب از دو چیز است جانؔ بدنؔ جزوِ اعظم جان است کہ تبدل و تغیر دراں راہ نمی یابد و بدون بمنزلہ لباس است کہ اختلاف بسیار در وے راہ می یابد[1] اھ مختصراً۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی دو چیزوں سے مرکب ہے، جان اور بدن ـــ جزوِ اعظم جان ہے جس میں تبدل و تغیر کو راہ نہیں ـــ اور بدن بمنزلہ لباس ہے کہ اس میں بہت تبدیلی ہُوا کرتی ہے اھ مختصراً (ت)

پھر رُوح کا بدن سے تعلق چار قسم ہے: ایک تعلقِ دنیوی بحالِ بیداری، دوسرا بحالِ خواب کہ من وجہ متعلق من وجہ مفارق، تیسرا برزخی، چوتھا اُخروی،

وجعلھا فی شرح الصدور عن ابن القیم خمسۃ قال للروح بالبدن خمسۃ انواع من التعلق متغایرۃ، الاوّل فی بطن الام، الثانی بعد الولادۃ، الثالث فی حال النوم فلھا بہ تعلق من وجہ و مفارقۃ من وجہ، الرابع فی البرزخ فانھا و ان کانت قد فارقتہ بالموت فانھا لم تفارق فراقا کلیا بحیث لم یبق لھا الیہ التفات،

اور شرح الصدور میں ابن قیم کے حوالے سے پانچ قسم قرار دی ـــ عبارت یہ ہے: بدن سے رُوح کے پانچ الگ الگ قسم کے تعلق ہیں ـــ پہلا شکمِ مادر میں ـــ دوسرا بعد ولادت ـــ تیسرا حالتِ خواب میں کہ ایک طرح سے رُوح بدن سے متعلق ہے اور دُوسری طرح سے جدا ہے۔ چوتھا برزخ میں ـــ کہ رُوح موت کے باعث اگرچہ بدن سے جُدا ہو چکی ہے مگر بالکل جدا نہیں ہُوئی ہے کہ

[1] تفسیر عزیزی پارہ عم سورۃ الطارق مسلم بک ڈپو، لال کنواں، دہلی ص ۲۲۶

55

الخامس تعلقها به یوم البعث وھو اکمل انواع التعلقات ولا نسبة لما قبله الیه اذ لا یقبل البدن معه موتا ولا نوما ولا فسادا[1] اھ وتبعه القاری فی منح الروض۔ **اقول** الکلام فی الانواع المتغائرة ولا یظهر للتعلق الرحمی تغایر مع الذی بعد الولادة فان کلیهما تعلق الاتصال المحض والتدبیر والتصرف الناقص بخلاف النومی فلا یتمحض للاتصال والبرزخی فلیس مع ذلك تعلق التدبیر والاخروی فلا نقص فیه اصلا فیتحصل التقسیم ھکذا التعلق اما متمحض للاتصال اولا الاول ان کمل بحیث لا یقبل الفراق فاخروی والا فدنیوی یقظی والثانی ان کان تعلق تدبیر فنومی اولا فبرزخی فان قیل لیس یستعمل الجنین الاته وجوارحه فی الاعمال والادراك مثل المولود قلت لا یستعملها المولود من ساعته کالفطیم ولا الفطیم کالیافع ولا الیافع کمن بلغ اشده ولا کمثله الشیخ الھرم ثم الفانی فلیجعل عامة ذلك تعلقات متغائرة فافهم[2]۔

بدن کی طرف اُسے کوئی التفات نہ رہ گیا ہو ـــ پانچواں روزِ بعث کا تعلق۔ وہ سب سے زیادہ کامل تعلق ہے جس سے ماقبل کے تعلقات کو کوئی نسبت نہیں۔ اس لیے کہ اس تعلق کے ساتھ بدن، موت، خواب اور فساد و تغیّر قبول نہیں کرتا اھ، اور منح الروض میں علامہ علی قاری نے بھی اسی کا اتباع کیا ـــ **اقول** گفتگو الگ الگ اور جُداگانہ تعلقات کے بارے میں ہے ـــ جب کہ شکمِ مادر والے تعلق کی، بعد ولادت والے تعلق سے کوئی مغایرت ظاہر نہیں ـــ اس لیے کہ دونوں صورتوں میں خالص اتصال اور تدبیر و تصرف کا ناقص تعلق ہے۔ اس کے برخلاف حالتِ خواب کے تعلق میں خالص اتصال نہیں، من وجہ فراق بھی ہے ـــ اور برزخ والے تعلق میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ تدبیر کا تعلق نہیں ـــ اور آخرت والے تعلق میں بالکل کوئی نقص نہیں ـــ تو تقسیم اس طرح حاصل ہوگی، تعلق یا تو خالص اتصال رکھتا ہے یا نہیں[2] ـــ اول اگر ایسا کامل ہے کہ جدائی قبول نہ کرے تو اُخروی ـــ ورنہ دنیوی جو بیداری میں ہو ـــ اور ثانی اگر تدبیر کا تعلق ہے تو خواب والا ہے۔ اور تدبیر والا نہیں تو برزخی ہے ـــ اگر یہ اعتراض ہو کہ شکم کا بچہ افعال اور ادراک میں اپنے آلات وجوارح کو پیدا شدہ بچے کی طرح استعمال نہیں کرتا (اس فرق کی وجہ سے دونوں کو دو شمار کیا گیا) ہمارا جواب یہ ہوگا کہ اُس وقت مولود بچہ بھی اپنے اعضاء و جوارح کو اُس بچے کی طرح استعمال نہیں کرتا جو دودھ چھوڑ چکا ہو، اور دودھ چھوڑنے والا نوجوان یا قریب البلوغ کی طرح، اور

---

[1] شرح الصدور باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۰۰

[2] الیواقیت والجواہر المبحث السادس والستون الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۵۴

یہ بھرپور جوانی والے کی طرح استعمال نہیں کرتا، نہ ہی اس کی طرح بہت بوڑھا، پھر مزید بڑھاپے سے فنا کو پہنچ جانے والا شخص استعمال کرتا ہے ـــــ تو چاہئے کہ ان سب کو جداگانہ و متغایر تعلقات قرار دیا جائے ـــــ تو اسے سمجھو۔ (ت)

ان میں جس طرح اعلٰی و اکمل تعلق اُخروی ہے جس کے بعد فراق کا احتمال ہی نہیں، یوں ہی ادون و اقل تعلق برزخی ہے کہ باوصف فراق ایک اتصال معنوی ہے مگر قرآن عظیم وحدیث کریم کے نصوص قاطعہ شاہد عدل ہیں کہ اس قدر تعلق بھی بقائے انسانیت کے لیے بس ہے۔ بداہۃً معلوم کہ قبر میں تنعیم یا معاذ اللہ تعذیب جو کچھ ہے اُسی انسان ہی کے واسطے ہے جو اپنی حیاتِ دنیوی میں مومن و مطیع یا معاذ اللہ کافر و عاصی تھا، نہ یہ کہ طاعت و ایمان تو انسان نے کیے اور نعمت مل رہی ہے کسی غیر انسان کو، یا کفر و عصیان انسان سے ہوئے اور عذاب ہوتا ہو کسی غیر انسان پر، اسی طرح وہ تمام حجج واضحہ جو ابھی تفسیر کبیر سے بعد موت بقا و حیات انسان پر گزریں مع اپنے نظائر کثیرہ کی اس مدعا کی کفیل ہیں تو ثابت ہوا کہ حقیقت انسانیہ میں جو تعلق ملحوظ ہے مطلق و مرسل ہے کسی طرح کا ہو،

اما ماقال الامام ابوطاھر بعد ما اسلفنا نقلہ من انہ اذا بطلت صورۃ جسدہ بالموت وزالت عنہ المعانی بقبض روحہ لایسمی انسانا فاذا جمعت ھذہ الاشیاء الیہ بالاعادۃ ثانیا کان ھو ذٰلک الانسان بعینہ الا تری ان الجسد الفارغ من الروح والمعانی یسمی شبحا و جثۃ ولایسمی انسانا وکذٰلک الروح المجرد لایسمی انسانا[1] الخ۔

رہا وہ جو امام طاہر نے سابقاً نقل شدہ عبارت کے بعد فرمایا کہ: جب موت سے آدمی کے جسم کی صورت باطل ہوجاتی ہے اور رُوح قبض ہوجانے کی وجہ سے معانی اس سے زائل ہوجاتے ہیں تو اسے انسان نہیں کہا جاتا ـــــ پھر جب دوبارہ یہ چیزیں اس کے ساتھ جمع کردی جاتی ہیں تو بعینہٖ وہی انسان ہوجاتا ہے۔ دیکھو کہ رُوح اور معانی سے خالی جسم کو شبح اور جُثّہ، ڈھانچہ اور لاشہ کہا جاتا ہے، انسان نہیں کہا جاتا ـــــ اسی طرح مجرد رُوح کو انسان نہیں کہا جاتا الخ۔

فاقول لیس یرید رحمہ اللہ تعالٰی ان الانسان یبطل بالموت وان الذی فی البرزخ من لدن الموت

فاقول (تو میں کہتا ہوں۔ ت) امام موصوف رحمہ اللہ تعالٰی کی مراد یہ نہیں کہ انسان موت سے نیست و نابود ہوجاتا ہے اور عالم برزخ میں از دم موت

[1] الیواقیت والجواہر المبحث السادس والستون مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۵۴

الیٰ حین البعث لیس بانسان، ومعاذ اللہ ان یریدہ وھو قول اھل البدع ومصادم للقواطع وکیف یجوز ان لایکون الروح البرزخی المتصل بالبدن اتصالا فی فراق انسانا، ومعلوم قطعا ان الانسان ھوالذی کان امن وکفر واحسن وفجر و بدیھی ان غیرالانسان غیرالانسان افینعم من لم یعمل ویعذب من لم یعص واللہ تعالٰی یقول عنھم یٰویلنا من بعثنا من مرقدنا[1] فافادان المبعوثین فی الحشرھم الراقدون فی القبر ومعلوم ان المحشورین فی العقبٰی ھم الکائنون فی الدنیا فالانسان ھو فی الدور الثلث لم یزل عن انسانیۃ ولم ینسلخ عن حقیقۃ، وقال تعالٰی النار یعرضون علیھا[2] وانما اعاد الضمیر الی الناس المذکورین فھم المعروضون علی النار لاغیرھم وقال تعالٰی قتل الانسان مااکفرہ[3] الی قولہ عزوجل ثم اماتہ فاقبرہ[4] فالاقبار بعد الاماتۃ وقدارجع الکنایۃ فیہ الی

تا وقت بعث جو ہوتا ہے وہ انسان نہیں — اللہ کی پناہ کہ یہ ان کی مراد ہو — جب کہ یہ بدمذہبوں کا قول ہے اور قطعی دلائل سے متصادم ہے — اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وُہ رُوحِ برزخی انسان نہ ہو جو بدن سے فراق کے ساتھ ایک اتصال بھی رکھتی ہے — اور یہ قطعاً معلوم ہے کہ انسان وہی ہے جس سے ایمان و کفر اور نیکی و بدی کا صدور ہوا — اور بدیہی ہے کہ غیر انسان، غیر انسان ہے تو کیا انعام اُسے ہوتا ہے جس نے عمل نہ کیا، اور عذاب اُسے ہوتا ہے جس نے معصیت نہ کی؟ — حالانکہ اللہ تعالٰی ان کے متعلق بیان فرماتا ہے کہ وُہ کہیں گے: ہائے ہماری خرابی! کس نے ہماری خواب گاہ سے ہمیں اٹھایا، اس سے افادہ ہُوا کہ حشر میں جو اٹھائے جانے والے ہیں وہی قبر میں سونے والے ہیں — اور معلوم ہے کہ آخرت میں جو اٹھائے جائیں گے وہ وہی ہیں جو دنیا میں تھے — تو انسان تینوں مقامات میں وہی انسان ہے۔ کسی وقت وُہ انسانیت سے جدا اور اپنی حقیقت سے خارج نہ ہوا — اور باری تعالٰی فرماتا ہے، وُہ آگ پر پیش کیے جاتے ہیں — ضمیر ان ہی لوگوں کی طرف لوٹائی جو مذکور ہوئے تو آگ پر پیش کیے جانے والے وہی ہیں، غیر نہیں۔ اور ارشادِ باری ہے، انسان مارا جائے کتنا بڑا ناشکرا ہے (تا ارشادِ باری:) پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں رکھا — تو قبر میں رکھنا موت دینے کے بعد ہوا، اور ضمیر

---

[1] القرآن ۳۶/۵۲
[2] القرآن ۴۰/۴۶
[3] القرآن ۸۰/۱۷
[4] القرآن ۸۰/۲۱

الانسان فثبت ان المیت المقبور لیس الا انسانا،
وبالجملۃ ففی الدلائل علی ھذا کثرۃ
لامطمع فی احاطتہا۔

وانما اراد التنبیہ علی ان الانسان
لیس بمعزول اللحاظ عن شیئ من الروح و
البدن فالجسد اذا بطلت صورتہ بالموت و
زالت عنہ المعانی لخروج الروح عنہ لایسمی
ذلک الجسد الفارغ انسانا وقد کان یسمی قبلہ
عرفا لمکان الاتصال کما سیاتی وکذا الروح
المجرد من حیث ھو مجرد لا یسمی انسانا و
انما الانسان المجموع اعنی الروح الملحوظ
بلحاظ الاتصال اعم ان یکون دنیویا او
اخرویا او برزخیا ھکذا ینبغی ان یفھم ھذا
المقام واللہ سبحانہ ولی الانعام۔

اس میں بھی انسان ہی کی طرف لوٹائی تو ثابت ہوا کہ میت
جو قبر میں ہوتا ہے وہ انسان ہی ہے ـــ بالجملہ
دلائل اس بارے میں بہت ہیں جن کا احاطہ کرنے کی طمع نہیں۔

امام موصوف نے بس اس بات پر تنبیہ فرمانا چاہا ہے
کہ روح اور بدن دونوں میں کسی سے بھی انسان لحاظ میں
جُدا نہیں ـــ تو جسم کی صورت جب موت کی وجہ سے باطل
ہوجائے اور اس سے رُوح نکل جانے کے باعث معانی
اس سے زائل ہوجائیں تو اُس خالی جسم کو انسان نہیں
کہا جاتا، جبکہ اُس سے پہلے عرفًا کہا جاتا تھا کیونکہ اتصال
تھا جیسا کہ آگے آرہا ہے ـــ اسی طرح روح مجرد کو،
اس حیثیت سے کہ وہ مجرد ہے انسان نہیں کہا جاتا ـــ
انسان تو مجموعہ رُوح و بدن ہے ـــ یعنی وہ رُوح جس
کے ساتھ بدن سے اتصال کا لحاظ ملحوظ ہے خواہ وہ اتصال
دنیوی ہو یا اُخروی یا برزخی ـــ اسی طرح اس مقام کو
سمجھنا چاہیے، اور خدائے پاک ہی مالکِ انعام ہے (ت)

یہ تحقیق حقیقت و مصداق انسان میں کلام تھا، اب آیات و محاورات مذکورہ کی طرف چلئے جب انسان و روح
ہر ایک کا انسان جُداگانہ ہونا بداہۃً باطل ہوچکا، تو اب اقوال ثلاثہ سے کوئی قول لیجئے آیات و محاورات بدنیہ و روحیہ سے
ایک میں تجوز اور جامعہ میں استخدام ماننے سے گریز نہ ہوگی کما لایخفی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ نہ مفسرین ان میں کہیں استخدام مانتے ہیں

عہ بل قال بعض العلماء ان الاستخدام
بھذا المعنی لم یقع فی القراٰن العظیم
اصلا نقلہ الامام السیوطی فی الاتقان،
قال وقد استخرجت بفکری اٰیات وذکر
ثلثا الاولٰی اتٰی امر اللہ فلا تستعجلوہ

[اصطلاح بلاغت میں استخدام یہ ہے کہ کسی لفظ کے
متعدد معنی ہوں اور ایک جگہ لفظ یا اس کی ضمیر سے ایک
معنی مراد لیا جائے اور وہی دوسری جگہ ضمیر سے دوسرا
معنی مراد لیا جائے ۱۲ مترجم] بلکہ بعض علماء نے فرمایا:
استخدام اس معنی میں قرآن عظیم میں بالکل کہیں وارد نہیں،

(باقی اگلے صفحہ پر)

نہ اہلِ عرف ان میں کسی کلام کو حقیقت سے جُدا جانتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ بوجہ شدت اختلاط گویا روح و بدن شئے واحد ہیں بلکہ رُوح خفی و نظری ہے اور بدن محسوس مرئی اور اشراق شمس روح نے بدن پر حیات کی شعاعیں ڈال کر اُسے اپنے رنگ میں رنگ لیا، جس طرح دہکتے کوئلے کو کہ اُس کے ہر ذرّے میں آگ کی سرایت نے انا النار کہنے کا مستحق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

امر اللّٰہ محمد صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کما اخرج ابن مردویۃ من طریق الضحاک عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما والضمیر لہ مراد بہ قیام الساعۃ او العذاب، والثانیۃ "ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین" المراد بہ اٰدم، ثم اعاد الضمیر علیہ مراد بہ ولدہ فقال: "ثم جعلنٰہ نطفۃ"، قال وھی اظھرھا، والثالثۃ "لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم"، ثم قال قد سالھا قوم من قبلکم ای اشیاء اٰخر ھذا ملخص کلام السیوطی۔ **اقول** وقد استخرجت مثالین اٰخرین الاول قولہ عزوجل "احصنت فرجھا فنفخنا فیہ" الفرج فرج المرأۃ والضمیر للفرج بمعنی فرج الجیب علی ما علیہ المحققون والاٰخر ذکرتہ فی رسالتی الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی التی ذکرت فیھا تفسیر قولہ عزوجل وسیجنبھا الاتقی ۱۲ منہ (م)

اسے امام سیوطی نے اتقان میں نقل فرمایا وہ فرماتے ہیں میں نے اپنی فکر سے چند آیات میں استخدام نکالا ہے، تین آیتیں ذکر فرمائیں ایک (اللہ کا امر آیا تو اس کی جلدی نہ مچاؤ) اللہ کا امر محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم، جیسا کہ ابن مردویہ نے بطریق ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اس کی ضمیر سے ("جو اس کی جلدی نہ مچاؤ" میں ہے) قیام قیامت یا عذاب مراد ہے ـــ دوسری: ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ انسان سے مراد حضرت آدم ہیں۔ پھر ہم نے "اسے نطفہ کیا" یہاں انسان کی طرف راجع ضمیر "اسے" سے مراد اولادِ آدم ہے۔ فرمایا، یہ سب سے زیادہ ظاہر ہے ـــ تیسری: ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمھیں بُری لگیں۔ پھر ارشاد ہُوا تم سے پہلے کچھ لوگوں نے انھیں پوچھا ـــ یعنی کچھ دُوسری چیزوں کو پُوچھا ـــ یہ امام سیوطی کے کلام کی تلخیص ہے۔ **اقول** میں نے دو مثالیں اور نکالی ہیں اوّل، ارشادِ باری عزوجل مریم نے اپنی شرمگاہ محفوظ رکھی تو ہم نے اس میں پھونک ماری۔ شرمگاہ سے مراد شرمگاہِ زن، اور اس کی ضمیر سے مراد چاک گریبان، اس قول کی بنیاد پر جو محققین کا مختار ہے ـــ دوسری مثال میں نے اپنے رسالہ "الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی" (۱۳۱۴ھ) میں ذکر کی ہے جس میں میں نے ارشادِ باری عزوجل "وسیجنبھا الاتقی" کی تفسیر بیان کی ہے۔ (ت)

کردیا اب اُسے آگ ہی کہا جاتا ہے، یونہی جسم کو انا الانسان کا دعوٰی پہنچتا ہے۔ ہم سنتا، دیکھتا، بولتا، چلتا پھرتا، کام کرتا بدن ہی دیکھتے ہیں حالانکہ مدرک و فاعل روح ہے اور بدن آلہ۔ لہٰذا بدن پر اطلاق انسان حقیقتِ عرفیہ قرار پایا اور وُہی تمام صفات و افعال کا منسوب الیہ ٹھہرا اور قرآنِ عظیم بھی مطابقت عرف پر اترا، قال تعالیٰ انہ لحق مثل ما انکم تنطقون[1] باری تعالٰی فرماتا ہے: بے شک وُہ حق ہے اسی کے مثل جو تم بولتے ہو۔ (ت)

اب نہ تجوز ہے نہ استخدام، نظیر اس کی "رؤیتِ زید" ہے، "زید را دیدم"، "زید کو دیکھا"، حالانکہ زید اگرچہ اس سے بدن ہی مراد لیجئے ہرگز ہمیں مرئی نہیں، مرئی صرف رنگ و سطح بالائی ہے اور وُہ قطعاً نہ روح زید ہے نہ بدن، مگر شدتِ اتصال کے باعث اُسے رؤیتِ زید کہتے ہیں اور ہرگز اس میں تجوز و مخالفتِ حقیقت کا توہم بھی نہیں کرتے، یہاں تک کہ اگر کوئی زید کے رنگ و سطح کو یونہی دیکھے اور قسم کھائے "میں نے زید کو نہ دیکھا" قطعاً کاذب سمجھا جائے گا۔ لاجرم تفسیر کبیر میں رُوح کے غیر جسم ہونے پر کلام واسع و مشبع لکھ کر فرماتے ہیں:

اعلموا ان اکثر العارفین المکاشفین من اصحاب الریاضات وارباب المکاشفات والمشاھدات مصرون علٰی ھذا القول جازمون بھذا المذھب، واحتج المنکرون بقولہ تعالٰی من ای شیئ خلقہ من نطفۃ خلقہ ھذا تصریح بان الانسان مخلوق من النطفۃ وانہ یموت ویدخل القبر ولولم یکن عبارۃ عن ھذہ الجثۃ لم تکن الاحوال المذکورۃ صحیحۃ والجواب انہ لما کان الانسان فی العرف والظاہر عبارۃ عن ھذہ الجثۃ اطلق علیہ اسم الانسان فی العرف[2] اھ مختصراً

معلوم ہو کہ اہلِ ریاضت اور اربابِ کشف و مشاہدہ میں سے اکثر عرفاء مکاشفین اس قول پر اصرار اور اس مذہب پر جزم رکھتے ہیں۔ اور منکرین نے باری تعالٰی کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے اسے کس چیز سے پیدا کیا نطفہ سے۔ یہ اس بات کی تصریح ہے کہ انسان نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے اور وہی مرنے والا اور قبر میں جانے والا ہے۔ اگر انسان جسم و جُثّہ سے عبارت نہ ہو تو مذکورہ احوال صحیح نہ ہوں گے، جواب یہ ہے کہ عرف اور ظاہر میں انسان اس بدن سے عبارت تھا تو عرفاً اس پر لفظِ انسان کا اطلاق ہوا (ختم باختصار)

؎ عرف تو عرف اس شدتِ اختلاط و عدم تمایز بحد اتحاد نے سفہائے فلاسفہ کو دھوکا دیا جو ہمیشہ تدقیق کے نام پر جان دیتے اور فضول تعمقات کو تحقیق جانتے ہیں، وہ بھی کہاں، خاص مقام تحدید میں انسان کی تعریف کر بیٹھے حیوان ناطق، حالانکہ حیوانیت بدن کے لیے ہے کہ وہی جسم نامی ہے اور ناطق و مدرک رُوح، بلکہ خود حیوان ہی کی تعریف میں غلط ہے، جسم نامی متحرک بدن ہے اور حساس و مدید رُوح ۱۲ منہ (م)

---

[1] القرآن ۵۱ / ۲۳

[2] تفسیر کبیر زیر آیۃ یسئلونک عن الروح مطبعۃ بہیۃ مصریہ بمیدان الجامع الازہر مصر ۲۱ / ۵۳-۵۲

اقول وھذا الجواب احسن مما قدم قبلہ حیث قال فان قالوا ھذہ الاٰیۃ حجۃ علیکم لانہ تعالٰی قال "ولقد خلقنا الانسان من سلٰلۃ من طین) وکلمۃ من للتبعیض وھذا یدل علی ان الانسان بعض من ابعاض الطین قلنا کلمۃ "من" اصلھا لابتداء الغایۃ کقولک خرجت من البصرۃ الی الکوفۃ فقولہ تعالٰی ولقد خلقنا الانسان من سلٰلۃ من طین، یقتضی ان یکون ابتداء تخلیق الانسان حاصلا من ھذہ السلالۃ و نحن نقول بموجبہ لانہ تعالٰی یسوی المزاج اولا ثم ینفخ فیہ الروح فیکون ابتداء تخلیقہ من السلالۃ اھ[1] **قلت** وقد یستأنس لہ بقولہ تعالٰی وبدأ خلق الانسان من طین[2]، فافھم.

اقول یہ جواب اُس سے بہتر ہے جو اس سے پہلے ذکر فرمایا ہے کہ اگر وُہ کہیں کہ یہ آیت تمھارے خلاف حجت ہے اس لیے کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ایک خلاصہ سے، جو مٹی سے ہے۔ کلمہ مِنْ (سے) تبعیض کے لیے ہے۔ اور یہ بتاتا ہے کہ انسان مٹی کا ایک جُز اور بعض ہے —— ہم جواب دیں گے کہ کلمہ مِنْ کی اصل ابتدائے غایت کے لیے ہے جیسے تم کہتے ہو میں بصرہ سے کوفہ گیا، تو ارشادِ باری (ہم نے انسان کو پیدا کیا ایک خلاصہ سے جو مٹی سے ہے) اس کا مقتضی ہے کہ تخلیقِ انسان کی ابتداء اِس خلاصے سے ہو اور ہم اس کے مقتضا کے قائل ہیں اس لئے کہ اللہ تعالٰی پہلے مزاج استوار فرماتا ہے پھر اس میں رُوح پھونکتا ہے تو تخلیقِ انسان کی ابتداء خلاصہ سے ہوتی ہے (ختم) **قلت** اس جواب کے لیے اس ارشاد سے استیناس ہوتا ہے، اور انسان کی تخلیق مٹی سے شروع فرمائی، تو اسے سمجھو۔ (ت)

بالجملہ خلاصہ مبحث یہ ہُوا کہ اطلاقِ انسان کے لیے دو حقیقتیں ہیں: ایک[1] حقیقتِ اصلیہ دقیقہ یعنی روح متعلق بالبدن اگرچہ بتعلق برزخی، دوم[2] حقیقتِ مشہورہ عرفیہ یعنی بدن، اور اکثر متکلمین کے زعم میں یہی حقیقت اصلیہ ہے، اور اگر غرابتِ فن سے قطع نظر کرکے اُن کا کلام انسانِ عرفی پر محمول کریں تو وہ بھی صحیح

مقدمہ سادسہ: اقول صفاتِ بدن دو قسم ہیں، اصلیہ[1] کہ خود بدن کے لیے حاصل، اور تبعیہ[2] کہ حقیقۃً صفاتِ رُوح ہیں، اور بوجہ اتحادِ مذکور بدن کی طرف منسوب، جیسے علم و سمع و بصر و ارادہ و فاعلیت افعال اختیاریہ وغیرہا، عرف میں اگرچہ انسان نامِ بدن ٹھہرا مگر صفاتِ تبعیہ کی اس کی طرف اضافت مشروط بشرطِ حیات ہے، بعد موت بے عودِ حیات بدنِ خالی کو عرفاً لغۃً کسی طرح سمیع و بصیر مرید فاعل عاقل نہیں کہتے کہ یہ نسبتیں اسی اتصال سُریانی پر مبنی تھیں جس نے روح و بدن کو عرفاً امرِ وحدانی کردیا تھا، جب وُہ مسلوب ہُوا کشف محجوب ہُوا، صفات تبعیہ حق بہ حقدار رسید ہو کر اپنے مرکز کو گئیں اور اس تودہ خاک کو اپنی اصلی حالتیں ظاہر ہُوئیں، نظراس کی وہی

---

[1] تفسیر کبیر زیرآیہ ویسئلونک عن الروح مطبعۃ بہیۃ مصریۃ بمیدان الجامع الازہر ۲۱/۵۱
[2] القرآن ۳۲/۷

صحبتِ آتش وانگشت ہے، کوئلہ کالا ٹھنڈا تاریک تھا اور نار دخانی گرم وسُرخ وروشن، جب تک آگ کی سرایت سے دہک رہا تھا اس کے نیچے اپنے عیوب چھپے ہُوئے تھے آگ ہی کے اوصاف سے موصوف ہو تا جب آگ جدا ہو ہر آن ہُوئی اصل حقیقت عیاں ہُوئی تو ایمان اگرچہ عرف پر مبنی ہیں اور عرفاً انسان خواہ بلفظ انسان و بشر و آدمی تعبیر کیا جائے یا اعلام وضمائر و اسمائے اشارہ سے اُس کا معبر عنہ یہی بدن ہوتا ہے مگر بنظرِ تقسیم مذکور امور محلوف علیہا کی طرف نظر ضرور، اگر صفات اصلیہ پر مقصور ہو، جیسے اٹھانا، بٹھانا، نہلانا وغیرہا تو کچھ حالت حیات کی تخصیص نہ ہوگی کہ نفس بدن ان کا صالح ہے اور اگر صفات تبعیہ پر موقوف ہو جیسے خطاب واعلام وافہام وکلام، تو ضرورۃً متقید بحالِ حیات رہے گا کہ بغیر ان کے بدن ان کا صالح نہیں۔ بالجملہ انسان کا عرفاً بدن میں حقیقت ہونا اور معنی حقیقی عرفی میں استعمال کیا جانا زنہار اسے مقتضی نہیں کہ وہ کلام بدن کی ہر حالت کو مشتمل رہے یا بعض احوال پر اقتصار کے باعث حقیقتِ عرفیہ سے منسلخ ہو کر کسی اور معنی پر محمول ہے بلکہ وہی مراد ہو کر بات جس حال کے قابل ہوگی اسی قدر کو شامل ہوگی مثلاً اگر کہئے زید نے کوئلے سے بدن جلا لیا تو قطعاً اس سے وہی دہکتا ہُوا کوئلہ مراد ہوگا کہ جلانے کی صلاحیت اسی میں ہے اس سے نہ یہ لازم کہ مطلق کوئلہ اس سے مفہوم ہو نہ یہ کہ کوئلہ اپنے معنی حقیقی سے محروم ہو وھذا کلہ ظاھر جدا (اور یہ سب بہت واضح ہے۔ ت) بحمد اللہ تعالٰی یہ معنی ہیں اُس ضابطے کے جو علماء نے یہاں ارشاد فرمایا اور تنویر الابصار و درمختار و شروح کنز وغیرہا میں مذکور ہُوا کہ :

ماشارك الميت فيه الحي يقع اليمين فيه على الحالتين، وما اختص بحالة الحياة تقيد بها۔[1]

جس امر میں میّت زندہ کا شریک ہو اس میں قسم دونوں حالتوں پر واقع ہوگی اور جو حالتِ حیات سے خاص ہو اس میں قسم حالتِ زیست سے مقید رہے گی۔ (ت)

مقدمہ سابعہ : اقول مناظرات میں وقت واطالت کہ راہ پاتی ہے بیشتر اصل مقصد و مورد نزاع سے غفلت کے باعث منہ دکھاتی ہے، فریقین اس کے پابند رہیں، یہ تو معلوم کہ اہل باطل کو اکثر اصل مطلب سے فرار ہی میں مفر، مگر اہلِ حق پر اس کا خیال لازم، ہر وقت پیشِ نظر رکھیں کہ بحث کیا تھی اور چلے کدھر، اس میں باذن اللہ تعالٰی تخفیف مؤنت اور مخالف کے عجز وسکوت جلد ظاہر ہونے پر معونت ہوتی ہے، اس مسئلہ دائرہ سماعِ موتی میں مقصود اہلسنت کچھ اس پر موقوف نہیں کہ تمام اموات کے بدن ہی قبر میں ہمیشہ زندہ رہیں، زائروں کے سلام وکلام وہ اُنھی کانوں کے ذریعہ سے سنیں، ہوائے متموج متکیف بالصوت انھی کے پٹھوں کو کرے، اسی طریقے پر سماع ہو۔ یونہی رویت عامہ اموات میں، ہماری اس سے کوئی غرض متعلق نہیں کہ وہ انھی آنکھوں سے

---

[1] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱۱

دیکھے، انھی سے خروج شعاع یا انھیں کے لوح میں صورت کا انطباع ہو، یہ نہ واقع ہے نہ ہمارا دعوٰی کو اس پر توقف۔ آخر اہلسنت کے نزدیک جس طرح ابھی کا مُردہ سُنتا دیکھتا ہے یُونہی برسوں کا، جبکہ کان آنکھ جسم کا کوئی ذرہ سلامت نہ رہا سب خاک وغبار ہو کر مٹی میں مل گیا، جس طرح مسلمان قبر میں سُنتا ہے یُونہی ہندو کا فر مرگھٹ میں جس وقت اس کے کان آنکھ کو آگ دیتے ہیں وہ اُن آگ دینے والوں کو دیکھتا اُن کی باتیں سُنتا اُس آگ کی اذیت کا احساس کرتا ہے، آنکھ کان اعضا کو جلتا دیکھتا اُن پر آگ بھڑکنے کی آواز سُنتا ہے اور جب جل بُجھ کر راکھ ہو جاتے ہیں جب بھی دیکھتا سُنتا ہے جو سلام وکلام مدفونِ امروزہ کے لیے شرع مطہر میں ہے وہی مدفونِ ہزار سالہ کے واسطے، دونوں سے وہی کہا جائیگا کہ "سلام تم پر اے ایمان والو! اللہ تعالٰی تمہیں اور ہمیں بخشے، تم ہمارے اگلے ہو اور ہم تمہارے پچھلے، خدا چاہے تو ہم تم سے ملنے والے ہیں۔" حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اُن صحابی اعرابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جب یہ حکم دیا ہے کہ "جہاں کسی کافر کی قبر پر گزرو اُسے دوزخ جانے کا مژدہ دو" تو ارشادِ اقدس میں تخصیص تازہ مرے ہوئے کی نہ تھی بلکہ صاف تعمیم تھی اور تعمیم ہی پر اُن صحابی نے کاربندی کی، غرض دلائل مطلق ہیں اور عقیدہ مطلق اور آلاتِ جسمانیہ کی تخصیص ناحق، ہمیں اتنی بات سے کام ہے کہ مُردے زندوں کی طرح صورت وصوت کا ادراک کرتے ہیں، اور اوپر روشن ہو چکا کہ ادراک کا روح ہے اور رُوح نہ موت سے مرتی ہے نہ متغیر ہوتی ہے، مگر اس پر بھی لفظِ میت کا اطلاق آتا ہے ہم انھیں ارواح موتٰی کے سماع و ابصار کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اسی کو اموات کا دیکھنا سُننا کہتے ہیں، اس سے کچھ غرض نہیں کہ وہاں بھی ذرائع و آلات یہی ہوں یا غیر۔ فصل پانزدہم میں امام شیخ الاسلام خاتمۃ المجتہدین تقی الملۃ والدین ابوالحسن علی سبکی قدس سرہ الملکی کا ارشاد گزرا کہ ہم نہیں کہتے کہ مُردہ بدن سُنتا ہے بلکہ رُوح سُنتی ہے خواہ تنہا جبکہ بدن مُردہ رہے یا جسم سے مل کر جبکہ حیات جانبِ جسم عود کرے، آخر اس قدر سے حضرات منکرین بھی منکر نہیں کہ اموات جنت ونار و ملائکہ ثواب وعذاب کو دیکھتے، ان کی بات سُنتے سمجھتے، قیامت کے آنے نہ آنے کی دُعائیں کرتے ہیں، تو اس کی تسلیم انھیں بھی ضرور کہ دیکھنا سُننا بولنا انھیں آلاتِ جسمانیہ پر غیر مقصور۔

قال المولٰی تبارك و تعالٰی النار یعرضون علیها غدوًا و عشیًا ویوم تقوم الساعة ادخلوا اٰل فرعون اشد العذاب[1]

مولٰی تبارک وتعالٰی کا ارشاد ہے: وُہ صبح وشام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں اور قیامت کے دن فرعون والوں کو زیادہ سخت عذاب میں ڈالیں گے۔ (ت)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن ۴۰/۴۶

ان ارواح اٰل فرعون فی اجواف طیر سود یعرضون علی النار کل یوم مرتین تغدو وتروح الی النار فیقال یاٰل فرعون ھذہ ماؤکم حتی تقوم الساعۃ[1]

فرعونیوں کی روحیں سیاہ پرندوں کے پیٹ میں ڈال کر انھیں روزانہ دو بار نار پر پیش کیا جاتا ہے۔ صبح کو اور شام کو نار کی طرف جاتی ہیں تو کہا جاتا ہے اے فرعون والو! یہ تمہارا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔ (ت)

فرعون اور فرعونیوں کو ڈوبے ہُوئے کئی ہزار برس ہوئے ہر روز صبح و شام دو وقت آگ پر پیش کیے جاتے ہیں، جہنم جھنکا کر اُن سے کہا جاتا ہے یہ تمہارا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ قیامت آئے، اور ایک انھیں پر کیا موقوف ہر مومن و کافر کو یُونہی صبح و شام جنت و نار دکھاتے اور یہی کلام سناتے ہیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم و موطائے امام مالک و جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مات احدکم عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی ان کان من اھل الجنۃ فمن اھل الجنۃ وان کان من اھل النار فمن اھل النار یقال لہ ھذا مقعدک حتی یبعثک اللہ الٰی یوم القیامۃ[2]۔

جب تم میں سے کوئی مرتا ہے اس پر اس کا ٹھکانا صبح و شام پیش کیا جاتا ہے، اگر اہلِ جنت سے تھا تو اہل جنت کا مقام اور اہلِ نار سے تھا تو اہلِ نار کا مقام دکھایا جاتا ہے، اس سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ خدا تجھ کو روزِ قیامت اس کی طرف بھیجے۔ (ت)

یُونہی اموات کی باہم ملاقات، آپس کی گفتگو، قبر کا اُن سے باتیں کرنا، اُن کی حدِ نگاہ تک کشادہ ہونا، احیاء کے اعمال انھیں سنائے جانا، اپنے حسنات و سیئات اور گاؤماہی کا تماشا دیکھنا وغیرہ وغیرہ امورِ کثیرہ جن کی طرف صدر مقصد دوم میں اشارہ گزرا، جن کے بیان میں دس بیس نہیں صدہا حدیثیں وارد ہُوئیں ان مطالب پر شاہد ہیں جس طریقے سے وہ ان چیزوں اور آوازوں کو دیکھتے سُنتے ہیں اور قیامت تک جسموں کے گلنے، خاک میں ملنے کے بعد بھی دیکھیں سُنیں گے؛ یُونہی زائروں، قبروں کے سامنے گزرنے والوں اور اُن کے کلام کو۔ طرفہ یہ کہ مولوی اسحاق صاحب نے بھی جواب وسوال ۱۹ میں تسلیم کیا مُردے زندوں کا سلام سُنتے ہیں۔ حضرت! جن کانوں سے سلام سنتے ہیں اُنہی سے کلام، یہ تو ہماری طرف سے کلام تھا، اب جانبِ منکرین نظر کیجئے، ان کا انکار بھی قطعاً عام ہے، صرف آلاتِ جسمانیہ سے خاص نہیں۔ کاش! وہ ایمان لے آئیں کہ اموات اصوات کا ادراک تام کرتے ہیں مگر نہ گوشِ بدن

---

[1] الدر المنثور فی التفسیر بالماثور تحت آیۃ مذکورہ مکتبۃ آیۃ اللہ ایران ۵/۵۲-۳۵۱

[2] موطا امام مالک جامع الجنائز میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۱

تو جھگڑا ہی کیا ہے۔ ابھی اتفاق ہوگیا۔ اہلِ سنّت بھی تو اسی قدر فرماتے ہیں، گوش و گوشت کی تخصیص کب بتاتے ہیں مگر حاشا وُہ کب اس راہ آتے ہیں، انھیں تو اولیائے مدفونین کی ندا حرام کرنی ہے، اُن محبوبانِ خدا سے طلبِ دُعا حرام کرنی ہے، وہ کس دل سے سُننا مان لیں اگرچہ بے ذریعہ گوش دیکھنا تسلیم کرلیں گے گو بے واسطۂ چشم۔ انھیں تو مولوی مجیب صاحب کی طرح یہ کہنا ہے کہ جب درمیان زائر و مقبور کے حجب عدیدہ[ع] سمع و بصر حائل تو سماع اصوات اور بصارت صورِ محال، یہ تحریرِ محلِ نزاع ہے جس کا سمجھ لینا مزیلِ اشکال،

الحمد للہ المھیمن المتعال وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد و اٰلہ وصحبہ خیر صحب و اٰل۔

تمام تعریف خدائے نگہبان برتر کے لیے ہے، اور اللہ تعالٰی ہمارے آقا حضرت محمد اور ان کی آل و اصحاب پر جو بہترین آل و اصحاب ہیں درود نازل فرمائے (ت)

بحمد اللہ تقریرِ مقدمات سے فراغ پایا، تحریرِ جوابات کا وقت آیا جو امر جس مقدمے میں ثابت کیا گیا جواب میں اس پر علامت مق لکھ کر شمار مقدمہ کا ہندسہ لکھ دیں یا دہانی ثبت ہوگا کہ ہر جگہ بحکم مقدمہ فلان یا دیکھو مقدمہ فلاں لکھنے کی حاجت نہ ہو۔

فاقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (اللہ تعالٰی کی توفیق و مدد سے ذروۂ تحقیق تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ت)

جوابِ اوّل : ائمۂ اہلسنت رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماعی عقیدہ کہ مُردے سُنتے ہیں قطعاً حق ہے، اور کیوں نہ حق ہو کہ وُہ اہلِ سنّت ہیں، حق انھیں میں منحصر ہے اور اس کے معنی یہ کہ مردگان (کہ اُن پر بھی اطلاقِ[مق۱] مردہ و میت کیا جاتا ہے اور خود وُہ اور اُن کے ادراکات باقی و مستمر و بحال و نا متغیر ہیں) بعد فراق بھی بدستور ادراکِ اصوات و کلام کرتے ہیں اور ان مشائخ و شراحِ اہلسنت و فلاح رحمہم اللہ تعالٰی کا بیان کہ "مُردے نہیں سنتے" بے شک صحیح ہے، اور کیوں نہ صحیح ہو کہ وُہ اہلِ فقاہت ہیں، اُن کا فضل و کمال ظاہر و باہر ہے۔ اور اس کے معنی یہ کہ جو چیز مر گئی یعنی بدن کہ حقیقۃً[مق۱] وہی مُردہ ہے سمع سے معزول ہے آلیت[مق۲] و توسط و تادیۂ صور کے لائق نہیں، دونوں کلام صراحۃً سچ ہیں اور آپس میں اصلاً مخالف، نہ کوئی حرف مفید مخالف۔ بحمد اللہ تعالٰی اس معنی نفیس کا بروجہ احتمال ہی بیان کرنا ہمیں بس تھا، مخالف عباراتِ علماء سے مستدل، اور ان کے منکرِ سماع ہونے کا مدعی ہے اور احتمال قاطع استدلال، پھر سند کے لیے نظرِ انصاف میں متعدد دلیلیں موجود، مثلاً :

دلیل ۱ : جب ائمۂ دین و علمائے معتمدین سے ہزار در ہزار قاہر تصریحیں سماعِ موتٰی کے باب میں موجود اور بتصریح

عہ کہ بقالوں مناظرہ شواہد نقض تفصیل ہیں ۱۲ منہ (م)

علماء حتی الامکان کلماتِ ائمہ میں توفیق وتطبیق محمود و مقصود، اور بے ضرورت داعیہ ابقائے خلاف ونزاع جس کے باعث خواہی نخواہی ایک گروہ ائمہ کا کلام غلط و باطل ٹھہرے مطرود و مردود۔ اور یہ توفیق کہ بتوفیقِ الٰہی ہم نے ذکر کی واضح وصریح اور تخالف مفقود، تو لاجرم اسی کی طرف مصیر لازم اور راہِ خلاف بند ومسدود۔

دلیل ۲: خلاف وتطبیق درکنار ثقات علماء اثباتِ سماعِ موتٰی پر اجماعِ اہلسنت نقل فرماچکے، کیا معاذ اللہ انھیں جزاف وکذب کی طرف نسبت کرسکتے ہیں یا اکثر مشائخ حنفیہ عیاذًا باللہ ایسے بے مقدار و ناقابلِ شمار کہ ان کے خلاف کو لاشیئ ٹھہراکر علماء ادعائے اجماع رکھتے ہیں، لاجرم سبیل یہی ہے کہ باہم خلاف ہی نہیں اجماع نسبت ارواح ہے اور قولِ مشائخ نسبتِ اشباح۔

دلیل ۳: جب احادیث کثیرہ وافرہ صریحہ متواترہ سماعِ موتٰی پر بے تخصیص وتقیید وقت ایسی ناطق جن میں ذی انصاف و دین کو مجالِ تاویل وتبدیل نہیں تو کیا مقتضائے حق شناسی حضرات مشائخ ہے کہ اپنی بات بنانے کیلئے خواہ مخواہ اُن کا کلام مخالفِ احادیثِ سیدالانام علیہ وعلٰی آلہ الصلوٰۃ والسلام ٹھہرائے اور وہ بھی کس جرأت کے ساتھ کہ خاص اخبار متعلقہ بغیب وبرزخ کا مقام اور خود ارشاداتِ صریحہ نبی لاریب امین الغیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف کلام وان ھذا الابلاء لایحتمل وعناءٌ لا یرم (یہ ایسی بلاء ہے جو اٹھنے والی نہیں اور ایسی تکلیف جو ٹلنے والی نہیں۔ ت)

رہا وہابی قنوج رفو خواہ مایۂ مسائل صاحبِ تفہیم المسائل کا تعصب کہ:

آنچہ از ملا علی قاری وشیخ عبدالحق آوردہ ہمہ با ز شرح صدور نقل می کنند ومایۂ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی کتب احادیث طبقہ رابعہ است و ایں احادیث قابلِ اعتماد نیستند[1]۔	جو کچھ ملا علی اور شیخ عبدالحق سے نقل کیا ہے سب شرح صدور سے ناقل ہیں اور شیخ جلال الدین سیوطی کی کتابوں کا سرمایہ طبقۂ رابعہ کی احادیث ہیں اور یہ حدیثیں قابلِ اعتماد نہیں۔ (ت)

اقول اوّلاً شدتِ تعصب نے صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث جلیلہ کو شاید دیکھنے نہ دیا، اُن پر بھی طبقہ رابعہ کا حکم ہوگیا۔ کیا علی قاری وشیخ محقق نے اُن سے استناد نہ کیا یا آپ نے اُن کے کلاموں کا جواب دے لیا، شرم شرم شرم! ہاں مجھی کو سہو ہوا جواب کیوں نہ دیا، وُہ دیا کہ عقل وحیا دیانت سب کو جواب دیا۔ آخر کلام میں اُسے بھی سُن لیجیے۔

ثانیاً یہاں اُن کے علاوہ اور حدیثیں بھی تھیں کہ ائمہ فن نے جن کی تصحیحیں کیں، زیادہ علم نہ تھا تو

---

[1] تفہیم المسائل   عدمِ سماعِ موتٰی از کتبِ حنفیہ   مطبع محمدی لاہور   ص ۸۳

اپنے خصم ہی کا کلام دیکھا ہوتا، مولانا علی قاری کی عبارت نقل کی تھی:

هذه المسائل کلها ذکرها السیوطی فی کتابه شرح الصدور فی احوال القبور بالاخبار الصحیحة والاثار الصریحة۔

یعنی یہ سب مسائل امام سیوطی نے شرح الصدور میں صحیح حدیثوں صریح روایتوں سے بیان کیے۔

شیخ محقق کی عبارت منقول تھی:

بالجملہ کتاب وسنت مملوو مشحون اند باخبار واحادیث کہ دلالت مے کند بر وجود علم مرموتی را بدنیا واہل آں پس منکر نہ شود آں را مگر جاہل باخبار و منکر دین[1]۔

بالجملہ کتاب وسنت ایسی اخبار واحادیث سے لبریز ہیں جن میں دلیل ہے کہ مُردوں کو دُنیا و اہلِ دنیا سے متعلق علم ہوتا ہے، تو اس کا منکر وہی ہوگا جو احادیث سے جاہل اور دین کا منکر ہو۔ (ت)

ثالثًا کیا مولانا قاری و شیخ محقق نے احادیثِ سلام وحدیثِ ترمذی عن ام المومنین در بارۂ خطاب بمیت وغیرہا سے استدلال نہ کیا تھا' یا یہ سب بھی طبقۂ رابعہ میں داخل اور ان پر اعتماد مردود و باطل۔

رابعًا کتبِ سیوطی میں جو کچھ ہے کیا سب طبقۂ رابعہ سے ہوتا ہے یا یہاں خاص ایسا ہے؟ اور جب دونوں باتیں بداہۃً باطل، تو طبقۂ رابعہ کا ذکر مہمل ولاطائل۔

خامسًا احادیث طبقۂ رابعہ جس طرح تصانیف امام ممدوح میں مذکور ہوئی ہیں یونہی عامہ ائمہ کی تالیف میں۔ اور خود یہ بلکہ ان سے نازل تر کی احادیث و روایات حجۃ اللہ البالغہ و قرۃ العینین و ازالۃ الخفاء و تفسیر عزیزی و تحفہ اثنا عشریہ وغیرہا تصانیفِ ہر دو شاہ صاحب میں کہ یہی اس تقسیم طبقات کے موجد و قائل ہیں تو دہ تو دہ بھری ہیں۔

سادسًا لطف یہ کہ خود انہی شاہ عبدالعزیز صاحب نے خود اسی مسئلہ سماعِ موتٰی میں خود انہی احادیث سے استناد کیا، اسی طرح شرح الصدور شریف کا حوالہ دیا کہ:

تفصیل آں دفتر طویل مے خواہد در کتاب شرح الصدور فی احوال الموتٰی والقبور کہ تصنیف شیخ جلال الدین سیوطی است و دیگر کتب حدیث باید دید[2]۔

اس کی تفصیل ایک طویل دفتر کی طالب ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی کی تصنیف شرح الصدور فی احوال الموتٰی والقبور اور دوسری کتب حدیث دیکھنا چاہئے۔ (ت)

---

[1] اشعۃ اللمعات باب حکم الاسراء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۴۰۱

[2] فتاوٰی عزیزی مکتوب در حال ہمراہیان حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۸

سابعًا یہ سب تمہارے فہم کے لائق کلام تھا، اگر طبقات کے بارے میں تحقیق حق ناصع درکار ہو تو فقیر کا رسالہ مدارج طبقات الحدیث دیکھئے کہ بعونہٖ تعالیٰ آنکھیں کھلیں اور حق کے دریا لہراتے ملیں، مکابرہ قنوجی اب وُہ جواب سُنئے جو مُلّا تفہیمی صاحب نے صحیح حدیثوں اور ائمہ علماء کی تمام تحقیقوں کا دو حرف میں دے دیا۔ یہی شگوفہ طبقہ رابعہ چھوڑ کر فرماتے ہیں:

علاوہ بریں از تفسیر ابن عباس کہ شیخ جلال الدین سیوطی ذکر آں در دُر منثور کردہ صریح عدم سماعِ موتٰی مستفاد است[1]

علاوہ ازیں تفسیر ابن عباس سے ــــ جس کا ذکر شیخ جلال الدین سیوطی نے دُر منثور میں کیا ہے: مُردوں کا نہ سُننا صاف طور پر مستفاد ہے۔ (ت)

پھر وہ تفسیر بحوالہ ابوجہل سدی بن سہل الجنید النیشاپوری[عہ] بطریق عبدالقادر عن ابی صالح عن ابن عباس یہ نقل کی کہ جب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قلیب بدر پر اُن کافروں کی لاشوں سے کلام کیا اور فرمایا: تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ فانزل اللہ تعالٰی انك لا تسمع الموتٰی وما انت بمسمع من فی القبور۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیتیں اتاریں، پھر خود اس روایت کی نسبت کہا نص است بر آنکہ موتٰی را سماع نیست[2] (یہ اس پر نص ہے کہ مُردے نہیں سُنتے۔ ت)

اقول اوّلاً صحاح جلیلہ مشہورہ بخاری و مسلم کے مقابل ایسی شواذ غریبہ و نوادر مجہولہ اجزائے خاملہ ذکر کرتے شرم نہ آئی، اور ایک کتاب میں رطب و یابس، مقبول و مردود جو ملے محض جمع کر دینا مقصود ہو دوسری جگہ استدلال و تفریع و تحقیق و تنقیح موجود ہو ان میں فرق کی تمیز بناتی۔

ثانیًا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو مؤکد بقسم کرکے والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم[3] قسم ہے اس کی جس کے دستِ قدرت میں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جان پاک ہے میں جو فرما رہا ہوں اُسے تم ان سے کچھ زیادہ نہیں سنتے۔ اور تُو ان آیتوں کو اُس کے خلاف پر

عہ در نسخہ مطبوعہ تفہیم المسائل ہمچنیں است و صحیح الجنید نیشاپوری است فلیتنبہ ۱۲ منہ (م)

تفہیم المسائل کے مطبوعہ نسخہ میں اس طرح ہے اور صحیح "الجنید نیشاپوری" ہے، اسے یاد رکھنا چاہئے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تفہیم المسائل | عدمِ سماعِ موتٰی از کتبِ حنفیہ | مطبع محمدی لاہور | ص ۸۳
[2] " " | " " | " " | ص ۸۸
[3] صحیح بخاری | باب قتلِ ابی جہل | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۲/۵۶۶

اُترنا مانے۔ کیا معاذ اللہ قرآن عظیم اپنے رسول کی قسم کی تکذیب کے لیے اُترا؟ ایسا لکھتے اللہ و رسول سے کچھ حیا نہ آئی۔ ام المومنین نے جب حدیث کو مخالف آیت گمان کیا راوی کی طرف وہم وسہو نسبت فرمایا تو نے تو اس ایک حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یوں فرمانا اور قرآن عظیم کا معاذ اللہ اُس خبر کی تغلیط میں آنا مانا۔

ثالثاً لطف یہ کہ یہ آیتیں تین سورتوں میں واقع ہوئیں، نمل، ملائکہ، روم۔ تینوں مکیہ ہیں کہ قبلِ ہجرت نازل ہوئیں اور واقعۂ بدر ہجرت کے بعد ہے، کیا آیتیں پیشگی اُتر آئی تھیں؟ علماء نے ان آیات کو نہ مستثنیات من المکیات میں شمار فرمایا نہ مستثنیات فی النزول میں۔

رابعاً دیکھئے سباق وسیاق آیات صراحۃً کلام کفار احیاء میں ہے کہ سخن حق نہیں سنتے، نہیں مانتے، نہ کافروں کی لاشوں میں۔ سورۂ روم میں فرماتا ہے:

ولئن ارسلنا ریحا فرأوہ مصفرا لظلوا من بعدہ یکفرون ۵ فانک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین ۵ وما انت بھادی العمی عن ضلٰلتھم ان تسمع الا من یؤمن باٰیٰتنا فھم مسلمون ۵[1]

اگر ہم ہوا بھیجیں جس سے وہ کھیتی کو زرد دیکھیں تو ضرور اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں، بیشک تم مُردوں کو نہ سناؤ گے اور نہ بہروں کو پکار سناؤ گے جب وہ پیٹھ دے کر پھریں، اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ پر لانے والے ہو، تم ان ہی کو سناؤ گے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں پھر وہ فرمانبردار ہوں۔ (ت)

بعینہٖ اسی طرح انک لا تسمع الموتی سے آخر تک سورۂ نمل میں ہے۔ سورۂ فاطر میں ہے:

انما تنذر الذین یخشون ربھم بالغیب واقاموا الصلوٰۃ ومن تزکی فانما یتزکی لنفسہ والی اللہ المصیر ۵ وما یستوی الاعمی والبصیر ولا الظلمٰت ولا النور ولا الظل ولا الحرور وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور ان انت الا نذیر ۵[2]

بیشک تمہارا ڈر سنانا ان ہی کو کام دیتا ہے جو اپنے رب سے بے دیکھے ڈریں اور نماز قائم کریں، اور جو ستھرا ہو تو وہ اپنے نفع ہی کے لیے ستھرا ہوگا اور اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے، اور برابر نہیں نابینا اور بینا، نہ ہی تاریکیاں اور روشنی، نہ ہی سایہ اور تیز دھوپ، اور برابر نہیں زندے اور مُردے۔ بیشک اللہ جسے چاہتا ہے سناتا ہے، اور تم انھیں سنانے والے نہیں جو قبروں میں پڑے ہیں، تم تو صرف ڈر سنانے والے ہو۔ (ت)

---

[1] القرآن ۳۰/۵۱ تا ۵۳ و ۲۷/۸۱ و ۸۲

[2] القرآن ۳۵/۱۸ تا ۲۳

ایمان سے کہنا ان آیتوں میں یہی بیان ہے کہ کافروں کی لاشوں پر کیوں پکار رہے ہو وہ مرنے کے بعد کیا سنیں گے۔

خامسًا قطع نظر اس سے کہ اگر اس واقعہ میں اس افادے کے لیے یہ کلام پاک اُترتا تو فاطر والی آیت یا نمل و روم میں کی ایک کافی تھی، انك لا تسمع جُدا اور ماانت بمسمع الگ اترنے کی کیا حاجت تھی؛ نمل و روم کی دونوں آیتیں تو حرف بحرف ایک ہی ہیں صرف زیادتِ فا کا فرق ہے، اس کے کیا معنی تھے کہ جبریل اس واقعہ پر انکار کے لیے ایک بار انك لا تسمع آخر تک سناتے پھر اسی وقت "فانك لا تسمع" آخر تک سناتے۔ لاجرم ان میں کی ایک کسی دلیل سے اپنے محل سورت سے جُدا نہیں ہو سکتی، اور جب مکہ معظمہ میں پیش ہجرت انکار اُتر چکا تھا تو اب سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اس پر بقسم اصرار کیا احتمال رکھتا تھا!

سادسًا ظاہر حس و عقل بالبداہۃ جسمِ میت کے معطل و بے حس ہونے پر شاہد ہے، اگر کسی وقت اس کا مدرک ہونا ثابت ہو تو یہ قطعًا امورِ غیبیہ سے ہے۔ اب سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قسم کھا کر اس غیب پر حکم فرمانا پھر قرآن عظیم کا معاذ اللہ اُس کے خلاف پر آنا دو صورتوں کے سوا ممکن نہیں، یا تو اوّلًا عیاذًا باللہ حضور پُرنور صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے رجمًا بالغیب کلام فرمادیا، یا اپنی طرف سے غیب پر حکم لگادیا تھا یُوں کہ اول اسی طرف سے خبرِ غیب معاذ اللہ خلافِ واقع آئی، پھر اس کا رَد اُترا، تمہارا ایمان ان دونوں میں سے جسے قبول کرے مانو۔

سابعًا اگر بفرض غلط یہ روایت غریبہ خاملہ صحیح بھی ہو تو قطعًا یقینًا حتمًا جزمًا آیاتِ مذکورہ آیتِ کریمہ فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی[1] (تو انھیں تم نے قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اُن کو قتل کیا۔۔۔ اور تم نے کنکریاں نہ پھینکیں جب پھینکیں لیکن اللہ نے پھینکیں۔ ت) کے باب سے ہیں جن میں معاذ اللہ ہر گز اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کی قسم پر رد انکار نہیں بلکہ یُوں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ جو اجسامِ مُردہ تمہارا کلام سُن رہے ہیں یہ تم نے انھیں نہ سُنایا بلکہ خدا نے سُنایا ان اللہ یسمع من یشاء و ماانت بمسمع من فی القبور، یہ اسی کی قدرت سے ہُوا کہ ان خالی بدنوں میں روح نے عود کیا جس کے آتے ہی گئے ہوئے ہوش و حواس بدن کے پھر درست ہوگئے۔ اب یہ روایت بھی ہماری دلیل ہے، اور تفہیمی مُلّا کے فہم خوار و ذلیل، والحمد للہ الہادی الی سواء السبیل (اور خدا ہی راہِ راست کی ہدایت دینے والا ہے۔ ت) خیر بات دُور پہنچی اور اب صاحبِ تفہیم داخل من فی القبور تو سماعِ قبول سے قطعًا مہجور، لہٰذا اصل سخن کی طرف عنان گردانی کیجئے۔ کلامِ مشائخ دوبارہ اجسام موتٰی ہونے پر شواہد و اسانید میں یہ تین امور بالائی کافی و

---

[1] القرآن ۸/ ۱۷

وافی تھے مگر خود نفسِ مسئلہ میں انھیں علمائے کرام کے کلام و دیگر ابحاث مقام اور ان کے رد و احکام و نقض و ابرام یک زبان اس معنی پر شہود عدول تو قبول واجب اور عدول مخذول۔ مثلاً:

دلیل ۴: بحث دیکھئے، کاہے کی ہے؟ ایمان کی۔ اور باجماعِ حنفیہ و تصریحاتِ علمائے مذکورین وغیرہم اُن کا مقدّ عرف اور عرف میں انسان و زید و آن و تو سب کا مورد بدن تو قسم اُسی پر صادق، اور یہ داوری وجالشگری اُسی سے متعلق۔

دلیل ۵: پر ظاہر کہ اول تا آخر ان کا کلام موت میں ہے، اور میّت نہیں مگر بدن، خود اسی کافی شرح وافی میں اسی بحثِ ایمان میں فرمایا:

الروح لایموت لکنہ زال عن قالب فلان و اللہ تعالٰی قادر علی اعادتہ[1]۔

یعنی رُوح میّت نہیں وہ تو صرف بدن سے جدا ہوگئی ہے اور اللہ تعالٰی قادر ہے کہ اسے دوبارہ بدن میں لے آئے۔

دلیل ۶: ساتھ ہی دلائل میں صاف تحریر فرماتے ہیں کہ جس میّت میں ان کا کلام ہے وہ وہی ہے جسے ادراک نہیں، جسے فہم نہیں، جسے درد نہیں پہنچتا، جو بے حس ہے۔ کتبِ خمسہ مستندہ مائۃ مسائل میں ہے:

واللفظ للرمز، الکلام للافہام فلا یتحقق فی المیت[2]

اور الفاظ رمز الحقائق شرح کنز الدقائق للعینی کے ہیں: کلام سمجھانے کے لیے ہوتا ہے تو میت کے حق میں ثابت نہ ہوگا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے: والموت ینافیہ[3] (اور موت اس کے منافی ہے۔ ت) اسی مستخلص الحقائق میں بہ تبعیت ہدایہ ہے:

من قال ان ضربتك فعبدی حر فھو علی الضرب فی الحیاۃ، فلومات ثم ضرب لا یحنث لان الضرب اسم لفعل مؤلم یتصل بالبدن و الایلام لا یتحقق فی المیت[4]۔

کسی نے کہا اگر میں نے تجھے مارا تو میرا غلام آزاد ہے، یہ قسم زندگی کے اندر مارنے پر محمول ہوگی، اگر اس کے مرجانے کے بعد مارا تو حانث نہ ہوگا، اس لیے کہ مارنا بدن سے متعلق الم رساں کام کا نام ہے اور الم رسانی میت کے حق میں متحقق نہیں۔ (ت)

---

[1] کافی شرح وافی

[2] رمز الحقائق شرح کنز الدقائق باب الیمین فی الضرب و القتل الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۲۰/۱

[3] فتح القدیر باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴۶۱/۴

[4] مستخلص الحقائق " " " " " " " " فضل احمد تاجر کتب، پشاور ۳۸۸/۲

اسی فتح القدیر میں ہے :

لایتحقق فی المیت لانہ لا یحس[1] میت کے حق میں متحقق نہیں، اس لیے کہ وہ احساس نہیں رکھتا۔ (ت)

اسی مائۃ مسائل میں عینی شرح کنز سے ہے :

الضرب ایقاع الالم و بعد الموت لایتصور[2] ضرب کا معنی تکلیف پہنچانا اور بعد موت یہ متصور نہیں۔ (ت)

تو قطعاً ثابت وُہ بدن ہی میں کلام کر رہے ہیں کہ وہی ایسا میّت ہے جسے نہ حس رہتا ہے نہ ادراک، بخلافِ روح کہ اس کے ادراکات قطعاً باقی ہیں، خود یہی امام نسفی عمدۃ الکلام میں فرما چکے : الروح لایتغیر بالموت[3] (رُوح موت سے متغیر نہیں ہوتی۔ ت)

دلیل ۷ : پھر جب اس تقریر پر شبہ وارد ہُوا کہ جب حس نہیں ادراک نہیں، تالم نہیں، تو عذابِ قبر کیسا! تو ان سب حضرات نے یہی جواب دیا کہ معاذ اللہ جس پر عذابِ قبر ہوتا ہے اُسے قبر میں یک گونہ حیات دی جاتی ہے جس سے الم پہنچنے کے قابل ہوجاتا ہے، اسی مائۃ مسائل میں عینی سے بعد عبارتِ مذکورہ ہے :

ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیاۃ علی الصحیح[4] جسے قبر میں عذاب دیا جاتا ہے صحیح قول یہ ہے کہ اس میں زندگی پیدا کر دی جاتی ہے۔ (ت)

اُسی میں کافی سے ہے[عہ] :

عند العامۃ یوضع فیہ الحیاۃ بقدر مایتألم جمہور کے نزدیک اس میں اس قدر زندگی رکھ دی جاتی ہے

عہ **لطیفہ :** مائۃ مسائل میں یہ کافی کی عبارت اسی طرح نقل کی جس سے وہم ہو کہ جمہور علماء کے نزدیک قبر میں بدن کی طرف عودِ حیات صرف ایک خفیف طور پر ہوتا ہے، حیاتِ کاملہ ملنا قولِ بعض و مرجوح ہے کہ اُسے عامہ کی

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۶۰
[2] مائۃ مسائل مسئلہ ۲۶ مکتبہ توحید وسنۃ قصہ خوانی پشاور ص ۵۶
[3] عمدۃ الکلام لامام نسفی
[4] مائۃ مسائل مسئلہ ۲۶ مکتبہ توحید وسنۃ قصہ خوانی پشاور ص ۵۲

لا الحیات المطلقۃ وقیل یوضع فیہ الحیاۃ من کل وجہ[1]

کہ اسے الم کا احساس ہو، حیاتِ مطلقہ نہیں رکھی جاتی۔ اور کہا گیا کہ اس میں پُورے طور پر زندگی رکھ دی جاتی ہے۔ (ت)

مستخلص میں بعد عبارتِ مسطورہ ہے:

وعذاب القبر بوضع حیاۃ جدیدۃ فیہ وھو قول عامۃ العلماء خلافا لابی الحسن الصالحی[عـــــہ] فان عندہ یعذب المیت من غیر حیاتہ[2]

عذابِ قبر بدن میں ایک نئی زندگی رکھنے سے ہوتا ہے۔ اسی پر عامہ علما ہیں بخلاف ابوالحسن صالحی کے، اس کے نزدیک بغیر زندگی کے میّت کو عذاب ہوتا ہے۔ (ت)

اور بالیقین یہ شان بدن ہی کی ہے کہ اُسے موت عارض ہوتی اور اُس کا حس و ادراک باطل کرتی، پھر معاذ اللہ تعذیب کے لیے ایک گونہ حیات دی جاتی ہے اور وُہ بھی کاملہ نہیں ہوتی بخلاف رُوح کہ اس کی حیات مستمرہ ہے، امام ابن الہمام نے اس مضمون کو خوب صاف فرمادیا، بعد عبارتِ مزبورہ لکھتے ہیں:

لانہ لایحس ولذا کان الحق ان المیت المعذب فی قبرہ توضع فیہ الحیاۃ بقدر مایحس بالالم حتی لوکان متفرق الاجزاء بحیث لاتتمیز الاجزاء بل ھی مختلطۃ بالتراب فعذب

اس لیے کہ اس میں احساس نہیں۔ اسی لیے حق یہ ہے کہ جس مُردے کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اُس کے اندر اتنی زندگی رکھ دی جاتی ہے کہ وہ الم کا احساس کرے، یہاں تک کہ اگر اس کے اجزا اس طرح بکھر گئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

طرف نسبت کرکے اسے بلفظ قیل نقل کیا حالانکہ فقیر کے نسخہ کافی میں جمہور کے نزدیک اعادۂ حیات اور اُس کی دلیل لکھ کر اُنھیں سے وُہ دونوں قول حیاتِ خفیفہ و حیاتِ کاملہ کے یکساں طور پر نقل کیے کہ:

ثم اختلفوا فقیل توضع فیہ الحیاۃ بقدر مایتألم لا الحیاۃ المطلقۃ وقیل توضع فیہ الحیاۃ من کل وجہ[3]

پھر علماء مختلف ہوئے، بعض نے کہا اس میں اس قدر زندگی رکھ دی جاتی ہے کہ اسے الم کا احساس ہو حیاتِ مطلقہ نہیں رکھی جاتی، اور بعض نے کہا کہ اس میں پُورے طور پر زندگی رکھ دی جاتی ہے اھ (ت)

اسی طرح علامہ عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں فرمایا فلیتنبہ ۱۲ منہ (م)

عـــــہ رجل من المعتزلۃ الیہ تنسب الفرقۃ الصالحیۃ ۱۲ منہ (م) (یہ معتزلہ میں سے ایک شخص ہے جس کی طرف فرقہ صالحیہ منسوب ہے۔ ت)

---

[1] مائۃ مسائل مسئلہ ۲۶ مکتبہ توحید وسنۃ قصہ خوانی پشاور ص ۵۲

[2] مستخلص الحقائق باب الیمین فی الضرب والقتل دلی پرنٹنگ ورکس دہلی انڈیا ۲/ ۲۸۸

[3] کافی شرح وافی

جعلت الحیاۃ فی تلک الاجزاء التی لایاخذھا البصر وان اللہ علی ذلک لقدیر الخ وقد تقدم تمامًا فی المقدمۃ الثالثۃ۔

باہم امتیاز نہ رہا بلکہ مٹی سے خلط ملط ہوگئے پھر اُسے عذاب دیا گیا تو ان ہی اجزاء میں زندگی رکھ دی جاتی ہے جو نظر نہیں آتے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالٰی اس پر ضرور قادر ہے الخ یہ عبارت مقدمہ سوم میں مکمل گزری (ت)

اب ذرا آنکھ کھول کر دیکھئے وہ کسے میت کہہ رہے تھے، کس کی طرف اعادۂ حیات بقدر احساس الم مانا، کس کے اجزاء متفرق ہوگئے، کس کے اجزاء اتنے باریک ہُوئے کہ نظر کام نہیں کرتی، ہاں وُہ کیا ہے جس کے اجزاء مٹی میں مل گئے، کیا وُہ روح پاک ہے، حاشا یہی بدن تودۂ خاک ہے، تو آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ اسی مردۂ حقیقی میں علماء کا کلام ہے، اسی کی نسبت انکارِ سماع وافہام ہے وللہ الحجۃ السامیۃ (اور اللہ ہی کے لیے بلند حجت ہے۔ ت)

دلیل ۸: انھیں کتب میں کریمہ وما انت بمسمع من فی القبور سے استدلال کیا اور بر ظاہر کہ من فی القبر نہیں مگر بدن۔ خود صاحبِ تفہیم المسائل نے اسی بحث میں براہِ بدقسمتی خود انھیں امام عینی شارح کنز کی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری سے نقل کیا:

فان قلت بعد فراغ الملکین من السوال مایکون المیت قلت ان کان سعیدا کان روحہ فی الجنۃ وان کان شقیا ففی سجین علٰی صخرۃ فی الارض السابعۃ[2]

یعنی بعد سوال نکیرین سعید کی روح جنت میں رہتی ہے اور شقی کی سجین میں ساتویں زمین کی ایک چٹان پر،

تو قبر میں نہیں مگر بدن، اسی سے آیت نفی اسماع فرماتی ہے، اور اسی سے یہ علماء نفیِ سماع۔

دلیل ۹: نیز یہ سب علماء قولِ اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے دلیل لائے، اور ان شاء اللہ القریب المجیب عنقریب روشن ہوتا ہے کہ ام المومنین صرف سماعِ جسمانی کی منکر ہیں اور ادراکِ روحانی کی مثبت ومقر۔

دلیل ۱۰: انھیں کتب میں اسی بحث میں مسائل دو قسم کے ذکر فرمائے، ایک متقید بحیات، دوسرے شاملِ حیات وممات۔ فرماتے ہیں اگر قسم کھائی کہ اگر تجھے ماروں یا تجھ سے بولوں، یا عورت سے کہا اگر تجھ سے

---

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الضرب والقتل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۶۰

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب المیت یسمع خفق النعال ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/ ۱۴۷

صحبت کروں یا تیرا بوسہ لوں، تو یہ قسمیں اس مخاطب مرد وزن کی زندگی پر مقتصر رہیں گی، اور اگر قسم کھائی کہ اگر تجھے نہلاؤں یا اُٹھاؤں یا بٹھاؤں تو موت وحیات دونوں کو شامل ہوں گی، یہاں تک کہ اگر وہ شخص مرگیا اور اس نے اُسے غسلِ میت دیا اُس کا جنازہ اُٹھایا، اُسے ہاتھ لگایا، کفن پہنایا تو حانث ہوگا۔ کافی میں عبارت منقولہ مانحن مسائل کے چند سطر بعد ہے:

بخلاف ان غسلتك او حملتك او مسستك او البستك فانها لا تتقید بالحیاۃ لان الغسل یراد بہ التنظیف و تطھیر وذا یتحقق فی المیت الا تری انہ یجب غسل المیت تطھیرا لہ فکیف ینافیہ ولو صلی علی المیت قبل الغسل لم یجز ولو کان غسیلا جاز والحمل یتحقق بعد الموت قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من حمل میتا فلیتوضا والمس للتعظیم وللشفقۃ فیتحقق بعد الموت والالباس للتغطیۃ والمیت محل لہا[1]۔

اس کے برخلاف اگر کہا: اگر میں نے تجھے نہلایا، یا اٹھایا، یا مس کیا، یا پہنایا، تو یہ قسمیں حالتِ حیات سے مقید نہ رہیں گی۔ اس لیے کہ نہلانے سے پاک صاف کرنا مقصود ہوتا ہے اور وُہ میت کے حق میں بھی ثابت ہے۔ دیکھو کہ میت کو پاک کرنے کے لیے اُسے غسل دینا واجب ہے تو وہ قسم اس کے منافی کیسے ہوگی؟ ـــــ اور اگر غسل سے پہلے میت کا جنازہ پڑھ لیا تو جائز نہیں اور بعد غسل جائز ہے۔ اور جس نے ایسے مُردے کو لیے ہُوئے نماز پڑھی جسے غسل نہ دیا گیا تھا تو جائز نہیں، اور اگر غسل دیا ہوا تھا تو جائز ہے، اور اٹھانا بعد موت بھی متحقق ہے، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے کسی میت کو اُٹھایا تو چاہیے کہ وضو کرے"۔ مس کرنا تعظیم یا شفقت کے لیے ہوتا ہے تو وہ بعد موت بھی متحقق ہوگا۔ پہنانا تعظیم کے لیے ہوتا ہے اور میت اس کا محل ہے۔ (ت)

دیکھئے وہی کاف ہے وہی خطاب ہے، اور اگر اس سے بدن مراد نہ ہوتا تو ان حلفوں میں واجب تھا کہ کبھی حانث نہ ہو کہ مسائل قسم ثانی مطلقاً وہی ہوں گے جنھیں محض بدن سے تعلق ہے، جب بدن مقصود نہیں تو اُسے نہلانا، اٹھانا، چھونا، پہنانا کیوں موجبِ حنث ہونے لگا، اور ایک اسی قسم پر کیا ہے قسمِ اول میں ضرب جماع و بوسہ کیا غیر بدن سے متعلق ہیں، نسق واحد کے ذکر کیے ہُوئے تمام مسائل میں بدن مراد لینا اور صرف ایک کو اس سے الگ کردینا کس قدر دُور از کار ہے کاف خطاب سے جو ان سب میں مراد ہے وہی کلمتک میں، تو لاجرم یقیناً قطعاً یہ سب خطاب محاورہ عرف حلف سب متعلق بدن ہی ہیں اور فارق وہی جلیل وجمیل جو

---

[1] کافی شرح وافی

بتوفیق اللہ تعالٰی ہم نے ذکر کیا کہ ضرب میں درد، کلام میں فہم، بوسے میں لذت، جماع میں قضائے شہوت درکار ہے۔ اور یہ امور بدن کے اُن صفات پر مقصور کہ بہ تبعیت روح اسے حاصل ہوتے ہیں لہذا بعد موت جسم خالی انھیں کافی نہیں بخلاف غسل وحمل ومس والباس کہ صرف صفات اصلیہ بدن کے طالب ہیں تو ان میں حیات وموت یکساں۔

دلیل ۱۱: ان ائمہ کرام وعلمائے اعلام کا یہ کلام ارواحِ موتٰی پر حمل کرنا صراحۃً باطل و توجیہ القول بمالا یرضی بہ القائل ہے اُن کے کلمات عالیات بہزار زبان اس سے تحاشی فرمارہے ہیں شواہد سُنئے:

شاہد ۱: امام اجل ابوالبرکات نسفی قدس سرہ کا ارشاد اسی کافی شرح وافی سے ابھی گزرا کہ روحیں نہیں مرتیں۔

شاہد ۲: خود عقائد کی کتاب میں ارشاد فرمایا کہ رُوح میں مرگ سے کچھ تغیر نہیں آتا، کیا وہ اسی رُوح کو کہیں گے کہ مرگئی، فہم وادراک کے قابل نہ رہی، یہ کچھ ہُوا اور تغیر نہ آیا، وائے جہالت!

شاہد ۳: یہی امام ابن الہمام اور ایک یہی کیا تمام علمائے اعلام زیارتِ قبور میں اموات پر سلام اور اُن سے خطاب وکلام تسلیم فرماتے اور اسے سُنّت بتاتے ہیں، فتح القدیر میں ہے:

یکرہ النوم عند القبر وقضاء الحاجۃ بل اولٰی وکل مالم یعھد من السنۃ والمعھود منھا لیس الا زیارتھا والدعاء عندھا قائما کما کان یفعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع ویقول السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اسئل اللہ لی ولکم العافیۃ۔[1]

قبر کے پاس سونا مکروہ ہے اور قضائے حاجت بھی بلکہ بدرجہ اولٰی یہ مکروہ ہے۔ اور ہر وہ کام جو سنت سے معہود نہ ہو۔ اور سنت سے معہود یہی زیارت اور وہاں کھڑے ہوکر دعا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقیع شریف ارزانی میں کیا کرتے تھے اور کہتے تم پر سلام ہو اے اہلِ ایمان لوگو! اور ہم بلاشُبہ تم سے ملنے والے ہیں اگر اللہ نے چاہا۔ میں اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت مانگتا ہوں۔ (ت)

فصل یازدہم میں گزرا کہ یہ سلام وکلام ضرور دلیلِ سماع وافہام ہیں، مگر یہ اکابر اعلام معاذ اللہ اتنی تمیز نہ رکھتے تھے کہ اینٹوں پتھروں سے سلام وکلام کیا معنی؟

شاہد ۴: یُوں ہی جس نے زیارتِ حضرات شیخین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما ذکر کی بالاتفاق اُن سے علاوہ سلام کلام بھی تعلیم کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ مواجہہ اقدس حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتنا ہٹے کہ صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے مواجہے میں آجائے اُس وقت اُن سے یوں عرض کرے، پھر ان کے مواجہے

---

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲

اتنا ہے کہ فاروق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے مواجہے میں آجائے اُس وقت اُن سے یُوں گزارش کرے۔ اگر معاذاللہ یہ سلام وکلام محض از قبیل "اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست" (اے باد صبا! یہ سب کچھ تُو نے اڑایا ہے۔ت) تھا تو ہٹ ہٹ کر مواجہوں میں آنے کی کیا حاجت تھی! ہٹ دھرم بے انصاف انصاف کی تو کہتے نہیں مگر ذی عقل منصف توقطعاً ان تعلیمات سے یہی سمجھتا ہے کہ یہ سلام وکلام ضرور حقیقی ہے اور مواجہے سے مقصود پیشِ نظر آنا، اسی فتح القدیر میں ہے:

ثم یتاخر عن یمینہ قدر ذراع فیسلم علی ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ فان راسہ حیال منکب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیقول السلام علیك یا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وثانیہ فی الغار ابابکر الصدیق جزاك اللہ عن امۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیرا ثم یتاخر کذلك قدر ذراع فیسلم علی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ لان راسہ من الصدیق کراس الصدیق من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیقول السلام علیك یا امیر المؤمنین عمر الفاروق والذی اعز اللہ بہ الاسلام جزاك اللہ من امۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیرا۔[1]

پھر اپنے داہنے ہاتھ بھر ہٹ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر سلام عرض کرے اس لیے کہ ان کا سر مبارک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دوشِ انور کے مقابل ہے تو عرض کرے آپ پر سلام اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلیفہ اور غار میں ان کے ثانی ابوبکر صدیق! خدا آپ کو اُمتِ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جانب سے جزائے خیر دے۔ پھر اسی طرح ہاتھ بھر ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر سلام عرض کرے اس لیے کہ ان کا سر مبارک حضرت صدیق سے اسی طرح ہے جیسے حضرت صدیق کا سر مبارک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے، تو عرض کرے آپ پر سلام ہو اے امیر المومنین عمر فاروق' وہ جس سے اللہ نے اسلام کو عزت وقوت دی، اللہ آپ کو امتِ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے نیک جزا عطا فرمائے۔ (ت)

شاہد ۵: چلئے کہاں کو، انھیں امام ابن الہمام کا وُہ ارشادِ ہدایت بنیاد جگر شگاف تو ہب والحاد سُنیئے کہ سارے انکاری مذہب پر مُردنی چھا جائے، اموات کو پتھر سمجھنے پر حجارۃ من سجیل کا پتھراؤ آئے۔ اسی فتح القدیر کے آخر کتاب الحج میں فرماتے ہیں:

یاتی القبر الشریف ویستقبل جدارہ

یعنی مزارِ انور حضور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی

ویستدبر القبلة، وما عن ابی اللیث انه یقف مستقبل القبلة مردود بما روی ابو حنیفة رضی الله تعالٰی عنه فی مسنده عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما قال من السنة ان تاتی قبر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم من قبل القبلة و تجعل ظهرك الی القبلة وتستقبل القبر بوجهك ثم تقول السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته، الا ان یحمل علی نوع ما من الاستقبال وذلك انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی القبر الشریف المکرم علی شقه الایمن مستقبل القبلة، وقالوا فی زیارة القبور مطلقا الاولٰی ان یاتی الزائر من قبل رجل المتوفی لا من قبل راسه فانه اتعب لبصر المیت بخلاف الاول لانه یکون مقابلا بصره لان بصره ناظر الٰی جهة قدمیه اذا کان علٰی جنبه فعلی هذا تکون القبلة عن یسار الواقف من جهة قدمیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم بخلاف ما اذا کان من جهة وجهه الکریم فاذا اکثر الاستقبال الیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لا کل الاستقبال یکون استدبار القبلة اکثر من اخذه الی جهتها فیصدق الاستدبار ونوع من الاستقبال[1] الخ۔

زیارت کو حاضر ہو روضۂ اقدس کی طرف منہ اور قبلے کو پیٹھ کرے، اور وہ جو فقیہ ابو اللیث سے نقل کیا گیا کہ قبلہ رُو کھڑا ہو مردود ہے اُس حدیث سے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی مسند میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ سنّت یُوں ہے کہ مزارِ اقدس کے حضور قبلہ کی طرف سے آئے قبلے کو پُشت اور قبرِ انور کی طرف منہ کرے، پھر عرض رسا ہو سلام حضور پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک گونہ قبلے کی طرف ہونا مراد لیں اس لیے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبرِ منور میں دہنی کروٹ پر قبلہ رُو تشریف فرما ہیں، اور علمائے کرام نے عام قبروں کی زیارت میں حکم دیا ہے کہ زائر کو چاہیے میت کی پائنتی کی طرف سے آئے نہ کہ سرہانے کی جانب سے کہ اس میں مُردے کی نگاہ کو تکلیف ہوتی ہے بخلاف پہلی صورت کے کہ یُوں آنے والا میت کی نگاہ کے سامنے ہوگا اس لیے کہ میت جب کروٹ سے ہو تو اس کی نظر اپنے پاؤں کی طرف ہے، تو اس تقدیر پر جب یہ حضورِ انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاؤں کی طرف سے حاضر ہوگا قبلہ اس کے بائیں ہاتھ کو ہوگا، زیادہ رُخ جانبِ قبر ہوگا اور ایک گوشہ جانبِ قبلہ ہوگا تو پشت بقبلہ بھی ہُوا اور ایک گونہ قبلہ کی طرف جھکا ہونا بھی صادق آیا الخ۔

اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد ایمان سے کہنا یہی وہ علماء ہیں جو میت کو پتھر، بے حس، بے ادراک

[1] فتح القدیر کتاب الحج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۵

بتارہے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون، پھر امام ممدوح یہ صرف اپنا ارشاد نہیں فرماتے بلکہ ہمارے علمائے کرام سے نقل فرمارہے ہیں، خدا کی شان یہی وہ مشائخ حنفیہ ہیں کہ سماع روح کا انکار جن کے سر باندھے، اللہ تعالٰی توفیقِ انصاف بخشے، آمین!

شاہد ۶: یہی امام عینی شارح کنز عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلٰوۃ باب الاذان بعد ذہاب الوقت میں فرماتے ہیں:

الروح جوھر لطیف نورانی مدرک للجزئیات والکلیات غنی عن الاغتذاء بریٔ عن التحلل والنماء ولھذا یبقی بعد فناء البدن اذ لیست لہ حاجۃ الی البدن ومثل ھذا الجوھر لایکون من عالم العنصر بل من عالم الملکوت فمن شانہ ان لایضرہ خلل البدن وتلتذ بما یلائمہ ویتألم بما ینافیہ والدلیل علٰی ذٰلک قولہ تعالٰی ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم الاٰیۃ وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا وضع المیّت علٰی نعشہ رفرف روحہ فوق نعشہ ویقول یااھلی ویاولدی۔[1]

رُوح ایک جوہر لطیف نورانی ہے کہ علم سمع وبصر وغیرہا تمام ادراکات رکھتی ہے، کھانے پینے سے بے نیاز، گھلنے بڑھنے سے بری ہے، اسی لیے فنائے بدن کے بعد باقی رہتی ہے کہ اُسے بدن کی طرف اصلاً احتیاج نہیں، ایسا جوہر عالَم آب وگِل سے نہیں ہوتا بلکہ عالَم ملکوت سے، تو اس کی شان یہ ہے کہ بدن کا خلل پذیر ہونا اُسے کچھ نقصان نہ پہنچائے، جو بات موافق ہو اُس سے لذت پائے، جو مخالف ہو اس سے درد پہنچے۔ اور اس پر دلیل اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ جو راہِ خدا میں مارے گئے ہرگز انھیں مُردہ نہ جانو بلکہ وُہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (الآیۃ) اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث کہ جب مُردہ نعش پر رکھا جاتا ہے اس کی رُوح بالائے نعش پرافشاں رہتی ہے اور کہتی ہے کہ اے میرے گھر والو! اے میرے بچو!

للہ انصاف! اگر رُوح بعد موت معطل اور اس کا فہم وادراک مختل ہو تو یہ کیونکر صحیح ہوتا کہ اسے بدن کی حاجت نہیں، خللِ بدن سے کچھ مضرت نہیں، بھلا رُوح تو بیکار رہ جا دھوئی یہ رب کے پاس زندہ کون ہے؟ یہ نعش پر جلوہ فگن ونوازن کون ہے؟

شاہد ۷: یہی امام محمود اسی عمدہ میں اس حدیث کے نیچے کہ میّت کو اپنے اہل کے رونے سے عذاب

---

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب الاذان بعد ذہاب الوقت ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۸۸

ہوتا ہے۔ امام اجل ابوزکریا نووی سے نقل فرماتے ہیں:

حکی عن طائفة ان معناه انه یعذب بسماع بکاء اھله علیه ویرق لھم وقال والی ھذا ذھب محمد بن جریر الطبری وغیرہ قال القاضی عیاض وھو اولی الاقوال واحتجوا بحدیث فیه ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم زجر امرأة من البکاء علی ابنھا وقال ان احدکم اذا بکی استعبر له صویحبه فیا عباد اللہ لا تعذبوا اخوانکم[1]

یعنی امام ممدوح نے ایک جماعتِ علماء سے نقل فرمایا کہ معنی حدیث یہ ہیں کہ لوگ مُردے پر جو روتے ہیں مُردے کو اُن کا رونا سُن کر صدمہ ہوتا ہے اور اُن کے لیے اُس کا دل کُڑھتا ہے۔ امام محمد نے فرمایا محمد بن جریر طبری وغیرہا اسی طرف گئے، امام قاضی عیاض نے فرمایا یہ سب قولوں سے بہتر ہے، اور اس پر ایک حدیث سے دلیل لائے کہ ایک بی بی اپنے بیٹے پر رو رہی تھیں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں منع کیا اور فرمایا "جب تم میں کوئی روتا ہے تو اس کے رونے پر مُردے کے بھی آنسو نکل آتے ہیں تو اے خدا کے بندو! اپنے بھائیوں کو تکلیف نہ دو"

یہ تو ان ائمہ سے نقل تھی اور اس سے پہلے خود امام عینی فرما چکے ہیں:

اما تصور البکاء من المیت فقد ورد فی حدیث ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال ان احدکم اذا بکی استعبر له صویحبه والمراد والمراد بصویحبه المیت[2]

یعنی میّت کا رونا متصور ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں کوئی روتا ہے تو اس کا ساتھی وہ مُردہ بھی رونے لگتا ہے۔ (صویحب سے مراد میّت ہے)

للہ انصاف! یہی علماء ہیں جو ارواحِ موتٰی کے سماع و فہم سے انکار رکھتے ہیں۔

فائدہ: یہ بی بی حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ہیں، اور یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ و طبرانی نے اُن سے روایت کی وہ خدمتِ اقدس حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھیں اپنے ایک بیٹے کو یاد کرکے روئیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیا طریقہ ہے کہ دنیا میں زندگی تک تو اپنے ساتھی سے اچھا سلوک اور مرے پیچھے ایذا دو،

فوالذی نفس محمد بیدہ ان احدکم

قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ تعالٰی

---

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری ما یرخص من البکاء فی غیر نوح ادارۃ المنیریۃ بیروت ۸/ ۷۹

[2] " " " " " " " " ۸/ ۷۸

لتبکی فتستعین لہ صویحبۃ فیاعباد اللہ لاتعذبوا موتاکم[1]

علیہ وسلم کی جان پاک ہے کہ تمہارے رونے پر تمہارا مُردہ رونے لگتا ہے، تو اے خدا کے بندو! اپنی اموات کو عذاب نہ کرو۔

شاہد ۸ : علامہ شرنبلالی نے غنیہ ذوی الاحکام میں قولِ درر :

الایلام لایتحقق فی المیت وکذا الکلام لان المقصود بھذا الافھام والموت ینافیہ[2]۔

الم رسانی میت کے اندر متحقق نہیں، اسی طرح گفتگو بھی، کیونکہ اس کا مقصود افہام اور سمجھانا ہوتا ہے، موت اس کے منافی ہے۔ (ت)

پر تقریر کی اور خود فرمایا :

الاصل فیہ ان کل فعل یلذ و یولم ویغم ویسر یقع علی الحیات دون الممات[3]۔

اس بارے میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ فعل جس سے لذت و الم اور غم وسرور ہو وہ حیات ہی پر واقع ہوگا موت پر نہیں۔ (ت)

اور قول ۲۲ میں ان کا ارشاد بحوالہ حضرت استاذ سُن چکے کہ مُردوں کو جُوتوں کی پھل سے اذیت ہوتی ہے۔

شاہد ۹ : قول ۱۵ دیکھو کہ گھاس اور پیڑ کی تسبیح سے مُردہ کا جی بہلتا ہے۔

تنبیہ : فتاوٰی قاضی خاں و امداد الفتاح و مراقی الفلاح علامہ شرنبلالی وغیرہا میں مقبروں سے درخت و گیاہِ سبز کاٹنے کی کراہت پر دلیل مذکور قائم فرمائی اور جس غافل غیر ماوف الدماغ کے سامنے ان الفاظ کو بیان کیجئے کہ کہ فلاں کی تسبیح سے فلاں کا جی بہلا، اُس کا ذہن قطعاً اس طرف جائے گا کہ اس نے اُس کی تسبیح سنی اور اس سے انس ملا۔ بداہت عقل شاہد ہے کہ کسی شے سے انس پانے کو اس پر اطلاع ضرور، اور تسبیح جنسِ کلام سے ہے جس پر اطلاع بطورِ سماع تو یہ کلام علماء اخص سماعِ موتٰی کی دلیل صاف ہے بلکہ اس درجہ قوت قوتِ سمع کی جو عامۂ احیاء کو حاصل نہیں کما نبھنا علیہ سالفا (جیسا کہ پیچھے ہم نے اس پر تنبیہ کی۔ ت) تو صاحبِ تفہیم المسائل کا خبط کہ اس کلام کو ہرگز مطلب سے آشنائی نہیں۔ پھر کہا :

بایددید کہ ایں عبارت راز سماعت موتٰی چہ مناسبت ؟[4]

دیکھنا چاہئے کہ اس عبارت کو مُردوں کے سُننے سے کیا مناسبت ہے ؟ (ت)

---

[1] المعجم الکبیر مروی از قیلہ بنت مخرمہ حدیث ۱ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۵/۱۰

[2] الدرر الحکام لملّا خسرو باب حلف الفعل مطبعہ کاملیہ مصر ۲/۵۳

[3] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر الحکام " ۲/۵۳

[4] تفہیم المسائل عدمِ سماعِ موتٰی از کتب حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۴

محض نافہمی وجہالت ہے، ہاں بحمد اللہ تعالٰی اس تذییل جلیل نے شمس وامس کی طرح روشن کردیا کہ اُس کے معتمد از صاحبِ مأۃ مسائل کا اُن عباراتِ خمس سے استدلال کرنا اور اس کی تائید میں اس وہابی جدید کا اُسی طرح کی اور عبارات نقل کرکے اوراق بھرنا سب مطلب سے ناآشنا اور موردِ نزاع سے محض بیگانہ تھا وللہ الحمد۔

شاہد ۱۰ تا ۱۲: یونہی سید علامہ ابو السعود ازہری صاحب فتح اللہ المعین وسید علامہ طحطاوی وسید علامہ شامی محشیانِ دُر نے در بارۂ یمین وہی تقریرات ذکر کیں اور سب حضرات نے تسبیح گیاہ سے میت کو انس ملنا ذکر فرمایا، کما تقدم (جیسا کہ گزر چکا۔ ت)

شاہد ۱۳ و ۱۴: سیدین اخیرین نے تصریح فرمائی کہ انسان جو قبر کے پاس ذکرِ الٰہی کرے اُس سے میت کا جی بہلتا ہے، دیکھو قول ۴۷ و ۴۹۔

شاہد ۱۵ و ۱۶: یونہی دونوں حضرات نے فرمایا کہ مقابر میں پیشاب کرنے سے زندوں کی طرح مُردے کو بھی ایذا ہوتی ہے۔ دیکھو قول ۲۸ و ۲۹۔

شاہد ۱۷: علامہ طحطاوی نے تقریر فرمائی کہ اموات کو جُوتوں کی پھپل سے اذیت ہوتی ہے۔ دیکھو قول ۴۴۔

شاہد ۱۸ تا ۲۰: علامہ حلبی محشّی دُر بھی اس تقریر یمین میں شریک ہیں اور احراق حیوانات بعد ذبح پر وہ شبہہ فرمایا کہ میت کو ایذائے خارج سے درد پہنچنا ثابت ہے۔ سیدین اخیرین نے جواب دیا کہ یہ بنی آدم میں ہے، دیکھو تذییل زیرِ قول ۴۰۔

شاہد ۲۱: قول ۲۷ میں علامہ شامی کا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے وہ نقل فرمانا دیکھو کہ قبرِ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور نماز میں بسم اللہ شریف آواز سے نہ پڑھی۔

شاہد ۲۲: قول ۴۶ میت کے سرہانے سے نہ آئے کہ اس کی نگاہ کو تکلیف ہوگی پائنتی سے آئے کہ میت کے پیشِ نظر ہوگا۔

شاہد ۲۳: تکمیل جمیل میں علامہ زیادی و داؤدی واجہوری سے علامہ شامی کا وہ نقل کرنا دیکھو کہ کسی چیز کے ملنے کے لیے بلندی پر جاکر حضرت سیدی احمد بن علوان کو ندا کرے۔

شاہد ۲۴: علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں قبور پر سلام ذکر کرکے فرمایا، حدیث صحیح سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شناسا قبر پر گزرتا اور سلام کرتا ہے مُردہ اسے پہچانتا اور جواب دیتا ہے۔

حیث قال واخرج ابن عبد البر فی الاستذکار والتمہید بسند صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی

ان کی عبارت یہ ہے: ابن عبد البر نے استذکار اور تمہید میں بسندِ صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

علیہ وسلم ما من احد یمر بقبر اخیہ المومن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام[1]۔

فرمایا: جو شخص بھی اپنے کسی ایسے مومن بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جو اُسے دنیا میں پہچانتا تھا اور اسے سلام کرتا ہے تو صاحبِ قبر اسے پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

شاہد ۲۵: انھیں کا قول ۸۲ دیکھو کہ اموات زائروں کا سلام سنتے، جواب دیتے، اُن سے اُنس پاتے ہیں۔ پھر فرمایا: اس میں نہ شہیدوں کی خصوصیت، نہ کسی وقت کی قید۔ خدارا انصاف! یہ علماء سماعِ رُوح کے منکر ہونگے، حاش للہ حاش للہ، ولکن الوھابیۃ قوم یعتدون (مگر وہابیہ ایسے لوگ ہیں جو حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ت) پچیس شاہد ہیں اور پچیس سو ممکن مگر علماء اپنا لکھا خود نہ سمجھتے تھے لاجرم قطعاً یقیناً وہ ارواحِ موتٰی کے لیے سمع وبصر وعلم وفہم مانتے اور بدنِ مردہ کو جب تک مردہ رہے ان صفات سے معزول جانتے ہیں۔ یہی بعینہٖ ہمارا مذہب اور یہی عباراتِ علماء کا مطلب والحمد للہ رب العالمین۔

دلیل ۱۲: اگر یہ کلامِ مشائخِ کرام رُوح پر محمول ہو تو وہ اعتراضاتِ قاہرہ وارد ہوں جن سے رہائی ناممکن الحصول ہو۔ مثلاً:

اوّلاً حدیث ۴۰ سے ۵۱ تک انھیں بارہ[12] احادیثِ عظیمہ صحیحہ خفق نعال وقلیبِ بدر سے ایراد جلیل اور ادعائے تخصیص وقتِ سوالِ قبر یا خصوصیت کفار مقتولین بدر باطل وبے دلیل کما سمعت (جیسا کہ سن چکے۔ت) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا:

یردہ ان الاختصاص لا یصح الا بدلیل وھو مفقود ھھنا بل السوال والجواب ینافیانہ[2]۔

اس کی تردید اس سے ہوتی ہے کہ خصوصیت بغیر کسی دلیل کے صحیح نہیں اور دلیل یہاں مفقود ہے بلکہ سوال وجواب تو اس کے منافی ہیں (ت)

ثانیاً یہاں خصوصیت سہی اور جو احادیثِ کثیرہ عموماً ومطلقاً اموات کے علم وسمع وبصر وادراک ومعرفت میں وارد ہیں اُن سے کیا جواب ہوگا۔ مرقاۃ میں ہے:

مع ان ما ورد من السلام علی الموتٰی یرد علی التخصیص باول احوال الدفن[3]۔

باوجودیکہ مُردوں پر سلام کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں وہ اول وقتِ دفن سے تخصیص کی تردید کرتی ہیں (ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۳۴۱

[2] و[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب حکم الاسراء مکتبہ امدادیہ ملتان ۸/ ۱۱

ثالثاً بہت اچھا، جب ابتدائے دفن میں تم خود سماع کے قائل، یہاں تک کہ کلام لا یعقل متکلم لا یعقل اعنی تفہیم المسائل بھی معترف وقائل، حیث قال در وقتِ سوال وجواب ہمہ قائل سماع اند[1] (اس کے الفاظ یہ ہیں، سوال وجواب کے وقت سبھی سماعت کے قائل ہیں۔ ت) اُس وقت کلام کرنے سے کیوں حنث نہیں ہوتا کہ اب توسمع وفہم سب کچھ حاصل، جس طرح انھیں امام ابن الہمام نے دربارہ تلقین منکرین پر اعتراض کیا کہ:

الا انہ علی ھذا ینبغی التلقین بعد الموت   مگر اس بنیاد پر تو بعد موت تلقین ہونی چاہیے اس لیے
لانہ یکون حین ارجاع الروح[2]   کہ وہ اعادہ روح کے وقت ہوتی ہے (ت)

یہ اعتراضات اس تقدیر باطل یعنی انکارِ سماع ارواح پر اصل سے اس کلامِ مشائخ کو باطل وازبیخ کندہ کرتے ہیں بخلاف اُس تقدیر حق کے کہ صرف سماعِ جسم سے انکار مراد ہے، اب ان میں اصلاً کچھ وارد نہیں ہوتا۔

فاقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) تقریر کلامِ مشائخ اعلام یہ ہے کہ جنائے ایمان عرف پر ہے اور خطاباتِ عرفیہ متعلق بدن مگر کلام بے سمع وفہم نامتصور، لاجرم یہ قسم حالتِ حیات پر مقصور اور جسم خالی معزول ومہجور کہ بعد فراقِ روح بدن مردہ ہے اور اُس کے حواس ومشاعر باطل وافسردہ، عذابِ قبر اگرچہ روح وبدن دونوں پر ہے مگر اُس کے لیے بدن کو ایک نوع حیاتِ تازہ بقدر الم دی جاتی ہے مگر موت تو اس قدر احساس وادراک کے منافی ہے پھر اس حیات کا استمرار بھی ضرور نہیں، احادیثِ کثیرہ کہ سمع وبصر وفہم وادراک ومعرفتِ اموات پر ناطق ہے ضرور صادق ہیں اُن میں مراد ارواح موتی ہیں کہ ادراک حقیقتاً روح ہی کا کام ہے اور اسے موت نہیں، نہ موتِ بدن سے اُس میں تغیر آئے، البتہ احادیثِ خفقِ نعال ضرور سمع جسمانی بتاتی ہیں، قطع نظر اس سے کہ لفظِ میت بدن میں حقیقت، اُن میں صراحۃً اذا وضع فی قبرہ (جب وہ قبر میں رکھا جاتا ہے۔ ت) ارشاد ہوا، اور قبر میں رکھا جانا بدن ہی کی شان ہے مگر یہ بھی بوجہ مذکور ہم پر وارد نہیں کہ اس وقت بغرض سوال بدن کی طرف اعادۂ حیات ہوتا ہے تو سماع حی کے لیے ثابت ہوا نہ کہ میّت کے لیے، اور احادیثِ قلیب اگرچہ حیاتِ معادہ للسوال سے جُدا ہیں کہ اول تو کافر مجاہر سے سوال ہونے میں کلام ہے۔ امام ابوعمر ابن عبدالبر نے فرمایا: سوال یا مومن سے ہوگا یا منافق سے کہ بظاہر مسلمان بنتا تھا بخلاف کافر ظاہر کہ اس سے سوال نہیں۔ امام جلیل جلال سیوطی نے فرمایا: ھو الارجح ولا اقول سواہ[3] نقلہ فی ردالمحتار (یہی ارجح اور میں اس کے سوا کا قائل نہیں اھ اسے ردالمحتار میں نقل کیا۔ ت) شرح الصدور میں اس کی تائید کرکے

---

[1] تفہیم المسائل   عدمِ سماع موتی از کتب حنفیہ   مطبع محمدی لاہور   ص ۸۱
[2] فتح القدیر   باب الجنائز   مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر   ۲/ ۶۹
[3] ردالمحتار   صلوٰۃ الجنائز   مصطفی البابی مصر   ۱/ ۶۲۹

فرماتے ہیں :

وفی حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عند الطبرانی من قول حماد وابی عمرالضریر مایصرح بذلک[1]

طبرانی کے یہاں بالفاظِ حماد وابوعمرضریر جوحدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے اُس میں اس کی تصریح ہے۔ (ت)

اور اگرسوال مانئے بھی تو اُس کا وقت ابتدائے وضع ودفن ہے یہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُن ناپاک لاشوں سے وہ گندہ کنواں پٹ جانے کے تین دن بعد وہاں تشریف لے جاکر مخاطب ہوئے تھے، صحیح مسلم کی روایت حدیث ۸۴ میں گزری، اور صحیح بخاری شریف میں ہے :

عن ابی طلحۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امریوم بدر باربعۃ وعشرین رجلا من صنادید قریش فقذفوا فی طوی من اطواء بدر خبیث مخبث وکان اذا ظھر علی قوم اقام بالعرصۃ ثلث لیال فلما کان ببدر الیوم الثالث امر براحلتہ فشد علیھا رحلھا ثم مشی وتبعہ اصحابہ وقالوا ما نری ینطلق الا لبعض حاجتہ حتی قام علی شفۃ الرکی فجعل ینادیھم باسمائھم واسماء اٰبائھم یافلان بن فلان ویافلان بن فلان ایسرکم انکم اطعتم اللہ ورسولہ فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا قال فقال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ یارسول اللہ ما تکلم من اجساد لا ارواح لھا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے روزِ بدر قریش کے چوبیس سرآوردہ اشخاص کو بدر کے کنوؤں میں سے ایک گندے پلید کنویں میں پھنکوادیا، حضور کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی قوم پر فتحیاب ہوتے تو میدان میں تین دن قیام فرماتے، جب بدر کا تیسرا دن تھا تو سواری مبارک پر کجاوہ کسوایا، پھر چلے، صحابہ نے ہمرکابی کی، اور کہا ہمارا یہی خیال ہے کہ اپنے کسی کام سے تشریف لے جارہے ہیں، یہاں تک کہ کنویں کے سرے پر ٹھہر کر اُن کا اور اُن کے آباء کا نام لے لے کر اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں کہہ کر پکارنے لگے، فرمایا کیا اس سے تمہیں خوشی ہوتی کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم تم نے مانا ہوتا، ہم نے تو حق پایا وہ جس کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا، کیا تم نے اس کو ثابت پایا جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا" حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آپ ان جسموں سے

---

[1] شرح الصدور فصل فیہ فوائد خلافت اکیڈمی سوات ص ۵۹

علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم قال قتادۃ احیاھم اللّٰہ حتی اسمعھم قولہ توبیخا و تصغیرا ونقمۃ وحسرۃ وندما۔[1]

کلام فرما رہے ہیں جن میں جان نہیں ؟ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : اُس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں محمد کی جان ہے میری بات تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں : اللہ تعالٰی نے ان کی توبیخ، تذلیل، کلفت، حسرت اور ندامت کے لیے انھیں حیات دے کر حضور کا کلام سُنوایا۔ (ت)

اور حدیث مذکور نص صریح ہے کہ اُن کافروں نے گوشِ بدن ہی سے سُنا کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی، حضور کیا کلام فرماتے ہیں ان بدنوں سے جن میں رُوح نہیں۔ اسی کے جواب میں ارشاد ہُوا کہ خدا کی قسم تم ان سے زیادہ نہیں سُنتے۔ تو صاف ثابت ہوا کہ سماع جسمانی ہی واقع ہوا مگر جبکہ رُوح کا جسم سے فراق یقیناً معلوم اور بے عودِ حیات سماع جسم خالی قطعاً معدوم، تو اُن کافروں کے لیے تین دن بعد پھر عودِ زندگی ماننے سے چارہ نہیں، اور پر ظاہر کہ یہ امر عموماً نہیں ہوتا، ناچار یا لخصوص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اعجاز سے ان ملاعنہ کو زیادتِ حسرت و ندامت و عذاب و اذیت ہونے کے لیے واقع ہُوا کہ رُوح و بدن دونوں کا اشتراک تنہا رُوح کے ادراک سے اشد و سخت تر ہے، لہٰذا قتادہ نے کہا : اللہ تعالٰی نے اُن کی حسرت و توبیخ و تذلیل کے لیے اعادہ حیات فرما کر سُنوایا۔ بالجملہ جو احادیث سماعِ جسمانی میں نص ہیں اُن میں تخصیصِ وقت یا بعض اموات خصوصیل واقع ہے اور جو ایسی نہیں وہ راسا غیر وارد کہ سماعِ روح تو آپ ہی خود ثابت و لائح ہے۔ بحمد اللہ یہاں سے روشن ہُوا کہ صاحب تفہیم المسائل کا خبط بے ربط کہ :

ہر چند مبنی ایمان بر عرف است مگر مقصود فقہاء از نفی سماع دریں مقام نفی سماع عرفی و حقیقی ہر دو ست زیرا کہ فقہا نفی سماع مطلق کردہ اند نہ بتقیید عرف و اگر نفی صرف سماع عرفی نہ حقیقی مقصود مے بود حاجت جواب دادن از مسئلہ عذاب قبر و توجیہ کردن دیگر وقائع کہ بر سماعِ موتٰی دال ست نبود۔[2]

ہر چند کہ قسم کی بنیاد عرف پر ہے مگر یہاں سماع کی نفی سے فقہا کا مقصود عرفی و حقیقی دونوں سماع کی نفی ہے اس لیے کہ فقہا نے سماع کی نفی مطلق کی ہے عرف کی قید لگا کر نہیں، اگر حقیقی نہیں صرف عرف سماع کی نفی مقصود ہوتی تو مسئلہ عذاب قبر کا جواب دینے اور سماعِ موتٰی پر دلالت کرنے والے دوسرے حالات و واقعات کی توجیہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ (ت)

---

[1] صحیح بخاری باب قتل ابی جہل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۵۶۶

[2] تفہیم المسائل عدمِ سماع موتی از کتبِ حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۳

57

فھل ھذا الا توجیہ بما لایرضی بہ قائلہ (یہ کیا ہے ؟ کلام قائل کی ایسی توجیہ جس سے قائل راضی نہیں ۔ ت) محض نافہمی وجہل واضح ہے ۔

فاقول (تو میں کہتا ہوں ۔ ت) **اوّلاً** یہاں عرفی وحقیقی متغائر نہیں ہے، اوپر واضح ہو چکا کہ یہی ادراک اصوات بآلات جسمانیہ ہی حقیقت لغویہ اور یہی متعارف ہے، اور وُہ معنی جو وقت اضافت سمع بروح مجرد یا بحضرت عزت مراد ہوتے ہیں، محلِ یمین میں اُن کا احتمال ہی کیا تھا کہ اطلاقِ نفی انھیں میں شامل ہو۔

ثانیاً مشائخ کرام نے جن وقائع کی توجیہ فرمائی وہ سماع جسمانی پر دال تھے، ان کی توجیہ کی ضرورحاجت تھی اس سے سماعِ روح کا انکار سمجھ لینا تمھاری خوش فہمی ہے ۔

ثالثاً توجیہ عذابِ قبر کی بھی ایک ہی کہی، ذی ہوش کو نافع ومضر میں تمیز تک کی لیاقت نہیں مگر تصحیح المسائل کے مقابل آنا ضروری ہے

ماذا اخاضك یا مغرور فی الخطر

حتی ھلکت فلیت النمل لم نطر

(اے فریب خوردہ ! کس چیز نے تجھے خطرے میں ڈالا کہ تُو ہلاکت کو پہنچا، کاش ! چیونٹی پرواز ہی نہ کرتی ۔ ت)

عقلمند یہ بھی دیکھا کہ وُہ توجیہ کیا کی ہے اور اُس سے رُوح میں کلام نکلتا ہے یا صاف بدن میں گفتگو ہونا منجلی ہے، دلیل ہفتم کو گزرے ابھی دیر نہ ہُوئی اسے ملاحظہ کیجئے اور صاحبِ تفہیم کی فہم سلیم کی داد دیجئے ۔

رابعاً کاش اس بطورِ خویش جماد شوندہ نابینا وناشنوندہ یعنی اس تحریر سے پہلے مرجانے والے تفہیم نگارندہ کو زمانہ مہلت دیتا کہ ہمارے کلام میں دلیل یازدہم اور اس کے پچیس[25] شواہد کو آنکھوں دیکھا کانوں سُنتا اُس وقت کُھلتا کہ توجیہ القول بمالایرضی بہ قائلہ (کلامِ قائل کی ایسی توجیہ جس سے قائل راضی نہیں ۔ ت) کا ارتکاب کس نے کیا، خیر، یہ تو جملہ معترضہ تھا، اب رہا یہ کہ جب ابتدائے دفن میں سماع مسلّم تو اس وقت حنث کیوں نہیں، **اقول** ہاں یوں نہیں کہ یمین مقتضی حیات مخاطب ہے اور نفس روح سے متعلق نہ تھی، اگر اس سے تعلق ہوتا تو اُس کی حیات وادراکات تو مستمرہ ہیں ضرور حنث ہوتا ۔

فلان العرض وان کان لایبقی زمانین لکنہ مادام مستمرا بتجدد الامثال یعد شیئا واحدا باطباق اللغۃ والعرف والشرع۔	کیونکہ عرض اگرچہ دو زمانوں تک باقی نہ رہے لیکن وہ تجدد امثال کی وجہ سے مستمر ہو تو باتفاق لغت وعرف وشرع شئ واحد ہی شمار ہوتا ہے (ت)

بخلاف بدن کہ اُس کی حیات زائل ہو کر اب حیاتِ جدیدہ اس وقت ملی ہے اور وہ حیاتِ اولٰی کی غیر ہے، تو جس حیات

سے یمین متعلق تھی منقطع ہوچکی اور حنث کی گنجائش نہ رہی، یہی امام ابن الہمام اسی فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الحیاۃ المعادۃ غیر الحیاۃ المحلوف علی اذنہ فیھا وقدومہ وھی الحیاۃ القائمۃ حالۃ الحلف لان تلک عرض تلاشی لایمکن اعادتھا بعینھا وان اعیدت الروح فان الحیاۃ غیر الروح لانہ امر لازم للروح فیما لہ روح[1]

دوبارہ دی جانے والی زندگی اس زندگی کے علاوہ ہے جس کے اندر اجازت اور آمد کی قسم کھائی تھی اور وہ زندگی وہ ہے جو قسم کھانے کے وقت اس شخص کے ساتھ قائم تھی، کیونکہ وہ تو ایک عرض ہے جو ختم ہوگیا۔ بعینہ اس کا اعادہ ممکن نہیں، اگرچہ روح کا اعادہ ہو۔ اس لیے کہ حیات روح کے علاوہ ایک شئ ہے، وہ ایک ایسا امر ہے جو رُوح کے لیے لازم ہے اُس شئ میں جس کے لیے روح ہوتی ہے۔ (ت)

تنبیہ جلیل: الحمدللہ جس طرح اس تقریر سے یہ واضح ہوا کہ ہمارے مشائخ کرام باتباع احادیث صحیحہ اُن علیا اوہام حجاب و حائل خشت وگِل قبر کو مہمل و ناقابلِ التفات جانتے ہیں کہ میت مدفون کے لیے وقت اعادہ رُوح ایسی تھی آواز بائے بیرونی کا سماع ثابت مانتے ہیں۔ یُونہی یہ بھی لائح ہوا کہ یہاں سماعِ جسمانی سے مانع یہی موت تھی، ولہذا جس وقت جسم کو ایک نوعِ حیات ملی سماعِ اصوات کی راہ کھلی، تو ظاہر کہ روح کہ بالاجماع ہمیشہ زندہ و مستمر بحالِ خود نامتغیر ہے اُس کا سماع عادۃً دائم ہے کہ مصحح موجود اور مانع مفقود، اب کُھلا کہ مشائخ کرام کی یہ بحث و کلام فقط مذہب منکرین سے بیگانہ ہی نہ تھی بلکہ بحمداللہ تعالٰی صراحۃً اُن کا رد ہیں، اس تحقیق انیق کے بعد صاحبِ تفہیم المسائل کا مزاج پُوچھئے کہ آپ کی اس خوش فہمی و قوت فہمی نے کہ:

در فتح القدیر نوشتہ کہ بنائے منع تلقین نزد اکثر مشائخ ناچر عدم سماع موتی است و در آخر گفتہ کہ طائفہ مشائخ در حدیث تلقین قائل بحقیقت بدیں وجہ شدہ اند کہ وقت تلقین مقام ارجاع روح است برائے سوال و جواب وایں وقت موتی را بجہت عود روح سماع حاصل است پس ایں طائفہ ہم منکر سماع موتی است و در وقتِ سوال وجواب ہم قائل سماع از دریں صورت از عبارت فتح القدیر معلوم مے شود کہ مذہب ہمہ فقہا انکار

فتح القدیر میں مرقوم ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک منع تلقین کی بنیاد عدم سماع موتی پر ہے۔ اور آخر میں کہا کہ ایک جماعتِ مشائخ حدیث تلقین میں حقیقت کی قائل اس وجہ سے ہُوئی کہ وقتِ تلقین، سوال وجواب کے لیے رُوح لوٹائے جانے کا موقع ہے اور اس وقت روح کے عود کرنے کے باعث مُردوں کو سماع حاصل ہے تو یہ جماعت بھی سماعِ موتی کی منکر ہے اور سوال وجواب کے وقت سبھی سماع کے قائل ہیں، اس طرح فتح القدیر کی

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الکلام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۴۲۲

سماعِ موتٰی است[1]۔ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سماعِ موتٰی سے انکار تمام فقہاء کا مذہب ہے۔ (ت)

کیسا محکم تیر بازگشت پیدا کیا یہ تو اسی عقلمند کے کلام سے واضح ہُوا کہ وہ میّت جس کے لیے فقہاء سماع نہیں مانتے بدن ہی ہے، ذرا ہوش میں آکر بتانا کہ عودِ رُوح کس میں ہوتا ہے؟ پھر یہ پُوچھئے کہ اے ذی ہوش! وُہ روح جس کے ادنیٰ عود سے یہ مشتِ خاک اتنے حجابوں حائلوں میں بالاتفاق سمیع ہوجاتا ہے وُہ خود کہ حجاب وحائل سے منزّہ اور ہمیشہ زندہ ہے، کیوں نہ بالاتفاق دائمًا شنوا و بینا ہوگی! اب یاد کیجئے کہ امام ابن الحاج کا ارشاد مذکور قول ۵ و ۶ کہ اولیائے احیاء نورِ خدا سے دیکھتے ہیں، اور نورِ خدا کو کچھ حاجب نہیں، پھر اموات کا کیا کہنا، اور شاہ عبدالعزیز صاحب کا مقال، کہ رُوح کے آگے مکان دور و نزدیک یکساں ہے جس طرح نظر کنوئیں میں آسمان پر کے ستارے دیکھتی ہے وغیر ذٰلک اقوالِ کثیرہ مذکورہ۔ دیکھ ظالم! حجتِ الٰہی یُوں قائم ہوتی ہے۔ ہاں یہ باقی رہا کہ ادراکِ روح کے لیے جسم شرطماننے یہ اوپر واضح ہوچکا کہ اس کے کون قائل ہیں، معتزلہ وغیرہم لیام۔ آگے تم جانو اور تمہارا کام۔ یہی بحمداللہ تقریر و تفسیر و تنویر اُس کلامِ حضراتِ مشائخ کی' جسے مخالف اپنا کمال موافق جان کر اہلِ حق سے اُلجھتے اور موافق بگمان تخالف مشکل و معضل سمجھتے، اہلِ بدعت اپنی سپر و پناہ ٹھہرا کر آسمانِ ناز پر اپنی ٹوپیاں اُچھالتے، اور اصحابِ سنّت بظاہر مخالف عقیدہ صادقہ پاکر سلاحِ معارضہ و مناقضہ سنبھالتے، اب بعونِ عزیز مقتدر عزجلالہٗ روشن ہوگیا کہ امر بالکل بالعکس ہے۔ وہ کلام ہدایت نظام سراپا عقیدہ اہلِ سنت کے مطابق اور مذہبِ مخالف کا رد و نکس ہے۔ بحمداللہ تعالٰی اب مخالف دیکھئے کہ اس کے شوشے قعرِ عدم کے کس گوشے میں گئے، موافق نہ صرف موافق، ہر ذی عقل منصف دیکھے کہ بفضلہٖ تعالٰی اس تقریرِ منیر سے کیا کیا فائدے حاصل ہُوئے:

فائدہ ۱: کلامِ مشائخ بحمداللہ تعالٰی ہرگز عقیدہ اہلسنت کے مخالف نہیں۔

فائدہ ۲: نہ عیاذًا باللہ کسی حدیثِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف۔

فائدہ ۳: نہ تصریحاتِ ائمہ میں اصلاً تعارض۔

فائدہ ۴: نہ خود ان علماء کے کلام میں کہیں یُوئے تناقض۔

فائدہ ۵: نہ وہ اس مسئلۂ یمین میں اپنی ہی اصل مقرر یعنی بناعلی العرف سے جُدا چلے بلکہ اُسی جڑ سے یہ پودے کھلے۔

فائدہ ۶: نہ وہ ہرگز کسی تخصیص بے دلیل کے مرتکب ہُوتے، نہ اُن کی اس دلیل پر زنہار کوئی نقض وارد، نہ تفریع و تاصیل پر کچھ الزام عائد، غرض یہ سب اور دیگر مقامات میں ان کے کلمات اور باقی ائمہ کے نصوص و تصریحات اور

---

[1] تفہیم المسائل عدم سماعِ موتٰی از کتبِ حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۰ و ۸۱

احادیث و آثار کے عالی ارشادات بحمد اللہ تعالٰی سب متفق و منتظم ہیں اور ایک دوسرے سے متناسب و ملتئم۔ اور اس تقریر معقول، مستنیر و مصقول، واجب القبول نہ مانیے تو یہ تمام فوائد منقلب ہو کر ان کے مقابل اتنے ہی ضرر حاصل، اور نتیجہ کچھ نہیں کہ انجام یہ ٹھہرے گا کہ کلام مشائخ طرح طرح سے منقوض باطل اور انواع انواع زلزلوں سے متزلزل اور آپ ہی اپنی تلوار سے گھائل، پھر کیا کسی استناد کے قابل وھذا ممالا یرضاہ عاقل (اور اسے کوئی عاقل پسند نہ کرے گا) اب بحمد اللہ مہرنیمروز و ماہ نیم ماہ سے زیادہ رخشاں و درخشاں ہوا کہ بعض کبرائے متاخرین شراح محدثین نے اس باب میں جو تقریریں فرمائیں اصل مرام مشائخ کرام پر وارد نہیں، وہ گویا بر سبیل ارخائے عنان رائحہ مخالفت مان کر جواب مخالف کی تعلیمیں تھیں اور واقعی ہمارے ائمہ کرام و مشائخ اعلام کی انظار غامضہ ایسی ہی عالیہ واقع ہوتیں کہ بعض اوقات انظار ناظرین متاخرین ماہرین اُس کے مرقاۃ مدارج و معالی معارج تک وصول میں متساہل رہیں جیسا کہ خادم ابواب و فصول فقہ و اصول پر آشکار و مبین، یہ بحمد اللہ تعالٰی حق تحقیق و تحقیق حق ہے جس سے حق تحقیق بقبول و تصدیق یک سرِمُو متجاوز نہیں ھکذا اینبغی التحقیق واللہ سبحانہ ولی التوفیق (اسی طرح تحقیق چاہیے اور خدائے پاک ہی توفیق کا مالک ہے۔ ت) الحمد للہ! اگر اس تمام کتاب میں اُن مقدمات سبعہ کی تمہید و تزئین اور اس جواب عین الصواب کی تحریر و تبیین کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو بفضل عظیم حضرت کریم عم نوالہٗ اسی قدر شافی وکافی و مغنی و وافی تھا،

ذلك فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون ۵ رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ وعلٰی والدی و ان اعمل صٰلحا ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیك وانی من المسلمین ۵ والحمد للہ رب العالمین۔

وہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اے میرے رب! مجھے یہ عطا کر کہ میں شکر ادا کروں اُس احسان کا جو تُو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا، اور یہ کہ میں نیک کام کروں جس سے تو راضی ہو، اور میری اولاد کو میرے فائدے کے لیے نیکی دے، بیشک میں تیری طرف رجوع لایا اور یقیناً میں اسلام والوں سے ہوں اور سب خوبیاں اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے (ت)

الحمد للہ اس جواب جلیل و جمیل کے بعد اصلاً حاجت نہیں کہ اور جوابوں کی طرف توجہ کروں، دلائل نے بفضلہٖ تعالٰی یقین قطعی دے دیا ہے کہ بلاشبہہ مراد مشائخ کرام یہی ہے تو اب کیا ضرورت ہے کہ تنزلات کیجئے، ارخائے عنان سے مہلتیں دیجئے، مگر مخالف کو شکایت و حسرت نہ رہے، لہٰذا چاشکری کو کچھ اور بھی امتداد سہی، اسی جواب کے متعلق بعض تنبیہات مفیدہ لکھ کر دیگر اجوبہ کی طرف عطف عنان کروں وباللہ التوفیق۔

تنبیہ اول: اقول بعض مسائل میں اہل بدعت اور بعض یا کل اہلسنت متفق ہوتے ہیں اور ان کے

ماخذ حسب اختلاف مذہب مختلف مثلاً حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نام پاک لے کر ندا کرنی ہمارے نزدیک بھی ناجائز ہے اور وہابیہ تو قاطبۃً شرک کہتے ہیں ان کا ماخذ ملوم وہی شرک موہوم، اور ہمارے منع کی وجہ آیہ کریمہ لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً[1] رسول کا پکارنا اپنے میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ تو نام لے کر ندا ناجائز ہے بلکہ یارسول اللہ، یاحبیب اللہ، یاخلیفۃ اللہ وغیرہا اوصاف کریمہ کے ساتھ ندا چاہیے۔
یُوں ہی مسئلۂ تلقین بعد دفن کو جمہور معتزلہ تو منع کیا ہی چاہیں کہ اُن سنگ ساروں کے نزدیک اموات کی رُوح و بدن سب اینٹ پتھر ہیں، ولہذا وُہ سفہاء عذابِ قبر و سوالِ نکیرین کے منکر ہیں اور حنفیہ میں جمہور مانعین وہی ہیں قول ۱۳۱ میں امام زاہد صفار کا ارشاد سُن چکے کہ منع تلقین مذہب معتزلہ پر ہے، قول ۱۳۴ و ۱۳۵ میں جوہرہ نیرہ و درمختار سے گزرا کہ تلقین اہل سنّت کے نزدیک مشروع ہے۔ قول ۱۵۴:

ہر کہ تلقین نمی کند وئی گوید بآں او بر مذہب اعتزال ست کہ گویند میت جماد محض است[2]

جو تلقین کا عامل و قائل نہیں وُہ مذہب معتزلہ پر ہے جو کہتے ہیں کہ میّت جماد محض ہے (ت)

ولہذا امام ابن ہمام نے اپنا عندیہ بیان فرمایا کہ میرے گمان میں منع تلقین انکارِ سماع پر مبنی ہے، یہ اُن جمہور مانعین کے لحاظ سے ضرور صحیح ہے مگر بعض علمائے اہلِ سنّت کہ منع میں شریک ہُوئے اُن کا ماخذ یہ ہرگز نہیں بلکہ بعض کے نزدیک بدعت ہونا کما مرعن سلطان العلماء (جیسا کہ سلطان العلماء سے گزرا۔ ت) یا ان کے خیال میں بے فائدہ ٹھہرنا کہ ایمان پر گیا تو کیا حاجت ورنہ کیا منفعت! ولہذا امام نسفی نے مسئلۂ یمین میں وہ تصریحات فرمائیں مگر انکارِ تلقین میں ہرگز اس کا نام نہ لیا بلکہ اسے عدم فائدہ سے استناد کیا، جیسا کہ قول ۸۰ و نکتہ جلیلہ میں گزرا۔
ولہذا ملک العلماء بحر العلوم عبدالعلی محمد نے جب انکارِ تلقین اختیار کیا اس پر اسی انعدام نفع سے استظہار اور ساتھ ہی بربنائے انکار سماع انکار ماننے پر صریح انکار کیا ارکانِ اربعہ میں فرماتے ہیں:

لان المیت لافائدۃ فی تلقینہ اصلا لانہ ان مات مسلما فھو ثابت علی الشھادۃ بالتوحید والرسالۃ فالتلقین لغو وان مات کافرا فلا یفید التلقین لانہ لاینفعہ الایمان بعد الموت وما قیل ان التلقین لغو لان المیت

تلقینِ میّت میں اصلاً کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ اگر وہ اسلام پر مرا ہے تو خود توحید و رسالت پر قائم ہے پھر تلقین بیکار ہے، اور اگر کفر پر مرا ہے تو تلقین سُود مند نہ ہوگی اس لیے کہ موت کے بعد ایمان لانا اسے نفع بخش نہ ہوگا۔ اور یہ جو کہا گیا کہ تلقین اس لیے لغو ہے کہ میّت

---

[1] القرآن ۲۴/ ۶۳

[2] کشف الغطاء فصل احکامِ دفن مطبع احمدی دہلی ص ۵۰

لایسمع فھذا باطل[1] سنتا نہیں تو یہ باطل ہے۔(ت)

فائدہ: امام علام شیخ الاسلام نسفی نے جس طرح کافی میں منع تلقین پر صرف نفی نفع بروجہ مذکور سے استدلال کیا جس سے صاف مترشح کہ وہ اصل سماع کے منکر نہیں، ورنہ سرے سے یہی فرمانا تھا کہ تلقین کسے کی جائے، اینٹوں پتھروں کو۔ یُوں ہی آیات کریمہ کی تفسیر میں نفیِ انتفاع ونفیِ قبول ذکر فرمائی، زیر کریمہ طانک فرمایا شبہ الکفار بالموتی حیث لاینتفعون بمسموعھم[2] (کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی اس لحاظ سے کہ وہ جو سُنتے ہیں اس سے نفع یاب نہیں ہوتے۔ت) زیر کریمہ نمل لما کانوا لایعون مایسمعون ولابھم ینتفعون شبھوا بالموتی[3] (چونکہ کفار جو سنتے ہیں اس کو سمجھتے نہیں اور اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اس لیے انھیں مُردوں سے تشبیہ دی گئی۔ت) زیر کریمہ روم وھؤلاء فی حکم الموتی فلا تطمع ان یقبلوا منک[4] (اور یہ مُردوں کے حکم میں ہیں تو اس کی طمع نہ رکھو کہ وہ تمھاری بات قبول کریں گے۔ت)

مگر صاحب تفہیم المسائل تو اختراع وافترا کے ماہر کامل صاف لکھ دیا:

در تفسیر مدارک تحت آیہ کریمہ والذین کذبوا بایٰتنا صم بکم ای ولیسد المعنی انھم فی حال کفرھم وتکذیبھم کمن لایسمع ولایتکلم فلھذا اشبہ الکفار بالموتی لان المیت لایسمع ولایتکلم کذا قال ابن الخازن العراقی الشافعی فی تفسیرہ لباب التاویل فی معنی التنزیل انتہی[5]

تفسیر مدارک میں آیت کریمہ" جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا بہرے گونگے ہیں" کے تحت لکھتے ہیں: معنی یہ ہے کہ وہ اپنے کفر وتکذیب کی حالت میں ان کی طرح ہیں جو سنتے بولتے نہیں، اسی لیے کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی اس لیے کہ مُردہ سنتا بولتا نہیں۔ ایسے ہی ابن خازن عراقی شافعی نے اپنی تفسیر لباب التاویل فی معنی التنزیل میں فرمایا۔ انتہی، یعنی عبارتِ مدارک ختم۔(ت)

اھ مدارک شریف میں اس عبارت کا نشان نہیں، لطف یہ کہ اس میں تفسیر لباب التاویل کا حوالہ نقل کرکے انتہی کردی یعنی یہاں تک عبارتِ مدارک تھی، حالانکہ صاحب مدارک کی وفات ۷۰۱ھ یا ۷۱۰ھ میں علی اختلاف القولین ہے اور لباب التاویل کی تالیف ۷۲۵ھ میں ختم ہوئی، نہ امام اجل نسفی ایسے حوالے کے عادی، اور وہ بھی اپنے کسی

---

[1] رسائل الارکان فصل فی حکم الجنازۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۵۰
[2] تفسیر النسفی (مدارک التنزیل) ومآ انت بمسمع من فی القبور دار الکتاب العربی بیروت ۳/۳۳۹
[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ سورہ نمل زیر آیت انک لاتسمع الموتی ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۳/۲۲۲
[4] ؍؍ ؍؍ ؍؍ روم فانک لاتسمع الموتی ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۳/۲۷۶
[5] تفہیم المسائل عدمِ سماع موتی از کتبِ حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۸

ایسے معاصر بلکہ مدارک العصر سے، مگر نابینائی جو چاہے کرائے۔

تنبیہ دوم: اقول بحمداللہ تعالٰی واضح ومنقح ہوچکا کہ ہمیں بقائے حیات بدن وسماع جسمانی سے کچھ کام نہ وہ عام لوگوں میں ہمارا دعوٰی، نہ ہمارا کوئی مسئلہ اس پر موقوف۔ تو اگر بالفرض بدن کے لیے موت مطلق دائم رہتی ہمارا کچھ حرج نہ تھا، ورودِ نصوص کے سبب ہم نے تنعیم وتعذیبِ قبر روح وبدن دونوں کے لیے مانی، اور بشہادت عقل ونقل بدن کے واسطے بھی ایک نوع حیات اس تلذذ وتنعم وتالم کے لیے لازم جانی، ہاں یہ ضرور ہمارا مدعا ہے اور بحمداللہ تعالٰی دلائل قاہرہ اس پر قائم ہوچکے کہ روح باقی ومستقر بحال ونامتغیر وسمیع ومبصر، اور بدن کے ساتھ اس کا ایک تعلق ہمیشہ مستمر، تو جو کچھ بعد فراق بھی بدن کے ساتھ کیا جائے ضرور دیکھے گی، مطلع ہوگی۔ اگر وہ فعل تعظیم ہے پسند کرے گی یا اہانت ہے ناخوش ہوگی، اذیت پائے گی۔ فصول سابقہ اس بیان کی متکفل ہوچکیں تو خارج سے بھی جو ضرب یا صدمہ بدنِ میت پر واقع ہو اگر بطور استہانت وتحقیر ہے قطعاً روح کو ایذائے روحانی ہوگی۔ رہا یہ کہ اس سے اُسے اذیت ودردِ جسمانی بھی لاحق ہوگا یا نہیں، یعنی جس طرح عالمِ حیات میں بدن پر جو صدمہ آتا بدن اسے روح تک پہنچانے کا آلہ وواسطہ بنتا کہ اس کے تفرق اتصال سے روح کو درد پہنچتا، آیا بعد فراق بھی مثل عذابِ الٰہی والعیاذ باللہ تعالٰی تعذیب بشری سے بھی الم ہوتا ہے یا اس میں دردِ منتفی، اور صرف وہی توہین کے باعث ناخوشی باقی ظاہر کلامِ مشائخ کرام جانب دوم ہے، ولہٰذا کافی میں فرمایا:

الميت لايتالم بضرب بنى اٰدم وانما ذلك مما يتفرد به الله تعالٰى[1]۔

میت کو بنی آدم کے مارنے سے دُکھ نہیں ہوتا۔ یہ ایسا امر ہے جو خدائے تعالٰی کے ساتھ خاص ہے(ت)

اور یہی مقتضائے اثر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے:

اخرج ابن سعد عن خلف بن معدان قال لما انهزمت الروم يوم اجنادين انتهوا الى موضع لايعبره الا انسان انسان وجعلت الروم تقاتل عليه وقد تقدموه وعبروه فتقدم هشام بن العاص رضى الله تعالٰى عنه فقاتل عليهم حتى قتل، ووقع على تلك الثلمة فسدها، فلما انتهى المسلمون اليها هابوا ان يوطؤها الخيل

ابن سعد نے خلف بن معدان سے روایت کی وہ فرماتے ہیں جب روزِ اجنادین رومی شکست خوردہ ہونے لگے ایک ایسی تنگ جگہ پہنچ گئے جسے بس ایک ایک آدمی پار کرسکتا تھا، اسی جگہ رومی جنگ کرنے لگے، ہشام بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ آگے بڑھے، لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہوکر اُسی تنگ جگہ آرہے۔ ان کے جسم سے وہ حصہ بھر گیا جب مسلمان وہاں پہنچے تو ان کے اوپر گھوڑے

---

[1] کافی شرح وافی

فقال عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ ایہا الناس ان اللہ قد استشھدہ ورفع روحہ وانما ھو جثۃ فاوطؤہ الخیل ثم اوطاہ ھو وتبعہ الناس حتی قطعوہ[1]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا: اے لوگو! اللہ تعالٰی نے انھیں شہادت دی اور اس کی رُوح کو اُٹھا لیا اب یہ صرف جُثّہ ہے، تو اس پر سے گھوڑے گزار دو۔ پھر انھوں نے پہل کی اور لوگوں نے آپ کی اتباع کی، یہاں تک کہ وُہ جسم پارہ پارہ ہوگیا۔ (ت)

امام جلیل جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

ھذہ الاثار لاتدل علی ان الارواح لاتتصل بالابدان بعد الموت، انما تدل علی ان الاجسام لاتتضرر بمایالھا من عذاب الناس لھا ومن اکل التراب لھا فان عذاب القبر لیس من جنس عذاب الدنیا وانما ھو نوع اخر یصل الی المیت بمشیۃ اللہ تعالٰی وقدرتہ[2]

ان آثار میں اس پر دلیل نہیں کہ موت کے بعد بدن سے رُوح کا تعلق نہیں ہوتا، ان کی دلالت صرف اس پر ہے کہ جسم کو اس تکلیف سے ضرر نہیں ہوتا جو انسانوں کی جانب سے اُسے پہنچائی جاتی ہے، اسی طرح مٹی کے کھا لینے سے اسے تکلیف نہیں ہوتی، اس لیے کہ عذابِ قبر عذابِ دنیا کی جنس سے نہیں، وہ ایک دوسری قسم کی چیز ہے جو اللہ تعالٰی کی مشیت وقدرت سے میت کو پہنچتی ہے۔ (ت)

او ظواہر حدیث ودیگر آثار واخبار واقوال اخیار جانب اول ہیں، حدیث ۲۶ میں روایت دارقطنی سے زیادت لفظ فی الالم گزری یعنی مُردہ وزندہ کی ہڈی توڑنی درد میں برابر ہے۔ علامہ طیبی شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

جم غفیر ذھبوا الی ان المراد ان کسر عظم المیت ککسر عظمہ حیا فی التألم والتاذی[3]

جماعتِ عظیم علماء اس طرف گئی کہ مراد حدیث یہ ہے کہ مُردے کی ہڈی توڑنی درد وایذا میں ایسے ہی ہے جیسے زندہ کی۔

امام ابوعمر ابن عبدالبر وشیخ محقق کا اس باب میں ارشاد قول ۳۰ واہم میں گزرا اور تینوں سید علامہ ابراہیم حلبی واحمد مصری ومحمد شامی محشیانِ دُر کے اقوال اُسی کے بعد مذکور ہوئے، حدیث ۴۳ میں بروایت صحیح مسلم شریف انہی عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے گزرا: اذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا[4]۔ جب مجھے دفن کرو تو مٹی مجھ پر

---

[1] الطبقات الکبرٰی لابنِ سعد ترجمہ ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ دارصادر بیروت ۴/ ۱۹۴

[2] شرح الصدور باب احوال الموتی فی قبورھم خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۸۳

[3] مرقاۃ شرح مشکوۃ بحوالہ الطیبی فصل ثالث من باب دفن المیت مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۷۹

[4] صحیح مسلم باب کون الاسلام یہدم ماقبلہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۷۶

آہستہ آہستہ زم زم ڈالنا۔ یہی وصیت حدیث ۳۲ میں علاء بن اللجلاج تابعی سے گزری اور وہیں اس پر شیخ محقق کا قول کہ:

ایں قول اشارت است بآنکہ میت احساس می کند و دردناک می شود بآنچہ دردناک می شود بآں زندہ[1]

اس قول میں اس جانب اشارہ ہے کہ میت کو احساس ہوتا ہے اور اُسے بھی اس چیز سے درد پہنچتا ہے جس سے زندہ کو درد پہنچتا ہے (ت)

حدیث ۱۶ میں امام سفیان کا ارشاد گزرا کہ:

انہ لیناشد باللہ غاسلہ الا خففت غسلی[2]

مردہ اپنے نہلانے والے کو خدا کی قسم دیتا ہے کہ مجھ پر آسانی کرنا۔

ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے ایک عورت کی میت کو دیکھا کہ اس کے سر میں زور زور سے کنگھی کی جاتی ہے، فرمایا:

علام تنصون میتکم[3]۔ الامام محمد فی الاٰثار اخبرنا ابوحنیفۃ ح وعبدالرزاق فی مصنفہ واللفظ لہ قال اخبرنا سفیٰن عن الثوری کلاھما عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراھیم النخعی عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا انہا رأت امرأۃ یکدون رأسہا بمشط فقالت علام تنصون میتکم[4]۔ ورواہ کمحمد ابوعبید القاسم بن سلام وابراھیم الحربی فی کتابیھما فی غریب الحدیث عن ابراھیم عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا انہا سئلت عن المیت یسرح رأسہ فقالت علام

کس جُرم میں اپنے مُردے کی پیشانی کے بال کھینچتے ہو۔ (اسے امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کیا، فرمایا، ہمیں ابوحنیفہ نے خبردی۔ اور عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا۔ الفاظ اسی کے ہیں، کہا ہمیں خبردی سفیان نے وہ ثوری سے راوی ہیں، امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری دونوں حماد بن ابی سلیمان سے وہ ابراہیم نخعی سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی ہیں اُنھوں نے دیکھا کہ ایک عورت کے بالوں میں کنگھا کررہے ہیں، فرمایا: "کیوں اپنی میت کی پیشانی کے بال کھینچتے ہو؟" اور اسے امام محمد کی طرح ابوعبید قاسم بن سلام اور ابراہیم حربی نے اپنی اپنی کتاب غریب الحدیث

---

[1] اشعۃ اللمعات باب دفن المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹۷

[2] شرح الصدور عن سفیان باب معرفۃ المیت من یغسلہ خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۴۰

[3] کتاب الآثار امام محمد باب الجنائز وغسل المیت ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۴۶

[4] مصنف عبدالرزاق باب شعر المیت واظفارہ حدیث ۶۲۳۱ المکتبۃ الاسلامی بیروت ۳/ ۴۳۷

تنصون میتکم[1] میں ابراہیم نخعی سے، انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا، ان سے میت کے سر میں کنگھا کرنے سے متعلق سوال ہُوا، فرمایا، کیوں اپنی میت کا مُوئے پیشانی کھینچتے ہو۔ ت)

بالجملہ رُجحان اسی جانب ہے اور بہر حال اگر الم مانئے تو مسئلہ یمین فی الضرب پر کچھ نقض نہیں کہ یہ الم پہنچے گا حیاتِ معادہ سے، اور حلف تھا حیاتِ موجودہ عند الحلف پر، کما قد منا تحقیقہ عن الفتح (جیسا کہ فتح القدیر سے اس کی تحقیق ہم پیش کر چکے۔ ت) اور نہ مانیے تو مسئلہ سماع میں کچھ نقض نہیں کہ ہمارا کلام رُوح سے ہے، آلیتِ بدن ہونا نہ ہونا یکساں۔ ولہذا امام اجل سیوطی نے باں کہ اثباتِ سماعِ موتٰی میں وہ تحقیقاتِ باہرہ و قاہرہ رکھتے ہیں اس تقریر پر تقریر فرمائی۔

ھکذا ینبغی ان یفھم ھذا المقام واللہ سبحانہ ولی الانعام وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علٰی سیدنا محمد اکرم الکرام و اٰلہ وصحبہ الی یوم القیام۔

اسی طرح اس مقام کو سمجھنا چاہیے۔ اور خدائے پاک ہی انعام کا مالک ہے۔ اور بہتر درود، کامل تر سلام ہمارے آقا حضرت محمد پر جو کریموں میں سب سے زیادہ کریم ہیں، اور ان کی آل واصحاب پر، روزِ قیامت تک۔ (ت)

جوابِ دوم: مانا کہ رُوح ہی میں کلام ہے مگر کہاں سے، کہ سمع منفی بمعنی ادراک بتوسط آلاتِ جسمانیہ نہیں، یوں بھی مطلب حاصل، اور تنافی زائل کہ منفی یہ ہے اور مثبت بمعنی انکشافِ تام اصوات بروجہ جزئی۔ اس جواب کے قریب قریب کلام تنزلی سے حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا، شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

دریں جا سخن دیگر است کہ فرضاً اگر از ثبوت سماع تنزل کنیم باعتبار آنکہ سماع بجاسہ سمع می باشد و سمع بخرابی بدن خراب شد گوئیم از نفی سماع نفی علم لازم نمی آید و علم بر روح بود کہ باقی است پس علم بہ مبصرات و مسموعات حاصل باشد نہ بر وجہ ابصار و سمع چنانچہ بعض متکلمان سمع و بصرالٰہی تعالٰی را بعلم مسموعات و مبصرات تاویل کردہ اند[2] الخ۔

یہاں ایک اور گفتگو ہے کہ بالفرض اگر ہم ثبوتِ سماع سے تنزل کریں، اس لحاظ سے کہ سُننا کان سے ہوتا ہے اور کان فسادِ بدن کی وجہ سے فاسد ہو چکا تو ہم کہیں گے نفیِ سماع سے نفیِ علم لازم نہیں آتی، اور علم رُوح سے ہوتا ہے جو باقی ہے تو دیکھی سُنی جانیوالی چیزوں کا علم حاصل ہوگا اگرچہ دیکھنے اور سُننے کے طور پر نہ ہوگا، جیسا کہ بعض متکلمین نے خدائے تعالٰی کے سمع و بصر کی تاویل مسموعات اور مرئیات کے علم سے کی ہے الخ (ت)

---

[1] غریب الحدیث   قاسم بن سلام و ابراہیم الحربی

[2] اشعۃ اللمعات   باب حکم الاسراء   مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر   ۲/ ۴۰۰ و ۴۰۱

اقول وباللہ التوفیق محصل ارشاد مبارک شیخ شیوخ علماء الہند قدس سرہ یہ ہے کہ سمع حقیقۃً بمعنی مطلق ادراک مخصوص اصوات ہے عام ازیں کہ آلات جسمانیہ کا توسط ہو یا نہیں، ولہذا اللہ عزوجل کو سمیع مانتے ہیں کہ عقیدہ ایمانیہ ہے' محققین کے نزدیک کوئی تاویل وتجوز نہیں، اسی لئے ہم قائل سماع حقیقی ارواح مفارقہ ہیں اگرچہ موت تعطیل آلات کردے اور اگر سمع کے لیے یہ معنٰی بھی نہ مانیے بلکہ توسط آلات ہی سے مخصوص جانیے تو ہم علی سبیل التنزل کہیں گے کہ سمع نہ سہی ادراک تام بروجہ جزئی تو ہے، اسی قدر سے ہمارا مدعا حاصل، اگرچہ بنام سمع تعبیر نہ کریں جیسے بعض متکلمین نے سمع وبصر الٰہی جل وعلا کو یونہی تاویل کیا، اور مقدمہ رابعہ میں تقریر فقیر غفرلہ المولی القدیر یاد کیجئے تو اس کا مسلک یہ ہے کہ بحمد اللہ تعالٰی نہ ہمیں دعوٰی سمع سے تنزل کی حاجت نہ روح مفارق، یا معاذاللہ حضرت عزت میں ارتکاب تاویل کی ضرورت سمع کے دونوں معنی مقرر ومسلم ہیں اور ایک دوسرے کا نافی نہیں، معنی آلیت نہ کبھی مراد تھی کہ اب تنزل کریں نہ اس معنی میں اطلاق سمع محصور ہو سکے کہ ناچار تاویل وتحمل کریں، خیر یہ طرز بحث کا تنوع تھا اصل سخن کی طرف چلئے۔ **فاقول** جبکہ سمع کے جسمانی وروحانی دونوں معنی اور جسمانی کی نفی میں نہ ہمیں ضرر نہ مخالف کو نفع، تو احتمال قاطع استدلال نہ کہ جب جسمانی ہی کا ارادہ راجح وواضح ہو، پر ظاہر کہ ادراک اصوات کا یہی طریقہ معلومہ معہودہ ہے، تو بابِ محاورات عرفیہ میں ذہن اسی طرف تبادر کرے گا، آخر نہ دیکھا جب حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بعد ذکرِ فضائل جمعہ ارشاد فرمایا:

اکثروا علیّ من الصّلٰوۃ فیہ فان صلٰوتکم معروضۃ علیّ۔

اس دن مجھ پر درود بہت بھیجو کہ تمہارا درود مجھ پر عرض کیا جائے گا (ت)

صحابہ نے گزارش کی:

یارسول اللہ وکیف تعرض صلاتنا علیک وقد ارمت۔

یارسول اللہ! یہ کیونکر ہوگا حالانکہ بعد وصال جسم باقی نہیں رہتے (ت)

فرمایا:

ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء[1]

بے شک اللہ تعالٰی نے زمین پر انبیاء کا جسم کھانا حرام کیا ہے۔ (ت)

رواہ الامام احمد والدارمی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن خزیمۃ وابن حبان والدارقطنی والحاکم والبیہقی فی الدعوات الکبیر وابونعیم وصححہ۔

اسے امام احمد، دارمی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی، حاکم، دعوات کبیر میں بیہقی، اور ابونعیم نے روایت کیا ـــ اور ابن خزیمہ،

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از اوس بن ابی اوس دارالفکر بیروت ۴/ ۸
سنن ابن ماجہ باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹
سنن ابوداؤد باب تفریع ابواب الجمعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۵۰

الاربعة السابقون علی الاخیرین وابن دحیۃ وغیرھم وحسنه عبدالغنی والمنذری۔

ابن حبان، دارقطنی، حاکم اور ابن دحیہ وغیرہم نے اسے صحیح کہا اور عبدالغنی اور منذری نے حسن کہا۔ (ت)

اسی طرح دوسری حدیث میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اکثروا الصلٰوۃ علی یوم الجمعۃ فانه مشھود تشھدہ الملٰئکۃ وان احدا لم یصل علی الا عرضت علی صلٰوته حتی یفرغ منھا۔

جمعہ کے دن مجھ پر درود زیادہ بھیجا کرو کہ وہ دن حضورِ ملائک کا ہے رحمت کے فرشتے اس دن حاضر ہوتے ہیں اور جو مجھ تک درود بھیجتا ہے جب تک بھیجتا ہے اس کی درود مجھ پر پیش کی جاتی ہے۔

ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں، قلت وبعد الموت میں نے عرض کی اور بعد انتقالِ اقدس؟ فرمایا: ان اللہ تعالٰی حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء بے شک اللہ تعالٰی نے زمین پر انبیاء کا جسم کھانا حرام کیا ہے۔ تتمہ حدیث ہے، فنبی اللہ حی یرزق[1] اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی دئے جاتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنه۔

اسے امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا (ت)

پر ظاہر کہ پیش ہونے کے معنی نہ تھے مگر اطلاع دی جاتی، اس سے صحابہ کرام کے ذہن ادراک و اطلاع بذریعہ آلاتِ جسمانی ہی کی طرف گئے لہذا وہ سوال عرض کئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حیاتِ بدن ہی سے جواب دئے، صاحبِ تفہیم المسائل کی جہالت کہ یہ حدیثیں ذکر کرکے لکھا،

عہ ھکذا الان ھذہ القطعۃ محتملۃ الادراج فاثبتھا علی وجه یحتمل الوجھین وھذا من دقائق حسن التعبیر فلیتنبه وللہ الحمد ۱۲۔

میں نے اسے اس طرح ذکر کیا، اس لیے کہ اس حصۂ حدیث میں یہ احتمال ہے کہ راوی نے اپنے طور پر کہا ہو اور یہ بھی کہ حضور کا کلام نقل کیا ہو تو میں نے اس طور پر اسے لکھا کہ دونوں صورتیں بن سکیں، یہ حسن تعبیر کی باریکی ہے جس پر تنبہ چاہئے۔ اور حمد خدا ہی کے لیے ہے۔ (ت)

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ذکر وفاته ودفنه صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

دریں ہر دو حدیث دلیل ست بر آنکہ موتٰی را سماع نیست و بر آنکہ ایں امر مستقر بود نزد صحابہ زیرا کہ ایشاں بر عرض و سماعِ درود بعد موت استعجاب کردہ استفسار نمودند آنحضرت علیہ السلام جواب دادند کہ چوں انبیاء را حیات دنیاوی حاصل و جسد ایشاں نیز باقی ست لہٰذا محلِ استبعاد سماع و عرض نیست ۱؎

ان دونوں حدیثوں میں اس پر دلیل ہے کہ مُردوں کو سماع حاصل نہیں، اور اس پر کہ یہ امر صحابہ کے نزدیک قرار یافتہ تھا اس لیے کہ ان حضرات نے بعد موت درود پیش ہونے اور سُننے پر تعجب کرکے سوال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جب انبیاء کو حیاتِ دنیاوی حاصل ہے اور ان کا جسم بھی باقی ہے تو سُننے اور پیش ہونے کو بعید سمجھنے کا موقع نہیں۔ (ت)

اقول اوّلًا اگر یہ مراد کہ اُن سے عام لوگوں کے لیے بعد موت ادراک جسمانی نہ رہنا مستفاد، تو ہمیں مسلّم، اور تمہیں کیا مفاد، اور ادراکِ روح کا انکار ماننا اور اسی کو اذہانِ صحابہ میں مستقر جاننا معاذ اللہ انھیں بدمذہب ٹھہرانا اور حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اُس پر سکوت تقریر و تسلیم بتانا ہے، ذی ہوش نے آتنا نہ دیکھا کہ صحابہ کرام نے فنائے جسد و بقائے ادراک میں تنافی ظاہر کی اور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نفی تنافی سے جواب نہ دیا بلکہ نفی منافی سے کہ انبیاء کے اجسام بھی زندہ ہیں، اب یہاں ادراکِ رُوح میں کلام ہو تو دو ہی صُورتیں ہیں؛ یا تو صحابہ موتِ جسد سے رُوح کو بھی مُردہ مانتے یا ادراکِ رُوح کے لیے بقائے بدن شرط جانتے۔ فصولِ سابقہ نیز مباحثِ قریبہ میں بار بار تکرار واضح ہوچکا کہ یہ دونوں قول اہلِ بدعت وضالین معتزلہ وغیرہم مخذولین کے ہیں، متن مقاصد و شرح مقاصد سے گزرا کہ بدن کو شرطِ ادراک جاننا اہلسنّت کے خلاف معتزلہ کا اعتساف ہے۔ اسی طرح عامۂ کُتبِ عقائد و تفسیر کبیر وغیرہا میں تصریح منیر۔ افسوس کہ اپنی بدمذہبی بنانے کے لیے معاذ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو عقائدِ فاسدہ کا معتقد و مظہر، اور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اُن پر ساکت و مقرر بتاؤ اور دل میں خوفِ خدا نہ لاؤ۔

ثانیًا کیا خواب میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت صرف سکوت بتانا کہہ رہا ہوں، وہ صراحۃً کلامِ اقدس کے معنے بتاچکا کہ از آنجا کہ انبیاء کے اجسام باقی ہیں، لہٰذا سُننے میں استبعاد نہیں، کیا ظلم ہے کہ صاف صاف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ادراکِ روح کے لیے بقائے جسم کا شرط ماننے والا بتاؤ، خدا بدمذہبی کی بلا سے بچائے۔

ثالثًا طرفہ یہ کہ یہاں پیشیِ درود بذریعہ ملائکہ مقصود عہ حدیث دوم میں شہودِ ملائکہ کی تصریح موجود، اور خود اس کے

عہ اقول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

۱؎ تفہیم المسائل عدمِ سماعِ موتٰی از کتبِ حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۴ و ۸۵

ترجمے میں لکھا،

گفت ابو درداء گفتم بطریق استفہام واستبعاد کہ پس از موت نیز عرض می کنند۔[1]	ابو درداء فرماتے ہیں: میں نے بطریق استفہام واستبعاد عرض کی کہ کیا بعد انتقال اقدس بھی وہ درود پیش کریں گے (ت)

ذرا اس "می کنند" کا مرجع تو بولئے مگر ازبان صحابہ میں فنا وخرابی بدن کے بعد رُوح کی بے ادراکی تمھاری مقررہ بے ادراکی سے بھی فزوں تر تھی کہ ملائکہ کی بات سُننے سمجھنے پر بھی تعجب واستبعاد فرماتے مگر امثال آیۂ کریمہ النار یعرضون علیہا سے کہ مکیہ ہے اور اظہار فضل جمعہ وتنزیل فرض درود سے بہت پہلے نازل ہُوئی، اُن کے کان بے خبر تھے، ہاں بدن کی یہ حالت ضرور ہے کہ اسی کو وُہ موت عارض ہوتی ہے جو مطلقاً منافی شعور ہے تن مُردہ جب تک مُردہ ہے نہ ملک کی بات سُن سکتا ہے نہ بشر کی' اور وقتِ سوال وغیرہ عودِ سماع بعودِ حیات ہے، اس کا بھی استمرار ضرور نہیں، تو برقیاس عامۂ ناس کہ اس وقت تک خاصہ اجسام طیبہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کا علم نہ تھا بحال فنائے بدن بقائے ادراک جسمانی میں اشکال ہوا جس پر وُہ سوال اور اس کا وہ جواب کاشف حقیقۃ الحال ہُوا، الحمدللہ اتنی حقیقت تھی آپ کے اس نئے ناز کی جس پر بڑی دُھوم سے دکانِ فخر باز کی کہ:

چُوں از جواب مغالطات معترض فراغت دست داد۔ لہذا تحقیق ایں مسئلہ بطور دیگر ضرور افتاد۔[2]	چونکہ معترض کے مغالطات سے فراغت دستیاب ہُوئی' اس لیے اس مسئلہ کی تحقیق دوسرے طور پر ضرور ہوئی (ت)

ماشاء اللہ اس شرط وجزا کے ربط کو تو دیکھئے، یہی بتا رہا ہے کہ سخت گھرائے ہُوئے اور اعتراضاتِ علامہ معترض قدس سرہٗ کو لاحل سمجھ رہے ہو، اگر واقعی اعتراض اُٹھ جاتے تو اگلی ہی تحقیق کی جان بچ جاتی، آپ کے اس فراغتِ دست کے بعد پچھلی ضرورت پر ضرور افتاد کی افتاد کیوں آتی ؎

نطق کا حوصلہ معلوم ہے بس جانے دو

فائدہ جلیلہ: جب محاورات باہمی میں مطلق سمع سے یہ تبادر تو حدیث قلیب کا ذکر ہی کیا ہے کہ اس کا تو سماع جسمانی میں نص صریح ہونا اوپر مبین ہو چکا اور اُمّ المومنین محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وعلیہا اجمعین حاضر واقعہ نہ تھیں نیز او پر ظاہر کیا کہ آیات کریمہ متعلق با جسام ہیں خصوصاً وما انت بمسمع من فی القبور، اگرچہ نفی سماع نہیں فرماتے مگر نفی سماع ظاہر ہے اور اس واقعہ سے صراحۃً اسماع اجسام مفہوم، لہذا ام المومنین نے اسے منافی آیات خیال فرما کر وہم وسہو کا حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یعلمون فرمایا یعنی ان کی رُوحیں جانتی ہیں، راوی کو یسمعون یاد رہا کہ ان کے جسم سنتے ہیں، پر ظاہر کہ علم صفت خاصہ رُوح ہے جس میں وہ بدن کی محتاج

---

[1] و [2] تفہیم المسائل   سماع موتٰی از کتب حنفیہ   مطبع محمدی لاہور   ص ۸۴

نہیں بخلاف سمع متعارف بذریعہ آلاتِ بدنیہ کہ بے حیاتِ بدن ناممکن، اور یہ وقت اُن کافروں کی حیاتِ جسمانی کا نہ تھا تو اس وقت اثباتِ اسماعِ اجسام منافیِ آیات ہے، ہاں علم حاصل ہے کہ وہ روح سے ہے اور روح باقی ہے، یہ حاصلِ ارشاد اُم المومنین صلی اللہ تعالٰی علٰی بعلہا الکریم وعلیہا وسلم ہے۔ اور اسی بناء پر مشائخ کرام نے کہ قطعاً در بارۂ ابدان کلام فرمارہے تھے اُس سے استناد کیا کما قدمنا (جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔ ت) اور یہ اصلاً ان منکرین ومخالفین کو مفید نہیں کہ سمعِ جسمانی نہ ہمارے دعوے میں مقصود ومنظور، نہ انکارِ منکرین اس پر مقصور، رہا ادراکِ رُوح کا انکار حاشا نہ وہ کلامِ ام المومنین سے مستفاد، نہ ہرگز کسی دلیل سے ظاہر کہ یہ ان کی مراد تو منکرین کا اس سے استناد محض رجماً بالغیب وخرط القتاد، بلکہ اس کے ضلالت وبطلان اور ان کے بطالت وخذلان پر خود ارشاداتِ صحیحہ صریحہ اُم المومنین احسن الاشہاد الاول تو اسی حدیث میں جب علم مان رہی ہیں تو ادراکِ رُوح کی خود قائل ہُوئیں، پھر انکارِ سمعِ رُوح کے کیا معنے، اور حدیث علام تنصون میتکم ابھی گزری کہ میّت کے سر میں زور سے کنگھی کرتے دیکھا تو فرمایا: کاہے پر اس کے بال کھینچتے ہو۔ اس سے قطع نظر کیجئے تو حدیث جلیل صحیح بستم کہ ابتدائے نوعِ دوم مقصد دوم میں مذکور ہوئی، جس میں ام المومنین قسم کھاکر فرماتی ہیں: "واللہ! جب سے امیر المومنین عمر دفن ہوئے ہیں اُن کی شرم سے بے تمام کپڑے پہنے مزاراتِ طیبہ پر حاضر نہ ہوئی"[1] قطعاً لاجواب ہے، جب ام المومنین بعد دفن ابصار مانتی ہیں تو روح کو قطعاً مدرک اور اس کے ادراکات کو شامل، امورِ دنیویہ بھی جانتی ہیں، پھر انکار سماع ظاہر الامتناع، بلکہ محلِ قرب میں حالِ سماع حالِ ابصار سے بداہۃً اخف ہے کہ اُس کے شرائط سے ازید ہیں، شاہد ہیں، معہود ومشہود تو یہ ہے کہ باوصف حائل وحجاب ابصار زائل اور سماع حاصل، جب ام المومنین ایسے کثیف وکثیر پردوں سے دیکھنا مانتی ہیں تو سُننا کیونکر نہ مانیں گی! معہذا کوئی قائل بالفصل نہیں، جو ابصار مانتا ہے سماع بھی مانے گا، اور جو سماع نہیں جانتا ابصار بھی نہ جانے گا۔ تیسری حدیثِ جلیل اُم المومنین منقول بہ نقل ائمہ اجلہ ثقات وعدول رجالِ بخاری ومسلم مروی جامع ترمذی شریف یہ ہے:

حدثنا الحسین بن حریث (ثقۃ من رجال الشیخین) نا عیسٰی بن یونس (ثقۃ مأمون من رجال الستۃ کسائر السند) عن ابن جریج عن

[ہم سے حدیث بیان کی حسین بن حریث نے (یہ ثقہ رجال بخاری ومسلم سے ہیں) انھوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی عیسٰی بن یونس نے (ثقہ مامون، اور باقی رجال سند کی طرح صحاح ستہ کے رجال سے ہیں)

[1] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ احمد باب زیارۃ القبور مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۵۴

عبد اللّٰہ بن ابی ملیکۃ قال توفی عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما بالحُبشیِ قال فحمل الی مکۃ فدفن فیہا فلما قدمت عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا اتت قبر عبد الرحمٰن بن ابی بکر فقالت ؎

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ
من الدھر حتی قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کانی ومالکا
لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

ثم قالت واللّٰہ لو حضرتک ما دفنت الا حیث مت ولو شھدتک ما زرتک[1]

وُہ راوی ہیں ابن جریج سے، وہ عبد اللہ بن ابی ملیکہ سے، انھوں نے فرمایا۔ ت] یعنی حضرت سیدنا عبد الرحمان بن ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ برادرِ حقیقی اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے مکہ معظمہ کے قریب موضع حبشی میں انتقال فرمایا، اُن کی نعش مبارک مکہ معظمہ لائے، جنت المعلّٰی میں دفن ہُوئے، جب اُمّ المومنین مکہ معظمہ آئیں تو اُن کے مزار مبارک پر گئیں، دو شعر (کہ تمیم بن نویرہ نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کے مرثیہ میں کہے تھے) پڑھے کہ ایک مدّتِ دراز تک جذیمہ (بادشاہ عرب و عراق و جزیرہ مقتول ملک جزیرہ زبا) کے دونوں مصاحبوں کی طرح (کہ چالیس سال تک صحبتِ بادشاہ میں یکجا رہے تھے) ساتھ رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ یہ ہرگز جُدا نہ ہوں گے اب کہ جُدا ہُوئے، گویا اس قدر طول یکجائی پر کسی شب ایک جگہ نہ رہے تھے ــــــ پھر اپنے برادرِ مکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مخاطب ہو کر یہ باتیں کیں خدا کی قسم! اگر میں آپ کے انتقال کے وقت موجود ہوتی تو آپ وہیں دفن ہوتے جہاں آپ کا انتقال ہوا تھا اور اگر میں اس وقت آپ کے پاس ہوتی تو اب آپ کی زیارت کو نہ آتی ؎

وہیں دفن ہونا اسی لیے کہ یہی سنّت ہے، نعش کو دُور لے جانا نہ چاہیے، اور زیارت کو نہ آنا یُوں کہ زیارتِ قبور میں عورات کا حصہ کم ہے۔ ام المومنین اگر معاذ اللہ ادراک وسماعِ ارواح کی منکر ہوتیں تو اس کلام وخطاب کے کیا معنے تھے، کیا کوئی عاقل اینٹوں پتھروں سے باتیں کرتا ہے؟ اور کیونکر منکر ہوتیں حالانکہ دیکھتی سنتی جاتی تھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اموات سے سلام وکلام وخطاب فرمایا کرتے تھے، خود روایت فرماتی ہیں کہ میری ہر شب نوبت رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم آخرِ شب مقبرہ بقیع پر تشریف لے جاتے اور فرماتے:

السلام علیکم دار قوم مومنین واتاکم ما توعدون غدا مؤجلون وانا ان شاء اللّٰہ بکم

سلام تم پر اے ان گھروں والے مسلمانو! اب تم کو ملا چاہتا ہے جس کا تم سے وعدہ ہے تمھاری میعاد کل کے دن ہے، اور خدا چاہے تو ہم تم سے ملنے والے ہیں

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی الزیارت للقبور للنساء امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۲۵

لاحقون[1] رواہ مسلم ولفظ النسائی مکان قولہ اتاکم انی موجلون وانا ایاکم متواعدون غدا ومواکلون ولابن ماجۃ من وجہ اٰجر واشار الیہ النسائی ایضا بعد السلام انتم لنا فرط وانا بکم لاحقون[2]

اسے مسلم نے روایت کیا اور نسائی میں اتاکم سے موجلون تک کی جگہ یہ الفاظ ہیں ہم اور تم آپس میں کل کے وعدے پر ہیں اور اسی پر بھروسہ کیے ہُوئے ہیں۔ اور ابن ماجہ کے الفاظ دوسرے ہیں، نسائی نے بھی لفظ "سلام" کے بعد اسی طرف اشارہ کیا ہے تم ہم سے پہلے پہنچ گئے اور خدا چاہے تو ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ (ت)

کیونکر منکر ہوتیں، حالانکہ خود دریافت کرچکی تھیں کہ یارسول اللہ! کہ جب میں مدفونانِ بقیع کی زیارتوں کو جاؤں تو اُن سے کیا کہوں، حکم ہُوا تھا سلام کرکے یُوں کہو کہ ان شاء اللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں۔

مسلم ونسائی وغیرھما عنہا فی حدیث طویل قالت قلت کیف اقول لھم یارسول اللہ قال قولی السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین المسلمین ویرحم اللہ المستقدمین منا والمستاخرین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون[3]

مسلم ونسائی وغیرہما نے حضرت صدیقہ سے ایک حدیثِ طویل میں روایت کیا، انھوں نے عرض کیا: میں ان سے کیا کہوں یارسول اللہ؟ فرمایا: یُوں کہو تم پر سلام اے قبرستان والو مومنین مسلمین سے! خدا ہمارے اگلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے۔ بیشک ہم تم سے ملنے والے ہیں اگر اللہ نے چاہا۔ (ت)

بالجملہ ام المومنین صرف سماعِ جسمانی کا انکار فرماتی ہیں مگر از انجا کہ احادیث ثقات عدول شاہد ہیں ان واقعہ کے رَد کی طرف سبیل نہیں، جمہور علمائے اس مسئلہ میں اُن کا انکار قبول نہ کیا اور یہی مانا کہ اگرچہ تین دن گزر گئے اُن خبیثوں کے ناپاک جسم پُھول پھٹ گئے تھے اور شک نہیں کہ جسم مُردہ ہرگز سننے کے قابل نہیں مگر پھر بھی اُنھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد اسی گوشِ سر سے سنا کہ اللہ عزوجل نے ان کی زیادتِ حسرت کے لیے ان خالی جسموں کو اُس وقت پھر زندہ فرمادیا تھا اور اس میں آیات کی کچھ مخالفت نہ ہُوئی کہ سُنانا اللہ عزوجل کی طرف سے ہوا، نہ وہ چلاتا نہ یہ ان کانوں سے سنتے، وصفِ موتٰی آیت میں ملحوظ ہے یعنی میت جب تک میت ہے اسے سُنا نہیں سکتے اور بعدہٗ اعادۂ رُوح، اب وہ میت ہی نہیں، تو آیات کا اصلاً محلِ ورود نہ رہا۔

اقول یہ تقریر کلام جانبین بحمداللہ تعالٰی سب تکلفات سے مجانب ومنزہ ہے، اور اب ام المومنین پر

---

[1] صحیح مسلم | کتاب الجنائز | اصح المطابع کراچی | ۱/۳۱۴

[2] و [3] سنن نسائی | الامر بالاستغفار للمومنین | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی | ۱/۲۸۷

وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ جب علم مانتی ہیں سماع کیوں نہیں مانتیں، علم روح کے لیے ہے سمع جسمانی بحالت موت جسم کیونکر ہوا، اور اب خود اُم المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کہ امام احمد نے بسندِ حسن اُن سے اسی قصۂ بدر میں یہی لفظ روایت کیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ما انتم باسمع لما اقول منھم تم میرا فرمانا کچھ اُن سے زیادہ نہیں سُنتے (جسے علماء نے بشرطِ محفوظی رجوع ام المومنین پر محمول کیا تھا کہ جب متعدد صحابہ کرام حاضرانِ واقعہ سے روایت سُنی انکار سے رجوع فرمائی) ممکن کہ اثبات سماع روح پر محمول ہو کہ نفی واثبات میں تنافی نہ رہے کہ شاذ ومحفوظ کا قصہ چلے یعنی ام المومنین اُن لفظوں پر انکار نہیں کرتیں اُنھیں تو خود حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں بلکہ انکار اس معنی پر ہے جو اوروں نے سمجھا یعنی جسمانی نہ مانو کہ خلافِ آیت ہے بلکہ مراد حضور سمع روح ہے، میں بحمد اللہ تعالٰی بعد اتضاح مراد اس کی حاجت نہیں رکھتا کہ قولِ ام المومنین کے جواب میں امام اسمٰعیل وامام بیہقی وامام سہیلی و امام سبکی وامام عسقلانی وامام سیوطی وامام قسطلانی ومولانا قاری وشیخ محقق وعلامہ زرقانی وغیرہم اکابر کے کلام نقل کروں اگرچہ یہ سب اس وقت میرے پیشِ نظر ہیں، مگر ہاں امام عینی کی بعض عبارات نقل کروں گا کہ یہ وہی عینی شارح کنز ہیں جن سے اس مسئلہ میں مخالف نے جہلاً استناد کیا۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر میں فرماتے ہیں:

فان قلت ما وجہ ذکر حدیث ابن عمر وحدیث عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم وھما

یعنی بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان

؎ امام عینی کا بھی ایک کلام اس مسلک کی طرف ناظر:

فان ام المومنین لما وھمت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم فی حدیث تعذیب المیت ببکاء اھلہ وشبھت وھمہ فیہ بوھمہ فی حدیث القلیب قال العینی وجہ المشابھۃ بینھما حمل ابن عمر علی الظاھر والمراد منھما ای من الحدیثین غیر الظاھر الخ بید ان الاظھر من کلامھا رضی اللہ تعالٰی عنھا ھو المسلک الاول واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (م)

تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی "میت کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب دینے" والی حدیث کے بارے رائے کو وہم قرار دیا اور انکی اس رائے کو قلیب والی حدیث میں ان کے وہم کی طرح قرار دیا، اس پر علامہ عینی نے فرمایا دونوں حدیثوں میں وجہ مشابہت یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں حدیثوں کا ظاہری مفہوم مراد لیا جبکہ ان دونوں کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے الخ مگر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے کلام سے پہلا مسلک ہی زیادہ واضح ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

؎ عمدۃ القاری شرح البخاری مخاطبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل القلوب بعد موتھم ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۹۳/۱۷

متعارضان فی ترجمۃ عذاب القبر قلت لما ثبت من سماع اھل القلیب کلامہ وتوبیخہ لھم دل ادراکھم کلامہ بحاسۃ السمع علی جواز ادراکھم الم العذاب ببقیۃ الحواس فحسن ذکرھما فی ھذہ الترجمۃ ثم التوفیق بین الخبرین ان حدیث ابن عمر محمول علی ان مخاطبۃ اھل القلیب کانت وقت المسئلۃ و وقتہا وقت اعادۃ الروح الی الجسد، وان حدیث عائشۃ محمول علی غیر وقت المسئلۃ فبھذا یتفق الخبران[1]

لاشوں سے خطاب کیا اور فرمایا سنتے ہیں۔ اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کہ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جانتے ہیں، دونوں اس عذاب قبر میں اس لیے ذکر کیں کہ جب اُنھوں نے حسِ گوش سے کلام سُن لیا تو باقی حواس سے عذاب کا الم بھی ادراک کریں گے اور ان حدیثوں میں موافقت یُوں ہے کہ ابن عمر کی حدیث خطاب وقت سوال نکیرین پر محمول ہے اُس وقت بدن میں رُوح آجاتی ہے اور ام المومنین کی حدیث اور وقت پر محمول ہے جب بدن خالی رہ جاتا ہے، یوں دونوں حدیثیں متفق ہوجائیں گی۔ (ت)

دیکھو کیسی تصریح ہے کہ سارا کلام ونقض وابرام سماعِ جسمانی کے بارہ میں ہے۔ اُسی میں ہے:

قلت ھذا من عائشۃ یدل علی انھا ردت روایۃ ابن عمر المذکورۃ ولکن الجمھور خالفوھا فی ذٰلک وقبلوا حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ لموافقۃ من رواہ غیرہ[2]

یعنی میں کہتا ہُوں یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ ام المومنین نے روایتِ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا رد فرمایا مگر جمہور علماء نے اس بات میں ام المومنین کا خلاف کیا اور حدیثِ ابن عمر مقبول رکھی کہ اور صحابہ نے بھی اُس کے موافق روایت کی۔

اُسی میں ہے:

سامعین ایا ماکان باٰذان رؤسھم کما ھو قول الجمھور[3]

یعنی اُن لاشوں نے وہ ارشادِ اقدس جسے جسمانی کان سے سنا، جمہور کا قول یہی ہے۔ (ت)

جواب سوم جامع الجوابین۔

اقول قولِ مشائخ کہ میّت یا زید بعد موت نہیں سنتا، چار معنی کو محتمل کہ میت حقیقی بدن مقبّر ہے اور روح پر بھی اطلاق کرتے، اور زید عرفی بدن مقبّر ہے اور روح متعلق بالبدن بھی اس کے معنی۔ بہرحال موضوع میں بدن و روح دو احتمال ہوئے، یونہی سماع عرفی متقیّد سمع آلاتِ بدن ہے اور اس کے دوسرے معنی ادراک تمام اصوات

---

[1] و [2] و [3] عمدۃ القاری شرح بخاری باب ماجاء فی عذاب القبر ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/ ۲۰۲

بر وجہ جزئی اگرچہ بے ذریعہ آلات، تو محمول میں بھی دو احتمال ہوئے اور حاصل ضرب چار،

(۱) بدنِ مردہ کو سمع آلات نہیں۔

(۲) بدنِ مردہ کو ادراکِ اصوات نہیں۔

(۳) روحِ مردہ کو سمع آلات نہیں۔

(۴) روحِ مردہ کو ادراکِ اصوات نہیں۔

پہلے تینوں معنے حق ہیں اور ہمارے کچھ مخالف نہیں، نہ مخالف کو اصلاً مفید۔ کلام کے اگر دو ہی معنے ہوتے ایک موافق ایک مخالف، تو مخالف کو اس سے سند لانے کا کوئی محل نہ تھا، نہ احتمالی بات پر مشائخ کرام کو منکرِ سماع متنازع فیہ کہنا صحیح ہو سکتا، نہ کہ تین احتمالاتِ صحیحہ چھوڑ کر از پیشِ خویش چوتھا احتمال جما لینا اور کلام کو بزورِ زبان خواہی نخواہی اپنی سند بنا دینا کیسی جہالتِ واضحہ ہے!

جواب چہارم مذہبِ حنفیہ میں معتزلہ بکثرت پڑے ہوئے ہیں، یہ مشائخ کہ برخلاف عقیدۂ اہلسنت منکرِ سماع ہیں وہی معتزلہ ہیں۔ یہ جواب سیف اللہ المسلول مولٰنا المحقق معین الحق فضل الرسول قدس سرہٗ نے تصحیح المسائل میں افادہ فرمایا۔

اقول کلام مشائخ سے استناد مخالف دو مقدموں پر مبنی تھا، صغرٰی یہ کہ امتناع سماع متنازع فیہ قول اکثر مشائخ حنفیہ ہے جس کے ثبوت میں وہ عبارات خمسہ پیش کیں، اور کبرٰی مطویہ مستورہ یہ کہ جو قول اکثر مشائخ حنفیہ ہے فی نفسہٖ حق ہے یا ہم پر اس کی تسلیم واجب ہے، تقدیر اول پر دلیل تحقیقی ہوگی اور دوسرے پر الزامی۔ بہر حال اس کا ثبوت کچھ نہیں۔ اگلے تین جواب ان کے صغرٰی کی نازبرداری میں تھے یعنی کلام مشائخ میں سماع متنازع فیہ کا انکار ہرگز نہیں اب یہ جواب اور باقی اجوبہ کبرٰی مستورہ کی خدمت گزاری کو ہیں کہ اگر مکابرہ و اصرار و عناد و استکبار سے کسی طرح باز نہ آؤ اور خواہی نخواہی معانی صادقہ صحیحہ موافقہ احادیث صحیحہ و عقیدہ اہلسنت و کلماتِ ائمہ کرام و خود اقوالِ مشائخ اعلام کو چھوڑ کر بے دلیل بلکہ خلاف دلائل واضحہ معنی کلام مشائخ یہی گھڑو کہ ارواحِ موتی کو کسی طرح ادراک کلام نہیں ہوتا، تو اب ہم ہرگز نہیں مانتے کہ اس قول کے قائل مشائخ اہلسنت ہوں جن کے ارشاد ہم پر حجت ہوں، کیا مشائخِ مذہب میں معتزلہ نہیں؟ درمختار کتاب النکاح فصل محرمات میں ایک مسئلہ کشاف زمخشری معتزلی سے نقل کیا اس پر علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایا:

نقل ذلک عنہ لان الزمخشری من مشائخ المذھب وھو حجۃ فی النقل[1]

یہ مسئلہ اس سے اس لیے نقل کیا کہ زمخشری مشائخ مذہب سے ہے اور اس کی نقل پر اعتماد ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۰۲

پھر یہ منع بے شاہد نہیں بلکہ اس کی صاف سند واضح موجود، خود یہی امام ابن الہمام جن کے کلام سے اکثر مشائخ کی طرف انکارِ سماع کی نسبت نقل کرتے ہو اسی کلام میں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اکثر مشائخ کا تلقینِ موتٰی سے انکار کرنا اس پر مبنی ہے کہ وہ سماعِ موتٰی سے منکر ہیں اور خود اسی کلام میں تلقین مذکور کو فرمایا:

نسب الی اھل السنۃ والجماعۃ وخلافہ الی المعتزلۃ[1]۔

اس تلقین کا مطلوب ہونا اہلسنت وجماعت کی طرف منسوب ہے اور اس کا انکار معتزلہ کی طرف۔

اور کلامِ امام صفار سے صاف صریح تصریح گزری کہ منعِ تلقین مذہبِ معتزلہ ہے۔ کشف الغطا کا قول گزرا کہ جو تلقین نہیں مانتا معتزلی ہے، جوہرہ و درمختار کی عبارت گزری کہ اہلسنت کے نزدیک تلقین امرِ شرعی ہے تو صاف ظاہر ہوا کہ یہ اکثر مشائخ منکرانِ سماع وہی منکرانِ تلقین معتزلی ہیں۔ یہ سند واضح بہ تفصیلِ تام تصحیح المسائل میں مذکور تھی بااینہمہ صاحبِ تفہیم المسائل نے منہ زوری سے کہا:

از اکثر مشائخنا کہ ابن ہمام مشائخ را نسبت بخود کردہ معتزلہ مراد گرفتن از بس مستبعد ست و در کلام کدامی اہلسنت چنیں واقع نہ شدہ و ابن ہمام را معتزلی قرار دادن کار معترض است و آں مسئلہ کہ خلاف عقیدہ حنفیہ اہلسنت باشد دراں ہرگز علی الاطلاق نخواہند گفت کہ ایں قول علمائے حنفیہ است کما لایخفی علی من لہ ادنی رجوع الی الکتب پس مادامیکہ وقوع لفظ اکثر مشائخنا در کلام اہلسنت ومراد بودن ازاں معتزلہ ثابت نہ کنند چگونہ ایں توضیح بمعرض تسلیم در آید[2]۔

اکثر مشائخنا سے کہ ابن ہمام نے مشائخ کو اپنی طرف نسبت کیا۔ معتزلہ مراد لینا بہت مستبعد ہے اور کسی سُنّی کے کلام میں ایسا واقع نہ ہُوا۔ ابن ہمام کو معتزلی ٹھہرانا معترض کا کام ہے، جو مسئلہ حنفیہ اہلسنت کے عقیدے کے خلاف ہو اس میں علی الاطلاق ہرگز نہ کہیں گے کہ یہ علمائے حنفیہ کا قول ہے۔ جیسا کہ کتابوں کی طرف ادنٰی رجوع رکھنے والے پر مخفی نہیں، توجب تک کہ کلام اہلسنت میں اکثر مشائخنا آنا اور اس سے معتزلہ کا مراد ہونا ثابت نہ کریں، یہ توضیح کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے۔ (ت)

اقول اس ساری تطویل لاطائل کا صرف اس قدر حاصل ہے حاصل کہ کلام اہلسنت میں اکثر مشائخنا سے معتزلہ کا ارادہ مستبعد وخلاف ظاہر ہے' یہ کہنا اس وقت اچھا معلوم ہوتا کہ یا تو علامہ معترض نے یونہی بے سند فرمادیا ہوتا کہ یہاں معتزلہ مراد ہیں یا آپ جواب سند سے عہدہ برآ ہو لیتے اور جب کچھ نہیں تو منع مؤید بسند واضح صرف

---

[1] فتح القدیر باب الجنائز مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۶۸
[2] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی مطبع محمدی لاہور ص ۸۱

استبعاد و مخالفت ظاہر سے مندفع نہیں ہوسکتا۔ ہر ادنٰی خادمِ علم جانتا ہے کہ ظاہر صالح دفع ہے نہ حجت استحقاق، تو اُس سے مقدمہ ممنوعہ پر اقامت دلیل چاہنا جہالت کہ وہ محلِ استحقاق ہے اور مقام دفع میں آکر منع سند مقصود ہو تو اور سخت تر جہالت کما لایخفی علی اھل العلم (جیسا کہ اہلِ علم حضرات پر مخفی نہیں۔ ت) ہاں جواب سند کی طرف بھی ایک عجیب نزاکت سے توجہ کی، فرماتے ہیں:

وانکار تلقین را نسبت بہ معتزلہ بعض علمائے شافعیہ زعم کردہ اند نہ حنفیہ چنانچہ در برجندی نوشتہ ولا یلقن بعد الدفن عندنا وعند الشافعی یلقن وزعم بعض اصحابہ انہ مذہب اھل السنۃ و والاول مذہب المعتزلۃ وایشاں انکار تلقین را مطلقا نسبت بمعتزلہ کردہ اند نہ انکار بخصوصیت ایں وجہ کہ سماع موتٰی را نیست کما زعم المعترض[1]

بعض علمائے شافعیہ نے انکارِ تلقین کو معتزلہ کی طرف منسوب کیا ہے نہ کہ حنفیہ نے، جیسا کہ برجندی میں لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک بعد دفن تلقین نہ ہوگی اور امام شافعی کے نزدیک تلقین ہوگی۔ ان کے بعض اصحاب نے فرمایا ہے کہ یہ اہلِ سنت کا مذہب ہے اور اول معتزلہ کا مذہب ہے۔ اور انھوں نے مطلقاً انکارِ تلقین کو معتزلہ کی طرف منسوب کیا ہے، نہ خاص اس وجہ سے انکار کہ مُردوں کو سماع نہیں جیسا کہ معترض نے گمان کیا۔ (ت)

اقول اولاً اس نابینائی کی کچھ حد ہے، بھلا جوہرہ و درمختار و کشف الغطا وغیرہا تصانیفِ حنفیہ کو ملا جی کہہ سکتے ہیں کہ میرے پیشِ نظر نہیں تخلیص الادلہ کی عبارت تو خود ہی اپنے خصم کے کلام سے نقل کی کہ امام زاہد صفار کہ در طبقہ ثانیہ از مجتہدین فی المذہب ست در کتاب تخلیص الادلہ نوشتہ وینبغی ان یلقن المیت علی مذہب الامام الاعظم والمقتدی المکرم ومن لم یلقن فھو علٰی مذہب الاعتزال[2] یعنی امام اعظم و پیشوائے مکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر میّت کو تلقین کرنا چاہیے، جو تلقین نہ مانے معتزلی ہے، اور آنکھیں بند کرکے کہہ دیا کہ بعض شافعیہ زعم کردہ اند نہ حنفیہ، مگر امام اجل مجتہد فی المذہب زاہد صفار کہ صرف دو واسطے سے امام ابو یوسف و امام محمد کے تلمیذ رشید ہیں سرکار کے نزدیک علمائے حنفیہ سے نہیں۔

ثانیاً شافعیہ کا نسبت کرنا حنفیہ کے نسبت کرنے کا کیا نافی و منافی ہے کہ عبارت برجندی سے "نہ حنفیہ" بھی نکال لیا، خود سرکار اسی تفہیم کے صفحہ، اپر فرماتے ہیں:

از تخصیص شیئ بذکر نفی ماعداہ لازم نیاید در توضیح

کسی خاص چیز کو ذکر کرنے سے اس کے ماسوا کی نفی

---

[1] تفہیم المسائل عدمِ سماعِ موتٰی از کتبِ حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۱
[2] " " " " " ص ۸۰

نوشتہ تخصیص الشیئ باسمہ لایدل علٰی نفی الحکم عما عداہ[1] | لازم نہیں آتی ، توضیح میں ہے : کسی خاص چیز کا نام لینا یہ نہیں بتاتا کہ اس کے ماسوا سے حکم کی نفی ہے (ت)

اُنھوں نے کلامِ شافعیہ میں دیکھ کر اُن کی طرف نسبت کیا اُس سے کیا لازم کہ حنفیہ نے نسبت نہ کیا اور بالفرض اُن کا لازمِ سخن یہ ہو بھی تو جب صراحۃً آنکھوں کے سامنے اجلّہ حنفیہ کی تصریحات موجود تو کیا بعض علماء کے کلام سے نفی مفہوم ہونا محسوسات کو مٹا دے گا ، قاعدہ اجماعیہ عقل و نقل میں تو مثبت کو نافی پر مقدم رکھتے ہیں ، دو علمائے متقدمین سے ایک فرماتا حنفیہ نے ایسا نہ لکھا ، دُوسرا فرماتا لکھا ، تو لکھنا ہی ثابت ہوتا کہ اس نے نہ دیکھا لہٰذا انکار کیا اور نہ دیکھنا کوئی حجت نہیں ومن علم حجۃ علٰی من لم یعلم (علم والا حجت ہے اس پر جسے علم نہیں۔ ت) نہ کہ ثبوت عیانی کو نفی بیانی سے دیدہ نادیدہ کر دیں یعنی اگرچہ ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اکابر علمائے حنفیہ نے لکھا مگر فاضل برجندی جو لکھ چکے ہیں کہ شافعیہ نے کہا لہٰذا مجبوری ہے اب حس و مشاہدہ کی تکذیب ضروری ہے' سچ ہے آدمی وہابی ہو کر جماد لایسمع ولایفہم ہو جاتا ہے۔

ثالثاً طرفہ جہالت یہ کہ مطلق انکار جانب معتزلہ منسوب ہے نہ اس خصوصیت سے تصحیح المسائل میں کب فرمایا تھا کہ انکار بایں خصوص منسوب بہ معتزلہ ہے۔ اے ذی ہوش! حاصلِ کلام تو یہی تھا کہ انکارِ تلقین مذہبِ معتزلہ ہے، اور امام ابنِ ہمام اس کا مبنٰی بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منکرِ سماع تھے لہٰذا تلقین سے منکر ہوئے' تو ظاہر ہوا کہ منکرینِ سماع معتزلہ ہیں' اگر سرے سے بخصوص انکارِ سماع جانب معتزلہ نسبت ہوتی تو اس توسیط کی کیا حاجت تھی ویسے ہی نہ کہہ دیا جاتا کہ دیکھو انکارِ سماع قولِ معتزلہ بتایا گیا ، ہاں اس پر ایک شبہہ ہوتا تھا کہ بعض اہلسنت[عہ] بھی تو منعِ تلقین کی طرف گئے اور جب اس کا مبنٰی وُہ ہے تو یہ بھی اس کے قائل ٹھہریں گے۔ تصحیح میں اس وہم کے دفع کو توجیہ فرما دی کہ ان کا انکارِ سماع پر مبنی نہیں بلکہ ان کے نزدیک تلقین کا بیکار یا ثابت ہونا ذی ہوش نے اسے نسبت بایں خصوص کا دعوٰی سمجھ لیا یہ فہم

عہ **اقول** سابقاً مذکور ہوا کہ ظاہر الروایۃ سے منع ثابت نہیں اور امام صفار خود امام اعظم پر تلقین مانتے اور منکر کو معتزلی جانتے ہیں اور شک نہیں کہ معتزلہ قدیم سے شاملِ اہلِ مذہب ہیں اور انھیں بر بنائے جمادیت موتٰی انکارِ تلقین لازم ، ابتداءً وہی لوگ اپنے مذہب فاسد کی بنا پر منکر تھے ، لہٰذا امام صفار اس حصر پر حاکم بعد مرورِ زمان بعض متاخرینِ اہلسنت نے کلماتِ مشائخ مذکورین میں انکار اور ظاہر الروایۃ میں عدمِ ثبوت دیکھ کر انکار کیا اور عدمِ فائدہ یا عدمِ ثبوت سے رنگِ توجیہ دیا لہٰذا اب انکار دو طرف منقسم ہو گیا بوجہ جمادیت خاص بمعتزلہ اور بعض اہلسنت کا بوجوہ دیگر جیسا کہ کلامِ امام نسفی سے گزرا فاعلہ فعسٰی ان لا تتجاوز الواقع عنہ ۱۲ منہ (اسے اچھی طرح جان لے ہو سکتا ہے واقعہ اس سے متجاوز نہ ہو ۱۲ منہ۔ ت)

---

[1] تفہیم المسائل | معانقہ روزِ عید | مطبع محمدی لاہور | ص ۱۱۳

سقیم اور ادعائے تفہیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ھذا و انا **اقول** و باللہ التوفیق سب این و آں سے در گزرئیے تو ابدلائل ساطعہ قاطعہ حاکم ہیں کہ یہ قطعاً مذہب معتزلہ ہے مثلاً **حجتِ اُولٰی** کلام کا ہے میں مفروض ہوا روح میں سماع سے کیا مراد لیا' ادراک مطلق اگرچہ بے ذریعہ آلات، اور یہ مشائخ دلیل کیا لا رہے ہیں کہ وہ مردہ ہے' بے حس ہے، فہم و ادراک کے قابل نہیں، یہ کہ ہزار بار سُن چکے ہو کہ رُوح کی نسبت ان اعتقادات سے اہل سنّت پاک و منزّہ ہیں، یہ معتزلہ وغیرہم ضالین ہی کے خیالات بدمزہ ہیں، خود آپ ہی اسی تفہیم میں فرماتے ہیں،

مذہب بعض معتزلہ آن است کہ اگر میّت جماد است دران حیات و ادراک نیست [1]

بعض معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ میّت جماد ہے اُس میں حیات و ادراک نہیں۔ (ت)

اور اسی میں فرمایا:

بعض معتزلہ کہ از آیہ کریمہ وما انت بمسمع من فی القبور در انکار تعذیب استدلال می کردند عینی در ہمیں شرح بر جواب ایشان نوشتہ کہ عدم اسماع مستلزم عدم ادراک نیست [2]

آیت کریمہ "تم انھیں سُنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں" سے بعض معتزلہ کا انکارِ تعذیب پر استدلال تھا، عینی نے اسی شرح میں ان کا جواب لکھا کہ نہ سُنانا عدم ادراک کو مستلزم نہیں۔ (ت)

افسوس صاحبِ تفہیم المسائل کی بیہوشی ص۶۳ پر یہ آنکھیں بھی بلوا گئی:

ہر چند بعضے گویند کہ شہدا را ہم حیات مثل انبیا بجسد است مگر ایں قول مختار اہلِ تحقیق نیست انچہ تحقیق است این است کہ حیاتِ انبیا بسلامت جسد و رُوح ہر دو ست و حیاتِ شہدا صرف ببقائے روح است بلکہ تخصیص شہدا نیز بایں معنی لغو ست زیرا کہ ارواح را مطلقاً خواہ رُوحِ شہید باشد یا روحِ عامہ مومنین یا رُوحِ کافر و فاسق بایں معنی مردہ نتواں گفت مردگی صفتِ بدن است کہ شعور و ادراک و حرکات و تصرفات بہ سبب تعلق روح

بعض کہتے ہیں کہ انبیاء کی طرح شہداء کے لیے بھی جسم کے ساتھ زندگی ہے۔ مگر یہ قول اہلِ تحقیق کا مختار نہیں، تحقیق یہ ہے کہ انبیاء کی زندگی جسم و روح دونوں کی سلامتی کے ساتھ ہے اور شہدا کی زندگی صرف بقائے رُوح کے ساتھ ہے بلکہ اس معنی میں شہدا کی تخصیص لغو ہے اس لیے کہ ارواح کو مطلقاً، خواہ شہید کی روح ہو یا عام مومنین کی روح، یا کافر و فاسق کی رُوح، کسی کو اس معنی میں مُردہ نہیں کہہ سکتے، موت بدن کی صفت ہے،

---

[1] تفہیم المسائل   عدم سماع موتٰی   مطبع محمدی لاہور   ص ۸۱

[2] "   "   "   ص ۸۳

باوے از وے ظاہر می شدند و حالا نمی شوند کذا فی تفسیر العزیزی و بعضے گویند کہ تحقیق ہمیں است کہ شہداء راہم حیات مثل انبیاء بجسد است چنانچہ در تفسیر روض الجنان تحت آیۂ کریمہ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء می نویسد علماء در تفسیر آیت و احوالِ شہداء خلاف کردند، عبداللہ ابن عباس و حسن بصری گفتند ایشاں زندہ اند بارواحہم و اجسادہم بامداد و شبانگاہ روزی بایشاں می رسد و ایشاں خرم اند بانچہ خدا بایشاں می دہد چنانچہ در دیگر آیت فرمود من قولہ تعالٰی یرزقون فرحین بما اٰتٰھم اللہ من فضلہ و بعضے دیگر گفتند ارواحِ ایشاں زندہ باشند و روزی برایشاں عرض مے کنند بامداد و شبانگاہ چنانکہ بر ارواح آلِ فرعون آتش عرضہ می کنند فی قولہ تعالٰی النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا و علماے محققان بیشتر بر قولِ اول اند انتہی۔

کہ شعور و ادراک اور حرکات و تصرفات روح کے تعلق کی وجہ سے اس سے ظاہر ہوتے تھے اور اب نہیں ہوتے۔ ایسا ہی تفسیر عزیزی میں ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تحقیق یہی ہے کہ شہدا کے لیے بھی انبیاء کی طرح جسم کے ساتھ زندگی ہے، جیسا کہ آیۂ کریمہ "اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں کو مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں" کے تحت تفسیر روض الجنان میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر اور شہدا کے احوال میں علماء کا اختلاف ہے۔ عبداللہ بن عباس اور حسن بصری فرماتے ہیں، شہداء جسم و رُوح کے ساتھ زندہ ہیں صبح و شام انھیں رزق ملتا ہے اور یہ اُس پر خوش ہیں جو خدا انھیں دیتا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں باری تعالٰی کا ارشاد ہے انھیں رزق دیا جاتا ہے وہ اس پر خوش ہیں جو اللہ نے اپنا فضل انھیں عطا کیا۔ بعض دیگر کہتے ہیں اُن کی رُوحیں زندہ ہوتی ہیں اور ان ہی پر صبح و شام رزق پیش کرتے ہیں، جیسے فرعونیوں کی رُوحوں پر آگ پیش کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے، وہ صبح و شام آگ پر پیش ہوتے ہیں۔ اور اکثر علمائے محققین پہلے قول پر ہیں۔ ختم (ت)

کیوں مُلّاجی! اب نسبت کی خبریں کہئے، جب اہلِ سنّت کے نزدیک ہر فاسق و کافر کی رُوح زندہ ہے موت صرف بدن کے لیے ہے اسی کے ادراکات زائل ہوتے ہیں، تو اب سماعِ موتٰی میں کیا مجالِ مقال رہی، جوابات سابقہ کی تقریر کیسی روشن طور پر ثابت ہوگئی، تفہیم المسائل کی ساری عرق ریزی کیسی خاک میں ملی، اب یہ کلام مشایخ جس میں موت و بے فہمی و بے حسی کی تصریحیں ہیں، روح پر محمول ہو مشائخ اہلسنت کا کلام نہ ہونا کیسا واضح و منجلی والحمدللہ العظیم العلی۔ اور عجیب لطیفہ یہ کہ ساتھ ہی خوش وقتی میں آکر تفسیر روض الجنان کی عبارت بھی نقل فرماگئے جس نے رہی سہی ڈھول سے کھال بھی کھوئی، اس میں صاف تصریح ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس

لہ تفہیم المسائل استمداد از صاحب قبر مطبع محمدی لاہور ص ۵۸ و ۵۹

وحضرت امام حسن بصری واکثر علمائے محققین شہدا کے اجسام بھی زندہ مانتے ہیں، اور اسی کو ظاہر آیۂ کریمہ سے مؤکد کیا اور بعض کی طرف سے اس کا جو جواب نقل کیا پر ظاہر کہ نری تاویل ہی تاویل ہے، کہاں ارشادِ الٰہی ہیں یرزقون روزی دئے جاتے ہیں اور کہاں یہ معنی کہ روزی انھیں دیتے نہیں دکھا دیتے ہیں ع

شربت بنماید و چشیدن نگزارند

(یہ یُوں ہی ہے کہ شربت پی لیا ہے اور چکھا نہیں)

اب خدارا اپنے انکاری دھرم کی ایک ٹانگ توڑیئے، شہدا ہی کے لیے سماعت مانئے، انھیں سے استمداد جائز جانئے کہ یہاں تو جسم و رُوح سب کچھ زندہ ہے، کسی جھوٹے حیلے کی بھی گنجائش نہیں، جس طرح کہ تم خود اسی تفہیم کے صفحہ ۸۸ پر لکھ چکے ہو:

درسماعِ انبیاء علیہم السلام کلامے نیست کہ ایشاں راحیات حاصل است[1]	انبیاء علیہم السلام کے سُننے میں کوئی کلام نہیں ان حضرات کو حیات حاصل ہے (ت)

نیز ص۸۹ پر:

(آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) جواب دادند کہ چوں انبیاء را حیاتِ دنیاوی حاصل وجسد ایشاں نیز باقی است لہٰذا محل استبعاد سماع وعرض نیست[2]	آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جب انبیاء کو حیاتِ دنیاوی حاصل ہے اور ان کا جسم بھی باقی ہے تو سماعت اور پیشی کو بعید سمجھنے کا موقع نہیں۔ (ت)

طرفہ بکف چراغے دیکھئے، عبارت تو یہ نقل کی اور دعوٰی وہ نقل کیا کہ بعضے گویند تحقیق ہمیں است (بعض کہتے ہیں تحقیق یہی ہے۔ ت) خیر وہ بعض ہی سہی اب اُس اجماع کی خیر نہ رہی جو بکمال وقاحت ص۹۳ پر فرمایا:

بالجملہ از کتاب وسنّت واجماعِ اُمّت ثابت کہ موتٰی را سماع حاصل نیست[3]	بالجملہ کتاب وسنّت اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے کہ مُردوں کو سماعت حاصل نہیں ہے۔ (ت)

مگر تم کیا شرماؤ ہر رنگ کی کہہ دینے کے قدیم دھنی ہو حتّٰی کہ یہی جو لکھ گئے،

وآنکہ از عبارتِ مرقات سماعِ سائر کہ اموات سلام	مُردوں پر بعض ایام میں اہلِ قرابت کے اعمال پیش

---

[1] تفہیم المسائل عدمِ سماعِ موتٰی از صاحبِ قبر مطبع محمدی لاہور ص ۸۳

[2] " " " " " ص ۸۵

[3] " " " " " ص ۸۸

وکلام را در عرض اعمالِ اقارب بر آنہا و در بعض ایام آرند جوالبش آنکہ مراد از سلام وکلام سلام کلام زائران است نہ دیگراں [1]

ہونے کے تحت مرقات کی عبارت سے تمام مُردوں کے لیے سلام ونقل سُننا نقل کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ سلام وکلام سے مراد زیارت کرنے والوں کا سلام وکلام ہے دُوسروں کا نہیں۔ (ت)

سچ ہے بوکھلائے ہُوؤں کا کیا کہنا ؎

وُہ شرمائی ہُوئی نظریں وُہ گھبرائی ہُوئی باتیں
نکل کر گھر سے وُہ گھرنا تزا اُمیدواروں میں

حجّتِ ثانیہ: پھر مشائخ نے جب وقتِ سوال سماع مانا تو اس کی وجہ یہ بتائی کہ اب رُوح جسم میں دوبارہ آئی جب کلام روح کی طرف آئے تو اس جواب کا صاف یہ حاصل کہ رُوح جب تک بدن سے جُدا تھی بے حس وبے ادراک تھی جسم میں آنے کے باعث اس وقت پھر مدرک ہوگئی، یہ صراحۃً بدن کو شرطِ ادراک ماننا ہے کہ سُو بار سن چکے کہ یہ مذہب نامہذب معتزلہ ہے، اب یا تو اکثر مشائخنا کی طرف نسبت غلط مانیے تو اپنی ہی سند بگاڑ دیجئے، اپنے ہی پاؤں پر تیشہ ماریئے، ورنہ یقیناً قطعاً اُن سے وہی معتزلہ مراد ہیں بعد قیام حج قاطعہ کے حیلوں حوالوں ٹالے بالوں کی کیا گنجائش ہے، نہ اب اس سوال کا موقع کہ پھر یہ شراح اُسے کیوں بے اظہار خلاف نقل کر لائے۔

اقول ویسے ہی نقل کر لائے جس طرح امام عبدالرشید بن ابی حنیفہ ولوالجی وامام طاہر بن احمد وغیرہما اجلّہ کرام نے بشیر مریسی معتزلی کا قول یُوں نقل کیا گویا یہی اصل مذہب ہے، جس طرح علامہ محقق زین العابدین بن ابراہیم وفہامہ مدقق علاء الدین محمد دمشقی نے ابوعلی جبائی معتزلی کا قول یُوں نقل کیا گویا یہی مذہب مشائخ ہے جس کا بیان فائدہ جمیلہ فصل سیزدہم میں گزرا۔ خود انھیں امام ابن الہمام نے فتح القدیر باب نکاح الرقیق میں ایک مسئلہ محیط سے نقل کیا پھر فرمایا: ھکذا اوردھا الشارحون [2] شارحین یکے بعد دیگرے یونہی لکھتے چلے آئے۔ پھر فرمایا: یہاں مقتضائے نظر اس کے خلاف ہے۔ پھر اسے بیان کرکے فرمایا: فھذا ھو الوجہ وکثیرا ما یقلد الساھون الساھین [3] سخن موجہ یہی ہے اور اکثر ہوتا ہے کہ بھُولنے والے بھُولنے والوں کی پیروی کرلیتے ہیں۔ علامہ بحر نے بحرالرائق آخر کتاب البیوع باب المتفرقات میں ایک مسئلہ پر اعتراض کیا کہ اس میں مصنفین

---

[1] تفہیم المسائل | استمداد از صاحب قبر | مطبع محمدی لاہور | ص ۲۷
[2] فتح القدیر | باب نکاح الرقیق | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۳/ ۲۷۰
[3] ؍؍ | ؍؍ | ؍؍ | ؍؍

نے خطا کی اور یہاں خطا زیادہ قبیح واقع ہوئی، پھر فرمایا:

وانا متعجب لکونهم تداولوا هذه العبارات متونا وشروحا وفتاوی ولم یتنبهوا لما اشتملت علیه من الخطاء بتغیر الاحکام والله الموفق للصواب، وقد یقع کثیرا ان مؤلفا یذکر شیئا خطأ فی کتابه فیأتی من بعده من المشائخ فینقلون تلك العبارة من غیر تغییر ولا تنبیه فیکثر الناقلون لها واصلها الواحد مخطئ کما وقع فی هذا الموضع ولاعیب بهذا علی المذهب لان مولٰنا محمد بن الحسن ضابط المذهب لم یذکر علی هذا الوجه قد نبهنا علی مثل ذٰلك فی الفوائد الفقهیة فی قول قاضی خان وغیرہ ثم نبهت علی ان اصل هذه العبارة للناطفی اخطأ فیه ثم تداولوها[1] (ملخصا)

یعنی مجھے تعجب ہے کیونکہ ان عبارتوں کو متون وشروح و فتاوی سب میں ایک دوسرے سے لیتے نقل کرتے چلے آئے اور اس میں خطا پر متنبہ نہ ہوئے کہ احکام بدلے جاتے ہیں اور اللہ ہی صواب کی توفیق دینے والا ہے، اور کبھی بکثرت واقع ہوتا ہے کہ ایک مصنف براہِ خطا ایک بات اپنی کتاب میں ذکر فرماتا ہے پھر بعد کے آنے والے مشائخ اسے ویسے ہی بلا تنبیہ نقل کرتے چلے جاتے ہیں تو اس کے ناقل بکثرت ہوجاتے ہیں، حالانکہ اصل میں ایک شخص کی غلطی تھی، جیسا یہاں واقع ہُوا، اور اس سے مذہب پر کوئی طعن نہیں آتا کہ ہمارے سردار امام محمد محررِ مذہب نے اس طور پر ذکر نہ کیا اور اسی طرح کے ایک واقعے پر ہم نے فوائد فقہیہ میں تنبیہ کی کہ امام قاضی خاں وغیرہ یعنی صاحبِ خلاصہ وصاحبِ ولوالجیہ وغیرہم نے ایک حصر فرمایا اور وہ غلط تھا پھر میں نے آگاہ کردیا کہ یہ اصل خطا ناطفی سے واقع ہُوئی اُن کے بعد مشائخ اسے یونہی نقل کرتے رہے۔

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی کہ اس قسم کا ایک واقعہ عظیمہ امام اجل ابوجعفر طحاوی کی طرف ایک ترجیح و افتا کی نسبت واقع ہوا جس میں تداول و توارد نقول آج تک چلا آیا اور ہمارے زمانے تک کسی نے اس پر متنبہ نہ فرمایا یہاں تک کہ سب میں متاخر محقق مبصر علامہ شامی کو بھی وہی راستہ بھایا، مگر فقیر غفر اللہ المولی القدیر نے بدلائل ساطعہ قاطعہ امام طحاوی کا فتوٰی نہ اس پر بلکہ قطعاً اس کے برعکس ہونا خود کلام امام ممدوح کے اشارہ نصوص و دلائل سے ثابت کردکھایا اور اس بارے میں محض بغرض اظہارِ حق وحفظِ مذہب ودفعِ تشنیعِ مخالفین ایک خاص رسالہ النھر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علٰی بنی ھاشم معرضِ تصنیف میں لایا وﷲ الحمد حمدا کثیرا علی ما وھب من جزیل العطایا مانحن فیه (اور اللہ ہی کے لیے حمد ہے، کثیر حمد اس پر جو اس نے جزیل

---

[1] البحرالرائق باب المتفرقات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۸۵

عطاؤں سے نوازا۔ ت) میں اگر کلامِ مشائخ کے یہ معنی لوں جس سے موت وبے ادراکیِ روح ثابت ہو تو یہاں تو امر آسان تر ہے کہ اصل مسئلہ میں کوئی دقت نہیں صرف بیانِ دلیل میں محض بے حاجت یہ تخلیط واقع ہوئی۔ اس تقدیر پر یہاں بھی قطعاً جزماً یہی ہُوا کہ مشائخ مذہب سے معتزلہ نے یہ دلیل ذکر کی، پھر بعض مشائخ اہلسنت نے سہواً نقل کردی، پھر نقول درنقول ہوتی چلی گئیں، تنقیح وتنبیہ کی طرف توجہ رہ گئی۔ اب متاخرین اکثر مشائخنا کہا ہی چاہیں، یہی وجہ ہے کہ خود ان علمائے اعلام اہلسنت کے کلام جابجا اس کے خلاف واقع ہوئے جس کے پچیس[۲۵] شواہد دلیل ۱۱ میں سُن چکے، یہاں سہواً معتزلہ کا قول لکھ گئے اور خود یہیں اور دیگر مواقع میں جابجا اپنا عقیدہ حقہ متعدد وجوہ سے ظاہر ہوا وللہ الحمد۔

کیوں مُلّا تفہیمی صاحب! اب اپنے اعذار باردہ واستبعاداتِ کاسدہ دیکھئے کدھر گئے وباللہ التوفیق، اور حقیقۃً یہ سب تمہاری خوبیاں ہیں، نہ تم معانی حقہ صحیحہ صادقہ چھوڑ کر بزورِ زبان وزور وبہتان یہ معنی باطل گھڑو، نہ اس جواب کی حاجت ہو۔ انصافاً اپنے استبعادوں کو آپ ہی بیٹھ کر روؤ۔ ہمارے نزدیک نہ مشائخ کرام نے خطا کی نہ اُن کا کلام حاشا کسی عقیدہ اہلسنت نہ اپنے کسی کلام دیگر کے معارض، نہ یہاں باہم متعارض ومتناقض جس کی تحقیق قاہر اور پرسُن چکے، وللہ الحمد۔

جلیلہ عظیمہ: رہی ملّا جی کی پچھلی نزاکت کہ:

انکارِ سماعِ موتٰی بطوریکہ عامی کنیم مذہبِ معتزلہ فہمیدن محض غلط است زیراکہ مذہبِ بعض معتزلہ آن ست کہ میّت جماد است درآن حیات وادراک نیست پس تعذیبِ آن محال است واہلسنت گویند کہ ہرچند کہ درمیّت حیات نیست مگر جائز است کہ خدائے تعالٰی دراں نوعے از حیات بقدرِ ادراک الم عذاب ولذت وتنعم عند الایلام والتعذیب پیدا کند وآں مستلزم سماع نیست[۱]

جس طرح ہم سماعِ موتٰی کا انکار کرتے ہیں اسے معتزلہ کا مذہب سمجھنا محض غلط ہے۔ اس لیے کہ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ میّت جماد ہے اس میں حیات وادراک نہیں تو اس کی تعذیب محال ہے، اور اہلسنت کہتے ہیں کہ ہرچند کہ میّت میں حیات نہیں مگر ہوسکتا ہے کہ خدائے تعالٰی اس میں ایک نوع حیات پیدا کردے اس قدر کہ الم پہنچانے اور عذاب دینے کے وقت عذاب کی تکلیف اور آسائش کی لذت کا ادراک کرے اور یہ سماع کو مستلزم نہیں۔ (ت)

ہمارے کلماتِ سابقہ کے ناظر پر اس عذر بدتر از گناہ کی حقیقت خوب منکشف ہے پھر بھی ملّا جی کی خاطر کیجئے کلام کو چند

---

[۱] تفہیم المسائل عدمِ سماعِ موتٰی از کتبِ حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۱۸

عوائدِ جلیلہ سے ترصیفِ تازہ دیجئے اور باذنہٖ تعالیٰ ازالۂ ہرگونہ اوہام کا ذمہ لیجئے۔

فاقول وبحول اللہ اصول :

عائدۂ اُولیٰ : نجدی صاحبو! ناحق اہلسنت کا دامن پکڑتے اور اپنے مذہب کی جانِ زار کے پیچھے پڑتے ہو، اہلسنت کے یہاں تمہاری گزر نہیں، وُہ کہ وقتِ تنعیم وتعذیب اعادۂ حیاتِ کاملہ خواہ ناقصہ بدن کے لیے مانتے ہیں نہ کہ روح کے لیے کہ وُہ تو ان کے نزدیک مرتی ہی نہیں، اگر تم لوگ صرف سماعِ جسم یا سماعِ جسمانی بذریعہ آلاتِ جسم کے منکر اور سماعِ رُوح بے توسطِ بدن کے معترف ومقر ہوتے تو ضرور اہلسنت سے موافق اور اُن کے اس مسئلہ سے انتفاع کے مستحق ہوتے، مگر یُوں خلاف ہی کب باقی رہتا یہ تو خاص ہمارا مذہب وعین مراد چشم ماروشن دلِ ماشاد تھا مگر حاشا تم ہرگز اس کے قائل نہیں، اس میں تمہارا مطلب کر اولیائے مدفونین سے طلبِ دعا پتھر کو ندا ہے کب بر آتا۔ کیوں ملّا جی! ذرا نگاہ روبرو، کیا آپ وہی نہیں ہیں جو اسی تفہیم کی اسی بحث میں بکمال وقاحت وشوخ چشمی اپنا مذہب نامہذب بزورِ زبان بنانے کے لیے ایک گھڑی ہُوئی فرضی کتاب خیالی تصنیف غرائب فی تحقیق المذاہب سے سند لائے اور اس کی وساطت سے سیّدنا امام اعظم وہمام اقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جیتے افترا اٹھائے۔ آپ اگرچہ خیالی علما[1] گھڑ لینے فرضی کتابوں کی ساختہ عبارتیں پیش کر دینے کے پختہ ماہر کار ہیں جن کے حال صواعق وتفہیم وغایۃ الکلام کے مطالعہ سے آشکار ہیں۔ بعض احباب فقیر نے خاص آپ حضرات کی ایسی ہی دیانتوں کے بیان میں رسالہ سیف المصطفیٰ علیٰ ادیان الافترا لکھا اور اس میں ایک سَو ساٹھ ۱۶۰ دیانات کبرائے طائفہ کو جلوہ دیا مگر اس گھڑت کی ابتدا شاید سرکار سے نہ ہو، تفہیم سے پہلے ایک سہسوانی وہابی صاحب رسالہ سراج الایمان میں اس کے بادی ہوئے ہیں، بہرحال یہ گندی بُو کا عطر فتنہ سہسوان کی گھاٹی سے ہو یا قنوج کی، ذرا ایمان سے بتائیے کہ آپ حضرات کی اس خانگی ساخت پر دُنیا میں کوئی اور بھی مطلع ہے کہیں اس کتاب کا نام ونشان بھی ہے، کسی اور نے بھی اس سے استناد کیا یا کہیں اس کا نام لیا ہے؟ اللہ اللہ صدہا سال سے مسئلہ سماع ومسئلہ استمداد زیرِ بحث ہے، صدہا کتابوں میں ان کے بیان آئے آج تک کسی کو کانوں کان خبر نہ ہُوئی کہ خود امامِ مذہب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ان میں نصِ صریح موجود ہے، اب

---

[1] مثل ناصر فا کہانی جس کے مطالبہ پر بکمال حیاداری صاف کہہ دیا گو ناصر فا کہانی نباشد کلام در کلام است ۱۲ منہ (گو ناصر فا کہانی نہیں ہے کلام در کلام ہے ۱۲ منہ۔ ت)

[2] مثل القول المعتمد فی الکلام مع عمل المولد جس میں تک بھی ٹھیک ملانی نہ آئی، معتمد بفتح میم اور مولد بکسر لام اور پھر عمل مولد پر یا اس میں کلام کی جگہ عمل مولد کے ساتھ گفتگو وکلام ع

بے حیا باش ہرچہ خواہی کن ۱۲ منہ (م)

گیارہ سو ۱۱۰۰ برس بعد ان حضرات کو امام کا ارشاد معلوم ہُوا، اور وہ بھی کس کتاب میں، جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے اس کا نام سنا، خیر اب تو یہ باحیا متدین حضرات کب کے مرکر جا دلا یفہم ولا یتکلم ہوگئے، اہلسنت نے ان کی حیات ہی میں مطالبہ کیا تھا کہ حضرت! یہ ساختہ عبارت فتاوٰی غرائب میں تو ہے نہیں، جواب دیا کہ یہ اور رسالہ غرائب فی اختلاف المذاہب ہے، اور کبھی کہا، فی تحقیق المذاہب ہے ــــ عرض کی گئی: آپ کے پاس ہے یا کہیں اور دیکھا؟ کہا، مفتی سعد اللہ صاحب کے یہاں ہے۔ مفتی صاحب مرحوم سے پُوچھا گیا، اُنھوں نے فرمایا: میں اصلاً اس کتاب سے واقف نہیں۔ اللہ اللہ حیا کا پایا یہاں تک پہنچا اور پھر ؎

عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیئے

مقدس متدینوں کو عبارت بھی گھڑنی نہ آئی، سہل سہل محاورہ و قواعد کی مطابقت نہ پائی، اس کے الفاظ و بندش کی رکاکت خود ہی کافی شہادت ہے کہ بے علم ہندیوں کی اوندھی گھڑت ہے۔ عبارتؔ حاشیہ پر ہے ہر صاحبِ ذوقِ سلیم

عہ در غرائب فی تحقیق المذاہب رای الامام ابوحنیفۃ من یأتی القبور باھل الصلاح فیسلم ویخاطب ویتکلم ویقول یااھل القبور ھل لکم من خبر وھل عندکم من اثرانی ان اتیتکم و نادیتکم من شھور ولیس سوالی منکم الا الدعاء فھل دریتم ام غفلتم فسمع ابوحنیفۃ یقول مخاطبۃ لہم فقال ھل اجابوا لک فقال لافقال لہ سحقا لک وتربت یداک کیف تکلم اجسادا لایستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون صوتا وقرأ وما انت بمسمع من فی القبور[1] انتہی ۱۲

غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے: امام ابوحنیفہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اہلِ صلاح کی قبروں کے پاس آتا ہے تاکہ سلام کرے اور خطاب کرے اور کہے اے اہلِ قبور! کیا تمھیں کچھ خبر ہے اور کیا تمھارے پاس کچھ اثر ہے یہاں تک کہ میں تمھارے پاس آیا اور مہینوں سے تم کو پکارا اور میرا سوال تم سے صرف دُعا کا ہے، تو کیا تمھیں پتا چلا یا تم غافل رہے۔ تو ابوحنیفہ نے اُن سے خطاب کرتے ہُوئے کہنے والے کو سُنا تو فرمایا کیا انھوں نے تجھے جواب دیا؟ اس نے کہا نہیں۔ تو اس سے فرمایا: تیری بربادی ہو اور تیرے ہاتھ خاک آلُودہوں تو کیسے کلام کرتا ہے ایسے جسموں سے جو جواب نہیں دے سکتے اور کچھ اختیار نہیں رکھتے اور کوئی آواز نہیں سنتے، اور یہ پڑھا: تم انھیں سُنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں۔ ختم (ت)

تفہیم المسائل ص ۹۱ جو لفظ سُرخی سے لکھے ہیں تفہیم میں یُونہی ہیں انھیں کوئی غلطی ناسخ نہ سمجھے (باقی بر صفحۂ آئندہ)

---

[1] تفہیم المسائل عدمِ سماعِ موتٰی از کتب حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۷

دیکھے اور داد انصاف دے۔ بعض اصحاب فقیر سلمہم اللہ تعالٰی نے ایک لحیم شحیم وہابی ہیڈ مولوی کے رد میں مبسوط رسالہ نشاط السکین علی حلق البقر السمین لکھا اس میں اس عبارت غرائب کی دھجیاں بروجہ احسن اڑا کر اخیر میں ملا قنوجی کے اسے نقل کرکے انتہی لکھ دینے پر عجیب لطیفہ لکھا ہے جس کا ذکر خالی از لطف نہ ہوگا، قال سلمہ اللہ تعالٰی ابھی سے انتہا لکھ دی اس کے بعد تو فرضی صاحب غرائب نے اس قول کی محدثانہ سند گھڑی ہے:

حیث قال بعد نقلتم حدثنا بذلك المعدوم بن مسلوب العدمی ثنا ابوالفقدان الخیالی ثنا موھوم بن مفروض اللیسی ح ثنا الکذاب بن المفتری نا الوضاع الزوری انا منع لایثق بہ الانجدی کلاھما عن ابی التلبیس الضلالی من

تمہاری منقولہ عبارت کے بعد ہے: ہم سے بیان کیا معدوم بن مسلوب عدمی نے۔ کہا ہم سے بیان کیا ابوالفقدان خیالی نے۔ کہا ہم سے بیان کیا موہوم بن مفروض لیسی نے۔ دوسری سند: ہم سے بیان کیا کذاب بن مفتری نے۔ کہا ہم سے بیان کیا وضاع زوری نے۔ کہا ہمیں خبر دی اس نے جس پر کوئی نجدی ہی اعتماد کرے۔ دونوں (موہوم اور یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نہ وہ ناسخ تفہیم کی خطا رہیں بلکہ خود مصنف تفہیم وضاع اول کی، اس لیے کہ غلط نامہ تفہیم میں بھی ان کی تصحیح نہ کی۔ اور تفہیم صفحہ ۶۸ میں ہے:

احتمال غلطی کاتب ہم مرتفع در صحیح نامہ وغلطنامہ کتاب مطبوعہ ہم بغلطی این لفظ تعرض نہ کردہ اھ

کاتب کی غلطی کا احتمال بھی مرتفع ہے کہ مطبوعہ کتاب کے غلط نامہ اور صحیح نامہ میں اس لفظ کے غلط ہونے پر توجہ نہیں کی گئی اھ۔ (ت)

مجھے مانس کو ینطق ویتفوہ ویذکر ویحدث ویشافہ ویحاور وغیرہا یاد نہ تھے ورنہ انھیں بھی یخاطب ویتکلم ویقول کے ساتھ نتھی کردیتا ۱۲ منہ (م)

علہ ھذا وان کان مبھما لکن لایضر لانہ فی المتابعات فقد رواہ من الضلالی موھوم بن مفروض کما سمعت منفی بن المفقود واٰخرون خرائب فی شرح الغرائب ۱۲ منہ (م)

یہ راوی اگرچہ مبہم ہے مگر کوئی ضرر نہیں اس لیے کہ وہ متابعات میں ہے کیونکہ ضلالی سے اس کو موہوم بن مفروض نے روایت کیا ہے جیسا کہ آپ نے سنا، نیز منفی بن مفقود اور کچھ دوسرے لوگوں نے بھی روایت کیا ہے ۱۲ خرائب شرح غرائب۔ (ت)

59 بنی ضلال قبیلۃ من بنی المختلق قال سمعت ھاتفا من الھواء یھتف بذلک فلا ادری احفظت ام نسیت لکن اشھد وان الذی یحد ثکم بھذا کذاب مبین۔

مجہول) راوی ہیں ابوالتلبیس ضلالی سے۔ جو بنی مختلق کے ایک قبیلہ بنی ضلال سے ہے ـــ اس نے کہا ـــ میں نے ہوا سے ایک ہاتف کو یہ پکارتے سُنا تو مجھے پتا نہیں کہ مجھے یاد ہے یا میں بھول گیا لیکن اس پر گواہ رہو کہ تم سے جو شخص یہ بیان کررہا ہے کھُلا ہُوا کذاب ہے (ت)

ہم کہتے ہیں الکذوب قد یصدق (بڑا جھُوٹا بھی کبھی سچ بول دیتا ہے۔ت) بیشک یہ پچھلا فقرہ اس نے سچ کہا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اھ کلامہ سلمہ ربہ۔

اچھا یہ سب جانے دو، اگر سچے ہو تو لکھ دو کہ ہاں مُردے احیاء کا کلام ضرور سنتے ہیں مگر نہ گوشِ بدن بلکہ قوتِ رُوح سے۔ کیا اسے تم کہہ سکتے ہو؟ ہرگز نہ کہو گے۔ اب پردہ کھُل گیا اور صاف ادراکِ روح کا انکار ظاہر ہُوا اور اپنے اسی دعوٰی پر کلامِ مشائخ ڈھالا اور وُہ موت وبے ادراکی وبے حسی کا سارا نزلہ رُوح پر لاڈالا۔ تو اب کیا محلِ انکار ہے کہ یہ قطعاً مذہبِ معتزلہ فجار ہے۔ رہا یہ کہ وہ منکرِ عذاب ہیں تم قائل عذاب، اس تفرقے سے تمہارا اُن کا وہ اتفاق زائل نہیں ہوتا مثلاً کوئی پُورا وہابی اپنی نیچریت[1] کے زور میں دعوٰی کر بیٹھے کہ سیّدنا عیسٰی نبی اللہ صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ ضرور سُولی دیے گئے، یہود عنود نے انھیں قتل کیا، تو اس سے یہی کہا جائیگا کہ تیرا یہ قول مذہبِ نصارٰی ہے۔ کیا وہ اس کے جواب میں کہہ سکتا ہے کہ سُولی دیا جانا جس طرح وہ مانتا ہے مذہبِ نصارٰی سمجھنا محض غلط ہے اس لیے کہ مذہبِ نصارٰی یہ ہے کہ وُہ کفارہ ہونے کے لیے سُولی دیے گئے، معاذ اللہ تین دن جہنم میں رہ کر خدا کے ہاتھ پر جا بیٹھے، اور وُہ شخص کہتا ہے کہ ہرچند سُولی دیے گئے مگر کفّارہ وغیرہ خرافات ہیں کیا اس فرق کے سبب اس کا وُہ قول مذہبِ نصارٰی ہونے سے خارج ہو جائے گا!

عائدہ ثانیہ: وکانھا الاولی بعبارۃ اخصر (گویا یہ زیادہ مختصر عبارت میں پہلا ہی ہے۔ت) میت میں حیات نہیں، اس سے مراد روح ہے یا بدن، اگر بدن تو بحث سے محض بیگانہ، اور اگر رُوح تو تم یہی مان کر اہلسنّت سے خارج وبری اور اُن کی طرف اُن کی نسبت کرکے کذاب ومفتری ہُوئے، اہلسنّت ہرگز رُوح کو بے حیات نہیں مانتے، اگر کہتے موت مجازی تو مانتے ہیں۔

---

[1] وہابیت کا کمال وہی نیچریت ہے ۱۲ منہ (م)

اقول ہاں مگر اس کا اثر ادراکاتِ رُوح پر اصلاً نہیں کما مرّ مرارًا (جیسا کہ کئی بار گزرا۔ت) خود ملّاجی کی عبارت بیہوشی مظہر حوالۂ تفسیر عزیزی ابھی گزری اور تم صراحۃً وہ موت مان رہے ہو جو نافی ومنافی ادراک ہے، اسی کو کلامِ مشائخ سے نقل کرتے اور اسی پر انکارِ سماع کی بناء رکھتے ہو تو قطعاً موتِ حقیقی مراد لیتے ہو اور اسے روح کے لیے ماننا، یہی اعتزال ہے۔ اگر کہئے معتزلہ تو روح کے لیے موت منافی مطلق ادراک مانتے ہیں، و لہذا عذابِ قبر محال جانتے ہیں، اور یہاں مراد وُہ موت ہے جسے صرف ادراکِ صور و اصوات دنیاوی سے تنافی ہو نہ برزخیہ سے۔

اقول اوّلاً یہ تخصیص محض بے دلیل و باطل ہے، موت بھی مانو منافی ادراک بھی جانو، جیسا کہ کلامِ مشائخ میں مصرح ہے، پھر اُسے ادراک بعض دُون بعض سے خاص کرو، یہ جہل اقبح ہے موت کہ منافی ادراک ہے ہر ادراک کے منافی ہے اور نہیں تو کسی کے نہیں، خود اسی تفہیم المسائل میں براہِ جہالت اپنی سند سمجھ کر نقل کیا:

در مدارک نوشتہ توفیہا اماتتہا وھو ان یسلب ماھی بہ[۱] حیۃ حساسۃ دراکۃ۔[۱]	مدارک میں لکھا ہے: توفّی کا معنی انھیں موت دینا، وُہ یہ کہ جس امر کی وجہ سے یہ زندہ، حساس، یا ادراک ہیں اُسے سلب کرلیا جائے۔ (ت)

پھر لکھا:

امام راغب در مفردات گفتہ کہ الموت زوال القوۃ الحساسۃ۔[۲]	امام راغب نے مفردات میں فرمایا: موت قوتِ حساس کے زوال کا نام ہے۔ (ت)

کیوں حضرت! جب راساً حس و ادراک کی قوت زائل ہوگی مدرکہ ہی چل دی تو اب ادراکِ بعض کا ہے سے ہوگا یا رب! یہ موت کون سی کہ آدھی کی شنوا آدھی سے بہری، آدھی کی بینا، آدھی سے اندھی، ایک فرد ادراک بھی باقی ہے تو حیات ثابت ہے اور موت منتفی کہ حیات باجماعِ[۲] عقلا شرطِ ادراک ہے اور موت منافیِ مشروط نہ بے شرط متحقق ہوگا نہ منافی

۱؎ صحیح ہم چناں است و در تفہیم المسائل ایں را ماھی جثۃ ساختہ و در غلط نامہ ہم بہ تصحیحش نہ پرداختہ پر غلط است ۱۲ منہ (م)	صحیح بھی اسی طرح ہے (ماھی بہ حیۃ) تفہیم المسائل میں اسے ماھی جثۃ بنادیا اور غلط نامہ میں بھی اس کی تصحیح نہ کی جبکہ یہ بالکل غلط ہے (ت)
۲؎ ای ومن خالف فقد خرج من المعقول فکان لو بقی من اھل العقول وھم الشرذمۃ الذلیلۃ الصالحیۃ ۱۲ منہ (م)	یعنی جو مخالف ہُوا وہ معقول سے خارج ہوا تو اہلِ عقول سے نہ رہا۔ اور یہ فرقہ ذلیلہ صالحیہ والے چند افراد ہیں (ت)

۱؎ و ۲؎ تفہیم المسائل عدمِ سماعِ موتیٰ از کتبِ حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۲

منافی سے ملتصق۔

ثانیاً یُوں بھی اعتزال سے مفر کہاں، جب باوصف موت ادراکات امور برزخ علم وسمع وبصر باقی مانے تو اور معتزلہ کا مذہب نہ سہی، طوائف معتزلہ سے فرقہ صالحیہ کا مشرب سہی، جس کا ذکر آپ نے اسی تفہیم المسائل میں بشدّتِ سفاہت مقابل اہلسنّت کیا تھا کہ:

درشرح مواقف نوشتہ کہ تجویز قیام علم وقدرت وارادہ وسمع وبصر میت مذہب فرقہ صالحیہ از معتزلہ است[1]	شرح مواقف میں لکھا ہے کہ میت کے ساتھ علم، قدرت، ارادہ اور سمع وبصر قائم ماننا معتزلہ کے فرقہ صالحیہ کا مذہب ہے (ت)

ذی ہوش کو اتنی نہ سُوجھی کہ اہلِ سنّت معاذ اللہ نے کس دن موصوف بالموت کو بحال موصوفی بالموت موصوف بالادراک مانا تھا، وُہ تو جس کے لیے ادراکات مانتے ہیں اُسے ہرگز میت نہیں کہتے ہمیشہ زندہ جانتے ہیں۔ مگر ہاں اب آپ نے رُوح کو میت بھی مانا اور عذابِ قبر ٹھیک کرنے کے لیے ادراکاتِ برزخیہ بھی ثابت کیے، یہ عین مذہبِ صالحیہ ہے وُہ بھی اسی طور پر قائلِ عذابِ قبر ہوئے ہیں۔ اسی مستخلص الحقائق مستند مائۃ مسائل کی عبارت جواب اوّل کی دلیل ہفتم میں گزری کہ صالحی کے نزدیک میت باوصف موت معذّب ہوتا ہے۔ نیز اسی کفایہ کی اسی بحث میں ہے:

عن ابی الحسن الصالحی یعذب المیت من غیر حیاۃ اذ الحیاۃ عندہ لیست بشرط لثبوت الالم[2]	ابو الحسن صالحی سے منقول ہے کہ میت کو بغیر حیات کے عذاب ہوتا ہے، اس لیے کہ اس کے نزدیک ثبوتِ الم کے لیے حیات شرط نہیں (ت)

نیز وہی امام عینی عمدۃ القاری میں بعد ذکر مذہبِ صالحی فرماتے ہیں:

وھذا خروج عن المعقول لان الجماد لاحس لہ فکیف یتصور تعذیبہ[3]	اور یہ معقول سے خروج ہے اس لیے کہ جماد کے پاس حس نہیں ہوتی تو اس کی تعذیب کیونکر متصور ہوگی (ت)

اگر کہیے ہم یہ ادراکات بعودِ حیات مانتے ہیں بخلاف صالحی **اقول** ذرا ہوش میں آکر۔ بھلا اس عودِ حیات سے پہلے بھی روح کو ادراکِ امورِ برزخیہ تھا یا نہیں، اگر نہیں تو حجاب منکشف اور عذر منکسف، ثابت ہوا کہ تم نے روح کو وہی موت مانی جو منافی مطلق ادراک ہے، اب عام معتزلہ میں جاملے، اور اگر ہاں تو عودِ حیات کا حیلہ اٹھ گیا،

---

[1] تفہیم المسائل — عدم سماع موتٰی از کتب حنفیہ — مطبع محمدی لاہور ص ۸۸

[2] کفایۃ مع فتح القدیر — باب الیمین فی الضرب الخ — نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۶۱

[3] عمدۃ القاری شرح بخاری — باب المیت یسمع خفق النعال — بیروت ۸/ ۱۴۷

روحِ میت بحالِ ممات بے عودِ حیات صاحبِ ادراکات تھی، اب معتزلہ صالحیہ میں جا ملے، معفر کدھر، کیا یاد کرو گے کہ کسی سے پالا پڑا تھا۔ ہاں مفر اس میں تھا کہ ان سب اقوال و ابحاث کو در بارۂ بدن مانتے اور روح کو ان تمام بردومات سے پاک وصاف جانیے۔ بدن ہی کو مشائخ مُردہ و بے فہم کہتے اور اسی کے سماع بحالِ موت سے انکار رکھتے ہیں۔ اب ٹھکانے سے آگئے مگر ہیہات کہاں تم اور کہاں حق کا قبول، واللہ المستعان علیٰ کل متکبر جھول (ہر متکبر جاہل کے برخلاف اللہ تعالیٰ حامل و مددگار ہے۔ ت)

ثالثاً صریح جھوٹے ہو، کلامِ مشائخ میں نشانِ تخصیص مفقود، بلکہ اُس کے بطلان پر تنصیص موجود، کیا انھوں نے موت کو منافی ادراک بتا کر شبہہ عذابِ قبر وارد نہ کیا؟ کیا عودِ حیات سے اس کا جواب نہ دیا؟ کیا خود ملا تفہیمی نے اپنے پاؤں میں تیشہ زنی کو نہ کہا کہ،

مقصود فقہاء از نفی سماع دریں مقام نفی سماع عرفی و حقیقی ہر دوست زیرا کہ فقہا نفی سماع مطلق کردہ اند نہ بتقیید عرف و اگر نفی صرف سماع عرفی نہ حقیقی مقصود می بود حاجت جواب دادن از مسئلہ عذاب قبر نبود و توجیہ کردن دیگر وقائع کہ بر سماع موتی دال است فھل ھذا الا توجیہ بما لا یرضی بہ قائلہ[1]

اس مقام پر نفیِ سماع سے فقہاء کا مقصود سماع عرفی وحقیقی دونوں کی نفی ہے اس لئے کہ فقہائے سماع کی نفی مطلق کی ہے نہ کہ عرف کی قید لگا کر۔ اگر حقیقی نہیں صرف عرفی سماع کی نفی مقصود ہوتی تو مسئلہ عذابِ قبر کا جواب دینے کی ضرورت نہ تھی اور دوسرے وقائع جو سماعِ موتی پر دلالت کرتے ہیں نہ ان کی توجیہ کی ضرورت تھی یہ ایسی توجیہ ہے جس پر اس کا قائل راضی نہ ہو۔ (ت)

تو قطعاً ثابت کہ وہ اس موت کو منافی مطلق ادراک مانتے اور اس کے ہوتے امورِ برزخ کا ادراک بھی منتفی جانتے ہیں تو جب کلام روح پر محمول ہوا قطعاً آفتِ اعتزال سے نامعزول ہوا۔

عائدہ ثالثہ: بحمد اللہ تعالیٰ یہاں سے واضح ہُوا کہ عدم ادراک امورِ دنیویہ میں عذر باطل حجاب وحائل خشت و گل، اور ملا تفہیمی صاحب کا عذر مطلق اشتغال و استغراق کہ صفحہ ۶۲ و ۶۳ میں لکھا:

ارواحِ طیبہ مجردہ از ابدان بہ جہت اشتغال عبادت رب حقیقی و استغراق بہ کیفیت آں التفات باکوائن حوادث ایں عالم ندارند[2]

اجسام سے مجرد ارواحِ طیبہ ربِ حقیقی کی عبادت میں اشتغال اور اس کی کیفیت میں استغراق کے باعث اس دُنیا کے موجودات و حوادث کی جانب التفات نہیں رکھتیں۔ (ت)

---

[1] تفہیم المسائل — عدم سماعِ موتی از کتبِ حنفیہ — مطبع محمدی لاہور — ص ۴۳
[2] " — استمداد از صاحبِ قبر — " — ۵۸

محض مہمل و ناروا و پادرہوا تھے۔

اقول جب تم لوگ کلامِ مشائخ سے مستدل اور اُس کے اُس معنی محال پر حامل ہو تو تمھیں ان اعذارِ باردہ کی کیا گنجائش!

اوّلاً مشائخ تو نفسِ موت کو منافیٔ ادراک اور اُس کی وجہ انتفائے اصل قوت حساس و ادراک مان رہے ہیں اور ان اعذار کا یہ حاصل کہ قوتِ مدرکہ تو موجود و کامل مگر حجاب حائل یا التفات زائل۔

ثانیاً وہ اس موت کو منافی مطلق ادراک بے تخصیص امورِ دنیویہ جان رہے ہیں اور تمھارے اعذار انھی امورِ خارجہ سے خاص ————— **ثالثاً** حائل و حجاب بدن پر ہے اور کلام روح میں۔

رابعاً پردہ وحیلولت صرف مدفون کے لیے ہے صرف بعد دفن صرف تا عدمِ انکشاف اور کلام عام بلا خلاف۔

خامساً تمھارے حاجب و حائل کا پردہ تو اُسی دن چاک ہوچکا جس دن مشائخ نے وقتِ سوال سماع آوازِ نعال تسلیم کیا اور رسالہ تفہیمی نے در وقتِ سوال وجواب ہمہ قائلِ سماع اند (سوال وجواب کے وقت سب سماع کے قائل ہیں۔ ت) کا مژدہ سنایا۔

سادساً عبادت سے اشتغال اور اسی کی کیفیت میں استغراق تو سب اموات کو عام نہ مانئے گا یُوں کہئے کہ منعم ہے تو لذتِ نعمت، یا معاذ اللہ معذب ہے تو عذاب کی شدت میں مستغرق ہونا مانع سماع ہے۔ میں کہتا ہُوں اس لذت یا الم کی حالت میں سوال محال ہے یا ممکن برتقدیر اول دلیل استحالہ ارشاد ہو اور زیادہ تفصیل چاہئے تو مقصد اول نوع اول سوال اول کی تقریر یاد ہو برتقدیرِ ثانی ممکن کی جانبین وجود و عدم یکساں اور برزخ غیب اور

عہ **تنبیہ: اقول** بقائے رُوح وادراکات روح بعد فراق میں اگر استصحاب ناکافی سمجھ کر یہیں مدعی بھی مانیے تو یہ دعوٰی ایسے نصوص قواطع واجماعِ ساطع سے ثابت جس میں موافق مخالف کسی کو مجالِ تامل نہیں، آخر مخالفین بھی تنعیم و تعذیب وادراکاتِ امورِ برزخیہ مانتے ہیں، اس کے بعد مسئلہ نزاعیہ میں بداہۃً ظاہر ہمارے ساتھ ہے کہ جب مدرک باقی اور ادراک باقی۔ پھر جو نفی بعض مانے مدعی تخصیص وُہ ہے دلیل پیش کرے، اور اگر بالفرض بنظرِ ظاہر الفاظ عکس ہی مانیے تو ہمارا دعوٰی سماع ہے، اور دلیل سمع جس کا وجوب تسلیم واجب التسلیم اور ورود مقصد دوم وسوم میں روشن ہوگیا تو کسی مقدمہ پر منع کی گنجائش نہیں اور دعوٰی پر تو منع کے منع ہی نہیں خصوصاً بعد اقامت دلیل، لاجرم یہ اعذار لغصب منصب استدلال ہیں اور اب یہ قانون مناظرہ وظائف منعکس فاحفظ تحفظ ۱۲ منہ (م)

لہ تفہیم المسائل — عدم سماعِ موتٰی از کتبِ حنفیہ — مطبع محمدی لاہور — ص ۸۱

غیب پر رجماً بالغیب حکم لگانا ضلالت وعیب امام الحرمین ارشاد میں ارشاد فرماتے ہیں :

لایتقدر الحکم بثبوت الجائز ثبوتہ فیما غاب عنا الا بسمع[1]

جو چیزیں ہم سے غائب ہیں ان میں کسی ممکن الثبوت امر کے ثابت ہوجانے کا حکم دلیل سمعی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ (ت)

شرح عقائد نسفی میں ہے :

القضایا منہا ماھی ممکنات فلا طریق الی الجزم باحد جانبیہا فکان من فضل اللہ و رحمتہ ارسال الرسل لبیان ذلک[2]

قضایا میں سے ممکنات بھی ہیں۔ ان کی دو جانبوں میں سے کسی ایک کے جزم کی کوئی سبیل نہیں تو اللہ تعالٰی اس کے بیان کے لیے اپنے فضل و رحمت سے رسولوں کو مبعوث فرمایا۔ (ت)

تفسیر کبیر میں ہے :

کل ماجاز وجودہ وعدمہ عقلا لم یجز المصیر الی الاثبات او الی النفی الا بدلیل[3]

عقلاً جس کا وجود اور عدم دونوں ممکن ہو اس میں دلیل سمعی کے بغیر اثبات یا نفی کی طرف جانے کا جواز نہیں (ت)

لاجرم اشتغال کے سبب عدمِ سماع کا شگوفہ مہمل وبیکار ہوکر رہ گیا اور شرع مطہر سے جداگانہ دلیل کی حاجت رہی کہ یہ تلذذ و تالم مانع سماع ہیں، اگر دلیل نہیں اور بیشک نہیں تو آپ کا خذلان وخسران ظاہر وعیاں، ورنہ وہ دلیل ہی نہ دکھایئے، عبث و ناتمام باتوں میں کیوں وقت گنوایئے۔

سابعاً اگر یہ اشتغال مانع سماع ہوتا خواہ تمہاری ہوسات عاطلہ خواہ جہان فلاسفہ کے مقدمہ باطلہ سے جس کی دھجیاں امام فخر الدین رازی وغیرہ علماء اڑا چکے کہ نفس آنِ واحد میں دو چیزوں کی طرف توجہ نہیں کرسکتا تو واجب کہ اہلِ برزخ کو کلام ملائکہ کا بھی سماع نہ ہوتا کہ استغراق مانع کے آگے سماع سماع سب ایک سے، حالانکہ تالی قطعاً باطل ہے تو یوں ہی مقدم۔ غرض استغراق کو امور برزخیہ و دنیویہ میں فارق بنانا چاہا تھا وہ خود محتاج فارق ہے۔

ثامناً العظمۃ للہ والضراعۃ الی اللہ (عظمت و بزرگی اللہ کے لیے ہے اور ضعف و ذلالت اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ ت) وہ موت کا تازہ صدمہ اٹھائے ہوئے رُوح جس کا ادنٰی جھٹکا سو ضربِ شمشیر کے برابر،

عہ ابن ابی الدنیا عن الضحاک بن حمزۃ مرسلا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲

اسے ابن ابی الدنیا نے ضحاک بن حمزہ سے مرسلاً نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت)

---

[1] الارشاد فی علم الکلام

[2] شرح عقائد نسفی بحث فی ارسال الرسل دار الاشاعۃ العربیۃ شوکت الاسلام قندھار ص ۹۸

[3] تفسیر کبیر

جس کا صدمہ[1] ہزار ضرب تیغ سے سخت تر، بلکہ ملک[2] الموت کا دیکھنا ہی ہزار تلوار کے صدمہ سے بڑھ کر۔ وہ تنگ جگہ، وہ نری تنہائی، وہ ہرطرف بھیانک بیکسی چھائی، اس پر وہ نکیرین کا اچانک آنا وہ سخت ہیبت ناک صورتیں دکھانا کہ آدمی دن کو ہزاروں کے مجمع میں دیکھے تو حواس بجا نہ رہیں، کالا[3] رنگ، نیلی آنکھیں دیگوں[4] کے برابر بڑی، ابرق کی طرح شعلہ زن، سانس[5]

---

[1] الخطیب فی التاریخ عن انس ابن مالک عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والحارث ابن ابی اسامۃ بسند جید عن عطاء بن یسار مرسلا ۱۲۔

اسے خطیب نے تاریخ میں حضرت انس بن مالک سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا، اور حارث بن ابی اسامہ نے بسند جید عطا بن یسار سے مرسلاً روایت کیا۔ (ت)

[2] ابونعیم فی الحلیۃ عن واثلۃ بن الاسقع عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲

اسے ابونعیم نے حلیہ میں واثلہ بن اسقع سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت)

[3] حدیث عن الترمذی وحسنہ وابن ابی الدنیا والاٰجری فی الشریعۃ وابن ابی عاصم فی السنۃ والبیہقی عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (۲) البیہقی فی عذاب القبر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۱) اسے ترمذی نے بافادہ تحسین روایت کیا اور ابن ابی الدنیا نے، اور شریعہ میں آجری نے اور سنہ میں ابن ابی عاصم نے اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (۲) اور بیہقی نے عذاب قبر میں حضرت ابن عباس سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت)

[4] حدیث اول و ۳ ابن المبارک فی الزھد وابن ابی شیبۃ والاٰجری والبیہقی عن ابی الدرداء من قولہ ۱۲۔

حدیث اول و ۳ ابن المبارک نے زہد میں اور ابن ابی شیبہ، آجری اور بیہقی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان کے کلام میں (موقوفاً) روایت کیا۔ (ت)

[5] حدیث ۴ الطبرانی فی الاوسط وابن مردویۃ عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲

حدیث ۴ طبرانی نے معجم اوسط میں، اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ (ت)

[6] حدیث ۲ و ۵ ابویعلی وابن ابی الدنیا عن النعیم، حدیث ۶ ابوداؤد فی البعث والحاکم

حدیث ۲ و ۵ کو ابویعلی و ابن ابی الدنیا نے نعیم سے روایت کیا۔ حدیث ۶ ابوداؤد نے بعث میں، حاکم

(باقی اگلے صفحہ پر)

جیسے آگ کی لپیٹ، بیل[عہ۱] کے سینگوں کی طرح لمبے نوک دار کیلے، زمین[عہ۲] پر گھسٹتے سر کے پیچیدہ[عہ۳] بال، قدوقامت جسم وجسامت بلاقیامت کہ ایک[عہ۴] شانے سے دوسرے تک منزلوں کا فاصلہ، ہاتھوں[عہ۵] میں لوہے کا وہ گرز کہ اگر ایک بستی کے لوگ بلکہ جن[عہ۶] وانس جمع ہوکر اٹھانا چاہیں نہ اٹھا سکیں، وہ گرج[عہ۷] کڑاک کی ہولناک آوازیں، وہ دانتوں[عہ۸] سے زمین چیرتے ظاہر ہونا، پھر ان آفات پر آفت یہ کہ سیدھی طرح بات نہ کرنا، آتے ہی جھنجھوڑ[عہ۹] ڈالنا، مہلت نہ دینا، کڑاکی جھڑ[عہ۱۰]کی آوازوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فی التاریخ والبیھقی فی عذاب القبر عن امیر المومنین عمر، حدیث ۷ و ابن ابی الدنیا عن ابی ھریرۃ، حدیث ۸ و ھو وابو النعیم و الاٰجری والبیھقی عن عطاء ابن الیسار مرسلا کلھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲۔

نے تاریخ میں اور بیہقی نے عذاب قبر میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ حدیث ۷ ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔ حدیث ۸ ابن ابی الدنیا، ابونعیم، آجری اور بیہقی سب نے عطاء بن یسار سے مرسلاً نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ (ت)

عہ۱ حدیث پنجم ۱۲

عہ۲ حدیث چہارم و پنجم ۱۲

عہ۳ دوم و ششم و ہفتم ۱۲

عہ۴ حدیث سوم ۱۲

عہ۵ حدیث پنجم ۱۲

عہ۶ حدیث ششم و ہفتم ۱۲

عہ۷ حدیث پنجم ۱۲

عہ۸ حدیث دوم، چہارم، پنجم، ششم، ہفتم، ہشتم ۱۲

عہ۹ حدیث دوم، ششم، ہفتم ۱۲

عہ۱۰ حدیث دوم و ہشتم و حدیث ۹ احمد و الطبرانی فی الاوسط والبیھقی و ابن ابی الدنیا عن جابر۔ حدیث ۱۰ و ابن ابی عاصم و ابن مردویۃ والبیھقی بوجہ اٰخر عنہ، حدیث ۱۱ و الاٰجری فی الشریعۃ عن ابن مسعود کلاھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین ۱۲۔

حدیث ۲ و ۸ و ۹ امام احمد نے اور معجم اوسط میں طبرانی نے اور بیہقی و ابن ابی الدنیا نے حضرت جابر سے روایت کی۔ حدیث ۱۰ ابن ابی عاصم، ابن مردویہ اور بیہقی نے ان ہی سے ایک دوسرے طریق سے روایت کی۔ حدیث ۱۱ آجری نے شریعہ میں حضرت ابن مسعود سے، دونوں حضرات نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ۱۲۔ (ت)

میں امتحان لینا وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل ارحم ضعفنا یاکریم یاجمیل صل وسلم علی نبی الرحمۃ و اٰلہ الکرام وسائر الامۃ اٰمین اٰمین یاارحم الرٰحمین۔ ایسے عظیم وقت میں شاید آپ کا استغراقی خیال تو یہی حکم لگائے کہ کھُلے میدان میں توپ کی آواز بھی سُننے میں نہ آئے مگر مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صحیح حدیثیں ارشاد فرمارہی ہیں کہ ایسی حالت میں اتنے پردوں میں مُردہ ایسی خفی آواز جُوتوں کی پہچل سنتا ہے جس کا تمھیں خود اعتراف ہے اور وہی امام عینی مستندمائۃ مسائل شرح صحیح بخاری شریف میں فرماتے ہیں:

فیہ ذھول عما ورد فی بعض الاحادیث ان صاحب القبر کان یسأل فلما سمع صریر السبتتین اصغٰی الیہ فکاد یھلک لعدم جواب الملکین فقال لہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم القھما لئلا تؤذی صاحب القبر ذکرہ ابو عبد اللّٰہ الترمذی۔[1]

یعنی اس قائل کو یاد نہ رہا وُہ جو ایک حدیث میں آیا ہے کہ قبر والے سے سوال ہورہا تھا اتنے میں جُوتوں کی پہچل اُس نے سُنی اُدھر کان لگائے جواب میں دیر ہُوئی، قریب تھا کہ ہلاک ہوجائے، سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس جُوتا پہن کر چلنے والے سے فرمایا انھیں اُتار ڈال کہ مُردے کو ایذا نہ پہنچے۔ یہ حدیث ابوعبداللہ محمد ترمذی نے ذکر فرمائی۔ (ت)

اور پھر وُہ سُننا بھی کا ہے سے، گوشِ سر جس کا ادراک بہ نسبت ادراک روح بہت قاصر و مقصور، تو بداہۃً ثابت کہ احوالِ برزخ آپ کے اوہام عادیہ سے منزلوں دُور، اور عادات معہودہ دارِ دُنیا پر ان کا قیاس باطل و مہجور۔

فائدہ رابعہ: ادراکِ رُوح مشروط بجسم ہیں یا نہیں، علی الاول صریح اعتزال وعلی الثانی تعلقاتِ بدنیہ کی کمی بیشی سے اس کے ادراکات میں تفاوت کس لئے۔ توضیح مقام یہ کہ وہ جو ملّا تفہیمی نے اہل سنّت سے نقل کیا کہ ادراکِ الم ولذت کے لیے وقتِ تنعیم وتعذیب (جسے وقتِ ایلام وتعذیب کہا اور ان کے نصیبوں لذت کے حصّے کا بھی الم ہی رہا) ایک نوع حیاتِ میت آجاتی ہے اور اس سے سماع لازم نہیں (قطع نظر اس سے کہ فقرۂ آں مستلزم سماع نیست عباراتِ مستندہ میں نہیں) یہ قولِ اہلسنّت بھی قطعاً بدن ہی کے حق میں ہے کہ قبر میں عودِ حیات اُسی کے لیے ہوتا ہے، اور اگر حدوثِ زیادت تعلق بالبدن وقتِ انعام وایلام وسوال کو روح کے لیے عودِ حیات سے تعبیر بھی کیجئے تو اس سے اگر فرق پڑے گا تو ادراکاتِ جسمانیہ میں جس کا حاصل تفاوت آلیت بدن کی طرف آئل مگر اہلسنت کے نزدیک ادراکات روح بدن پر موقوف نہیں تو وہ ان تعلقاتِ حادثہ سے پہلے بھی ویسے ہی مدرکہ عالمہ مبصرہ سامعہ تھی جیسی ان کے بعد یہ تفاوت کہ ایک نوع حیات ملتی ہے جس سے ادراکِ لذت والم تو ہو اور سماع نہ ہو وہاں ماشی نہیں آخر یہاں گھٹا بڑھا کیا یہی بدن سے تعلق، پھر اس سے ادراکاتِ رُوح کو کیا علاقہ تھا کہ اُس کے تفاوت سے وہ متفاوت

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب المیت لیسمع خفق النعال ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۸/ ۱۴۷

ہوں بخلاف بدن کہ اس کے ادراکات بنفسہٖ نہیں بلکہ تعلقِ رُوح ہی کے باعث ہیں اور تعلقاتِ متفاوت تو وقتِ مفارقت سلب کلی ادراک ہوگا اور جتنا تعلق بڑھتا جائے گا ادراک بڑھے گا، لہٰذا ممکن کہ تعذیب وتنعیم کے لیے تعلق کے مدارج متوسطہ سے وہ درجہ دیا جائے کہ بدن صرف ادراکِ لذّت والم کا آلہ کار پائے اُس کے ذریعہ سے سماع وابصار ہاتھ نہ آئے اور سوال وکلام کے لیے اس سے اعلیٰ درجہ ملے جس کے باعث سمع بدن کا بھی رستہ کھلے اور وجہ دہی کہ یہ سب امورِ روح وجسم دونوں سے متعلق ہیں، تنعیم وتعذیب میں مشارکتِ بدن کو صرف اُسی قدر درکار اور سوال میں شرکت کو سمع بھی مطلوب، غرض کلامِ اہلسنت بدن پر محمول کیجئے، اور یقیناً یہی ہے تو آپ کا مطلب فوت، محنت رائگاں، اور خواہ مخواہ روح کے گلے باندھیے تو ضلال اعتزال نقدِ وقت ہے مفر کہاں!

بالجملہ بحمد اللہ توفیق الٰہی رفیق اہلسنت اور خذلان وحرمان نصیب اہلِ بدعت ہے جو تیر اُن کی کمان سے وصل پاتے ہیں فصل سے پہلے اُنھیں کے منہ پر پلٹ کھاتے ہیں۔ علمائے اعلام کے جتنے کلام بہزار جانکاہی اپنی دلیل بنا کر لاتے ہیں وہ انھی کے دشمن قاتل اور اہلسنّت کے سچے دلائل بن جاتے ہیں۔ الحمد للہ اب ملّاجی کا ہاتھ یکسر خالی ہوگیا اس ساری بحث میں ان کی تمام چہ می گوئیوں کا حرف بحرف قلع قمع ہولیا۔ ملّاجی! اب تو ہمیں اجازت دیجئے کہ آپ ہی کے صفحہ عکس حلق[1] کے شکم زاد بول آپ ہی کے مُنہ پر پلٹ دیں کہ:

بے چارہ (قنوجی) عیارہ پختہ جنون خام کارہ کہ از روی کیش خویش کورو کر بل خشت وحجر بلکہ از انہم بتر شدہ است بتصور اینکہ من ہرچہ خواہم نگاشت عامّہ مؤمنین بران اعتماد خواہند ساخت ہرچہ در شکم داشت از دہان برآورد افسوس کہ مردمان رعایت این بیچارہ کہ شبہا دریں باب محنت کشیدہ نہ کردہ تغلیط وے ظاہر کردیم پس ایں معاملہ طشت ازبام شد۔

بے چارہ (قنوجی) عیار، پختہ جنوں، خام کار، جو اپنے مذہب کی رُو سے اندھا، بہرا بلکہ اینٹ پتھر، بلکہ ان سے بھی بدتر ہوچکا ہے، اس خیال سے کہ میں جو کچھ لکھ دُوں گا عام مسلمان اس پر اعتماد کرلیں گے، جو کچھ شکم میں رکھتا تھا زبان پر لایا۔ افسوس کہ یہ بے چارہ جس نے اس باب میں کئی رات مشقت جھیلی ہم لوگوں نے اس کی رعایت نہ کرکے اس کی تغلیط ظاہر کردی تو یہ معاملہ طشت ازبام ہوگیا۔ (ت)

والحمد للہ رب العالمین وقیل بعدا للقوم الظالمین۔

اور ساری تعریف اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اور کہا گیا ہلاکت ہو ظالموں کے لیے۔ (ت)

---

[1] ارقام نجومیہ میں ۱۳۸ کو قلح لکھتے ہیں جس کا عکس حلق ۱۲ منہ (م)

جوابِ پنجم: فرض کیا کہ وُہ معتزلہ نہیں مشائخ اہلسنت ہی ہیں، مگر یہ مسئلہ کچھ فقہیہ نہیں، صاحبِ مأتہ مسائل کو اقرار ہے کہ فقہ سے جُدا متعلق بہ اخبار ہے، سائل نے سوال کیا تھا:

سماعتِ موتٰی کلامِ احیا در شرع جائز است یا گناہ کدام گناہ؟[1]

مُردوں کا، زندوں کا کلام سُننا شریعت میں جائز ہے یا گناہ، کون سا گناہ؟ (ت)

آپ اس کے جواب میں اظہارِ علم فرماتے ہیں کہ:

عادت و تکیۂ کلام سائل آنست کہ در ہر جا می پرسد جائز است یا گناہ کدام گناہ درین مقام پرسیدن باین عبارت نمی سزد زیرا کہ جواز و گناہ در افعال و اعمال مے شود واین متعلق باخبار است کہ این امر ثابت است یا نہ[1] ملخصاً۔

سائل کی عادت اور تکیہ کلام یہ ہے کہ ہر جگہ پوچھتا ہے جائز ہے یا گناہ؟ کون سا گناہ؟ یہاں ان الفاظ سے سوال مناسب نہیں اس لیے کہ جواز اور گناہ افعال و اعمال میں ہوتا ہے۔ اور یہ اخبار سے متعلق ہے کہ یہ امر ثابت ہے یا نہیں؟ ملخصاً (ت)

اور جب مسئلہ علمِ فقہ سے ہے ہی نہیں تو حنفیت و شافعیت کی تخصیص یا تقلید بعض یا اکثر مشائخ سے اُسے تعلق یعنی چہ۔ متعلق باخبار ہے اخبار و احادیث کے خلاف غیر ماخذ سے اخذ کیا معنے، غرض تمہید یہ اٹھا کر برخلاف نصوص صریحہ، احادیثِ صحیحہ جواب یُوں دینا:

پس جواب این ست کہ نزد اکثر حنفیہ سماعتِ موتٰی ثابت نیست[2]

پس جواب یہ ہے کہ اکثر حنفیہ کے نزدیک سماعِ موتٰی ثابت نہیں۔ (ت)

اور پھر اُس میں بھی تصریحاتِ جلیلہ اصل ماخذ کے مقابل یہ توسع کہ "چنانکہ از کافی و فتح القدیر حاشیہ ہدایہ صراحۃً واشارۃً کہ قریب بتصریح است معلوم می شود[3] ملخصاً" (جیسا کہ کافی، فتح القدیر حاشیہ ہدایہ سے صراحۃً اور اشارۃً جو تصریح کے قریب ہے، معلوم ہوتا ہے، ملخصاً۔ ت) محض بیجا و بے محل واقع ہُوا، اس جواب کی طرف بھی تفہیم المسائل میں اشارہ فرمایا:

حیث قال و در حقیقت این مسئلہ از علمِ فقہ ہم نیست چنانچہ مجیب نیز درین جا اقرار نمودہ[4]۔

فرمایا: درحقیقت یہ مسئلہ علمِ فقہ سے بھی نہیں جیسا کہ مجیب نے اسی مقام پر اقرار کیا ہے۔ (ت)

---

[1] مأتہ مسائل مسئلہ ۲۶ مکتبہ توحید و سنت پشاور ص ۵۱

[2] و [3] تفہیم المسائل عدمِ سماعِ موتٰی از کتبِ حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۳۷

[4] تفہیم المسائل " " " " ص ۷۰

اقول صدرِ کلام میں واضح ہوچکا کہ یہ کلام ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول نہیں، استدلال مسئلہ منصوصہ میں طبع آزمائی مشائخ ہے، فقہیات میں ائمہ کرام کے بعد مشائخ اعلام کی تقلید بھی علی الراس والعین کہ،

علینا اتباع مارجحوہ وصححوہ کما لوافتونا فی حیاتھم[1]

ہمارے ذمہ اسی کا اتباع ہے جسے ان حضرات نے راجح وصحیح قرار دیا، جیسے وہ اپنی زندگی میں ہمیں فتوی دیتے تو ہماری ذمہ داری یہی ہوتی۔ (ت)

مگر ع

ہر سخن نکتہ و ہر نکتہ مکانے دارد

(ہر بات میں کوئی نکتہ اور ہر نکتہ کا کوئی موقع ہوتا ہے۔ ت)

موافق مخالف سب اہلِ عقول کا قدیمی معمول کہ ہر فن کی بات اُسی کی حد تک محدود ومقبول، تحقیقِ حلال وحرام میں فقہ کی طرف رجوع ہوگی، اور صحت وضعفِ حدیث میں تحقیقات فنِ حدیث کی طرف، طبی مسئلہ نحو سے نہ لیں گے، نہ نحوی طب سے۔ علماء فرماتے ہیں شروحِ حدیث میں جو مسائل فقہیہ کُتبِ فقہ کے خلاف ہوں مستند نہیں، بلکہ تصریح فرمائی کہ خود اصولِ فقہ کی کتابوں میں جو مسئلہ خلافِ کُتبِ فروع ہو معتمد نہیں، بلکہ فرمایا جو مسئلہ کُتبِ فقہ ہی میں غیر باب میں مذکور ہو مسئلہ مذکورہ فی الباب کا مقاوم نہ ہوگا کہ غیر باب میں کبھی تساہل راہ پاتا ہے،

وقد بیّنا کل ذٰلک فی رسالتنا المبارکۃ ان شاء اللہ تعالٰی فصل القضاء فی رسم الافتاء۔

یہ سب ہم نے اپنے رسالہ فصل القضاء فی رسم الافتاء میں بیان کیا ہے جو بابرکت ہے اگر اللہ تعالٰی نے چاہا۔ (ت)

جو فرقِ مراتب نہ کرکے خلطِ مبحث کرے جاہل ہے یا غافل ذاہل، برزخ ومعاد امورِ غیبیہ ہیں جن میں قیاس و اجتہاد کو دخل نہیں، اُن کا پتا تو نبی امین الغیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کے ارشاد سے چل سکتا ہے نہ مشائخ کی رائے سے، بلکہ علمائے کرام کو اس میں اختلاف ہے کہ عقائد میں تقلید مقبول بھی ہے یا نہیں۔ اللہ کو ایک، رسول کو سچا، جنّت ونار کو موجود، سوال وعذاب ونعیمِ قبر کو حق جاننے میں اس کا کوئی محل نہیں کہ فلاں فلاں مشائخ ایسا فرماتے تھے محض ان کے اعتبار پر مان لیا ہے۔ ہاں عقائد میں کتاب وسنّت واجماعِ اُمّت و سوادِ اعظم اہلِ سنّت کا اتباع ہے، اس لیے کہ خدا ورسول نے ہمیں بتادیا کہ اجماع ضلالت پر ناممکن اور سوادِ اعظم کا خلاف ابتداع ہے۔ اب کتاب مجید دیکھئے تو بلاشبہ ثابت فرمارہی ہے کہ رُوح میت نہیں، رُوح بے ادراک نہیں، روح کے ادراک بدن پر موقوف نہیں، روح فنائے بدن کے بعد باقی و مدرک رہتی ہے برخلاف

---

[1] الدرالمختار مقدمۃ الکتاب (رسم المفتی) مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

ان عباراتِ مشائخ کے، جنھیں تم نے رُوح پر عمل کر کے صریح کتاب اللہ کے خلاف کردیا۔ سنّتِ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم سُنیئے توکیسی صریح وصحیح وجلیل وجزیل حدیثیں سماعِ موتیٰ ثابت فرما رہی ہیں جنھیں سُن کر پتھر بھی موم ہوجائے۔ اجماع مانگیے تو اس نقول اوپر منقول۔ سوادِ اعظم درکار تو اس کا نمونہ مقصد سوم سے آشکار۔ یارب! پھر خلاف کی طرف راہ کدھر، بھلا یہ تو برزخ ومعاد کا مسئلہ ہے جن کے لیے کوئی فصل و باب کُتب فقہ میں نہ پائے گا کہ وُہ بحثِ فقہ سے یکسر جُدا ہیں، کسی قول یا فعل کا موجبِ کفر ہونا تو خود افعالِ مکلفین ہی سے بحث ہے، اُس کے بیان کو کتبِ فقہ میں "باب الردۃ" مذکور اور صدہا اقوال و افعال پر انہی مشائخ کے بیشمار فتوائے کفر مسطور، مگر محققین محتاط تارکینِ تفریط و افراط باآنکہ سچے دل سے حنفی مقلد اوران مشائخ کرام کے خادم و معتقد ہیں، زینہار اُن پر فتویٰ نہیں دیتے اور حتی الامکان تکفیر سے احتراز رکھتے بلکہ صاف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی روایتِ ضعیفہ اگرچہ دوسرے ہی مذہب کی دربارۂ اسلام مل جائے گی اسی پر عمل کریں گے اور جب تک تکفیر پر اجماع نہ ہولے کافر نہ کہیں گے۔ وہی درمختار جس میں اما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ[1] الخ تھا اسی میں ہے:

القاظہ تعرف فی الفتاوٰی بل افردت بالتالیف معانہ لا یفتی بالکفر بشئی منہا الا فیما اتفق المشائخ علیہ کماسیجئ قال فی البحر وقد الزمت نفسی ان لا افتی بشئی منہا۔[2]

یعنی الفاظِ کفر کُتبِ فتاوٰی میں معروف ہیں بلکہ اُن کے بیان میں مستقل کتابیں تصنیف ہُوئیں، اس کے ساتھ ہی کہ اُن میں سے کسی کی بناء پر فتویٰ کفر نہ دیا جائیگا مگر جہاں مشائخ کا اتفاق ثابت ہو جیسا کہ عنقریب کلامِ مصنّف میں آتا ہے، بحرالرائق میں فرمایا: میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ ان میں سے کسی پر فتویٰ نہ دُوں۔

تنویر الابصار میں ہے:

لا یفتی بتکفیر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن او کان فی کفرہ خلاف ولو روایۃ ضعیفۃ۔[3]

کسی مسلمان کے کفر پر فتویٰ نہ دیا جائے جبکہ اس کا کلام اچھے پہلو پر اتار سکیں یا کفر میں خلاف ہو اگرچہ ضعیف ہی روایت سے۔

---

[1] درمختار | مقدمۃ الکتاب (رسم المفتی) | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۵
[2] " | باب المرتد | " | ۱/ ۳۵۵
[3] " | " | " | ۱/ ۳۵۶

ردالمحتار میں ہے:

قال الخیر الرملی اقول ولوکانت الروایۃ لغیر اھل مذھبنا ویدل علٰی ذٰلک اشتراط کون مایوجب الکفر مجمعا علیہ[1]۔

یعنی علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحبِ درمختار نے فرمایا اگرچہ وہ روایت دوسرے مذہب مثلاً شافعیہ یا مالکیہ کی ہو اس لیے کہ تکفیر کے لیے اُس بات کے کفر ہونے پر اجماع شرط ہے۔

یہ علامہ بحر صاحب البحر و علامہ خیر رملی و مدقق علائی در بارۂ تقلید جیسا تصلب شدید حق و سدید رکھنے والے ہیں اُن کی تصانیفِ جلیلہ بحر و اشباہ و رسائل زینیہ و در و فتاوٰی خیریہ وغیرہا کے مطالعہ سے واضح مگر یہاں اُن کے کلمات دیکھئے کہ جب تک اجماع نہ ہو فتوٰی مشائخ پر عمل نہ کریں گے، ہم نے التزام کیا ہے کہ اس پر فتوٰی نہ دیں گے تو وجہ کیا وہی کہ یہ بحث اگرچہ افعالِ مکلفین سے متعلق ہے مگر فقہ کا دائرہ تو حیثیتِ حلال و حرام تک منتہی ہوگیا آگے کفر و اسلام اگرچہ یہ اعظم فرض وہ اخبث حرام، مگر اصالۃً اس مسئلہ کا فن علم عقائد و کلام، وہاں تحقیق ہوچکا ہے کہ جب تک ضروریاتِ دین سے کسی شَے کا انکار نہ ہو کفر نہیں تو ان کے غیر میں اجماع ہرگز نہ ہوگا، اور معاذ اللہ اُن میں سے کسی کا انکار ہو تو اجماع رُک نہیں سکتا لہٰذا تمام فتاوٰی و نقول سے قطع نظر کرکے مسائل اجماعیہ میں حصر فرما دیا۔ جب یہاں یہ حال ہے تو ہمارا مسئلہ جس میں نہ فعل مکلف نہ حلت و حرمت بلکہ ایک امر برزخ کے ثبوت و عدمِ ثبوت کی بحث ہے کیوں کتاب و سنّت و اجماعِ اُمت و سوادِ اعظم ساداتِ ملت سے منقطع ہو کر مرہون نقول بعض کتبِ فقہیہ ہونے لگا و ھذا ھو حق التحقیق والحق احق بالتصدیق (یہی حق تحقیق ہے اور حق اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے۔ ت)

جوابِ ششم: اقول سب جانے دو، یہ بھی مانا کہ یہ قولِ مشائخ یہاں حجت اور فی نفسہٖ قابلِ قبول و متابعت ہے، اب اس سے زیادہ تنزل کا کوئی درجہ نہیں تاہم ہم پر اس سے احتجاج اصلاً موجہ نہیں، کسی دلیل کا فی نفسہٖ کافی و صالح تعویل ہونا اور بات، اور اس سے ثبوت اور اتمام حجت ہونا اور، مثلاً قیاس دلیل شرعی ہے مگر نص کے آگے نامقبول، حدیث صحیح احاد حجتِ شرعیہ ہے مگر اجماع کے سامنے غیر معمول، وعلٰی ھذا القیاس، و لہٰذا حدیث کی صحت حدیثی و صحتِ فقہی میں زمین و آسمان کا فرق ہے، جس کی تحقیقِ انیق فقیر کے رسالہ الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی[عہ] میں ہے، ان مشائخ کے اگر یہ قول ہیں تو صدہا اکابر اعلام کے ارشاداتِ جلیلہ

عہ اس کا سوال شہر ارکاٹ سے آیا تھا لہٰذا تاریخی لقب "اعز النکات بجواب سوال ارکات" ہے، یہ رسالہ غیر مقلدوں کے اُس مشہور مغالطہ کے رَد بلیغ میں ہے کہ امام اعظم نے خود فرما دیا ہے جب حدیث صحیح ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے، ایک غیر مقلد نے یہ اعتراض بہت طمطراق سے چھاپا اور حنفیہ سے طلب جواب ہوا یہاں بھی وہ پرچہ بھیجا جس کے جواب میں بفضلہ تعالٰی یہ مختصر و نافع رسالہ تحریر ہوا ۱۲ منہ (م)

[1] ردالمحتار باب المرتد مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۱۶

ہماری طرف ہیں، جن کا ایک نمونہ مقصد سوم نے ظاہر کیا اور ان میں اجلّۂ ائمہ و مشائخ علمائے حنفیہ بھی ہیں تم نے پانچ متاخرین کے قول ذکر کیے ہم نے پچاس سے زائد ائمہ و علمائے حنفیہ مجتہدین فی المذہب وفقہاء النفس وعمائد محققین سلف وخلف کے ارشادات دکھائے جن میں خود اُن پانچ سے بھی امام نسفی و امام عینی و امام ابن الہمام شامل، اُدھر اگر ایک کتاب میں اکثر مشائخنا کا لفظ لکھا ہے تو ادھر متعدد کتب میں اجماع اہلسنت مذکور رہوا ہے، اب دو راہیں ہیں تطبیق و ترجیح۔ ان میں تطبیق ہی اولٰی و اول و بتصریح علماء حتی الوسع اسی پر معول، اسے اختیار کیجئے تو بحمد اللہ سبیل واضح ہے کہ اثباتِ سماع رُوح کے لیے ہے اور انکارِ سماع بدن پر محول، اس کی تقریر اور اس کے منافع و فوائد کی تذکیر جوابِ اول میں مفصلاً تحریر، اور اگر توفیق نہ ملے تو بہت خوب بابِ ترجیح کھلے، یوں بھی باذنہٖ تعالٰی میدان ہمارے ہی ہاتھ رہے گا۔

اوّلاً ہماری طرف احادیث کثیرہ ہیں تمہاری طرف ایک بھی نہیں، کتنی حدیثوں میں سُن چکے کہ ان المیت لیسمع بیشک مُردہ سُنتا ہے۔ یہ بھی کسی حدیث میں آیا کہ المیت لا یسمع مُردہ نہیں سنتا۔ اور یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ:

لا یعدل عن درایۃ ما وافقتہا روایۃ[1]، کما فی الغنیۃ وردالمحتار۔

درایت سے عدول نہ ہوگا جب کوئی روایت بھی اس کے موافق ہو، جیسا کہ غنیہ و ردالمحتار میں ہے(ت)

ثانیاً رُوح کی موت و بے ادراکی اور اس کے ادراکات کا جسم پر توقف کہ تمہارے طور پر مفاد کلام مشائخ ہے کتاب اللہ کے خلاف و معارض ہے۔

ثالثاً اجماعِ اہلسنّت کے مناقض ہے۔

رابعاً خود ان کا کلام مضطرب و متناقض ہے۔

خامساً بوجوہِ قاہرہ مجروح و مرجوح ہے۔

سادساً حمل علی البدن نہ مانو محتمل تو ہے اور محتمل صالح معارضہ نہیں۔

سابعاً اگر کوئی حدیث اثباتِ سماع میں نہ ہوتی تو سلام خود منصوص و مجمع علیہ ہے اور کلام کا ظاہر سے صرف و عدول باجماعِ علماء مردود و مخذول۔

ثامناً تم خود مان چکے کہ مُردے زائروں کا سلام سنتے ہیں (مائۃ مسائل جواب سوال ۱۹) پھر ثبوتِ سماعِ موتٰی میں کیا محلِ کلام رہا جب قوتِ سماع حاصل اور خود خارج کی آواز سُننا سمجھنا ثابت تو آواز آواز سب ایک سی اور

---

[1] ردالمحتار واجبات الصلوٰۃ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۳

فرق تحکم باطل وعلی التنزل یہ ایجاب جزئی اُس سلب کلی مشائخ کا ضرور نقیض ومبطل، توجس کلام کو خود باطل مان چکے اُس سے استناد ہوس عاطل۔

تاسعًا بحث ایک امر کے وجود وعدم نفس الامری میں ہے وہ مشائخ نافی اور یہ ائمہ مثبت ہیں مثبت مقدم۔

عاشرًا اگر بالفرض دونوں پلّے ہر طرح برابر ہوں توامر مستوی رہا، اور سماع ماننے میں نفع بے ضرر ہے کہ جب مُردوں کو مدرک جانیں گے قبور کے پاس کلام بیجا سے باز رہیں گے، افعالِ منکرہ سے حیا کریں گے۔ اور پتھر جانا تو بیباک ہوں گے، یُوں بھی انکارِ سماع میں ضرر واندیشۂ ضیر ہے اور اثباتِ سماع محض نفع وخیر ہے۔

ختم اللہ تعالٰی لنا علٰی محض نفع وخیر وحفظنا من کل ضر وضیر والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد و اٰلہ و صحبہ اجمعین اٰمین۔

اللہ تعالٰی ہمارا خاتمہ محض نفع وخیر پر کرے اور ہر ضرر و نقصان سے ہمیں بچائے۔ اور سب خوبیاں اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اور اللہ تعالٰی ہمارے آقا حضرت محمد اور ان کے تمام آل واصحاب پر درود نازل فرمائے، الٰہی قبول فرما! (ت)

وہ تین جواب ان کے صغرٰی پر عائد تھے، یہ تین ان کے کبرٰی پر وارد۔ اور اوپر گزارش ہوچکا کہ یہ ارخاے عنان ہے حق تحقیق وحقیقتِ حق جوابِ اوّل سے عیاں ہے والحمد للہ رب العٰلمین۔ فقیر نے اس مسئلہ یمین وکلام اُم المومنین کے متعلق کو زیرِ حدیث ۵۴ وحدیث ۱۵ بشرط جواب مولوی مجیب صاحب دور آئندہ پر محوّل رکھا تھا مگر اللہ عزوجل دارین میں جزائے خیر وافی ووافر عطا فرمائے۔ مولٰنا المکرم ذی الفضل والکرم، ناصرِ سنن، کاسرِ فتن، محبِ دینِ متین، صدیقنا مولوی محمد عمر الدین سُنّی حنفی قادری مجیدی نزیل بمبئی سلمہ اللہ تعالٰی کو کہ اس بحثِ نفیس وجلیل وہم کی تحریر وتحبیر پر مصر ہُوئے جس کے باعث ہنگام طبع کتاب دونوں مقام مذکور میں ان مباحث کی طرف عود کے وعدے بڑھائے گئے، خیال تھا کہ ایک آدھ جز لکھ دیا جائے گا جو مقصد سوم کی کسی فصل میں بطور فائدہ اندراج پائیگا۔ طبیعت علیل، ذہن کلیل، مدتِ معالجات طویل، جس کے سبب قوتِ ضعف معاذ اللہ تا حدِ تعطیل۔ باایں ہمہ نام فرصت معدوم وقلیل، روزانہ امصار واقطار سے ورود فتاوائے کثیر وجزیل، مگر جب لکھنا آغاز ہُوا بارگاہِ واہب الفیض عزجلالہ سے درِ فیوض باز ہُوا، بحمد اللہ تعالٰی وُہ جواہرِ عالیہ وزواہرِ غالیہ عطا فرمائے کہ فقیر حقیر کی حیثیت ولیاقت سے بدرجہا وراء تھے لہٰذا اس تذییل جلیل کو رسالہ مستقلہ کیا اور بلحاظ تاریخ الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین ۱۳۱۶ھ لقب دیا جو بانصاف بے اعتساف اسے دیکھے گا ان شاء اللہ تعالٰی بدلِ صاف شہادت دے گا کہ مسئلہ یمین آج حل ہُوا جسے مخالف موافق، موافق مخالف سمجھا کرتے تھے، اُس کا عقدہ اب منحل ہُوا، جن کلمات کو مخالفین اپنی دلیل بنایا کرتے اب وُہ کلمے خود اُنہی کو ذلیل بنائیں گے، جن اقوال کو موافقین محتاجِ جواب سمجھے اب انہی کو اپنی

دلیل بنائیں گے اور اس کے ساتھ بفضلہٖ تعالیٰ تفہیم المسائل کی ساری بالا خوانیاں بھی نیچی پڑیں، صبح سنت شرق حق سے چمکی، باطل کی ظلمتیں دھواں بن کر اڑیں۔ یہ سب بحمد اللہ تعالیٰ ادنیٰ تصدق کفش برداری اعلیحضرت سید العلماء المحققین، سند الفضلاء المدققین، حامی السنن، ماحی الفتن، حجۃ الخلف، بقیۃ السلف، اعلم علماء العالم، سیدنا الوالد الماجد المکرم حضرت مولانا محمد نقی علی خاں صاحب حنفی قادری برکاتی و کمترین برکات خاک بوسی آستان فیض نشان اقدس حضرت امام العرفاء الکاملین، سنام الاولیاء الواصلین، بدر الطریقۃ، بحر الحقیقۃ، حبر الشریعۃ، اقوی الذریعۃ، سیدی و مولای و مرشدی و کنزی و ذخری لیومی و غدی حضور سیدنا سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہما واتم نورھما و نور قبورھما وقدس سرھما واعاد علینا فی الدارین برکاتھما ورزقنا بمنہٖ برھما آمین الٰہ الحق آمین (اللہ تعالیٰ دونوں حضرات سے راضی ہو اور ان کا نور کامل فرمائے ان کی قبروں کو منور کرے، دارین میں ہمارے اوپر ان کی برکتیں عائد فرمائے اور اپنے کرم سے ہمیں ان کی فرمانبرداری نصیب کرے، قبول فرمائے الٰہ برحق قبول فرما۔ ت) ہے۔ والحمد للہ رب العالمین جو اہلسنت ان حروف سے نفع پائیں مامول کہ دونوں حضراتِ عالیہ کو ایصالِ ثواب فاتحہ سے شاد فرمائیں اور اس فقیر حقیر اور مولانا مولوی محمد عز الدین صاحب موصوف کو کہ اس نفیسۂ جلیلہ کے محرک تالیف اور الدال علی الخیر کفاعلہ (خیر کی راہ بتانے والا اسی کی طرح ہے جو خیر کو عمل میں لانے والا ہے۔ ت) کے مصداق منیف ہوئے اور عالی ہمتان زمن محبانِ دین وسنن حاجی اسحٰق آدم صاحب صباغ پلبندری وحاجی ابو حاجی حبیب صاحب پلبندری ممبوی حفظہما اللہ تعالیٰ عن الفتن والمحن کو جن کی ہمت بلند سے اصل کتاب اور جامع فضائل قامع رذائل مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب قادری نقشبندی شاذلی سلمہ العلی الولی کو جن کی سعی جمیل سے یہ اجزائے تذییل جلیل منطبع اور اہلسنت ان جواہر دینیہ سے متمتع ہوئے دعائے عفو و عافیت و خیر و برکاتِ دنیا و آخرت سے یاد فرمائیں۔ صحیح حدیث میں ہے، پس پشت اپنے بھائی مسلمان کے لئے دعا پر ملائکہ کہتے ہیں آمین ولک بمثلہ تیری یہ دعا قبول اور اس کے مثل تجھے بھی حصول والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علٰی سیدنا ومولٰنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

الحمد للہ! آج اس رسالہ سے تصانیفِ فقیر کا عدد ایک ۱۰۰ سواستی ۸۰ ہوا، اکرم الاکرمین جل جلالہٗ قبول فرمائے اور فقیر حقیر و اہلسنت کے لیے دارین میں حجّتِ نجات بنائے آمین۔ اَحسنِ اتفاق یہ کہ یہ رسالہ سمع ارواح کے باب میں ہے اور شمار تصانیف میں ایک سو اسّی اور اسمائے الٰہیہ میں صفتِ سمع پر دال اسم پاک سمیع ہے اس کے عدد بھی یہی۔

نسئل السمیع ان یسمع دعواتنا ویستر عوراتنا ویومن روعاتنا ویقضی حاجاتنا ویغفر سیاٰتنا	ربِ سمیع سے سوال ہے کہ ہماری دعائیں سُن لے، ہمارے عیوب چھپائے، ہمارے خوف کی چیزوں کو امن دے، ہماری حاجتیں پوری فرمائے، ہمارے گناہ مٹائے،

ویصلی ویسلم ویبارك علی سیدنا الکریم النبی المکین محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین، کان ذلك لیوم ھو اول نصف الاٰخر من اٰخر النصف الاول من اول النصف الاٰخر من العشر الثانیۃ من المائۃ الرابعۃ من الالف الثانی من ھجرۃ سیّد المرسلین مولی الاٰمال ومولی الامانی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارك علیہ وعلی اٰلہ وصحبہ وذریتہ وحزبہ وعیالہ قدر حسنہ وجمالہ وجودہ ونوالہ اٰمین اٰمین والحمد للہ رب العالمین سبحانك اللھم وبحمدك اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرك واتوب الیك سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون و سلٰم علی المرسلین ہ والحمد للہ رب العالمین ہ

اور ہمارے کریم آقا بزرگ نبی حضرت محمد اور ان کی سب آل واصحاب پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے، یہ امیدوں کے عطا فرمانے والے، آرزوؤں کے مولا حضرت سید المرسلین کی ہجرت کے ہزارۂ دوم کی چوتھی صدی کے دوسرے عشرے میں سے نصف آخر کے اوّل (۱۳۱۶) میں سے نصف اول کے ماہ آخر (جمادی الآخرہ) کے نصف آخر کے روزِ اوّل (۱۶) کو ہوا۔ اللہ تعالٰی ان پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے اور ان کی آل، اصحاب، اولاد، جماعت اور عیال پر بھی ان کے حسن و جمال اور جود ونوال کے بقدر قبول فرما۔ اور تمام تعریف اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، اور شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتا ہوں۔ پاکی ہے تیرے رب کے لیے جو عزت کا مالک ہے، ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں، اور سلام ہو رسولوں پر، اور تمام حمد اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

إنباء الحي

أن كلامه المصون تبيان لكل شيء

(١٣٢٦ الهجرة النبوية)

مع تعليقاتها

حسام المفتري على السيد البري

للإمام أهل السنة الشيخ أحمد رضا خان القادري الحنفي البريلوي قدس سره

مؤسسة رضا

الجامعة النظامية الرضوية . لاهور . پاكستان

الدولة المكية بالمادة الغيبية

(١٣٢٣ الهجرية)

للشيخ الإمام أحمد رضا خان
القندهاري الأفغاني ثم البريلوي الهندي

مع تعليقاتها للمصنف باسم التاريخي

الفيوضات الملكية لمحب الدولة المكية

(١٣٢٦ الهجرية)

ويليه

جلائل التقريظات لأجلة علماء الحرمين الشريفين وحماة ومصر والشام وغيرها من بلاد دار السلام زادها الله شرفاً وتكريماً

مؤسسة رضا
الجامعة النظامية الرضوية - لاهور، پاكستان